ستاروں کا آنگن

نسیم سحر قریشی



بار اول ——— 2005ء

ناشرین ——— خواتین ڈائجسٹ

پریس ——— ابن حسن پریس، کراچی

سول ایجنٹ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37-اردو بازار کراچی

کہاں آ کے رکنے تھے راستے' کہاں موڑ تھا اسے بھول جا
وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ' جو نہیں ملا اسے بھول جا
وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پہ برس گئیں
دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا
کسی آنکھ میں نہیں اشک غم تیرے بعد کچھ بھی نہیں ہے کم
تجھے زندگی نے بھلا دیا تو بھی مسکرا' اسے بھول جا
تو یہ کس لیے شب ہجر کے اسے ہر ستارے میں دیکھنا
وہ فلک کہ جس پہ ملے تھے ہم کوئی اور تھا اسے بھول جا

(امجد اسلام امجد)

غزل ختم ہوگئی یا گاڑی کے تیز ہارن نے گم صم بیٹھی گوہر کو چونکا دیا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پورچ میں نبیل بھائی کی سی کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جواب میں گوہر نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ بضد رہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جمے رہے۔

''کیا بات ہے نبیل بھائی! خیر تو ہے۔'' گوہر مسکرائی۔

جوہر آپا ان دنوں ایک طویل عرصے بعد اپنے خوابوں کی تعبیر پانے والی تھیں اور پورا گھران کی طرف سے کسی خبر کا منتظر تھا۔

''ہاں صاحب خیریت ہی خیریت ہے۔ بس ہماری جان ناتواں پر آپ کو یہاں سے اپنے گھر لے جانے کی بھاری ذمہ داری کا بوجھ ہے۔ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ چند منٹ میں آپ کو یعنی محترمہ گوہر صاحبہ کو ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا چاہیے۔''

''کیا آپ کو ہاسپٹل جانا ہے۔''

''بھئی حد ہوگئی گوہر بی بی! کیا تم نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے؟ تمہاری آپا کے ہاسپٹل جانے میں ابھی پورا ایک ماہ پڑا ہے۔ ویسے فضول باتوں میں وقت ضائع ہو رہا ہے۔ تم جلدی سے آؤ تاکہ تمہیں گھر چھوڑ کر اپنی ضروری اپائنٹمنٹس سے دو دو ہاتھ کر سکیں۔ تمہیں خبر ہے تا شام چار بجے کے بعد ایک پل بھی ہمیں باہر رہنے کی اجازت نہیں۔'' نبیل بھائی نے اپنا عذر پیش کیا۔ گوہر مسکرا دی۔

''نبیل بھائی میں اماں سے تو کہہ دوں۔ میں ابھی آئی۔'' وہ اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئی پل میں گاڑی گیٹ کی راہ باہر نکل گئی۔

گاڑی سے اترتے ہی وہ گوہر کو اندر کمرے میں لے گئے۔ جوہر کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیتے۔

''لیجیے حضور..... آپ کا ملزم حاضر ہے۔ اور یہ بندہ باہر جانے کی اجازت کا طلب گار۔'' انہوں نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

گوہر نبیل بھائی کی معصومیت پر مسکرا اٹھی۔ جوہر نے شکایتی انداز میں نبیل کو دیکھا۔ وہ خدا حافظ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

''کیا بات ہے آپا۔ ابھی دو دن ہوئے پورے چوبیس گھنٹے تمہارے پاس رہ کر گئی ہوں۔ پھر کیا ضرورت آن پڑی۔ ایک تو تم اور تمہارے متعلقہ کام میرے گلے کا ہار بن گئے ہیں۔ اور پھر یہ ہر وقت کے بلاوے۔ کچھ وقت

مجھے اپنی ذات کے لیے بھی چاہیے ہوتا ہے۔ آج میں نے سوچا تھا کہ پورا دن اپنی مرضی سے گزاروں گی لیکن وہ جوہر آپا ہی کیا جو دوسروں کو چین سے رہنے دیں۔"

"دم تو لو..... رکو تو سہی۔ اصل میں گوہر بات ہی ایسی تھی جو تمہیں بلانا پڑا۔ میں تو رات سے سوچ سوچ کر پریشان ہوئی جا رہی ہوں۔ آخر یہ کون ہوگا.....؟ کون؟"

"کون.....؟ کون ہے کون.....؟" گوہر حیران رہ گئی۔

"ظاہر ہے کوئی انسان ہی ہوگا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے۔"

"کون سی بات؟" وہ ہونق بنی سن رہی تھی۔

"بھئی دیکھو نا۔ حسین نظاروں کی' پھولوں اور کلیوں کی تصویریں بنانے کی حد تک تو بات جائز ہے۔ لیکن یہ خالی مکانوں کی' میزوں کرسیوں کی' خوابگاہوں اور ڈرائنگ روموں کی۔ بلکہ گاڑیوں کی تصویریں بنانا تو ایک دم ناجائز ہے۔ یوں لگتا ہے کسی نے ہم پر اپنی امارت کا رعب جھاڑا ہے۔"

"کیا مطلب جوہر آپا؟ میں بور ہونے لگی ہوں۔ آپ کی نہ سمجھ آنے والی باتوں سے بھئی تصویروں کا کیا ہے جس چیز کی بنالیں بن جاتی ہیں۔" اسے ذرہ بھر دلچسپی نہ تھی۔ ایسی باتوں سے۔

"بنتی تو ہیں......... لیکن کچھ اچھی نہیں لگتیں۔ کوئی تک ہے بھلا...... ایک دم سجے سجائے ڈرائنگ روم کی تصویر بنادو۔ جس میں بندہ دیکھنے کو نہ ملے۔" گوہر ہونق بنی ان کی سن رہی تھی۔

"جوہر آپا! یہ سب کیا ہے۔ کسی ڈرامے کا منظر تو نہیں۔"

"یہ سب بھی کچھ ہے اٹھو اور جاکے میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولو اور اوپر پڑا سفید بھاری لفافہ اٹھالاؤ۔"

"جوہر آپا! آپ کو خبر ہے نا میں سسپنس سے کتنا گھبراتی ہوں۔ اس لفافے میں کیا ہے؟" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"کوئی اسرار نہیں میری جان۔ پر صرف تصویریں ہیں چھتیس عدد تصویریں۔"

"تصویریں ہیں۔ تو میں کیا کروں۔"

"ارے بھئی وہی تصویریں۔ کسی خالی مکان کی۔ دیکھو اور معمہ حل کرنے میں میری مدد کرو۔"

تھوڑی دیر بعد گوہر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ واقعی میزوں کی کرسیوں کی' صوفوں کی' بیڈز کی' کسی گھر کے لان کی' ٹی وی لاؤنج کی۔ ایک خوب صورت ترین گھر تھا وہ۔ جس کی سجاوٹ انتہائی نفاست سے کی گئی تھی۔ خوب صورت کلر اسکیم' انتخاب' ماربل کے چکنے فرش آئل پینٹ کی دیواریں۔ ایک تصویر میں گھر کا آؤٹ لک۔ سنگ مرمر کے انتہائی حسین رنگوں سے سجا گھر۔ گوہر ایک ایک تصویر حیرانی سے دیکھتی جا رہی تھی اور اب ساری تصویریں دیکھی جاچکی تھیں۔

"آیا کچھ سمجھ میں؟"

گوہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ احمقوں کی طرح۔

"یہی الجھن تو کل سے مجھے الجھائے جارہی ہے۔ دیکھو نا لفافے پر ایڈریس ٹائپ کیا ہوا ہے۔ ڈاک کی کوئی ٹکٹ لگی ہے نہ کوئی مہر ہے اور یہ لفافہ کل کی ڈاک کے ساتھ لیٹر بکس سے نکلا ہے۔"

"نبیل بھائی کو خبر ہے؟"

"وہ خود حیران ہیں کہ یہ سب کیا ہے؟"

"ان کے دوست۔ ہونہہ بزنس کے دھندوں میں الجھے وہ خشک اور بور لوگ۔ اور میری بھلا کون سی ایسی سہیلی ہے جو مجھ سے چھپی ہو یا اس کا گھر میں نے نہ دیکھا ہو آخر کس نے بھیجا یہ.......... کون کرسکتا ہے ایسی حرکت؟" جوہر آپا سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

گوہر ایک بار پھر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ بے انتہا حسین۔ یہ خوب صورت گھر کس کا تھا؟ اس کا ذہن یہ سوچنے سے قاصر تھا۔

وہ کچھ کہنے کو تھی۔ لاعلمی کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔

"ونڈرفل...... ایک خیال آرہا ہے میرے ذہن میں۔" جوہر نے ایک دم کہا۔

"اچھا۔ اگر آرہا ہے تو لگے ہاتھوں ہمیں بھی سنا دیجیے۔ کیا خبر آپ کے خیال سے ہم بھی اتفاق کرلیں۔"

"اس دن پارٹی میں جس سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ کیا نام تھا بھئی نبیل کے دوست کا۔ ارے جو بار بار تمہاری سادگی کا معترف ہوا جا رہا تھا۔ ہاں وہ میجر عیلام حسن۔ کیا خبر اس نے اپنا پروپوزل بھیجنے سے قبل اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا ہو۔ میرا مطلب ہے اپنا محل وقوع۔ حدود اربعہ۔ یعنی اپنا مکمل جغرافیہ بتانے کی کوشش کی ہو۔" گوہر یہ سن کر غصے سے بگڑ گئی۔

"جوہر آپا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ ہنستے ہنستے چپ ہوگئیں۔

"میں اسی لیے آپ کے گھر آنے سے گریز کرتی ہوں۔ نہیں بھاتیں۔ مجھے یہ مکسڈ پارٹیاں اور ان میں شرکت کرنے والے لوگ۔.......... میں تو ان دن بھی آپ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ نبیل بھائی اس میجر عیلام حسن کو لیے اندر ہی آگئے۔ ان کے سامنے میں کیا کہتی بھلا۔ ناچار بیٹھی رہی۔ گھر میں اور کوئی جائے امن تھی بھی نہیں۔ چپے چپے پر تو مہمان بکھرے تھے۔ پارٹی نہیں شادی تھی وہ تو۔ خیر.......... لیکن میں نے تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو بقول آپ کے وہ پروپوزل بھیجنے کی سوچے اور اگر بھیجے بھی تو آپ کے ہاں اس مسئلے کا تعلق تو خالص آپ کی ذات سے ہے۔ ویسے جوہر آپا یہ بندہ جو کوئی بھی ہے حسن انتخاب کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ بیڈ روم کی یہ تصویر دیکھی آپ نے کیسا خواب آگیں ماحول ہے۔ قسم سے دیکھ کر ہی مجھ پر تو نیند کا غلبہ ہونے لگا ہے۔" گوہر شریر انداز میں بہن کو دیکھنے لگی۔

"ہاں واقعی بہت زیادہ خوب صورت ہے اور ہم دونوں کو بھیجنے والے کی شخصیت کو ماننا ہوگا۔ یہ اعلیٰ ذوق کسی اعلیٰ بندے کا ہی ہوسکتا ہے۔ عام بندے کا نہیں۔" جوہر مسکرائیں۔

"ہوگا۔ آپ کیا خیال درست ہی ہوگا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ بس کسی عام سے بندے کو تعمیر کی توفیق ہوگئی اور اس نے تاج محل بنا ڈالا۔ کچھ نہ کرسکے تو اچھے سے اچھا بندہ بھی ناکارہ ہو جاتا ہے۔"

"دیکھو فلسفہ نہیں چلے گا اور نہ ہی مذاق۔ میں نے تمہیں بلوایا ہے تو اس لیے کہ تم اس مسئلے کا حل تلاش کرو۔"

"آپی! یہ آپ کا بالکل ذاتی معاملہ ہے اور کوئی اتنا اہم بھی نہیں کہ جس کے لیے پریشان ہوا جائے۔ اللہ بھیجنے والے پر رحمت نازل کرے۔ بھیج دیں اس نے۔ ہم نے دیکھ لیں۔ دل خوش ہوا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

"نہیں گوہر! اس میں کوئی راز ہے۔"

"تو کرتی رہیے فکر۔ مجھے اجازت دیجیے۔ بہت سے کام ادھورے رہیں گے۔ میرے یہاں رہ جانے سے۔"

"ارے بیٹھو نا۔ اب نبیل کی واپسی سے پہلے تو تم نہیں جاسکتیں۔"

"اچھی سزا ہے۔"

"سزا نہیں پیار ہے۔ ضرورت ہے تمہاری چاہت بھری ضرورت۔"
"لیکن تکلیف دہ ضرور ہے۔" گوہر ہنسی۔ دونوں بہنیں باتیں کرنے لگیں۔
ٹرن..... ٹرن..... ٹرن۔
"ارے گوہر دیکھنا تو........... کس کا فون ہے؟" جوہرآپا بیڈ پر لیٹی تھیں۔
"ہوگا کسی خبطی جنونی بزنس مین کا۔ تیبل بھائی کو پوچھ رہا ہوگا۔"
"ہیلو۔"
"ہیلو..... ارے بھئی۔ یہ تم گوہر عاصم صاحبہ کبھی گھر میں ٹکتی بھی ہو یا۔ سیر سپاٹے میں لگی رہتی ہو۔"
"اوہ ارم۔ کیسی ہو۔ گھر میں کوئی ٹکنے دے تو ٹکوں۔ ہر دم گوہر گوہر کی پکار ہوتی ہے۔ ان ہی جوہرآپا کو چین نہیں آتا میرے بغیر۔"
"لگی جو نظر آتی ہو۔ کسی گھر کی۔ گھر والے کی اور گھر والے کے بچوں کی ذمہ داری تم پر ہوتی تو جوہرآپا کو چین خود بخود ہی آجاتا۔ بہت خوش ہونا تم۔ ظہیر بھائی نے لندن میں بیاہ رچالیا اور وہیں کے ہو رہے۔ خیر چھوڑو۔ اصل میں ایک زبردست بات کے لیے تمہیں فون کیا تھا۔ بھائی نے بتایا تم ادھر ہو۔"
"ارے جلدی سے بتاؤ تمہارے ہاں کوئی زبردست بات ہوگئی۔"
"کیوں؟"
"بتاؤ نا بھئی تاکہ میں یہاں رونما ہونے والی بات سے اس کا مقابلہ کروں اور دیکھوں کہ اصل زبردست بات کونسی ہے۔"
"کیا یہاں بھی کچھ ہوا ہے۔"
"پہلے تم بتاؤ۔"
"کیا بتاؤں گوہر۔! آج صبح ہی صبح جب لطیف نے لیٹر بکس کھولا۔ ایک بڑا سا تصویروں سے بھرا لفافہ اس میں سے نکلا۔ چلو تصویریں تھیں۔ لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک عدد سجے سجائے گھر کی تصویریں۔ وہ بھی بغیر انسانوں کے۔ گوہر غضب کا گھر ہے۔ بیش قیمت چیزیں ہیں۔ اعلیٰ فرنیچر اور انتخاب۔ خدا قسم داد دیے بغیر دشمن سے بلکہ کور ذوق سے بھی نہ رہا جائے۔"
"کیا.... کیا.... کیا کہا۔ تصویریں کسی خالی گھر کی انسانوں کے بغیر۔ نہیں نہیں تم مذاق کر رہی ہو۔"
"بھئی مذاق کی کیا ضرورت ہے۔ ہم سب حیران ہیں۔ صبح سے اب تک اس مسئلے پر بات ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا تم ایک جینئس بچی ہو شاید حل نکال لو..... ہیلو..... ہیلو! کیا سانپ سونگھ گیا ہے تمہیں؟"
"جوہرآپا.....! یک نہ شد دو شد۔ تصویریں ادھر بھی پہنچ گئیں۔ یعنی ماموں جان کے گھر میں۔" وہ زور سے چلائی۔
"ارے گوہر! کیا ایسی تصویریں تمہارے ہاں بھی آئی ہیں؟"
"ہاں..... ہاں جوہرآپا کے ہاں۔ اسی لیے تو انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ اور ہم دونوں کتنی دیر سے مل کر یہی سوچے جا رہی ہیں کہ بھیجنے والا کون ہوگا۔"
"عجیب سچویشن ہے گوہر۔ کون ہوگا ایسا سن چلا۔ نکما۔ فضول خرچ۔ خواہ مخواہ کا سسپنس پھیلا دیا۔ میں نے سوچا ہے اخبار میں اشتہار نکلوا دوں۔ تصویریں بھیجنے والے کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اگر وہ خود کو پیش

دشمن کو دیدار بھی کرا دے۔"
گوہر کو ہنسی آگئی۔
"کیوں کہیں اس خوب صورت گھر پر دل تو نہیں آگیا تمہارا ارم..... ہوسکتا ہے گھر کا مکین ویسا نہ ہو جیسا گھر ہے۔"
"تو آئی کانٹراڈکٹ و دیو۔ حسین لوگوں کی پسند حسین ہوا کرتی ہے۔ میرا دعویٰ ہے اس گھر کا مالک یقیناً کوئی حسین بندہ ہوگا۔"
"بندہ ہی کیوں کوئی بندی بھی تو ہوسکتی ہے۔"
"ہاں یہ بھی ایک پوائنٹ ہے۔ کیا خیال ہے تلاش کا کام منیر بھائی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔ آرکیٹکچر ہیں۔ خوب صورت عمارتوں پر ان کی نظر اکثر ٹھہر جاتی ہے۔ کوئی بندی ہوئی تو ان کا کام بن جائے گا اور اگر بندہ ہوا تو..... تو..... تمہی ایک کے لئے اسکوپ ہوگا۔" ارم نے بات چبا چبا کر کی۔
"ہوسکتا ہے۔ ویسے ایک بات اور ہے۔ یہ جوہرآپا کے پاس تصویریں بھیجنے کی کیا تک ہے۔"
"بھئی ان کی معرفت تم تک پہنچ سکتے ہیں لوگ اور غور کرنے کی بات۔ بھیجنے والا جو بھی ہے تمہارے گھر کے حالوں سے بھی آگاہ ہے اور اسے تم سے ہمدردی بھی ہے کہ تمہیں کسی عتاب کا نشانہ نہ بن جانا پڑے۔ اس لیے ان ڈائریکٹ بات چیت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔"
گوہر نے ارم کی بات پر غور کیا۔ لیکن اس کی نگاہ میں دور دور تک ایسا کوئی انسان نہ تھا۔ جسے گوہر کی ذات سے اس حد تک دلچسپی ہو۔ یہ معاملہ کوئی اور ہی تھا۔
"نہیں ارم۔ اپنا تو کسی سے بھی دور کا واسطہ نہیں۔"
"وہ تو خیر میں جانتی ہوں۔ تم نے زندگی کی ساری خوشیاں اپنی ایک ضد پر وار دیں۔ سب کو ہری جھنڈی دکھائی۔ لیکن سنو گوہر! دوسرے تو تمہیں پسند کرتے ہیں۔ اپنی آفر پیش کر سکتے ہیں۔ تم قبول کرو یا ٹھکرا دو۔ اس کا تمہیں حق ہے لیکن کسی پر کوئی قدغن تو نہیں لگا سکتیں تم۔"
گوہر خاموش ہوگئی۔ ارم نے محسوس کرلیا۔
"تم چپ ہوگئی ہو۔ میں اپنے الفاظ واپس لے لیتی ہوں آئی ایم سوری گوہر۔ مذاق ایک طرف۔ اب تو یہ دونوں گھروں کا مسئلہ بن گیا ہے۔ مل کر سوچنا چاہیے کہ راز کیا ہے۔"
"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ صرف تصویریں ہی ہیں نا کوئی ٹائم بم تو نہیں۔ بھیج دی ہوں گی کسی نے۔ ہم نے دیکھ لیں اور بس۔"
دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔
بات شاید یہیں ختم ہو جاتی۔ لیکن شام کو گوہر گھر گئی۔ تو گھر میں بھی اس موضوع پر بات ہو رہی تھی۔ شہری بھائی حسن بھائی اماں کے پاس بیٹھے تھے۔
"اماں..... رضا تو خود حیران تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ یار تم نے کوئی خوب صورت سا گھر بنا ہی لیا ہے تو خود بھی اس میں نظر آجاتے۔ یہ سسپنس پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے کہا بھائی گھر بناتا تو تم سب کو بے نفس نفیس وہاں آنے کی زحمت دیتا۔ تصویریں کیونکر بھیجتا۔ مزے کی بات ہے تصویریں کا گھر بیچا ہے نام بھجوائی گئی

"تصویریں؟" گوہر جو اندر داخل ہو کر چپ کھڑی شہری بھائی کی بات سننے لگی تھی ایک دم بول پڑی۔
"وہی خالی گھر والی تصویریں نا۔ شہری بھائی! کیا آپ کے پاس بھی آئیں؟"
"ارے نہیں۔ لاہور سے رضا کا فون آیا تھا۔ اس کے پاس کسی نے بھجوائی ہیں۔ اسے مجھ پر شک تھا۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔"
"وہ...... وہ ایسی تصویریں جو ہرآپا کے ہاں بھی آئی ہیں اور ارم بھی بتارہی تھی ایسی تصویروں کا۔ کون ہے یہ بھیجنے والا جس نے پورے خاندان کے لیے زحمت کی۔" وہ مسکرائی۔
"خبر نہیں کون ہے۔ وہ رضا تو روایتی وکیلوں کی طرح کئی سو نکتے نکال رہا تھا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ بھائی کسی من چلے نے دو پل کی تفریح کا سامان پیدا کر دیا۔ تمہارا کوئی نقصان تو نہیں کیا۔ غصہ کس بات کا۔ تصویریں تخریب پیدا نہیں کر سکتیں۔"
ابھی یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ عاصم حسنین صفیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئے۔
سب نے جھٹ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ بیوی کی طرف بڑھا دیا۔
"لو بھئی صفیہ آج یہ نئی بات ہو گئی۔ دکان پر کوئی لڑکا آ کے دے گیا۔ میں تو نہیں تھا۔ ملازم تھے وہاں پتا ہی نہیں چلا کہ کون ہے دینے والا۔ بھلا کسی کو ہم جیسے بوڑھے آدمی سے مذاق کرنے کی کیا سوجھی۔"
"بابا جان! اگر اس لفافے میں کسی خالی گھر کی تصویریں ہیں نا۔ تو اس مذاق کا شکار آپ کا پورا خاندان ہی ہے۔ کاظم چچا، شاہجہاں ماموں، جوہر آپا۔ ان سب کے پاس بھی ایسی تصویریں پہنچ چکی ہیں۔" شہریار نے جلدی سے اطلاع بہم پہنچائی۔
"ارے...... یہ کیا بات ہوئی۔"
"جی ابا جان! ابھی ابھی آئی ہوں میں جوہر آپا کے گھر سے۔ بالکل ایسی تصویریں تھیں وہ بھی۔"
"عجیب بات ہے۔ بھئی میری عقل تو کوئی اندازہ لگانے سے قاصر ہے۔" عاصم حسنین کچھ سوچ رہے تھے۔
شہری بھائی حنا بھابی تصویریں دیکھنے میں لگے تھے۔ صفیہ بیگم منتظر بیٹھی تھیں۔
"لاؤ بھئی کچھ ہمیں بھی تو خبر ہو۔"
"اماں یہ تصویریں محفوظ رکھیے آرائش و زیبائش مکان کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بخت کے کام آئیں گی۔ اسے بھی تو بہت شوق ہے۔ ایک اچھا گھر بنانے کا۔ ان سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل کر لے گا۔" شہریار نے مشورہ دیا۔ گوہر ہنس دی۔
"ارم نے ایسی تصویروں کو منیر بھائی کے لیے محفوظ کر دیا۔ اور شہری بھائی آپ نے بخت بھائی کے لیے ...
اللہ بھلا کرے بھیجنے والے نے کئی ایک کی مشکل ایک ساتھ آسان کر دی۔"
"اچھا چلو بھئی یہ موضوع کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ فی الحال تو کھانے کی فکر کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" عاصم حسنین وہاں سے اٹھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر کے در و دیوار روشن دن کے اجالے میں چمکتے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ بڑا سا سفید گیٹ بند تھا۔ صرف کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے مخصوص انداز میں بیل بجائی اور کھڑکی کے راستے اندر چلی گئی۔ سرخ بجری کی روش سے تھوڑا سا ہٹ کر ٹامی دھوپ میں سستا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے ذرا سی گردن اٹھائی۔ آنکھیں کھولیں اسے

...لمبا اور پھر سو گیا۔ رات کی ہلکی سی بوندا باندی نے سبزے کے رنگ کو نکھار بخش دیا تھا۔ پھول زیادہ خوب صورت معلوم ہو رہے تھے۔ پورچ میں نیوی بلو کرولا کھڑی تھی۔ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور دروازہ کھل گیا۔ کوریڈور میں ...ملازمہ فرش صاف کرنے میں لگی تھی۔
"آیئے بی بی!" وہ مسکرا دی۔
...اس نے سامنے پڑی بالوں کی چوٹیوں کو جھٹک کر پیچھے کیا۔ اور تیزی سے سامنے کے دوسرے دروازے کی ...بڑھی۔ وہ سخت غصے میں لگ رہی تھی۔
...دروازہ کھٹکھٹایا۔ "شبیر بھائی! شبیر بھائی!"
"بی بی! صاحب کچن میں ہیں۔" صغریٰ نے اطلاع دی۔
"کچن میں...... کیا کر رہے ہیں وہاں؟" اس نے فوراً کچن کا رخ کیا۔ انتظار کی کوفت کے ساتھ ایک اور غصہ ...شامل ہو گیا۔
"او شبیر بھائی! گڈ مارننگ...... بھئی آپ کچن میں گھسے کیا کر رہے ہیں۔" اس نے گڈ مارننگ کسی ہتھوڑے کی ...طرح دے مارا۔
"...گڈ مارننگ گرل ہاؤ آر یو مائی سویٹ بے بی۔" وہ مسکرائے اور ٹوسٹر میں سے سلائس نکالتے ہوئے بولے۔
"...نہیں بول رہی میں آپ سے۔" اس نے منہ پھلا لیا۔
"...کیوں جناب کس جرم کی پاداش میں؟"
"آپ ناشتے پر کیوں نہیں آئے۔ مما پاپا آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنی دیر ہو گئی۔"
"...ارے نہیں بے بی! تم لوگوں کو میرا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مہمان تو ایک دن دو دن ہی اچھا لگتا ہے۔ یہ بھی ...کیا مہمان ہے۔ جم ہی جائے۔"
"آپ مہمان تھوڑے ہی ہیں۔ آپ تو شبیر بھائی ہیں۔ مما کے بھائی، پاپا کے بھائی۔"
"اور تمہارے بھی بھائی ہیں نا...... نائی گرل مجھے تمہارے آنے کی خبر تھی۔ یہ دیکھو میں نے تمہارے لیے بھی ...ناشتہ بنایا ہے۔ چلو آؤ ٹیبل پر چل کر بیٹھیں۔"
"میں کیوں کروں ناشتا۔ آپ ہمارے گھر نہیں آ سکتے تو میں کیسے رک سکتی ہوں یہاں۔" اس نے چھوٹی سی ...ناک کے نتھنے پھلائے۔ منہ بنایا۔ شبیر کو ہنسی آ گئی۔
"شبیر بھائی!" وہ ایک دم خوش مزاج سی نظر آنے لگی۔
"آپ کی عادتیں کچھ عجیب و غریب نہیں۔"
"...مثلاً...؟"
"مثلاً یہ کہ آپ بہت جلد انسانوں سے اکتا جاتے ہیں۔ اپنائیت سے بے گانگی پر اتر آتے ہیں۔ خوش رنگ ...باتوں میں چہکتے چہکتے ایک دم خاموش ہو جاتے ہیں اور...... اور یہ کہ محبت کرنے والوں کی پہچان ہی نہیں ...کرتے۔"
"ارے...... ارے...... یہ کیا الزامات کی اتنی بھرمار بھئی ہم تو اپنی صفائی دیتے دیتے پورے ہو جائیں گے۔"
"...نہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا سبب آپ کا یہ خوبصورت بلکہ عالیشان گھر ہو۔ آپ کا لمبا چوڑا بزنس ہو۔ آپ کی ...مالی حیثیت ہو۔ آپ کو ان سب نے مل کر اس قدر بے نیاز بنا دیا ہے۔"

شبیر کے چہرے پر تاریک سائے لہرانے لگے۔
"نہیں ماورا۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہ چیزیں فخر کے لائق کب ہوتی ہیں۔ یہ تو سب عارضی سہارے ہیں۔ فخر کے لائق تو محبتیں ہوتی ہیں۔ سدرہ آپا نہ ہوتیں۔ افتخار بھائی نہ ہوتے۔ تم جیسی پیاری پیاری گڑیا نہ ہوتی تو میں کب ہوتا یہاں۔ کب لوٹتا پاکستان۔ تم سب کے پیار نے مجھے کھینچ لیا ہے۔ فخر کے لائق تو تم سب کی ذات ہے۔ شاید میں اتنی ساری محبتیں پا کر مغرور ہو گیا ہوں۔"
"ہونہہ! ابھی تو خانساماں کے چلے جانے پر خود ناشتا بنا رہے ہیں۔ آپ کو ہمارا کوئی خیال نہیں۔ جائیے ہم نہیں بولتے آپ سے۔"
"ماورا۔"
وہ انہیں گلہ بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ وہ پیچھے لپکے۔
"ماورا۔ بے بی..... رکو تو سہی بات تو سنو۔" لیکن وہ کب رکنے والی تھی۔ بڑھتی ہی چلی گئی۔
"ماورا۔ رک جاؤ۔"
انہوں نے زور سے پکارا۔ لیکن وہ گیٹ پار کر گئی۔
شبیر اس کے تعاقب میں چلے اور سڑک پار کر کے سامنے کے گھر کے گیٹ میں داخل ہو گئے۔ ان سے چند قدم آگے وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی جا رہی تھی۔ سیدھی ڈرائننگ روم میں داخل ہو گئی۔ شبیر بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے۔
منہ پھلائے ہوئے اس نے قہر بھری نظر ان پر ڈالی۔ چودہ سالہ ماورا انہیں بہت عزیز تھی۔
"افتخار بھائی! اپنی بیٹی کو دیکھیے۔ ماں کو مات کرنے لگی ہے قد بت میں۔ لیکن مزاج ننھی بچی کا سا ہے۔ روٹھ کر چلی آئی۔" سلیپنگ گاؤن پر ایپرن باندھے۔ چھری ہاتھ میں لیے شبیر ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑے تھے۔
سدرہ آپا کو ہنسی آ گئی۔ افتخار نے بھی دل کا غبار نکالا۔
"اور خود کو دیکھا ہے تم کیا لگ رہے ہو۔ شرم نہیں آتی تمہیں۔ اس گھر کو گھر نہیں سمجھتے نا۔ جانے کونسا وقت تھا۔ جب تمہیں الگ گھر لینے کا مشورہ دیا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ تم ہم سے بے گانہ ہو جاؤ۔ ماورا کا غصہ بجا ہے۔ ناشتا تمہارے انتظار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ تم وہاں ناشتا بنا رہے تھے نا۔ بالکل وہیں سے۔ سدرہ نے تمہاری پسند کے قیمہ بھرے پراٹھے بنائے ہیں صبح صبح۔ آئندہ سے منع کر دوں گا۔ کیا ضرورت ہے رزق ضائع کرنے کی۔ تمہارے پاس تو بہت کچھ ہے۔ بہت بڑے بزنس مین ہو کیا ضرورت ہے تمہیں کسی چیز کی۔ لے لینا کہیں سے محبتیں بھی گر کہیں مل جائیں۔ ہم بھی رہ لیں گے۔ تمہارے بغیر......"
"چھوڑیے افتخار کسی نہ کسی طرح آ تو گیا ہے نا۔ چلو اب بیٹھو شبی..... آج بچ ہم سب کو تمہاری عادت سی ہو گئی ہے۔ آخر اتنے سالوں کا ساتھ ہے۔ صرف پانچ سال ہی کیوں۔ عباس نگر میں آئے تھے جب تم تیرہ چودہ سالہ لڑکے ہی تھے۔ اس وقت میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب عدی کی اور تمہاری دوستی ہوئی۔ اف..... یہ تو میرا بہت اچھا بھائی تھا شبی۔ پپا کی لینڈ روور تو سدا اس کے قبضے میں رہتی..... کہیں جانا ہو شبی اور لینڈ روور تیار۔ عدی کا بچہ تو شروع سے کام چور تھا۔ تم لندن چلے گئے۔ ماورا پیدا ہوئی۔ ذرا بڑی ہوئی اور شبی کے ہاتھ لگ گئی۔ ہاسٹل سے بھاگ آتا۔ ماورا کو گھماتا رہتا۔ اس سے کھیلتا رہتا۔ شبی نے تو ایک اچھی آیا کا کام دیا۔ ماورا اس کی عادی ہو

ئی۔ ایک رات بارہ ایک بجے بخند ہو گئی۔ پپا بے چارے شبی کو ہاسٹل سے خود جا کے لائے۔ اور تب کہیں جا کے ماورا نے چپ کی۔"
"دھت تیری کی اور اب روٹھی ہوئی ہے۔ دیکھوں گا۔ کتنی دیر روٹھی رہتی ہے۔ کر لو نا صلح۔" شبیر قدرے جھکے۔
"پہلے آپ وعدہ کریں۔ آپ کبھی بھی اپنے گھر پر کھانا نہیں کھائیں گے۔" وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔
"بیٹے! وہ خانساماں مفت کی تنخواہ لیتا رہے گا کیا۔"
"لیتا رہے۔ میرے پاپا دے دیں گے۔" وہ ناز سے بولی۔
"بیٹی! کب تک کا وعدہ لو گی۔ تھوڑے عرصے میں تمہاری مامی آ جائیں گی۔ تب تو وہ ہی پکا کے کھلایا کریں گی۔" سدرہ نے کہا۔
"مامی کے لیے بھی اس گھر میں کھانا پک جایا کرے گا۔ بس آپ وعدہ کریں آئندہ آپ نے وعدہ توڑا تو میں کبھی نہیں بولوں گی آپ سے۔"
"لیجیے افتخار بھائی سارے بوجھ آپ پر ہی ہیں۔ بھئی یہ بات سچ ہے کہ بچے ددھیال کی نسبت ننھیال سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ماموں کا کتنا خیال ہے بچی کو۔ سن لیجیے آج سے کھانا بھی آپ کے ذمہ اور خانساماں کی تنخواہ بھی۔ ورنہ بیٹی کی بول چال ہم سے بند ہو جائے گی۔"
"نیور مائنڈ۔ بیٹیاں خاصی عزیز شے ہوتی ہیں۔ اور سالے..... ان کی تو بات ہی کیا پھر بیٹی کا حکم تو ان سب سے بڑھ کر۔" افتخار شوخی سے بولے۔ سدرہ سرخ ہو گئیں۔ ماورا نے فخر سے اپنے باپ کو دیکھا۔ اور شبیر کرسی پر ٹک گئے۔
"لائیے کہاں ہیں وہ مشہور زمانہ قیمہ بھرے پراٹھے۔ منہ میں پانی بھر آیا ہے۔"
سدرہ نے ڈش آگے بڑھا دی۔ ماورا نے ایک پراٹھا اپنی پلیٹ میں رکھا۔ افتخار کے ہاتھ بھی آگے بڑھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ناشتا کرتے ہی وہ گھر کو بھاگے۔ ملازمہ پورے گھر کی صفائی کر چکی تھی۔ شاید ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔ آج وہ جلدی میں تھی۔ بچے کو ہاسپٹل لے جانا تھا۔ ورنہ صفائی سدرہ اپنی نگرانی میں کرواتی تھیں۔ شبیر کی خواب گاہ میں آئے تمام چیزیں اپنے اپنے ٹھکانے پر تھیں۔ وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوئے۔ وارڈ روب کھولی۔ آج کے لیے لباس نکالا۔ میچنگ ٹائی رومال اور جوتے منتخب کرنے میں تھوڑا سا وقت لگا۔ تیار ہوئے۔ باہر آئے گاڑی کے قریب فسطینہ کھڑی تھی۔
"ہائے مسٹر شبیر بھائی۔"
"اوہ فسطینہ! ہاؤ آر یو؟ آج صبح صبح قدم رنجہ فرمایا ہے۔ خیریت؟"
"خیریت بھی اور ضرورت بھی۔" وہ مسکرائی۔
"یعنی۔"
"آج گاڑی نے عین وقت پر جواب دے دیا۔ کالج سے لیٹ ہو رہی ہوں۔ سدرہ مامی نے بتایا کہ آپ ابھی تک گھر پر ہیں۔ میں نے سوچا صبح صبح کسی ڈرائیور کی نسبت آپ کی رفاقت خاصی دل خوش کن رہے گی۔"
شبیر ہنس دیے۔
"کیا خوب بات نکالی ہے آپ نے۔ جی ہاں میں آج واقعی کچھ لیٹ ہو گیا ہوں۔ شاید آپ کے لیے ہی

ہوا۔ ورنہ آپ کو کسی ڈرائیور کی رفاقت کا بوجھ اٹھانا پڑتا۔ چلیے تشریف لے آیئے گاڑی میں۔ میں ایک منٹ میں آیا۔" انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ فسطینہ کھڑی رہی۔

"گاڑی میں بیٹھ جانے سے کہیں بہتر نہیں کہ آپ کے اس خوب صورت لان کا نظارہ کیا جائے۔ اتنی دیر......"

اس نے لان کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ پھر اندر چلے گئے۔ کچھ ضروری کاغذات بھول گئے تھے۔ لے کر واپس آ گئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے باہر کھڑی فسطینہ سے بولے۔

"اگر آپ کو کچھ دیر ہو تو ایک دو ضروری کام نپٹا کر آپ کو پک کر لوں گا۔" وہ سنجیدہ لہجہ بنائے دھیرج سے کہہ رہے تھے۔ فسطینہ ہنستی ہوئی دوسری طرف سے گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس نے اپنی جھینپ مٹائی۔

"لان بے شک خوب صورت ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ بندہ گم ہو کر رہ جائے۔"

"نوازش ہے آپ کی۔" شبیر نے سر کو قدرے خم کیا۔

فسطینہ کو پھر ہنسی آ گئی۔

"یہ نوازشات کس سلسلے میں۔ اتنے احترام سے شکر گزار ہو رہے ہیں۔ گویا......"

"بھئی آپ نے لان کو خوب صورت کہا اور صرف اسی میں چند لمحے محو رہیں۔ یہ اعزاز کافی ہے شکریہ ڈیو ہو گیا تھا۔"

"ویسے شبیر صاحب! یہ شوق باغبانی آپ کا ہے یا آپ کے کسی ملازم کا؟"

"آپ کو کس کا لگا؟"

"...... پھولوں کے رنگوں کا حسین امتزاج کسی خاص بندے کی نشاندہی کرتا ہے۔ شاید وہ آپ ہی ہوں۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مصروف زندگی سے بہت ساری گھڑیاں چھین کر ہم نے یہ لان آباد کیا۔ مشورے سدرہ آپا کے بھی ہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں۔ پھولوں کی اقسام کی فہرست وہ پکڑا گئیں۔ ہم لاتے گئے۔ رنگ انہیں معلوم تھے۔ ترتیب ہم نے دیے اور یہ بیرونی دیوار کے ساتھ لگی ساری بیلیں جنہوں نے باہر سے گھر کو دل کش بنا رکھا ہے۔ یہ تو کلیتاً ہمارا ہی انتخاب ہیں۔"

گاڑی سفید گیٹ سے باہر نکلی۔ اس کا رخ ویمن کالج کی طرف تھا۔

"رات آپ ہماری طرف آئے ہی نہیں۔ مراد بھائی آپ کو یاد کر رہے تھے۔"

"رات کافی دیر سے گھر لوٹا۔ بار ایسوسی ایشن کی میٹنگ تھی۔ ڈنر کا اہتمام کیانہ میں تھا۔ بس گپ شپ کرتے دیر ہو گئی۔ ورنہ آتا تو ضرور۔ صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ مارے شرم کے آپا کی طرف بھی نہیں گیا۔ ناشتا خود بنانے لگا تھا۔ ماورا آ گئی۔ پکڑ کے ساتھ لے گئی۔ بس ابھی ابھی تیار ہوا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے آج نماز نہیں پڑھی۔"

"پڑھی لیکن قضا۔" شبیر کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

"کوئی جگانے والا ہوتا تو کان سے پکڑ کر اٹھا دیتا۔" شبیر کی نظریں ونڈ اسکرین پر جم سی گئیں۔

"اب تو دیر ہے۔"

"کالج پہنچنے میں کم از کم پانچ منٹ تو باقی ہیں۔" شبیر نے گھڑی دیکھی۔

"میں کالج کی نہیں آپ کے گھر کی بات کر رہی ہوں۔"

شبیر مسکرانے لگے۔

"گھر میں کس بات کی دیر؟"

"گھر میں ایک اہم ہستی کی آمد میں دیر کی بات کر رہی تھی۔"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن بندہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ کہہ سکتا ہے۔"

"کیا کہے کیا کرے۔"

"بندے کو چاہیے کہ وہ سدرہ آپی سے دست بستہ عرض کرے کہ اسے ایک عدد جیون ساتھی کی ضرورت ہے اور جب جواب میں سدرہ آپی کچھ تصویر بتاں مجسم حسینائیں اس کے سامنے لائیں تو وہ ان میں سے ایک کو منتخب کر لے۔ مہر اللہ لگا دے گا۔ منظور کی۔ اور اس بات کی تکمیل پیدا ہو جائے گی کہ آپ قضا نمازیں پڑھنے سے بچ جائیں۔ کوئی ہو جو آپ کو کسی ٹائم ٹیبل پر چلا سکے۔"

شبیر اس انداز بیان پر ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔

"فسطینہ! آپ واقعی اردو کی لیکچرار ہیں۔ مجھے پہلی بار اس بات کا یقین آیا ہے۔"

"شکریہ۔ ورنہ آپ تو مجھے ایک بونگی سی طالبہ کے سوا کچھ مانتے ہی نہیں۔"

کالج آ گیا۔ شبیر نے گاڑی روکی۔

"ضرورت محسوس کریں تو لینے آ جاؤں۔"

"نہیں نہیں۔ واپسی میں وہ ساری شریر کولیگز ساتھ ہوں گی اور خوامخواہ میں بورڈ لگا دیں گی آپ کے نام کا۔" وہ خاصی بولڈ تھی۔ منہ پر بات کہنے والی۔ شبیر جھینپ سے گئے۔ آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ وہ خدا حافظ کہتی ہوئی اندر کو جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

بار ایسوسی ایشن کے آفس میں سارے عہدیدار جمع تھے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے۔

"آ دیار...... بڑی دیر کر دی...... کتنی دیر سے انتظار ہو رہا ہے تمہارا۔"

"پیارے کب تک یوں ڈانواڈول زندگی گزارتے رہو گے۔ مجال ہے جو کبھی وقت پر پہنچے ہو۔"

"دیکھو آصف! ایک دن کی تاخیر سارے دنوں کے نام تو نہ لگاؤ۔ رات نیند بھی بہت دیر میں آئی۔ صبح تاخیر سے جاگا اور یہاں دیر سے پہنچا۔"

"ارے...... اتنا سفید جھوٹ اور وہ بھی ڈھٹائی سے۔" دروازے کا پردہ ہٹا کر ظفر وہیں کھڑے کھڑے ان سے مخاطب تھے۔

"کیا مطلب؟"

"ابھی جو ایک پری رو حسینہ کو پہلو میں بٹھائے شہر کی سڑکوں پر سرگشت کر رہے تھے۔ کیا تاخیر کا سبب اس کی ذات نہ تھی۔"

"اوہ آئی سی۔ تو اصل بات یہ ہے یعنی کہ کنفرٹوٹ ہی گیا۔ بول پیارے کون ہے وہ پری رو حسینہ۔ کہاں ہے اس کا گھر؟ ہم اتنے سارے دوست آخر کس لیے ہیں۔ جا کر حلہ بول دیں۔ لڑکی کے والد کو درخواست گزاریں۔ منظور ہو تو ڈولی لے چلیں اور نامنظور ہونے پر اسے ہی لے آئیں اغوا کر کے۔" ظفر یہ فاروقی

کچھ زیادہ ہی شوخ و شریر تھے۔

"بڑے پرہیزگار نظر آتے تھے۔ اب راز کھلا...... لڑکیوں کو گاڑیوں میں بٹھا کر گھماتے ہو۔ چور کہیں کے... ہم خواہ مخواہ ہی تمہاری تنہا زندگی پر ترس کھاتے رہے۔"

پرویز فاروقی نے آنکھیں دکھائیں۔

"یار بچا اس بندہ بے کس کی بھی تو سنو یا اپنی کہے جاؤ گے۔"

"بکو...... بکو...... جھوٹ بکو...... اپنی صفائی دو۔"

"یار! وہ افتخار بھائی کی بھانجی تھی۔ فسطینہ بخاری' مراد بخاری کی بہن۔ گاڑی خراب ہوگئی تھی اس کی۔ میرے پاس چلی آئی۔"

"یار تم لوگ تو بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہو۔ آخر سب وکیل جو ٹھہرے۔"

"یار وہ ڈونکی بھی ہو۔ یار لوگ تو اسے اسی زاویے سے دیکھیں گے۔"

"لیکن بخدا میں نے کبھی کسی کو اس نظریے سے نہیں دیکھا۔"

"اور اسی لیے ٹینشن بھی کر رہا ہے مائی ڈیئر شبیر شاہنواز عسکری۔ فار گاڈ سیک کسی کو اس نگاہ سے دیکھ لو۔ ملک وقوم کا بھلا بھی اسی میں ہے۔"

"ویسے میرا خیال ہے مسٹر آصف مصطفیٰ! ہم...... کسی اور مقصد کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔" ظفر نے موضوع کو خود ہی بدل دیا۔

"ہاں یار واقعی......"

"آج اس ایسوسی ایشن کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی جانا تھی جس کی رو سے بار ایسوسی ایشن الیکشن کے لیے وکلاء برادری کی طرف سے کچھ امیدواروں کے نام دینا چاہتی تھی۔"

"پھر کیا سوچا تم نے شبیر عسکری...... میرا خیال ہے۔ حتمی فیصلہ کر ہی لو۔ سب کی [illegible] ہے کہ تمہیں الیکشن میں حصہ لینا چاہیے۔"

شبیر سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔

"دیکھو یار! تم ہر طرح سے اس بات کے اہل ہو۔ ملک کو عزم و ہمت' جوان حوصلگی۔ نیا خون' مضبوط ارادہ۔ سچائی اور نوجوان قیادت کی ضرورت ہے۔ تم اس عہدے کے لیے ڈی زرو کرتے ہو۔ ہم سب تمہارا بھرپور ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ اور ہمارے ساتھی شہر کے ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ اثر و رسوخ اور اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات جو تمہارے حق میں جاتی ہے۔ وہ تمہارا ماضی قریب کا کردار ہے۔ تم ایک مشہور لیڈر رہے ہو طلباء یونین کے...... اور تم نے یونیورسٹی سے فراغت پانے کے بعد جو کارکردگی دکھائی تو جوان لیڈر کے طور ابھرے۔ انسانی حقوق کی خاطر جنگ لڑی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری ناکامی تھی۔ درحقیقت وہ تمہاری شخصیت کا ایک تعمیری دور تھا۔ اس نے لوگوں کے دلوں پر تمہاری پامردی اور تدبر کے اثرات چھوڑے۔ لوگ تمہارا احترام کرتے ہیں۔ تم اسی حوالے سے لوگوں کو یاد ہو۔ تمہاری شعلہ بیانی ایک ایک کو یاد ہے۔ وہ آج بھی محسوس کرتے ہیں کہ تم ان کی آواز ملک کے قابل احترام ایوان میں پہنچانے کے اہل ہو اور دیانتدار بھی۔ چھ سال باہر گزارنے پر ملک سے' وطن سے' وطن کی مٹی سے رشتہ تو نہیں ٹوٹا نا۔ تمہارے خیالات تو نہیں بدلے نا۔"

"...یا ابھی کچھ اور بھی کہنا ہے جناب کو۔" شبیر مسکرائے۔

"...بات کچھ کہنا ہے مگر لوگوں کے سامنے۔ تمہارے سامنے یہ تو میں ریہرسل کر رہا تھا۔" پرویز فاروقی نے ...اتے ہوئے وضاحت کی۔

"...ڈیئر پرویز...... یار وہ دن' وہ لمحے' ان دنوں کی تلخی' لمحوں کی اذیت ناک طوالت ہر چیز مجھے یاد ہے۔ آج ...دیکھتا ہوں تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ اپنی نادانیوں پر۔ چلا تھا میں بگڑی تقدیریں سنوارنے مسیحا بننے' لوگوں ...ق کی پاسداری کرنے۔ کیا ملا مجھے...... صرف تلخی...... تنہائی...... بے بسی...... قید کی صعوبتیں' مفلسی' فاقہ ...اور اپنوں کی نفرت...... یار مجھے اس خارزار میں نہ گھسیٹو تو یہ مجھ پر ایک احسان ہوگا۔ ایک مدت کی ...ں کے بعد تھوڑا سا سکون مل پایا ہے مجھے...... کیا چاہتے ہو یہ سکون پھر مجھ سے چھن جائے۔ پھر کہیں پس ...میں دھکیل دیا جاؤں۔ پھر کسی جیل کا کوئی حبس زدہ کمرہ میرا ساتھی بن جائے۔ پھر میری پہچان کھو جائے۔ ...ت زیادہ کس کو یاد رکھتے ہیں بھلا۔ کون آتا ہے کسی کی مدد کو۔ جلسے جلوسوں میں نعرے لگانے والے تو بہت ...دینے والے بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن کسی عتاب زدہ سے ملنے کوئی نہیں آتا۔"

"...شبیر...... تمہاری یہ سوچ غلط ہے۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ قدم قدم وفادار رہیں گے اور تمہیں خبر ...رتے دنوں نے عوام میں بھی سوجھ بوجھ پیدا کر دی ہے۔ اچھے اور برے کی پہچان سب کو ہے۔ لوگ اپنی ...سوچ سمجھ کر کسی کے حق میں دے رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند کیے کسی کے پیچھے چل پڑے۔ ہم بھی پر ...قیادت چاہتے ہیں۔ ایوان تک پہنچنے والا ہر رکن اپنے علاقے کے عوام کی آواز ہوتا ہے اور ہم سب یہ سمجھتے ...تمہارے قول اور فعل میں کتنی مماثلت ہے۔ تمہاری زندگی میں سچائی کا کس حد تک دخل ہے اور اگر یہ کیفیت ...ت دلوں میں کوئی خناس نہیں بھرتا۔ اور آدمی آسمانوں کی طرف پرواز کرنا شروع نہیں کر دیتا تو ہمیں بھروسا ...تم درحقیقت ایک لیڈر کی ذمہ داریاں بھی ضرور نباہ سکو گے۔"

"یار میں ایک بار پھر دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے زمین پر ہی رہنے دو بلکہ سچ کہوں تو یہ ہے کہ زمین میں ...ا رہنے دو۔ میں تو بس اتنا ہی باہر ہوں کہ دنیا کی رونقیں دیکھ رہا ہوں۔ میں تو اتنا مختار بھی نہیں ہوں کہ ان ...وں میں حقیقی طور پر حصہ لے سکوں تم مجھے آسمانوں کی راہ دکھا رہے ہو۔ میں اس قابل نہیں ہوں یار...... ...بس۔"

"تم کس قابل ہو...... کس قابل نہیں ہو اس کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے۔ شام کی میٹنگ میں یہ تجویز پاس ہوتے ہی ...ے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیں گے۔ اور...... بس......"

...ب نے ایک ساتھ ہاتھ بلند کر دیے۔ کچھ کہنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"ابے الو کی دم۔ یہ تو نے پھر سیاست کی گندگی پنجے اور پر پھیلا لی۔ سنا ہے انتخابات میں حصہ لینے لگا۔ باز ...باز آجا۔ لگتا ہے وہ انجام تجھے بھول گیا ہے جس سے گھبرا کے دم دبا کے بھاگا تھا۔ اور پناہ لی تھی سدرہ آپا ...ل میں۔ وہ تو کرم سمجھ رب کا کہ تیرے حال پر اس کی مہربانی ہوگئی اور تو انسان بن گیا۔ ورنہ...... تیری ...نی قل چکی ہوتیں کہہ دے کہ میں نے جو سنا ہے غلط سنا ہے۔ کسی دشمن نے بے پر کی اڑائی ہے۔"

"...سائی! یہ بے پر کی نہیں۔ اصلی خبر ہے۔ بالکل اصلی اور اس کی ذمہ داری میرے کولیگ پر ہے۔ جو بار ایسوسی ...ے عہدیدار ہیں۔ آج شام تجویز پاس ہوگئی۔ کل فرشتوں کے لکھے پر ہم ناحق پکڑے جانے والے ہیں۔"

"فرشتوں کے لکھے پر ناحق کوئی نہیں پکڑا جاتا۔ بس وہی بات ہے چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ تیرے دل میں وہی بے ایمانی بھر گئی ہوگی۔ یار یہ شہرت جیسی چیز تیری کمزوری تو ہونا ہی تھی۔ بیا سد لوگ شہرت کے دیوانے ہوتے ہیں۔ کہیں سے ملے کیسے ہی کیوں نہ ملے گلے لگانے سے گریز نہیں کرتے۔"

"عدی! پلیز عدی اٹینکو تیج پلیز...... تم میری تو سنو یار ایک تو ہر ہر بات پر میرے اسٹار کا حوالہ دینا تیری پرانی عادت ہے سو آج تک نہ گئی۔ پتا ہے ڈیڈی کا اور میرا اسٹار ایک ہی ہے۔ احترام کیا کرو میرا اور یہ جو میں نے الیکشن میں حصہ لینے کی ہامی بھری ہے نا۔ تو پہلے ڈیڈی سے مشورہ کیا ہے۔ ان کی اجازت پر ہی میں نے پرویز گلزار وغیرہ سے ہاں کی ہے اور سن تو میرے اسٹار کو زیادہ کوسا نہ کر...... مجھے بھی خبر ہے۔ تیرا کچا چٹھا سب میرے سامنے ہے۔ تم میزان لوگ کب وفادار دوست ہوتے ہو۔ بس ترازو کے پلڑوں کو برابر رکھنے کے لیے لوگوں کو اپنی رفاقت کا دھوکا دیتے رہتے ہو۔"

"اوئے ذلیل انسان...... یہ تو کہہ رہا ہے۔ تو...... ابھی تو تیری رگوں میں وہ خون دوڑ رہا ہوگا۔ جو ہم نے اک محبت کی خاطر تیری نذر کر دیا تھا۔"

"یار احسان کر کے جتلانے سے ساری نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی بہت سی نیکیاں ہوں گی۔ ایک تجھ جیسے احسان فراموش کے لیے ضائع ہو جائے گی تو کیا ہے۔"

"بتاؤں گا ڈیڈی کو تو ہر موڑ پر اس ایک گلو خون کا حوالہ ضرور دیتا ہے جو تو نے خواہ مخواہ مجھ پر ترس کھاتے ہوئے مجھے دے دیا تھا۔ نہ دیتے۔ مر جانے دیتے۔ زمین اس بوجھ سے آزاد ہو جاتی اور تم بھی۔" وہ سنجیدہ ہونے لگے۔

"دیکھ دیکھ تو حد سے بڑھ رہا ہے۔ شبیر عسکری...... بھئی میری تو یہ پھر جو کبھی ذکر کروں۔ تو بھی وعدہ کر پھر کبھی مجھے بے وفا ہونے کا طعنہ نہیں دے گا۔ میں ابھی سب آپے سے باہر ہو جاتا ہوں۔"

"سچی بات کڑوی ہوتی ہے نا۔" شبیر نے زور دے کر الفاظ ادا کیے۔

"خدا قسم تو میرے سامنے ہوتا نا تو میں یہ ریسیور تیرے منہ پر دے مارتا۔"

"اپنا ہی نقصان کرتے میرا کیا کرتا۔ کچھ دن بغیر ٹیلی فون کے ہی گزر بسر کرتا۔"

دونوں ہنس دیے۔

"ہاں یاد آیا شمی! ایسا کر کل پہلی فلائٹ سے میرے پاس آ جا۔ کسی ماہر منجم، کسی دست شناس سے رابطہ کریں گے کہ کامیابی تیرا نصیب ہے یا نہیں۔"

"اس کی خبر خدا کو ہے۔"

"پھر بھی تسلی کی خاطر۔"

"اوئے عدی......! یہ تیرا عقیدہ اتنا کمزور کب سے ہو گیا۔ زندگی لکیروں میں نہیں...... مان لے مان لے۔"

"کچھ ہے ضرور ان لکیروں میں ورنہ سارے منجم بیٹھے مکھیاں مار رہے ہوتے۔"

"تجھ جیسے پاگلوں کی کمی نہیں ہے۔ یہاں، چھپے جاتے ہیں کئی احمق۔"

"ہاں ہاں...... کئی ہیں کئی...... جو تجھ جیسے سر پھرے سے...... خواہ مخواہ کی محبت رکھتے ہیں۔"

شبیر خاموش ہو گئے۔ عدی ہنسنے لگے۔ سدرہ آپا لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"آیئے آیئے آپا۔ یہ آپ کے نالائق بھائی شبیر کا فون ہے۔ میرے بخیے ادھیڑنے میں لگے ہیں۔"

سدرہ آپا نے ریسیور ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ عدی کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

"ہیلو سدرہ آپا بھئی آپ نے شمی کو نہیں روکا۔ کیا شوق چرایا ہے اسے۔"

"تم واقعی نالائق ہو عدی۔ ڈیڈی کے نقش قدم پر نہیں چل سکے۔ شمی کو تو نہ روکو۔ تمہیں خبر ہے۔ وہ کتنے خوش ہیں شمی کو بھی تو وہ اپنا بیٹا خیال کرتے ہیں۔ وہ تو ایک اتفاق تھا کہ شمی اس گھر میں تمہارے توسط سے آیا لیکن در حقیقت وہ ڈیڈی کا دوست، بھائی، بیٹا سب کچھ ہے۔"

"آپا اسے یہی تو دشمنی ہے میرے ساتھ......؟ مارے حسد کے جب اور کچھ نہیں کر سکتا تو الٹی سیدھی مارتا ہے۔ آپ کو پتا ہے نا آپا کتنی مشکلوں سے میں نے ہامی بھری ہے اور یہ ذلیل کہہ رہا ہے کہ مجھے شہرت کی طلب ہے۔" شبیر گویا بھرے بیٹھے تھے۔ لے کے سب کچھ سدرہ آپا سے کہہ دیا۔

"اسے...... کیا کمی ہے اسے جس پیشے سے وہ منسلک ہے۔ شہرت تو اس میں گھر کی باندی ہوتی ہے۔ صرف لیاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"آپ کے یہ لاڈلے اگر ہار گئے تو دکھ میرے آگے مت روئیے گا سدرہ آپا!" عدی نے تاؤ دلایا۔

"ہاریں اس کے دشمن۔ ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔ اور تو بھی جو وہاں بیٹھا مفت کی توڑ رہا ہے۔ آ جا ادھر نا۔ آخر کچھ ذمہ داری تمہاری بھی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی ہاں۔" عدی کی آواز دبی دبی تھی۔ سدرہ آپا مسکرانے لگیں۔

"دیکھو نا عدی! دو کام ایک ساتھ ہونے ہیں۔ اسے الیکشن میں کامیاب کرانا بھی ضروری ہے۔ اور اس کی شادی بھی۔ آخر کب تک میں اس کا گھر سنبھالوں گی۔"

"کس نے کہا تھا اس الو کی دم سے۔ گھر والی سے پہلے گھر بنا لے۔ کیا کرے ناں سارے کام خود ہی۔ آپ اس کی ملازمہ تھوڑی ہی ہیں۔"

"چل ہٹ بدتمیز۔ بہنیں کوئی ملازمائیں ہوتی ہیں۔ آخر جب تک بھائی گھر بار والے نہ ہوں۔ مائیں، بہنیں ہی تو سنبھالا کرتی ہیں۔ کیا بھرا پرا گھر نوکروں پہ چھوڑ دوں۔"

"تو کس نے کہا ہے۔ لے آیئے کوئی نکمی سی لڑکی۔ اس کا گھر بگاڑنے کو۔"

"نکمی سی کیوں۔ تیری بیوی سے زیادہ خوب صورت، سلیقہ مند اور اچھی۔" سدرہ آپا نے اسے چڑایا۔

شبیر سدرہ آپا کی باتوں سے گفتگو کا مکمل اندازہ لگاتے زیر لب مسکراتے رہے۔ جانے کب انہوں نے ریسیور شبیر کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"بہرحال خدا تمہارے حال پر رحم فرمائے۔ بچے میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔"

"اس کے علاوہ چارہ جو نہیں۔"

"پھر...... پھر...... چڑا رہے ہو مجھے۔"

"چلو کچھ نہیں کہتے۔ یہ بتاؤ آ کب رہے ہو؟"

"جب سدرہ آپا تمہارے لیے بیوی نامی کوئی شے ڈھونڈ لیں گی۔ یار...... ریسیور آپا کو دینا میں انہیں مشورہ دے دوں۔ تمہاری نوینشنگ کے لیے گلی گلی، محلے محلے پھرتے ہوئے دو لڑکی بھی پسند کر لیں۔ آسانی ہو جائے گی۔ سنا ہے چاندنی بہو تلاش کرنے میں ماؤں بہنوں کو گلی کوچوں کی خاک چھاننا پڑتی ہے۔ جوتے گھس جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" شبیر کہیں گم ہو کر رہ گئے۔

"بس دم گھٹ گیا تیرا...... بند ہو گئی بولتی۔ یار یہ کوئی اتنا خوفناک موضوع تو نہیں کہ تو مارے ڈر کے کچھ بول بھی نہ سکے۔ خاصے حسین و رنگین لمحات اس ذکر سے وابستہ ہیں۔ اور تو ہے کہ منہ میں گھنگھنیاں ڈال لیتا ہے۔ اب اتنا بچہ بھی نہیں ہے۔ انتیس برس کا ہو گیا ہے۔ یہ عمر عین شادی کی عمر ہے اور کیا تب کرے گا شادی جب منہ میں ایک دانت نہ ہوگا۔ اب تو شہر کی کچھ نہ کچھ لڑکیاں تیری پرسنالٹی سے امپریس ہو سکتی ہیں۔ دس سال بعد ایک بھی تو نہ پوچھے گی۔"

"عدی! یہ میرا نہیں آپا کا مسئلہ ہے۔" وہ گہرے لہجے میں کہنے لگے۔

"اور تیرا مسئلہ صرف سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا ہے۔"

"نہیں بابا۔ تمہیں خبر ہے میرا کسی بھی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے ووٹ میری ذاتی قابلیت' کردار اور اخلاق کے پیش نظر میرے ہوں گے۔ اس میں عدی! میرے دل کے زخم پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ مجھے کچھ کرنے کا' کچھ بننے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ دولت بہت بڑی قوت ہے عدی! وقت نے اسے میرے پاس بے حساب طریقے سے لا ڈالا ہے۔ مجھے دولت کے سارے فوائد سے فیض یاب ہونے دو عدی۔ وہ آنسو میری اپنی ذات پر قرض ہیں۔ جو میں نے بے سروسامانی' تنہائی اور بے بسی کے عالم میں دنیا سے چھپ کر بہائے۔ کل میں صرف ایک پرجوش جوان تھا۔ لا ابالی بھی اور زمانے کی چیرہ دستیوں سے ناآشنا بھی۔ آج زمانہ شناس ہوں۔ میں چونکا دینا چاہتا ہوں عدی! ان سب کو...... ہاں ہاں عدی ان سب کو جنہوں نے ایک دن مجھ سے سب ناتے توڑ لیے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے عدی! جنہیں مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا۔ ایک دن وہ بھی بےگانے بن بیٹھے تھے۔ میں ان سب کو دکھانا چاہتا ہوں۔ انسانوں کے ساتھ چھوڑ جانے سے کیا ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت ساتھ نہ چھوڑے۔ سختیاں مٹانے کے لیے نہیں حوصلہ بخشنے کے لیے آتی ہیں۔ تم بھی دعا کرنا عدی...... دعا کرنا۔ میں وہ سب کچھ پالوں...... جو میرا مطمع نظر نہ ہوتے ہوئے بھی ہے۔ تمہیں خبر ہے نا...... میرے حلقے میں ہمارا اپنا علاقہ بھی ہے اور...... اور...... تم دیکھنا میری کامیابی میں ان غریبوں کا ہاتھ سب سے زیادہ ہوگا جن کے ساتھ میرے ماضی کا کچھ حصہ وابستہ رہا۔"

سدرہ آپا! چپ چاپ کھڑی شبیر کی باتیں سن رہی تھیں۔ ان کی نم آنکھوں نے سدرہ آپا کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے اپنا آنچل شبیر کی طرف بڑھا کر ان کے نیچے گرتے آنسو اس میں سمو لیے۔

"اچھا خدا حافظ عدی۔" وہ جذباتی ہو چلے تھے۔

"شمی!"

ریسیور رکھ کے وہ سدرہ آپا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"شمی! اب اگر تم نے کبھی وہ تکلیف دہ ذکر کیا تو یاد رکھنا میں اس گھر میں آنا چھوڑ دوں گی۔"

"آپا......" شبیر نے ان کے ہاتھ تھام کے آنکھوں سے لگا لیے۔ "آپا...... آپ نے وہ سب پیار مجھے دے ڈالے جن کے لیے میں ایک عمر ترستا رہا۔ آپ میری ماں بھی ہیں اور بہن بھی...... میری زندگی کی عمارت آپ کی شفقت کے سہارے تو کھڑی ہے۔ آپ نہیں بولیں گی۔ آپ نہیں آئیں گی۔ شمی کیسے جیے گا۔ آپ کو خبر ہے میں ہر لمحہ ماورا کی معصوم ہنسی کا منتظر رہتا ہوں۔ کتنا مان ہے مجھے آپ سب کی محبتوں کا ...... آپ نے جو کچھ دیا اس کی توقع تو خونی رشتوں سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ آپ نے تو عدی کی دوستی کا بھرم نبھایا ہے۔ صرف بھرم۔" وہ

ملا گئے۔

"ایک دم پگلے ہو۔ تم سے تو ہم سب کے دل مل گئے۔ تمہیں خبر ہے نا ڈیڈی تمہیں کتنا عزیز رکھتے ہیں۔ آج صبح ہی انہوں نے بات کی...... چند دنوں میں آ رہے ہیں وہ۔ اپنے بڑھاپے اور ہائی بلڈ پریشر کے باوجود تمہارے لیے مہم چلائیں گے۔ عدی تو تمہارا جگری دوست ہے شمی اور تم دونوں میں مذاق تو چلتا ہی رہتا ہے۔ تمہیں یاد ہے۔ سکھر جیل میں جب تم قانون کے مکمل پہرے میں تھے۔ وہ ہر دیوار توڑ کر تم تک پہنچ جاتا تھا۔ پپا جانتے ہیں۔ تمہاری رہائی کے لیے انہوں نے دن رات ایک کر دیے تھے۔ دن رات تمہارے لیے سلامتی کی دعائیں مانگتی تھیں۔ تم ہم سب کو عزیز ہو شمی۔ عدی کی طرح...... میں نے سدا یہ جانا ہے...... کہ عدی میرا اکلوتا بھائی نہیں تم بھی میرے بھائی ہو۔"

شبیر نے ان کے ہاتھ تھامے ان کی طرف دیکھا۔

"شمی! کیا انسانوں کے لیے اتنا کافی نہیں ہوتا کہ اس دنیا میں چند ایک لوگ اسے دل سے چاہتے ہیں۔" تب بھی انہیں زیادہ پیار آتا وہ انہیں شمی کہتی تھیں۔

"کیا عہد و پیماں ہو رہے ہیں مما؟" ماورا جانے کہاں سے دبے پاؤں آ گئی تھی۔

"آیئے آپ بھی شریک ہو جایئے...... ارے۔ ساتھ میں فلسطینہ بھی۔ آپا...... ایک تو میں ان دونوں شریر لڑکیوں سے حد سے زیادہ تنگ ہوں۔ جب بھی چیزیں بگاڑنے کو دل چاہا ادھر چلی آئیں۔ اب کرنا ہوگا کچن میں کوئی ناکام تجربہ۔"

"اللہ شبیر بھائی آپ تو کائیاں ہیں پکے۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی۔ بھئی فلسطینہ باجی نے خواتین کے ایک میگزین میں ایک زبردست قسم کی ڈش کی ترکیب پڑھی ہے۔ میں نے سوچا...... آپ کے ہاں بنالی جائے۔ آپ کا بھی بھلا ہو جائے گا۔" ماورا نے رسالہ پیچھے کر کے چھپایا ہوا تھا۔

"دیکھیے سدرہ آپی! اب آپ خود ہی ملاحظہ فرما لیجیے۔ کچن میں نہیں یہ لڑکیاں ہی گندا کیا کرتی ہیں اور آپ مفت میں میرا اور میرے دوستوں کا نام لگا دیتی ہیں۔"

"آپ پکے چٹخل خور بھی ہیں۔ نہیں بنائیں گے۔ اب یہاں کوئی چیز بنے گی نہ آپ کھائیں گے۔ اس وقت تو مزے لے لے کے کھاتے ہیں۔ بھئی ماورا غضب کی بنائی ہے یہ ڈش۔ سدرہ آپا تو قیامت تک پکاتی رہیں تو ایسی نہ بنا سکیں۔" ماورا منہ بنائے کہے جا رہی تھی۔ فلسطینہ ہنسی دبائے ایک طرف کھڑی تھی۔ شبیر منہ کھولے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"یہ جھوٹ ہے آپا! ایک دم جھوٹ۔ میں تو صرف تعریف کرتا ہوں۔ آپ کے پکائے کھانے کی کیا بات...... اور لڑکیو! جاؤ جا کر کچن کا حشر خراب کرو لیکن ہم میں جھگڑا پیدا نہ کرو۔"

وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ شبیر اور سدرہ ڈرائنگ روم میں آ گئے پل میں خوش باش نظر آنے لگے۔ یہ شبیر کی ایک اضافی خوبی تھی۔

"آپا! کل میں شیشے اور کڑھائی والے کشن لایا تھا۔ فرصت ہو تو وہ سلوا کر چڑھوا دیجیے گا۔ فوم کے کشن بھی لے آیا تھا اور یہ دیکھیے یہ صوفہ بیک کور کیسے ہیں؟ یہ بھی مل گئے ہیں۔ خاصے خوب صورت ہیں۔ لے لیے اور آتے ہی تھما دیے۔ ارے ہاں یہ کرسٹل کی باسکٹ تو آپ نے دیکھی نہیں۔ ایک دوست لایا ہے جاپان سے۔ یہ ٹیبل کے لیے مناسب رہے گی۔ ہے نا سدرہ آپا! پھولوں کی تو بہتات ہے گھر میں۔ روزانہ تازہ گلدستہ سجا

دیا کرے گا مالی اس میں...... اور...... وہ دیکھیے وہ جو سیپیوں سے بنی سینتری ہے نا۔ وہ ایک مدت سے سامان میں بند پڑی تھی۔ کل میں نے الماری کھولی تو یاد آ گئی۔ ڈرل سے سوراخ کر کے کیل لگا کر میں نے خود اسے ٹانگ دیا۔ سدرہ آپی! اس کے لگانے سے ڈائننگ روم کچھ زیادہ خوب صورت نہیں ہو گیا۔"

سدرہ آپا کو شبیر کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔ لیکن وہ ان ساری باتوں کے اندر چھپی بات اور درد سے واقف تھیں۔

"شبیر......" وہ پُردرد لیکن پُرخیال انداز میں مسکرائیں۔

"شبیر! اس گھر کو ایک عورت کے ہاتھوں کی ضرورت شدت کے ساتھ ہے۔ تم اسے روز بروز سامان سے بھرے جا رہے ہو اور سنبھالنا میرے لیے مشکل ہوا جا رہا ہے۔ ویسے ایک بات ہے شبیر۔ بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک خرابی ہے تم میں۔"

"خرابی۔ نہیں سدرہ آپی! کوئی خرابی نہیں۔"

"ہاں خرابی ہی خرابی وہ ہے تمہاری فضول خرچی اور زبردست قسم کی فضول خرچی۔"

شبیر نے قہقہہ لگایا۔

"فضول خرچی نہیں سدرہ آپا۔ بس صرف یہ ہے کہ اپنی ذات کے لاڈ خود اٹھاتا ہوں نا۔ آپا ایک دن مر تو جانا ہے۔ کیا بہت سی حسرتوں کے ساتھ یہ حسرت بھی دل میں رہے کہ ایک گھر کو اپنی مرضی سے نہ سجا سکے۔" شبیر کے قہقہے کا کھوکھلا پن سدرہ آپا سے چھپا ہی رہا۔ وہ ان کے ساتھ بیڈ روم میں چلی آئی۔

دونوں سنجیدہ قسم کی باتوں میں لگ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن کاغذات نامزدگی داخل کر دیے گئے۔ دن بھر...... اسی سلسلے میں وہ عدالت سے بھی غیر حاضر رہے۔ شام ڈھلے گھر آئے۔ ماورا برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی کوئی انگلش ناول پڑھ رہی تھی۔

"اے لڑکی! اندھیرا ہو چلا ہے۔ کیا نظر آ رہا ہے تمہیں۔"

"آپ بخوبی نظر آ رہے ہیں شبیر بھائی۔"

"یہاں کیوں بیٹھی ہو۔"

"آپ کے لیے ہرگز نہیں۔ جانتی ہوں آج آخری دن تھا۔"

"کیسا آخری دن؟"

"آپ کے ہمارا ہونے کا۔ اب تو آپ خود اپنے بھی نہ رہیں گے۔"

"افل کرل۔ تم بہت سمجھدار ہو آخر بات کیا ہے۔"

"آپ سب کی صحبتوں کا فیضان اثر ہے۔ اس گھر میں ایک سے ایک بڑھ کر سمجھدار ہے۔ میں بے سمجھ کیسے رہ جاتی۔"

شبیر نے ایک قدم سیڑھی پر رکھتے ہوئے ماورا کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"نہ بابا نہ تم ہم سب کی استاد ہو۔ سمجھداری ہم پر محض ایک الزام ہے۔ ارے ہاں اس ڈش کا کیا ہوا جو تم شام سے شد و مد سے تیار کی جا رہی تھی۔ بھئی بڑے غضب کی بھوک لگ رہی ہے۔ آج تو شام کی چائے بھی گول ہو گئی۔"

"ڈش...... ہونا کیا تھا تجربہ پھر ناکام رہ گیا۔ حلوے کی جگہ وہ تو کوئی ڈنڈا نما چیز بن گئی۔ فسطینہ باجی تو ارے

ے وہاں سے میرا مطلب ہے کچن کے عقبی دروازے سے بھاگ گئیں۔ میں نے اس منصوبے کو وہیں چھوڑ دیا۔ آپ فکر نہ کریں شبیر بھائی ایک دو بار کی ناکامی کے بعد کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک لیکن پتا تو چلے۔ کچن میں کن کن چیزوں پر فاتحہ پڑھی گئی۔"

"کچھ بھی نہیں بس ایک سیر سوجی ایک سیر شکر۔"

"یہ سیروں کا کیا حساب ہے بھئی۔ کلوگرام کا حساب بتاؤ۔"

"نہیں شبیر بھائی! وہ رسالہ بہت پرانا تھا۔ کلوگرام سے ناپنے میں گڑبڑ ہو جاتی۔ ہاں تو ایک سیر سوجی۔ ایک سیر...... ایک پاؤ دودھ۔ ایک پاؤ بھینس سے حاصل کردہ گھی...... کچھ میوہ جات اور بارہ عدد انڈے۔"

"یعنی یہ سب ضائع......"

"جی ہاں...... جی ہاں......" اس نے تسلی سے جواب دیا۔

"اور ابھی دو چار مرتبہ اور ضائع کرنے کا ارادہ ہے۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو......"

"نہایت شریر بچی...... اچھا...... ہاں یاد آیا۔ کل کی میٹنگ میں ہم لوگوں کو کیمرے کی ضرورت تھی۔ پرویز بھی کچھ تصویریں بنانے کا کہ رہے ہیں لیکن کیمرا کہیں ملا ہی نہیں۔ یہ جو تم سامان کو ادھر ادھر کرتی رہتی ہو نا۔ تو تم ذرا مجھے مطلع ضرور کر دیا کرو۔ میں کتنی دیر بو کھلا کر ڈھونڈتا رہا۔"

ماورا کا چہرہ فق ہونے لگا۔

"کک...... کیمرا...... شبیر بھائی۔ اکیمرا تو ابھی...... میرا مطلب ہے کیمرا تو فسطینہ باجی کے پاس ہے۔" اس نے جلدی سے کہہ ڈالا۔

"فسطینہ کے پاس...... وہ کس لیے؟"

"ہم نے وہ تصویریں بنائی تھیں نا...... ابھی کچھ فوٹوز باقی تھے۔ فسطینہ باجی نے اپنے دوستوں کے ساتھ فوٹو لینے تھے۔ وہ کالج لے گئیں۔"

"تم نے کس کی تصویریں بنائی تھیں۔؟ ماورا...... دیوانی لڑکی! بھلا تمہارے پاس تصویروں کی کیا کمی ہے۔"

"اوہ شبیر بھائی! آپ تو خوامخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنی کب تصویریں بنائیں میں نے تو آپ کے گھر کی تصویریں بنائی تھیں۔ وہ تو کب کی آ بھی گئیں۔ دکھاؤں آپ کو؟"

"ماورا! تم واقعی پٹڑی سے اتر گئی ہو۔ گھر کی تصویریں کس لیے بنائی تھیں۔"

"کیمرے کی آنکھ وہ خوبی بھی ڈھونڈ لاتی ہے جو آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے۔ اور وہ عیب جو ہماری نگاہوں سے چھپ جاتا ہے۔ میں نے بھی دیکھنے کی کوشش کی کہ درحقیقت ہمارے شبیر بھائی کا گھر کتنا خوب صورت ہے۔"

"ماورا...... میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

وہ شرارتی مسکراہٹ سمیت ہنسنے لگی۔

"اچھا لاؤ کہاں ہیں وہ تصویریں؟"

"بس اندر کو بھاگی۔ شبیر اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ سائیڈ ٹیبل سے اس نے سفید لفافہ باہر نکالا اور شبیر کو دیا۔ وہ لفافہ کھول کر اس میں سے ایک تصویر نکال کر دیکھنے لگے۔

سائیڈ ٹیبل، دیواروں کی...... صوفوں اور کرسیوں کی...... بیڈ اور شیلفوں کی تصویریں...... اندرونی اور بیرونی دالانے

کی تصویر ......لان کے رنگارنگ پھولوں کی تصویریں......زبردست عکاسی تھی کسی ماہر کیمرامین کے ہاتھوں کا شاہکار۔

"اچھا تو تصویریں انسانوں کے بغیر بھی ہوتی ہیں۔"

"آف کورس......"

"حیران ہوں یہ دیکھ اور سن کر لیکن بائی داوے یہ بنائیں کیوں گئیں؟ کس کے لیے......؟ کب اور کیسے؟"

☆☆

"میرا خیال ہے میں نے تو بھول کر بھی ایسی احمقانہ خواہش کا اظہار تم لوگوں کے سامنے نہیں کیا۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ ایک بے چارے نانا جان تھے۔ زندہ ہوتے تو اپنا یہ کارنامہ انہیں دکھانے کو دل چاہتا۔ آخر یہ حرکت کی کس نے۔" شبیر کو کھوج لگی تھی۔

"میں نے ہرگز نہیں کی شبیر بھائی۔ وہ جو فسطینہ باجی ہیں نا۔ انہیں ہی ایسے شوق چراتے ہیں۔"

"فسطینہ کو۔ انہیں کیا ضرورت تھی۔ فوٹوگرافر نے کیا سوچا ہوگا۔ ان لوگوں نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔"

"مجھے پتا نہیں شبیر بھائی۔ خیر یہ سارا کچھ تو فوٹوگرافر نے فسطینہ باجی کے بارے میں ہی سوچا ہوگا۔ پرنٹ وہ خود نکلوا کے لائی ہیں۔ ویسے فی الحال تو آپ ادھر چلیے۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہے نا۔ کسی فارغ وقت میں فسطینہ باجی سے پوچھ لیجیے گا۔" وہ دانا نظر آ رہی تھی۔ معصوم سی دانا۔

وہ اس کے ساتھ چل دیے۔

"ایک تو یہ ڈیوٹی بھی بڑی سخت ہے۔ چوکیداروں کی طرح برآمدے میں بیٹھے رہو اور جب آپ نوابزادہ صاحب تشریف لائیں آپ کو ماما کے حضور پیش کرو۔" وہ بڑبڑا رہی تھی حسب عادت۔

"اتنے مزے سے میری قیمتی کتابوں کا کباڑا کر رہی تھیں ارے چوکیدار کوئی اتنے ٹھاٹھ سے بیٹھتے ہیں۔ ہاتھوں میں آفسٹ پیپر کے انگلش ناول لے کر۔" انہوں نے مارنے کو ہاتھ بڑھایا۔

ماورا کو ہنسی آ گئی۔ وہ دونوں ابھی سڑک پار کر ہی رہے تھے کہ جمال احمد کی گاڑی سامنے کے گیٹ میں داخل ہونے کو مڑی۔

"ارے۔ یہ نانو جان کہاں سے آ گئے۔" جمال احمد گاڑی سے باہر آئے تو شبیر ان تک پہنچ چکے تھے۔

"ہیلو ڈیئر سن۔ کیسے ہو بھئی۔" وہ سدا کی طرح خوش، خرم اور تروتازہ لگ رہے تھے۔

"اچھا ہوں ڈیڈی۔ آپ کیسے آ گئے۔"

"لو بھئی۔ تمہاری طرف سے ایک خوشخبری مل جانے پر بھی ہم چپکے بیٹھے رہتے ہمیں تو آنا ہی تھا۔ جہاز میں سیٹ مل گئی ہم بائی روڈ آ گئے۔"

"آپ کے لیے طویل سفر منع ہے ڈیڈی۔" انہوں نے یاد دلایا۔

"نہیں سن...... یہ منع ہے اور کیا نہیں اس کی ہمیں خبر ہے۔ ہم تو اس نالائق کو بھی لا رہے تھے۔ مگر وہ ٹور پر چلا گیا۔ ہم جانتے ہیں یہ بہانہ تھا لیکن ہم اسے اس کی سزا ضرور دیں گے۔"

سدرہ آپا شور سن کر باہر آ گئیں۔

"ارے ڈیڈی جان آپ؟"

"ہاں بیٹی میں آیا ہوں۔" انہوں نے ماورا کو پیار کرتے ہوئے سدرہ آپا کے سلام کا جواب دیا۔

"می۔ ارے آپ بھی ہیں۔"

گاڑی کے سیاہ شیشوں کے سبب کوئی انہیں دیکھ نہ پایا تھا۔ شبیر بھاگ کے ان کے آگے جھکے۔

"آداب ممی!"

"جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ بھئی تمہارے ڈیڈی کو نہیں لیکن مجھے وہ تصویریں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ سچ پوچھو تو ...ایگزیشن کے لیے نہیں تمہارا گھر دیکھنے آئی ہوں۔ بہت پیاری تصویریں تھیں۔ گھر تو اور بھی۔"

"کیسی تصویریں ممی؟" وہ حیران کھڑے تھے۔

"اے لو۔ بھئی جو تم نے بھجوائی ہیں۔"

"میں نے۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں ہاں اپنے گھر کی۔" ممی نے تصحیح کی۔

شبیر نے جھٹ ماورا کی طرف دیکھا۔ اس نے صفائی دی۔

"سچ شبیر بھائی آئی سوئیر میں نے نہیں بھجوائیں۔"

"تو کس نے بھجوائیں۔" وہ سوچنے لگے۔

"ابھی پوچھتا ہوں جا کر اس فسطینہ کی بچی سے۔" شبیر کو غصہ آ گیا۔

"کیا ہوا شبی؟" سدرہ آپا نے انہیں روکا۔

"آپا۔ آپ نے دیکھی ان لڑکیوں کی شرارت خالی گھر کی تصویریں بنا کر ڈیڈی ممی کو بھجوا دیں۔"

"تو برا کیا کیا؟ ممی اسی کشش کے تحت دوڑی چلی آئیں۔ ورنہ تو آتی رہتیں کہیں کسی خوشگوار موسم میں۔" سدرہ ...والدین کی آمد سے خوش تھیں۔

شبیر بھی مسکرانے لگے۔ بلکہ مان گئے۔

"واقعی از دا تھینٹ۔ بعض اوقات یہ نکمی لڑکیاں خاصی کام کی ثابت ہونے لگتی ہیں۔" ماورا نے کندھے ...اچکائے۔

...یہ فسطینہ وغیرہ کو بھی مہمانوں کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ مراد اور فسطینہ وہیں آ گئے۔ یہ دونوں جمال احمد کی ...بہن کے بیٹا بیٹی تھے اور افتخار احمد کے بھانجا بھانجی۔ یعنی سدرہ آپا کی نند کے بچے۔

"او ہو نانی جان۔ آپ۔ ارے گرینڈ پا بھی ہیں۔"

"گرینڈ ما۔ ان تصویروں کا تذکرہ کیجیے۔" فسطینہ نے سرگوشی کی آداب کہتے کہتے۔ لیکن سرگوشی ذرا بلند تھی جسے ...شبیر مسکرا دیے۔

"رازداری کی ضرورت نہیں۔ ہمیں سب خبر ہے۔"

"آپ کو سب خبر ہے۔ کیسے۔ کیسے ہوئی آپ کو خبر۔ کس نے بتایا؟" وہ بوکھلا گئی۔

"ممی نے اور کس نے۔ ویسے مس فسطینہ اس عنایت کا شکریہ ممی کو یہاں لانے کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ...۔" فسطینہ کی جان میں جان آئی۔

ان کے آنے سے گھر ایک دم آباد ہو گیا۔ شبیر اپنی مرضی سے گھر سے جاتے اور واپس آتے۔ ان دونوں ...کے دم سے بڑی رونق تھی۔ دن کا بیشتر حصہ وہ لان میں گزارتے۔ خوب صورت درختوں کے سائے میں ...تھوڑی سی دیر دھوپ سینکتے ہوئے۔ ڈیڈی سارا دن نایاب پھولوں کی دیکھ بھال کرتے۔ ممی نوکروں کو

ہدایات دیتیں۔ کھانا اپنی نگرانی میں کھلواتیں۔ ایک دن شبیر گھر آئے تو وہ حریرہ بنانے میں لگی تھیں۔ شبیر کچن میں گھس آئے۔ چمچہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ بھلا کب گوارا کر سکتے تھے۔

"ممی۔ یہ کیا کرتی ہیں آپ۔ یہاں اسی لیے آئی ہیں؟"

"اور نہیں تو کیا۔ عدی کی خدمتیں کرتے کرتے عمر بیتی جارہی ہے کچھ حق تیرا بھی ہے نا۔"

"یہ عمر آرام کرنے کی ہے۔"

"نہیں نہیں شمی ماں کو اپنا پیار اپنے بچوں میں بانٹے بغیر چین نہیں آتا۔ مجھے پتا ہے نا حریرہ تجھے کتنا پسند تھا۔ اب تو تجھے ذائقہ بھی بھول گیا ہوگا۔" ممی نے حسرت سے کہا۔

"نہیں ممی! آپ نے سدرہ آپا میں اپنی ساری خوبیاں بھر دی ہیں نا۔ وہ بنایا کرتی ہیں۔ ہم کھایا کرتے ہیں۔"

"پر ماں کے ہاتھ کی تو اپنی ہی بات ہوتی ہے نا۔"

"آپ مختار ہیں اپنی مرضی کی۔ ہم روکنے والے کون۔ بنائیے شوق سے بنائیے۔ ہم مزے سے کھالیں گے۔ ارے ہاں ممی یہ سدرہ آپا نظر نہیں آرہیں۔ کیا آج ادھر نہیں آئیں۔"

"آج وہ بڑی اہم مہم پر گئی ہے۔"

"کیسی مہم۔ ابھی تو کچھ دن باقی ہیں ممی۔ اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔ اتنا ہلکان ہونے کی کیا ضرورت ہے اور پھر وہ مجھ سے پوچھے بغیر ہی چلی گئیں۔ میرے دوست اس شہر کے بارے میں ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ بتاتے کہ۔ ویسے ممی۔ یہ تقدیر کی بات ہوتی ہے۔ جس نے جیتنا ہو جیت جاتا ہے۔"

"کیا کہے جارہا ہے شمی۔ وہ الیکشن مہم پر نہیں تیرے لیے لڑکی دیکھنے گئی ہے۔"

"لڑکی دیکھنے؟"

"ہاں افتخار کے کوئی دوست ہیں۔ ان کی بھانجی ہے۔ بڑا اچھا خاندان ہے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ سنا ہے خوب صورت بھی ہے اور سلیقہ شعار بھی۔ کسی کالج میں پڑھارہی ہے۔ سدرہ تو مجھے بھی ساتھ لے جارہی تھی۔ میں نے منع کر دیا۔ وہ اکیلی ہی گئی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کسی گھر میں بنا کہے دل رشتے کی نیت سے جاؤ اور چست سے انکار کر دو کہ جی لڑکی پسند نہیں آئی۔ میں نے سدرہ سے کہا ہے تو کسی بہانے دیکھ آ۔ پسند آگئی تو دوسرے پھیرے میں شادی کی بات پکی کر آئیں گے۔"

شبیر کے چہرے پر کئی سائے آئے اور گزرتے چلے گئے۔ چمچہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑے ممی کو دیکھ رہے تھے۔

"شمی ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کی بہو چندے آفتاب چندے ماہتاب ہو۔ عدی تو خاصا بدتمیز اور گستاخ لڑکا ہے اس نے بھی میری پسند پر ہاں کر دی۔ بہو واقعی میری پسند کی تھی اور چند خوب صورت لڑکیوں میں سے ایک۔ اونچا خاندان۔ اعلا تعلیم۔ مگر ایک کمی رہ گئی۔ سلیقے کی کمی۔ تیری دلہن تلاش کرتے ہوئے میں سب سے پہلے سلیقہ تلاش کروں گی۔ چاہے بہت زیادہ حسین نہ ہو۔ لیکن تیرے دکھ سکھ بانٹنے والی ضرور ہو۔ تیرا خیال رکھنے والی۔ عدی کی زندگی میں ساری خوشیاں ہیں لیکن وہ اپنائیت نہیں جو تجھ میں اور تمہارے ڈیڈی میں ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی پرتکلف زندگی گزارتے ہیں اور مجھے وحشت ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا میں مرد کا جتنا بڑا نام ہو وہ جتنا بھی خود مختار ہو۔ گھر میں اپنی بیوی پر Depend (انحصار) کرنا اچھا لگتا ہے۔ یعنی بیوی کو یہ خبر ہو کہ اسے

وقت۔ کیا۔ اور کیسے چاہیے۔ نوکر خدمت گار ہوتے ہیں محرم راز نہیں۔ اور تمہارے لیے۔ تمہارے لیے تو ایک محرم راز کی از حد ضرورت ہے۔ کہ تم نے محبت کم پائی ہے۔"

"محرم راز۔" شبیر بڑبڑائے۔

نی بے جارہی تھیں۔

"بنے عدی کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے شمی۔ اس بے چارے نے اپنی زندگی سے سمجھوتا کر لیا ہے۔ کبھی کسی سے شکوہ ں لیا۔ دراصل جس نے چھاؤں دیکھی ہی نہ ہو۔ اسے دھوپ کی تمازت کچھ اتنا بھی پریشان نہیں کرتی۔ عدی ۔نیں کم ہے۔ تیری بھابی اپنی سوشل لائف میں۔ بچوں کی اسے ضرورت نہیں۔ اتنا بڑا گھر کسی بچے کی آواز کو ے رونے ہنسنے کو۔ اس کی معصوم غوں غاں کو ترس رہا ہے۔ مجھے عدی پر ترس آتا ہے شمی۔ تجھے ویسی زندگی دوں گی۔ تیری شادی کسی بہت اچھی لڑکی سے کروں گی۔"

"ممی۔ آپ نے جو معیار بتایا ہے نا ویسی لڑکیاں جنت میں ملیں تو ملیں۔ یہاں ملنے سے رہیں۔"

"دنیا بہت بڑی ہے چندا۔ اچھی لڑکیوں کا کال نہیں ہے۔ بس ہم لوگ پاگل ہوتے ہیں۔ کھوج نہیں پاتے۔ دنیا کی بھرمار میں ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ تم نے کبھی خام سونا دیکھا ہے شمی۔ کبھی ناتراشیدہ ہیرا ۔ سنا ہے معمولی پتھر جیسا نظر آتا ہے۔"

"ہیروں کی پہچان کیسے ہے! اس دنیا میں تو ساری لڑکیاں دور سے تراشیدہ ہیروں کی طرح چمکتی نظر آتی ۔ اب کیا خبر کہ ان میں سے اصلی کون سا ہے اور نقلی کون سا۔"

"یہی تو لمحہ فکر یہ ہے۔ شمی تجھے کیا خبر۔ میں تیرے لیے کتنی پریشان ہوں اور تیرے اس گھر کو دیکھ کر تو اور بھی فکر مند ہوتی ہوں۔"

"ہاں ممی۔ مجھے ایک شریک حیات کی ضرورت ہو نہ ہو اس گھر کو گھر والی کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ ممی۔ ایک ۔ـبـ۔ اخبار میں اشتہار دے دیتے ہیں۔ ایک گھر کو ہنگامی بنیادوں پر ایک گھر والی کی ضرورت ہے۔ گھر وہ ۔ـنہ افورڈ کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ جو ایک گھر والی کو چاہیے ہوتا ہے۔ گھر والی میں مندرجہ ذیل صفات کا ۔ـازمی ہے۔ یعنی۔ باسلیقہ ہونا خانہ داری کا ماہر ہونا باغبانی۔ مرغ بانی۔ خوراک بانی وغیرہ وغیرہ۔"

ں نے چمچہ لہرایا۔ شبیر دروازے کی طرف بھاگے۔

"ں۔ چمچہ بہت گرم ہے۔ پلیز ممی۔" انہوں نے وہ کھڑے کھڑے ہاتھ جوڑے۔ ممی ہنس دیں۔

"دل دکھانے والی باتیں کیوں کرتا ہے تو......؟"

"میں تو آپ کی ہمدردی کر رہا تھا کہ ایک مشکل شاید میرے مشورے سے آسان ہو جائے۔ مگر آپ خفا ۔ـا۔"

"ـنہیں ہے تیرے مشوروں کی ضرورت۔ خود ہی حل کرلوں گی میں اپنا مسئلہ۔ میں نے تو غلطی کی تجھے بتا کر۔"

"ـ۔ مان لیتے ہیں آپ نے غلطی کی لیکن ممی پلیز مجھے اندر تو آنے دیں۔ یہ چمچہ رکھ دیں۔ آپ کے ہاتھوں ۔ـی خوشبو مجھے بے چین کر رہی ہے اور آپ ہیں کہ۔" ایک بار پھر ممی ہنس دیں۔ شبیر ڈر جانے کی ۔ تے انہیں پیارے لگے۔

"ـاندر آؤ۔ میں کون سا مارنے چلی تھی۔"

"ـنہیں آپ کون سا مارنے چلی تھیں۔ مائیں تو غصہ بھی دکھاوے کا کرتی ہیں۔ ویسے بھی۔ آپ اس وقت

ہت اچھی بہت پیاری لگتی ہیں جب خفا ہوتی ہیں ڈانٹتی ہیں۔"

"چل ہٹ مت بنا مجھے۔ کوئی غصے میں بھی اچھا لگا کبھی۔"

"آپ۔ رئیلی آپ۔ غصے میں بھی پیار چھپا ہوتا ہے نا اسی لیے اور میں تو ہمیشہ چھپی ہوئی چیزوں کو پسند کرتا ہوں اسی لیے آپ کی یہ ادا۔"

"کس کی ادا۔ کیسی ادا۔ شمی یہ ممی سے اظہار عشق آخر کس سلسلے میں۔"

سدرہ آپ ایک دم کچن میں داخل ہوئیں۔ شبیر کوارٹر پلیٹ میں رکھا حریرہ چکھنے میں لگے تھے۔

دونوں ایک ساتھ چونکے۔

"سدرہ تو واپس بھی آ گئی۔ کیا ہوا دیکھی لڑکی۔ پسند آئی۔ کیسی تھی؟"

سدرہ شبیر کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"ممی۔ سانس تو لینے دیں۔ سب کچھ بتاؤں گی۔ بڑی خدمتیں ہو رہی ہیں اپنے بیٹے کی۔ ہمیں بھی تو چکھائیے کیا بنایا ہے۔ زبردست خوشبوؤں نے گیٹ پر ہی میرا استقبال کیا تھا۔"

"اے کیسی نندیدی ہے تو میں حال پوچھ رہی ہوں۔ اور تو......"

"ممی مجھے ساتھ بھیجا ہوتا آنکھوں دیکھا حال وہیں سے مواصلاتی سیارے کی معرفت آپ تک پہنچاتا۔" شبیر نے شرارت سے سدرہ آپا کو دیکھا اور ایک پلیٹ میں حریرہ ڈال کر ان کی طرف بڑھایا۔

"جیسے جتنی دیر یہ ٹھنڈا ہو آپ ممی کو احوال کہہ سنائیں۔"

"بڑی جلدی ہے بیٹے کو۔ کیا خیال ہے الیکشن سے پہلے سہرے نہ باندھ دیے جائیں۔"

"نیک خیال ہے کام آسان ہو جائے گا۔ ویسے نیک خیال تو یہ بھی ہے عین الیکشن کے دن سہرے باندھ دیے جائیں اور اگر کامیابی مقدر ہو جائے تو جشن کامیابی اور ولیمہ ایک ساتھ کر دیا جائے۔" سدرہ حیران ہو کر شبیر کو دیکھنے لگیں۔

"یہ تم کہہ رہے ہو۔"

"آف کورس۔ میں ہی کہہ رہا ہوں۔ آپ اتنی حیران کیوں ہیں؟"

"میرا خیال ہے۔ یہ اثر ممی کے آنے کا ہے۔ ورنہ کل تک تو تم اس ذکر سے کنی کتراتے نظر آتے تھے۔"

"خدا کا خوف کریں سدرہ آپا۔ ممی کھڑے کھڑے نکال باہر کریں گی۔ ممی کی رضا جیتنے کے لیے نظریات میں تبدیلی ضروری ہے اور ان دنوں ممی کو ناراض کرنا کھانے کا کام ہے۔ ارے آپا ماں کی دعائیں نہ ہوں تو کامیابیاں دور سے چہرہ دکھا کر بھاگ جائیں گی۔ اور میں۔ کامیابی چاہتا ہوں سدرہ آپا۔ ہاں اب آپ بتائیے۔ آپ نے لڑکی دیکھ لی۔ پسند آئی۔ کیسی تھی۔ شادی کے چانسز کتنے فیصد ہیں؟"

"ممی لڑکی بہت پیاری ہے۔ بی فسطینہ کی کولیگ ہے افتخار نے تو ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میری وائف اپنے بھائی کے لیے لڑکی دیکھنے آ رہی ہیں۔ سو بھائی کے متعلق بتانا پڑا۔ عمر، تعلیم، شکل و صورت، اخلاق، ذریعہ معاش اور مشاغل۔"

"ارے۔ اس کا مطلب ہے کہ پراسیس خاصا لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے خاصے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں بے چاری بہنوں کو تب جا کر بھائیوں کا گھر بستا ہے۔ آپ نے بھی خوب نمک مرچ لگا کر اپنے اس بھائی کی تعریفیں کی ہوں گی۔"

"ہاں کیوں جھوٹ بولتی۔ کیا کمی ہے تم میں۔ لاکھوں میں ایک ہو۔"

"خیر وہ تو ہر بہن کے لیے اس کا بھائی ہوتا ہی ہے آپ آگے کہیے۔"

"لیکن لڑکی کی بہنوں کو ایک اعتراض تھا۔"

"اعتراض۔ مجھ پر۔ کیا وہ مجھے جانتی ہیں؟"

"ہاں ایک طور سے۔"

"کس طور اور کیا اعتراض ہے انہیں۔"

"کہ تم ایک سیاستدان ہو۔"

"میں۔ سیاست دان ہوں۔ یہ بے پر کی کس نے اڑائی سدرہ آپا؟"

"یہ ایک حقیقت بن گئی ہے تمہارے الیکشن میں حصہ لینے سے۔ ان کا خیال ہے یہ لیڈر ٹائپ لوگ خود اپنے کے لیے بھی باقی نہیں رہتے بیوی تو پھر ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔"

"یعنی کیا مطلب؟"

"یعنی اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ میرا خیال ہے پورے خاندان کے لیے اعتراض کی بس یہی بات تھی۔"

"اے یہ بھی کوئی اعتراض ہے۔ کیسے لوگ ہیں۔ شہرت کون نہیں چاہتا۔ عزت کسے مطلوب نہیں۔ اے میرا شبیر سے ویل ایجوکیٹڈ ہے۔ الیکشن جیت گیا۔ اسمبلی میں پہنچ گیا۔ تو کسی دن وزارت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ انہیں بتایا ہوتا۔ شمی کی قابلیت کے انگریز استاد بھی معترف تھے۔ وہیں لیکچرر شپ دینے کو تیار تھے۔ وہ تو اپنے ملک کی۔ ہماری محبت میں وطن واپس آ گیا۔ ارے یہ بھی کوئی برائی ہے۔ ارے میں نے بھی تو ایک سیاست دان کے ساتھ عمر گزاری ہے۔ مجھے تو کوئی دکھ نہیں ملا جمال سے اچھا شوہر مجھے کبھی نہ مل پاتا۔ تمہارے ڈیڈی نے سدا مجھے ایک قیمتی شے کی طرح سنبھال کر رکھا۔ محبت دی۔ اپنا قیمتی وقت دیا۔ عزت دی۔"

"ارے ممی آپ اپنی تو بات بھی نہ کریں۔ آپ کا گھر تو دنیا کے سارے گھروں سے مختلف لگتا ہے۔ پہلے دن سے۔ میں اکثر سوچتا تھا اور آج بھی سوچتا ہوں۔ آپ اور ڈیڈی کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں۔ میں نے کبھی بھی دونوں کو اداس۔ بجھا ہوا یا غصے میں نہیں دیکھا۔ خوش و خرم چاق و چوبند۔ ایک دوسرے کا جان نثار۔ ممی۔ آپ کا آنگن ستاروں سے سجا نظر آتا تھا۔ جھلمل کرتے ستاروں کا مسکن۔ لگتا تھا۔ ستارے آسمان کے لیے نہیں۔ بنے ہیں صرف آپ کے گھر آنگن کے لیے بنے ہیں۔ ممی آنگن جھلمل ستاروں کے آنگن کیسے بنتے ہیں یہ راز مجھے بتائیے نا۔ یہ نکتہ مجھے سمجھائیے نا۔"

ممی کی نگاہیں دور کہیں کھو گئیں۔

"میں کیا بتاؤں۔ اپنے ڈیڈی سے پوچھنا۔ انہیں خبر ہوگی۔ اے شمی۔ خدا نے چاہا تو تیرے آنگن میں چاند بھی ہوگا اور ستارے بھی۔" ممی نے ایک اور بات کہہ ڈالی۔

"نہیں ممی چاند بے وفا دوست ہے۔ ستارے سدا ساتھ دیتے ہیں۔ رونق تو ان ہی کے دم سے ہے۔ چاند تو سراب ہے۔ چاند تو ایک آرزو ہے۔ چند دنوں کے لیے آتا ہے چھپ جاتا ہے۔" وہ جانے کن خیالوں میں کھوئے جا رہے تھے۔

"ہاں بس افسانوی باتیں لے بیٹھا۔ مردوں کو ٹھوس حقیقتوں سے پُر گفتگو سجتی ہے۔"

"حقیقتیں بہت کڑوی ہوتی ہیں۔ ذکر سے زندگی کا مزاج بدلنے لگتا ہے۔" شبیر سنجیدہ سے ہو گئے۔

"کیسے ہو تم خدا کے بندے۔ میں تمہاری سیاست دانی کا ذکر کر رہی تھی۔"

"ہاں۔ ہاں سدرہ آپا۔ آپ فرمایئے لڑکی کی دانشور بہنوں نے اور کیا کیا اعتراض اٹھائے۔"

"یہی سو اعتراضوں کا ایک اعتراض۔ اور کیا۔ لڑکی مجھے پسند آئی۔ خوب صورت تھی دیکھنے میں' سنجیدہ تھی۔ لیکن اصل چیز تو آپس کا اعتماد ہوتی ہے۔ وہ پہلے دن سے یہ خدشہ لے کر آئے تو زندگی کے طویل شب و روز گزارنا اتنا سہل بھی نہ ہوگا۔"

"زندگی یوں بھی سہل نہیں تو یوں بھی نہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ گھر تو آباد کرنا ہی ہے نا۔ رشتوں کے معاملے میں کتنا قحط ہے میرے آس پاس۔ کوئی تو میرا ہوگا۔ میرے جسم و جاں کا حصہ۔ جسے میں پیار دے سکوں۔ میں۔ میں۔ تو۔"

"ارے کہاں کھو کر رہ گئے۔" سدرہ آپا نے ان کا کندھا ہلایا۔ شبیر نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

"تو شہر میں لڑکیوں کی کون سی کمی ہے۔ کل کسی اور جگہ قسمت آزمائی کر لیجیے گا۔ کوئی نہ کوئی لڑکی تو آپ کے شہی کو قبول کر ہی لے گی۔"

"ارے لڑکیوں کی کیا مجال ہے۔ سدرہ! تم تو گھر ہی بیٹھی رہو۔ اس شہر میں' میں نے بھی ایک عرصہ گزارا ہے۔ میرے بھی شناسا یہاں موجود ہیں۔ کل کی کل میں ہی لڑکی تلاش نہ کی تو نام بدل دینا۔"

"ٹھیک ہے ممی جو آپ کی مرضی۔ ویسے ایک بات ہے ممی۔ ادھر ادھر لڑکیاں تلاش کر رہے ہیں ہم لوگ۔ اور گھر میں جو لڑکی ہے۔ اس کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔"

"گھر میں کون سی لڑکی ہے۔"

شبیر بھی چونکے۔

"ممی اپنی فسطینہ۔ اور کون۔ حسن میں' اخلاق میں' تعلیم میں' قابلیت میں۔ نمایاں حیثیت ہی رکھتی ہے۔"

شبیر کی نظروں میں فسطینہ کا سراپا گھوم گیا۔ چند ماہ میں افتخار کی بہن کا یہ گھرانہ ان کے قریب ہو گیا تھا۔ مراد ایک مخلص دوست کی طرح ان کے قریب تھا۔ اور فسطینہ۔ جو کہ چوبیس پچیس سالہ باوقار سی لڑکی تھی' ماورا کے ساتھ مل کر خاصی شوخ بنی رہتی تھی۔ واقعی حسن صورت میں اپنی مثال آپ تھی۔ ایک کالج میں لیکچرار تھی۔ کردار سے گفتار تک کوئی خامی شبیر کے سامنے نہ تھی۔ وہ چپ رہے۔

"ممی۔ کیوں نہ ہم افتخار سے یہ بات کر کے دیکھیں۔ آخر فسطینہ کو کہیں نہ کہیں بیاہنا تو ہے ہی ان کی ہمشیرہ نے کیوں نہ شبیر سے ہی۔" سدرہ آپا یوں خوش تھیں۔ گویا اہم دریافت کی ہو انہوں نے۔

"سچ کہا تو نے سدرہ۔ میں ابھی تمہاری طرف آ رہی ہوں افتخار سے خود ہی بات کرتی ہوں۔ افتخار کی کیا مجال کہ وہ کوئی اعتراض کریں۔"

"ممی وہ کیوں اعتراض کرنے لگے۔ بات تو باجی کی ہے۔ فسطینہ کے چاچا کی ہے۔ مراد کی ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جانتی ہو ان سب کے بزرگ کون ہیں۔"

"ظاہر ہے ڈیڈی ہی ہیں۔"

"تو ان لوگوں کی اتنی ہمت کہاں کہ وہ جمال کی بات ٹھکرا دیں۔ ان سے کیا درخواست کرنی۔ جمال جا کیں گے اور بات طے کر آئیں گے۔"

"سدرہ آپا۔ مذاق ہی مذاق میں بات تو آگے نہیں بڑھ گئی۔" شبیر نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی ابھی کچھ دن انتظار کیجیے۔ ایک مسئلہ تو حل ہو۔"

"ہاں ہاں۔ وہ بھی ہوتا رہے گا اور یہ بھی۔"

سدرہ باہر چلیں۔ شبیر پھر سوچوں میں گم ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد شبیر حسب عادت باہر چلے گئے۔ ممی نے جمال احمد سے باتیں کرتے ہوئے بات ایک دم چھیڑ دی۔

"آخر دیر کس بات کی ہے۔"

"مگر کس بات میں؟"

"بھئی اپنے شبیر کی شادی میں۔"

"ہو جائے گی فکر کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیسے فکر نہ کروں۔ ھدی کی شادی کو کتنے سال گزر گئے اگر تقدیر میں ہوتا تو اب تک وہ دو بچوں کا باپ ضرور بنتا۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"ہاں ہاں۔ وہ بھی سوچے گا نا کہ آخر میں منہ بولا بیٹا ہی تھا خون تو نہ تھا کہ میرا خیال رکھا جاتا۔"

"یہ آج ایکا ایکی ایسے فرسودہ خیالات کا دورہ کیونکر ہوا۔ بھئی شبیر کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس ھدی بندے کی کاہلی' سستی۔ اور بے پروائی میں تمہارا ہی تو ہاتھ ہے۔ اس نے پڑھ لکھ کے ڈبو دیا۔ کیا اسی لیے اسے سیاسیات پڑھائی تھی ہم نے۔ قانون کا امتحان دلوایا تھا کہ وہ خود کو بے کار کے دھندوں میں گم کر دے۔ شبیر سے ہمیں بہت سی امیدیں ہیں۔ ہم اسے ترقی کے آسمانوں پر چاند کی طرح ضوفگن دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک فعال انسان بنانا چاہتے ہیں۔ وہ ہمیں بہت زیادہ عزیز ہے۔ آپ کو اس کی کیا خبر۔ اور میں تو حیران ہوں۔ ان نازک ترین حالات میں آپ کو اس کی شادی کا خیال کیسے آ گیا ایک عمر پڑی ہے۔ میری بھولی سی شریک حیات۔ فی الحال تو وہ ایم این اے کی نشست حاصل کرتا ہے۔ اپنے علاقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اپنے آپ کو نمائندگی کا اہل ثابت کرنا ہے۔ بلکہ فی الحال تو ہمارا سب سے اہم کام اس کی انتہائی حد تک سپورٹ ہے۔ اور تم اپنا وقت ایسی ہی باتوں میں ضائع کر رہی ہو۔ ان دو تین ماہ میں' میں پھر یہ ذکر سننا پسند نہیں کروں گا۔ سدرہ کو پتا چلا نا۔ تو اسے کیا جواب دیتی ہے وہ تمہیں۔ کل تمہیں بھی میرے ساتھ۔ عباس نگر جانا ہے۔ اپنے علاقے کے لوگوں کو ووٹ کی اہمیت اور شبیر کی خوبیوں سے آگاہ کرنے اینڈ دیٹس آل۔" جمال احمد نے بات کو معمولی سمجھ کر ٹال دیا۔

☆☆☆☆☆

"بیٹا کو ہر بول رہی ہوں؟"

"جی ہاں اور میں آپ کی بہی خواہ ارم شاہنواز' کہیے کیا حال ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔ کیسے یاد فرمایا؟"

"کیا کر رہی تھی اس وقت؟"

"میں ابھی کالج سے لوٹی ہوں۔ شام ایک پارٹی میں شرکت کرنا ہے۔"

"بہت۔ پارٹی میں مدعو کرنے والی ہستی میل ہے یا فیمیل۔"

”بکواس۔ میں کسی ایرے غیرے سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ وہ میری کولیگ ہے۔ اردو کی لیکچرار ہے۔“
”چلو وہ نہ سہی۔ اس کا کوئی بھائی وائی تو ہوگا۔“
”ارم پلیز۔ سنجیدہ رہا کرو۔ ہر وقت الٹی سیدھی ہانکتی رہتی ہو۔ اس کے ایک چھوڑ دس بھائی ہوتے رہیں۔ مجھے تو اپنی کولیگ سے ہی مطلب ہے۔“
”مجھے ساتھ لے چلو۔ میں ان میں سے ایک کی جزارمت کرلوں گی کہ پلیز فار گوڈ سیک اس خبطی اور دیوانی لڑکی کو۔ قبول کر لیجیے۔ اس کی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیجیے۔“
”تم کام کی بات کرو۔ کیوں ڈسٹرب کیا ہے اس ناوقت۔“
”ہاں ہاں جب کہ تمہیں اپنی کولیگ کے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ آئی ایم سوری گوہر ڈیر۔ آج ایک بڑی عجیب بات ہوگئی جو تمہیں بتائے بغیر ہضم نہیں ہو رہی ہے۔“
”عجیب بات۔ بھئی تمہاری تو پوری زندگی ہی عجوبہ ہے۔ عجیب باتوں پر حیرت نہیں ہوتی۔“
”نہیں بھئی سچ مچ کی عجیب بات۔“
”تو پھر بتاؤ۔“
”ہوا یہ کہ کل شام۔ ڈیڈی کے ساتھ بازار گئی۔ واپسی میں ڈیڈی۔ خیابان شیراز کی طرف جا نکلے۔ ان کے کسی دوست کا گھر ہے ادھر۔ ڈیڈی نے بہت کہا کہ میں ان کے ساتھ اندر چلوں۔ لیکن میرا موڈ ہی نہ بنا۔ میں وہیں گاڑی میں بیٹھی رہی۔ ڈیڈی نے کافی دیر کر دی۔ میں گھبرا کر گاڑی سے نکلی اور سڑک پر چہل قدمی کرنے لگی۔ بلکہ اپنی ہی دھن میں بہت دور نکل آئی۔“
”معاف کرنا یہ کوئی عجیب بات ہرگز نہیں ہے تمہیں ایسے دورے اکثر پڑ جاتے ہیں۔“
”تم سنو تو گوہر۔ عجیب بات تو ہو ہی گئی یونہی چلتے چلتے میں نے نگاہ اٹھائی تو میرے دائیں طرف ایک خوب صورت گھر بڑی شان سے براجمان تھا۔“
”گھر تو چاروں طرف ہوتے ہیں۔ یہ کون سی پریشانی والی بات ہے۔“
”ہے پریشانی والی بات۔ یہ گھر خاص گھر تھا۔“
”کیا اس میں انسانوں کی جگہ تیسری مخلوق آباد تھی۔“
”اوہ یہ نان سینس۔ سنو تو سہی۔“
”ہوں۔“
”گوہر۔ پاگل لڑکی یہ وہی گھر تھا۔ جس میں۔ جو۔ جس کی تصویریں ہم سب کے پاس ہیں۔ آئی مین ہم سب کو پراسرار انداز میں ملی ہیں۔“
”اوہ نو۔ امپاسبل۔“
”گوہر پلیز میری بات کا یقین کرو۔ وہ بالکل وہی گھر تھا۔ عین مین وہی۔ تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ گوہر گھر کا آؤٹ لک تصویر سے زیادہ خوب صورت ہے حقیقت میں۔ میں کتنی دیر گم صم کھڑی رہی۔ گھر کا گیٹ لاک تھا۔ ورنہ اندر چلی جاتی۔ اور پوری تفتیش کر کے ہی گھر واپس آتی۔“
”یہ سب تمہارا وہم ہے ارم بی بی۔“
”ہاں گویا تمہارے خیال میں ہمیں تصویروں کے یہ پلندے سیدھے جنت الفردوس سے ارسال کیے گئے

”...نا۔“
”تو اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔“
”سر پھوڑ لو اپنا۔ بھئی ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ تا کہ ہم وہاں جا کر اہل خانہ سے پوچھ سکیں کہ انہیں ہم اجنبی لوگوں سے ایسا مذاق کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔“
”مگر ارم اس وقت تو میں سالگرہ پارٹی میں شریک ہونے چلی ہوں۔ اس وقت تو جانا مشکل ہے۔ کسی اور وقت ...یں گے اس بارے میں۔“
”نہیں گوہر نہیں۔ ہمارا جانا بے حد ضروری ہے۔“
”کیوں کیا مالکان مکان کھود کر کہیں لے جانے کا سوچ رہے ہیں یا تم لب گور ہو۔“
...رم جھنجلا کر رہ گئی۔
”بہر حال آئی ایم جسٹ کمنگ۔ اور تمہیں چلنا ہوگا۔“ گوہر مسکرا دی۔
”لیکن ایک شرط ہے۔“
”...ی فرما دیجیں اب اپنی بے وقتی شرط۔“
”پہلے پارٹی میں شرکت پھر آپ کی بوگس اور بے کار سی مہم۔“
”...کے۔ میں آ رہی ہوں۔“ ارم نے گویا لٹھ دے ماری۔
گوہر نے جلدی سے لباس تبدیل کیا۔ فسطینہ بخاری کے لیے کرنل شفیق الرحمان کی کتابوں کے سیٹ کو ایک ...وب صورت ریپر میں پیک کیا۔ اتنے میں ارم آ گئی۔ گھر میں داخل نہیں ہوئی۔ زور زور سے ہارن بجا کر اپنی آمد ...ا اعلان کیا۔ گوہر نے تحفہ اور پرس سنبھالا اور باہر کو بھاگی۔ صفیہ بیگم راہداری میں مل گئیں۔
”سالگرہ میں جا رہی ہوں اماں ارم بھی ساتھ ہے۔ رات سے پہلے لوٹ آئیں گے۔“ وہ راہداری عبور کر گئی۔ ...م نے اسے دیکھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے لیے فرنٹ سیٹ والا دروازہ کھول دیا۔ گوہر نے تحفہ پچھلی ...ت پر رکھا اور آرام سے بیٹھ گئی۔
”...س طرف چلنا ہے محترمہ گوہر عاصم عسکری صاحبہ؟“
”لیاقت روڈ۔“
”...یا۔ کیا کہا۔“
”لیاقت علی خان روڈ۔ مکان نمبر ۴۲۔ اے۔“ ارم نے اس کی طرف دیکھا۔
”...مذاق ایک طرف ایڈریس بتاؤ۔“
”بتایا تو ہے۔ اب خود الٹا لٹک کر بتاؤں۔ یا تمہیں لٹکا کر۔“
”خیر۔ چلے چلتے ہیں۔“
...ی بیس منٹ میں فسطینہ بخاری کے گھر کے آگے کھڑی تھی۔ دونوں نیچے اتریں۔
”...ہر بن بلائے شریک ہونا کتنا احمقانہ فعل ہے۔“
”...تم میرے ساتھ جا رہی ہو اور تمہیں خبر نہیں فسطینہ میری بہت پیاری دوست ہے۔“
”...یار آج اپنا ایک خواہش کے ہاتھوں بے وقوف بن کے بھی دیکھ لیتے ہیں۔“
”...نی ناؤ سے مس ارم شاہنواز یہ ایک اچھے بھلے آدمی شہزاد الحسن ہاشمی نے تمہیں ان ہی بے وقوفیوں کی وجہ سے تو

سلیکٹ نہیں کیا کہیں۔" شہزاد الحسن ہاشمی کے نام نے ارم کے چہرے پر گلابیاں پھیلا دیں۔

"شاید۔"

"ویسے کب آ رہے ہیں یہ ڈاکٹر شہزاد۔ اس بلا سے ہماری جان چھوٹے۔"

"چھوڑو یار...... یہاں کوئی ڈاکٹر شہزاد کے لیے باؤنڈ ہو کر نہیں بیٹھا۔ موصوف لندن سے آتے ہوئے ایک عدد بیوی ساتھ لیتے آئیں اور ہم روگی ہو کر بستر سنبھال لیں۔ ناممکن ہے۔ پتا ہے آج جس جگہ ہم لوگوں کو جانا ہے مالک مکان کوئی شریف، بے ضرر نوجوان نکلا نا تو اپنا ووٹ تو اسی کے حق میں ہو جائے گا اور مکرمی و محترمی...... شہزاد الحسن ہاشمی کو لکھ دیں گے کہ......

جی چاہتا ہے اب کوئی تیرے سوا بھی ہو

اور اس شریف آدمی کا ہاتھ تھام لیں گے۔"

"شرم کر ارم! اور یہ بھی یاد رکھ...... مالک مکان کوئی سٹھیایا ہوا ریٹائرڈ سی ایس پی راشی افسر بھی نکلا نا تو میں...... تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر ہی لوٹوں گی۔"

ارم ہنس دی۔ سامنے فسطینہ کھڑی تھی۔

"اوہ گوہر عسکری...... موسٹ ویلکم۔ موسٹ ویلکم۔" وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

"یہ میری کزن ارم شاہنواز ہے فسطینہ۔" دونوں نے ہاتھ ملایا۔

"بن بلائے چلے آنے پر معذرت خواہ ہوں۔" ارم بے حد مہذب انداز میں معذرت کر رہی تھی۔ گوہر کو ہنسی آنے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں خوشی ہوئی آپ سے مل کر...... آپ کو یہاں پا کر۔" فسطینہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی...... اچانک ایک لڑکی بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"طنی باجی! طنی باجی...... چلیے...... فوراً چلیے۔"

"کہاں؟"

"بھئی ادھر...... ٹیلی فون کی طرف......"

"بہت بدحواس ہو...... بات کیا ہے؟"

"اللہ بھئی آپ کا فون ہے۔ شبیر بھائی نے یاد فرمایا ہے آپ کو۔"

"شبیر بھائی واپس آ گئے کیا؟"

"نہیں ٹرنک کال ہی لگ رہی تھی۔ لگتا ہے ابھی تک وہیں پھنسے ہوئے ہیں۔ ماموں جانی کے پاس۔"

"اچھا تم میری دوستوں کے پاس رکو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

گوہر جو ایک پل قبل خاصے خوشگوار موڈ میں تھی۔ ایک دم پریشان سی ہو گئی۔ ارم نے اس کی طرف دیکھا۔

"گوہر...... گوہر......!"

گوہر کی سماعتوں پر ایک لفظ کاری ضرب بن کر لگ رہا تھا۔

"آپ...... آپ طنی باجی کے جانے پر پریشان ہو گئیں۔ دراصل ایک ضروری کال تھی ان کے لیے...... یہ شبیر بھائی اصل میں ہمارے ماموں ہوتے ہیں۔ ابھی چند دنوں میں ان کی منگنی ہماری فسطینہ باجی سے ہو جانی ہے۔ اصل میں وہ آج کل بے حد مصروف ہیں۔ اب بھی ہمارے بڑے ماموں کے ہاں گئے ہیں۔ انہیں ساتھ

نے کے لیے...... وعدہ کر کے گئے تھے کہ طنی باجی کی سالگرہ والے دن تک لوٹ آئیں گے۔ نہیں آ سکے تو معذرت کر رہے ہوں گے۔" وہ اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔ گوہر تو کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔

"ارے میں نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔ میں ماورا ہوں ماورا افتخار بخاری...... اپنے پاپا اور ماما کی اکلوتی ...۔ چار بھائیوں کی بہن یاور...... خاور...... اظفر...... اور احمر...... میرے بڑے پیارے بھائی ہیں۔ آج کل وہ ... بے حد مصروف ہیں۔ شبیر بھائی کے لیے انتخابی مہم چلا رہے ہیں۔ ہر شام لیاقت روڈ پر بچوں کا عظیم الشان ... ان چاروں کی سربراہی میں ہوتا ہے اور راشد منہاس پارک کے وسیع گراؤنڈ میں ان کی پرجوش تقریروں پر ... ہو جاتا ہے۔ پاپا کہتے ہیں شبیر بھائی کے لیے بچوں کے ووٹوں کی ضرورت ہوتی...... تو شہر کے سارے بچے ... کے حق میں رائے دیتے۔ خیر نتیجہ اب بھی کوئی ایسا برا نہیں ہوگا...... تمہارے نانا جان ساری عمر ممبر ہی بنتے ... ہیں۔ وہ شبیر بھائی کے لیے میدان عمل میں نکل آئے ہیں۔ تو جیت ان کا مقدر ہی ہوگی۔ ارے...... ... اسٹوپڈ ہوں۔ میں خواہ مخواہ میں یہ باتیں کیے جا رہی ہوں۔ بھلا آپ کو میری ان باتوں سے کیا دلچسپی۔ ...... وہ آپ کی فرینڈز آ گئیں۔

... لیے مجھے اجازت...... خدا حافظ...... میں تو چلی اپنی سہیلیوں کی طرف۔"

...ہر ابھی تک ماورا کی باتوں کی بازگشت میں کھوئی ہوئی تھی۔

"سوری گوہر عسکری...... ایک ضروری کال تھی۔ جانا پڑا۔" گوہر نے فسطینہ کی طرف غور سے دیکھا۔

"کیا بات ہے گوہر۔ ابھی جب تم اس کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو موڈ اس قدر پراسرار تو نہ تھا۔ ایک لمحے ... یہ کیا تبدیلی آئی۔"

"کوئی نہیں...... کچھ نہیں...... تم کیسی ہو؟"

"ارے بابا! ابھی تو کالج سے تم سے رخصت ہو کے ہی آئی ہوں۔ اچھی تھی۔ اب بھی اچھی ہوں۔"

گوہر کو اپنے غلط سوال پر شرمندگی ہوئی۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ارم نے اسے ٹہوکا دیا۔

"بی ایزی گوہر!" ارم کی سرگوشی میں تنبیہ تھی۔

"دنیا میں ہزاروں لوگوں کا نام ایک جیسا ہو سکتا ہے۔ واقعی مجھے خود پر قابو پانا چاہیے۔" گوہر نے خود کو سمجھایا۔

"ماورا نے تمہیں بتایا ہوگا۔ شبیر بھائی نے صرف مبارک باد کہنے کے لیے فون کیا تھا۔ پشاور سے بول رہے تھے۔ بہت اچھے انسان ہیں یہ شبیر بھائی...... ایک دم سے پرخلوص، ملنسار...... وفادار۔"

گوہر بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ فسطینہ کے چہرے پر کوئی حسین و رنگین جذبہ نہ تھا۔ وہ سیدھے سادے انداز میں بات کر رہی تھی۔ جب کہ ماورا کا کہنا تھا کہ چند دنوں میں فسطینہ کی شبیر سے منگنی ہونے والی ہے۔

... اپنے ہی خیالات میں غلطاں و پریشان وہ بہت کچھ سوچتی رہی۔ ارم اپنی عادت کے مطابق فسطینہ سے گھل ...ئی۔ اس اثناء میں کالج کے اسٹاف میں موجود فسطینہ کی باقی ماندہ دوست بھی آ گئیں۔ ارم ان سب کے ساتھ ... کے کسی کونے میں خوش گفتگو رہی اور فسطینہ ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑی۔ گوہر عسکری کی خاموشی دیکھ کر روز کی ... آج بھی الجھن کا شکار ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

"کمال کرتی ہیں آپ بھی سدرہ مامی۔ آپ نے بھلا کہاں دیکھا ہوگا اس سے قبل اس لڑکی کو... یہ میری ...لیگ گوہر عسکری ہے۔ کالج میں میرے ساتھ ہی پڑھاتی ہے۔ سیاسیات کے شعبے میں ہے۔ ایک دم سے

ذہین...... فطین اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ اپنے شعبے کی ایک ماہر استاد۔ ابھی سروس کیے دو تین سال ہی ہوئے ہیں زیادہ نہیں سیاسیات میں پی ایچ ڈی کا ارادہ رکھتی ہے۔ قابلیت کا یہی عالم رہا تو وائس چانسلر کے عہدے تک آسانی سے جا پہنچے گی۔"

"یقین کرو۔ فسطینہ! میں کہتی ہوں میں نے اسے ضرور دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہوگا۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ممکن ہے عذرا کی کلاس فیلو ہی ہو یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہو...... بہر حال وہ آپ کے لیے ایک اجنبی ہی ہے۔"

فسطینہ انہیں گوہر اور ارم کے پاس لے آئی۔ سلام دعا کے بعد وہ گوہر کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"میں فسطینہ کی ماں ہوں۔"

"جی فسطینہ اکثر آپ کا ذکر کرتی رہتی ہے۔" گوہر اتنی دیر میں اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے یوں لگا گویا پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ فسطینہ کا خیال تھا شاید تم عذرا کی کلاس فیلو رہ چکی ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ سب کیا ہے۔ کیونکہ میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں۔ دس بارہ سال سے میں لندن میں تھی۔ شبیر پاکستان آنے لگا تو میرا بھی جی وہاں نہ لگا۔ افتخار سے کہہ سن کے میں بھی پاکستان آ گئی۔ شبیر میرا بہت ہی پیارا بھائی ہے۔ فسطینہ میری نند کی بیٹی ہے۔ جب سے ممی آئی ہیں۔ انہیں ایک ہی فکر ہے شمی کی شادی کی۔ اس کا گھر آباد کرنے کی۔ وہ خیر سے الیکشن میں حصہ لے رہا ہے۔ ممی تو چاہتی تھیں جلد از جلد شادی ہو جانے لیکن ڈیڈی نے سختی سے روک دیا اور...... اور...... ان دونوں جب میں شد و مد سے رشتے کی تلاش میں شہر کی گلیاں ناپ رہی تھی۔ اچانک ایک خیال ہم سب کا مددگار بن گیا کہ کیوں نہ شبیر کی شادی فسطینہ سے کر دی جائے۔ شمی بہت سمجھدار اور سعادت مند لڑکا ہے۔ ہمارے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور فسطینہ بھی ماشاء اللہ ہزاروں میں ایک ہے۔ شمی کو اعتراض بھی کیا ہوگا۔ الیکشن سے فراغت پاتے ہی شادی کا دن مقرر کر دیں گے۔"

سدرہ خوشی خوشی اس کو بتائے جا رہی تھیں۔

کتنی دیر وہ اپنی، اپنے گھر کی، شبیر کی باتیں کرتی رہیں۔ سالگرہ کا کیک کٹنے کا وقت آ گیا پھر چائے کا دور چلا اور اس سے فراغت پا کر گوہر نے رخصت چاہی۔ دونوں باہر آ گئیں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ارم نے کہا۔

"اور جناب اب ہے اس مہم کی باری جس کے نام پہ میں بلیک میل کی گئی۔"

"بلیک میل۔"

"ہاں آپ...... ورنہ تمہارے ساتھ یہاں تک کیسے آتی ؟"

گاڑی دائیں طرف کے اس گیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ گوہر جواب تک بجھی بجھی خاموش اور فکروں میں مبتلا تھی۔ نوچھا اپنے بائیں طرف دیکھنے لگی۔ ارم نے گاڑی روک دی۔ ایک خوب صورت چمکدار سفید گیٹ سے آگے۔ گوہر ایک دم چونکی۔

"ارم ...... ! دیکھو...... دیکھو...... ؟ ارم ! وہی گھر ہے۔"

"آف کورس ...... اترو گاڑی سے۔" ارم نے انجن بند کر دیا۔

"کیا مطلب ؟"

"کیا ہوا ...... اندر چلیں گے...... اہل خانہ سے ملاقاتیں کریں گے اور کیا ......"

"نہ...... نہیں ارم ایک اجنبی گھر میں بغیر کسی جان پہچان کے بے دھڑک جانا اچھا لگتا ہے بھلا......"

"اور اجنبی لوگوں کے پاس تصویریں بھیجنا تو بہت اچھا لگتا ہے نا...... چلو چلو اب باہر نکلو...... گیٹ کھلا ہے۔ چل کر اہل خانہ کا گریبان تھام کر ان سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا مذاق کیوں۔"

"بے وقوف۔"

ارم نے دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیلا اور خود بھی باہر نکل آئی۔

"ارم ! لگتا ہے آج ہماری ہی باری ہے۔"

"کیسی باری ؟"

"ذلیل ہونے کی۔ بھئی میں تو نہیں جا رہی اندر تم چلی جاؤ۔ مل کے آ جانا۔ میں انتظار کرتی ہوں۔ تمہارے آنے کا۔"

"اوہ...... ناممکن...... تمہیں ساتھ چلنا ہوگا۔ آؤ۔"

اس نے پھر اسے کھینچا۔ دو قدموں میں وہ گیٹ کے اندر داخل ہو گئیں۔ شام کے خواب ناک اندھیروں نے خوب صورت گھر کے گرد ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ گلاب کی کیاریوں کے پاس کوئی بیٹھا...... پودوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ ارم دو قدموں کے بعد آگے نہ چل سکی۔ گوہر تو ویسے بھی راضی نہ تھی۔

"مروائے گی تو...... بدتمیز۔" گوہر نے سرگوشی کی۔

"چپ رہو...... یہیں رک کر صاحب معروف کا انتظار کرتے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔ دیکھ رہی ہو گھر میں ان کے سوا کسی کے ہونے کے آثار ہی نظر نہیں آ رہے اور رات ہونے والی ہے۔"

"تو وہ کوئی بلا نہیں ایک انسان ہی ہوگا۔"

"لیکن ہمارا اس سے کیا ناتا۔"

ارم نے کندھے اچکائے۔ جھنجھلا کر جو گوہر بولی تو آواز اونچی آ گئی۔

"اب چلتی ہو یا میں جاؤں۔ تم تفتیش کر کے لوٹ آنا۔"

کیاریوں میں جھکے انسان نے سر اٹھا کر بلکہ مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ گوہر کا دل دھڑک گیا۔ ارم ایک قدم آگے بڑھی۔ مالک مکان ہاتھ صاف کرتے کھرپی وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آداب سر۔" ارم نے سر کو قدرے خم کیا۔

"جیتی رہو جیتی رہو۔" وہ زور سے بولے...... اور ان دونوں کی طرف آئے۔

"یہ گھر...... آپ کا گھر ہے ؟"

اس باوقار شخص کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ ارم نے کچھ سنے بغیر سوال دے مارا تھا۔ انہوں نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"اگر تم لوگ اس گھر میں داخل ہو ہی گئی ہو تو اندر تو آؤ۔ یہ وضاحت پھر لے لینا۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"اندر میں تو کوئی نہیں ہے سر ؟"

"میں تو ہوں اور میری بیوی میری ساری کاہلی سستی اور نااہلی کے باوجود مجھ پر بھروسہ رکھتی ہے کہ میں مہمانوں

کو اچھا ڈیل کرتا ہوں۔ تم دونوں بچیوں کو بھی مایوسی نہیں ہوگی۔ کم آن۔ آج چائے گول ہو چلی تھی۔ اکیلے پن میں مزا نہ آتا۔ چلو تم دونوں کی کمپنی سہی۔ چائے میں خود بنا لاؤں گا بس تم......"

"سر! ہم اجنبی لڑکیاں ہیں۔ پہلی بار اس گھر میں قدم رکھا ہے ہم نے۔" ارم حیران تھی۔ اب پریشان بھی۔

"لیکن اس گھر میں آ جانے کے بعد اجنبی نہیں رہیں۔"

"مگر سر! ہمارا مسئلہ کچھ اور ہے۔"

"مسئلہ...... کیا تم لوگ میرے بیٹے کے پاس آئی ہو۔ آئی مین اس کی کلائنٹ ہو۔ تب تو میرا فرض بنتا ہے میں تم لوگوں کو انٹرٹین کروں۔ لیکن بچیوں...... آئی ایم سوری۔ تمہارا مسئلہ حل نہ ہو سکے گا۔"

"سر! ہم آپ کے بیٹے کے کلائنٹس نہیں ہیں۔ ہم کسی کو نہیں جانتے۔ ہمارا مسئلہ تو کچھ اور ہے۔"

"مسئلہ کوئی بھی ہو۔ مہمان نوازی کا اصول لاگو ہی رہے گا۔ آؤ...... آؤ بیٹی ...... میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں تم بیٹھو۔ مسئلہ بعد میں بتاتی رہنا۔"

گوہر نے جھٹ ارم کی طرف دیکھا۔ ارم نے گوہر کی طرف۔ جس کی نظروں میں کاٹ تھی۔ سرزنش تھی۔

"میں اندر نہیں جاؤں گی۔ تیرا ایڈونچر مجھے بھی لے ڈوبے گا۔" اس نے پھر سرگوشی کی۔

"آپ کی اس پیش کش کا شکریہ۔ معزز بزرگ! ہمیں تو ایک گھر کی تصویروں نے الجھن میں ڈال دیا تھا۔"

"گھر کی تصویروں نے۔"

"جی ہاں اور اسی گھر کے تصویروں نے۔"

"اسی گھر کی...... میں کچھ سمجھا نہیں۔"

ارم نے ہینڈ بیگ کھولا۔ ایک تصویر نکالی اور مالک مکان کی طرف بڑھا دی۔

"یقیناً آپ اپنے گھر کے ایک بیڈ روم کو آسانی سے پہچان جائیں گے۔" تصویر ہاتھ میں لیے وہ حیران کھڑے تھے۔

"اف کورس...... یہ اسی گھر کے ایک بیڈ روم کی تصویر ہے۔ میرے بیٹے کے بیڈ روم کی۔ لیکن بیٹی تمہیں کہاں سے ملی؟"

"یقین کریں میں چرا کر نہیں لے گئی۔" ارم نے تھوڑا سا چڑ کر کہا۔

"ونڈرفل...... یہ تو واقعی ہمارے بیڈ روم کی تصویر ہے۔ مم...... مگر...... بیٹی...... یہ تمہارے پاس کیسے آ گئی۔"

"یہی بات تو حیرت کی ہے صرف یہی نہیں پوری چھتیس عدد تصویریں ہمارے پاس ہیں۔"

"یعنی......"

"یعنی کسی نے پوری فلم دھلوا کر ہمارے ہاں بھجوا کر ہماری نسلوں پر احسان کیا ہے۔"

"حیرت ہے۔"

"معزز بزرگ! یہ خیال کرنا تو انتہائی غیر دانش مندی ہوگی کہ تصویریں آپ نے بھجوائی ہوں گی۔ اس گھر میں اور کون کون ہے؟" ارم نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"اس گھر میں جتنے بھی لوگ ہوں۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جو ایسی حرکت کرے اور میرا بیٹا تو مجھ سے زیادہ خاموش طبع اور باوقار ہے...... بیٹی...... جس گھر کی چھتیس عدد تصویریں تمہارے پاس موجود ہیں کیا تم بنفس نفیس اسے دیکھنا پسند نہیں کروگی۔"

"...نہیں۔ آپ اس بات سے انکاری ہیں کہ تصویریں بھیجنا اس گھر کے مکینوں کا کام نہیں تو اندر جانا انتہائی ...قول بات ہے۔"

وہ ...کرائے ہلکے سے۔

"دیکھو بیٹی۔ کیا خبر میرا بیٹا چند سال مجھ سے جدا رہ کر ایسا شریر ہو گیا ہو کہ اجنبی لوگوں سے مذاق کرنے لگے۔ ...میں صرف اپنی صفائی دے سکتا ہوں اور کسی کی بھی نہیں۔"

"تو آپ کا بیٹا کہاں ہے؟"

"شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ کل تک لوٹ آئے گا۔ میں پوچھوں گا اس سے اور اگر اس نے جرم کی صحت کا اقرار ...یا تو میں اسے حکم دوں گا کہ وہ اپنے ملک کے آزاد شہریوں کے سکون پر مخل ہونے پر تم سے معذرت کرے۔ بلکہ ...مانہ ادا کرے۔"

گوہر خلاف توقع ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے سر! ہم پھر آ جائیں گے۔"

"اصل میں اکیلے مرد کا گھر پر ہونا بذات خود ایک مسئلہ ہے۔ میری زوجہ محترمہ ایک تقریب میں مدعو تھیں۔ آئی ...ری۔ آپ میری چائے کی پیش کش قبول کر لیتیں تو......"

"کوئی بات نہیں ہم پھر آ جائیں گے۔"

"اچھا...... آج کی چائے گول ہی سہی۔"

"مجھے افسوس ہے سر۔"

"اس ہمدردی اور افسوس کا بھی شکریہ۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ گوہر مسکرا دی۔ ارم خدا حافظ کہہ کر گیٹ ...طرف بڑھی۔ گوہر اس کے پیچھے تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ارم نے کہا۔

"گوہر عاصم عسکری صاحبہ!"

"ہوں!"

"مجھے لگتا ہے تمہارے وہ متوقع چچا جی شہزاد الحسن ہاشمی صاحب کے ستارے ان سے دغا کرنے والے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب اور کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ یہ گھر با دولت کو پسند آ گیا ہے۔ جس بچے کا باپ اس عمر میں ایسا ...مزاج ہو۔ اس بچے کا کیا حال ہوگا۔"

"ارے...... ارم...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"حال دل بیان کر رہی ہوں بابا۔"

"اب مرو۔"

"...بخت کا کیا بگڑتا اگر پس منظر میں ہی کہیں اپنے آپ کو واضح کر دیتا۔ الو کا پٹھا۔"

"تم مخلوق سے باز نہیں رہ سکتیں۔"

"...یا حق ہے کسی کو عوام الناس کو پریشان کرنے کا۔"

"تم نے غلطی کی ہے۔ بچے کے باپ سے اس بچے کا نام اور فون نمبر معلوم کر لیتیں۔ تمہارا حال دل میں پہنچ..."

گوہر جل بھن گئی۔

"تو واپس چلتے ہیں۔"

"خبردار...... ایک دوں گی الٹے ہاتھ کا۔ سیدھی طرح مجھے گھر چھوڑ دو۔ مجھے تو ندامت ہو رہی ہے۔ شرم آر ہے۔ کیا سوچا ہوگا اس اجنبی انسان نے ہم دونوں کے بارے میں۔"

"سوچتا رہے۔ کس نے منت کی تھی اس کے بیٹے کی اور ہم نے کون سا غیر اخلاقی کام کیا ہے۔" ارم۔ پرجوش انداز میں کہا۔

"آئندہ ایسی بے ہودہ مہم پر مجھے ساتھ مت لے جانا۔" گوہر نے وارننگ دی۔

"ہاں۔ تمہیں ضرورت بھی کیا ہے۔ یادوں کے جزیرے کی سیر سے فرصت ہی نہیں ملتی تمہیں۔ کسی اور چیز کی طرف نگاہ ہو بھی تو کیسے۔ تمہارے بھٹکنے کے لیے عرش ہے۔ زندگی گزارنے کو بہت کچھ حقیقت میں چاہیے ہو ہے۔ اس نئے معاملے میں تمہارا انٹرسٹ ہو تو میں دوبارہ محترم شہزاد الحسن ہاشمی کے دامن سے وابستہ ہوئی جاتی ہوں۔"

"توبہ ہے۔ وابستہ ہونا اور جدا ہونا...... دونوں معمولی ہیں تمہارے لیے۔"

"جی ہاں اور آپ گوہر بی بی۔ آپ ٹھہریں توحید کی قائل۔ آپ کے لیے وہی وابستگی کافی رہی...... ہونہہ۔ محبت کے قائل تو جیسے ان جیسے غنڈے ہی ہوتے ہیں۔ گوہر بی بی آپ میری پھوپھی زاد ہیں۔ بس اس صورت میں نے آپ کا جرم معاف کر دیا...... ورنہ عمر بھر......"

"ارم! تم بھول رہی ہو۔ ہم تم میں وعدہ ہے کہ یہ موضوع کبھی نہیں چھیڑا جائے گا۔ تم ایک نہیں سو بار ادھر جاؤ۔ شوق سے شہزاد سے بے وفائی کرو۔ مگر پلیز مجھ سے ایسی کوئی بات مت کرو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے انتہائی ذاتی معاملہ۔ میں معذرت خواہ ہوں۔"

گوہر کے ساتھ ساتھ ارم کا موڈ بھی خراب ہو گیا۔ اسے گھر سے باہر اتار کر وہ زن سے گاڑی نکال لے گئی۔ گوہر جو فسطینہ کے گھر جاتے ہی پریشان ہو گئی تھی۔ ایک سنگین یاد کا نیا بوجھ دل میں لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ پشاور سے واپس آتے ہوئے عدی کو ساتھ لانا نہ بھولے۔ رات کی فلائٹ سے گھر پہنچے تو بوڑھے ملازم کے سوا کسی سے بھی سامنا نہ ہوا۔ عدی تو جہاز میں ہی نیند کے تعاقب میں دوڑتا جھومنے لگا تھا۔ گھر آتے ہی لباس بدلے بغیر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ شبیر بھی جلد سو گئے۔ صبح ٹیلی فون کی چیختی گھنٹی نے انہیں جگایا۔

"ہیلو شبیر بھائی۔"

"او ہو مائی نائس پیاری بیٹی...... کیا حال ہے۔"

"ٹھیک ٹھاک۔"

"کب آئے آپ؟"

"رات ہی...... مگر تمہیں کیسے خبر ہوئی؟"

"عرش ہے نا تو جان جوگنگ کے لیے گھر سے باہر آ چکے ہیں۔ ہمیں بتانے کے لیے ادھر آ گئے۔ کیا عدی ماموں بھی آئے ہیں؟"

"آ تو گیا ہے لیکن ابھی تک خراٹے ہی لے رہا ہے۔ جب کہ ڈیڈی کا خیال تھا کہ وہ مہم چلائے گا۔ میری

ہی۔ خاک چلے گی۔ وہ تو پڑا سوتا رہے گا۔"

معاف کیجیے شبیر بھائی وہ پہلے آپ کے بھائی ہیں اور بعد میں میرے ماموں۔"

سدرہ آپا کہاں ہیں؟"

رہی ہیں آپ کے لیے۔"

تم نے کیا کیا ہے؟"

کیا کرنی۔ بس آپ کی آمد کا انتظار کرتی رہی۔"

ہاں...... شرارتوں کی پٹاری بند رہی ہوگی۔ تبھی تو ماموں کی یاد آ گئی۔ سنو مادام...... ممی کیا کر رہی

ممی جان تو ادھر آپ ہی کی طرف ہیں۔ ادھر تو نہیں ہیں۔"

ٹھیک ہے خدا حافظ...... ممی یقیناً کچن میں ہوں گی۔ میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔"

میں آ کر شبیر نے ممی کو سلام کیا دعائیں لیں۔ وہ بولیں۔

سے جتانا مناسب نہ سمجھا۔ کیسے ہو تم اور عدی؟"

دونوں ہی اچھے ہیں۔"

ساتھ نہیں آئی۔"

بھائی کو ایک دو ضروری تقریبات میں شرکت کرنا تھی۔"

کیوں آیا۔ اس کے ساتھ ہی رہ جاتا۔" ممی کے لہجے میں تلخی تھی۔ شبیر جواب میں کیا کہتے۔

نی۔"

ہی نا!"

تیری شادی میں کسی سیدھی سادی لڑکی سے کروں گی۔ جو ساری کی ساری شوہر کی ذات پر انحصار جسے بذات خود ضروری تقریبات میں شرکت کا ڈھنگ نہ آتا ہو۔"

اب اپنی مرضی کرتے ہیں۔ اسے تمہاری پسند کی ہوئی لڑکی کی ضرورت نہیں۔" جمال احمد کی آواز ان سے میں آ گئی۔

ہائے۔ آپ کہاں سے آ گئے۔ اور جناب عدی نے کب اپنی مرضی کی تھی۔ بہو تو میرا انتخاب ہے۔ اپنی غلطی کا رونا رو رہی ہوں۔" ممی پٹڑی سے اتر گئیں۔

اب تمہیں اپنی غلطی کا رونا نہیں رونا پڑے گا۔"

مطلب؟"

اب غلطی کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ صاحبزادے خود مختار ہیں۔ آزاد ہیں اپنی مرضی کے مالک

ڈیڈی۔ آپ......"

ادے...... صرف تصویریں بھیجنے پر اکتفا کیوں کیا پروپوزل بھی ساتھ بھیج دیتے۔ قبول ہو جاتا۔۔

۔ یہ ضرورت تھی ہماری۔"

تصویریں۔"

"اس گھر کی تصویریں۔ سلسلہ جنبانی کا یہ نیا طریقہ عجیب ہے۔ جس کو تم نے ایجاد کیا ہے۔ لڑکی مجھے پسند آئی ہے۔ انداز ہرگز نہیں، پتا تا دینا۔ کل تمہاری ممی کو بھیج دوں گا۔"

"کیسی لڑکی......؟ کس کا رشتہ؟" شبیر حیران کھڑے تھے۔

"بننے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہارا حق تھا۔ اچھا ہوا تم نے استعمال کرلیا۔ دیٹس آل، اپنی ماں کو ایڈریس دے دینا۔"

"مگر...... ڈیڈی...... کس کا ایڈریس دے دوں۔ بائی گاڈ میں کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ نہ ہی میں نے کہیں کوئی تصویریں بھیجی ہیں۔ ڈیڈی! آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے میں ایسی حرکت کرسکتا ہوں بھلا مجھے کیا پڑی کہ شہر کی لڑکیوں میں اپنے گھر کی تصاویر بانٹتا پھروں۔ سارے گھروں جیسا ایک گھر ہے یہ بھی...... ایسی کون سی خوبی ہے اور اگر ہو بھی تو دنیا والوں کو اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ آئی ایم سوری ڈیڈی! آپ نے مجھے کتنا غلط سمجھا۔ آپ ماورا سے پوچھ لیجیے۔ یہ تصویریں میں نے بنائی بھی نہیں۔ مجھے ایسے فضول کاموں کے لیے فرصت ہی کہاں ہے۔ آپ تو خواہ مخواہ خفا ہورہے ہیں۔ شادی بھی ممی اور آپا کا اصرار ہے۔ ورنہ میں تو ایسی ضرورت محسوس نہیں کررہا اور ڈیڈی ان دنوں تو مجھے بس ایک ہی فکر ہے۔ آپ خفا ہوگئے تو الیکشن میں میرا معاون اور مددگار کون ہوگا۔"

"آپ تو بچے پر خواہ مخواہ گرم ہوئے جارہے ہیں۔ میرا شمی عام لڑکوں جیسا نہیں ہے۔ سدرہ کہتی ہے۔ مغرب کی آزاد دنیا میں بھی اس نے نظر اٹھا کر کسی لڑکی کو نہیں دیکھا۔ یہاں پر ......"

"چھوڑو چھوڑو اس موضوع کو...... کل شام بہرحال دو لڑکیاں ایک عدد تصویر کے ساتھ یہاں آئی تھیں اور انہیں دیکھ کر میرا اس مغالطے میں پڑنا یقینی امر تھا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ ہاں وہ عدی اب تک نہیں جاگا۔ بھئی تم لوگ ناشتا کرو اور سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف جاؤ۔ اسے یہاں بلوانے کا یہی مقصد تھا کہ وہ تمہارا ساتھ دے۔ نہ کہ پڑا سوتا رہے۔"

عدی آنکھیں ملتا کچن میں داخل ہوا۔

"آداب ڈیڈی...... آداب ممی......"

"اوہ...... تو جاگ گئے۔ میرا خیال تھا کہ تمہیں جگانے کو باقاعدہ کسی......" جمال احمد مسکراتے ہوئے بولے۔

"نہیں نہیں ڈیڈی میں خود بخود ہی جاگ جایا کرتا ہوں۔"

"لیکن نماز کا وقت اینڈ کرگزرنے کے بعد۔" جمال احمد نے گرہ لگائی۔

"نماز تو آج میں نے بھی نہیں پڑھی ڈیڈی۔" شبیر نے عدی کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

"رات دیر میں آئے تھے۔ سوئے بھی دیر میں۔"

"کوئی بات نہیں۔ جاگ تو وقت پر گئے ناں۔" ممی نے بیٹے کی بات کہی۔

تینوں ہنس پڑے۔

"اچھا عدی تم لوگ آج پورا دن ہی مصروف رہو گے۔ ملک عطا محمد ...... چوہدری احسان الحق، علامہ فیض حسین ان سب سے میں نے بات کی تھی۔ اپنے اپنے علاقوں میں انہوں نے جلسے کا انتظام کر رکھا ہے۔ رات شبیر کی یونین اسٹیشن کے عہدیداروں کا، مجھ سے مل کر گئے ہیں۔ شبیر کی جیت ان کے لیے ایک چیلنج ہے۔ وہ شبیر کی جیت کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ وہ سب لوگ ساتھ جارہے ہیں۔ چوہدری احسان الحق کہہ رہے تھے کہ

ایک کامیاب ترین جلسے کے انتظامات مکمل کرچکے ہیں اور شبیر کی بات سننے کے لیے علاقے کے لوگ جوق در جوق وہاں آئیں گے۔ چوہدری احسان کا بیٹا چوہدری ذیشان شبیر کا کلاس فیلو تھا۔ اس لیے وہ شبیر کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ جو پوسٹرز میں نے اس علاقے میں لگے دیکھے ہیں ان میں واضح طور پر درج تھا۔ ماضی کے بے باک طالب علم لیڈر شبیر عسکری۔"

ماضی کے ذکر پر شبیر کو جھرجھری سی آگئی۔ چہرے پر شام کی مدھم تاریکی جیسے سائے لہرانے لگے۔

"اوکے ڈیڈی! ٹھیک ایک گھنٹے بعد ہم لوگ عازم سفر ہوجائیں گے۔"

"اور ہاں عدی...... اپنے علاقے کی طرف بھی چلے جانا۔ گو وہاں جاکر شبیر کے لیے تقریر کرنا ضروری نہیں۔ لیکن پھر بھی غریب لوگ شبیر کی آمد پر باغ باغ ہوجائیں گے۔ اس طرف کے سارے ووٹ تو بندھے بندھائے ہمارے ہی ہیں۔"

"بہتر جناب چاہے رات کو ہی واپسی کیوں نہ ہو ہم وہاں کا چکر لگا کے آئیں گے۔"

"اور ہاں...... بھائی سے یہ پوچھ لینا کہ کل شام مجھ سے ملنے والی دو لڑکیوں میں سے اس کی پسند کون سی ہے۔ بتاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ تمہیں بتا دے گا۔"

"ڈیڈی...... لڑکیاں آپ سے ملنے آئیں مگر کیسے؟"

"میں کیا جانوں ہوگی تمہارے بھائی کی پلاننگ کہ میں گھر پر نہیں ہوں تم آکر میرے ڈیڈی کا ووٹ جیت لو۔"

"کیا کرتے ہیں آپ خواہ مخواہ میرے بیٹے پر الزام لگائے جارہے ہیں۔ کیا خبر کون تھیں وہ لڑکیاں اور آپ کو خبر بھی نہیں کہ ہم سب نے فسطینہ کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"فسطینہ یعنی مراد کی بہن۔" عدی حیران تھے۔

"ہاں...... ہاں اس سے اچھی لڑکی اور کہاں ملے گی۔"

"ونڈرفل...... خاصا اچھا خیال ہے مگر ڈیڈی...... شبیر کے پاپا...... کیا شبیر اب تک ان سے ملا نہیں۔"

"کیا ضرورت تھی اسے ملنے کی......" ممی کو عدی کی بات ناگوار گزری۔

"بٹ آفٹر آل وہ ان کا بیٹا ہے۔"

"کیسا بیٹا...... کس کا بیٹا؟ شمی صرف میرا بیٹا ہے...... تمہارے ڈیڈی کا بیٹا ہے۔ شادی ہو لینے دو۔ بھجوا دیں گے کارڈ۔ تاکہ وہ آئیں اور شمی کو...... اس کے گھر کو...... اس کی شان و شوکت کو...... اس کی دلہن کو...... اور ان کی نعمتوں کو دیکھ جائیں جو شمی کے اردگرد ہیں۔ میں تو ہر لمحہ دعا کرتی ہوں میرا شمی ترقی کے ساتویں آسمان تک پہنچ جائے۔ الیکشن جیت لے...... وزیر بن جائے...... تاکہ...... تاکہ اس کے ستمگر باپ کو یہ احساس ہوسکے کہ اس نے ایک نایاب ہیرا کھو دیا۔"

جمال احمد نے تالی بجائی۔

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... شمی بیٹا...... کسی اور کی تو ضرورت ہی نہیں۔ انتخابی مہم میں صرف ممی کو اپنے ساتھ رکھو۔ تقریر بہت اچھی کرلیتی ہیں۔" وہ شاید بات ٹالنا چاہتے تھے۔

وہ مسکرادیں۔ کچھ کہا نہیں۔

عدی نے کچن میں ہی ہاتھ منہ دھویا۔ تو ممی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"بچپن کی عادت اب تک موجود ہے۔ نالائق کہیں کے...... کچن منہ دھونے کی جگہ ہے بھلا۔"

"ممی ناشتے میں ابھی تو وقت لگے گا اور ایک گھنٹے بعد میں یہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔"

اور کوئی لمحے کی مہمان ہے گزر جائے گی رات
پو پھٹے تک آپ اپنی موت مر جائے گی رات
ہے افق سے ایک سنگِ آفتاب آنے کی دیر
ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات
جو بھی ہیں پروردۂ شب' جو بھی ظلمت پرست
وہ تو جائیں گے اسی جانب' جدھر جائے گی رات
اہلِ طوفان! بے بسی کا گر یہی عالم رہا
موجِ خوں بن کر ہر اک سر سے گزر جائے گی رات
رات کا انجام بھی معلوم ہے مجھ کو سرور
لاکھ اپنی حد سے گزرے تا سحر جائے گی رات

گوہر کتنی دیر سے ان اشعار میں گم تھی۔ چند سال پرانی یہ ڈائری ..... اس میں لکھی سرور بارہ بنکوی کی یہ غزل جس دست کی تحریر کردہ تھی۔ وہ گوہر کے لیے کتنا اجنبی ہو چکا تھا۔ لیکن اجنبی تو پھر بھی نہیں تھا۔ بعض چیزیں جو دل میں بس جائیں..... روح کو مکان بنا لیں۔ اجنبی کب ہوتی ہیں اور یہ تحریر تو اس ہاتھ کی تھی۔ جس کے لیے ایک دن گوہر نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا تھا۔ جس کے لیے ایک عمر اس نے کانٹوں پر سفر کیا تھا۔ جس کے لیے ان گنت حروفِ ملامت اس نے اپنے دامن میں چھپا لیے تھے۔ جس کے لیے خواہ مخواہ ہی اپنی ذات وقف کر بیٹھی تھی۔ رات کا ایک بجا تھا۔ گھر والے گہری نیند میں کھو چکے تھے۔

کتنی دیر وہ امجد کی غزل سنتی رہی تھی۔

وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دلِ بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا

لیکن امجد کی یہ نصیحت اس کے کام بالکل نہ آ سکی۔ وہ تو ایک پل کو اسے نہ بھول سکی تھی۔ ایک لمحے کو اس کی یاد سے دور نہ ہوئی تھی۔ بس جہانِ بے درد میں اپنی تنہائی سے سمجھوتہ کر کے اپنے حصے کی ذمہ داریاں نبھائے چلی جا رہی تھی۔ دنوں وہ اہلِ خانہ کے عتاب کا شکار رہی تھی۔ دنوں نفرتیں اس کا جگر جلاتی رہی تھیں۔ دنوں ہی کی جراتِ رندانہ خاندان بھر کی گفتگو کا موضوع بنی رہی تھی۔ لوگ اسے سودائی خیال کرنے لگے تھے۔ وہ بس چپ رہی تھی۔ خاموش..... اپنی صفائی میں ایک حرف بھی نہ بولنے کا عہد کیے۔

یہاں تک کہ دنیا نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اماں نے کبھی اس کے سامنے کسی رشتے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بابا نے سب کچھ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ شاید اس زیادتی نے جو بابا نے دانستہ کی تھی لیکن مجبوراً ان کی زبان بندی کر رکھی تھی۔ بھائی! اپنی اس گولڈ میڈلسٹ بہن کی جانے کس خوبی سے اتنے مرعوب تھے کہ اس کے شب و روز میں ہلکی سی مداخلت کی انہیں کبھی جرات نہ ہوئی۔ بس ایک جو ہرا آپا ہی ایسی ہستی تھیں جو گوہر سے قریب تھیں۔ اچھی بری بات کہتی سنتی تھیں۔ یا پھر ارم شاہنواز تھی ... گوہر کی ماموں زاد بہن ..... جو گزرتے سالوں میں خواہ مخواہ ہی اس کے نزدیک آ گئی تھی۔ ارم اسے بھابی بنانا چاہتی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ ارم کی پسند

... اس لیے کہ ظہیر اس سے بے پناہ لگاؤ رکھتے تھے۔ لیکن گوہر نے اپنے ارد گرد فیصلوں کی خاردار باڑھ لگا لی۔ کوئی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

... نے انتہائی کوشش کی۔ اس کا دل جیتنے کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور اعلیٰ تعلیم کا بہانہ بنا کر غیر ملک سدھار گئے۔ گوہر نے خدا کا شکر ادا کیا۔

... سالوں کے کتنے دن اور کتنی راتیں گزر گئی تھیں۔ ایسی بھاری رات کبھی اس پر نہ آئی تھی۔ اس کی پریشانی ... شہر بھر میں لگے بینرز اور پوسٹرز تھے۔ بڑے بڑے بینرز پر ایک نام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا ... جسے سلور کلر سے لکھا کہیں گولڈن کلر سے تحریر کیا۔ وہ تب بھی شاید یوں پریشان نہ ہوتی۔ لیکن اس کی توجہ تو ... اشعار نے اپنی جانب کھینچ لی۔

اور کوئی لمحے کی مہمان ہے گزر جائے گی رات
پو پھٹے تک آپ اپنی موت مر جائے گی رات
ہے افق سے ایک سنگِ آفتاب آنے کی دیر
ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات

ان اشعار نے اسے کتنی دیر بھرے بازار میں رواں دواں سڑک پر رک جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ادھر ادھر ... ایک اور جگہ پوسٹر لگا تھا۔

"ماضی قریب کے ہر دلعزیز بے باک۔ نڈر۔ طالب علم لیڈر۔ حق کی آواز۔ سچائی کے پرستار..... شمع ... بہت سے جان نثار پروانے..... شبیر شاہنواز عسکری کو اپنا قیمتی ووٹ دے کر کامیاب کیجیے۔"

عوام کے دلوں کی آواز
شبیر شاہنواز شبیر شاہنواز

... کارپوریشن کے دفتر کی باؤنڈری وال پر اس قسم کے کئی نعرے لکھے تھے اور اس سے تھوڑا سا آگے..... روڈ کے ایک موڑ پر شبیر شاہنواز کی قد آدم تصویر دیکھ کر تو وہ گویا وہیں جم کر رہ گئی۔

"ہیلو مس گوہر عسکری۔"

اس نے گڑبڑا کر اپنے دائیں جانب دیکھا۔ فل یونیفارم میں میجر عیلام حسن اس سے مخاطب تھے۔

"ہاؤ آر یو۔"

اس نے تصویر سے نظریں چرا کر بہ مشکل میجر کی طرف دیکھا۔

"بھرے بازار میں اکیلی کیا کر رہی ہیں۔ ساتھ میں کوئی نہیں آیا۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ پوری طرح عیلام حسن کی طرف متوجہ تھی۔

"وعلیکم السلام..... حیرت ہو رہی ہے آپ کو تنہا دیکھ کر....."

"جی ہاں۔ کالج سے نکلی تو یاد آیا آپا نے آنے والے بچے کے لیے کچھ خریداری کرنے کو کہا تھا۔ گھر جانے کے ... ادھر آ گئی۔"

"... یہاں آ کر گونا گوں بینروں اور پوسٹرز میں الجھ گئیں۔ ظاہر ہے پالیٹکس کی استاد کو سیاست سے دلچسپی تو ... ہی۔"

"نہیں..... ایسی کچھ نہیں۔"

"پھر اب کیا ارادے ہیں۔" خیر مقدمی مسکراہٹ کا رنگ بہت گہرا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"یعنی شاپنگ نہیں کریں گی۔"

"نہیں...... وہ تو کروں گی۔ بہت سی چیزیں لینا ہیں خلیل بھائی بہت مصروف ہیں اور آپی کہتی ہیں۔ انہیں ایسی چیزوں کی سمجھ بھی نہیں۔"

"اور آپ کو ہے۔" منیجر نے مسکرا کر گوہر کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔ بھائیوں کے بچوں کے لیے خریداری کر کے آ گئی ہے۔"

"چلیے آج ہم بھی آپ کی اس سمجھداری سے استفادہ کرتے ہیں۔ حسنِ اتفاق ہمیں بھی اپنے ایک دوست کے نوزائیدہ بچے کے لیے کچھ لینا ہے تو کیوں نہ دونوں مل کر ہی یہ کام نپٹا لیں۔"

گوہر مروت میں انکار نہ کر سکی۔ ورنہ اس وقت وہ ذہنی طور پر بے حد الجھی ہوئی تھی۔ خریداری کا ارادہ بھی ملتوی کر چکی تھی۔ مگر اسے مجبوراً سامنے موجود ڈپارٹمنٹل اسٹور پر جانا پڑا۔

جمال احمد...... عدی کے ساتھ ڈپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوئے۔

"ممی کو بھی آج ہی یہ لمبی لسٹ پکڑانا تھی۔" عدی بڑبڑائے۔

"کام کرنا سیکھو...... برخوردار کام کرنا...... تمہیں خبر ہے تمہاری ممی کو ہمارے سوا کسی کی خریدی چیز پسند نہیں آتی کبھی اور ہم بھی گھر کا سودا سلف لا کر خوش ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔" جمال احمد نے شوخ لہجے میں کہا۔

"اس میں اہمیت کی کوئی بات ہی نہیں ڈیڈی۔" عدی نے اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ جمال احمد چلتے چلتے رک گئے۔ عدی کی طرف دیکھا۔

"عدی بن جمال! جانے کیوں میرے چاہنے کے باوجود تمہارا ذہن آمرانہ ہی رہا۔ بیٹے...... تمہیں خبر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ میں سنت کی پیروی کی خاطر تمہاری ممی کا ہاتھ بٹانا اپنا فرض خیال کرتا ہوں اور یہ سودا سلف کی ذمہ داری تو ویسے بھی مردانہ ہے۔ ایسے کاموں سے عزت کم نہیں ہوتی۔ لوگوں میں گھل مل کر جینے کا اپنا مزا ہے۔" وہ ایک کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔

سامنے گوہر کھڑی تھی۔ بچوں کی ریڈی میڈ کپڑوں کا انبار اس کے سامنے تھا۔

جمال احمد اسے پہلی نظر میں پہچان گئے۔ پہلو میں منیجر نیلام حسن تھے۔ ہنستے مسکراتے ایک ایک فراک کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ گوہر نے جمال احمد کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ وہ اس کے قریب چلے گئے۔

"دیکھیے اناڑی میں بھی ہوں اناڑی تو آپ بھی ہیں...... لیکن یہ پہلی خریداری لگتا ہے مل جل کر اچھی ہی کر ڈالیں گے۔"

"جی ہاں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو...... ؟"

"ایک دن ماہر ہو جائیں گے اس معاملے میں۔ ویسے کریڈٹ آپ کو ہی جاتا ہے۔ پسند آپ کی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ تنقید سے بچنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ میں نے تو آپ کے انتخاب کو ترجیح دی ہے۔"

منیجر نیلام اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ جمال احمد آگے بڑھ گئے۔

"کون لوگ تھے یہ ڈیڈی...... میں تو انہیں نہیں جانتا۔"

"ارے کوئی نیا نویلا جوڑا تھا۔ شاید پہلے بچے کے لیے خریداری کر رہے تھے۔ میں بے اختیار رک گیا۔ ہر زمانے کی اپنی بات ہوتی ہے۔ ہمارے زمانے میں یہ کام بڑے بوڑھوں کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ تم پیدا ہوئے تو تمہاری نانی جان کو زبردست پرابلم ہوئی۔ انہوں نے سامان ایک کا تیار کیا تھا۔ آ گئے تم دو ایک ساتھ...... تب مجھے ہاسپٹل سے بھاگ کے بازار آنا پڑا۔ بس وہی خریداری میری کسی بچے کے لیے پہلی خریداری تھی۔ میں اس وقت اپنے اناڑی پن کا ان کے اناڑی پن سے مقابلہ کر رہا تھا۔" عدی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں ابھی تک خریداری میں ہی الجھے ہوئے تھے۔ جمال احمد گوہر کو غور سے دیکھنے لگے۔

"عدی!" وہ پرخیال انداز میں بولے۔

"جی ڈیڈی۔"

"جانتے ہو یہ لڑکی کون ہے؟"

"نہیں ڈیڈی! میں نے......"

"ارے یاد آیا۔ کچھ دن پہلے یہی لڑکی تو ہمارے گھر آئی تھی۔ ساتھ میں ایک اور لڑکی بھی تھی۔ شوخ و شریر سی۔ ارے عدی! ہم نے تو اپنے شبیر کے لیے اسی لڑکی کو پسند کیا تھا۔ چپ چاپ خاموش طبع...... خوب صورت۔ ہم نے سوچا تھا۔ عدی...... شبیر کو بھی لڑکی پسند ہوگی۔ مگر...... اب ہم سوچ رہے ہیں۔ ہم نے شبیر کو ڈانٹ کر غلطی کی۔ وہ بے چارہ تو واقعی ان کو نہیں جانتا ہوگا۔ ارے نہیں جانتا ہوتا تو...... تو وہ اس طرح اجنبی بن کر تو نہ آتیں۔ کیا خیال ہے عدی...... ان سے پوچھا جائے۔"

"ڈیڈی! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ وقت اس جان پہچان میں گزر گیا۔ تو ممی خفا ہوں گی۔ پتا ہے آپ کو...... وقت کیا ہوا ہے؟ آٹھ بجے سب مہمان آ جائیں گے۔"

"اوہ...... آل رائٹ چلو پھر۔"

وہ دوسری سمت بڑھ گئے۔ عدی بے اختیار اس جوڑے کی طرف دیکھنے لگے جو بچوں کے کپڑوں میں الجھے ہوئے تھے۔

ایک خواہش ان کے دل میں سر اٹھانے لگی۔

کاش وہ بھی...... وہ بھی کسی بچے کے لیے خریداری کر سکتے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سہ پہر سے رات دو بجے تک اسے ایک پل چین نہیں آیا تھا۔ اس کی نظروں میں وہ قد آدم تصویر...... چیکتے حرفوں میں لکھا وہ نام اور سرورِ بارہ بنکوی کی شاعری گھومتی رہی پھر وہ تصویر ہی تصور میں فنطینہ کی سالگرہ میں جا پہنچا۔ وہاں ایک نام کا بڑا چرچا تھا۔ ہر زبان پر اس کا تذکرہ تھا۔ اس نے پرانی ڈائری کے ساتھ رکھی پرانی البم بھی کھولی جس میں ایک تصویر اپنی تمام تر یادوں کے ساتھ سجی تھی۔

"زندہ ہو شبیر...... تم زندہ ہو...... گوہر کے لیے اس سے بڑی خوشی کی خبر اور کیا ہو سکتی ہے لیکن حیرت ہے حیرت ہے۔ تم زندہ بھی ہو اور اس شہر میں بھی لیکن گوہر سے بے نیاز...... غافل ہو...... نہیں نہیں شبیر ایسے نہیں ہو سکتے تم نہیں یہ کوئی اور شبیر ہوگا۔ تم سا...... تمہارا ہم نام...... تمہارے جیسا مزاج رکھنے والا۔"

وہ نجانے کتنی دیر روتی رہی۔ اچانک گھر کا سناٹا ٹیلی فون کی گھنٹی نے توڑ دیا۔ گوہر نے جلدی جلدی

آواز کی لرزش اور آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کی۔ گھنٹی بجتی چلی گئی۔

''ہیلو!''

''ہیلو نبیل بول رہا ہوں۔ یہ تم ہو نا گوہر......''

''جی دولہا بھائی یہ میں ہوں۔''

''مگر تمہاری آواز کو کیا ہوا اور رات گئے تم جاگ رہی تھیں کیا؟''

''جی...... جی نہیں۔ ابھی جاگی ہوں۔''

''پھر شاید خواب میں رو رہی تھیں۔ تمہاری آواز صاف بتا رہی ہے۔''

''چھوڑیے آپ بتایئے آپ نے اتنی رات گئے فون کیوں کیا۔''

''بھئی تمہاری آپی کو ابھی ہاسپٹل لے جانا ہے۔ اماں جان کو جگا دو پلیز...... اور تم بھی ساتھ چلو تو بہتر ہے۔''

''جی اچھا...... میں ابھی جگاتی ہوں انہیں آپ......''

''ہاں ہاں میں جو ہر کو ہاسپٹل چھوڑ کر تمہیں لینے آتا ہوں۔''

ہاسپٹل کے گائنی وارڈ میں جوہر کو لیبر روم میں لے جایا جا چکا تھا۔ اماں اور گوہر کوریڈور میں بے چین و بے قرار کھڑی تھیں۔ اماں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے سورۂ مریم پڑھ کے پانی پر دم کر کے اندر بھجوا دیا تھا۔ گوہر اماں کو ڈے روم میں لے آئی۔ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

چند فٹ کے فاصلے پر نرسز اسٹیشن تھا۔ چند لڑکیاں وہاں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں۔ اونچے اونچے قہقہے کوریڈور میں گونج رہے تھے۔ اماں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ ایک دو ڈاکٹر وہاں سے گزریں تو گوہر ان کی طرف لپکی۔

''ڈاکٹر! میری بہن خیریت سے ہیں نا؟''

ڈاکٹر نے بہ غور گوہر کو دیکھا۔

''اوہ...... میرا خیال ہے آپ مسز نبیل کی سسٹر ہیں...... گوہر عسکری۔''

''جی ہاں۔''

''ہم ان ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' گوہر ان کے جانے پر بھی وہیں رکی رہی۔

نرسیں سیاست کے موضوع پر آ گئی تھیں شاید۔ گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔

''یہ بات گرہ میں باندھ لو۔ جیت شبیر عسکری کی ہو گی۔''

''جناب مد مقابل کوئی ایسا ویسا نہیں۔ پرانے سیاست دان ہیں۔ ہمیشہ سے جیت ان ہی کا مقدر رہی ہے۔''

''نہیں حضور عوام بہت سمجھ دار ہو چکے ہیں۔ انہیں اب حسین وعدوں کی نہیں عمل کی ضرورت ہے۔''

''تو یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ شبیر عسکری باعمل انسان ہو گا۔''

''اس کی ہسٹری اس بات کی گواہ ہے۔ وہ غریبوں کا دوست ہے سرمایہ داروں کا دشمن ہے۔''

''اور خود ایک سرمایہ دار کا بیٹا ہے۔'' کسی ایک نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

''صرف نام کو...... ورنہ تمہیں خبر ہے۔ اس میں اور اس کے سرمایہ دار باپ میں کوئی ربط باہم نہیں۔ یہ بہانہ صرف اس لیے کہ سرمایہ داری کا لیبل ہٹ جائے۔ اور غریب اسے اپنا حقیقی بہی خواہ مان لیں۔''

''اگر حقیقت کا علم نہ ہو تو بھری محفل میں ڈینگ مارنا بے کار ہوتا ہے۔''

''اچھا تمہارے پاس گویا اس کی مکمل ہسٹری شیٹ ہے۔''

''جی ہاں اس لیے کہ میرا بھائی اسی کالج کا طالب علم تھا جہاں شبیر بھی پڑھتا تھا اور اس نے انسانوں کے حقوق کے لیے طالب علم لیڈر کے پلیٹ فارم کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔''

''پھر یہ کہ حکومت نے اسے خرید لیا۔ اس کی زبان بند کر دی۔ اسے ملک سے باہر بھجوا دیا۔''

''غلط...... حکومت نے اسے باہر نہیں بھیجا۔''

''پھر کس نے؟''

''حالات کی بھیڑ کروں نے۔ بغاوت نے۔''

''صرف جذباتی الفاظ ہیں یہ حقیقت نہیں ہے۔ اگر بقول تمہارے اس کا اپنے سرمایہ دار باپ سے کوئی تعلق نہیں تو یہ محل نما گھر جو اس نے مہینوں میں اس شہر میں تعمیر کرا لیا ہے۔ اس محل نما گھر میں قیمتی آرائشی چیزیں ہیں۔ قیمتی فرنیچر اور ہر وقت لوازمات کہاں سے آئے۔ کیا اس نے ڈاکا ڈالا۔ چوری کی۔ یہ سب حکومت کی عنایات ہیں۔ انہوں نے شبیر عسکری کو خرید لیا ہے۔ اس الیکشن میں ان کا کھڑا ہونا بھی اس بات کی نشانی ہے کہ وہ۔'' بحث نے شدت اختیار کر لی تھی۔

''دیکھو فضول باتیں نہیں۔ تمہیں صرف ووٹ دینا ہے۔ مرضی ہو تو دے دینا۔ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کرو۔ شاید تمہیں خبر نہیں میں ان دنوں اسکول کی طالبہ تھی۔ اور شبیر عسکری کی فین تھی۔ اسے ہیرو مانتی تھی۔ جب وہ۔''

''ہمارے ہیرو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اندر سے کھوکھلے۔ بک جانے والے۔ ان سب کو شہرت...... نام...... آسائش لمبی لمبی ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں اور گھروں کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ غریب عوام کا بھلا کس نے چاہا ہے۔ سب چاہا ہے۔ کوئی ایک مثال تو دو مجھے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے اپنی رائے کسی کے حق میں بھی استعمال نہیں کروں گی۔''

''یہ بد دیانتی ہے۔ ظلم ہے۔ بے وفائی ہے۔ بھلا کیوں نہیں استعمال کرو گی اپنا حق۔ تمہاری طرح ہر انسان یہی سوچ لے تو۔ غریبوں کا بھلا تو ہو ہی گیا نا۔''

''بہر حال کچھ بھی ہو۔ میرا ووٹ تمہارے امیدوار شبیر عسکری کے لیے ہرگز نہیں ہو گا۔''

''اور تم دیکھ لینا۔ جیت ہمارے امیدوار کا مقدر ہو گی تم ووٹ دو یا نہ دو۔ ویسے میرا مشورہ ہے جوڑی۔ ووٹ ہم کو ہی دے ڈالو۔ کم از کم بعد میں خلش تو نہ ہے گی کہ۔''

''مت ورغلاؤ مجھے۔ میرا ووٹ میرا اپنا حق ہے جس پر تمہارے شبیر عسکری کی اجارہ داری نہیں۔''

''ایز یو وش۔''

مانیں نہ مانیں جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

بس ابھی تو گوہر کے قدم بھی ڈے روم کی طرف بڑھے تھے۔ پے در پے سارے حملے اس کی روح پر ہو رہے تھے۔ سے آج تک کتنے انکشافات ایک ساتھ ہوئے تھے۔

تو شبیر عسکری یہ واقعی تم تھے۔ تم...... وہی شبیر جمہوریت پرست۔ عوام دوست شبیر۔ جس کے دل میں ہمدردی پیار تھا۔ جس نے مظلوم کا ساتھ دینے اور ظالم کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی قسم کھائی تھی۔ تو شبیر عسکری تم بھی۔ تم

بھی۔ تم بھی بک گئے۔ اپنی خواہشات کے ہاتھوں۔ مگر کون سی خواہشات۔ تمہیں تو دنیا میں امن اور صلح کا سفیر بن کر جینے کی خواہش تھی تمہیں امیری اور غریبی کا فرق مٹانے کا ارمان تھا۔ تمہیں تو غربت سے محبت تھی۔ تم تو ظلم و ستم کے اندھیروں میں محبت اور نرمی کی شمع لے کر روشنی پھیلانے چلے تھے۔ کاش۔ اے کاش۔ تم اس راہ پر چلتے چلتے مٹ گئے ہوتے۔ مجھے فخر ہوتا۔ میں خوشی سے اکیلی اس دنیا میں جی لیتی۔ تم بھی وہی نکلے وہی۔ اپنی بے جا خواہشات کے غلام آخر کب تک دور رہتے۔ کب تک ایک علیحدہ راہ پر چلتے۔ تم بھی پرورد شب ہی تھے ظلمت پرست تھے۔ تم بھی اسی سمت چلے گئے۔ اسی رات کی سمت جس کے اندھیروں میں عوام کا خون چوسنے والے درندوں کی پہچان ہی نہیں ہو پاتی۔ آئی..... آئی ہیٹ یو شبیر عسکری۔ آئی ہیٹ یو۔ مجھے نفرت ہوتی ہے شبیر عسکری تم سے نفرت شدید نفرت۔ اپنی ذات میں، میں ایک قطرہ ہی کیوں نہ سہی لیکن کسی ظلمت پرست کے لیے اپنے دل میں ذرہ بھر جگہ رکھنا۔ میرے آدرش کی موت ہے اس اونچے آدرش کی موت، جس کے سبب ایک دن تم میرے دل میں سما گئے تھے کہ تم میرے آدرش پر پورے اترے تھے۔ مجھے تم میں ایک اچھے انسان کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس انسان کی جس کی جس جیسے ہزاروں جوانوں کی عالم اسلام کو آج بھی شدت سے ضرورت ہے۔

پر تم وہ نہیں تھے۔ تم وہ نہیں تھے۔ تم وہ نہیں ہو۔ تم وہ نہیں ہو۔ جس کی خاطر میں نے عمر کی کتنی گھڑیاں یونہی بے کار بے مقصد گنوا دیں۔

آس و یاس کی صلیبوں پر لٹکی روز جیتی اور روز مرتی رہی۔

تم سے بے خبر رہ کر بھی میں پر امید تھی۔ سر بلند تھی۔ مجھے تم پر ناز تھا۔ میں تمہارے نام پر جینا چاہتی تھی۔ میں نے ایک زمانے سے تمہاری خاطر ٹکر لی۔ ایک ایک کا مقابلہ کیا۔ خود کو والدین کی نظروں میں گرا لیا لیکن ہار نہیں مانی۔ مجھے تمہارے وجود کا مان تھا۔ تمہاری ذات پر بھروسا تھا۔ میرے خیالوں میں ایک حسین دنیا آباد تھی۔ صلح و امن کی امین دنیا۔

میں سوچتی تھی۔ تم جانے کہاں ہو۔ زندہ ہو یا اپنے مقصد کی بھینٹ چڑھ گئے ہو۔ تم جہاں بھی ہو۔ میرے دل میں زندہ ہو۔ میرے احساس کے دیے میں ایندھن بن کر اجالا بکھیر رہے ہو۔ تم مجھ میں ہو۔ میں نے تمہارا مشن جاری رکھا۔ انسانوں کی مدد کا مشن۔ مظلوموں کو ان کا حق دلانے کا مشن۔ میں ایک کمزور لڑکی تھی۔ رسم و رواج کی قیدی۔ میں نے تمہارے نام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گوہر عسکری کے بجائے شبیر عسکری کے نام سے لکھتی رہی۔

ہر اس اخبار میں، ہر اس جریدے میں جسے عوام سے ان کے مسائل سے دلچسپی تھی۔ میں نے اسی نام سے مہم چلائی چراغ سے چراغ روشن کرنے کی مہم۔ میں بستی بستی کوچہ کوچہ اچھے انسان تلاشتی رہی۔ میں نے ایک انجمن تشکیل دی۔ انسان دوست۔ عوام دوست۔ وطن دوست۔ انجمن۔ مجھے تمہارے ارادوں سے بھی پیار تھا شبیر۔ میں نے تمہارے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھانی۔ اچھے لوگ اپنے ارد گرد جمع کر لیے۔ میرے ارد گرد جمع لوگ بھی میرا اصلی چہرہ نہ پہچان سکے۔ کیونکہ میرا اور ان کا تعلق صرف قلم کی حد تک تھا۔ میں جانتی تھی۔ بابا جان کی طرح تمہیں بھی تو آزادی پسند نہ تھی۔ عورت کو تم بھی تو چھپا کر رکھنے کی چیز کہتے ہو۔ سو میں چھپی رہی۔ بس میرے وہ خیالات دنیا کے سامنے رہے جن پر تم نے پابندی لگائی تھی۔

شاید یہ بھی ہو شبیر عسکری کہ میرے اس عمل نے تمہیں لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھا ہو۔ کہ اتنے برس جانے کہاں گزار کے تم پلٹے ہو تو کسی نے یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ تم اجنبی ہو۔ لیکن انہیں کیا خبر تم تو اپنے آپ کے لیے بھی اجنبی ہو گئے ہو۔ چند سال پہلے کا شبیر شاید تمہیں نہ پہچان سکے۔ تم سے نظریں چرالے۔ کیونکہ اس شبیر کی زندگی کا مقصد یہ نہ تھا جو آج تمہارا ہے۔ تمہارے دل میں حکمرانی اور ہوس دنیا جیسی خواہشات نے جنم لے لیا ہے۔ تم جو دیوانے تھے۔ تم جو مجنوں تھے۔ تم جو مفتون تھے۔ غریبوں کے حقوق کے۔ ان کی بھلائی کے۔ ان کی ترقی کے۔ تم جو سچ کی راہ پر چلے تھے۔ بھلائی کی جاوہ میں تم رک گئے اور اب تم لیلائے اقتدار سے دل لگا بیٹھے ہو۔

اور میں جو تمہاری پرستار تھی۔ تمہاری دیوانی تھی۔ تمہاری مجنوں تھی۔ اب میں تم سے نفرت کرنے لگی ہوں ہاں شبیر نفرت ہی نفرت ہے میرے دل میں کہ شاید مجھے تم سے نہیں تمہارے ذہن تمہاری خوب صورت سوچوں سے پیار تھا۔ اب جب کہ وہ دل وہ ذہن تمہارا نہیں میں کس سے محبت کروں کسے چاہوں۔ میں واپس جا رہی ہوں شبیر۔ اپنی دنیا میں۔ شاید مجھے یہ سفر تنہا کاٹنا ہے۔ شاید مجھے اکیلے ہی دنیا سے نپٹنا ہے۔ کل تک تمہارا خیال میرا ساتھی تھا۔ آج وہ بھی نہیں۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔"

اس نے صوفے کے بازو پر سر ٹکا دیا اور بے آواز رو دی۔ تاکہ ساتھ بیٹھی اماں کو خبر نہ ہو سکے۔

"مبارک ہو سر! ایک تندرست و توانا بیٹے نے اس دنیا میں پہلی سانس لی ہے۔"

نبیل کی بے قراریوں کو قرار آ گیا۔ اماں بدحواس ہو کر ڈاکٹر کی طرف لپکیں۔ نبیل نے گوہر کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر خوشی کی ایک ہلکی سی لہر بھی نہ تھی۔ وہ تیزی سے گوہر کے قریب آ گئے۔

"گوہر مجھے مبارک باد دو۔ تمہارا بھانجا پیدا ہوا ہے۔ خدا نے یہ خوشی ایک طویل انتظار کے بعد ہمارا نصیب بنائی ہے۔"

نبیل کے ہاتھ اس کے شانوں پر ٹک گئے۔ انہوں نے حیران ہو کر گوہر کو دیکھا جس کی آنکھوں میں آنسو منجمد ہو گئے تھے۔ موتی بن کر ٹھہر گئے تھے۔ اس نے جلدی سے ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ بھاگ دوڑ میں کتنے لمحے گزر گئے کتنی تیزی سے گزر رہے تھے خبر ہی نہ تھی۔

"بہت بہت مبارک نبیل بھائی۔ بہت بہت مبارک۔ خدا کرے آپ کی خوشی دائمی ہو۔ سدا سلامت رہے۔"

اپنی خوشی میں نبیل گوہر کی پریشانی نہ بھانپ سکے۔ اور فیملی وارڈ کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں جوہر کو منتقل کیا جا چکا تھا۔

وہ بھی اماں کے ساتھ وہیں چلی آئی۔ بیڈ پر دراز جوہر چہرے پر ممتا کا نور لیے کتنی مطمئن اور خوش نظر آ رہی تھیں۔ خدا نے یہ خوشی ایک طویل امتحان کے بعد ان کا مقدر بنائی تھی۔ وہ بیڈ کے قریب آئی اور جھک کر اپنی پیاری آپی کی پیشانی چوم لی۔

جھولے میں خوب صورت گلاب جیسا بچہ آنکھیں بند کیے چین کی نیند سو رہا تھا۔ گوہر نے اسے بغور دیکھا۔ ایک نامعلوم احساس نے اس کے دل میں اس ننھے وجود کے لیے ڈھیر سا پیار بھر دیا۔ وہ اس پر جھک گئی۔ اور اس کے گلابی رخسار پیار کے ساتھ چھو لیے۔

"بیٹا تو بہت پیارا ہے آپا بالکل۔"

"نبیل بھائی کی تصویر۔" فقرہ اندر آتے نبیل نے مکمل کر دیا۔ گوہر کو ہنسی آ گئی۔ جھٹ بولی۔

"حسین ظن کے سوا کیا کہوں اسے۔" جوہر نے نبیل کی طرف دیکھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے بچہ تم پر گیا ہے۔"

"کب کہا میں نے۔"

"اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تمہاری آپی ہم سے زیادہ حسین ہیں تو یہ بھی تمہاری خوش فہمی ہے۔" نبیل نے گوہر کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں آپ تو یکتائے روزگار ہیں۔"

"دعا دو کہیں ہم سا حسین خوب صورت سا ایسے ہی نہیں مر مٹی تھیں تمہاری آپی ہم پر۔"

"سوری سر! پھر تو آپی نے لاکھوں پائے اگر بچہ واقعی آپ پر گیا ہے تو آپ بے مثال تو ضرور ہیں گے۔ کوئی تو ہوگا آپ سے مقابلہ کرنے والا۔"

"میرا خیال ہے گوہر اسے ماں کا ہم شکل ہی رہنے دیں۔ آخر وہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

گوہر ہنس دی۔ جوہر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"خاصے چالاک ہیں آپ۔" انہوں نے شوہر پر چوٹ کی۔

"لیکن آپ سے کم۔" نبیل نے برجستہ کہا۔

"میں نے جو کہہ دیا ہے کہ بچہ اپنی ماں پر گیا ہے تو چپ ہیں۔ کہ چلو ایک حسین معصوم پھول کو ہم سے مشابہت ملی جا رہی ہے خاموشی بہتر ہے ورنہ تو ہم کچھ کہیں اور جواب میں یہ چپ رہیں یہ کسی کتاب میں لکھا ہی نہیں۔ ویسے جوہر! بائی دا وے تمہاری اکلوتی بہن اپنے اکلوتے ننھے تو ملے بھانجے کی آمد پر کچھ زیادہ خوش دکھائی نہیں دے رہی۔"

"نہیں تو نبیل بھائی آئی ایم ویری ہیپی۔ میں تو بہت زیادہ خوش ہوں۔ اس بچے کی آرزو آپ سے زیادہ مجھے تھی۔ میری دعاؤں میں یہ آرزو بھی شامل رہی۔ سدا میں نے آپی کے لیے۔ آپ کے لیے دعا کی آپ کے پیار کا گلشن ہرا بھرا رہے۔" وہ رونے لگی۔

نبیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے گوہر؟" وہ اس کے قریب آ گئے۔

"کیا بات ہے؟ یہ آج تم بات بات پر رونے کیوں لگ جاتی ہو۔ آج تو خوشی کا دن ہے۔ تمہاری آپ کی برسوں پرانی آرزو پوری ہوئی ہے۔ میں نے سب کو فون کر دیا ہے۔ ابھی پہنچا ہی چاہتے ہوں گے۔ ہاں وہ میجر عیلام تمہیں پوچھ رہے تھے کہ ننھے کی اکلوتی خالہ جانی تو آج بہت خوش ہوں گی۔ سب سے پہلے انہیں ہی مبارک باد کہیے گا۔"

گوہر نے اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔

"پاگل ہیں آپ کے یہ میجر عیلام حسن۔"

"توبہ کرو بی بی۔ آہستہ بات کرو۔ آرمی کے ایک آفیسر کو پاگل کہہ رہی ہو۔ کسی نے سن لیا تو دھر لی جاؤ گی۔"

"کسی نے کیا خود میجر عیلام حسن نے ہی سن لیا ہے۔ لیکن بعض لوگ اتنے اچھے ہوتے ہیں کامریڈ! کہ ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی جرأت ہی نہیں ہو پاتی۔ ہزار خواہش کے باوجود۔"

گوہر ایک دم شرمندہ ہو گئی۔ میجر عیلام اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"ننھا مہمان مبارک ہو بھابی اور مس گوہر عسکری صاحبہ۔"

"آپ کو بھی میجر عیلام۔" جوہر کو میجر عیلام بہت باوقار لگتے تھے۔ بلکہ وہ تو سنجیدگی سے گوہر کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔

وہ سامنے پڑی کرسی پر ٹک گئے۔

"آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ شہر کی سڑکوں پر خاصا رش تھا۔ کئی جگہوں پر ٹریفک بلاک ہو کر رہ گئی۔"

"چلو کسی نہ کسی طرح پہنچ تو گئے یار۔ ہمارا ولی عہد بالکل ہم پر جائے گا۔ ہم بھی تو لوگوں کی خطائیں اکثر بخش دیتے ہیں۔ لیکن خیریت اتنا رش کس سلسلے میں تھا۔ کہیں اہل شہر ہمیں مبارک باد کہنے تو نہیں چلے آ رہے۔"

"اوہو یار اب اتنے بھی اہم نہ ہو۔"

"تو پھر کیا تھا؟"

"وہ دراصل آج ایک امیدوار کا جلسہ ہو رہا ہے نا اقبال پارک میں لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ یار۔ سنا ہے اس دفعہ قومی اسمبلی کی سیٹ یہ بندہ جیت ہی جائے گا۔"

"کون؟ امیدوار تو چار پانچ ہیں۔"

"لیکن شبیر شاہنواز عسکری کی پوزیشن بے حد اسٹرانگ ہے۔" سب نے سوائے گوہر کے چونک کے میجر عیلام کی طرف دیکھا۔

"شبیر شاہنواز عسکری۔" جوہر بڑبڑائیں۔

"ہاں ہاں ینگ بندہ ہے۔ اعلا تعلیم یافتہ ہے۔ اب کی تو خبر نہیں سنا ہے کالج اور یونیورسٹی لائف میں لیڈر رہا تھا۔ وہ شہرت آج کام آ رہی ہے۔ اور ایک محب وطن پرانے سیاسی لیڈر جمال احمد اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ بھرپور طریقے سے اسے سپورٹ کر رہے ہیں۔"

"شبیر شاہنواز عسکری۔" نبیل نے نام دہرایا۔

"جوہر۔ یہ۔ یہ...... تمہارے ماموں زاد شبیر شاہنواز تو نہیں ہیں کہیں۔"

"ایک مدت سے اس کی تو کوئی خبر ہی نہیں۔ جیل میں تھا وہ۔ پھر لاپتا ہو گیا۔ کیا خبر یہ کون ہے۔"

"یہ آپ کے کزن ہیں۔" میجر عیلام حیران تھے۔

"شاید۔" گوہر نے مختصراً کہا۔

"تو پرابلم میرے پاس ایک پوسٹر ہے چھوٹا سا۔ ان پران صاحب کی تصویر بھی چھپی ہوئی ہے آپ دیکھ لیں۔" میجر عیلام نے پوسٹر جیب سے نکالا۔

"ارے میجر عیلام۔ آپ کو کتنی دلچسپی ہے ایسی باتوں سے۔" جوہر نے پوسٹر ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"نہیں بھابھی میں جیپ میں بیٹھا تھا۔ ایک بچہ مجھے پکڑا گیا میں نے لے لیا۔"

جوہر پوسٹر دیکھ رہی تھیں۔

"نبیل۔ یہ تو اپنا شبیر ہے۔ شمی۔ رئیلی یہ شبیر ہی تو ہے۔ سچ مچ شبیر ہے۔" بے اختیار جوہر کی نظریں گوہر کی طرف اٹھیں۔ وہ اس طرف متوجہ ہی نہ تھی۔ کمال بے نیازی سے وہ کمرہ چھوڑ کر چلی گئی۔

"میجر عیلام۔ یہ میرا ماموں زاد ہے۔ آپ میرے ماموں سے بھی ملے ہیں۔ اس دن پارٹی میں جو سب سے شوخ و شریر لڑکی تھی ارم وہ شبیر کی بہن ہے۔ او میرے خدا تو کتنا مہربان ہے۔ ایک دن میں دو خوشیاں ایک ساتھ مجھے دے دیں۔"

جوہر مارے خوشی کے رونے لگیں۔ میجر عیلام انہیں دیکھتے رہ گئے۔

نبیل نے پوسٹر غور سے دیکھا۔

"اف کورس جوہی۔ یہ تو تمہارا کزن ہی ہے۔"

"مگر نبیل۔" خوشی کسی دکھ میں بدل گئی۔ جوہر نے نبیل پر نظریں جمادیں۔ نبیل اگلے لفظ کے منتظر تھے۔

"اس شہر میں آ کر اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ ہم لوگوں سے نہیں ملا۔ کتنی حیرت کی بات ہے۔"

"کچھ لوگ اپنے زخموں کا حساب اور جلن دل میں سدا کے لیے محفوظ کر لیتے ہیں شاید اسی سبب۔"

جوہر نے آنسو پونچھ لیے۔ باہر بہت سے لوگوں کی آمد کا شور اٹھا۔ پھر سب لوگ اندر آ گئے۔ بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اماں۔ بابا جان۔ شیری بھائی۔ بھابی۔ نبیل کی والدہ ان کی بہنیں۔ ارم شاہنواز ماموں۔ سب کے سب ایک ساتھ آ گئے تھے۔ میجر عیلام حسن کمرے سے نکل آئے۔ کپاؤنڈ میں ہر ایک کری پر نیم دراز تھی۔

"مس گوہر۔" اس نے ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اشکوں کی برسات میں ڈوبی آنکھیں میجر عیلام کے سامنے تھیں۔

"آپ رو رہی ہیں۔ خیریت تو ہے۔"

"جی خیریت ہی ہے۔"

"کمال ہے میرا خیال ہے یہ پہلا واقعہ ہوگا کہ بندہ یوں دھواں دھار آنسو صرف اس لیے بہا رہا ہو کہ خیریت ہے۔"

وہ چپ ہو گئی۔

"یوں بے نا کیوں آخر کیوں؟ میں جب سے آیا ہوں آپ پریشان ہی نظر آئی ہیں۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"دیکھیے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد مجرم اپنے جرم سے انکار کرتا بھی رہے تو کون اسے بے قصور مانتا ہے۔ آپ کو بتانا ہوگا مس گوہر۔ بتانا ہوگا کہ آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ آپ کے دکھ اور سکھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ بائی گاڈ مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ کیوں؟ آپ جیسی ڈیسینٹ اور سوبر لڑکی کا یوں رونا مجھے بہت کھلا ہے۔"

"ڈس از مائی اون پرابلم میجر عیلام حسن اور اپنے ذاتی مسائل میں میں نے اپنے والدین اور بھائیوں کی شراکت بھی گوارہ نہیں کی بھی۔ آپ۔ آپ تو پھر بھی نبیل بھائی کے ایک دوست ہیں اور بس۔"

میجر عیلام کا چہرہ سرخ ہو کر زرد ہو گیا۔ گوہر کے الفاظ سے اس کا جذبہ یاد دوستی تھا۔

"او۔ کے۔ میں بھول گیا تھا۔ کسی کے ذاتی معاملات میں یوں دخل نہیں دیا جاتا۔ خدا حافظ۔"

وہ ایڑیوں کے بل گھومے اور کپاؤنڈ کے دروازے سے باہر نکل گئے اور ان کے جانے کے بعد گوہر اور بھی زور و شور سے آنسو بہانے لگی۔

"گوری..... گوری کی بچی..... اے مس گوہر عسکری۔" ارم ورانڈے میں کھڑی اسے آوازیں دے رہی تھی۔

بھری محفل میں تماشا بننے سے قبل اس نے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہا۔ آنچل رگڑ کر آنسو صاف کیے اور وہ سر پر آن پہنچی۔

"بھئی..... گوہر..... آج کا دن تو تمہارے لیے مبارک ہی مبارک ثابت ہوا۔"

"آپی کا بیٹا تمہیں بھی مبارک ہو ارم۔"

"اور شبیر کی واپسی صرف تمہیں مبارک ہو۔" ارم نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"تمہیں کیوں نہیں..... بلکہ مبارک باد وصول کرو اب تمہارا حق بن گیا ہے ارم۔ اب وہ وہی بچہ ہے جو تم لوگ

پاتے تھے۔ ایک محل نما گھر کا مالک۔ ایک سرمایہ دار..... شان و شوکت اس کی کنیز..... دولت اس کی لونڈی..... خوش ہو جاؤ۔ وہ سر عبداللہ کی جگہ لے لے گا..... الیکشن جیت کر وزیر بن جائے گا..... غریبوں کی حمایت کے نعرے لگا کر حکومت تک پہنچ کر غریبوں کا خون چوسنے اور ان کے گلے کاٹنے میں وہ سر عبداللہ کے بیٹے کا بھرپور ساتھ دے گا۔"

"پاپا کو اس زہریلے شخص کی قطعاً ضرورت نہیں ہے..... وہ آج بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ پاپا کے پاس کس چیز کی کمی ہے جو وہ اس کا دامن تھامیں گے۔ ہم سب ان کے بغیر سہولت سے جی رہے ہیں۔ تمہاری دنیا میں گزر بھی..... گھر آباد کر لینا اب..... ہم سب کو خوشی ہوگی..... ہم سب تمہاری جدائی گوارا کر لیں گے۔"

"ارم خدا کے لیے ارم..... چپ رہو۔ مت کہو ایسے الفاظ۔ وہ میرے نہیں تھا وہ میرے لیے نہیں ہے۔ اس کی اور میری راہیں جدا جدا ہیں۔ کاش میں نے عمر کے قیمتی سال ایک سراب کے پیچھے دوڑتے بھاگتے نہ گزارے ہوتے۔ کاش..... ارم..... مجھے..... مجھے....."

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"سنا ہے آج وہ ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرنے والا ہے۔ کیا تم اس کی خوب صورت الفاظ سے بجی جذباتی تقریر بھی سننے نہیں جاؤ گی۔ ہاتھ بلند کر کر کے اسے داد نہیں دو گی۔ اس کا حوصلہ نہیں بڑھاؤ گی۔ اس انتخابی مہم میں اس کا ساتھ نہیں دو گی۔ لوگوں کو اس کی مخلصی کا قائل نہیں کرو گی..... جاؤ نا گوہر..... چہ..... چہ..... چاہ اس نے تمہیں بلایا تک نہیں۔ اپنی وطن واپسی کی اطلاع بھی نہیں دی۔"

"پہلے خیالات اور احساسات بدلتے ہیں۔ پھر راستے بدل جاتے ہیں۔ اس کی منزل ساتویں آسمان پر رونق افروز اس کی منتظر ہے ارم اور میں زمین کی ایک ادنیٰ باسی ہوں۔ اسے میری ضرورت کیسی؟"

"تم ہوش میں تو ہو نا گوری..... سچ کہہ رہی ہو۔"

"ہاں ارم شاہنواز بالکل سچ۔ آج میں نے جان لیا ہے۔ وقت فاصلے پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان نہ مٹنے والا نہ ختم ہونے والا فاصلہ ہے جو اب عمر بھر کی پیش رفت کے بعد بھی جوں کا توں رہے گا۔"

"ونڈر فل..... ایکسیلینٹ۔" ارم نے تالی بجائی۔

"تو یار ایسا کرو نا..... چلے چلتے ہیں..... جلسہ گاہ میں نہیں جائیں گے۔ گاڑی میں بیٹھے رہیں گے..... ایک نظر موصوف کو دیکھ لیں گے کہ گزرے سالوں نے مزاج ہی بدلا ہے یا شکل و صورت بھی۔"

"کوئی ضرورت نہیں..... تم جانا چاہو تو چلی جاؤ..... مجھے جس چیز سے مطلب نہ ہو میں نے اس کے پچھل گننے کی بھی کوشش نہیں کی۔"

"یہ واقعی تم کہہ رہی ہو تم..... ارے کس کافر کو جانے کی پڑی ہے..... میں تو تمہیں آزما رہی تھی۔ اچھا چلو۔ اندر تو آؤ۔ سب تمہارا پوچھ رہے ہیں۔"

"چلو....."

وہ اٹھ کر اندر چل دی۔

☆☆☆☆☆☆

"شبیر بھائی..... شبیر بھائی..... شبیر بھائی۔" کھٹ پٹ کرتی تیز تیز چلتی وہ ان کی طرف آ رہی تھی۔ سارے دن کی سخت ترین مصروفیت کے بعد یہ چند لمحے آرام کے ملے تھے۔ شبیر لاؤنج میں پڑے صوفے پر دراز تھے۔

اسے آتا دیکھ کر اٹھ بیٹھے۔
"ہیلو شبیر بھائی۔"
"آؤ ماورا......" وہ سیدھے ہو گئے۔
"لیجیے جناب۔ شور مچا رکھا تھا آپ نے۔ ہائے میرا یاشیکا...... ہائے میرا یاشیکا...... ہو گیا ہے فارغ...... ایک فلم کی دو تین تصویریں رہ گئی تھیں...... میں نے پوز مار دیے۔ تصویریں دھل کر آ گئیں...... فسطینہ باجی کی برتھ ڈے پارٹی کی تصویریں ہیں۔"
"چھوڑو تصویروں کا ذکر...... چڑ ہو گئی ہے مجھے تصویروں سے۔"
"کیوں؟" وہ نا دانستگی میں پوچھ رہی تھی۔
"ایک تو تمہاری فسطینہ باجی نے جانے کہاں کہاں تصویریں پہنچا دی ہیں۔ ڈیڈی سے ڈانٹ کھانا پڑی مجھے...... خود سوچو ماورا...... میں بھلا لڑکیوں میں تصویریں بانٹتا پھر رہا ہوں۔"
"کیوں۔ کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں۔"
"چلیے غصہ رہنے دیں...... آپ یہ تصویریں تو دیکھیں۔ فسطینہ باجی کی اسکرین ہوئی بھی غضب کی ہے۔ فوٹو جینک چہرہ ہے۔ ہر تصویر میں پیاری لگ رہی ہیں شبیر بھائی یہ فوٹو گرافی میرا کمال ہے۔"
وہ ماورا کی طرف دیکھنے لگے۔ بہت پیارا تھا انہیں ماورا سے۔
"لاؤ دکھاؤ۔ تمہاری خفگی نا قابل برداشت شے ہے ہمارے لیے ہم سر کے بل دیکھیں گے ضرور دیکھیں گے۔"
"دیکھیے جناب۔"
شبیر ایک ایک کر کے تصویریں دیکھنے لگے۔ ایک دو تین چار...... اچانک ایک تصویر پران کی نظر ٹھہر گئی۔ رگ و پے میں نفرتیں اور محبتیں ایک ساتھ گردش کرنے لگیں...... انہوں نے غور سے تصویر کو دیکھا۔ وہ وہی تھی۔ بالکل وہی۔ ویسا انداز۔ وہی شکل و صورت۔
ماورا کیا کہے جا رہی تھی۔ اس سے بے خبر وہ اپنے آپ سے نبرد آزما ہو رہے تھے۔ وہ تصویر ایک برق تھی۔ ان کے اعصاب پر اپنی پوری شدت سے گر گئی۔
"شبیر بھائی...... آپ تصویریں دیکھتے دیکھتے مراقبے میں چلے گئے ہیں کیا؟" اس نے کان کے قریب منہ کر کے بلند آواز میں کہا۔ شبیر بڑبڑا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مسکرانے لگے۔
"بھئی مراقبے میں تو جانا تھا۔ تمہاری فسطینہ باجی نے اپنے اردگرد کس مخلوق کو جمع کر رکھا ہے۔" انہوں نے تصویر آگے کر دی۔
"اللہ شبیر بھائی...... یہ جن پریاں نہیں نہ ہی اپسرائیں ہیں۔ باجی کی سہیلیاں ہیں۔ کالج کی لیکچرارز ہیں۔ کچھ کلاس فیلوز اور بس......"
"اچھا......"
"مگر آپ حیران کیوں ہوئے؟"
"حیران نہیں پریشان ہو گیا ہوں۔"
"شاید تاب نظارہ نہیں رہی۔ شبیر بھائی باجی کی سہیلیاں ایک دوسرے سے بڑھ کے حسین تھیں۔"

شبیر پھر کسی خیال میں کھو گئے۔ نفرت کی ایک لہر پھر خون میں دوڑ کر آئی۔
"مگر ماورا بیٹے...... ہر حسین چہرے کی تہہ میں ایک حسین دل ہو یہ ضروری تو نہیں۔"
"جی......"
"کچھ نہیں...... کچھ نہیں...... میں مذاق کر رہا تھا۔ بڑی پیاری ہیں یہ تصویریں۔ کمال تو فوٹو گرافی کا ہے۔ تم نے بری چیزوں کو بھی اچھا کر دکھایا۔" وہ ہنسنے لگی۔
"ہماری تصویر کب بناؤ گی؟ ایک عدد فلم ہمارے لیے بھی قربان کر دو یار...... قسم سے تمہاری فسطینہ باجی کی ساری سہیلیاں غش کھا کر گر پڑیں گی۔ ہم ان سب سے زیادہ خوب صورت اور پر کشش ہیں۔"
"آپ کے حکم کی دیر تھی۔ کل ہی بنا دوں گی۔"
"او کے۔ لیکن ان دنوں ذرا معاف رکھنا۔ اس الیکشن کے پھندے نے ہمیں ادھ موا کر رکھا ہے۔"
"چلیے پہلی تصویر اس وقت بنے گی جب آپ ہار پھولوں سے لدے پھندے گھر میں داخل ہوں گے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"کیا ٹھیک ہے؟" عدی جانے کہاں آ گئے۔
"تصویریں...... تم بھی ساتھ ساتھ بنوا لینا۔ تصویر کی تصویر مقابلے کا مقابلہ۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"کیا مطلب؟"
"بھئی بہت ڈینگیں مارتے ہو اپنی شکل و صورت پر بڑا ناز ہے۔ پتا چل جائے گا نا دیکھنے والے خود انصاف کر لیں گے۔"
"چل سالے۔ بیٹھا باتیں بنا رہا ہے۔ ہمیں دیکھ غور کر بے چاری لڑکیوں کو جب پتا چلتا ہے کہ ہم شادی شدہ ہیں تو صدمے کے مارے بے ہوش ہو کر گر جاتی ہیں۔"
"اوہو کیا ایسا بانکا سجیلا نوجوان ان کا مقدر نہ ہوا۔"
"آف کورس۔ ایک تو ہے اب تک کسی لڑکی نے نگاہ بھر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔"
شبیر ہنسنے لگے۔
"اتنی سچی بات کس نے بتائی تمہیں۔"
"میں اندھا ہوں کیا۔ تیرے آس پاس میلوں تک کوئی چاند چہرہ کبھی نظر نہ آیا۔"
شبیر کے چہرے پر تاریکیاں پھیلنے لگیں۔
"واقعی تم نے سچ کہا یار...... ہم میں کوئی ایسی بات تھی ہی نہیں۔" ان کی سنجیدگی کو عدی نے حیرت سے دیکھا۔ شبیر ہاتھ میں پکڑی تصویر کو غور سے دیکھنے لگے۔
"میں تو مذاق کر رہا تھا تم اتنے سنجیدہ کس سلسلے میں ہو گئے۔ الو کی دم...... تو کسی طرف متوجہ بھی ہو تو بات بنے...... تو نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں...... تیرا معیار بہت اونچا ہے۔ تجھے محبت کی ضرورت ہی نہیں۔"
"نہیں عدی ماموں...... ہمارے خاندان میں رواج ہی نہیں کہ لڑکے لڑکیوں کو دیکھتے پھریں آپ کی شادی گرینڈ ما نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ شبیر بھائی کی شادی بھی ان ہی کی مرضی سے ہو گی۔ دیکھیے...... دیکھیے یہ فسطینہ باجی کسی سے کم ہیں کیا۔ شبیر بھائی کو کیا پڑی کہ وہ تانک جھانک کا گناہ اپنے سر لیتے پھریں۔"

''تو بہت چالاک ہوگئی ہے۔ کہاں کھڑی سن رہی تھی سب۔ میں نے سوچا چلی گئی ہو چلو بھاگو۔''

عدی جھینپ سے گئے۔ ماورا کی موجودگی میں اول فول بکے گئے تھے۔

''جا رہی ہوں لیکن اتنا بتا دیجیے کہ فسطینہ باجی کیسی ہیں؟''

''شبیر سے پوچھ کر بتاؤں گا فی الحال تم اپنا چہرہ گم کر دو تو بہتر ہے۔''

اور وہ وہاں سے چلی گئی۔

''فسطینہ کیسی ہے شبیر.....؟ کیا واقعی ممی تمہارے رشتے کی بات کر رہی ہیں۔''

''شاید۔''

''اور تم..... تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میرا کوئی خیال نہیں۔ ممی کا فیصلہ ٹھیک ہے۔ سنا ہے شادی کے بعد آپ ہی آپ پیار کا خلوص کا۔ محبت کا رشتہ بندھ جاتا ہے۔ میں بھی باندھ لوں گا یہ سارے بندھن۔ آخر کسی کو تو اپنی زندگی میں شامل کرنا ہی ہے ایسا ہے تو پھر ممی اور آپا کی پسند ہی کیوں نہ۔''

''شبیر ایک بات بتاؤ۔''

''پوچھو۔''

''اس بھرے جہان میں تمہیں کوئی بھی لڑکی کبھی ایسی نظر نہیں آئی جسے تم نے پل بھر کو بھی پسند کیا ہو پانے کی آرزو کی ہو۔''

عدی نے شبیر کے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔ ساری دکھتی رگوں کو مسل دیا کچل دیا۔

''نہیں۔''

''عجیب آدمی ہو یار..... انتہائی عجیب و غریب..... ہمیں تو اب بھی کوئی نہ کوئی ایسا نظر آ جاتا ہے..... جسے دیکھ کر پچھتاوے ہم پر حاوی ہونے لگتے ہیں۔ نہیں یار تم جھوٹ بولتے ہو۔ بکواس کرتے ہو۔ تم بہت گہرے ہو۔ اس دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوگا جس کے ساتھ محبت کر لینے یا محبت ہو جانے کا حادثہ پیش نہ آیا ہو۔ میں نہیں مان سکتا کہ تم..... تم نے کسی سے محبت نہ کی ہو۔ جانتے ہو اپنے اسٹار کی خوبیاں۔ محبت کی آرزو تو اسد لوگوں کی کنڈلی میں پڑی ہوتی ہے۔ وہ تلاش کرتے کرتے کبھی کبھار تو بے چارے ہرجائی بھی کہلانے جانے لگتے ہیں۔ میں یہ کیسے مان لوں کہ بھرے جہان میں ایک چہرہ بھی تمہارے دل میں نہیں بس سکا..... امپاسیبل..... ایک دم ناممکن۔''

''چھوڑو عدی۔ فی الحال تو اسے سوچو جو مسئلہ گلے پڑ گیا ہے۔ فی الحال تو اس کی فکر کرو۔ ڈیڈی کو بھی جانے کیا سوجھی تھی۔''

''ہاں یار..... ویسے کل شام تم نے کمال کر دکھایا۔ عوام کے دل لوٹ لیے۔ شبیر یار..... جلسے میں مرد ہی نہیں صنف نازک بھی تھیں۔ کئی بے چاریاں تمہیں دل دے بیٹھی ہوں گی۔''

''عدی۔ اپنے بیان پر کچھ دیر تو قائم رہا کرو نا ابھی کچھ اور ابھی کچھ..... خدا کا شکر ہے کہ سیاست دان نہیں ہو ورنہ سیاست کی لٹیا ڈبو دیتے۔''

عدی بے اختیار قہقہے لگانے لگے۔

''نہ..... نہ..... نہ بلکہ کامیاب رہتا جانتے ہو کتنی پبلسٹی ملتی ہے۔ اخبارات ایک بیان کو ہفتہ بھر زینت اخبار

بنائے رکھتے ہیں۔ پھر تردید کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پندرہ دن اس کا دور رہتا ہے۔''

''اگر چاہو تو میں اس امیدواری کے لیے تمہارے حق میں دستبردار ہوا جاتا ہوں۔''

''معاف رکھو میاں ابھی ہمیں اپنے جان و دل عزیز ہیں۔ اس کوچے میں جانے کا کوئی شوق نہیں۔ جب ہوا تو دلی کتنی دور ہے۔ ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کر کے۔ چند احباب کو اکٹھا کر کے کسی پارٹی کی بنیاد ڈال دیں گے اور آ جائیں گے عوام کی نظر میں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو..... اور ہمیں اپنے کام سے کام رکھنے دو۔''

''ایز یو لائک۔ ایز یو وش۔''

دونوں جانے کس کس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

آف پیریڈ میں گوہر آفس میں بیٹھی تھی۔ پیپرز چیک کر رہی تھی۔ سائیکس کی الجھنوں میں گم..... وہ بغور پیپرز کا مطالعہ کرتی نمبر لگا رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ فسطینہ اور عارفہ کب آفس میں داخل ہوئیں اور کب سے محو گفتگو تھیں۔ عارفہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

''مس گوہر! مس فسطینہ کی چوری پکڑی گئی۔''

''چوری..... بھئی فسطینہ تو فطرتاً نیک اطوار کی لڑکی ہے ہم تو اس سے چوری کی توقع نہیں کر سکتے۔''

''آپ مان لیں نا مس گوہر میری بات۔''

''مگر کیسی چوری؟''

''ارے آپ بھی سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔''

''تو بتائیے جلدی سے۔''

''مس فسطینہ نے ایک نوجوان کو پھانس لیا۔''

''لاحول ولا..... مس عارفہ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔'' فسطینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''کیوں فسطینہ کیا یہ خبر درست ہے؟''

''درست ہی درست مس گوہر..... اور وہ بھی کوئی عام ہستی نہیں۔ ایسا شخص جس کا آج کل پورے شہر میں ڈنکا بج رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''بھئی آپ نے بھی تو آتے جاتے۔ چار لوگوں کی محفل میں شبیر عسکری کا نام سنا ہوگا۔ یہ تو چاہتی تھیں کہ ہمیں اس دن خبر ہو جب ایک عدد دعوت نامہ شادی ہم کو موصول ہو لیکن ہمیں پہلے خبر ہو گئی۔ مس فسطینہ ایک ماہ بعد مسز شبیر عسکری ہوں گی۔ سنا ہے موصوف لندن سے آئے۔ ان کا رخ زیبا دیکھا اور چاروں شانے چت گر پڑے میرا مطلب ہے کہ انہیں پسند کر لیا۔ ان کے لیے ایک گھر بنایا۔ اور شادی کی آفر کر دی۔ چوریاں تو کئی ہیں ایک چوری تو میں نے ابھی پکڑی ہے۔ بھئی مس فسطینہ! یہ ظلم ہے گھر کی تصویریں تو آپ کے ہینڈ بیگ میں ہوں اور گھر والے کی ایک جھلک بھی ہم نہ دیکھ سکیں کیوں مس گوہر؟''

''جی..... جی..... جی ہاں۔''

''عارفہ یہ کیا مذاق ہے گوہر کیا سوچے گی۔''

''محترمہ وہ بھی وہی سوچے گی جو میں نے سوچا ہے کہ آپ چھپی رستم نکلیں۔ چپ چپاتے اتنا بڑا کارنامہ انجام

دے ڈالا۔"

"یہ دیکھیے...... یہ دیکھیے مس گوہر...... یہاں گھر کا آؤٹ لک...... جہاں ہماری فسطینہ کو آباد ہونا ہے۔ ویسے خبر نہیں یہ گھر ان کا انتخاب ہے یا گھر والا۔ آج تو میں ان کے ساتھ ہی جا رہی ہوں۔ گھر اور گھر والا دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے۔"

گوہر نے ایک نظر عارف کے ہاتھ میں موجود تصویر کو دیکھا اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ دنیا اس کی نظروں میں گھومنے لگی...... ساری باتیں اس کے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔

"مس گوہر گھر بے شک خوب صورت ہے لیکن......" گوہر نے نظریں اٹھائیں۔

پہلے عارف اور پھر گوہر کو دیکھا۔ ہزاروں آہوں کو سینے میں دبا کر اس نے فسطینہ کو مخاطب کیا۔

"مبارک ہو فسطینہ...... آپ کو منتخب کرنے والا اور آپ دونوں ہی خوش نصیب ہیں۔"

"گوہر......" فسطینہ نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن گوہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"خدا کرے اقتدار اور آپ دونوں شبیر عسکری کو مل جائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے پیپرز اٹھائے گھڑی دیکھی۔

"اوہ وقت ہو گیا۔ میں کلاس لینے جا رہی ہوں۔" اور آفس سے باہر نکل آئی۔

اس وقت وہ کلاس کا نہیں کسی بیاباں کسی جنگل کا رخ کرنا چاہتی تھی۔ جہاں وہ ساری مجبوریوں سے آزاد ہو کر اپنے لٹ جانے کا بھرپور ماتم کر سکے جی بھر کے رو سکے۔

وہ عقبی لان کی طرف چلی آئی۔ اس وقت وہ سیاسیات کی لیکچرار نہیں ایک لڑکی تھی۔ گوہر...... گوہر عاصم عسکری...... ایک تنہا بنچ پر جو پھولوں کے کنج کے پار تھا۔ بیٹھ کر سر ٹکاتے ہی آنسو جواں دھار بہتے چلے آئے۔

☆☆

گرما کی ایک گرم ترین شام تھی۔ مارے حبس کے دم گھٹنے کے باوجود وہ ابھی ابھی لمبے چوڑے نیم پختہ صحن میں جھاڑو لگا کر ہٹی تھی۔ پھر بھر بالٹیاں پانی لا کر خوب چھڑکاؤ کیا تھا اور اب ایک کونے میں چپ چاپ کھڑے بیلے کے پھولوں والے کنج کی پیاس بجھا رہی تھی کہ اماں نے آواز لگائی۔

"کہاں جا مری ہو...... اب تک پلنگ ہی باہر...... نہیں نکال سکے۔ ابھی وہ نماز پڑھ کے آئیں گے تو آرام سے بیٹھنے کو جگہ تک نہ ہو گی۔"

"میں ادھر ہی ہوں۔ پانی تو دے لوں پودوں کو۔ نکال ہی لیتی ہوں چارپائیاں۔"

اسے بھی خبر تھی مغرب کی نماز کے بعد بابا جان اپنے صاف و شفاف بستر پر بڑے سارے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر کوئی طویل وظیفہ پڑھا کرتے تھے۔ اماں جان باہر نکل آئیں۔

"پڑھنا لکھنا بہانہ بن گیا ہے۔ کام نہ کرنے کا۔ ارے مغرب ہونے کو آئی ابھی تک صاحبزادی سے یہی کام نہ ہو سکا۔ ایک ایک کام میں گھنٹوں چاہئیں۔ ارے تمہاری عمر میں ہم تو پھرکی کی طرح پھرا کرتے تھے۔ ہزاروں کام پلوں میں نمٹ جاتے تھے۔" وہ پھر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ شدید گرمی نے اماں کے مزاج میں تلخی پیدا کر دی تھی۔

وہ دالان کی طرف گئی۔ ایک پر ایک کرتے صحن میں چارپائیوں کی قطار سی بن گئی۔ نرم نرم سفید غلافوں والے تکیے اور صاف ستھرے کھیس باہر لا کر ترتیب سے چارپائیوں پر رکھتے ہوئے اس نے شلوار کے چڑھے ہوئے پائنچے نیچے اتارے اور نل کی طرف بڑھ گئی۔

اللہ کے متبرک نام کی گونج چاروں طرف تھی۔ وہ وضو کرنے لگی۔ ٹھنڈے پانی نے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔ اماں کی تلخ بات کا دکھ پانی میں بہہ گیا۔ وضو کر کے وہ تخت کی طرف آئی تو سکھاں بابا جان کے بستر کے عین سامنے ایئر کولر کھڑا کر چکی تھی۔ دوسری طرف پیڈسٹل فین پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ دن بھر کی گرمی نے زمین کو تخت قسم کی حدت بخش دی تھی۔ پانی پڑنے سے وہ حدت بھاپ بن کر نکل رہی تھی۔ اسی سبب صحن کی فضا میں حبس اور گھٹن بڑھ گئی تھی۔ گرمی میں وہ ساری نمازیں سہولت سے پڑھ لیتی تھی۔ سردی میں وضو کے نام سے جان جاتی تھی اور آج کل نمازیں پڑھنے کا ہی موسم تھا۔ ململ کی بڑی سی چادر میں اپنا وجود چھپائے وہ خدا کے حضور جھک گئی۔

اسے سجدے میں گر کر لمبی لمبی دعائیں مانگنے کی عادت تھی۔ اب بھی وہ مانگ رہی تھی۔ اپنے لیے فرسٹ پوزیشن کی دعا۔ بھائیوں کی ترقی کی دعا۔ بابا جان کی درازی عمر کے لیے دعا اور بہت سی دعائیں۔ ساری دنیا کے لیے دنیا میں بسنے والے کل انسانوں کے لیے۔ ملک و قوم کے لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بابا جان ڈیوڑھی عبور کر کے صحن میں داخل ہوئے۔ ان کے حرکت کرتے لب بتا رہے تھے کہ وہ وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہیں۔ وہ جلدی سے تخت سے نیچے اتری۔ بھاگ کے تپائی اٹھا لائی۔ ٹھنڈے پانی کا جگ اور گلاس اس پر رکھا۔ بابا جان نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ پائنتی پر ٹک گئی۔ ایئر کولر سے آتی ٹھنڈی ہوا نے اس کے اعصاب کو سکون بخش دیا۔ وہ بابا جان کی کسی بات کی منتظر تھی۔ یقیناً کوئی اہم معاملہ تھا۔ انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھی اور اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹے...... تمہارا نتیجہ آ گیا ہے۔ میں نے بخت کو مسجد سے ہی محمود صاحب کی طرف دوڑا دیا کہ تمہارا پوچھ آئے۔"

"سچ بابا رزلٹ آ گیا......" وہ بدحواس ہو گئی۔

"ہاں ہاں بیٹی۔ تمہارے ایف۔ اے کے رزلٹ کا سب کو ہی انتظار ہے۔ شتواری صاحب مجھ سے بھی زیادہ جوش میں ہیں۔ پھر چغتائی کے دو بیٹوں نے بھی امتحان دے رکھا ہے۔ کاظم کی بیٹیاں بھی تمہارے ساتھ پڑھتی ہیں۔ تمہاری نمایاں کامیابی اور پوزیشن کی بڑی امید ہے مجھے۔"

وہ نچلی نہ بیٹھ سکی۔ بھاگ کے دروازے کی طرف گئی...... بخت آنے ہی والے تھے۔ وہ آ گئے۔ اس نے پُر امید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا بخت بھائی؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔" بخت کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"یہ لو اپنا اعمال نامہ۔ دیکھ لو اپنی کارکردگی کا نتیجہ۔"

"ادھر میرے پاس آؤ بخت...... کتنے نمبر ہیں ہماری بیٹی کے؟" بابا جان وہیں سے پکارے۔ بڑے خوش تھے وہ بھی۔

"نمبر تو لازماً اتنے ہوں گے بابا جان جتنی محنت آپ کی صاحبزادی نے کی ہوگی۔" وہ بابا جان کی طرف

"پھر بھی۔"

"آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں۔ بائی تھرڈ ڈویژن ہے۔"

بابا جان سیدھے ہو بیٹھے...... گوہر کا دل دھک سے رہ گیا۔

"نہیں نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ بول اٹھی۔

اماں بھی شاید کان دیے بیٹھی تھیں۔

"نکل آیا نا نتیجہ۔ دن رات ناول رسالے پڑھے جاتے تھے۔ تھرڈ ڈویژن تو آنا ہی تھی۔"

وہ ایک دم رونے لگی۔ یہ رزلٹ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔

"ایسا ہو چکا ہے محترمہ۔ یہ دیکھیے یہ ہیں آپ کے نمبر۔"

وہ گزٹ کی طرف نگاہ کیے بغیر...... اندر کو بھاگی...... اور بستر پر گر کے زاروقطار رونے لگی۔ باہر اماں صلواتیں سنا رہی تھیں۔

"ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔ کام نہ کرنے دیا کہ بیٹیا پڑھ لکھ کر باپ کا نام روشن کریں گی۔ اچھا صلہ ملا ہمیں اپنی قربانیوں کا...... عاصم کو کیا فکر۔ میرے بس میں ہو تو کتابوں سے بھری الماری پہ تیل چھڑک کر آگ لگا دوں۔"

"کیوں شور مچا رہی ہو...... جو ہونا تھا ہو گیا۔ ایک تو پہلے سے کری ہے۔ اس پر یہ خور شرابا۔ کھانا تیار ہو تو دسترخوان لگوا دو۔ اسرار اور شہری کہاں ہیں۔ ارے یہ گوہر بھی نہیں ہے۔ کہاں چلی گئی؟" بابا جان نرمی سے کہہ رہے تھے۔ کسی سوچ میں بھی گم تھے۔ بے یقینی بھی تھی۔

"کہاں جاتیں۔ اندر کمرے میں ہیں۔ بڑا ناز تھا اپنی قابلیت پہ۔ تیسرے درجے میں بارہویں پاس کی ہے۔ ظاہر ہے غم تو ہوگا۔" بخت پاس کھڑے سکھاں تک اصلی خبر پہنچانے کے لیے عام فہم الفاظ استعمال کر رہے تھے۔ سکھاں جو ہر وقت گوہر کو دعائیں دیا کرتی تھی اس سے مرعوب تھی۔

"نہ بھیا...... بٹیا تو بہت لائق ہیں۔ سارا سارا دن کمرے میں گھسی پڑھا کرتی تھیں۔ آپ مذاق کرنے لگے ہیں۔"

"سکھاں بی بی...... آپ کو تو ساری کتابیں کتابیں ہی نظر آتا ہیں۔ صاحبزادی اے۔ آر۔ خاتون کے لکھے موٹے موٹے ناول پڑھتی تھیں۔ امتحان ناولوں کا نہیں دوسری کتابوں کا تھا ہے۔

ہاں ایک تو ناول نگار خواتین نے طالبات کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ گوہر کی الماری رضیہ فرحت کے بے کار ناولوں سے بھری پڑی ہے۔ جو ہر آپا انہیں ورثے میں کیا دے کے جائیں گی۔ نیلی سفید گلاب۔ زرد گلاب۔ سیاہ گلاب۔ شگفتہ سارہ، حسینہ ساجدہ اور ایک اور سلسلہ...... پتھر کے صنم، کانچ کے صنم، شیشے کے صنم، مدہل کے صنم، پلاسٹک کے صنم غرض جانے کس کس چیز کے صنم۔ اماں آپ کی اس صاحبزادی نے اپنی باتھ میں پکڑا کے ان مختلف اصنام کے لیے مجھے بازاروں کے ہزاروں چکر لگوائے اور نتیجہ دیکھا۔ جس کی کم از کم مجھے تو امید تھی۔"

بابا جان نے عینک آنکھوں پہ لگائی۔

"دختر لاؤ...... کہاں ہے گوہر کا رول نمبر...... دیکھوں تو سہی۔ آخر کتنے نمبر ہیں۔" بابا جان بہت خاموش سے تھے۔

"اسے کیا کرو گے دیکھ کر بچہ غلط کہہ رہا ہے کیا؟" دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ پھر بیل بجی۔

"بخت...... دروازے پر جاؤ۔"

وہ گزٹ بابا جان کو دے کر دروازے کی طرف چلے اور دہیں سے ان کی آواز آئی۔

"ارے...... آپ...... یعنی آپ...... اماں جان دیکھیے تو یہ آپ کے...... عزیز۔ آپ کے بھائی کے فرزند دلپسند۔"

"کون ہے...... ظہیر میاں ہیں۔"

"نہیں اماں...... وہ جن سے پچھلے دنوں اچانک آپ کی ملاقات ہو گئی تھی۔ میرا مطلب ہے ماموں جان کے ہاں پارٹی میں......"

"ارے...... میرا اپنا آیا ہے...... شبیر ہے۔ آؤ بیٹا...... یہ کیا اجنبیوں کی طرح دستکیں دینے لگے۔ اپنا گھر تھا...... بے دھڑک چلے آتے۔" اماں دروازے کی طرف لپکیں۔

آنے والا رک گیا۔

"آؤ یار رک کیوں گئے؟" بخت نے فوراً کہا۔ اماں نے اسے گلے لگا لیا۔ پیشانی چومی اور بابا جان کی طرف لے آئیں۔

"عاصم...... یہ شبیر ہے۔ میرے بھائی کا بڑا بیٹا...... میرا بھتیجا۔"

"آداب پھوپھی جان۔" وہ ان کے آگے جھکا۔

"جیتے رہو...... جیتے رہو...... آؤ بیٹھو۔" بخت چہکے۔

"دیکھو یار...... اگر تم گوہر کی باعث شرم کامیابی کا سن کر آئے ہو تو کچھ مت کہنا ہمارے دل پہلے ہی جلے ہوئے ہیں۔"

"گوہر...... کون ہیں یہ محترمہ...... اور بخت بھائی بھلا کوئی کامیابی بھی باعث شرم ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ جب فقط تیسرے درجے کی ہو۔"

"بخت! تم بھی نرے بے وقوف ہو۔ اب بچے کو کیا خبر گوہر کون ہے یا اس نے کیسے۔" اماں نے بخت کو ٹوکا۔

"سوری اماں...... پہلے تو تعارف ضروری ہے۔ ہاں تو شبیر عسکری صاحب۔ گوہر آپ کی پھوپھی صاحبہ کی سب سے چھوٹی اور نالائق بیٹی ہے۔ جس سے مل کر تمہیں مایوسی ہوگی۔ جب کہ بابا جان! آپ شبیر سے مل کر خوش ہوں گے کیونکہ انہوں نے پچھلے سال ایف اے۔ کے امتحان میں بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔"

"بہت خوب میاں خوشی کی بات ہے۔ اصل میں میں گوہر کی وجہ سے پریشان ہوں اور یوں بھی تم سے صرف نام کی حد تک واقف تھا۔ پہلی بار دیکھ رہا ہوں...... اور وہ بھی اس عالم میں جب خود پریشان ہوں۔"

"مگر میں نے تو آپ کو پہچان لیا۔ دراصل پھپھو بی نے آپ کے متعلق اتنی باتیں کیں کہ میں بغیر کسی وقت کے جان گیا کہ آپ میرے پھوپھا جان ہیں۔" وہ قدرے رکا...... بابا گزٹ دیکھنے لگے۔

"پھپھو بی! یہ اندر سے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ خیریت تو ہے۔ کیا واقعی میں کوئی رو رہا ہے یا میں ہی ایسا محسوس کر رہا ہوں۔"

"اے بیٹا تمہارے کان تھوڑے ہی بج رہے ہیں۔ گوہر ہے اندر۔ تھرڈ ڈویژن پر روئے گی نہیں تو کیا کرے گی۔ بخت کے باوجود......" اب اماں کو گوہر پر ترس آ رہا تھا۔

"اماں۔ آپ کیسی باتیں کرنے لگیں۔ ممتحن اندھے نہیں۔ آنکھوں والے ہوتے ہیں۔ جتنی محنت کی اتنا لکھا نمبر لے لیے۔"

"بختیار عسکری۔" بابا نے پکارا۔

"جی بابا جان۔"

"ادھر آؤ بیٹے!" وہ رسان سے بولے۔

بخت ان کے نزدیک گئے۔ بابا جان نے ہاتھ اونچا کر کے ان کا کان مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"یہ رول نمبر میرا خیال ہے تمہاری بہن گوہر کا ہے اور نمبر میری نظر کے کہنے کے مطابق سات سو اٹھائیس ہی ہیں۔"

"سات سو اٹھائیس......" اماں اور شبیر ایک ساتھ کہہ اٹھے۔

"جی...... جی ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" بابا جان نے بخت کا کان مروڑ دیا۔

"اوہ بابا...... میرا کان......"

"اور جو ہماری بچی کی انرجی رونے میں ضائع کرائی وہ...... چلو نامعقول لڑکے جاؤ...... اس کے آنسو پونچھو۔ اسے مناؤ اور باہر لاؤ۔" شبیر نے گزٹ اٹھا لیا۔ بابا جان نے نشان دہی کی۔

"ونڈر فل پھوپھا جان۔ آپ کی بیٹی ماشاءاللہ بہت لائق فائق ہے۔"

"ہماری بیٹی جو ہوئی...... صاحبزادے تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"جناب بی۔ اے کا امتحان دے کر فارغ ہوں۔"

"رہتے کہاں ہو تم جو اپنی پھپھو سے اس عمر میں مل پائے۔"

"زیادہ دور نہیں۔ عباس نگر کے ڈگری کالج میں پڑھتا تھا۔ وہیں کے ہوسٹل میں رہائش تھی میری۔"

"گویا تم اپنے والد کے ساتھ ڈنمارک میں نہیں تھے۔"

"جی نہیں...... میں تو چار سال کی عمر سے ہوسٹلوں میں ہی رہ رہا ہوں۔ ڈیڈی کا خیال ہے۔ یوں میری پرورش اچھے طریقے پر ہوئی۔" شبیر کے لہجے میں طنز ابھر آیا۔

"اچھا خیال ہے تمہارے والد کا...... ایک یہ ان کی ہمشیرہ ہیں۔ بچوں کو شہر سے دو قدم تنہا جانے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔ وہ شہری اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانے کو بضد ہے۔ انہوں نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ میاں تعلیم بہت فائدے کی چیز ہے۔ اس پر ملک کا دارومدار ہے۔ محنت کرو۔ تم سب کی یہ محنت تمہارے بھی کام آئے گی اور ملک و ملت کے بھی۔ اچھا ایف۔ اے میں تو تم نے ٹاپ کیا۔ اب کیا ارادے ہیں۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جی۔ امیدیں تو بہت سی ہیں۔ اللہ اپنا کرم کرے۔"

"خوشی ہوئی تم سے ہونہار بچے سے مل کر ہمیں اپنی گوہر سے بھی بڑی امیدیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ خواتین کے لیے عائد کردہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوب علم حاصل کرے اور ترقی کرے مگر تمہاری پھپھو جی اسے گھر داری کے بکھیڑے میں الجھانا چاہتی ہیں۔"

شبیر نے کچھ کہنا چاہا مگر راستے میں بخت بہلا پھسلا کر گوہر کو باہر لا چکے تھے۔ شبیر نے گوہر کی طرف دیکھا۔ سرخ آنکھیں، سرخ چہرہ...... آنسوؤں کے واضح نشان...... جھکی نظریں۔ شبیر کی نظریں اس کے چہرے پر ٹک سی گئیں۔ گہری نظریں۔

"یہ میری بہن گوہر سات سو اٹھائیس مارکر!" بخت نے شوخ لہجے میں اسے مطلع کیا۔

"اور مائی ڈیئر سسٹر یہ ہم سب کے فرسٹ کزن شبیر شاہنواز عسکری۔ معاف کرنا شبیر تم دونوں کا تعارف بڑے

...ماحول میں ہوا۔ جب فضائیں بادلوں سے ڈھکی تھیں اور زوروں کا مینہ برس رہا تھا ابھی لیکن یہ سب تمہاری ...کے سبب نہیں میرے مذاق کی وجہ سے ہوا اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم غلط فہمی کا شکار ہو کر واپسی کی نہ ٹھان لو ویسے ...مشکلوں سے اس گھر تک آئے ہو۔"

گوہر نے چونک کر اپنی سرخ آنکھیں شبیر پر جما دیں۔

"آپ...... آپ...... آپ وہی شبیر عسکری ہیں نا جن کا انٹرویو ایک لائق طالب علم کی حیثیت سے پی ٹی وی کے ایک پروگرام میں آیا تھا پچھلے دنوں۔ ارے آپ میرے فرسٹ کزن ہیں۔ یقین نہیں آ رہا۔ میں سوچ بھی نہیں ...تی تھی۔" گوہر رونا دھونا سب بھول گئی۔ شبیر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ سرمئی پینٹ سرمئی چیک کی ...ٹ میں سرخی صحت لیے گندمی رنگت بڑی بڑی سحر طراز چمکتی دمکتی آنکھیں اور مونچھوں تلے مسکراتے خوب ...ورت لب۔ اس نے حیران ہو کر شبیر کی آنکھوں میں جھانکا۔ خوب صورت آنکھیں اس کی سب سے بڑی کمزوری تھیں اور شبیر کی آنکھیں اس کی سوچ سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھیں۔ ہنستی مسکراتی بولتی آنکھیں ...ن میں امید اور آس کے کئی دیے ایک ساتھ جل کر روشنی دے رہے تھے...... اللہ...... آنکھیں ایسی بھی ہوتی ہیں...... زندگی سے بھرپور...... بندے کا پورا انسان ان آنکھوں میں نظر آ جائے اس نے حیران ہو کر سوچا۔ وہ ...رہا تھا۔

"شکر ہے میں نے پہلی بار آپ کو اپنے روبرو دیکھا۔ اب یہ تو نہیں ہوگا کہ میں کسی اخباری انٹرویو میں آپ کی تصویر دیکھ کر یا ٹی وی پروگرام میں آپ کو دیکھ کر حیران ہوتا رہوں کہ یہ لائق طالب میری کزن ہے...... ویسے پھپھو ...تے بسورتے کزن بھی اچھے لگتے ہیں۔ اگر پہلی بار روتے جائیں تو......" وہ ہنس دیا۔

"خاصے استاد ہو یار۔ دوسرے لفظوں میں وارننگ دے رہے ہو کہ گوہر آئندہ روتی ہوئی نظر نہ آئے...... یار یہ مجھ جیسے نالائق بھائی کا کارنامہ ہے۔ ویسے آئندہ تمہاری آمد پر اس کا خیال رکھا جائے گا۔"

"کس کا...... رلانے کا یا نہ رلانے کا......" شبیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اے خدا نہ کرے...... میری بیٹی کیوں روئے...... بخت تم واقعی نالائق ہو۔ کیا ضرورت تھی اس خوشی کے موقع پر اسے رلانے کی۔" اب اماں کو اپنی بیٹی پر پیار آ رہا تھا۔

"اماں۔ خوشی وہی خوب صورت ہوتی ہے جو تھوڑے سے غم کے بعد ملے اور پھر میں تو اسے ایک ذہنی نیوز دینے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ شادی مرگ سے بچا لیا میں نے گوہر کو۔ سنا ہے بعض اوقات بے تحاشا خوشی بھی انسان کو......"

"جی نہیں۔ اتنا چھوٹا...... نہیں ہے میرا دل۔ ہر اچھی بری خبر سننے کا حوصلہ ہے میرے پاس۔" وہ تڑ سے بولی۔

"واقعی؟" شبیر نے سوالیہ نظریں اس پر جمائیں۔

"جی ہاں۔" اس نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔

"یہ شہری اور اسری کہاں ہیں......؟" اماں نے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں پھپھو جی؟"

"تمہارے کزن ہیں دونوں شہریار اور اسرار...... آ جائیں تو کھانا کھا لیا جائے گا۔ گوہر کھانا لگا دو بیٹی اور ہاں فون کر کے بھائی جان کو بھی بتا دو...... بڑا انتظار تھا انہیں تمہارے رزلٹ کا۔"

"ہرا...... وش مبارک باد پیاری بہنا کو...... بابا جان آپ کو بھی...... گوہر نے ٹاپ کیا ہے۔ "آمین" کا نمائندہ

ہمارے گھر کا پتا پوچھتا پھر رہا تھا۔ انٹرویو کرنا چاہتے ہیں اخبار والے..... ہم اسے لے آئے۔" شہری بہت خوش تھے۔

"خود اندر چلے آئے اسے باہر کھڑا کر دیا..... بھئی دیوان خانے کا دروازہ کھلواؤ۔ اسے بٹھاؤ تو سہی۔" بابا جان نے احساس دلایا شہری باہر چلے گئے بخت نے اندر جا کر بیرونی دروازہ کھولا۔ بابا جان بھی وہیں چلے گئے شبیر اپنی پھپھو سے باتیں کرنے لگا۔ گوہر انٹرویو دے آئی تھی اور اب چائے بنانے میں لگی تھی۔ اماں بھی اٹھ آئیں۔ شبیر دیوان خانے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ چائے دم کر چکی تھی اور ٹرے میں کچھ لوازمات سجا رہی تھی۔ شبیر باورچی خانے میں داخل ہوا۔

"پھپھو بی! میری اور پھوپھا جان کی دوستی پکی۔" وہ خوشی خوشی کہہ رہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ اپنے ہی خیالات کے نکل آئے ہیں۔ "امن" کا نمائندہ گوہر کی تصویر مانگ رہا تھا۔ پھوپھا جان نے معذرت کر لی۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے پھپھو بی..... ان کی تصویر کا اخبار میں کیا کام....."

گوہر نے شبیر کی طرف نظر ڈالی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"اگر میں کہہ دیتا تو وہ شاید انٹرویو کی بھی اجازت نہ دیتے..... لیکن شرعی احکام میں چہرہ دکھانے کی اجازت نہیں۔ خیالات دنیا تک پہنچانے کی اجازت ہے۔ ان کے عزائم شاید دوسری خواتین کے لیے قابل تقلید ہوں۔"

"آپ کہہ دیتے۔ نہ دیتی میں انٹرویو....." گوہر کا موڈ خراب ہو گیا۔

"جب ضروری ہوگا یہ بھی کر لیں گے۔ فی الحال اتنا ہی ضروری تھا۔" بابا جان خوشی خوشی اندر آ گئے۔

"بھئی صفیہ..... تمہارا یہ بھتیجا تو ہمارے خیالات سے میل کھاتا ہے۔ مگر یہ شاہنواز کو اس سے..... اتنی شکایتیں کیوں ہیں؟" شبیر نے بابا جان کی طرف دیکھا۔

"دوری بیگانگی نہ پیدا کرتی تو کیا کرتی۔" صفیہ بیگم نے جواب دیا۔

"چھوڑیے پھپھو بی..... لوگ محبتوں کے بغیر جی کر بھی انسان ہی رہتے ہیں۔" شبیر کے لہجے میں درد تھا۔

گوہر چونک اٹھی۔ وہ چائے لیے دیوان خانے میں چلا گیا۔

رات گئے تک گھر میں ایک ہنگامہ ہی رہا۔ شہری اپنے جیب خرچ سے مٹھائی کا ڈبہ لائے۔ بخت نے کوک پلائی اور راسبری پی کا فیملی پیک اٹھا لائے۔ بابا جان ان سب میں یوں شامل رہے گویا وہ سب کے دوست ہوں۔ ساتھ والے گھر کی فرزین آپا بھی مبارک باد کہنے آ گئیں..... وہ گوہر کے لیے گجرے لائی تھیں۔ آنگن ان کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب شبیر بھی رخصت ہو گیا۔

گوہر اپنی جھنگا چارپائی پر جا لیٹی..... کھری چارپائی پر سونا بھی اس کا کریز تھا..... رات ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ مست خرام جھونکے نیند کو آوازیں دے رہے تھے۔ صحن میں سکون ہی سکون تھا۔ کیونکہ ٹھنڈک کے سبب پنکھا اور کولر دونوں بند کر دیے گئے تھے۔ وہ دم سادھے بڑی ستاروں کو تک رہی تھی..... جنہوں نے اس کے گھر کے آنگن کو خوب صورتی بخش دی تھی۔ بابا جان اور اماں باتیں کر رہے تھے۔

چاند کی پندرھویں رات تھی۔ آنگن میں چاندنی کا دریا بہہ رہا تھا..... چاند وسط صحن میں کھڑے جامن کے درخت کی اوٹ سے نکل کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ چاندنی راتوں میں نیندیں اس سے پہلے بھی چھن جاتی تھیں مگر آج تو بہت بڑی خوشی نے معمولات میں رد و بدل کر دیا تھا۔

اماں اور بابا ابھی تک محو گفتگو تھے۔

"شاہنواز کا بیٹا بہت خوب صورت ہے۔"

"بھابھی بھی بہت زیادہ خوب صورت تھیں۔ اور شاہنواز بھائی خود کیا کسی سے کم ہیں۔"

"ہاں تمہارے بھائی جو ہوئے۔"

"جو کہہ لو۔"

"ویسے لڑکا اپنے باپ سے زیادہ خوب صورت ہے..... آنکھیں دیکھیں تم نے اس کی۔ ایسی چمک عام انسانوں کی آنکھوں میں نہیں ہوتی۔"

"میں جانتی ہوں آپ کیوں اتنی تعریفیں کر رہے ہیں؟"

"کیوں بھلا؟"

"بھئی اس کے خیالات جو آپ جیسے ہیں..... بھائی جان اور آپ میں تو سدا اختلاف ہی رہا۔"

"ہاں یاد آیا۔ اگلے دن شاہنواز آیا تھا میرے پاس۔ بہت خفا تھا شبیر سے۔ وجہ کیا ہے؟"

"مجھے کیا خبر.....؟"

"نیک بخت! پندرہ سال ملک سے باہر رہنے پر تمہیں اپنے بھائی سے اس قدر انجان بھی نہیں ہونا چاہیے..... شبیر اس کا بیٹا ہے..... پورے سولہ سال سے وہ اس سے جدا ہے اور جب ملا ہے تو باپ بیٹے میں ناراضی پیدا ہو گئی ہے۔"

"یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے..... جب وہ اپنا سمجھتے تو شبیر کو میرے حوالے نہ کر جاتے۔ انہوں نے تو اس اسکول کا پتا دینا بھی مناسب نہ سمجھا جہاں اسے داخل کر گئے۔ اس دن مل گئی تھی۔ مجھ سے بھی کہہ رہے تھے..... شبیر نے مل مزدوروں کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہے..... کوئی بیٹا ایسا نہیں کر سکتا۔ میں کہاں جا رہی تھی..... آپ تو اس سے سدا خفا ہی رہے۔ جب وہ چار سال کا بچہ تھا تب اس نے کیا خطا کی تھی..... عاصم میں ان سے مل لیتی ہوں کہ وہ میرے ماں جائے ہیں لیکن اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ امارت اور غربت میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔"

"ارے ہم ان سے کوئی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اللہ کا فضل ہے۔ خدا کا دیا بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔ ان کی طرح ناجائز آمدنی سے بنی ملیں نہیں ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے۔ اور میں سمجھ رہا ہوں۔ جوان خون کے خیالات میں کتنی جلا ہے..... یہ لوگ ملک میں امن و امان' مساوات اور رواداری دیکھنا چاہتے ہیں۔ شبیر نے کچھ اور نہیں کہا ہوگا..... بس مزدوروں کو ان کے حقوق کا احساس دلایا ہوگا۔ تمہیں خبر ہے مزدوری کتنی مشقت کا کام ہے اور معاوضے بہت کم ہیں اور یہ شاہنواز نے تو اپنے علاقے کے غریب لوگوں کو بھرتی کر رکھا ہے۔ مرضی کی تنخواہ دیتا ہے۔ دیر سویر پر احتجاج کا حق بھی نہیں ہے ان کے پاس۔ اسی لیے تو اس نے مل اپنے علاقے میں لگائی ہے۔"

"میں کسی دن بات کروں گی شاہنواز بھائی سے۔"

"کیا بات کرو گی تم..... اور کیا جواب دیں گے وہ۔ ارے ان کے منہ میں تو تمہاری بھابی کی زبان ہے۔ یہ سارا کیا دھرا اسی کا تو ہے۔ شاہنواز کو پل میں اپنا اسیر کر لیا۔ شادی کی اور بچہ جدا کرا دیا پڑھائی کے بہانے۔"

"نہیں عاصم! مرد کی آنکھیں کھلی ہوں تو عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ مرد اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے عورت کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے سارے جرم۔"

"نہ ہر عورت صفیہ ہوتی ہے صفیہ! اور نہ ہر مرد عاصم حسنین۔"

"ہاں یہ بات بھی ہے...... آپ نے زندگی اصولوں کے تحت گزاری ہے۔ میں آپ کی معاون بنی رہی۔ کم از کم میں کسی ایسے حادثے سے دوچار ہوتی تو یہ ظلم کبھی نہ کر سکتی...... ایک بیٹے کو باپ سے جدا کرنے کا ظلم۔"

"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے...... ویسے اب وہ کہاں ہے...... میرا مطلب ہے فراغت کے ان دنوں میں۔"

"بھابھی نے اوپر کی منزل میں ایک کمرہ دے رکھا ہے۔ مہمانوں کی صورت آئے تو وہیں رہتا ہے۔ ویسے آج کل وہ زمینوں پر ہے۔ ہفتے عشرے میں یہاں آ جاتا ہے۔ بتا رہا تھا...... یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہی وہ یہاں سے چلا جائے گا...... آہ! بچے کی زندگی بھی کیا ہے۔ پھر وہی ہوسٹل اور بدمزہ کھانے...... جی چاہا آج اسے روک لوں۔ پھر رک گئی...... نہ جانے آپ کیا خیال کرتے۔"

"کیا خیال کرتے...... روک لیتیں...... میں تو کبھی کچھ بھی خیال نہیں کروں گا...... البتہ ایک بات ہے...... شبیر کی گستاخیوں کا موجب سعیدہ بھابھی پل میں ہمیں ٹھہرا دیں گی...... کہ یہ آداب پھپھو بیگم سکھا رہی ہیں۔"

"اور یہ بھی ایک رنج...... نہ تین میں نہ تیرہ میں...... اور الزام مجھ پر۔ میں جانتی ہوں عاصم...... بھابھی نے بچے کو پھوپھی کے گھر کا راستہ اسی لیے نہیں دکھایا کہ پھوپھی اس کے دل میں باپ کی محبت اور اپنے حق کا احساس نہ جگا دے۔ ہائے ہائے میرا بچہ...... سنا تھا اس کے نانا بہت بڑے رئیس تھے۔ انتقال کر گئے۔"

"نانا نہیں۔ نانا کے بھائی رئیس تھے...... نانا تو پروفیسر تھے۔ جن کی بیٹی شاہنواز کی کلاس فیلو تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے اور شادی ہو گئی...... تمہیں یاد نہیں۔ اس شادی پر خود تم نے جو واویلا مچایا تھا۔ بھائی کے سر پر سہرا دیکھنے کی حسرت دل میں رہ گئی تھی تمہارے۔"

"وہ تو قدرتی بات تھی...... اور آپ جانیے...... اس وقت پسند کی شادی سب کی نظر میں بہت بڑا جرم تھی۔ مگر جب میں نے شبیر کی ماں کو دیکھا تو ان کی دیوانی ہو گئی۔"

"ہاں ہاں تبھی تو پھوپھا میاں نے ظلم کی انتہا کر دی اس پر...... شاہنواز کو زمینوں کی دیکھ بھال سونپ دی اور اسے گھر میں قید کر دیا۔"

"میں اپنی بات کر رہی ہوں ابا کی نہیں۔" صفیہ جھلا گئیں۔

"صفیہ! تمہارا خاندان ظلم کرنے میں شروع سے طاق ہے۔ کہتے ہیں بھوک پیاس تو بندے کو مارتی ہو گی۔ لیکن طعن و تشنیع پل سے پہلے ختم کر سکتے ہیں۔ وہ بے چاری بھی مر گئی۔ بچے کی پیدائش کے چند گھنٹے بعد اور اس کے مرنے کی خبر نے اس کے والد کو بھی ختم کر دیا۔ شبیر چار سال تک سعیدہ خانم کے گھر میں اچھوتوں جیسی زندگی بسر کرتا رہا اور جب شاہنواز صاحب بزنس مین بن کر ملکوں ملکوں کی رہائش رکھنے اپنی فیملی کو لے کر چلے تو شبیر فالتو شے کی طرح گھر سے دور ڈال دیا گیا۔"

"چلیے وہ دن تو گزر ہی گئے۔ اب تو وہ خیر سے بی۔ اے کر چکا ہے...... اٹھارہ بیس سال نوجوان ہے...... مزید تعلیم حاصل کرے گا۔ ترقی کرے گا...... دکھ کے دن تو گزر ہی گئے۔"

"آج میں نے شبیر کو دیکھا تو بہت کچھ مجھے یاد آ گیا...... یاد ہے تمہیں۔ ان دنوں تمہارے گھر میں میرے داخلے پر پابندیاں لگا دی گئی تھیں...... میں چوری چھپے صرف تمہیں ایک نظر دیکھنے آ جایا کرتا تھا...... وہ مرحومہ ہی تھیں۔ جو میرے ساتھ ہمدردی رکھتی تھیں اور تمہیں ایک نظر دیکھ لینے کا سامان فراہم کر دیا کرتی تھیں۔ انہیں تو تمہارے گھر میں پیٹ بھر کر روٹی کھانا بھی نصیب نہیں تھا شاید کوئی چیز میں ان کی پسند کی لے آتا اور چپکے سے

نہیں دے آتا۔ اس ناتے شبیر سے دلی وابستگی ایک پل میں محسوس ہونے لگی۔ صفیہ! بعض لوگ ہرگز بھول جانے کے لائق نہیں ہوتے...... شبیر کی والدہ بھی تمہارے خاندان کا ایک اہم باب ہیں۔"

گوہر ایک ایک بات غور سے سن رہی تھی...... اسے ان باتوں کی اس سے پہلے خبر نہ تھی۔ وہ شبیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے تو شاہنواز ماموں کے بارے میں بھی اس سے زیادہ خبر نہ تھی کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے اور اب لوٹ کے آئے ہیں۔ شبیر کا ذکر تو اس دن سے گھر میں شروع ہوا جب اماں اور جوہرآپا ایک پارٹی میں شرکت کرنے ان کے گھر گئیں۔ گوہر امتحانوں میں مصروف تھی اس لیے نہ جا سکی۔ واپسی پر اماں اس کا کلمہ پڑھنے لگی تھیں...... وہ شکل و صورت، عادات و اطوار سے اس لائق تو نہ لگ رہا تھا کہ ماموں اس سے پیار نہ کریں۔

تو اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سعیدہ ممانی کا سگا بیٹا نہ تھا۔ گوہر کو خوف سا آ گیا۔ پھر وہ ایک دم لاپروا سی ہو گئی۔

"خیر مجھے کیا...... یہ لوگوں کا مسئلہ ہے۔ میرا مسئلہ تو صرف مزید تعلیمی پروگرام ہے۔ ان جوہرآپا کو بھی ان ہی دنوں چچا کے ہاں جانا تھا۔ وہ ہوتیں تو مجھے تنہا نہ سوچنا پڑتا۔"

اس نے آنکھیں موند لیں اور دنیا سے بے خبر ہونے میں کوشاں ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

جوہرآپا ایک ہفتے بعد لوٹ آئیں۔ آتے ہی اسے گلے لگا کر پیار کرنے لگیں۔

"یہ کامیابی مبارک ہو گوہر جان۔"

"آپ کو بھی۔"

"انٹرویو پڑھا تھا تیرا...... مارے فخر کے میری گردن اکڑ گئی۔ کاظم چچا بھی حیران و ششدر تھے۔ ان کی اولاد میں رضا بھائی ہی ہیں تھوڑے بہت لائق...... ورنہ سب ایویں ہی ہیں۔ ارے تصویر کیوں نہ دی تو نے...... لوگ قابلیت کے ساتھ ساتھ تیرے حسن بے مثال سے بھی مرعوب ہو جاتے......" جوہرآپا کو رنگینیاں آزاد فضائیں اور تفریح بے پناہ عزیز تھے۔

"ارے جوہرآپا...... تصویر کی بات کرتی ہیں مثال کچھ یوں ہے نا۔ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ!"

"کیا مطلب......؟"

"بھئی تین میرے رزلٹ کے دن وہ آن پہنچے...... اور معاملہ ایک کریلا اور دوسرا نیم چڑھا والا ہو گیا۔"

اسی وقت شبیر چلا آیا۔ "کیسے ہو؟" جوہرآپا نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں آپ سنائیے۔"

"ٹھیک ہوں جبھی تو چلا آیا۔"

"کیا کر رہے ہو آج کل۔"

"کچھ بھی نہیں۔ آشیانہ میں ہوں۔ کچھ دن چین و سکون سے گزارنا چاہتا ہوں۔"

"آشیانہ...... کس چڑیا کا...... کوے کا...... کس کا؟"

"ارے نہیں میرے پاپا کا آشیانہ۔ زمینوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ ٹریکٹر خود چلاتا ہوں۔ ٹیوب ویل خود چلاتا ہوں۔ کپاس کی چنوائی میرے ذمے ہے اور...... وہیں کے مڈل اسکول میں بچوں میں علم کی روشنی پھیلانے

میں اساتذہ کی مدد کر رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اتنے دولت مند باپ کے بیٹے ہو یہ سب نہ بھی کرو تو بھی زندگی گزارنا کچھ مشکل نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔" وہ مسکرا دیا۔

"آپ کیا کرتی ہیں؟"

"کیا کرنا ہے بھئی۔ گھر بیٹھ کر اچھے رشتے کے انتظار کے سوا..... البتہ یہ گوہر بہت کچھ کر رہی ہے۔ اور کرنا چاہتی ہے۔"

"ہاں ہم بھی قائل ہیں ان کی قابلیت کے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ہم نے ان کا رزلٹ۔"

"اور سنا ہے جیلس ہو کر تصویر نہ دینے کے فیصلے پر بابا کی تائید بھی کی تھی۔"

"ارے....." شبیر حیران ہو گیا۔

"یہ خبر اتنے غلط انداز میں کس نے دی آپ کو۔ ہر اچھی بات کی حمایت کرنا فرض خیال کرتا ہوں میں۔ پھوپھا جان اپنی ان ہی خوبیوں کے سبب پہلے دن ہی میرے دل میں اتر گئے۔"

"آپ کو خوشی ہوئی نا کہ انہوں نے میری ایک معصوم خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔" گوہر بول پڑی۔

"معصوم خواہش۔ اسے ایک نادانی کہیے..... ناجائز آرزو کہیے..... آپ کی تصویر کا اخبار میں کیا کام....."

"وہی جو آپ کی تصویر کا تھا۔ ایک نمایاں کامیابی پر داد پانا میرا حق تھا۔ آپ ٹی وی تک جا سکتے تھے۔ میں ایک تصویر بھی نہیں دے سکتی۔"

"میں ایک لڑکا ہوں آئی مین ایک مرد۔"

"اور میں ایک لڑکی ہوں آئی مین ایک عورت۔"

"آف کورس۔"

"جسے دبا کر رکھنا آپ جیسے مردوں کی فطرت۔"

"اور اس لیے کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے۔"

"تو کہہ دیجیے بابا جان سے بند کر دیں وہ مجھے اس چار دیواری میں چھپا دیں دنیا کی نظر سے۔"

"لاحول ولا ایسا کیوں کروں۔ آپ خیر سے ایک خواتین کالج میں علم پا رہی ہیں۔ مستقبل کی بہترین عورت بننے جا رہی ہیں۔ میں تو صرف تصویر کا مخالف تھا۔ تعلیم کا نہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ پھوپھا جان میرے خیالات سے میل کھاتے ہیں۔ آپ ان کی بیٹی ہیں۔ ان سے مختلف نہیں ہوں گی...... اور یہ بات جو آج آپ کو ذرا بری لگ رہی ہے۔ شاید کچھ دنوں بعد بری نہ لگے۔"

"آپ کو کیسے یقین ہے۔"

"دلوں کی خبر تھوڑی بہت رکھتا ہی ہوں۔"

"یعنی۔"

"یعنی لوگوں کو اندر تک جان لینے کا دعویٰ ہے مجھے۔"

"واہ آپ کو میرے دل کی کیا خبر آپ کو کیا پتا کہ میں....."

"یہی تو ایک نرالی بات ہے مجھ میں..... دلوں کے معاملے میں خاصا تیز ہوں۔ پل میں جان جاتا ہوں کہ کوئی

کیا..... چاہتا ہے۔"

جوہر دلچسپی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔

"تم نے سچ ہی کہا شبیر..... گوہر کے بارے میں۔" گوہر نے بہن کو گھورا وہ ہنستی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلیں تو وہ بھی ان کے پیچھے لپکی۔

"آپ بہت بے وفا ہیں جوہر آپا..... نئے لوگوں میں گھل کر پرانے لوگوں کی دوستی بھول جاتی ہیں۔"

"اس میں جھوٹ لگنے والی کون سی بات ہے گوہر..... تمہارے خیالات کون سے بابا جان سے کم ہیں۔ تصویر دینے سے تو تمہیں خود بھی انکار ہوتا اگر شبیر بے چارے کا اس معاملے میں دخل نہ ہوتا۔"

"وہ کیسے.....؟"

"ہاں تمہیں مخالفت برائے مخالفت میں دلائل دینا بہ خوبی آتا ہے نا۔ بحث و مباحثہ تمہاری گھٹی میں جو پڑا ہے۔" جوہر آپا نے اسے حقیقت کا چہرہ دکھایا۔ تو وہ تھوڑی سی جل بھن گئی۔ پھر جوہر آپا چائے لے کر دالان میں چلیں تو وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

یہ کسی بہت بڑے دولت مند گھرانے کا ذکر نہ تھا۔ ایک قناعت پسند..... شکر گزار سے بندے کا چھوٹا سا کنبہ تھا۔ جس میں ماں باپ کے علاوہ تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ عاصم حسنین عسکری..... ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد غلام حسنین عسکری کی وفات پر دو بہنوں ایک بھائی اور بوڑھی والدہ کا بوجھ ان کے کندھوں پر آ پڑا تھا۔ عاصم گھر کے بڑے بیٹے تھے۔ والد کی محدود آمدنی میں ان کی اعلیٰ تعلیم محض ایک خواب بن جاتی اگر ان کے پھوپھا (جو کہ برطانوی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے تھے اور برطانوی حکمرانوں کی مہربانی سے ریٹائر ہونے کے بعد ایک طویل و عریض زرعی رقبے کے مالک تھے) ان کے سر پر اپنا دست شفقت نہ رکھتے۔ عاصم ایک خوبرو..... ذہین اور لائق نوجوان تھے..... شادی کی کسی تقریب میں سر عبداللہ یعنی ان کے پھوپھا مدعو تھے..... وہیں انہوں نے پہلی بار اپنے سالے کے جواں سال بیٹے کو دیکھا اور دل و جان سے ان کے معترف ہو گئے۔ ایک دم ہی انہیں اپنی فرزندی میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ تقریب میں بہانوں سے بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ایک طرح سے عاصم کے خیالات جان لیے..... یعنی ان کا انٹرویو کر لیا۔ اب یہ تو تقدیر کا ہی فیصلہ تھا..... کہ عاصم اور صفیہ کو جو بچپن سے ہی ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ اپنے خواب کو تعبیر دینے کے لیے کوئی جدوجہد کرنا پڑی نہ سماج سے کوئی جنگ لڑنا پڑی۔ کسی کو کانوں کان اس محبت کی خبر بھی نہ ہوئی اور دونوں کی منگنی کر دی گئی۔ سر عبداللہ نے عاصم کی تعلیم کے اخراجات کا بوجھ از خود اپنے ذمہ لے لیا۔ شادی ان کی تعلیم مکمل ہونے پر ٹھہرائی گئی۔

لیکن خدا کا فیصلہ ان فیصلوں سے ہٹ کر تھا۔ ابھی وہ بی۔ اے بھی نہ کر پائے تھے کہ ان کے والد غلام حسنین ایک حادثے میں اچانک وفات پا گئے..... عاصم یونیورسٹی چھوڑ کر آئے تو پھر جا نہ سکے۔ ان کے لیے یہ بات بھی ناقابل برداشت تھی کہ سر عبداللہ ان کے تعلیمی اخراجات اٹھا رہے تھے۔ لیکن یہ پیشکش تو انتہائی طور پر ناقابل قبول تھی کہ وہ ان کے گھریلو اخراجات کا بار اپنے سر لے لیں۔

گھر کو ایک سائبان کی ضرورت تھی کہ ان کے نہ ہونے سے والد کا کاروبار ایک لحظہ نہیں چل سکتا تھا۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے پڑھائی کو خیرباد کہہ کے شہر کے وسط میں موجود کپڑے کی دکان سنبھال لی۔ اس اقدام سے سر

عبداللہ بے حد خفا ہوئے۔ اس لڑکے سے اپنی بیٹی کی منگنی انہوں نے اس کے روشن مستقبل کو دیکھ کر کردی تھی ..... یہ بات ان کی شان کے خلاف تھی کہ وہ ایک معمولی سا بزاز بن جائے ... کہ سر عبداللہ جاگیردار بن جانے پر انسانوں کو رتبوں، عہدوں اور جائدادوں سے تول کر مقام دینے کے عادی ہوگئے تھے۔ عاصم ان کا نہیں ان کی بیوی کا بھتیجا تھا اور پھر اس نے تعاون کی ہر پیشکش ایک نہیں سے ٹھکرادی تھی۔ عاصم کے گھر کا نظام اسی طرح چلنے لگا۔ کاظم چھوٹا بھائی تھا۔ عاصم نے بھائی کو اپنا آپ سمجھ کر اپنے خوابوں کی تکمیل اس کے سپرد کردی۔ اور ایف۔ ایس۔ سی کے بعد اسے ملک کے بہت بڑے میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے بھجوا دیا۔ بہنیں عاصم سے بڑی تھیں...... ماں پر دو بیٹیاں بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ یہ بوجھ عاصم کی مدد سے ہی ہلکا ہوا اور ان دونوں کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر دے دلا کر رخصت کردیا گیا...... ان کی رخصتی کے بعد گھر خالی ہوگیا ...... عاصم کی والدہ اس گھر کو سنبھالنے کی اہل نہ تھیں۔ گھر کو ایک سلیقہ مند جواں ہمت عورت کے ہاتھوں کی ضرورت تھی۔ سو سب کی نظریں عاصم پر ٹھہر گئیں۔ اور پھر اگلے برس جو عاصم کی والدہ فالج کا شکار ہوکر بستر پر گرگئیں تو عاصم کی شادی اور بھی ضروری ہوگئی۔ خاندان کے بزرگوں نے سر عبداللہ کے ہاں جا قیام کیا...... یہ عرضداشت لے کر کہ عاصم کو ہر لحاظ سے شادی کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ سر عبداللہ کے لیے بڑی مشکل گھڑی تھی اور جو ہو سو ہو...... وہ بات کے پکے اور قول کے سچے ضرور تھے۔ منگنی اپنی خوشی سے کی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق شادی کردینے پر مجبور تھے۔ لیکن ان کی ایک شرط تھی کہ شادی کے بعد عاصم ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہائش رکھیں گے۔

یہ شرط بے حد مشکل بلکہ کٹھن تھی اور ناقابل قبول بھی۔ عاصم کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ معذور ماں اور زیر تعلیم بھائی کو تنہا چھوڑ کر محض بیوی کی خاطر اس کے گھر میں جا آباد ہوتے۔ ان کی شادی تو ان کے اپنے گھر کی آبادی کے لیے ضروری تھی۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ بھی اس گھر کو چھوڑ جائیں۔ وہ تو بوڑھی ماں کو یہ بتا بھی نہ سکے۔ پھوپھی کو ان سے بے حد لگاؤ تھا اور پھر اکلوتے بھائی کے مرجانے پر تو یہ وابستگی اور بھی بڑھ گئی۔ حالات کی اس کشمکش پر صفیہ کا گھبرانا فطری امر تھا۔ اس کی پریشانی ماں سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ کوئی ترکیب سوچنے میں مگن رہیں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے انہوں نے ایک روز بھاوج کی مزاج پرسی کے بہانے گھر آکر عاصم کو اس بات کے لیے تیار کرلیا کہ وہ سر عبداللہ کی بات مان لے۔ شادی کے بعد لوگوں کی نہیں میاں بیوی کی مرضی چلتی ہے۔ دو چار دن میں ہی بیوی کو لے کر گھر آجائے سر عبداللہ خود ہی بے بس ہوکر خاموش ہوجائیں گے۔

جس دن عاصم نے سر عبداللہ کی شرط مان لینے کا پیغام بھجوایا اپنی فتح پر وہ پھولے نہ سمائے۔ اور شادی کی تاریخ دے دی۔ شادی میں پورے خاندان نے شرکت کی۔ ہر ایک نے اسے سر عبداللہ کی غریب دوستی اور اقربا پروری...... خیال کیا۔ صفیہ بیاہ کر اس کچے آنگن والے گھر میں لائی گئیں۔ اور شرط کے مطابق رسم و رواج کے ایک سلسلے کے ختم ہوتے ہی دوبارہ اپنے میکے جا بسیں۔ آخر شادی کی شرط جو یہی تھی۔ سر عبداللہ اب بھی عاصم سے بہت خوش تھے۔ ان کا خیال تھا وہ کاروبار کو خیر باد کہہ کر تعلیم کے سلسلے میں بیرون ملک تک جاسکتے ہیں۔ ان کی والدہ اور بھائی کا خرچ سر عبداللہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ بلکہ وہ چاہیں تو ان کی والدہ بھی اسی گھر میں منتقل ہوجائیں۔ لیکن عاصم کی غیور طبیعت کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا۔ وہ ضعیف ماں کو اکیلا چھوڑ کر کہیں بھی جانے کو تیار نہ تھے۔ شادی کے چند دن جیسے تیسے گزر گئے عاصم نے صفیہ اور پھوپھو سے بات کی۔ پھوپھو کو اپنا وعدہ یاد تھا۔ انہوں نے بیٹی میں اتنا حوصلہ پیدا کیا کہ انہوں نے باپ کے سامنے کہہ دیا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے گھر جاکر رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ باپ غصے میں آگئے۔ خفگی کے اسی عالم میں انہیں چلے جانے کا کہہ دیا۔ صفیہ تین کپڑوں اور جسم

پر موجود دو چار ہلکے پھلکے زیوروں میں میاں کے ساتھ چلی آئیں۔ اور ان کے کچھ غیر آسودہ گھر میں بڑی آسودگی کے ساتھ رہنے لگیں۔ یکے بعد دیگرے شہریار اور جوہر پیدا ہوئے۔ پھر اسرار نے آنکھ کھولی۔ والد نے انہیں نہ گھر آنے دیا نہ کسی کو ان سے ملنے کی اجازت دی۔ دونوں بھائی شاہنواز اور دلنواز بھی باپ کے حامی تھے۔ ایک دن بھی بھول کر بھی بہن کو یاد نہ کیا۔

صفیہ کو عاصم کی رفاقت میں ایک بہترین ساتھی نظر آیا۔ مزاج مل گئے۔ دل مل گئے۔ محبت کے جذبے نے ایثار و قربانی کا جذبہ بھی پیدا کردیا۔ عشرت کدے میں آنکھ کھولنے والی صفیہ اس ماحول میں جانے کیسے رچ بس گئیں۔ معذور ساس کی تہہ دل و جان سے خدمت کی۔ وہ بے چاری پلنگ پہ بیٹھے بیٹھے کئی کام نپٹا دیتیں۔ بچوں کو سنبھالے رکھتیں۔ بڑے گھر کی بیٹی کے آگے بڑی شرمندہ شرمندہ رہتی تھیں۔ جسے اس گھر میں آکر ایک پل کو سکون نہ ملا تھا۔ انہیں خبر نہ تھی صفیہ کی دن بھر کی تھکن شوہر کے ایک پیار بھرے جملے سے پل بھر میں اتر جاتی تھی۔ عاصم بہت اچھے انسان تھے۔ ان کی ایمانداری پوری مارکیٹ میں اپنی مثال آپ تھی۔ ان کے اخلاق کے سب معترف تھے۔ لیکن سر عبداللہ کی نظر میں وہ ان کے بہت بڑے مجرم تھے۔ جنہوں نے ان کی بیٹی دھوکے سے ہتھیا لی تھی۔

گزرتے وقت نے بہت سی تبدیلیاں پیدا کردیں۔ شاہنواز اور دلنواز کے غیر ملک چلے جانے پر سر عبداللہ تنہائی کا شکار ہوگئے۔ ان لمحوں میں ان کو بیٹی کی یاد نے خوب ستایا۔ لیکن انا دیوار بن کر محبت کے درمیان حائل رہی۔

ادھر عاصم کی والدہ ایک طویل علالت کے بعد وفات پاگئیں اور کچھ دنوں بعد بجلی کے تار ٹکرانے سے بازار میں آگ لگ گئی اور عاصم کی بھری پری دکان آتش زدگی کا شکار ہوگئی۔ کچھ بھی باقی نہ بچا۔ وہ دن ایک قیامت کا دن ہی تھا۔ عمر بھر کی پونجی لٹ گئی تھی۔ صفیہ تو سنتے ہی ہوش کھو بیٹھیں۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ ہی نہ رہا لاکھوں روپے کا نقصان ہوا تھا۔ حکومت کس کس کی اشک شوئی کرتی۔ خبر اخبار کی زینت بھی بنی تھی۔ سر عبداللہ تک بھی پہنچی وہ تڑپ اٹھے۔ اسی وقت بیٹی کے گھر جا پہنچے۔ جہاں صفیہ بیمار پڑی تھیں اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمسایوں کے رحم و کرم پر تھے۔ عاصم کی خبر نہ تھی۔ ان کا دل جل اٹھا۔ خفتگی کے اسی عالم میں بیٹی کو اور اس کے بچوں کو جیپ میں بھر کر گھر آگئے۔ عاصم گھر لوٹا تو کوئی گھر پہ نہ تھا۔ صرف ایک پیغام تھا کہ آج سے ان کا بیوی بچوں سے کوئی تعلق نہیں۔ رہنا چاہیں تو وہیں آجائیں۔ صدمے پر صدمے اٹھائے عاصم کے لیے یہ ایک زبردست شاک تھا۔ اس وقت انہیں ہمدردی، تسلی و تشفی کی ضرورت تھی۔ نہ کہ ان باتوں کی وہ اپنے گھر کے ایک کونے میں منہ سر لپیٹے پڑے رہے۔ دنوں مایوسی اور افسردگی کا شکار رہے۔ پھر انہیں کاظم کا خیال آیا۔ جسے وہ ہر ماہ پانچ سو روپے باقاعدگی سے بھیجا کرتے تھے۔ اکاؤنٹ میں موجود تھوڑی بہت رقم میں سے پانچ سو روپے کاظم کو بھجوانے کے بعد انہیں پھر سے کاروبار کا سوچنا پڑا۔

وہ اپنے آبائی دیہات کی طرف نکل گئے۔ جہاں ان کی بارہ ایکڑ غیر آباد زمین پڑی تھی۔ ایک بزرگ رشتہ دار کے مشورے سے انہوں نے کپاس کی خریداری شروع کردی۔ سیزن کے اختتام پر سب کو دے دلا کر ان کے پاس بیس ہزار، تیس ہزار روپے میں بدل چکے تھے۔ یہ خوش آئند قدم حوصلہ دے گیا۔ ایک شام بچوں کے لیے کچھ تحائف کے ساتھ وہ سسرال گئے۔ لیکن سر عبداللہ کے ملازموں نے انہیں اندر داخل نہ ہونے دیا۔ دل گرفتہ سے وہ واپس چلے آئے۔ پتہ سے تنہا گھر میں بیوی بچوں کی یاد نے ستایا تو وہ بچوں کی طرح بلک اٹھے۔ ان ہی دنوں شاہنواز تعلیم مکمل کرکے وطن واپس آگئے۔ سر عبداللہ کے لیے یہ دوسری شکست تھی۔ شاہنواز واپسی پر ایک

عدد بیوی ساتھ لائے تھے۔ اس کی خبر تو بہت پہلے گھر پہنچ چکی تھی۔ ایئرپورٹ پر شاہنواز کے ساتھ ایک خوبرو لڑکی کو بیوی کے روپ میں دیکھ کر وہ اسے سوائے گھر لانے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ لیکن وہ صرف گھر میں آئی۔ دل تک رسائی نہ پا سکی۔ شاہنواز کے اس اقدام نے سب کا دل توڑ دیا۔ وہ گھر کے بڑے بیٹے تھے۔ کیا کیا ارمان ان سے وابستہ نہ تھے۔ سب آرزوؤں کی خاک اڑ گئی۔ اور بہو چپ چپاتے گھر میں اتر آئی۔ سب اس معصوم لڑکی کو چالاک اور مکار خیال کر رہے تھے۔ جس نے شاہنواز کو حسن کے جال میں پھانس لیا تھا۔ انہیں کیا خبر ہوتی کہ اسیر تو وہ ہو گئی تھی۔ شاہنواز کے جذبوں کی۔ محبت کی..........ان کے خوب صورت الفاظ کی کہ جب شاہنواز نے اس کے والد کے سامنے دامن سوال پھیلایا اور انہوں نے بیٹی کی رائے معلوم کی تو وہ انکار نہ کر سکی۔

محبت بہت سے خواب دکھاتی ہے اس نے بھی خوابوں کو سچ سمجھ لیا اور شاہنواز کے سنگ پاکستان چلی آئی۔ لیکن یہاں آ کر..........محبت کے معصوم خواب خواب ہی رہے۔ صفیہ کے ساتھ ساتھ وہ نومسلم لڑکی کنیز فاطمہ بھی قید کر دی گئی۔ سر عبداللہ نے جو انگریزوں کے بڑے مداح تھے۔ ایک انگریز لڑکی کو بہو کے طور پر قبول نہ کیا۔ انہوں نے شاہنواز کو کاروبار زندگی میں الجھا دیا۔ کنیز فاطمہ سے دور کر دیا۔ پھر ایک دن ان کی شادی بڑی دھوم دھام سے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سعیدہ سے کر دی۔ کنیز کی کوکھ میں بچہ پرورش پا رہا تھا۔ ایک کمرے کے زنداں میں قید حیات کے لمحے اس پر بوجھل ہوتے چلے گئے۔ شروع میں تو سب کے ساتھ صفیہ نے بھی بھابی کو نظر انداز کیے رکھا۔ لیکن ایک احساس نے انہیں کنیز فاطمہ کے قریب کر دیا۔ وہ تھا عاصم سے دوری کا احساس......ایک عورت نے دوسری عورت کو اپنے درد کی نسبت سے پہچانا تھا۔ صفیہ کو خبر تھی۔ عاصم کی چاہت میں انہوں نے غربت و امارت کے فرق کو بھلا دیا تھا۔ سارے دکھ ہنس کے برداشت کیے تھے۔ کنیز فاطمہ نے تو بہت کچھ چھوڑا تھا۔ اپنا وطن، گھر بار، والدین، مذہب، یہاں اس کی تنہا ذات سر عبداللہ کے زیر عتاب تھی۔ شاہنواز نے پلٹ کر ایک بار بھی خیریت تک نہ پوچھی۔ یا انہیں مہلت ہی نہ دی گئی۔ پورے اہل خاندان نے جوش و خروش سے اس خاندانی شادی میں حصہ لیا اور کنیز فاطمہ ایک خاموش قیدی کی طرح اپنے کمرے میں بند رہیں اور اسی دن پہلی بار صفیہ کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس دن......عاصم رات کے لمحات میں دیوار پھاند کر صفیہ اور بچوں سے ملنے اور دیکھنے چلے آئے۔ یہیں انہوں نے پہلی بار کنیز فاطمہ کو دیکھا دونوں کا تعارف ہوا۔ وہی کسی نہ کسی طرح انہیں صفیہ کے کمرے تک چھوڑ آئیں۔ بھاوج کا یہ احسان صفیہ کے دل میں گھر کر گیا۔ عاصم کو یہ مخلص سی لڑکی بہت اچھی لگی۔ خیر شستہ اردو میں بات کرتی آنکھیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھتی وہ انہیں معصوم نظر آ رہی تھی۔ عاصم کو اس کی مظلومیت کے آگے اپنا دکھ بہت چھوٹا لگا۔ اب وہ اکثر اسی ذریعے صفیہ سے ملنے آنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں خوابیدہ بچوں کو جی بھر کے دیکھتے صفیہ سے اپنا دکھ سکھ کہتے اور چلے جاتے۔

صفیہ کی خاطر انہوں نے اپنا آبائی گھر بیچ دیا۔ ایک دوسرے شہر میں ایک مکان خرید لیا۔ کاروبار بھی منتقل کیا اور ایک اندھیری شب کنیز فاطمہ کی مدد سے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد انہیں عبداللہ ہاؤس کی مدتوں خبر نہ رہی۔ ہاں کئی بار وہ صرف کنیز فاطمہ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے وہاں پہنچے لیکن اس تک نہ جا سکے۔ ایک مدت گزر گئی ان کے گھر پر دولت کا ہن تو نہ برسا......لیکن ایک بندھی معقول آمدنی ضرور ان کا مقدر بن گئی۔ اس عرصے میں بختیار اور گوہر بھی ان کے گلشن کی رونق بڑھانے آ موجود ہوئے۔

اور جب طویل سالوں بعد سر عبداللہ کی موت کی خبر سن کر صفیہ تڑپ کر اپنے میکے جانے کو تیار ہو گئیں تو وہاں شاہنواز کی بیوی بچوں کے سوا کسی کو نہ پایا۔ شاہنواز سی۔ ایس۔ پی افسر تھے۔ باپ کی موت کے تار پر گھر آئے تھے۔

یہیں آ کر صفیہ اور عاصم کو خبر ہوئی تھی کہ کنیز فاطمہ ایک بچے کو جنم دے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں اور بچہ ان دنوں کسی نرسری ہوم میں پرورش پا رہا تھا۔ چار پانچ سال بچہ شبیر...... کسی نے صفیہ کو اس نرسری ہوم کا پتا نہ بتایا نہ ہی کسی کو خبر تھی۔ نہ ضرورت۔ شاہنواز ایک ماہ قبل ہی بیرون ملک جا بسے تھے۔ ان کی بیوی سعیدہ ان کے ساتھ تھیں اور دو بچے ظہیر اور منیر بھی۔

اور اب اتنے سالوں بعد وہ لوٹے تو بہن بھائیوں کو یاد کیا۔ سوئے اتفاق کہ شاہنواز نے رہنے کو رحیم آباد کا ہی انتخاب کیا جو کہ عاصم کا شہر تھا۔ یوں ایک مدت بعد پرانے زخم مندمل ہو جانے پر بہن بھائیوں میں تجدید ملاقات ہوئی اور صفیہ بیگم کو وہ بھتیجا بھی نظر آ گیا۔ جس کی ساری عمر گھر سے باپ سے۔ خاندان سے دور ہوسٹلوں میں گزر گئی تھی۔

شبیر کو بھی یہ گھر تھوڑا تھوڑا پسند آ گیا تھا۔ اس نے زندگی میں دیکھا ہی کیا تھا۔ اس کے دن رات اسکول، کالج اور ہوسٹل کی پابندیوں میں بسر ہو گئے تھے۔ اسے پیار کا ایک کلمہ بھی یاد نہ تھا۔ جو کسی اپنے نے اس کی نذر کیا ہوتا......کبھی کبھار غیر ممالک کی مہروں سے آراستہ ایک خط اسے مل جاتا۔ جس میں اس کو صرف اس بات کی اطلاع دی جاتی کہ اس کے سالانہ اخراجات کا ڈرافٹ اس کے اسکول یا کالج کے پرنسپل کے نام بھجوا دیا گیا ہے۔ سعیدہ بیگم نے شبیر کو باپ سے دور رکھنے کو ایک خوب صورت خوش جواز سے مدد لی کہ وہ سوتیلی ماں ہے۔ جتنا بھی پیار محبت سے رکھے گی۔ کبھی کوئی اسے نہیں سراہے گا۔ ہر ایک کی زبان پر یہی ہو گا کہ بے چارہ سوتیلی ماں کے زیر عتاب رہا۔ اس قربت سے دوری اچھی ہے۔

شاہنواز تو پوری طرح سعیدہ بیگم کی مٹھی میں تھے۔ اس فیصلے سے اختلاف نہ کر سکے۔ ان کے دل میں شبیر کی محبت کے پودے نے کبھی سر اٹھایا ہی نہیں اور فاصلے بڑھتے گئے۔ اب شاہنواز کی وطن واپسی پر وہی رسم دنیا داری نبھانے کو شبیر کو بھی بلایا گیا گھر میں رہنے کو......سعیدہ بیگم نے الفاظ کی محبت کا سہارا بھی دیا۔ لیکن جذبوں میں موجود بے نیازی کب الفاظ کو پر اثر بننے دیتی۔ فاصلہ فاصلہ ہی رہا۔ چند ماہ میں باپ اور بیٹے کے درمیان موجود بیگانگی اور بے نیازی اچھی خاصی رنجش میں بدل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

ان سب کو تو خبر نہ تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ شبیر کے لیے خدا نے ایک اور راہ نکال دی تھی۔ ہوسٹل کی رہائش کے ایام میں جب وہ مختص نویں کا طالب علم تھا۔ کلاس کے ایک لڑکے عدی بن جمال سے اس کا دوستانہ گہرے تعلقات میں بدل گیا۔ پہلی بار وہ عدی کے گھر گیا تو کھانے کی میز پر اس کی ملاقات سلمیٰ بن جمال سے ہوئی۔ عذرا بن جمال کی شوخی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ جمال احمد سے ملاقات ہوئی اور عدی کی ممی تو اسے ایک مشفق ماں ہی نظر آئیں۔ جب انہیں خبر ہوئی کہ شبیر کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھیں اور ڈیڈی اس سے [illegible] اور دوسرے ملک میں ہیں اور بھری دنیا میں شبیر سے پیار کرنے والا کوئی نہیں ہے تو ان خدا ترس خاتون کی [illegible] آنسو آ گئے۔ انہوں نے بے ساختہ شبیر کو اپنے سینے کی گہرائی میں چھپا لیا۔ اس کے گھنیرے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

”بچے تم نے ماں کی محبت کے بغیر زندگی کیسے گزار لی؟“

شبیر مسکرایا لیکن آنسو پلکوں میں جھر جھر کرتے اس کی آنکھوں میں آ گئے۔

جمال احمد سر عبداللہ سے واقف تھے۔ ایک مدت وہ سندھ اسمبلی کے رکن رہے تھے۔ پھر وزیر بھی بنے۔

شاہنواز کو بھی سر عبداللہ کے بیٹے کی حیثیت سے جانتے تھے۔

''بیٹے یہ تمہارا گھر ہے آتے جاتے رہا کرو۔'' جمال احمد نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اب وہ اکثر آ جاتا۔ ممی اس کی منتظر ہوتیں۔ کئی چیزیں اس کے لیے چھپا کر رکھ چھوڑتیں۔

''کل تم نہیں آئے شمی۔'' اسے پہلی بار شمی ممی نے ہی کہا تھا۔ یہ لفظ اسے بھا گیا کہ اس میں پیار کی خوشبو رچی بسی تھی۔

''سدرہ نے حلیم بنائی تھی۔ تو اسے میرے حلق میں اٹکتے رہے۔ تمہیں حلیم پسند ہے نا.... میں نے ایک ڈونگہ الگ رکھوا دیا تھا۔ اور ہاں..... حریرہ بنایا تھا تمہارے لیے ڈبے میں بند پڑا ہے لے جانا..... دماغ کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے۔ عدی کہتا ہے بہت محنت کرتے ہو۔ دن رات پڑھنے میں لگے رہتے ہو۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کرو شمی۔ صحت ہو گی تو تعلیم کا فائدہ ہو گا۔'' شبیر کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ بھلا کس نے اس سے اس لہجے میں بھی بات کی تھی۔ اسے تو گھٹے بند ھے گزرتے شب و روز کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وارڈن کی تلخ مزاجی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسکول میں تھوڑا فرق تھا۔ تعلیمی لحاظ سے اس کی برتری نے سدا اساتذہ کی نظر میں مقام دیا تھا اسے۔ سر عدنان ہاشمی تو بہت ہی مہربان تھے اس پر..... نویں میں کلاس میں فرسٹ آنے پر انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومی تو پہلی بار..... پیار کی اس لذت نے اس کی روح تک پر نشہ طاری کر دیا۔

سر عدنان ہاشمی کے کہنے پر اس نے ڈیڈی کو خط لکھا۔ اپنی کامیابی کی خبر دی۔ جواب میں خرچ کے ساتھ ایک ہزار روپے کی انعامی رقم آ گئی۔

عدی کے گھر میں آ کر اس نے پہلی بار ایک شفیق والد اور مہربان ماں کا چہرہ دیکھا۔ وہ حد سے زیادہ معصوم اور خوب صورت تھا۔ جمال احمد شبیر کی آنکھوں کی چمک سے متاثر تھے۔ وہ کہتے ''رابعہ دیکھنا یہ لڑکا کسی دن کچھ بنے گا۔'' وہ جو صدیوں جنموں سے پیار کا طلب گار تھا۔ اس گھر میں آ کر شانت ہو گیا۔ ڈیڈی کو وہ ڈیڈی اور ممی کو ممی کہنے لگا۔ سدرہ آپا تو دوسری ملاقات میں اس سے گھل مل گئیں۔ عدی اور عذرا جڑواں بہن بھائی تھے۔ ہر دم لڑتے جھگڑتے رہتے۔ عذرا نے عدی کو جلانے کے لیے شبیر کو بھائی بنا لیا۔ وہ دونوں دسویں میں آئے تو سدرہ آپا کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد ان کے میاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ سدرہ آپا ماں باپ کے گھر رہ گئیں۔ ابھی وہ دسویں کا امتحان دے کر فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ ماورا اس دنیا میں آ گئی وہ چھٹیاں شبیر نے سب کے ساتھ پہاڑ پر گزاریں۔ دن بھر وہ سدرہ آپا کے ساتھ رہتا۔ عذرا اور عدی سیر کے لیے نکل جاتے وہ سدرہ آپا کو کمپنی دیتا۔ ان سب لوگوں کی محبت نے شبیر کی ادھوری شخصیت میں خود اعتمادی بھر دی۔ وہ ہر دم خوش نظر آتا۔ سدرہ آپا کے سارے کام بھاگ بھاگ کر کرتا جن میں اول اول ڈاک کے لفافے لانا اور منور رجسٹری کرانا ہوتے تھے۔

میٹرک میں عدی نے صرف فرسٹ ڈویژن لی۔ جبکہ شبیر نے ٹاپ کیا۔ جمال احمد اس کی کامیابی کی خبر سن کر اسلام آباد سے بھاگے چلے آئے۔ بہت خوش تھے وہ۔ شبیر کو گلے لگایا۔

''میں نہ کہتا تھا رابعہ..... اس بچے میں کوئی خاص بات ہے شبیر بیٹے! اپنے ڈیڈی کو اپنی کامیابی کا ٹیلیگرام دے دو۔ بہت خوش ہوں گے وہ۔'' شبیر کے ذہن میں اپنے ڈیڈی کی کوئی شبیہ موجود نہ تھی۔ وہ ان کی خوشی اور پُرمسرت چہرے کا تصور کیسے کر لیتا۔

''جی..... جی ہاں ڈیڈی کو بھیج دیتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے وہ تمہیں اپنے پاس بلوا لیں گے۔ اعلیٰ تعلیم وہیں سے دلوائیں گے۔ سدرہ! ہمیں شبیر کی کمی کس قدر محسوس ہو گی۔ میرا خیال ہے میں خود ان سے بات کر لوں۔ اگر وہ شبیر کو وہاں رکھنا چاہیں تو باہر بھجوانے کے انتظامات میں خود کر دوں گا۔'' شبیر نے ممی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ اور لب کپکپا رہے تھے۔

☆☆

''میں وہاں کیسے جاؤں گا ممی! سدرہ آپا۔ وہاں میری ماں تو نہیں ہیں۔'' شبیر کے لہجے میں محرومی کا زبردست احساس تھا۔

ممی کا دل دہل گیا وہ تڑپ کے آگے بڑھیں۔

''اے میں جو ہوں شمی۔ آئندہ تیری آنکھوں میں آنسو نہ ہوں۔ آپ کیسی باتیں کرنے لگے جمال۔ پاکستان میں تعلیم کا معیار کیا کم ہے۔ بچہ کہیں نہیں جائے گا۔ یہیں پڑھے گا۔ عباس قمر کا ڈگری کالج بہت اچھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں سوتیلی ماں اس کی ترقی کی راہیں بھی بند کرا دے۔''

شبیر کو حوصلہ ملا۔ اس نے مسکرا کر دونوں کی طرف دیکھا۔ جمال احمد بولے۔

''بھئی جو تم سب کی مرضی! میں نے تو شبیر کے اچھے مستقبل کے لیے کہا تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆

چھٹیاں گزار کے وہ لوگ واپس آ گئے۔ ٹیلی گرام کے جواب میں ڈیڈی نے ہوسٹل کے ایڈریس پر خط بھیج رکھا تھا اور ایک بینک ڈرافٹ بھی اس کے نام کا۔ کہ وہ اپنے نام سے اکاؤنٹ کھلوا لے خط میں لکھا تھا۔

عزیزی شبیر!

دعائیں۔ اس دفعہ میں نے ڈرافٹ تمہارے نام بھجوایا ہے میٹرک کا طالب علم خاصا سمجھ دار ہوتا ہے۔ اخراجات کے معاملے میں فکر نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں۔ کالج جا کر ضروریات بڑھ جاتی ہیں اور پھر سب جانتے ہیں کہ تم ایک سابق وزیر اور بہت بڑی سیاسی شخصیت سر عبداللہ کے پوتے ہو۔ اپنے لیے اچھے سے کچھ سوٹ بنوا لینا۔ کوئی بیش قیمت گھڑی اور دیگر اشیائے ضرورت خرید لینا اور ہاں تعلیم کے سلسلے میں جو شعبہ چاہو اختیار کر لینا۔ اکاؤنٹ کھلوا کر مجھے خبر کر دینا۔

ایک کاروباری ساخط ایک بڑی رقم کا ڈرافٹ۔ دونوں نے اسے کوئی خوشی نہیں دی۔

لیکن جس دن جمال احمد نے اس کی شاندار کامیابی کی خوشی میں ایک پارٹی کا اہتمام کیا اس دن وہ بہت خوش تھا۔

جمال احمد نے اپنے دوستوں کے سامنے بڑے فخر سے اس کی کامیابی کا ذکر کیا۔ سب نے اسے تعریفی الفاظ سے نوازا۔ پارٹی کے بعد مہمان رخصت ہو گئے تو سدرہ آپا نے اپنے ہاتھوں بنے پل اوور۔ لون کے خوب صورت کڑھائی والے نفیس کرتے۔ پانچ سو روپے نقد۔ عذرا نے پاکٹ منی سے بچائے پیسوں سے خریدا ہوا ٹریک سوٹ۔ عدی نے اپنے ذوق کے برعکس علامہ اقبال کی شاعری کے کئی مجموعے اور ممی نے قرآن پاک مترجم کا عظیم تحفہ دیا تو اس کے دل کی ساری بند کلیاں ایک دم سے کھل کر من کے آنگن میں خوشبو دینے لگیں اور جب جمال احمد نے ایک بے حد قیمتی رسٹ واچ اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پر باندھی تو وہ باغ باغ ہو گیا۔

''سنا ہے یار..... تو بہت امیر ہو گیا ہے۔ ڈرافٹ کیش ہونے پر میں اپنے پیسے واپس لے لوں گا۔ مگر اب ادھار

دے رہا ہوں۔ اپنی کامیابی کی خوشی میں کل کسی ہوٹل میں کھانا کھلا دے نا۔"

"سیدھی طرح کہہ دو نا۔ سدرہ آپا کے دیے پانچ سو روپے نظر میں کھٹکے ہیں۔" عذرا نے عدی کو چڑایا۔

"بدتمیز لڑکی! مجھے تو خبر بھی نہیں کہ سفید لفافہ خالی ہے یا۔"

"بہت معصوم بن رہے ہو۔ ابھی میرے کمرے میں ایک ایک شے کی جانچ پڑتال تو کر رہے تھے۔ کہ شبی کو تم سے کتنا زیادہ دیا گیا ہے یا کتنا کم۔" سدرہ آپا نے لتے لیے۔

عدی کھسیا گیا۔

"لیکن مجھے رنج تو نہیں ہوا آپا۔ اس کی کامیابی ڈیزرو کرتی تھی کہ اسے زیادہ ملے۔"

"اور وہ تم کسی بہانے خرچ کرا دو۔ بڑے آئے چالاک کہیں کے۔" سدرہ آپا نے شبیر کی حمایت کی۔

"ایسا نہ کہیے سدرہ آپا۔ میں تو خود سوچ رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر مجھے بھی تو کچھ کرنا ہے نا اور پھر جو کچھ آپ دے چکیں وہ تو اب میرا ہی ہے نا میں جو چاہے کروں۔" شبیر نے عدی کا مان قائم کرنے کو کہا۔

"ہاں ہاں سدرہ آپا یہ چھیننے والی کون ہوتی ہیں۔" عدی کو شاید بہت جلدی تھی۔ سب ہی ہنس پڑے۔

دوسرے دن ڈریم لینڈ کے ہال میں عدی، شبیر، عذرا اور اس کی ایک عدد دوست بڑے ٹھاٹھ سے براجمان تھے۔ بل کے بڑھ جانے کے خوف سے قطعاً بے نیاز آرڈر پہ آرڈر دیے جا رہے تھے۔ ان ڈشوں کے جنہیں گھر کے مینو میں کسی نہ کسی سبب شامل نہیں کیا جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شبیر اور عدی نے ایک ساتھ حبیب ڈگری کالج میں داخلہ لے لیا۔ عدی کے لاکھ کہنے پر بھی شبیر نے ہوسٹل کی رہائش نہ چھوڑی۔ حالانکہ عدی کے گھر میں نہ جگہ کی کمی تھی۔ نہ سامان کی۔ لیکن شبیر کو یہ زیر باری پسند نہ تھی۔ پھر بھی ان لوگوں کی محبت میں اتنی کشش تھی کہ وہ فارغ اوقات کا ایک مناسب حصہ ان کے ساتھ ضرور گزارتا تھا۔

سیکنڈ ایئر کے آخری دنوں میں عدی اور شبیر دونوں نے ڈرائیور سے ڈرائیونگ کی تربیت لے لی۔ دو ماہ میں شبیر ایک ماہر ڈرائیور بن گیا۔ جمال احمد کی لینڈ روور ان دونوں کے نام ہو گئی۔ سدرہ آپا کے بیسیوں کام نپٹانا۔ عذرا بنت جمال کی سہیلیوں کے ہاں کتاب، نوٹس، کپڑوں کے ڈیزائن لینے اور دینے جانا۔ اکثر اسے سہیلیوں کے گھر چھوڑ دینا یہ سارے کام عدی اور شبیر کے ذمے لگ گئے تھے۔

ایف۔ اے کے بعد تو وہ دونوں خوب لمبے تڑنگے نوجوان بن گئے۔

سدرہ آپا کو شبیر سے بالکل ویسی محبت تھی جیسی عدی سے تھی۔ اور اپنی اضافی خوبیوں کے سبب وہ سدرہ آپا کے زیادہ قریب تھا۔ ایف ایس سی میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے پر جمال احمد کی محبتوں کا محور بنتا گیا۔ پی۔ ٹی۔ وی کے ایک بچگانہ بنیاد پر ہونے والے پروگرام میں اس کی شرکت کا دعوت نامہ آیا۔ تو جمال احمد خود اسے پی۔ ٹی۔ وی اسٹیشن لے گئے اور جس دن وہ پروگرام آن ایئر آیا پورا گھر ٹی۔ وی کے گرد جمع ہو بیٹھا۔ جمال احمد نے اس کے انٹرویو والے تمام اخبار اپنے کانفیڈنشل باکس میں خصوصی فائل میں لگا لیے۔

ان محبتوں نے شبیر کو بہت سے حوصلے بخش دیے۔ وہ جمال احمد کا احترام دل سے کرتا تھا۔ ممی اس کا آئیڈیل تھیں۔ سدرہ آپا کی محبت میں پیاری بہنوں کی جھلک تھی۔ بڑی بہنوں کی جو مائیں بھی نظر آتی ہیں عدی تو اس کا ہمدم یار تھا اور عذرا بنت جمال کے ناز اٹھا کر اسے چھوٹی بہن کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بے شک عمر میں وہ شبیر برابر تھی مگر لاڈ پیار کے باعث بچی بنی رہتی تھی۔

اور جب سے ماورا اس دنیا میں آئی تھی گھر کی رونق میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ماورا کا قرب دونوں کی خواہش ہوتی دونوں ایک دوسرے سے کھینچا تانی کرتے۔ اپنی اپنی طرف بلاتے ماورا بچی تھی۔ کبھی عدی کی بن جاتی۔ کبھی شبیر کی۔ بس جو بھی کھانے پینے کی چیزیں لا دیتا اسی کی ہو رہتی۔ لیکن درحقیقت عدی کی نسبت شبیر سے زیادہ مانوس تھی۔ عدی ایک لاپروا نوجوان تھا۔ جب کہ شبیر خاموش طبع، سنجیدہ اور محبت کرنے والا۔

سدرہ آپا ہر خط میں شبیر کا خاص طور سے ذکر کرتیں۔ اکثر جب بھی فون پر بات کرتے شبیر کا ضرور پوچھتے۔ ایف۔ ایس۔ سی میں اس کی کامیابی پر انہوں نے لندن سے اس کے لیے قیمتی تحائف بھیجے۔

شبیر کو ان سب کی محبتیں۔ مغرور کرنے لگی تھیں۔ زندگی میں جو چیز کم کم اگر اچھی ملے۔ اس پر آدمی بہت زیادہ انحصار کرنے لگتا ہے۔ شبیر کا سرمایہ بھی اس گھر کی پر خلوص محبت ہی تھی۔ بہت ناز کرنے لگا تھا وہ۔ اس پیار نے اسے حوصلہ ہی نہیں شوخی اور زندہ دلی بھی بخش دی تھی۔ کچھ کرنے کی۔ کچھ بننے کی امنگ بھی من میں پیدا کر دی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ شبیر کو اپنے ماضی کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی۔ ورنہ جو کچھ اس کی والدہ کے ساتھ ہوا تھا۔ شاید وہ اسے ہمیشہ کے لیے مغموم رکھتا۔ اسے صرف اپنی تنہائی کی خبر تھی۔ ایک انسان کی خبر تھی جو بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا اور اس کا باپ تھا۔ ہوسٹل لائف کی خبر تھی یا اپنی کتابوں کی خبر تھی۔ بی۔ اے کا آخری سال تھا۔ جب ایک دن اسے مطلع کیے بغیر شاہنواز عسکری اپنے اہل خانہ سمیت وطن لوٹ آئے۔ اور اس کے کالج آن پہنچے۔

ہوسٹل کے وزیٹنگ روم میں ایک باوقار اونچے لمبے شخص کو اپنے روبرو پا کر وہ حیران تھا۔

"آؤ...... آؤ...... تم شبیر ہو نا۔"

"جی ہاں شبیر شاہنواز عسکری۔" وہ مسکرائے۔

"کیا وارڈن نے تمہیں بتایا کہ ہم تم سے ملنے آنے والے ہیں۔"

"جی...... نہیں۔ اور اگر وہ کہتے بھی تو میں یقین نہ کرتا۔"

"کیوں؟"

"مجھ سے ملنے کبھی کوئی آیا ہی نہیں۔ میں تو حیران تھا کہ رات گئے کس نے اور کیوں زحمت کی۔"

"ہم شاہنواز عسکری ہیں۔ تمہارے والد۔"

"آپ میرے والد۔" وہ ایک دم گھبرا کر بوکھلا گیا۔

"ہاں ہاں بیٹے۔ بغیر اطلاع کے اس لیے آ گئے کہ تمہیں سرپرائز دیں۔ کیسے ہو بیٹے؟"

شبیر ایک ٹک اپنے سامنے کھڑے اپنے والد کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو اسے سر تا پا خورد دیکھ رہے تھے۔ کبھی حیران ہو کر کبھی مسکرا کر۔

"یہ تم ہی ہو نا میرے بیٹے شبیر۔"

انسانی رشتوں کی ڈوری سے بندھے دو انسان ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ شبیر کے ذہن میں اپنے باپ کی کوئی واضح شکل نہ تھی۔ جب کہ شاہنواز کے ذہن میں چار پانچ سال کا معصوم بچہ گھوم رہا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور شبیر کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"بیٹا تو بہت بڑا ہو گیا ہے۔ ایک دم جوان۔"

شبیر فرط حیرت سے گنگ ہونے لگا تھا۔ شاہنواز نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ آنسو بے اختیار آنکھوں میں

بھر آئے۔

"کیسے رہے بیٹا۔ ٹھیک ہو نا۔" انہوں نے اسے بھینچا۔

"ٹھیک تھا۔" شبیر کی آواز بھرا گئی۔

"ابھی میرے ساتھ گھر چلو۔"

"گھر؟"

"ہاں بیٹے۔ اپنے گھر۔ تمہاری مما سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ وہ خود بھی ساتھ آرہی تھیں۔ میں نے منع کر دیا۔ ظہیر منیر تو تم سے ملنے کے بے حد شائق ہیں۔ ارم اور شاز یہ تمہاری آمد کے انتظار میں جاگ رہی ہوں گی۔"

"مگر......؟"

"مگر...... شگر کچھ نہیں۔ میں نے وارڈن سے کہہ دیا ہے۔ کوئی ضروری چیز ساتھ لینی ہو تو لے لو۔"

"جی......!"

"ہاں ہاں جاؤ لے آؤ...... میں گیٹ پر تمہارا انتظار کرتا ہوں ہری اپ۔ گھر پہنچتے پہنچتے رات کافی بیت جائے گی۔ جلدی آنا۔"

وہ باہر نکل گئے۔ شبیر وہیں کھڑا اس اچانک پیش آنے والے واقعے پر غور کرتا رہا۔ شاہنواز طویل روش عبور کر کے گیٹ سے باہر جا رہے تھے۔ شبیر نے پاس رکھے فون پر عدی کا نمبر ملایا۔

"ہیلو شبیر بول رہا ہوں۔"

"شمی! خیریت تو ہے ٹھیک ٹھاک ہو نا۔" ممی کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"عدی کہاں ہے ممی؟"

"سو رہا ہے۔"

"ڈیڈی......؟"

"وہ تو آج شام لاہور چلے گئے۔"

"سدرہ آپا!"

"وہ بھی سو رہی ہے کہو تو جگا دوں۔"

"نہیں ممی!"

"کیا بات ہے شمی۔ تم کچھ گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو۔"

"نہیں ممی...... بس وہ......"

"ہاں ہاں کہو جو کہنا ہے۔"

"ممی...... میرے والد پاکستان آگئے ہیں۔"

"کب؟ کب آئے؟"

"پتا نہیں ممی مگر اس وقت وہ مجھے لینے آئے ہوئے ہیں۔ مم...... میں نے سوچا آپ لوگوں کو بتا دوں۔ ممی۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات سنائی تم نے شمی ...... اس وقت وہ کہاں ہیں۔ ان سے ملے بھی ہو یا۔"

"ملا ہوں۔ وہ گیٹ پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تو جیسے جاؤ نا بیٹے...... ماں باپ کی محبت ایک نعمت ہے۔ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں یہ دن دکھایا۔ سنو شمی...... محبت، خلوص اور وفاداری لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا دیتی ہے۔ اپنی ماں سے بیٹوں جیسا سلوک کرنا۔ عزت کرنا، ادب سے پیش آنا۔ بہن بھائیوں سے محبت کرنا۔ خدا کرے اب تم سدا اپنے گھر میں آباد رہو...... باپ کا دل ہرگز نہ دکھانا بیٹے...... اور اب جلدی سے ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ جاؤ اللہ کی امان۔" فون بند ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک اجنبی انسان کے پہلو میں بیٹھا وہ ایک اجنبی گھر کی طرف گامزن تھا۔

"بیٹے! یہ کاروباری مصروفیات بھی عجیب تھیں۔ ہم تو جیار ہے، تم یہاں پڑھ رہے تھے۔ تمہاری مما نے کہا بچے کو دربدر کرنا اچھا نہیں۔ ہوسٹل میں رہ کر زندگی سنور جاتی ہے۔ جب بھی تمہارے سالانہ امتحان کا نتیجہ ملتا میں تمہاری مما کی اس بات کا مزید قائل ہو جاتا۔ مجھے تمہاری قابلیت پر ناز ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ بیٹے اپنی مما اور بہن بھائیوں سے گھل مل جانا۔ میں نہیں چاہتا کہ سگے اور سوتیلے کا فرق ہم سب کے راستے کی دیوار بن جائے۔ وہ تم سے پیار کریں گے اور تم میری سب سے بڑی اولاد ہو۔ بہت سی امیدیں تم سے وابستہ ہیں۔ تم نے بہت سارے دن ہم سب کے بغیر گزارے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ساری کمی پوری ہو جائے۔"

شبیر خاموش بیٹھا رہا۔

"تمہاری مما یہاں آنے پر بہت خوش تھیں۔ گھر کا اوپر والا حصہ انہوں نے تمہارے لیے آتے ہی سنوار دیا۔ اپنی نگرانی میں صفائی کرائی۔ اشیائے ضرورت منگوا کر رکھیں۔ اب تم ہوسٹل میں نہیں رہو گے۔ ڈرائیور روزانہ تمہیں چھوڑ کر آیا کرے گا بلکہ تمہاری واپسی تک وہیں رہ جایا کرے گا۔"

شبیر کے ذہن میں فوراً ممی کی شکل ابھری۔ عدی کا نقشہ آیا۔ عذرا کی بھولی بھالی شکل دل میں بسی۔ ایک جہاں ان کا منتظر تھا۔ اس کے اپنے۔ اس کے ماں باپ، بہن بھائی۔

"تم خاموش بیٹھے ہو شبیر۔ کیا اپنے پاپا سے مل کر خوش نہیں ہو؟"

ایک موڑ پر اسٹیرنگ کو تیزی سے گھماتے شاہنواز نے اس سے کہا۔

"میں...... میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔"

چالیس کلومیٹر کا سفر بہت تیزی سے کٹا اور گاڑی اس اجنبی گھر میں داخل ہوئی جو شبیر کا تھا۔ شبیر کے پاپا کا تھا۔ گیٹ کے دونوں اطراف برقی قمقموں کی روشنی میں گیٹ کا تازہ روغن جگمگا رہا تھا۔ شاہنواز عسکری نے ہارن دیا۔ کسی نے گیٹ کھولا۔

"غفور بابا۔ بتیاں بند ہیں۔ گھر والے کہاں ہیں۔"

"شاید سب سو گئے ہیں صاحب جی۔"

"اتنی جلدی ابھی تو صرف ساڑھے دس ہوئے ہیں۔"

"پتا نہیں جی۔"

شبیر گاڑی سے باہر آیا۔

"اسے دیکھا تم نے غفور بابا۔ یہ میرا بیٹا شبیر۔"

غفور بابا کی بوڑھی آنکھوں میں حیرت آگئی۔

"صاحب بیا جی کنیز بی بی کے بیٹے ہیں نا۔" غفور بابا نے ڈرتے ڈرتے تھوڑا مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں ہاں غفور بابا۔ لیکن اب شبیر میرا اور سعیدہ کا ہی بیٹا ہے۔ یہ بات آج کے بعد آپ کی زبان پر نہ آئے میں نہیں چاہتا کہ دلوں میں سوتیلے پن کا فرق آئے۔ شبیر میرا بیٹا ہے۔ میرا ولی عہد ہے۔ میری زندگی ہے۔ یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ گھر بھی بہن بھائی بھی...... اور غفور بابا۔ سب خادموں سے کہہ دیجیے۔ شبیر کا حکم ماننا ان سب کے فرائض میں شامل ہے۔"

شاہنواز اندر چلے۔ غفور بابا بھی ساتھ ساتھ تھے۔

"بیٹے! کیا خیال ہے غفور بابا کھانا لگوا دیں۔"

"نہیں... میں نے کھانا کھا لیا تھا۔"

"چلو۔ غفور بابا آپ ایسا کریں۔" وہ کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔ "بس آپ آرام کریں۔ میں شبیر کو اس کے کمرے تک چھوڑ آتا ہوں۔" کوریڈور میں چلتے وہ ایک ایک کمرے کو دیکھ رہے تھے۔

"دراصل میں سفر کی تکان تھی۔ سب ہی سو گئے۔ خیر صبح سب سے ملاقات ہو جائے گی۔"

وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے شبیر ان کی تقلید میں آگے بڑھتا گیا۔ اوپر بھی کھلی کھلی راہداری تھی۔ جسے ایک کمرہ کہہ لینا زیادہ مناسب تھا۔ ایک کمرے کا بند دروازہ انہوں نے کھولا۔

"صاحبزادے یہ آپ کی خواب گاہ۔" وہ پیار سے اسے دیکھ رہے تھے۔

وال ٹو وال اولمپیا قالین۔ خوب صورت بیڈ۔ آرام دہ بیش قیمت صوفہ۔ ایک دیوار کے ساتھ رائٹنگ ٹیبل اور بک شیلف۔ کمرے کے بیچوں بیچ دیدہ زیب ڈیزائن کا دبیز قالین کمرے کے رنگ سے میچ کرتا۔ خوب صورت پھولوں والا۔

"یہ قالین ہم بلجیم سے خاص طور پر تمہارے لیے لائے تھے۔ سعیدہ کا خیال تھا اسے تمہاری شادی تک محفوظ رہنا چاہیے تھا۔ ہم نے کہا نہیں، کمرہ ہمارے بیٹے کے شایان شان ہونا چاہیے...... اور...... وہ دیکھو کل ہم نے بازار سے گزرتے ہوئے کچھ کتابیں خرید کر تمہارے بک شیلف میں سجا دیں۔ ہم ٹھہرے بزنس مین۔ علم و ادب کی ہمیں کیا خبر۔ ویسے ہم نے اپنے تئیں اچھی کتابیں تلاشی ہیں۔ پڑھ کر بتانا کہ کیسی ہیں۔"

انہوں نے شبیر کا ہاتھ پکڑا اور سامنے موجود وارڈ روب کی طرف آئے۔

"اسے کھولو بیٹے!"

شبیر نے وارڈ روب کا پٹ کھولا۔

سامنے کا خانہ سوٹوں سے بھرا تھا۔ ہینگروں میں لٹکتے رنگا رنگ سوٹ۔

"یہ سارے سوٹ ہم نے اندازے سے سلے ہیں۔ صرف اس شرط پر کہ کیا باپ کی محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ تصور کی آنکھ سے اپنے سے دور بیٹے کے قد بت کا اندازہ لگا سکتا ہے اور تمہارے پاپا کا اندازہ درست نکلا۔ بیٹے اپنے پاپا کو اس کی اس کامیابی پر مبارک باد دو۔" پہلی بار شبیر مسکرایا۔

"شبیر...... شبیر...... !"

"جی......"

انہوں نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تم کتنے اچھے، کتنے پیارے بیٹے ہو۔ تم پر جتنا فخر کروں کم ہے۔ بیٹے...... تم سے دور رہ کر میں تمہیں بھولا کبھی

نہیں۔ تمہارے اچھے مستقبل کے لیے جدائی کا زہر پی لیا میں نے۔"

وہ خاموش رہا۔

"اب تم کبھی مجھ سے جدا نہیں ہو گے۔ کبھی بھی نہیں۔ اچھا۔ تم شب خوابی کا لباس بدلو۔ میں ابھی آیا۔"

وہ کمرے سے نکل گئے۔ شبیر حیران پریشان ایک ایک شے کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی دو گھنٹے قبل اس نے تصور بھی نہ کیا تھا کہ دو گھنٹے بعد وہ یہاں ہوگا۔

"ارے تم وہیں کے وہیں کھڑے ہو۔ دیکھو میں تمہارے لیے دودھ لے آیا۔"

دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے وہ دروازے میں کھڑے تھے۔

"میرے اچھے بابا جلدی سے کپڑے بدل لو نا۔ یہ تمہارا گھر ہے شبیر تم اتنا تکلف کیوں کر رہے ہو۔" دودھ کا گلاس انہوں نے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ سو جائیے۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ میں کپڑے بدلتا ہوں۔ دودھ بھی پی لوں گا۔"

"نہیں میرے سامنے ہی پینا ہوگا۔"

شبیر کو ممی یاد آ گئیں۔ محبت کرنے والی۔ چاہنے والی۔ خیال رکھنے والی۔ کبھی کبھار وہ ویک اینڈ پر ان کے ہاں رہ جاتا تو ممی اس کے آگے پیچھے بچھی جاتیں۔ رات کو وہ نیند کی وادیوں میں بھی کھویا ہوتا تب بھی اسے اپنے ہاتھوں دودھ پلاتیں۔ ان دیکھی ماں کا ہیولہ سا اس کی نظروں میں گھومنے لگا۔

"کیا سوچنے لگے۔ پی لونا دودھ۔ ایک مدت بعد میں نے بھی پہلی بار دودھ کا مزا چکھا ہے۔ بالکل خالص ہے۔ غفور بابا نے اپنے کوارٹر میں بھینس باندھ رکھی ہے۔ اپنے ہاتھوں دودھ نکالتے ہیں۔" شاہنواز ممتا بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ شبیر انہیں دیکھتا رہ گیا۔

"چلیے ابھی پی لیتا ہوں کپڑے بعد میں بدل لوں گا

آپ آرام کیجیے۔ سو جائیے اتنا وقت ہو گیا ہے۔"

"نہیں شبیر! جب تک تمہیں نہیں دیکھا تھا۔ تمہیں دیکھا تھا...... دیکھ لیا ہے تو مارے خوشی کے نیند آنکھوں سے دور بھاگ گئی ہے۔ آج تم سوتے رہنا میں تمہیں دیکھتا رہوں گا۔ عمر بھر کی پیاس بجھاؤں گا۔" شاہنواز سوچتے رہے۔

"کیا سوچنے لگے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔"

"آپ یہاں آئے کب ہیں؟ مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں۔"

"یہی تین چار دن پہلے بس کام دھندے اتنے تھے کہ...... میں نے تمہارے ہوسٹل والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ بس تمہیں نہ بتانے کا کہہ دیا تھا۔ مجھے علم تھا کل سے سرمائی چھٹیاں ہونے والی ہیں۔ میں نے سوچا جاتے ساتھ لے کر آؤں گا تو دس بارہ دن تم ادھر ہی رہو گے۔"

شبیر نے دودھ کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

"بیٹے۔ شبیر......"

"جی......"

"بیٹے تمہیں بھی خبر ہوگی۔ سعیدہ تمہاری حقیقی والدہ نہیں ہیں مگر بیٹے۔ تم ان کی سگی ماؤں جیسی عزت کرنا ادب سے پیش آنا۔ وہ بھی تم سے محبت کریں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بہن بھائیوں کے درمیان کبھی

کوئی فرق پڑتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں کوشش کروں گا آپ کی سوچ پر پورا اترنے کی۔ دراصل۔ ساری عمر رشتوں سے دور رہ کر۔ اس احساس سے دور ہو گیا ہوں جسے رشتوں کا درد کہتے ہیں۔ پھر بھی۔ پھر بھی انسان ہوں نا...... اور انسان کی سب سے بڑی کمزوری محبت ہے۔"

"ایک بات بتاؤ شبیر...... اتنے گھنٹوں میں ایک بار بھی تم نے مجھے پاپا کہہ کر نہیں پکارا۔"

شبیر نے سر جھکا لیا۔ شاید اپنے اشک چھپانے کو۔

"اصل میں...... آپ کے پاس تو بہت سارے بچے تھے نا۔ آپ "پاپا" سننے کے عادی ہیں۔ میرے پاس تو کوئی نہیں تھا جسے میں پاپا کہہ کے پکارتا۔ عادت نہیں ہے نا۔ کوشش کروں گا۔ تو عادت ہو جائے گی۔ میں بھی پکارنے لگوں گا۔"

وہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ شاہنواز عسکری نے اٹھ کر اسے بانہوں میں بھر لیا اور خود بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔ اس کا منہ چومنے لگے۔ یوں جیسے کوئی ممتا کی ماری ماں اپنے بچھڑے ہوئے بچے کو دوبارہ پا کر دیوانی سی ہو جائے۔

"پاپا کا دل چیرتے ہو ایسی بات کر کے۔ آئندہ ایسا مت کہنا۔" انہوں نے شبیر کے آنسو پونچھے۔

"تم اپنے پاپا کے پاس ہو بیٹے۔ اس کی کوتاہیاں معاف کر دو۔ اب ہم کبھی بھی جدا نہ ہوں گے۔"

شبیر نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔

"میں بہت خوش ہوں پاپا۔ بہت خوش۔ بس اسی لیے رونے لگا۔ آپ سو جائیے۔ پلیز پاپا۔ اتنے دن کی چھٹیاں آپ کے ساتھ ہی تو گزاروں گا۔"

"او۔ کے۔ شب بخیر۔"

وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔ شبیر کو بھی جلد ہی نیند نے آ دبوچا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ شبیر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ کر بولٹ دروازہ کھولا۔

"میں ہوں بیٹا۔" غفور بابا مسکراتے ہوئے سامنے کھڑے تھے۔

"اوہ آپ ہیں بابا۔"

"ہاں بیٹے نماز کے لیے جگانے آیا تھا۔ سب کو ہی جگاتا ہوں۔ سوچا آپ کو بھی جگا دوں۔ شاید آپ نماز پڑھنے کے عادی ہوں۔"

"اچھا کیا آپ نے...... ورنہ آج تو میں سویا ہی رہتا۔"

"بیٹا آپ میرے ساتھ مسجد چلیں گے یا یہیں پڑھ لیں گے بیٹا لوگ تو کمرے میں ہی پڑھ لیتے ہیں۔"

"وقت پر جاگ گیا ہوں تو مسجد ہی چلوں گا۔ ہوسٹل میں بھی پانچ وقت مسجد میں ہی پڑھتا ہوں۔ آپ ٹھہریے۔ میں وضو کر لوں۔"

وہ باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

نماز پڑھ کے لوٹا۔ شاہنواز عسکری جاگ گئے تھے۔ برآمدے میں کھڑے تھے۔

"صبح بخیر پاپا۔" شبیر نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلے گئے تھے بیٹا میں تو پریشان ہو گیا تھا تمہیں نہ پا کر دو گھنٹے ہو گئے انتظار کرتے کرتے۔" شبیر ہنسنے لگا۔

"نماز پڑھنے گیا تھا غفور بابا کے ساتھ۔ پھر جوگنگ کے لیے چلا گیا۔"

"اوہ...... اچھا۔ اچھا۔ یہ غفور بابا بےچارے سب کو ہی نماز کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ لڑکے انہیں...... ڈاج دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تم ان کے ہتھے چڑھ گئے۔"

"نہیں پاپا...... غفور بابا نہ جگاتے تو مجھے نماز چھوٹ جانے کا سخت افسوس ہوتا۔"

"بہت خوب! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہوسٹل کا نظام بہت اچھا ہے۔"

"یہ پابندی کالج میں بھی ہے۔ میں کالج یونین کا صدر ہوں۔ ہوسٹل میں رہنے کے سبب میں بھی اپنا فرض خیال کرتا ہوں ہم لوگ نماز نہ پڑھنے والے کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔ مسجد میں ایک رجسٹر رکھا ہے۔ لڑکوں کو پانچ وقت اس میں حاضری لگانا پڑتی ہے۔ اور ہر ہفتے پرنسپل صاحب اس رجسٹر کو چیک کر کے اس پر دستخط کرتے ہیں۔"

"واہ...... واہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ایک ایسا رجسٹر ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہیے۔"

"رکھ لیں گے۔ اس پر دستخط آپ کو کرنا ہوں گے۔" شبیر مسکرایا۔

"ہاں لیکن پہلے تو اپنی پانچ وقت کی حاضری لگانا ہو گی۔" شاہنواز ہنس دیے۔

"اور آپ کی حاضری کی تصدیق غفور بابا کریں گے اپنے دستخط کر کے۔" وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔

"شریر کہیں کے۔ اچھا آؤ اپنی مما سے ملو کب سے تمہارے انتظار میں ہیں۔"

"چلیے۔"

دونوں ایک ساتھ چلتے ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ چاروں بہن بھائی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ سعیدہ قریب کھڑی تھیں۔ شاید کوئی ڈش میز پر رکھ رہی تھیں۔

"سعیدہ! دیکھو ہمارے ساتھ کون کھڑا ہے۔"

وہ مڑیں۔ شبیر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چپ چاپ کھڑا۔ سعیدہ کا چہرہ کسی قسم کے احساسات و جذبات سے عاری تھا۔ ایک دم انہوں نے مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"اوہ...... شبیر آیا ہے۔ آؤ بیٹے۔"

"بیٹے اپنی مما سے ملو۔" شبیر آگے بڑھا۔

"آداب مما۔"

"جیتے رہو۔" ان کے الفاظ میں ممتا کی لذت اور چاشنی کہاں سے آتی۔

لڑکوں اور لڑکیوں نے مڑ کے دیکھا۔

"ارم کو بہت اشتیاق تھا بار بار پوچھا کرتی تھی۔ ارے اب دم بخود بیٹھی ہو۔ آؤ نا ملوا اپنے بڑے بھائی سے۔ ظہیر۔ منیر۔ شازیہ بھئی یہ تمہارے بڑے بھائی شبیر۔" ظہیر اور منیر نے ہاتھ ملایا۔ ارم نے سلام کیا۔ شازیہ بھی آگے بڑھی۔

"اچھا تو آپ ہیں ہمارے بڑے بھائی۔"

شبیر نے شازیہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی ہاں۔ ہے تو کچھ ایسی ہی بات۔"

"چلو بیٹے ناشتا کرنے کے بعد بقیہ مراحل طے کر لینا۔" شاہنواز نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"سعیدہ تمہیں پتہ تو خبر ہی نہیں کہ بیٹے کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔"

"اس میں غلطی آپ کی ہے۔ لگا ہے بتا ہے معلوم کرتے رہتے آج ناشتا اس کی پسند کا بن جاتا۔" سعیدہ نے کہا۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ جو بھی ملے خوشی سے کھا لیتا ہوں۔ آخر یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہی تو ہیں۔ پسند ناپسند کیسی۔" شبیر نے جلدی سے کہا۔

"بڑے صابر شاکر ہیں بڑے بھائی۔" ظہیر نے آملیٹ کا ٹکڑا پلیٹ میں رکھا۔ سب ہنس دیے۔

"اچھی بات ہے۔ اصل میں ہوسٹل کی رہائش میں اپنی مرضی تو نہیں چلتی نا...... میس میں جو پکے کھانا ہی پڑتا ہے۔" شاہنواز کہنے لگے۔

"چلیے پاپا ٹھیک ہے ہوسٹل لائف نے ان میں خوبیاں پیدا کر دیں۔"

"ظہیر بھائی۔ کیا خیال ہے آپ کو ہوسٹل نہ بھیج دیا جائے گھر بدر کر کے۔ آپ بھی سدھر جائیں گے۔" ارم بہت تیز لڑکی تھی۔

"خدا نہ کرے۔ گھر کے ہوتے ہوئے بچے ہوسٹل میں رہے۔" سعیدہ نے جھٹ کہا۔

"ہاں...... گھر کے ہوتے ہوئے ہوسٹل کی کیا ضرورت۔ اب تو تمہارے شبیر بھائی بھی گھر میں رہیں گے۔"

"اچھا ہے۔ اتنے سالوں بعد انہیں بھی پسند ناپسند کے اظہار کا حق مل جائے گا۔" شازیہ نے کہا۔

"مگر شبیر بھائی۔ آپ کی بنی بنائی عادتیں بگڑ جائیں گی۔ آپ بھی ظہیر اور منیر بھائی کی طرح پسند کا کھانا نہ پکنے پر کمرہ بند کر کے احتجاج کریں گے۔" ارم نے فوراً کہا۔

"اور آپ کی مما کو ان کے لاڈ اٹھانا پڑیں گے۔ بھئی سعیدہ اب ان سارے بچوں کے لاڈ ختم۔ اور بڑے صاحبزادے کے شروع۔ آخر اتنا عرصہ ہم سے جدا رہا ہے۔"

"وائی ناٹ...... اس کا اپنا گھر ہے۔" سعیدہ نے کہا۔

"ہاں سعیدہ...... تم کہہ رہی تھیں۔ شبیر کے آنے پر سامان کھولا جائے گا۔ شبیر کی چیزیں اسے دے دینا۔ شبیر میں نے تمہارے لیے راڈو کی بڑی خوبصورت رسٹ واچ لی ہے۔ دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ تمہارے کمرے کے لیے وی۔ سی آر اور پورٹیبل ٹی وی بھی لایا ہوں۔ یہ تمہاری مرضی ہے۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاؤ یا فلمیں دیکھ دیکھ کر راتیں گزار دو۔" انہوں نے شبیر کو چھیڑا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی پاپا۔ مجھے ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں۔ ٹی۔ وی پروگرام سب کے ساتھ بیٹھ کر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔"

"کتنے اچھے ہیں آپ شبیر بھائی۔ پاپا یہ سیٹ میں اپنے کمرے میں رکھواؤں گی۔" ارم نے بے صبری سے کہا۔

"ٹھیک ہے رکھ لیجیے۔ لڑکیوں کے پاس فالتو وقت بہت ہوتا ہے۔" شبیر نے محبت کے ساتھ کہا۔

ارم ہنس دی۔

ناشتا کر لیا گیا۔

"سعیدہ! کھانے پر ہمارا انتظار نہ کرنا۔ شبیر میرے ساتھ جا رہا ہے۔ آج مل کا دورہ کرنا ہے۔ اتنے عرصے سے

"جی۔ ایم کے ہاتھوں میں ہے۔ رجسٹر وغیرہ چیک کرنے ہوں گے واپسی میں رات بھی ہو سکتی ہے۔"

"پاپا میں اور منیر بھی ساتھ جائیں گے۔"

"نہیں آج صرف شبیر۔ تمہیں یاد نہیں آج تم دونوں کا ایڈمیشن ہونا ہے۔ میں نے کل پرنسپل سے بات کی تھی۔ تم چلے جاؤ۔ ڈرائیور کو کالج کا پتا ہے۔"

"ہر وقت سیر و سفر کی نہ سوچا کرو۔ تعلیم کی فکر کرو۔" سعیدہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"تو ہم دونوں چلے جاتے ہیں۔" ارم نے کہا۔

"نہیں نہیں آپ کا وہاں کیا کام۔" شبیر نے بے اختیار جواب دیا۔

"بیٹی! آپ کو اور آپ کی مما کو پھر کسی دن لے جائیں گے۔ آج تو مصروفیت کا دن ہے۔"

"ہاں ہاں چلے جائیں گے فرصت کے کسی دن۔" سعیدہ نے سرزنش بھرے انداز میں کہا۔

رات گئے وہ مل سے واپس آ رہے تھے۔

"پاپا! مل کے ملازمین کی حالت تو نا گفتہ بہ ہے۔" شبیر فرنٹ سیٹ پر ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"میں تو مل کی حالت دیکھ کر حیران ہوں۔ نوکر نوکر ہی ہوتے ہیں چیزوں کا استعمال بے دردی سے کرتے ہیں۔ کھلے آسمان تلے پڑا کتنا خام مال ضائع ہو گیا۔"

"تو یہ غلطی مل کی مینجمنٹ کی ہے مزدوروں کی تو نہیں۔ انہیں تو جس کام پر لگا دیا جائے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دیتے رہیں گے۔"

"تمہیں کیا خبر بیٹے۔ جی۔ ایم بتا رہے تھے۔ مزدور بڑے حرام خور ہیں۔ سپروائزر ادھر سے ادھر ہوا۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گئے۔ اکثر مشینیں خراب ہو جاتی ہیں۔ متعلقہ لوگ جان بوجھ کر خراب کر دیتے ہیں تاکہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ بعض تو اتنے کمینے لوگ ہیں مشینریوں کے نئے پرزے نکال کر پرانے لگا دیتے ہیں۔ یہ گھسے پٹے نکلے پرزے چند دن سے زیادہ نہیں چلتے اور سارا نقصان مالک کا ہی ہوتا ہے۔"

"پاپا۔ اس کے لیے ایماندار عملے کی ضرورت ہے نئے مزدوروں کی نہیں۔"

"تم مزدوروں کی اتنی حمایت کیوں کر رہے ہو۔"

"میں جانتا ہوں پاپا غریب لوگ اتنے جرأت والے نہیں ہوتے نہ ہی اس قدر...... بے ایمان۔"

"تمہیں کیا خبر۔ غریب ایک وقت کی روٹی کے لیے بڑے سے بڑا جرم کر سکتا ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔ امیر اپنی تجوری کو مزید بھرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اینی ہاؤ (Any how) میں نے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ اب ایسی بے ایمانی نہیں ہو سکے گی۔"

"کیسے انتظامات؟"

"نقصان کی صورت میں مزدوروں کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔"

"پاپا!" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ مگر یہ تنخواہ نہیں کٹے گی۔ کیونکہ نقصان ہوگا نہیں۔ ہر مزدور اپنی جگہ اس بات کا خیال رکھے گا۔"

شبیر اپنے والد کی اس عجیب و غریب منطق پر حیران رہ گیا۔

"لیکن میں کہتا ہوں کہ نقصان پھر بھی ہوگا بلکہ بڑے دھڑلے سے ہوگا۔ نقصان کے اصل ذمہ دار پھر بھی خوف نہیں کھائیں گے انہیں خبر ہوگی کہ شامت بے چارے غریبوں کی ہی آئے گی۔"

شبیر نے اب تک کی زندگی ہوسٹلوں میں ہی گزاری تھی۔ عام معاشی اور سماجی معاملات سے نابلد ہوتا تو درست تھا لیکن یہ سمجھ بوجھ۔ انسانیت، غریبوں کا درد۔ یہ سب شاید اس کی گھٹی میں تھے اس کی انسانیت کا تقاضا تھے۔ اس کی فطرت میں شامل تھے۔ اور پھر وہ پالیٹکس بھی پڑھ رہا تھا۔ معاشیات بھی اور ہر بات کو جو کتابوں میں لکھی ہوتی سچے پابند ہو کر اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ کتابوں میں سدا انسانیت کے ہی درس ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کتاب کسی بزعم خود مطلق العنان حکمران کی لکھی کیوں نہ ہو۔

''مگر بیٹا جی! آپ ابھی ان باتوں کے لیے بہت چھوٹے ہیں۔ جب پیسہ پیدا کرنے کا وقت آئے گا تب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا شبیر بیٹے۔ میں نے ایک زندگی محنت کرتے گزار دی ہے۔ مجھے زمینداری سے لگاؤ نہ تھا۔ تبھی ساری جاگیر مزارعوں اور ملازموں کے حوالے ہے۔ چاہتا تو تھا کہ سروس کروں لیکن الجھ گیا بزنس کے دھندوں میں۔ جو خود آگ میں سے پچیس رکھا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کے لیے ہی تو ہے۔ شب و روز کی یہ محنت میں نے اس لیے کی ہے کہ تم سارے بھائی معاشی طور پر مستحکم رہو۔ بیٹے! اگر...... معمولی معمولی لوگوں کو سر چڑھا لیا جائے تو کاروبار دنوں میں ٹھپ ہو جائے۔ یہ فیکٹری ہم نے لگائی ہے۔ زر کثیر خرچ کیا ہے کسی منافع کی صورت کے لیے۔ اور لوگوں کو ان کے کام کی اجرت دیتے ہیں۔''

''پاپا۔ مزدوروں کو خوشی اور اطمینان حاصل ہو اور یہ احساس بھی کہ فیکٹری مالک کی ہی نہیں ان کی بھی ہے۔ تو وہ اس پر خوب محنت کر سکتے ہیں اور یہ احساسات حقوق کی ادائیگی اور نرمی ہی پیدا کر سکتی ہے۔''

''کیا خیال ہے تمہارا ہم ملکیت سے ہی دستبردار ہو جائیں شبیر خان! نوکر نوکر کے جامے میں رہے تو اچھا ہوتا ہے۔ تھوڑا سا سر چڑھا لو تو وہ اپنے آپ میں نہیں رہتے۔ میں دیکھ رہا ہوں گھر میں بھی تم غفور بابا سے بے تکلف۔ وہ ہمارے پشتینی خدمت گار ہیں۔ لیکن پھر بھی نوکر ہی ہیں۔''

''غفور بابا بہت اچھے انسان ہیں۔''

''مجھے کب انکار ہے۔ میں تو بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ ہم انہیں میز پر اپنے مقابل بٹھا کر کھانا کھلانے سے تو رہے۔''

''حالانکہ یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔''

''بیٹے! وہ وقت اور تھا۔ حالات اور تھے۔ اس دور کے لوگ سادہ تھے۔''

''لوگ ہر دور کے ایک جیسے ہوتے ہیں پاپا! اچھے بھی برے بھی۔ آدمی اپنے کردار سے بروں کو بھی اچھا بنا لیتا ہے۔''

پتا ہی نہ چلا اور گاڑی گھر کے گیٹ میں داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔

''یہ بحث پھر کسی اور وقت کے لیے' گھر آ گیا۔'' شاہنواز خوش دلی سے مسکرائے۔

''نہیں پاپا! میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا اپنے پاپا سے کوئی بحث کیسے کر سکتا ہے۔''

شاہنواز نے قہقہہ لگاتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔

''تھینکس گاڈ...... ہوسٹل لائف میں یہ بات بیٹے کے ذہن میں کہیں سے آ گئی کہ باپ سے بحث نہیں کی جاتی۔'' شبیر مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

شام کی چائے کافی تاخیر سے پی گئی۔ شاہنواز ابھی ابھی گھر آئے تھے۔ ان کی مصروفیات کا دائرہ وسیع ہونے

چائے کی میز پر شبیر کو نہ پا کر وہ متفکر ہوئے۔

''یہ کہاں ہے۔ چائے پر نہیں آیا۔''

''پتہ نہیں ظہیر بھی نہیں ہے۔ اس کا نہیں پوچھا آپ نے۔''

سعیدہ نے طنزیہ لہجہ چھپانے کی ناتمام کوشش کی۔

شاہنواز نے لاجواب ہو کر پیالی اپنی طرف بڑھائی۔ خاموش رہے پھر بولے۔

''سعیدہ۔ یہ بچے سدا میرے ساتھ رہے ہیں اور شبیر کو اس گھر میں آئے صرف تین دن ہوئے ہیں۔ اس کا خیال تمہارا بھی فرض ہے۔ ویسے وہ ہے کہاں؟''

''ایسا ہوتا تھا۔ صاحبزادے دن بھر فون کرتے رہے۔ جانے کہاں کہاں گھمایا۔ سہ پہر میں لوٹ کے آئے اور پھر چلے گئے۔ ظہیر پریشان ہو رہا ہے۔ اس کی سوزوکی بھی وہ لے گیا۔ اسے کہیں جانا تھا۔ مجھ سے الجھنے لگا۔ آپ جانتے ہیں اس نے اپنی چیزیں منیر کو بھی کبھی نہیں دیں۔''

''کیا مطلب؟'' شاہنواز الجھ سے گئے۔

''شبیر نے گاڑی کی چابی ڈرائیور سے لے لی۔ ظہیر سے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔''

''گاڑی استعمال کے لیے ہے۔ ظہیر یا منیر کی ذاتی سواری ہرگز نہیں ہے۔ اس پر شبیر کا بھی اتنا ہی حق ہے۔ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ اور سعیدہ بیگم یہ مت بھولا کرو کہ ایک طویل مدت ہم اس کے معاملے میں اپنے حقوق مکمل طور پر ادا نہیں کر سکے۔''

''حقوق کی ادائیگی کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کا حق چھین لیا جائے۔''

''کیا مطلب ہے اس بات کا یعنی شبیر کے گاڑی لے جانے سے آپ کے بیٹے کا حق چھین گیا ہے۔''

''اچھا۔ آج ظہیر صرف میرا بیٹا ہو گیا ہے۔ صرف شبیر کے گھر میں آ جانے سے۔''

شاہنواز کے چہرے پر تلخی آ گئی۔

''تم ایسا سوچ رہی ہو میں نہیں۔ شبیر میرا ہی نہیں تمہارا بھی بیٹا ہے۔ اس کے بارے میں بھی ماں بن کر سوچا کرو۔ یہ تمہارا فرض ہے۔''

''آپ نے تین دن سے کئی ایسی باتیں کر کے میرا دل جلا دیا ہے۔''

''میں بھی تین دن سے باتیں نوٹ کر رہا ہوں۔ شبیر کے آنے پر تم لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے۔ آخر آتے ہی اس نے تم لوگوں کا کیا گناہ کر لیا ہے۔''

''میں نے آپ سے کچھ کہا ہے بھلا۔''

''اور کیا کہو گی بھلا...... الفاظ اور چہرے سب کچھ خود ہی بتا دیتے ہیں۔''

''آپ بھی تو تین دن سے ہمارے لیے اجنبی بنے ہوئے ہیں۔ ایک ہی نام لبوں پر ہے شبیر۔ شبیر۔ بچوں کا منہ اترا ہوا ہے۔''

''بچوں کا منہ صرف اس لیے اتر گیا ہے کہ میں شبیر کو یہاں کیوں لے آیا ہوں۔ اسے توجہ اور پیار کیوں دے رہا ہوں۔ افسوس ہے سعیدہ...... میں تو خود اس بات پر سخت رنجیدہ ہوں کہ شبیر کو کسی نے محبت بھرا رسپانس نہیں دیا۔ کیا میں یہاں ہوتے ہوئے بھی اسے ہوسٹل میں رکھتا۔ اتنی مدت اس نے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں جیسی زندگی گزاری ہے۔''

''ہاں ہاں یتیم ہزاروں روپے ماہانہ خرچ کرتے ہیں نا۔''

''پیسہ...... پیسہ باپ نہیں ہوتا کہ یتیمی کا احساس مٹا دے۔ باپ کی کمی پیسہ پوری نہیں کر سکتا۔''

''تو اب یہ کمی آپ پوری کر تو رہے ہیں۔ پھر جھگڑتے کیوں ہیں۔'' سعیدہ بیگم کو ایسی باتیں سننے کی عادت نہ تھی۔

''ٹھیک ہے میں نے حل سوچ لیا ہے۔ یہ گاڑی تمہارے بچوں کے تصرف میں ہی رہے۔ اسے کوئی نہیں چھیڑے گا۔ میں اس کے لیے نئی گاڑی منگوا لیتا ہوں۔''

سعیدہ بیگم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ بات سیدھی ان کے دل میں تیر کی طرح چبھی۔

''آپ تو بات کا بتنگڑ بنانے لگے ہیں میں نے کب کہا کہ آپ دوسری گاڑی خرید لیں۔ ظہیر کو کہیں جانا تھا۔ گاڑی کے بغیر پریشان تھا۔ عادتیں تو آپ نے بگاڑی ہیں۔ وہاں آخر اس کے پاس علیحدہ گاڑی تھی۔ عادت ہے اس کی۔''

''کم ظرف۔ بے وقوف تو میں تھا...... جس نے شبیر کا خیال نہ رکھا۔ بہرحال علیحدہ گاڑی اس کی بھی ضرورت ہے۔''

بات وہیں کی وہیں تھی۔

''کیسی ضرورت...... ڈرائیور اسے ہاسٹل چھوڑ آئے گا اور جب بھی آنا ہوگا لے آئے گا۔ اور وہاں ہاسٹل اور کالج میں کوئی فاصلہ ہی نہیں ہے۔''

''یہ میرے سوچنے کی بات ہے تمہارے سوچنے کی نہیں۔'' وہ اب بھی غصے میں تھے۔

''فضول خرچی کی ایسی بھی ضرورت نہیں۔ میں ظہیر سے کہہ دوں گی۔ وہ اس کی ملکیت سے دستبردار ہو جائے گا۔ آپ گاڑی شبیر کو دے دیں۔ بے شک اس کے نام کر دیں۔ آخر ایک عمر کی محرومیوں کا حساب چکانا ہے۔''

''میں ایسی طنزیہ گفتگو سننے کے موڈ میں نہیں ہوں جو جی میں آئے گا وہی کروں گا۔ بہت دن تمہارے پیچھے پیچھے چل لیا۔ فرائض میرے ہیں تمہارے نہیں۔''

وہ اونچی آواز میں کہنے لگے سعیدہ خاموش ہو گئیں۔

چائے کی پیالی تیزی سے حلق میں انڈیل کر کوئی اور چیز چکھے بنا وہ میز چھوڑ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شبیر بہت دیر میں لوٹا۔ کھانا اس نے ممی لوگوں کے ساتھ کھا لیا تھا۔ بس فوراً ہی چل پڑا تھا لیکن آتے آتے دیر ہو گئی۔ شاہنواز کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ غفور بابا کوریڈور میں مل گئے۔

''صاحب آپ کے انتظار میں ہیں۔ بہت دیر لگا دی آپ نے بیٹا!''

''ہاں بابا دیر ہو گئی۔ ممی نے روک لیا تھا۔ کھانا کھائے بنا آنے نہ دیا۔''

''یہ کون ہیں بیٹا!''

''آپ انہیں نہیں جانتے...... وہ مجھ سے بے حد پیار کرتی ہیں ماؤں جیسا پیار۔ وہاں ڈیڈی ہیں۔ سدرہ آپا ہیں۔ عدی ہے میرا دوست اور عذرا...... پیاری سی بہن۔''

غفور بابا کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

''اچھا بھئی دیر ہو گئی اتنے سارے پیارے لوگوں میں گم ہو کر آپ ہمیں بھول گئے۔''

...بابا۔

...نہیں بابا۔ بھولا تو نہیں۔''

...واز کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سامنے والے کمرے کے اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک لیے۔

...ہیں چار دن میں ایسا کیا جادو کر دیا ہے اس شبیر کے بچے نے کہ پاپا دی ہوئی چیز ہم سے چھیننے لگے ...بیر تھا جو لہجے میں کہہ رہا تھا۔

...یسے چھین سکتے ہیں۔ کون دے رہا ہے۔'' یہ منیر تھا۔

...بیٹے۔ وہ ایسے ہی کبھی کبھار غصے میں آ جاتے ہیں۔ تم ان سے کچھ مت کہنا۔ دو چار دن میں خود ہی ٹھیک ہو ...ئیں گے۔ تم شبیر سے خود ہی کہہ دینا۔ جتنے دن چاہے گاڑی اپنے پاس رکھ لے۔ میں جانتی ہوں وہ جتنے ضدی ...، اتنے نرم دل بھی۔ ضد میں آ گئے تو کل ہی نئی گاڑی لے آئیں گے اور نرمی اختیار کی تو پھر تم جانتے ہو۔ ...ی بڑی سے بڑی ضد بھی کتنی آسانی سے پوری کر دیتے ہیں۔''

''ممّا! وہ شبیر کے سامنے ہی ہمیں ٹوک دیتے ہیں۔ یوں جیسے وہ ان کا سب کچھ ہو۔ اور ہم کچھ بھی نہ ہوں۔''

''نئے نئے دن ہیں جان...... برداشت کی عادت ڈالو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اکیلا ہے تم پورے چار ہو ماشاءاللہ...... کب تک ایسا کریں گے وہ شاہنواز کی دولت بھی اور محبت بھی صرف تم چاروں کا نصیب رہے گی۔''

شبیر آگے بڑھ گیا۔ اس کا ذہن ان باتوں کو دہرا رہا تھا۔ وہ شاہنواز کے کمرے میں آ گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے بیٹا؟'' شاہنواز بیڈ پر نیم دراز کسی ضخیم کتاب میں گم تھے۔ اسے دیکھ کر کتاب رکھ دی۔

''پاپا! ایک دوست کے ہاں گیا تھا۔''

''کون سا دوست۔''

''عدی بن جمال۔ میں نے فون پر ان سے بات کی۔ تو ممی نے عدی کو بھیج دیا۔ اس نے ضد کی کہ چلو سدرہ آپا، ممی سب تمہارے لیے اداس ہیں۔ بس میں چلا گیا۔''

''اتنی دیر گھر سے باہر نہ رہا کرو۔ ہم پریشان رہے۔ گاڑی بھی لے گئے تھے نا۔ چلانا کیسے سیکھے ہو؟ تمہارے پاس اپنی سواری تو کوئی تھی نہیں۔''

''پاپا! عدی کے پاس لینڈ روور ہے۔ ہم دونوں چلایا کرتے ہیں۔''

''نہیں بیٹے پرائی چیز کو اپنا نہیں سمجھتے۔ میں تمہارے لیے گاڑی لے رہا ہوں۔''

''نہیں پاپا مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو بس آج اس لیے لے گیا کہ واپسی میں کیسے آتا۔ آئندہ ضرورت نہیں ہوگی۔''

''کیوں؟''

''گاڑی موجود ہے۔ ہم سب مل کر ہی استعمال میں لائیں گے۔ روز روز کسے ضرورت پڑے گی۔ پھر ابھی تو میں وہیں عباس نگر میں ہی رہوں گا۔ ہوسٹل سے چار قدم پر کالج ہے۔ عدی لوگوں کے ہاں جانا ہو تو وہ لینڈ روور لے آتا ہے اور کسی بات کے لیے گاڑی چاہیے ہوگی اور اگر ایسی بات ہو بھی گئی تو آج بھی تو گاڑی لے گیا ہوں۔ لے لیا کروں گا کبھی کبھار۔''

''نہیں...... نہیں...... تمہیں مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر تم جوان لڑکے ہو۔ تمہاری اپنی مصروفیات ہیں۔''

"نہیں پاپا بالکل نہیں۔ پھر آپ دور تو نہیں ہیں جب بھی ناگزیر لگا آپ سے کہہ دوں گا۔"
"تمہاری مرضی..... اچھا جاؤ کھانا کھالو۔ ہم نے تمہارے انتظار کے بعد ابھی ابھی کھانا کھایا ہے۔"
"پاپا کھانا تو میں نے کھالیا ہے آپ نے ناحق انتظار کی زحمت کی۔"
"چلو ٹھیک ہے۔ اینی پرابلم؟"
"نہیں پاپا۔"
"تو جاؤ اپنے کمرے میں..... ممی سے ملے۔"
"جی نہیں..... اب مل لوں گا۔"
شبیر ممی کے کمرے کی طرف چلا۔
"السلام علیکم!" سب لوگ ابھی تک وہیں تھے۔ ویلوٹ کے نیوی بلیو صوفے پر نیم دراز ممی سیدھی ہو بیٹھیں۔ ظہیر نے اس کی طرف دیکھا۔ سب نے ہی سلام کا جواب دیا۔
"کہاں رہ گئے تھے آپ بڑے بھائی۔" ظہیر نے جھٹ کہا۔
"آئی ایم سوری ظہیر! کافی دیر ہوگئی۔ یہ لو گاڑی کی چابی آئندہ تمہیں یہ کوفت نہیں اٹھانی پڑے گی۔"
"ارے ایسی کوئی بات نہیں مجھے تو کہیں بھی نہیں جانا تھا۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ گاڑی آپ کی بھی ہے۔"
"ٹھیک ہے میں تو بس یہ کہہ رہا تھا۔ آئندہ اتنے زیادہ وقت کے لیے گاڑی نہیں لے جاؤں گا۔"
"ایسی بھی کیا احتیاط کہیں آنے جانے میں دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔" ممانے رسمی الفاظ کو جذبات کا لبادہ اوڑھانے کی بھرپور کوشش کی۔
"پاپا کہہ رہے تھے۔ آپ لوگ کھانے پر میرا انتظار کرتے رہے۔"
"ہاں جناب آخر آپ بڑے بیٹے ہیں اس گھر کے..... احترام تو سب پر لازم تھا۔" منیر نے بظاہر ہنستے مسکراتے ہوئے کہا۔ شبیر لاکھ گھر سے ماں باپ سے دور رہا ہو۔ تھا تو ایک انسان۔ اور انسان محبتوں نفرتوں خلوص اور بناوٹ ہر چیز کی پہچان رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان سارے جذبوں کو ملا کر ہی تو..... انسانوں کو بنایا گیا ہے۔
"شکریہ..... تھینکس سو مچ مائی ینگر برادر۔ ... آئندہ آپ کو اس قسم کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑے گا۔"
"شبیر بھائی! ایک بات کہوں۔" ارم ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کہنی صوفے کے بازو پہ ٹکائے اس سے مخاطب تھی۔
"جی کہیے۔"
"سہ پہر جو لوگ آئے تھے۔ کون تھے وہ؟"
"میرے دوست تھے۔"
"سخت بدتمیز تھے۔ ایٹی کیٹس سے ناواقف۔"
"کیوں؟"
"باہر گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ اندر آنے میں کیا قباحت تھی۔"
"اوہ..... میں نے ان سے کہا ہی نہیں تھا۔"
"آپ نے سمجھا ہوگا کہ میرے دوستوں کو شاید ریسپانس نہ ملے۔ ڈونٹ وری شبیر بھائی۔ ہم لوگ اتنے

...بد اخلاق نہیں ہیں۔" شمازیہ نے گرہ لگائی۔
"آئی ایم سو سوری مما..... نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ آپ نے برا مانا ہوگا مگر یقین ...یے ممانے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ اب مجھے بھی ملال ہو رہا ہے۔ وہ لوگ کیا خیال کریں گے کہ میں نے ...ما پانی کو بھی نہ پوچھا۔"
"...یہ آپ سے زیادہ ہم لوگوں کی توہین ہے۔" منیر نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ شبیر سر ...نے خاموش کھڑا تھا۔
"بیٹھو شبیر۔"
"نہیں مما! تھینک یو..... میں نماز پڑھ کر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔" وہ کوریڈور سے اوپر کی منزل کی ...ف چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

تیسرے دن اس نے پھر عدی کو فون کیا۔ شاہنواز عسکری نے اسے زمینوں کی سیر کے لیے کہا تھا کہ وہ غفور بابا کو ...تھ لے جائے دو چار دن زمینوں پہ رہ آئے۔ شبیر نے ان سے عدی کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگ لی۔ ...مینوں کا سفر جیپ بہتر انداز میں کر سکتی تھی۔ عدی اپنی کمنا سمیت حاضر ہو گیا۔ شبیر اپنے بریف کیس کے ...تھ لیٹ پر ہی مل گیا۔ ساتھ میں غفور بابا بھی تھے۔
"ان سے ملو عدی۔ یہ ہمارے سفر کے رہنما غفور بابا۔"
عدی نے انہیں سلام کیا۔ غفور بابا نے دعائیں دیں۔
"کیا سوجھی ہے تجھے یار..... زمینوں پہ جانے کی۔ کیا رکھا ہے وہاں۔"
"بہت کچھ عدی! بہت کچھ فطرت کا سارا حسن اپنی بے ساختگی کے ساتھ ان ہی علاقوں میں ملتا ہے۔ میں نے تو ...ن تک یہ سب کچھ ٹی وی اور فلم کے ذریعے ہی دیکھا ہے۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔"
"ٹھیک ہے یار کاٹ لیں گے ہم بھی قید..... قید تنہائی۔"
"ارے میں تمہارے ساتھ ہوں پھر بھی تنہائی کی قید۔"
"دراصل شبی! میرا دل ایک پل بھی ایسی جگہوں پر..... نہیں لگتا۔ لعنت ہے یار..... تمہیں خبر ہے میرے جانے ...وہ بے چاریاں قسمت کی ماریاں کتنی اداس اور پریشان ہو جائیں گی۔"
"کون؟"
"وہی ساری کی ساری حسن کی دنیائیں اس ناچیز کے دم سے آباد ہیں۔"
"عدی..... تم..... تم کیا کہہ رہے ہو۔"
"سچ کہہ رہا ہوں بلکہ یہ بھی بتاتا چلوں کہ یوتھ کلب کی آدھی سے زیادہ لڑکیاں تم پر ایک ساتھ نثار ہونے کا ...الزام لیے بیٹھی ہیں۔"
"مجھ پر..... لاحول ولا......" شبیر نے برا سا منہ بناتے ہوئے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا۔
"وہ لڑکیاں ہیں پیارے شیطان نہیں جو تم لاحول ولا پڑھنے لگے۔"
"مجھے تو تم معاف ہی رکھو تو بہتر ہے اور ان ساری محترماؤں سے کہہ دو بلکہ میری طرف سے دست بستہ عرض کر ...دو وہ مجھ پر نثار ہونے کا ارادہ ترک کر دیں۔ میرے ناتواں کندھے احسانوں کا ایسا بھاری بوجھ اٹھانے سے

قاصر ہیں اور دیکھو عدی! اب انسان بن کر بیٹھو ہمارے ساتھ غفور بابا بھی ہیں۔ وہ کیا سوچیں گے۔'' شبیر نے آہستگی سے کہا۔

عدی نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''تم بے شک غفور بابا سے پوچھ لو۔ اچھے خاصے خوب صورت رہے ہوں گے جوانی میں۔ اور ان پر بھی سیکڑوں لڑکیاں مرتی ہوں گی۔ کیوں غفور بابا؟'' اس نے با آواز بلند غفور بابا کو پکارا۔

''عدی! تم بہت بدتمیز ہو۔''

''مجھ سے کچھ کہا بیٹے؟'' غفور بابا نے آنکھیں کھولیں وہ بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

''نہیں بابا! کچھ بھی نہیں۔'' شبیر نے جلدی سے کہا۔ سفر ایسی ہی باتوں میں کٹ گیا۔ رات سے قبل وہ اپنے گاؤں پہنچ گئے۔ سردی کا موسم پورے جوبن پہ تھا۔ جیپ سے باہر نکلتے ہی سرد ہوائیں ان پر حملہ آور ہوئیں۔ عدی نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ چھپا لیے۔ شبیر نے جرسی پہن رکھی تھی۔ اس نے جھٹ بیگ کھول کر لانگ کوٹ نکال کر کندھوں پر ڈال لیا۔

دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔ یہ غفور بابا کا گھر تھا۔ کچی اینٹوں اور گارے سے بنا سرکنڈوں کی چھت والا گھر۔ چکنی مٹی سے لپا ہوا۔ غفور بابا نے اندر جاتے ہی آوازیں لگانا شروع کر دیں۔ پل کی پل میں اہل خانہ ان دونوں کے گرد جمع تھے۔

''یہ میرا خاندان ہے شبیر میاں...... میری بیوی۔ میری بہنیں' بیٹے بیٹیاں...... پوتے' نواسے۔ بہوئیں' داماد...... سب کے سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ بڑا اتفاق ہے سب میں۔ بہت ڈرتے ہیں یہ سب میری گھر والی سے اس نے سب کو محبت' خلوص اور پیار کی ڈوری میں باندھ کر یکجا کر رکھا ہے۔ یہ دیکھیں...... یہ لمبی قطار ہے کمروں کی۔ سب کو دو دو کمرے دے رکھے ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے کو سونے کو...... کھانا سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ محنت جو ایک ساتھ کرتے ہیں۔ تھوڑی سی زمین میں رب نے برکت دے رکھی ہے۔ گندم کا ایک دانہ اور کپاس کا ایک پھول ضائع نہیں ہوتا۔ وہ دیکھیں۔ ادھر باڑہ ہے۔ بارہ پندرہ بھینسیں' بیس پچیس گائیں ادھر بندھی ہیں۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ دودھ دہی' لسی' مکھن' پنیر' گھی۔ سب خالص ہے۔ صبح جب آپ میرے ساتھ چلیں گے تو میں آپ کو آپ کی زمینوں کے علاوہ اپنی چھوٹی سی کھیتی اور سبزی کا فارم بھی دکھاؤں گا۔''

''غفور بابا! یہ گھر تو آپ کی چھوٹی سی سلطنت ہے۔ آپ اسے چھوڑ کر ہمارے ہاں رہتے ہیں۔''

''بس شبیر میاں! یہ بھی وفا ہی ہے اسے وفا ہی کہہ لیں۔ میں بچہ تھا ابھی جب سر عبداللہ کے ہاں چھوڑ آیا تھا مجھے میرا بابا۔ اس گھر کو چھوڑوں تو کیسے۔ میری زندگی کی کہانی تو وہیں بکھری پڑی ہے۔ بہت کچھ دیکھا ہے میں نے...... میں تو وہاں تنہائی میں بھی خوش رہا۔ اب صاحب آ گئے ہیں تو کیسے چھوڑ دوں۔ وفا سے منہ موڑ لوں۔ بڑے صاحب نے مجھ سے وفاداری کا عہد لیا تھا۔ اس عہد کو کیسے توڑ دوں۔ آپ تو بچے ہیں شبیر میاں! آپ کو کیا خبر۔ میں نے تو وفا سب سے کی ہے۔ صفیہ بی بی سے بھی...... کنیز بی بی سے بھی۔''

''یہ کون ہیں؟''

''صفیہ بی بی آپ کی پھوپھی ہیں۔''

''میری پھوپھی......''

''ہاں میاں...... اکلوتی پھوپھی...... کیا آپ کو خبر نہیں۔''

''نہیں تو۔''

''اچھا اسکوپ ہے یار...... ان پھوپھی صاحبہ کی لڑکیاں بھی یقیناً ہوں گی۔ میں یوتھ کلب کی آدھی سے زیادہ نمبران سے کہہ دوں گا۔ وہ تم پر نثار ہونے کا ارادہ ترک کر دیں۔ کیونکہ عنقریب تم اپنی کزن کو پیارے ہونے والے ہو۔'' عدی شرارت سے باز نہ آیا۔

''اوہ لیو نان سینس عدی۔''

''کبھی تو چپ رہا کرو۔ ان باتوں کا کیا ذکر بھلا۔''

''ٹھیک ہے چپ ہوا جاتا ہوں لیکن فکر نہ کرو۔ واپس جاتے ہی کھوج لگانا میری ذمہ داری۔ یوتھ کلب کی ممبران نہ سہی لیکن میں چاہتا ہوں تم کسی نہ کسی کے ہو جاؤ۔''

شبیر نے اسے گھورا...... وہ ہنس دیا۔

☆☆

''سچ کہہ رہا ہوں۔ کسی نہ کسی کا ہو جانا اشد ضروری ہے اور اب تو اتنے عرصے بعد تمہارے پاپا تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں۔ تمہاری ساری آرزوئیں بنا کہے پوری ہو رہی ہیں۔ اب کس بات کا خوف ہے۔ کر لو بیٹا کر لو بیٹا محبت۔ معاملہ سیریس ہو گیا تو پاپا سے کہہ کے...... بیں بیوں باں کے ساتھ میرا مطلب ہے شہنائی کی گونج میں اسے گھر لے آنا۔''

''فضول بکواس بند۔ اندر چلو مارے سردی کے ہاتھ پیر اکڑنے لگے ہیں۔'' شبیر نے عدی کا ہاتھ تھاما۔ غفور بابا کو ان دونوں کی اس گفتگو کی خبر نہ ہوئی۔ وہ بولے۔

''چلو بیٹا اندر کمرے میں...... یہ مسرور کہاں ہے۔ مسرور...... مسرور بیٹے۔'' غفور بابا آوازیں دے رہے تھے۔ لمحوں میں ایک خوب صورت سا نوجوان کرتے اور لاچے میں ملبوس اپنے مضبوط شانوں پر گرم شال ڈالے ان کے سامنے تھا۔

''شبیر بیٹے! یہ میرا سب سے بڑا پوتا ہے مسرور...... پانچ جماعتیں پاس کر چکا تھا۔ پھر اس کا باپ مر گیا...... وہ میرے گھر کو سنبھالے ہوئے تھا۔ میں نے سارا بوجھ مسرور کے کندھوں پر ڈال دیا۔ میرا یہ بیٹا بہت محنتی اور جفاکش ہے۔''

''سلام سائیں......'' مسرور ان کے آگے قدرے جھکا۔

''ارے نہیں یار...... ہم سے تو ہاتھ ملا کر بات کرو۔'' شبیر نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

مسرور نے جھجکتے ہوئے غفور بابا کی طرف دیکھا۔

''آپ مالک ہیں شبیر بیٹے۔ ہم لوگ آپ کے نمک خوار ہیں۔ ہمیں اپنے درجے سے آگے نہ بڑھائیے۔''

شبیر مسکرا دیے۔

''ارے نہیں غفور بابا۔ میں اس اونچ نیچ کو تسلیم نہیں کرتا۔ سب انسان برابر ہیں۔ نسلیں' رنگ' قومیت...... یہ سب انسانیت کے آگے ہیچ ہیں۔ انسان بس انسان ہی ہے۔ مسرور ہمیں اپنا دوست سمجھو۔ ہم سے ہاتھ ملاؤ۔ غفور بابا! کل ہم سیر کے لیے جائیں گے...... بے تکلفی کی فضا ہوگی تو مزا آئے گا۔ گائیڈ بھی دوست ہونا چاہیے۔'' وہ بھی مسکرا دیے۔

مسرور نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ پھر عدی نے ہاتھ ملایا۔ غفور بابا نے مسرور کو مخاطب کیا۔
''مسرور بیٹے چھوٹے صاحب اور ان کے دوست کے لیے کمرہ تیار کرا دو اور ضرورت کا سامان بھی رکھوا دو...... میں سفر سے تھک گیا ہوں اور پھر نماز کا وقت بھی ہونے والا ہے۔''
''غفور بابا...... ہمارا گھر یہاں سے دور ہے کیا۔''
''بیٹا گھر نزدیک بھی ہو تو کیا ہے۔ وہ تو اب ایک ویرانہ بن چکا ہے۔ کمرے بند ہیں۔ صحن میں جھاڑ جھنکار کا قبضہ ہے۔ وہ رہنے کے قابل نہیں...... چھوٹے صاحب! میرا گھر آپ کے گھر جیسا سجا سجایا اور قیمتی تو نہیں پر آپ کو یہاں آرام ضرور ملے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں کل وہ گھر صاف کروا دوں گا۔''
''ٹھیک ہے۔ کل جا کے دیکھیں گے۔ فی الحال تو محترم غفور بابا ہمیں...... بھوک لگی ہے۔'' عدی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔
''کیوں نہیں...... کیوں نہیں......'' غفور بابا نے جلدی سے کہا۔ ''مسرور...... اپنی ماں سے کہو کھانا تیار کر دے۔''
''نہیں نہیں غفور بابا۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو بھی ان لوگوں نے اپنے لیے بنا رکھا ہو ہمیں بھی دے دیں۔ کیوں عدی؟''
''کیوں نہیں...... بالکل۔ میں جب بھی جمال پور جاتا ہوں سرسوں کے ساگ اور تندوری روٹی کی فرمائش کرتا ہوں۔ شبیر کبھی تم نے کھایا۔ ایمان سے ٹھنڈا مکھن، گرم روٹی، سبز مرچوں والا ساگ...... جواب نہیں۔'' عدی نے نقشہ کھینچا۔
''وہ جی...... ماں نے آج ساگ ہی پکایا ہے۔'' مسرور بھولا بھالا سیدھا سادا جوان تھا خوش ہو کر بتانے لگا۔
''تو پھر دیر کس بات کی...... ہم...... میرا مطلب ہے ہم اپنے کمرے تک جاتے ہیں...... آپ...... آپ...... غفور بابا ہمارے لیے کھانا بھجوا دیں۔'' شبیر نے جلدی سے بات مکمل کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

مہمانوں کی خاطر داری میں نئے بکس میں بند نئے بستر نکالے گئے۔ بڑے بڑے سرخ پایوں والے نہیں بان سے بنے پلنگوں کو کھیس اور دو دو گدے اور پر پلنگ پوش ڈال کر ریشمی لحاف اور کڑھائی والے سفید تکیوں سے سجا دیا گیا۔ لڑکیاں لوہے کی سرخ انگاروں سے بھری انگیٹھیاں وہاں رکھ گئیں۔ جانے کہاں سے ایک میز لائی گئی جس پر کڑھائی والا میز پوش تھا اور اس پر کھانا سجا دیا گیا۔ وہ چار گھنٹوں کے سفر نے دونوں کو تھکا دیا تھا اور بھوک بھی زوروں پر تھی دونوں نے سادہ سے کھانے سے خوب انصاف کیا۔ عدی تو کھانا کھاتے ہی بستر میں گھس گیا جب کہ شبیر مسرور کو لے کر گھر سے باہر آ گیا۔ چاندنی رات کا جوبن اپنے عروج پر تھا۔ حد نظر تک پھیلا سبزہ...... سرسراتی ہوائیں کچھ فاصلے پر چلتا ٹیوب ویل شفاف پانی کی موٹی سی دھار چاندنی میں چمک رہی تھی۔ خاموش فضا میں یہ سب کچھ بہت دلفریب تھا۔
''مسرور......''
''جی صاحب!''
''تم لوگ یہاں کیسے رہتے ہو؟''
''بہت خوش جی۔

''نہیں بہد رہا تھا...... تمہیں شہری سہولیات کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔''
''نہیں صاحب۔ ہمیں یہاں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اپنا گھر، اپنی زمینیں، بھینسیں، گائیں...... مرغیاں، ... کھیت، سبزیاں سب کچھ ہی تو اپنا ہے۔''
''مسرور تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم شہر میں پتھر سے بنے بڑے سارے بنگلے میں رہو۔''
...ہونے سے ہنس دیا۔
''بابا کہتا ہے آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے جی...... خدا مبارک کرے۔ ہم لوگ تو یہیں کے عادی ہیں۔''
''تم گرمی میں بھی خود ہل چلاتے ہو؟''
''جی ہاں...... کام کی دھن میں گرمی سردی کی خبر نہیں ہوتی جی اور پھر میں ہی کیا۔ میرے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ ہم سب مل جل کر کام کرتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں۔ چھ ماہ بعد جب یہ بڑی فصل کی ڈھیری ہمارے سامنے بنتی ہے تو ہم گرمی سردی سب بھول جاتے ہیں۔''
''فصلوں کا کیا کرتے ہو؟''
''جی گندم تو سال کے خرچ کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں۔ کپاس کی ڈھیری بیچ کر سال کا خرچ چلاتی ہے میری دادی ماں۔''
''اور تم لوگ کیا کرتے ہو۔ کپڑا لتا اور دوسری ضروریات۔''
''جی وہ ہم سب کی ضروریات کا خیال رکھتی ہے نا۔''
''اچھا...... اس کا مطلب ہے تمہارا گھر معاشی مساوات کے لیے ایک عمدہ نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے یا تم لوگ اپنا حق نہیں مانگتے۔''
''صاحب! جب بنا مانگے ہی مل جاتا ہے تو احتجاج کس بات کے لیے۔ دادی ماں ہم سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہے اور ہم جو محنت کرتے ہیں تو یہ سوچ کر ہی کرتے ہیں کہ اس کمائی میں دوسروں کا حصہ بھی شامل ہے۔ ...نے صاحب! زندگی سے ایثار و قربانی نکال دی جائے تو آدمی بھی جانور نظر آنے لگے۔ اپنے لیے کرنے اور دوسروں کے لیے کرنے میں بہت فرق ہے۔ خوشی تو تب ملتی ہے جب آپ دوسروں کے لیے کچھ کرتے ہیں۔''
''مسرور......!'' شبیر ٹھٹک کر رک گیا۔
''جی چھوٹے صاحب۔''
''یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں۔''
''یہ باتیں مجھے میرا امن سکھاتا ہے جی۔''
''پھر تو تمہارا امن بہت خوب صورت ہے۔ تمہارا دل محبت سے بھرا ایک گہوارہ ہے جہاں امن و سکون ہے۔ ...تی ہے۔ سکھ چین ہے۔''
مسرور مسکراتا رہا۔
''مسرور تم میرے ساتھ چلے چلو۔''
''کیوں چھوٹے صاحب۔''
''آگے پڑھ لو...... اس ملک کو تم جیسے روشن خیال نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ ملک کی ترقی ایسے ذہنوں کی ...منت ہے۔''

"جی...... آپ نے کیا کہا؟"
"میں کہہ رہا ہوں کہ تم تعلیم حاصل کرو۔ ترقی کرو۔"
"نہیں چھوٹے صاحب...... بابا کے بعد یہ گھر مجھ پر چل رہا ہے۔ میں کیسے جا سکتا ہوں۔ ہاں اپنا شوق میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں پر پورا کر رہا ہوں۔"
"اچھا انہیں پڑھا رہے ہو۔" شبیر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔
"جی ہاں۔"
باتیں کرتے کرتے وہ کافی دور نکل آئے۔
"چھوٹے صاحب...... آپ بھی پڑھ رہے ہوں گے۔ ویسے آپ کو ضرورت تو نہیں پڑھنے کی۔"
"وہ کیوں؟"
"آپ کے والد صاحب اتنے بڑے آدمی ہیں۔ پڑھ لکھ کر آپ کو نوکری تھوڑا کرنی ہے۔"
شبیر ہنس دیا۔
"بہت بھولے ہو سرور...... صرف نوکری کے لیے پڑھا لکھا جاتا ہے کیا؟ میں تو تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ معاشرے میں شعور و آگہی کی روشنی پھیلانے کے لیے۔ حقوق و فرائض کی پہچان کرانے کے لیے۔ انسانوں کی اس بستی سے اونچ نیچ کا فرق مٹانے کے لیے۔ مجھے دنیا کے اس قانون سے یہاں کے رسم و رواج سے نفرت ہے۔ میں یہاں اس قانون کی حکمرانی دیکھنے کا متمنی ہوں۔ جو امیر اور غریب کا فرق مٹا دے۔ جس کی کوئی مصلحت نہ ہو۔ جس کے بناوٹی اور مصنوعی رنگ نہ ہوں۔ قانون کی حیثیت اٹل ہو۔ قانون نہ بدلے۔ بلکہ انسان کو اپنی ذات میں تبدیلی لانا پڑے۔ اوہ میں بھی کیسی باتیں کرنے لگا۔ میرا خیال ہے ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ صبح آگے جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ آپ تھک گئے ہوں گے۔ چل کر آرام کیجیے۔" دونوں واپس مڑے اور گھر کی طرف چل دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وقت سحر شبیر نے عدی کو بھی کان سے پکڑ کر اٹھا دیا۔
"کیا کرتے ہو یار...... سونے دو نا......" وہ پھر لیٹ گیا۔
"میرے ساتھ رہو گے تو یہی کچھ ہوگا۔"
"واہ کوئی زبردستی ہے کیا؟" اس نے لحاف میں منہ چھپانے کی کوشش کی۔
"ہاں زبردستی بمعہ دھونس کے ساتھ پہلے نماز پھر کوئی اور بات۔" شبیر نے اس کا کان مروڑ دیا۔ عدی کو گرم بستر چھوڑتے ہی بن پڑی۔
سرور ان کے لیے گرم پانی لے آیا تھا۔ نماز کے لیے وہ دونوں اس کے ساتھ چلے آئے۔ کچے آنگن اور پکی عمارت والے اللہ کے گھر میں کھجور کی چٹائی پر سر سجدہ ہو کر بھی شبیر امارت اور غربت کے فرق کو سمجھنے میں کوشاں رہا۔
ناشتا بہت جلد تیار ہو گیا تھا۔ عدی نے خستہ پراٹھے اور مکھن کا خوب لطف اٹھایا۔ دودھ پتی کی چائے مزے لے کے پی اور شبیر کے ساتھ سیر پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

شبیر کے پروگرام میں اپنا گھر دیکھنے کا شوق بھی شامل تھا۔ حویلی واقعی آسیب زدہ نظر آتی تھی جہاں دن میں جاتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔ حویلی سے تھوڑے فاصلے پر ایک انتہائی خستہ حال چھوٹی سی عمارت میں علم سرمائی چھٹیوں میں بھی علم کی روشنی پھیلانے میں مصروف تھے۔ شبیر، سرور اور عدی کے ساتھ بے دھڑک اسکول میں داخل ہو گیا۔ بچے زمین پر بیٹھے سبق پڑھ رہے تھے۔ اسکول کی عمارت انہیں سردی اور گرمی سے بچانے کے لائق نہ تھی۔ وہ کافی دیر اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے باتیں کرتا رہا۔
"اب تو سردیاں ہیں۔ دھوپ میں بیٹھ کر گزر ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں یہ بچے کہاں بیٹھتے ہیں۔" اس نے کسی ماہر تعلیم کی طرح متعدد سوال پوچھنے کے بعد یہ سوال کر لیا۔
"گرمیاں درختوں کے سائے میں ہی کٹتی ہیں۔ کئی بار میں نے اور مجھ سے پہلے ہیڈ ماسٹروں نے درخواست گزاری ہے لیکن ارباب اختیار کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔"
"میں اپنے پاپا سے بات کروں گا وہ متعلقہ محکمے تک آپ کی شکایت پہنچائیں گے۔ میں شاہنواز عسکری کا بیٹا ہوں۔ وہ سامنے کی وسیع و عریض عمارت میرے آباؤ اجداد کی ہے...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس بے مصرف عمارت کو اسکول بنا دیا جائے۔" شبیر نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"یہ ناممکن ہے بیٹے۔" ہیڈ ماسٹر نے نرمی سے کہا۔
"کیسے ناممکن ہے۔ میرے پاپا کا گھر میرا گھر بھی ہے اور میں بہ خوشی اجازت دے رہا ہوں۔ ابھی ایک استاد صاحب نے مجھے بتایا کہ مڈل کے بعد بچوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ چار میل دور کے ہائی اسکول میں جانا پڑتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں سر! میں پاپا سے کہہ کے اسکول کا درجہ بڑھوانے کی کوشش بھی کروں گا۔ آپ ایسا کریں اپنے ملازموں اور طالب علموں سے یہ گھر صاف کرا کے اسکول کا سامان ادھر منتقل کر دیں۔"
"آپ نادانی کی باتیں کر رہے ہیں۔"
"ہرگز نہیں آپ اسکول منتقل کریں۔ اپنے پاپا سے بات کرنا میرا کام ہے۔" وہ اڑ گیا اپنی بات پر۔
"دیکھیے برخوردار! ہم اپنے محکمے کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کے مجاز نہیں۔"
"سر! محکمے کو ان بچوں کی صحت اور جان کی فکر نہیں ہے تو جگہ کی تبدیلی کے بارے میں سوال کرنے کا بھی حق نہیں اگر سردی گرمی نے کسی کی جان لے لی تو۔" وہ جذباتی ہو گیا۔
"پچھلے سال دو بچے لو لگنے کی وجہ سے مر گئے۔" ایک استاد نے زبان کھولی۔
"تو...... تو آپ کے محکمے نے اس کی ذمہ داری قبول کی۔ سر! آپ علم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ آپ نے بھی کہیں پڑھا ہوگا۔ لیکن میرا تو ایمان ہے جس کام سے نوع انسانی کی بھلائی ہو رہی ہو کسی ذی روح کو مالی یا روحانی نقصان نہ پہنچ رہا ہو اس کے کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ سامان اٹھوائیں اور چلیں۔"
"صاحبزادے! ہم محکمے کی اجازت اور آپ کے والد صاحب کی رضامندی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔"
"ٹھیک ہے میں کل ہی جا کر آپ کے دونوں اعتراض ختم کرا آتا ہوں۔" شبیر نے فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا۔ دوپہر اس نے جذباتی انداز میں غفور بابا سے ذکر کیا۔ وہ اسے ایک بچے کی ناجائز ضد سمجھ کر مسکرا دیے۔ سرور کے لیے یہ بڑی خوش کن بات تھی۔

"چھوٹے صاحب! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بڑی عمارت ہوگی اسکول کی وجہ بڑھ جائے گا۔ میرے بھائی بھی یہ تعلیم حاصل کرتے رہیں گے گاؤں کے سب لوگ آپ کو دعائیں دیں گے۔"

"ہاں سرور سکھ تیں سب کا حصہ بنا ہے۔ دعا کرنا میں اپنے تئیں اس انتحائی نظام کو بدلنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ جو ملک کے غریب عوام کا نصیب ہے اور کچھ نہیں تو میرے گاؤں کے لوگ تو جبر و استبداد اور محرومی کی زندگی سے نکل آئیں۔ تم لوگوں کی ترقی ہماری ترقی ہوگی اور ہماری ترقی ملک کی ترقی۔ ہم سب کو مل کر اس معاشرتی ڈھانچے کو بدلنا ہوگا۔ ایک انسان کو غربت کے قوی ہیکل دیو کے شکنجے میں پھنسا کر اس سے خوبیاں چھین لی جاتی ہیں۔ یہی ہماری پستی اور ذہنی ماندگی کا سبب ہے۔ میں کل جا کے اپنے پاپا سے بات کروں گا۔ پاپا کو اپنے گاؤں کے لوگوں کی فکر مجھ سے زیادہ ہوگی۔"

دوسری شب باہر جانے کے لیے شبیر کو سرور کے سہارے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اسکول کی تجویز نے گھر کر لیا تھا۔ اسی خیال کے تحت وہ اکیلا ہی اپنی حویلی کی طرف چل دیا۔ ٹارچ ہاتھ میں لیے وہ حویلی کے اندر چلا آیا۔ متعدد کمرے جن میں سے کچھ مقفل تھے کچھ کھلے۔

یہ بڑی عمارت صفائی ستھرائی اور ضروری مرمت کے بعد ایک ہائی اسکول کے لیے کافی تھی۔ اپنے ارادے کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانے کے شوق نے اس کی آنکھوں سے نیند چھین لی تھی۔ مفکروں کی طرح سوچ بچار کرتے وہ پندرہ منٹ بعد حویلی سے نکل آیا۔ حویلی کی بیرونی دیوار کے ساتھ دو انسانی سایوں نے اسے چونکا دیا لمحہ بھر کو خوف سا آیا۔ نسوانی سسکیوں نے اس کی راہ روک لی وہ دروازے پر ہی رک گیا...... وہ جو بھی تھے دائیں طرف کی دیوار کے پار تھے شبیر نے آواز کے تعاقب میں اپنی قوت سماعت دوڑائی۔

"یہ ناممکن ہے...... یہ ناممکن ہے...... میں تیرے ساتھ چلی بھی آؤں کون قبول کرے گا مجھے۔ میرے باپ کو تو صرف پانچ ہزار کی ضرورت ہے۔ ان پانچ ہزار روپوں کے بغیر میرے نکمے بھائی کی شادی نہیں ہوسکتی۔ وہ مجھے بیچ کر میرے بھائی کا گھر آباد کرنا چاہتا ہے اور اس بڈھے کھوسٹ نے تو پانچ ہزار کے بجائے دس ہزار دینے کا وعدہ کیا ہے وہ تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ کس طرح دے دے گا۔"

"میں کچھ کھا کے سو رہوں گا...... اپنی آنکھوں سے تجھے اس کمین بڈھے کی ڈولی میں بیٹھ کر جاتا نہیں دیکھ سکتا۔" اس آواز نے شبیر کو چونکا دیا۔ وہ سرور تھا۔ لڑکی بولی۔

"سرور...... تو اپنے دادے سے بات تو کر......"

"کیا کہوں؟ نہیں نہیں یہ تو میں کبھی نہیں کہہ سکتا۔"

"تو پھر گھر چھوڑنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔"

"اس لیے کہ مجھے تیری اور تجھے میری ضرورت ہے۔ ہم دونوں بھوک ننگ میں بھی گزارہ کر لیں گے۔ تیرا ابا بغیر پیسے کے تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں دے گا اور میرا دادا یہ پیسے نہیں دے سکے گا۔"

"سرور! تیرے دادا کے باڑے میں اتنی بھینسیں گائیں ہیں...... وہ دو جانور تیری خاطر نہیں بیچ سکتا۔"

"جانور صرف دادا کے یا میرے نہیں اس کے کئی حصے دار ہیں رانو...... وہ کب گوارا کریں گے۔ پھر تو میرے چاچو کے بیٹے...... پھوپھیوں کے بیٹے سب ہی...... نہیں نہیں رانو...... یہ نہیں ہوسکتا...... میں تیری جدائی پر صبر کر سکتا ہوں صبر نہ کرسکوں تو جان دے سکتا ہوں لیکن یہ نہیں کرسکتا۔"

لڑکی زور زور سے رونے لگی۔

"کیوں بڑھا تھا میری طرف؟ کیوں آیا تھا میری طرف؟ کیوں اٹھائی تھیں ساتھ نبھانے کی قسمیں؟ کیوں دکھائے تھے اپنے سنگ جینے کے خواب صرف اس لیے کہ اس بڈھے خرانٹ کی سیج سجاتے ہوئے میں خون کے آنسو روتی رہوں۔ تجھ سے کچھ نہیں ہوتا میں ہی کچھ کروں گی...... میں ہی......"

"کیا کرے گی؟"

"جو جی میں آئے گا۔"

"اچھا مجھے سوچنے دے...... اور اب اجازت دے شہر سے چھوٹے صاحب آئے ہیں نا۔ دادا ناراض ہوگا کہ میں کہاں مر گیا۔ چھوٹے صاحب کو گاؤں بھا گیا ہے۔ شاید اب بھی وہ میرے ساتھ چاندنی رات کا نظارہ کرنے جائیں۔ میں کل تجھ سے بات کروں گا۔"

"تو نے کیا کرنا ہے۔ تو بزدل ہے؟ میں ہی کچھ کروں گی۔"

سرور ہنس دیا۔

"اچھا رب راکھا۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سرور آگے بڑھا تو شبیر دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ سرور تیز قدموں سے چلتا بہت جلد آگے نکل گیا...... شبیر نے باہر نکل کر دائیں دیوار کے ساتھ نگاہ کی۔ لڑکی مخالف سمت تیز قدموں سے جا رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ صرف اس کا گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ آٹھ دس قدموں کے فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے چلتا وہ اس کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے وہ دونوں کافی دور نکل آئے۔ راستے سنسان اور ویران تھے۔ دور دور تک کسی انسان کا نشان نہ تھا۔ سرور بھی جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شبیر کو راستوں سے شناسائی نہ تھی۔ وہ لڑکی دائیں طرف مڑ گئی۔ شبیر بھی پیچھے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ وہ ایک کنوئیں کے قریب آ گئی۔ اسے خبر نہ تھی لیکن یہ ایک ویران کنواں تھا جو گاؤں والوں کے استعمال میں نہیں تھا۔ شبیر نے ویرانے میں لڑکی کو رکتا دیکھا تو ٹھٹک گیا اور تیز تیز قدموں سے اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ لڑکی نے کنوئیں کی منڈیر پر ہاتھ رکھ کر اندر جھانکا۔ دوسرے پل...... وہ منڈیر پر چڑھ گئی...... اور جونہی اس نے کودنا چاہا شبیر نے پوری قوت سے اسے تھام لیا۔

ایک چیخ چاروں اور پھیل گئی۔

"کون ہو تم؟ چھوڑ دو مجھے۔" لڑکی نے ایک دم مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

شبیر نے اسے بانہوں میں بھر کر منڈیر سے کھینچ کر اتارا۔ وہ اپنا آپ چھڑانے کے لیے مچلی۔

"مرنے جا رہی تھیں حرام موت...... شرم نہیں آتی۔" اس کے لہجے میں بھرپور مردانہ لہجہ در آیا۔

"تم کون ہو اور میرے پیچھے کیوں آئے؟"

وہ مشتعل ہو رہی تھی شبیر نے اسے چھوڑ دیا۔

"مرنے دو مجھے۔ جی کر کرنا بھی کیا ہے۔ کیا رکھا ہے اس دنیا میں۔"

"نہیں زندگی اتنی سستی نہیں ہوتی بے وقوف لڑکی۔"

"سستی ہو یا مہنگی مجھے کچھ نہیں لینا دینا...... تم اپنی راہ لو...... ورنہ کسی نے دیکھ لیا تو میرے قتل کے الزام میں دھر لیے جاؤ گے۔"

شبیر نے اس کا بازو تھام لیا۔

''میری بات سنو۔ آؤ وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔''
اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔ خفگی سے اسے گھورا۔
''مجھے نہیں سننی کوئی بات۔''
''آؤ میں تمہیں تمہارے گھر لے چلوں۔''
''مجھے گھر نہیں جانا۔''
''سنو تمہارے بابا کو دس ہزار روپے میں دوں گا۔ اور غفور بابا سے بھی کہہ دوں گا وہ تمہارا ہاتھ مسرور کے لیے مانگ لیں گے۔''
''تت...... تم یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو؟''
''میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں اور مجھے جاننا بھی چاہیے تھا۔''
''آخر ہو کون تم؟ بھوت ہو جن ہو کون ہو؟''
شبیر مسکرایا۔
''پاگل لڑکی! میں اس علاقے کے جاگیردار شاہنواز عسکری کا بیٹا ہوں...... اپنے گاؤں کے رہنے والوں کے حالات سے باخبر رہنا میرا فرض ہے...... میں تمہاری مدد کروں گا۔ تم خودکشی کا خیال چھوڑ کر میرے ساتھ چلو۔''
''مم مگر تم...... آپ...... آپ کو کیسے خبر ہے۔'' وہ گھبرا گئی...... گڑبڑا نے لگی۔
''اس کی فکر نہ کرو۔ مسرور میرا دوست ہے اور دوست دوستوں کی خبر رکھتے ہی ہیں۔ تمہیں اس کا گھر آباد کرنا ہے یہ ویران کنواں تمہارا ٹھکانا نہیں چلو...... چلو میرے ساتھ......''
''لیکن میں...... میں آپ کو اپنے گھر کیسے لے جاؤں؟''
''نہ لے جانا...... میں تمہیں باہر تک چھوڑ کر چلا جاؤں گا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری شادی مسرور کے ساتھ ہو گی۔ پر تمہیں بھی وعدہ کرنا ہو گا کہ تم خودکشی جیسا منحوس خیال اپنے دماغ میں نہیں لاؤ گی۔''
لڑکی نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔
''سچ چھوٹے صاحب!''
''ہاں بالکل سچ...... ہم ایک دو دن میں تمہارے بابا کے پاس آ جائیں گے۔ اب چلو کس طرف چلنا ہے۔''
وہ اس کے ساتھ چل دی۔ اسے چھوڑنے کے لیے جاتے ہوئے شبیر کو راستے کی خبر نہ ہوئی مگر اس کے گھر کے قریب جا کر پتا چلا کہ وہ غفور بابا کے گھر کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔
مسرور کسی مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا اور شبیر انتہائی سادگی کے ساتھ اس کے ناکام عشق کی داستان غفور بابا کو سنا رہا تھا۔ یوں کہ مسرور کو فرد جرم سے انکار کی ہمت ہی نہ تھی اور غفور بابا خاموش تھے۔
''سادہ سی بات ہے۔ غفور بابا۔ جو ایک بچے کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے...... اس میں مسرور اور رانو کی زندگی کا سکھ چین ہے۔'' سب کچھ کہہ کر شبیر نے مسرور کی وکالت شروع کر دی۔
غفور بابا خاموش ہی رہے۔
''آپ بولتے کیوں نہیں۔ دس ہزار کی معمولی رقم خوشیوں کی خریداری میں لگ جائے تو کیا ہے۔''
''بیٹے بات صرف دس ہزار کی ہی نہیں۔ ضد اور ہٹ دھرمی کی بھی ہے۔''
''کیسی ضد...... کیسی ہٹ......''

''رانو کے باپ نے زبان دے رکھی ہے...... اور...... اور شبیر بیٹے۔ یہاں کے ماحول میں اس حرکت کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ وہ تو آپ نے دیکھا کوئی اور دیکھ لیتا تو دونوں کو قتل کروا دیتا۔''
''مگر غفور بابا! کسی کو زندگی کے ساتھی کے طور پر پسند کر لینا جرم تو نہیں جو سزا بھگتنا پڑے۔ رانو اس بوڑھے آدمی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ اس کا دل نہیں چاہتا۔ وہ اسے قبول نہیں کر سکتی۔ زبردستی تو جرم ہے آپ یہ جرم نہ ہونے دیں اسے بچا لیں۔ مسرور بزدل بنا ہوا ہے آپ کے خوف سے۔ پیسے کی کمی ہے۔ آپ جائیں غفور بابا۔ اس کے والد سے بات کریں۔ میں پیسوں کا انتظام کر لوں گا۔''
''تہ...... تہ...... تہ چھوٹے صاحب۔'' غفور بابا نے جلدی سے کہا۔
''نہیں بابا...... خوشیاں اس کائنات کی رونق ہیں...... اس کائنات میں خوشی کے چمکتے ستارے میری خوشی کا باعث بھی ہیں اور میرا مشن بھی۔ میں پیسے لے آؤں گا۔ آپ جا کے بات کریں۔'' اس نے فیصلہ کر دیا۔
مسرور اس کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے تک آیا۔ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی تھیں۔
''چھوٹے صاحب آپ انسان نہیں نیکی کا فرشتہ ہیں۔ آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ورنہ رانو کی موت کے بعد میں کب زندہ رہتا۔ میں عمر بھر آپ کی غلامی میں رہنے کو تیار ہوں۔ آپ نے مجھے بے مول خرید لیا ہے چھوٹے صاحب۔ یقین کریں میں آپ کی ایک ایک پائی ادا کر دوں گا۔ رانو بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کی ہمراہی میری قوت میں اضافہ کر دے گی۔ میں خوب محنت کروں گا۔''
''مگر ان پیسوں کے لیے نہیں اپنے لیے محنت کرنا۔ یہ پیسے ہماری طرف سے شادی کا تحفہ ہوں گے۔'' وہ بہت بڑے دل و ظرف کا مالک تھا۔
''نہیں صاحب آپ کا یہی احسان بہت ہے۔''
''خیر...... میں اور عدی جائیں گے اور پیسے لے کر آ جائیں گے۔ غفور بابا یہیں رکیں گے۔ ہمارے آنے تک۔ آئی سمجھ۔''
''جی...... جی ہاں۔''
''اچھا جی اللہ کی امان۔''
عدی انگیٹھی کے قریب بیٹھا تھا۔
''کہاں پھر رہے ہو یار...... میں اکیلا بور ہو رہا ہوں۔''
''اب بور نہیں ہو گے۔''
''کیوں کیا تم کوئی پھلجھڑی چھوڑنے والے ہو۔''
''زبردست خبر ہے۔''
''کیا؟''
شبیر نے ساری بات عدی کے گوش گزار کر دی۔
''ونڈرفل...... یار تم نے تو اکیلے اکیلے نئی کمائی...... مجھے بھی شریک کر لیتے اس فلمی سچویشن میں۔''
''فلمی سچویشن؟''
''ہاں ہاں ایک تنہا لڑکی کو رات کی تاریکی اور سناٹے میں موت کے منہ میں جانے سے بچانا۔ گھر پہنچانا مگر شی:

یہاں تک تو بات دلچسپ ہے لیکن سرور سے اس کی شادی...... نہیں۔ نہیں یار بات یہاں غلط ہو گئی ویسے لڑکی ہے کیسی؟ خوب صورت ہے؟"

"خوب صورت ہو گی اچھی ہو گی۔ سچ پوچھو تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔"

"چ...... چ...... چ...... تم نے دیکھی ہی نہیں لڑکی...... یقین کرو اگر تمہاری جگہ میں ہوتا نا تو اپنے حق میں وہ دلائل دیتا...... اتنی شو مارتا کہ وہ سب کچھ بھول بھال میرے عشق میں مبتلا ہو جاتی اور میں اسے راتوں رات لے کر کہیں چلا جاتا۔ کورٹ میرج کر لیتا۔"

"عدی کے بچے...... کوئی تمیز بھی ہے یا ویسے ہی بکے جاتے ہو۔" شبیر نے اسے گھورا۔

"اس گاؤں کے رہنے والے خدا کے بعد بابا کے آسرے پر ہیں۔ غفور بابا کے خاندان کے لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں اور تم......"

"معاف کرنا یار سردی لگ رہی تھی اول فول بک گیا۔"

"خیر معاف کیا...... اب چلو ہمیں ابھی عباس نگر جانا ہے۔"

"عباس نگر......!"

"ہاں ڈیڈی سے مشورہ کرنے۔"

"کس بات کا؟"

"بہت سی باتوں کا۔"

"چلو اچھا ہے۔ میری کلب پارٹنرز کی تسلی ہو جائے گی۔ مجھے دیکھ کر...... بے چاریوں نے دو دن جانے کس طرح گزارے ہوں گے۔"

"پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔"

عدی نے خود کو اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ سے بچالیا۔

غفور بابا کو بتائے بغیر وہ دونوں چل دیے۔

جمال احمد گھر پر ہی تھے۔ ممی نے شبیر اور عدی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دوپہر کا کھانا میز پر لگ چکا تھا۔ سدرہ آپا لان میں بیٹھی ٹھنڈک کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اندر آ گئیں۔ عذرا بھاگی بھاگی آئی۔

"ارے تم آ گئے۔"

"جی آپ کے خضر صفت شبیر صاحب کھینچ لائے۔ ورنہ میں تو اگلی شب کسی مہ جبین کی تلاش میں نکلنے والا تھا۔"

"کیا مطلب؟" عذرا نے بھنویں اچکائی۔

"بکتا ہے یہ...... عذرا...... تم...... اس کی باتوں میں نہ آنا۔ کوئی بات نہ ماننا یہ جھوٹا ہے پرلے درجے کا۔"

"کیا مطلب...... یعنی آپ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی نہ مانوں۔"

"میرے بارے میں؟"

"ہاں ہاں۔ خضر کا کام کروں راہنما بن جاؤں۔" عدی نے جھٹ کہا۔

"چھوڑو عذرا...... اسے تو بات کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔ بیٹے! تم کھانا کھاتے ہی بے شک یہ تو کلب کا رخ کرتا میں ڈیڈی سے بات کروں گا۔"

کھانے کے بعد وہ جمال احمد کے کمرے میں تھا۔

"ڈیڈی مجھے آپ سے کچھ کہنا...... اور کچھ مانگنا تھا۔"

"کہو بیٹے۔"

شبیر نے سب کچھ کہہ سنایا۔ جمال احمد مسکراتے رہے۔

"باتیں دونوں ٹھیک ہیں دل کو لگنے والی ہیں۔ لیکن شبیر ابھی ایسے کاموں کے لیے تم بہت چھوٹے ہو۔"

"ڈیڈی مجھے امید تھی آپ میرا حوصلہ بڑھائیں گے۔ میری جرأت کو سہارا دیں گے مگر آپ......"

وہ افسردہ ہو گیا۔

"آپ تو مجھے بچہ سمجھ کر ٹال رہے ہیں۔"

"نہیں بیٹے...... میں جانتا ہوں شاہنواز عسکری اس تجویز کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اپنا گھر دے دینا کوئی آسان بات ہے کیا۔"

"وہ گھر بے مصرف ہے کیڑے مکوڑوں کا مسکن ہے۔ ضائع ہو رہا ہے انسانوں کے کام آ جائے تو برا کیا ہے ڈیڈی...... اور...... اور پانچ ہزار کی رقم میں نے جو آپ سے مانگی ہے وہ ایک لڑکی کی خوشی کے لیے ہے ڈیڈی۔ پانچ ہزار میرے پاس ہیں گو آپ کی رقم میں آپ کو لوٹا دوں گا۔ لیکن فی الوقت دس ہزار کی شدت سے ضرورت ہے۔ آپ انکار مت کیجیے گا ڈیڈی۔ بالکل نہیں۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا۔ یہ میری انا کا سوال بن گیا ہے میں نے یہ وعدہ آپ کو مد نظر رکھ کر کیا تھا۔"

"شبیر بیٹے بات پیسوں کی نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں تمہارے والد کیا خیال کریں گے۔ تم ابھی ایسے فیصلوں کے لیے واقعی چھوٹے ہو۔"

"آپ بھی میرا حوصلہ پست کر رہے ہیں۔ آپ بھی...... آپ تو کہتے تھے انسانوں میں خوشیاں بانٹنا سب سے بڑی نیکی ہے۔" جمال احمد ہنسنے لگے۔

"ارے...... تم تو تقریر پر آمادہ لگ رہے ہو...... بس بابا بس...... ممی سے روپے لے لو...... مگر سنو!"

جمال احمد نے شرارت سے کہا۔

"واپسی کی صورت کیا ہو گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے بات پوری کی۔

"یہ شبیر کا وعدہ ہے ڈیڈی بہت جلد لوٹا دوں گا۔"

"اتنی بھی جلدی نہیں۔ جب برسر روزگار ہو جانا سود سمیت لوٹا دینا۔ آخر اس پیسے سے نیکی کمانے جا رہے ہو۔ کچھ فائدہ ہمیں بھی تو ہو۔"

"ٹھیک ہے سود بھی لے لیجیے گا۔" شبیر کا بگڑا موڈ درست ہو گیا۔ وہ ممی کی طرف گیا۔ رقم لینے کی خاطر۔

ممی کو بھی خبر ہو گئی بلکہ عدی نے مرچ مسالے کے ساتھ سب کچھ کہہ سنایا۔ سدرہ آپا کو بھی پتہ چلا۔ عورت تھیں...... شبیر کے احساس کی دل کھول کر داد دی۔

ممی نے تو اس کی پیشانی چوم لی۔

"بہت اچھا کیا بیٹے...... یہ دیہات کے لوگ تو لڑکیوں کو بھیڑ بکری سے زیادہ اہم نہیں سمجھتے...... بے چاری لڑکی کیسے گزر بسر کرتی اس بڈھے کے ساتھ...... خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔"

"ہاں ہاں تھی ایک عدد خوب صورت رفیقۂ حیات کی صورت۔" عدی نے لقمہ دیا۔

"نہیں...... اسے سمجھا دیجیے ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑا دیتا ہے۔"

"تو کون سی بری دعا کی ہے اس نے اللہ تمہیں واقعی صلہ دے گا شبی۔ تم جو دوسروں کی زندگی میں روشنیاں پھیلانے کا عزم دل میں لیے اس خوب صورت راہ پر چل رہے ہو تمہارا گھر ستاروں سے سجا ہوگا۔ اور یقیناً اس میں ایک چاند چہرہ لڑکی اپنے حسن سے ضیاء پھیلائے گی۔" ممی تہہ دل سے دعائیں دے رہی تھیں۔

شبیر نے سر جھکا لیا۔

"بس کیجیے ممی یہ چاند چہرے کے ذکر سے شرما گیا ہے آپ ایسا کریں یہ ساری دعائیں مجھے دے دیں۔ بلکہ صرف چاند ہی نہیں مریخ' زہرہ' پلوٹو' مشتری' نیپچون...... عطارد...... سارے کے سارے میرے آنگن میں اتار دیں تو میں آپ کا شکر گزار بھی ہوں گا اور شرماؤں گا بھی ہرگز نہیں۔"

"چل بے شرم۔" سدرہ آپا نے اس کی کمر پر دھموکا جڑ دیا۔

"ہاں سدرہ آپا' عدی یوتھ کلب کی ممبران کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ جنہیں اس نے ایک ساتھ بے وقوف بنا رکھا ہے۔" عذرا نے دل کی حسرت نکالی۔

عدی ڈھیٹ بن کر ہنستا رہا۔

دونوں سہ پہر ہوتے ہی پھر چل دیے۔ راستے میں کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عدی نے سنجیدگی سے شبیر کو مخاطب کیا۔

"شبیر ایک زبردست تجویز ہے اگر تم مانو تو......"

"کون سی؟"

"ارے بھائی وہ اسکول والی۔"

"گاؤں کے اسکول والی...... عدی میں تو حیران ہوں اس ملک میں ایسے فرض شناس استاد اب بھی موجود ہیں۔"

"کیسے؟"

"تم تو اسکول گئے ہی نہیں۔ موسم سرما کی چھٹیوں کے باوجود استاد پڑھانے میں لگے تھے۔ کمزور طلباء کو اپنا قیمتی وقت دے رہے تھے اور ہوشیار اور ذہین طلباء کچھ پا لینے کی لگن میں موجود تھے۔ بس سمجھ لو کہ اسکول میں چھٹیاں ہوئی نہیں۔"

"ونڈرفل......" عدی نے حیرت اور تعریف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ کہا۔

"ایک اسکول کے محنتی اساتذہ اور ایسے ذہین اور لائق طالب علم اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں ساری سہولتیں مہیا کی جائیں۔"

"اسی لیے تو میں آئیڈیا دے رہا تھا۔ مگر ایک بات ہے۔ شبیر یار! اس سازش میں بہت سوں کو شریک کرنا پڑے گا۔"

"یعنی۔"

"سنو......" عدی نے ساری تجویز اس کے گوش گزار کر دی۔

"عدی! تو نے زندگی میں پہلی بار ایک عقل کی بات کی ہے۔ دل خوش کر دیا ہے۔ عدی بن جمال زندہ باد...... پائندہ باد...... جیو پیارے...... بہت اچھے لگ رہے ہو قسم سے۔"

"چلو دور ہٹو...... لیچی کہیں کے...... اچھا مشورہ دیا تو لگے پیار جتانے۔"

"نہیں عدی۔ تم تو خدا کی قسم میرے بہت ہی پیارے دوست ہو بالکل بھائی جیسے۔ سنو عدی... بھائی کبھی کبھی برادران یوسف ثابت ہو جاتے ہیں' ہو سکتے ہیں...... لیکن دوست۔ دوست ہی رہتا ہے سدا...... دوست سے بے وفائی کی امید ہو ہی نہیں سکتی۔"

"خدا نہ کرے کہ ہم ایک دوسرے کی بے وفائی کا دکھ اٹھائیں۔ شبی...... دوستی کے اس رشتے کو ممی نے' ڈیڈی نے' سدرہ آپا نے اور عذرا نے بے حد مضبوط کر دیا ہے۔ ممی تم سے ماؤں جیسا پیار کرتی ہیں۔ ڈیڈی تم پر مان کرتے ہیں۔ سدرہ آپا کے تو تم پیارے بھائی ہو...... عذرا تمہاری لاڈلی بہن ہے اور اور......"

"اور تم...... میری جان کے دشمن۔" شبی نے قہقہہ لگایا۔

"یہ تو گزرتا وقت بتائے گا کہ میں کیا ہوں کون ہوں۔ میں خود کیا کہوں۔ بہر حال عرض ہے کہ میں تمہارا دوست ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم لفظ دوستی کے معنوں سے آشنا ضرور ہو گے کیونکہ تمہاری اردو مجھ سے کہیں زیادہ اسٹرانگ ہے۔ اچھی ہے۔"

"ٹھیک ہے جناب دوست صاحب ابھی تو اس مسئلے کا حل نکالنا ہے۔"

"وہ مسئلہ اب حل شدہ ہے۔ بس میری تجویز پر عمل کر لو۔"

"ٹھیک ہے میں جاتے ہی سب کو مجبور کروں گا...... ایک چھوٹی سی تقریب نیکی کی راہیں آسان کر سکتی ہے تو برا کیا ہے۔"

سہ پہر کو شبیر اپنے کمرے میں بیٹھا...... پالیٹکس کی ضخیم کتاب میں گم تھا۔ جب اچانک شاہ نواز عسکری اس کے کمرے میں آ گئے۔

وہ کتاب رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ان کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"ہیلو بیٹے۔"

"آداب پاپا۔"

"کیا کر رہے تھے۔"

"بس ایسے ہی کتاب دیکھ رہا تھا۔ بیٹھیے پاپا۔"

"ارے نہیں بھئی بیٹھنے کی فرصت کہاں...... میں تو تمہیں یہ دعوت نامہ دکھانے آیا تھا۔ گاؤں کے متعدد اسکولوں کی طرف سے مشترکہ دعوت نامہ ہے۔ تقسیم انعامات کی تقریب ہوگی...... جبھی ان لوگوں نے بیٹھے بٹھائے تمہارے پاپا کو مہمان خصوصی بنا دیا۔"

"ونڈرفل بہت اچھی خبر ہے۔"

"مگر تمہارے پاپا نے تو بزنس میں گم ہو کر ہر شے کو بھلا دیا ہے۔"

"اب پھر شروعات ہو رہی ہے پاپا۔ اب آپ نہ بھول سکیں گے...... یہ تو ایک گاؤں کے چند اسکول ہیں پھر آپ بڑی بڑی تقاریب کے چیف گیسٹ ہوا کریں گے۔"

وہ ہنس دیے۔

"تالی بجوائیے۔ اتنی فرصت کہاں۔ خیر میں یہ کہنے آیا تھا۔ پندرہ جنوری کو تم کالج سے چھٹی کر لینا اور میرے ساتھ چلنا۔"

''ضرور پاپا ضرور...... میں تیار رہوں گا کس وقت جانا ہے؟''
''صبح ہی صبح...... کیونکہ تقریب نو بجے شروع ہوگی۔ بھئی یہ بھی ایک پرابلم ہے میرے سر...... کئی کام پس پشت ڈال کر جانا ہوگا۔''
''تو کیا ہوا کام تو آپ روزانہ ہی کرتے ہیں۔''
''اچھا تمہاری بھی یہی رائے ہے۔'' وہ مسکرائے۔
شبیر نے سر جھکا دیا۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔
''تو ٹھیک ہے چلیے چلیں گے۔''
''پاپا آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اسی تقریب کا دعوت نامہ میرے پاس بھی آیا ہے۔''
''تمہارے پاس بھی؟''
''جی ہاں اور اس کارڈ پر آپ کا نام چیف گیسٹ کے طور پر لکھا دیکھ کر میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔''
''اچھا...... بہت پیار سے اپنے پاپا سے۔''
''ہاں پاپا اور بہت اعتماد بھی ہے ان کی ذات پر...... مان بھی ہے ان کی ہستی کا...... پاپا...... آپ سے مل کر آپ کو پا کر ہی تو مجھے اپنے ہونے کا اپنی ہستی کا یقین ہوا ہے۔ آپ سے پہلے تو میں کچھ بھی نہ تھا۔ خود اعتمادی تو آپ کی ذات نے بخشی۔''
شاہنواز نے اسے اپنے کندھے سے لگا لیا۔
''تمہیں پا کر ہم بھی تو مسرت کے ساتویں آسمان پر پرواز کرنے لگے ہیں شبیر...... ہمیں بھی تم پر ناز ہے۔ تم بہت پیارے بیٹے ہو بالکل اپنی ماں کی طرح...... تمہاری ماں میرا انتخاب تھی۔ میری محبت تھی وقت اور حالات نے اسے ہم سے چھین لیا۔ تم اس کی طرف سے ملنے والا آخری تحفہ ہو۔ تم نہیں جانتے کہ ہمارے لیے کس قدر قیمتی ہو۔'' شاہنواز نے اسے بچوں کی طرح پیار کر ڈالا۔ شبیر کے انگ انگ میں سکون اور خوشی اتر گئی۔
''کتنے محبت کرنے والے پاپا سے جدا تھا اب تک۔'' اس نے سوچا۔
''او۔ کے چودہ جنوری کو آ جانا...... میں کچھ دنوں کے لیے سری لنکا جا رہا ہوں ملاقات نہ ہو سکے تو اس اپائنٹمنٹ کو یاد رکھنا۔''
''ٹھیک ہے پاپا۔'' شبیر نے اطمینان کے ساتھ کہا۔
پندرہ جنوری کی صبح شاہنواز عسکری کی بڑی سی گاڑی گاؤں کا رخ کر چکی تھی۔ باپ بیٹا...... ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے اور گاڑی فاصلہ مٹانے میں لگی تھی۔ یہاں تک کہ جائے تقریب آ گئی۔ قصبے کے لوگوں نے اس تقریب کے لیے پورے قصبے کو سجا رکھا تھا۔ تقریب ہائی اسکول کے احاطے میں تھی۔ اسٹیج تک جانے والا راستہ سرخ قالین اور پھولوں سے سجا تھا۔ تقریب میں قصبے کے متعلقہ گاؤں کے اسکول اپنے طلباء اور اساتذہ سمیت شریک تھے۔ پنڈال کھچا کھچ بھرا تھا۔ اسٹیج کے سامنے معزز مہمانوں کی نشستیں تھیں جو بچھے تھے...... شاہنواز عسکری ٹھیک نو بجے مہمان خصوصی کے طور پر اسٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ جبکہ شبیر معززین کے ساتھ بیٹھا بڑے فخر سے اپنے پاپا کو دیکھ رہا تھا...... تقسیم انعامات کے اس جلسے کی کارروائی شروع ہوگئی۔ بین الصوبائی کھیلوں کے مقابلوں میں حصہ لے کر پوزیشن لینے والے طلباء پرائمری مڈل اور میٹرک میں تعلیمی میدان میں اول۔ دوم اور سوم آنے والے طلباء...... تقریروں میں درجہ لینے والے طلباء کو انعامات سے نوازا جانے والا تھا۔

... اسکولوں کے سربراہوں نے اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اپنے اپنے تعلیمی اداروں کی مشکلات کا ... کیا۔ اور یوں عبداللہ پور کے اسکول کے سربراہ کی باری بھی آ گئی۔ عبداللہ پور ایک بہت بڑا گاؤں تھا یہ کئی ... پر مشتمل ایک جاگیر تھی اور اسکول کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ چار کمروں کے اسکول میں بچے سینکڑوں کی تعداد ... تھے۔
... سیکریٹری نے اعلان کیا۔
... اب جبکہ تمام ہیڈ ماسٹر صاحبان اپنی اپنی رائے کا اظہار کر چکے...... میں اس تقریب کے معزز مہمان سے اسٹیج ... کی درخواست کروں گا شرکاء جلسہ کو یہ نیا نام سن کر خوشی ہوگی۔ تشریف لاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے ... طالب علم شبیر شاہنواز عسکری۔ وہ صرف ایک لائق اور ذہین طالب علم ہی نہیں ایک خوب صورت سوچ کے ... نوجوان ہیں مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ایسے چند سو نوجوان بھی اس ملک کو میسر ہوں تو ملک کی تقدیر بدل ... ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ شبیر شاہنواز عسکری یہاں تشریف لا کر اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں۔''
... دھڑکتے دل کے ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھا...... اس کی نظریں اپنے پاپا کی طرف بار بار گئیں...... اس کی ... نے دل کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کی لیکن وہ بڑی ہمت سے ڈائس پر آیا...... سیکریٹری نے مائیک ... کے سامنے کیا۔
شبیر اب تک کئی مباحثوں میں حصہ لے چکا تھا انعام حاصل کر چکا تھا۔ کالج کی بزم ادب کا روح رواں تھا...... ... تقریر کرنے سے نہیں گھبرا رہا تھا...... صرف اس بات سے گھبرا رہا تھا...... جس کی تیاری وہ پورے پندرہ دنوں ... کر رہا تھا...... اس نے اپنی بات شروع کی طلباء کو محنت کی تلقین کی۔ اساتذہ کو مخلصی کا مشورہ دیا اور کہنے لگا۔
... علم ہمیں آگہی دے سکتا ہے...... ہماری اندھیری راتوں کے لیے صبح کی روشنی بن سکتا ہے...... اور ہماری ... ت۔ ہمت عزم اور لگن ہمیں ترقی بخش سکتے ہیں۔ ہم سب کا نصب العین پاکستان ہے یا پاکستان کی سلامتی ... اور خوشحالی۔ ہم سب کو اپنے خون جگر سے سلامتی ترقی اور خوش حالی کی راہوں کو سیراب کرنا ہوگا تا کہ وہاں ... رنگ پھول کھل سکیں۔ یہ طلباء قوم کی امانت ہیں...... ان سے کوئی وعدہ لینے سے پہلے ہمیں ان پھولوں کی ... حفاظت کرنا ہوگی...... انہیں تحفظ دینا ہوگا...... یہ ایک اتفاق ہے کہ اس جلسے کے مہمان خصوصی میرے والد ہیں ... میں ایک طالب علم اور وطن کے ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے ایک صاحب ثروت سے جنہیں رب تعالیٰ نے ... نعمتوں سے نوازا ہے درخواست کروں گا کہ وہ عبداللہ پور میں موجود اپنا بے مصرف حویلی وعریض ... ن...... ان معصوم بچوں کے لیے وقف کر دیں۔ جنہیں دوران تعلیم انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ ملک و ... پر ایک احسان ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسی نئی راہ ہوگی کہ جس کی تقلید میں چلنے والے بہت سے لوگ پیدا ہو ... جائیں گے۔ اپنی مدد آپ کا اصول اپنائیں گے۔ اور ایک بیٹے کی حیثیت سے اپنے معزز والد کی طرف سے یہ ... میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔ میں درخواست کروں گا کہ وہ اپنی تقریر میں یہ اعلان کر کے نہ صرف مجھے ... ہزاروں طلباء کو خوشی بخش دیں۔''
اتنا کہہ کر اسٹیج سے اتر آیا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر خوب صورت رد عمل کا انتظار کرنے لگا۔
... لمحوں بعد شاہنواز عسکری تقریر کر رہے تھے اور شبیر کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔
... جب انہوں نے حویلی کو اسکول کی عمارت بنا دینے کا اعلان کیا تو پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔ یہ لمحے شبیر کے ... قیمتی تھے...... وہ اپنا ہر لمحہ ... رہا تھا۔ ہر ایک کی زبان پر شاہنواز عسکری کی دریا دلی کا قصہ تھا۔ منظم جلسہ

سے خوب صورت الفاظ میں اس عنایت کو سراہا۔

آج ہی کے دن مسرور کی شادی تھی۔ شبیر نے اپنے پاپا سے شرکت کا اصرار کیا اور عبداللہ پور لے آیا۔ دراصل اسے مسرور کی خوشی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اشتیاق تھا۔

شاہنواز خاموش بیٹھے تھے۔ اچانک انہوں نے شبیر کو مخاطب کیا۔

"شبیر......"

"جی پاپا۔"

"یہ طریقہ کار بے حد غلط تھا۔"

"کون سا پاپا......؟"

"میں سب سمجھ رہا ہوں بیٹے...... سب سمجھ رہا ہوں۔"

"یہ تجویز جوان لوگوں نے تحریری طور پر مجھے پیش کی کہ میں اس عمارت کے مناسب پیسے لے کر عمارت اسکول کے لیے دے دوں اور گاؤں کے لوگ چندہ جمع کر کے مجھے رقم دے دیں گے۔ یہ تجویز ان کی جرأت نہیں تمہارا فیصلہ تھا ورنہ انہیں کبھی ایسا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔ مجھے کسی پیسے کی ضرورت نہیں۔ میں اتنا گرا ہوا نہیں ہوں کہ پائی پائی جمع کر کے مجھے قیمت ادا کی جائے لیکن ایک بات سن لو...... میں نے یہ سب صرف تمہاری معصوم آرزو سمجھ کر دیا ہے۔ میں نے وہ گھر جس میں تمہارے چچا دل نواز کا بھی حصہ ہے ہمیشہ کے لیے اسکول کے نام کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن صرف تمہاری خاطر...... کیونکہ نہ تو میں ملک و قوم کا رہنما ہوں نہ سیاستدان...... نہ مجھے شہرت و ناموری کی طلب ہے نہ اقتدار کی خواہش...... یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں اور انہیں کرنے بھی چاہئیں...... لیکن بیٹے ایک بات سن لو۔ یہ پہلی ناجائز حرکت تھی۔ میں نے برا نہیں مانا...... اسے قبول کر لیا لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا...... انڈر اسٹینڈ۔"

"پاپا...... یہ تو ایک بہت بڑی نیکی ہے پاپا...... اس سائبان کے تلے بیٹھنے والے ایک ایک بچے کا اس حویلی میں موجودگی سے پانی پینے والے ہر ذی روح کا...... اس احساس تحفظ کا بلکہ سکون کا ثواب آپ کے کھاتے میں لکھا جانے لگا۔"

"ایک بزنس مین کے پاس نیکیاں کمانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی اور بھی بہت سے کام ہیں دنیا میں۔"

ان کے لہجے میں تھوڑی سی تلخی تھی۔ شبیر کا منہ اتر گیا۔ شاہنواز نے اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹا یہ ذمے داریاں حکومت کی ہیں۔ ملکی خزانہ عوام ہی کا ہے۔"

"پاپا شروع آپ نے کیا ہے اختتام تک حکومت پہنچائے گی۔ آپ کے اس ایثار کو کتنی اہمیت دی جائے گی۔ آپ دیکھیے گا۔ میں عدی کے ڈیڈی سے کہہ کر حویلی کی بھرپور مرمت کے لیے گرانٹ منظور کراؤں گا اور حویلی ایک بہترین ہائی اسکول میں تبدیل ہو جائے گی اور اس اسکول کا نام...... سر عبداللہ ہائی اسکول ہوگا اور یوں دادا جان کی روح کو سکون ملے گا۔"

"ڈیئر یو لا تھنک ایز یو وش۔"

غفور بابا کا گھر آ گیا...... سب نے ان لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شبیر کو غفور بابا اندر لے گئے۔ دلہن تیار ہو چکی تھی۔ شبیر دلہن کے کمرے میں گیا تو کمرہ پل میں خالی ہو گیا۔ رانو سرخ لباس میں تھرتھر کانپتی پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر کھڑی ہوئی۔ غفور بابا کے کہنے پر......

"غفور بابا بیٹیاں تو بیٹی رہتی ہیں۔ آپ نے رانو بی بی کو......"

"چھوٹے صاحب یہ آپ کا کہنا ہے...... آپ کے جذبوں کا احترام ہے آپ کے دل میں ہم غریبوں کا کتنا درد ہے۔ آپ نے جو راہ سجھائی ہے۔ اس پر آپ روشنی بن کر سدا چمکتے رہیں گے۔ ہم سب عمر بھر آپ کے احسان مند رہیں گے۔"

شبیر نے کسی بزرگ کی طرح رانو کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں نے تو صرف ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ ظلم کو دبایا ہے۔ بے سہارا کی مدد کی ہے اور یہ سب میرا فرض تھا۔"

"خدا آپ کو لمبی عمر دے۔ کوئی غم زندگی میں نہ آئے۔" شبیر زیر لب مسکرا دیا۔ اس نے سو کا ایک نوٹ رانو کی طرف بڑھا دیا عبداللہ پور میں اس رئیس زادے کا ذکر ہر ایک زبان پر تھا۔ جس نے عبداللہ پور کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا ایک لڑکی کو ظلم سے بچا لیا تھا۔ دنوں میں ایک ہائی اسکول کی منظوری لے لی تھی۔ اپنا گھر اسکول کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ سب لوگوں کو اس نوجوان کو دیکھنے کا اشتیاق تھا اور شادی کی محفل رونمائی کی تقریب میں بدل گئی تھی۔

ہر ایک کی زبان پر شاہنواز اور شبیر کا نام تھا۔ لوگ قریب آ آ کر اسے دیکھ رہے تھے اور دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہو رہے تھے کہ یہ کارنامے ایک انتہائی نو عمر نوجوان کے تھے انہیں یقین ہی نہ آتا۔

"شبیر۔" واپسی کے سفر میں شاہنواز اس سے مخاطب تھے۔

"جی!"

"عبداللہ پور جا کر میں نے بہت سی باتیں سنی ہیں۔"

"کون سی باتیں۔"

"سنا ہے مسرور کی شادی میں اہم کردار تم نے ادا کیا ہے۔"

"جی...... جی پاپا۔"

"کیا مطلب......؟ یہ ان لوگوں کے ذاتی مسائل ہیں۔ انہیں خود حل کرنے چاہئیں۔ ایسی معمولی باتوں میں ناروا مداخلت ہماری پوزیشن آکورڈ کر سکتی ہے۔ لوگ کہہ رہے تھے لڑکی کے باپ کو دس ہزار روپے تم نے ادا کیے...... شبیر ابھی تم بچے ہو اور پھر مجھے افسوس ہے کہ مجھ سے پوچھے بنا تم نے اتنا اہم قدم اٹھایا۔"

"پاپا آپ پوری بات تو سنیں۔"

"میں سب سن چکا ہوں۔ ان غریب لوگوں کو اپنے سر چڑھانا بہت غلط ہے۔ یہ جتنے بھی مفلس ہوں لالچ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ کیا غفور بابا کے ہر بچے کی شادی پر دس ہزار روپے تم ادا کرو گے۔ شبیر! وہ خدمت کرتے ہیں۔ تو تنخواہ لیتے ہیں۔ زمینیں آباد کرتے ہیں تو حصہ لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط طریقہ ہے تم نے دس ہزار کس سلسلے میں اسے دیے؟ آخر کس سلسلے میں اور یہ رقم آئی کہاں سے؟"

"پاپا...... غفور بابا نے وہ رقم قرض حسنہ کے طور پر لی ہے لوٹا دیں گے۔"

"تم نے پیسے کہاں سے لیے؟"

"کچھ میرے اکاؤنٹ میں تھے کچھ عدی کے ڈیڈی سے۔"

"[illegible] تمہیں [illegible] نہیں کہ سر عبداللہ کا پوتا کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ میرے لیے ڈوب

مرنے کا مقام ہے۔"

"نہیں پاپا۔ ڈیڈی ایسے نہیں ہیں انہوں نے میرے اس اقدام کی تعریف کی۔"

"کون ہیں وہ؟ کیا نام ہے ان کا؟ کیا کرتے ہیں وہ؟"

"پاپا وہ اس ملک کے بہت اچھے اور نامور سیاستدان ہیں۔ عظیم رہنما ہیں۔ عملی انسان ہیں۔"

"ہوں گے۔ اور ہیں بھی تو یہ سیاست وہ اپنی اولاد کو سکھائیں۔ میرے بیٹے کو نہیں...... مجھے تمہیں سیاستدان نہیں بنانا تم سروس کرو گے یا میری طرح بزنس۔ بیٹے ایک بزنس مین کا فرض ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے باقاعدگی سے زکوٰۃ کی رقم مستحق افراد کو دیتا رہے اور بس...... اور میں یہ کرتا ہوں۔ انکم ٹیکس ادا کرتا ہوں۔ ویلتھ ٹیکس دیتا ہوں۔ پراپرٹی ٹیکس میرے ذمے ہے۔ ایکسائز ڈیوٹی کا بوجھ ہے۔ مجھے صرف ان ہی مسئلوں سے نمٹنا ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس نہ وقت ہے اور نہ پیسہ...... اور شبیر چونکہ تم نادان تھے۔ اس لیے میں نے تمہاری خاطر پہلی اور آخری قربانی اس حویلی کی صورت میں دے ڈالی۔ آئندہ کچھ نہیں ہوگا کچھ بھی نہیں۔"

"پاپا۔"

"بیٹے تم صرف تعلیم پر توجہ دو...... تمہاری ذات کے لیے میں لاکھوں خرچ کر سکتا ہوں لیکن ایسے بے معنی کاموں کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ ہاں وہ عدی کے ڈیڈی جمال احمد سے کتنی رقم لی تھی تم نے۔"

"پانچ ہزار۔"

"یقینی باقی کے پیسے خود دیے تھے۔ جاتے ہوئے مجھ سے دس ہزار لے لینا...... اور فوراً ان کی رقم ادا کر دینا تم شاہنواز عسکری کے بیٹے ہو۔ تمہیں کسی سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں انڈر اسٹینڈ...... یہ میری توہین ہے۔"

یہ خبر ایک شام سعیدہ بیگم تک بھی پہنچ گئی اور سنتے ہی انہوں نے شاہنواز عسکری کو فون کیا جو اس وقت مل میں تھے۔

"سنا ہے آپ نے اپنے بیٹے کے حکم پر عبداللہ پور کی حویلی اسکول کو دے دی۔"

"ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے۔"

"آپ کو خبر ہے وہ جدی پشتی رہائش گاہ تھی۔"

"جانتا ہوں۔"

"پھر بھی۔"

"ہاں پھر بھی...... یہ بہت بڑا کار ثواب تھا۔ برائی نہیں۔"

"شبیر بچہ ہے۔ اس کی سوچ میں ناپختگی ہے۔ آپ اسکول کو ایک دو لاکھ ڈونیٹ کر دیتے مگر وہ گھر نہیں۔"

"تم جانتی ہو سعیدہ...... شبیر مجھے بے حد عزیز ہے میں نے صرف اس کا مان قائم رکھنے کو ایسا کیا۔"

"لیکن یہ محبت تو مہنگی پڑ رہی ہے۔"

"مہنگی پڑ رہی ہے یا سستی یہ میرا اپنا سر درد ہے۔"

"اچھی بات ہے کسی دن یہ گھر بھی کسی مستحق ادارے کو دے کر ہمیں سڑک پر کھڑا کر دیجیے گا۔"

"ایسی بدشگونی کی باتیں نہ کرو سعیدہ۔ کبھی کبھی قبولیت کا وقت بھی ہوتا ہے۔"

"غفور بابا جو کچھ کہہ رہے تھے کیا وہ بھی سچ ہے؟"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

شبی نے اپنی جیب سے دس ہزار روپے کسان کے پوتے کی شادی کرائی ہے۔"

"ہاں وہ بھی سچ ہے اور آئی ایم شیور تم...... وہ پیسہ میں نے دیا ہے۔"

"آپ اتنے مہربان کب سے ہو گئے؟"

"کوئی بات نہیں...... روز روز تو ایسا نہیں ہوگا۔ شبیر ابھی نا سمجھ ہے۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ وہ اب ایسا نہیں کرے گا۔"

"فطرت بدلی نہیں جا سکتی۔"

"اگر فطرت بدلی نہیں جا سکتی تو مجھے شبیر کی فطرت پر ناز ہے سعیدہ...... اس کے پاس اپنی ماں کی طرح ایک درد مند دل ہے۔ وہ دوسروں کی خاطر جینا چاہتا ہے۔"

"چلیے آپ بھی اس کے مشن میں شریک ہو جائیں۔ لٹا دیں اپنی جان اپنا مال...... ثواب ملے گا آپ کو بھی، وقف کر دیں سب کچھ دوسروں کے نام۔"

"یہ باتیں گھر پر بھی ہو سکتی ہیں۔ اس وقت میں مصروف ہوں خدا حافظ۔"

شاہنواز عسکری نے فون رکھ دیا۔ سعیدہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔

وہ گھر آئے تو یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ سعیدہ کو تو کسی کل چین ہی نہیں تھا۔

"وہ حویلی ویران پڑی تھی۔ پورے بیس سال سے۔ کسی دن کھنڈر بن جاتی۔ قوم کے کام آ گئی تو کون سا غضب ہو گیا۔"

"جانتے ہیں وہ آپ کی یا صرف شبیر کی نہیں تھی اس میں سب بچوں کا حصہ تھا اور دل نواز کا بھی آدھے کے مالک تھے وہ۔ آپ نے ان سے پوچھا۔"

"دلنواز کی فکر نہ کرو اس قدر...... اس نے تو پہلے روز ہی مجھے فون پر مبارک باد دی تھی۔ اس اچھے اقدام پر...... اسے کوئی اعتراض نہیں اور تم اسے یعنی اس معاملے کو بڑھا کیوں رہی ہو۔ میں نے جو مناسب سمجھا کر دیا۔ ایک لفظ سننے کی ضرورت نہیں مجھے۔"

وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اور جب اگلے ویک اینڈ پر شبیر آیا۔ گھر کی فضائیں بے حد بدلی ہی تھیں۔ سعیدہ بیگم نے اس کے سلام کا جواب پھیکے پھیکے انداز میں دیا۔ ظہیر اور منیر گھر پر نہ تھے۔ ارم اور شاذی ہیلو ہیلو کے بعد جانے کہاں گم ہو گئیں۔ وہ لاؤنج میں تھوڑا پریشان سا کھڑا تھا۔ سعیدہ بیگم لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"پاپا کہاں ہیں؟"

"کہاں ہونا چاہیے انہیں...... جو آفت تم نے ان پر ڈال دی ہے۔ اس سے وہ دو ہاتھ کریں گے تو گھر لوٹیں گے۔ ہم تین دن سے سخت پریشان ہیں۔"

"بات کیا ہے مما؟"

"یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ بات کیا ہے؟"

"پھر بھی یقین جانیے میں تو بالکل لاعلم ہوں۔"

"ہاں ہاں تم تو لاعلم ہو گے ہی۔ عذاب تو تم نے اپنے پاپا کے لیے اور ہمارے لیے پیدا کیا ہے۔"

ہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ سعیدہ بیگم چپ ہو گئیں۔

شبیر حیرت زدہ سا ان کا منہ دیکھ رہا تھا۔
"مگر مما..... میں نے کیا کیا ہے؟ کچھ تو مجھے بھی خبر ہو۔"
"مجھ سے نہیں اپنے پاپا سے پوچھو۔ آ رہے ہیں وہ خود ہی بتائیں گے۔"
شبیر تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ شاہنواز عسکری سخت پریشان سے اندر داخل ہوئے۔
"السلام علیکم پاپا۔"
"وعلیکم السلام۔" شاہنواز کے لہجے میں خفگی نمایاں تھی۔
"خیریت پاپا..... مما بتا رہی تھیں کہ آپ پریشان ہیں۔"
انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے شبیر کو دیکھا۔ وہ حیرت کے مارے گنگ سا ان کا منہ دیکھنے لگا۔
"میرے لیے اتنا بڑا مسئلہ کھڑا کر کے پوچھتے ہو کہ میں پریشان کیوں ہوں۔"
"مگر وہ کیسے پاپا؟"
"چپ رہو میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ شاید تم..... تم اپنی ایک عمر کی محرومی کا انتقام مجھ سے لے رہے ہو۔ تمہارے دل میں میرے لیے نفرت ہے۔ تم میرے دشمن بنے جا رہے ہو۔ تم مجھے دیوالیہ کرنا چاہتے ہو۔"
"پاپا....."
"بند کرو یہ بکواس۔ اور غور سے سن لو اپنی حدود کے اندر رہو۔ ابھی تم بچے ہو۔ تمہیں میرے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ غضب خدا کا اتنا بڑا نقصان۔"
"پاپا ہوا کیا؟"
"اچھا کچھ ہوا ہی نہیں....."
"مم مگر....."
"شبیر! میں اس سے زیادہ کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔ مل پورے چار دنوں سے بند ہے۔ یہ لاکھوں روپے کا نقصان ہے اور اس کے ذمہ دار تم ہو..... صرف تم....."
"میں..... میں کس طرح ذمہ دار ہوں پاپا آپ کا۔ میں تو..... پاپا آپ..... آپ۔" وہ بات مکمل نہ کر سکا۔
"میں سب جانتا ہوں۔ تمہارے دماغ میں کس نے یہ خناس بھرا ہے اور جس نے یہ سب کیا ہے۔ تمہیں استعمال کیا ہے اور اسے بھی جانتا ہوں۔" شاہنواز نے گرج کر کہا۔

"کس نے.....؟ کس نے پاپا.....؟ کیا خناس بھرا..... اور میں نے کیا کیا ہے آخر.....؟"
شاہنواز سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔
"وہ سدا سے دشمن تھا ہمارا..... سدا سے ہی..... اسے ہماری ترقی کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی' گندگی میں رینگنے والے کیڑے دوسروں کو بھی گھسیٹ کر اسی طرف لانا چاہتے ہیں۔ بابا جان نے قطع تعلق کا فیصلہ کر کے اچھا کیا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ ہی تجدید تعلقات کر ڈالی۔ بولو..... تمہیں یہ ترغیب عاصم نے ہی دی ہے نا؟"
"عاصم..... کون عاصم پاپا؟..... میں تو کسی کو نہیں جانتا..... یہ آپ کس کا نام لے رہے ہیں؟"
"ہے ایک سر پھرا..... بابا جان سے ٹکر لینے والا۔ اسے ہم سب سے نفرت تھی۔ ہماری جاگیروں کے سبب اس نے ہماری بہن کو' ہماری اکلوتی بہن کو بھی بغاوت سکھا دی۔ ہماری نازوں پلی بہن اس کے گھر میں خادماؤں جیسی زندگی گزار کر بھی خوش ہے۔"
"ضور پاپا بتا رہے تھے' میری پھوپھو ہیں۔ کیا آپ ان ہی کا ذکر کر رہے ہیں؟"
"ہاں' اسی بے وقوف کا اور اس کے چالباز شوہر کا..... ہمارے کچھ نہ کر سکنے والے شرافت کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہیں۔"
"مگر پاپا آپ مل کا ذکر کر رہے تھے....." شبیر ان کے بگڑے موڈ پر خوف زدہ سا تھا۔
"تمہیں میرے مسائل سے کیا دلچسپی؟ تم غریبوں کی بگڑی بنانے کا فرض نبھاؤ۔"
"نہیں پاپا! اپنے والد سے زیادہ کس کا خیال رکھ سکتا ہوں میں۔ آپ بتائیں نا بات کیا ہے؟"
"کیا بتاؤں۔ کیا کر لو گے تم؟"
"ہو سکتا ہے میری ناقص سوچ اس کا کوئی حل نکال دے۔"
"نہیں..... یہ میرے اپنے سوچنے کی بات ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اندر چلے گئے۔
سعیدہ وہیں کھڑی تھیں' ان کی قہر بھری نگاہ شبیر پر تھی۔
"بہت خوش تھے شاہنواز..... جوان بیٹا دست و بازو بن جائے گا۔ بیٹے نے قدم رکھتے ہی مسائل کا طوفان سر پر ڈالا۔" شبیر نے ان کی طرف دیکھا۔ بے بسی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ وہ لاؤنج سے باہر برآمدے کی طرف آیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر گھر کے گیٹ سے باہر آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جی۔ٹی۔ایس کی ایک بس کی سیٹ پر بیٹھا وہ اپنے پاپا کے مسائل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔فروری کے وسط کے ایام میں بھی بس میں گرمی کا احساس ہو رہا تھا' پیٹرول کی بو اور دھوئیں سے عجیب سا احساس ہو رہا تھا' سستے برانڈ کے سگریٹوں کا دھواں دماغ پر چڑھ رہا تھا' سفر کٹ ہو رہا تھا..... تھوڑے تھوڑے وقفے پر لوگ اتر رہے تھے' سوار ہو رہے تھے۔بس ایور گرین ٹیکسٹائل ملز کے پھاٹک پر رکی۔شبیر نے نشست چھوڑی۔دروازے کی جانب بڑھا اور بس سے اتر آیا۔

اس نے گیٹ سے اندر داخل ہونا چاہا' مل کے سیکورٹی افسر نے اس کی راہ روکی۔

"کون ہیں آپ؟! اندر جانا منع ہے۔"

"میں شبیر شاہنواز عسکری ہوں۔"

سیکورٹی افسر نے شاید اسے بس سے اترتے دیکھ لیا تھا' اس کی بات پر اعتبار کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا' اگر وہ کسی لمبی سی گاڑی میں ہوتا تو اسے ماننے ہی بن پڑتی۔

"میں اس سے قبل اپنے پاپا کے ساتھ یہاں آ چکا ہوں۔"

"شرف الدین! کیا کر رہے ہو..... یہ صاحب کے بیٹے ہیں۔" جانے کس نے کہا۔ شبیر نے سامنے دیکھا۔

شرف الدین نے اسے اندر آنے دیا۔

"آیئے صاحبزادہ صاحب..... تشریف لایئے ..... میں فنانس منیجر ہوں' آپ سے ملاقات ہوئی تھی جب آپ عسکری صاحب کے ساتھ تشریف لائے تھے۔"

وہ اندر آ گیا۔ بجری بچھی سڑک پر اس کے ساتھ چلتا بائیں طرف مڑ گیا۔

"شرف الدین صاحب! پاپا بے حد پریشان ہیں۔ ...بات کیا ہے؟"

"جناب پریشانی سی پریشانی ہے..... مزدور ہڑتال چھوڑ جانے کی دھمکی دے چکے ہیں۔"

"اس کی وجہ.....؟"

"وجہ اور کیا ہوئی' سوائے اس کے کہ وہ لیبر لاز کے تحت اپنے حقوق طلب کر رہے ہیں۔"

"تو آپ لوگوں اور پاپا کا ردعمل کیا ہے؟"

"شبیر صاحب! ہماری حیثیت تو ملازمین کی ہے چاہے ہم دس ہزار تنخواہ پر کیوں نہ کام کر رہے ہوں' اصل چیز تو سب کی مرضی ہے' عسکری صاحب ان سے یومیہ اجرت پر کام لیتے ہیں' جس دن مزدور غیر حاضر ہوا اس دن کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ یہ لوگ گزرے کئی سالوں سے یہاں ملازم ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ملازمت پکی ہو۔چھٹی کا حق حاصل ہو۔رہائش اور ٹرانسپورٹ کی سہولیات میسر ہوں۔طبی سہولت یعنی میڈیکل الاؤنس دیا جائے۔دوسری صورت ان کے لیے ڈسپنسری ہو' ڈاکٹرز ہوں..... ایک رہائشی کالونی بنائی جائے.....اور... اور....."

"اور کیا.....؟" شبیر نے جلدی سے کہا۔

"اور شبیر صاحب! ان سب لوگوں کو کم اجرت دے کر رجسٹر میں زیادہ رقم کی وصولی کے دستخط کرائے جاتے ہیں پہلے پہل تو کسی نے اس طرف توجہ نہ دی..... جانے کیسے اس بات کی ان لوگوں کو خبر ہو گئی۔آپ شاید ایک دو بار یہاں آئے ہیں۔آپ نے انہیں مشورہ دیا مزدور یونین بنانے کا..... اسی مزدور یونین نے یہ ساری خرابی مچائی ہے۔"

شبیر خاموش ہو گیا۔

"شرف الدین صاحب! یہ جو کچھ آپ بتا رہے ہیں' ان میں حیران کن کوئی بات بھی نہیں' آج نہیں تو کل انہیں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہی تھی۔میں خود بھی نہیں چاہتا کہ میرے پاپا روز قیامت لوگوں کے حقوق کے نیچے دبے ہوں' شرمسار ہوں' نظریں جھکائے سب کے سامنے ہوں' مزدور ہمارے معاشرے کے اقتصادی ڈھانچے کی ریڑھ کی ہڈی ہیں' ان کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے' یہ انسان ہیں شرف الدین صاحب! اگر..... خدا نے ان کی ذمہ داری ہم لوگوں پر ڈال دی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انہیں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کریں۔ان کے موقف کی میں تائید کرتا ہوں۔ انہیں ان کا حق ملنا چاہیے۔"

"شبیر صاحب! ابھی آپ ناسمجھ اور ناتجربہ کار ہیں' شاید زندگی گزارنے کے ڈھنگ سے بھی ناآشنا ہیں۔"

"میں نہ سمجھ اور نہ آشنا نہیں ہوں شرف الدین صاحب! میں انسانی حقوق و فرائض سے کلی طور پر آشنا ہوں..... مساوات کا قائل ہوں۔مساوات ہمارے مذہب کا سب سے اہم اصول' قانون اور حکم ہے۔میں امیری کے خلاف بھی نہیں ہوں لیکن ایسی امیری کو ترجیح دیتا ہوں کہ امیر کے سفید لباس پر کسی غریب کے ارمانوں کا خون اسے داغ دار نہ کر رہا ہوں۔ میں پاپا سے سفارش کروں گا کہ وہ مزدوروں کے جائز مطالبات مان لیں۔"

"نہ..... نہ..... نہ شبیر صاحب۔ایسا نہ کیجیے گا۔آج وہ بے حد غصے میں تھے۔انہوں نے میرے سامنے بھی آپ کا ذکر کیا تھا۔وہ آپ کو اس سارے قضیے کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ آپ....."

"نہیں' میں جس انداز میں پاپا سے بات کروں گا وہ انہیں بری نہیں لگے گی۔ویسے یہ سب لوگ میرا مطلب ہے کہ یہاں کام کرنے والے اس وقت کہاں ہیں؟"

"پچھلی طرف کے میدان میں جمع ہیں' احتجاج کے طور پر کام نہیں کر رہے...... نعرے بازی سے میں نے بہ مشکل روک رکھا ہے انہیں...... یہ خبر اخباروں میں کسی صورت نہ آئے۔ یہ عسکری صاحب کا حکم ہے' وہ اسے اپنی بے عزتی گردانتے ہیں۔"

"میں ان لوگوں کی طرف جا رہا ہوں' بات کرتا ہوں ان سے۔" شبیر عقبی میدان کی طرف بڑھ گیا۔ اور شرف الدین اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"پاپا......" اس نے ان کے کمرے میں جھانکا' شب خوابی کے لباس پر براؤن نائٹ گون میں ملبوس وہ میز پر جھکے جانے کیا دیکھ رہے تھے۔

"کہاں گئے تھے؟ اتنی رات گئے لوٹے ہو۔"

"جی ہوسٹل کی طرف گیا تھا۔"

"کیوں...... مزدوروں کی بغاوت میں کوئی کمی باقی رہ گئی تھی' جسے پورا کرنے کو تمہاری ضرورت پڑ گئی تھی۔"

"نہیں پاپا...... مل بند رہنے سے جو نقصان آپ کا ہو رہا ہے وہ میرا بھی تو نقصان ہے نا۔"

"تمہیں کب پروا ہے اپنے نقصان کی۔"

"بہت پروا ہے پاپا...... میں نے بصد منت ان سے کہا کہ وہ کام سے لگ جائیں۔"

"تم نے ان دو ٹکے کے مزدوروں کی منت کی کیوں؟ آخر کیوں؟" وہ تو اور بھی بھڑک اٹھے۔

"وہ دو ٹکے کے نہیں ہیں پاپا! بہت قیمتی ہیں' ان کا وجود ہماری معاشی سلامتی کے لیے ضروری ہے' ان کے مطالبات تو بہت قانونی سے ہیں پاپا۔"

"کیا قانونی ہے اور کیا غیر قانونی' تمہیں اس کی کیا خبر؟"

"میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے' میرے کہنے پر وہ کل سے کام پر آنے کو تیار ہیں۔"

"کیا وعدہ کیا ہے تم نے ان سے......؟"

"ملازمت کی مستقلی...... رہائشی سہولیات' طبی سہولیات وغیرہ وغیرہ...... مل کے آس پاس ہماری کتنی زمینیں بے کار پڑی ہیں۔ ان بے چاروں کے لیے جن کے پاس رہنے کو جھونپڑی تک نہیں ٹھیک ٹھاک کوارٹر تعمیر ہو سکتے ہیں۔"

شاہنواز آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتے رہے۔

"کیا بک رہے ہو تم؟ یہ کسی بوسیدہ' بے کار ٹرسٹ کا معاملہ نہیں کہ میں اسے تمہاری خاطر قربان کر دوں۔ میں نے مل لگائی ہے اپنے مفاد کو...... یہ غریبوں کے لیے کھولا ہوا بیت المال نہیں۔ نہ ہی میرے پاس اتنی آمدنی ہے' کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے ان دو ٹکے کے لوگوں کی رو ہی کے علاقے میں ایسے جفاکش ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو پیسے کا منہ دیکھنے کو ترستے ہیں' ابھی بات کرتا ہوں سیکورٹی والوں سے' جی۔ ایم سے...... کل کوئی مل میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو ٹانگیں توڑ دیں' میں کل ہی انتظام کر لوں گا لیبر کا۔ اور تم...... شبیر...... تم اس گھر میں رہنے کے لائق بھی نہیں ہو۔ تمہارا اصل مقام وہی ہوسٹل ہے' خبردار جو اس طرف کا رخ کیا' وہیں رہو' تمہارا کام تعلیم حاصل کرنا ہے۔ لیڈری کرنا نہیں...... کل ہی بلکہ ابھی اور اسی وقت ہوسٹل چلے جاؤ۔ تمہارے پیار نے مجھے اتنا بھی اندھا نہیں کیا کہ میں اپنا سب کچھ تمہاری خاطر لٹا دوں۔"

شہران کا منہ دیکھتا رہ گیا' پھر پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ شاہنواز اپنے کمرے سے نکل کر جانے کس طرف جا رہے تھے۔ اس نے دیکھا ہی نہیں۔

"چھوٹے صاحب......!"

"کیا بات ہے غفور بابا......؟"

"جی...... ڈرائیور گاڑی نکال چکا ہے۔ آیئے تاکہ وہ آپ کو عباس نگر چھوڑ آئے۔"

"مم...... مگر......"

"اگر مگر کی بات کیا ہے۔ ابھی اور اسی وقت تمہیں جانا ہے...... یہ تمہاری گستاخی کی سزا ہے۔"

شبیر کو سخت بھوک لگی تھی۔ وہ خوشی خوشی پاپا کو بتانے چلا آیا کہ مزدوروں نے اس سے مشروط سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لیکن پاپا تو قہر و غضب کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ انہوں نے اس کی ایک بھی نہ سنی۔ بھوک پیاس کی تو بات ہی کیا تھی۔

شبیر کمرے سے نکل کر پورچ کی طرف بڑھا۔ ڈرائیور نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا...... وہ بیٹھ گیا۔ مارے بھوک کے سر چکرا رہا تھا' اس نے پشت سے سر ٹکا لیا اور...... بے بسی آنسوؤں کی صورت آنکھوں میں اتر آئی۔

ڈرائیور اسے ہوسٹل کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا۔

رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے' گیٹ بند تھا' مرے مرے قدموں سے وہ آگے بڑھا...... پھر جانے کیا سوچ کر عدی کے گھر کی طرف چل دیا۔

ان کے گھر کا گیٹ بھی بند تھا...... اس نے اپنے مخصوص انداز میں گھنٹی بجائی۔

گیٹ بند تھا لیکن وہ سب شاید جاگ رہے تھے۔ سب ہی نے اپنی اپنی خواب گاہوں کے دروازے کھولے۔ امی گیٹ تک پہنچ چکی تھیں۔

"کون؟" انہوں نے ویسے ہی پوچھ لیا۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی ممی؟ چوکیدار کھول دیتا گیٹ۔"

"اے ماں صدقے...... مجھے تو پہلے ہی پتا چل گیا تھا' خیر تو ہے شبی' تم تو گھر گئے تھے آج دوپہر...... کہہ رہے تھے دو دن وہیں رہوں گا' رات گئے کہاں سے آ گئے؟"

انہوں نے گیٹ کھولا' شبیر کی افسردہ صورت پر نظر ڈالی۔

"کہاں رہے ہو پورا دن...... ؟ ارے میں تو کہوں کھانا بھی نہیں کھایا تم نے' کیسے نڈھال سے لگ رہے ہو۔ ارے پیشانی پر پسینہ کیسا؟ کیا پیدل چل کے آئے ہو نہیں سے؟"

وہ پریشان ہو گئیں۔

سدرہ آپا...... عذرا...... عدی سب کے سب اس کے سامنے تھے۔

اس کا دل بھر آیا...... لیکن اب وہ آٹھویں دسویں کا طالب علم نہیں' بچہ نہیں' ایک نوجوان تھا۔ بی۔ اے کا امتحان دینے کو تھا...... رونا اچھا لگتا بھلا۔

مسکرانے لگا۔

"کچھ نہ پوچھیے ممی...... بس ویسے ہی پھنس گیا۔"

"کہاں پھنس گیا؟"

"دوستوں کے چکر میں۔ بہادر پور میں بہت اچھی انگلش موری لگی تھی' وہ سب مجھے ساتھ گھسیٹ کے لے گئے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے لیٹ ہو گئے' شام کو شو دیکھ کر لوٹے' آنے میں ڈیڑھ دو گھنٹے تو لگ ہی جاتے ہیں۔"

"بدتمیز لڑکے...... ٹھہرو ابھی جمال سے تمہاری شکایت کرتی ہوں' کیا ضرورت تھی جانے کی اور وہ بھی دوسرے شہر میں۔ گئے کیسے تھے؟" ان کے لہجے میں ماں کی ممتا کے سارے خدشے موجود تھے۔

"بس سے ممی...."

"او میرے خدا! لڑکے تو اتنا آزاد تو نہ تھا اب تک' اب یہ حرکات بھی ہونے لگی۔" انہوں نے سر پکڑ لیا۔

وہ جانے کیا کیا کہتی رہیں' پھر بجائے جمال احمد کے کمرے کا رخ کرنے کے کچن کی طرف بڑھیں۔ وہ آگے بڑھا تو مڑ کر بولیں۔

"اب کدھر جا رہا ہے؟ بھوکا سوئے گا کیا......؟ ادھر کچن میں ہی آجا...... کھانا کھا لے...... بعد میں شکایت کروں گی تیری...... چہرہ تو دیکھ اپنا...... لگتا ہے صدیوں سے بھوکا ہے۔" شبیر ان کے ساتھ کچن میں آ گیا کھانے کی چھوٹی کرسی پر بیٹھا' عدی نے بھی دوسری کرسی سنبھال لی۔

"ارے اسے تم کیوں بیٹھ گئے؟" عذرا دروازے میں کھڑی تھی۔

"کھانا تمہارے لیے نہیں شبیر کے لیے گرم ہو رہا ہے۔"

"ممی...... پتا ہے شام سات بجے کھایا تھا۔ اب پورے گیارہ ہو رہے ہیں اور جس کے لیے آپ کھانا لگا رہی ہیں یہ کیا سارا دن بھوکا رہا ہوگا۔ کھانا دیں نا مجھے بھی۔"

ممی کو ہنسی آ گئی۔ عدی شیر ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کتنے دن یوں ہی گزر گئے۔ اس نے امتحان دے لیا۔ امتحانوں کے بعد ہوسٹل کا کمرہ خالی کرنا تھا۔ اپنا گھر نہ ہوتا تو اور بات تھی' اب اسے عدی کے ہاں رہنا عجیب لگ رہا تھا۔ وہ اس سوچ میں تھا کہ کیا کرے...... کہ دوسرے دن پاپا نے گاڑی بھیج دی' شبیر گھر آ گیا...... پاپا تو سہی لیکن بالکل کسی اجنبی کی طرح۔ رات کے کھانے پر پاپا نظر آئے۔ پہلے سے بالکل مختلف' انجان سے پاپا۔ شبیر کا دم گھٹنے لگا۔ اجنبیت سے پر اس فضا میں پاپا کے وجود کے سہارے ہی رہا جا سکتا تھا۔ وہ انہیں اور ان کی سرد مہری کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

رات اپنے کمرے کی طرف آیا۔ کمرا بھی اجنبی سا لگا مگر اپنی آرائش اور ساز و سامان کے سبب...... نہ وہ پردے تھے نہ قالین۔ نہ وہ بیش قیمت بیڈ شیٹ...... نہ نفیس اور ملائم کمبل...... الماری کھولی...... درجنوں سوٹ جو اس نے چھو کر بھی نہ دیکھے تھے' وہاں سے غائب تھے۔ ان چیزوں کا کیا تھا' اصل چیز تو پاپا کی محبت تھی' وہ ہی عنقا ہو گئی تھی۔

ان چیزوں کا غم چہ معنی دارد' شب و روز بے مصرف سے تھے' ظہیر اور منیر کی اپنی مصروفیات تھیں۔ ارم اور شازیہ کے اپنے مشاغل تھے۔ مما کو آئے دن کی پارٹیوں اور دوسرے ہنگاموں سے وقت نہ ملتا تھا۔ اور پاپا جانے بزنس کے کن دھندوں میں گم تھے۔ وہ ناشتے کی میز پر موجود نہ ہوتا تو غفور بابا اسے ناشتا کمرے میں دے جاتے۔ لنچ' ڈنر پر چلا جاتا تو ٹھیک' نہ جاتا تو کسی نے کبھی پوچھا تک نہیں۔ بس ایک غفور بابا ہی تھے جو اس کا خیال رکھتے۔

عدی بھی ان دنوں فارغ تھا۔ اکثر آ جاتا مگر گھر کے اندر کبھی نہیں' باہر سے ہی اسے [illegible] عبداللہ پور جا نکلتے' کبھی کوئی اچھی سی فلم دیکھنے بہاولپور چلے جاتے۔

بے مہری کی حد بھی تو تھی' نہ اس کے جانے پر کوئی پابندی تھی نہ آنے پر۔

انہی دنوں میں سے ایک دن وہ گھر میں داخل ہوا تو گھر کی رونق سے کسی تقریب کا پتا چلا' غفور بابا نے اسے ایک خاتون کے پاس لا کھڑا کیا۔

"صاحبزادے' یہ آپ کی پھوپھو ہیں۔"

"آداب......!"

انہوں نے اسے سینے سے لگایا اور لگیں رونے۔

"ارے چاچی یہ کیا؟ یہ رونے کا موقع ہے بھلا! آپ اپنے بھتیجے سے مل رہی ہیں' جدا تھوڑی ہو رہی ہیں خوامخواہ......" شبیر نے مڑ کر دیکھا۔ ایک خوب صورت شوخ و شریر لڑکی سفید کرتے پاجامے اور سفید دوپٹے میں اس کے سامنے تھی۔

"السلام علیکم! اطلاعاً عرض ہے...... کہ میں آپ کی فرسٹ کزن ہوں جوہی...... آئی مین جوہر عسکری۔ آپ کی ان پھوپھو کی بیٹی...... لیکن یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ سے پورے چار برس بڑی ہوں۔ لہٰذا تعارفی مرحلے کے بعد میں آپ کو تم اور آپ مجھے آپ کہہ کر بلائیں گے اور صورت احوال یہ ہے کہ اے میرے ماموں زاد! تم مت پڑھتے ہوئے افسانوں اور ناولوں کے سارے ہیروز سے بڑھ کر خوب رو ہو۔ یعنی میرا آئیڈیل لیکن عمر میں کم ہیں......"

آخری فقرہ جوہر نے آہستگی سے کہا تا کہ ماں نہ سن سکیں۔

شبیر نے ہنسی ضبط کی اور اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھا دیا' اصل میں اسے عدی کی بات یاد آ گئی تھی' اس نے مشورہ دیا تھا کہ......

"آپ کو چار برس بڑا پا کر مجھے بھی دکھ ہوا ہے محترمہ جوہر آپا۔" خلاف معمول اس نے بھی خوش گوار لہجے میں کہا۔

"وہ کیوں؟"

"یہ سیکرٹ ہے' ملاقات رہی تو بتا دوں گا۔" وہ مسکرایا اور صفیہ بیگم سے باتیں کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس ملاقات کی بنا پر وہ پھوپھو سے ملنے ان کے گھر گیا تو جوہر آپا تو نہیں ملیں۔ پر وہ لڑکی ضرور نظر آ گئی۔ جسے دیکھ کر شبیر کے دل میں اپنائیت کا ڈھیروں احساس ایک دم جاگ اٹھا' اس گھر میں بھی عدی کے گھر کی طرح محبتیں تھیں۔ اسرار بھٹ اور شیریں تھے' گوہر تھی۔ تعلق سے پھوپھا ابا تھے اور ماؤں جیسی پھوپھو صفیہ تھیں' گوہر کی شان اور کامیابی پر سارا گھر خوش تھا' رات جگنے کی اس رات واپسی کو دل تو نہ چاہ رہا تھا لیکن آنا پڑا تھا۔ گھر آ کر پوری رات وہ سویا تب بھی' جاگا تب بھی اس کے ذہن پر گوہر عسکری کا قبضہ رہا وہ اس کے خواب و خیال کا مرکز بنی رہی۔

رزلٹ آ گیا۔ حسب سابق اس نے نمایاں پوزیشن لی تھی۔ لیکن اس کا پڑھنے سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس کی بے مصرف پڑھائی سے بے نیازی تھی' شاہنواز عسکری نے اپنا کہا پورا کیا تھا' مل کے سارے مزدوروں کو برطرف کر دیا تھا۔ یونین لیڈر تو پہلے ہی [illegible] غریب لوگ کیا احتجاج کرتے۔ کچھ کو دوسری ملوں میں کام مل گیا تھا' کچھ شہروں [illegible] اور کچھ نے کھیتی باڑی کا کام سنبھال لیا تھا۔

شاہنواز نے اسے سرسری انداز میں کامیابی کی مبارکباد دی تو اس نے بات چھیڑی۔

"پاپا میں کچھ دن عبداللہ پور میں گزارنا چاہتا ہوں۔"

"چلے جاؤ...... پچھلے دنوں میں نے حویلی سے کچھ فاصلے پر ایک عمارت بنوائی تھی' پوری طرح تیار ہے اب...... ایک دو کمرے اپنے رہنے کو ٹھیک کرا لینا۔" ان کے انداز میں وہی روکھا پن تھا۔

"پاپا...... میں کام کرنا چاہتا ہوں' نکما کیسے رہوں گا؟"

"کس قسم کا کام؟ کام تو سب ہو رہا ہے۔ کیسا کام کرو گے تم؟"

"زمینوں کا فصل بونے کا۔"

"کر لینا پورا اپنا شوق...... ٹریکٹر ٹرالی موجود ہے...... سوزوکی جیپ بھی ہے...... پیسے کی ضرورت ہو تو منشی جی سے لے لینا۔" (اب انہوں نے اسے پیسے دینا بند کر دیے تھے۔ اسے رقم کے استعمال کا ڈھنگ جو نہ تھا) پاپا کے لہجے میں نہ محبت تھی نہ چاہت۔

شبیر عبداللہ پور چلا آیا۔ گو "آشیانہ" کے نام سے ایک خوب صورت عمارت اس کے پاپا کی امارت اور جاگیرداری کا نشان تھی پھر بھی اسے رہنے کے لیے جگہ پسند آئی۔

مہشت عدی کو خط لکھا...... اور کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنے کی دعوت دی' عدی آ گیا' دونوں فارغ تھے ان دنوں شبیر تذبذب کے عالم میں تھا جب کہ عدی ایم اے میں داخلہ لینا چاہ رہا تھا' لیکن مضمون کا انتخاب اس کے لیے مسئلہ بنا ہوا تھا اور وہ شبیر کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے جانا چاہتا تھا۔ ایک دن وہ شہر گیا تو ڈاک کے کچھ لفافے بھی ساتھ لیتا آیا' جمال احمد ان دنوں وفاقی دارالحکومت میں تھے۔ عدی نے انہیں بذریعہ خط اپنا احوال لکھ دیا' ساتھ ہی مشورہ بھی مانگا۔ پھر اس نے چند مہ جبینوں کو نامے ارسال کیے۔ خدا ہی جانے وہ محبت نامے تھے یا کچھ اور۔ شبیر اپنے بستر پر بیٹھا اس کی کارروائیاں دیکھتا رہا۔

"کیا ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا ہے؟ لکھ دے نا تو بھی کسی کو دلِ نامراد کا قصہ۔"

"پاگل ہوئے ہو...... ہم نے ایسا کوئی روگ پالا ہی نہیں۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں' بند آنکھوں میں ایک صورت سامنے آئی تو آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے گھبرا کیوں رہے ہو؟"

"نن...... نہیں' کچھ نہیں۔"

عدی نے خط لکھ کر لفافوں میں بند کر دیے۔ بتی بجھائی اور بستر پر دراز ہو گیا...... لیکن شبیر کی نیند کہیں کھو گئی۔ ذہانت سے پر دو آنکھیں اس کے ذہن میں ہلچل مچاتی رہیں۔ اس نے عدی کی طرف دیکھا' وہ گہری نیند میں گم ہو چکا تھا۔

اس نے کاغذ قلم سنبھال لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جب سے اس نے شبیر کی نمایاں کامیابی کا ذکر سنا تھا' اخبار میں اس کی تصویر دیکھی تھی تب سے وہ بہت بے چین تھی' شبیر ان دنوں کہاں گیا اب تک لوٹ کر نہ آیا تھا۔ ایسی بھی کیا بے نیازی صرف اطلاع دینے ہی آ جاتا۔ اب خود سے تو پوچھنا اچھا نہیں لگتا' اڑتی اڑتی یہاں تک پہنچی تھی کہ شاہنواز' شبیر کی گستاخیوں کا سبب ان کے خاندان کو سمجھ رہے تھے' گوہر کو بے حد ملال اور رنج تھا۔ وہ اس گھر میں کتنی بار تھا' صرف دو بار وہ تو شبیر سے کسی قسم کی گستاخی کی امید ہی نہیں رکھتی۔ اس کے خیالات نے سب کو متاثر کیا تھا' وہ شاہنواز ماموں کے عجیب و غریب رویوں پر حیران تھی۔ نئی کلاسیں کب سے شروع ہو چکی تھیں۔ وہ باقاعدگی سے کالج جا رہی تھی' خضوع و خشوع سے کورس پڑھ رہی تھی۔ اس بار بھی اس کے ارادے بہت اونچے تھے۔ شاید وہ لاشعوری طور پر شبیر سے مقابلے کی دوڑ میں جیتنا چاہتی تھی۔

جو ہرا آپا ہزار منت سے کہتیں لیکن اس نے ناولوں سے مکمل طور پر ناتا توڑ لیا۔

اس روز گوہر نے ٹیسٹ کی تیاری کے لیے کالج سے چھٹی کر لی۔ وہ حسب عادت بڑے سارے صحن میں گھوم پھر کر پڑھ رہی تھی۔ ورزش کی ورزش اور پڑھائی کی پڑھائی...... کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"خط والا۔" پوسٹ مین کی مخصوص آواز آئی' وہ بے اختیار دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کئی خطوط تھے' مختلف لوگوں کے نام' ایک خط کی تحریر بے انداز خوب صورت تھی۔

"بشرف نگاہ بصد احترام جناب محترم المقام عاصم حسنین صاحب عسکری مدظلہ وغیرہ وغیرہ۔"

گوہر نے لفافہ پلٹا۔

"بندہ ناچیز شبیر عسکری۔"

خواہ مخواہ دل ایک پل کو رکا...... دھڑکا...... اور پھر دھڑکتا چلا گیا۔

یہ خوب صورت تحریر جس نے بے اختیار اپنی طرف کھینچا تھا اسے' شبیر کی تھی۔ شبیر شاہنواز عسکری کی۔

اسے اس تحریر پر رشک آیا' پھر جانے کیا ہوا اس نے لفافہ چاک کیا حالانکہ جانتی ہی نہیں تھی بلکہ اس پر سختی سے عمل بھی کرتی تھی کہ دوسروں کے خط پڑھنا جرم ہے۔

اس کی نظریں کاغذ کی سطح پر دوڑنے لگیں۔

محترم پھوپھا جان!

آداب...... آپ میری کامیابی کے متعلق سن چکے ہوں گے۔ مجھے آپ کی دعائیں لینے کے لیے آپ کے دراقدس پر حاضری دینی چاہیے تھی لیکن معذرت خواہ ہوں کہ نہیں آ سکا۔ آج کل فارغ ہوں' ہوسٹل کی زندگی چھین لی گئی تو شہر میں کہیں دل نہ لگا۔ آشیانہ میں رہائش پذیر ہوں۔ زندگی کو مفلس انسانوں کے قریب رہ کر قریب سے دیکھنے کے لیے۔ ان دنوں میں یہاں کے اسکول میں' اکثر بچوں میں تھوڑا سا علم بانٹنے چلا جاتا ہوں' جو مجھ ناچیز کے ناقص دماغ میں ہے۔ فارغ اوقات کا یہ استعمال مجھے بہت بھلا لگا ہے۔

جانے آپ کیا خیال کریں۔ اگر شہر آیا تو در دولت پر حاضری ضرور دوں گا۔ میری طرف سے اہل خانہ کو آداب وسلام درجہ بدرجہ......

آپ کا بیٹا
شبیر عسکری

شہر میں کہیں دل نہ لگا۔

یہ فقرہ بازگشت بن کر گوہر کے چاروں اطراف پھیل گیا۔

سنا ہے ماموں جان کا گھر بہت خوب صورت اور وسیع و عریض ہے جہاں ہنگامے دن اور رات کا فرق محسوس نہیں ہونے دیتے۔ اچھے سے کزن! تمہارا دل کیوں نہ لگا آخر کیوں؟ ایک سوچ ذہن میں ابھری اور اسے پریشان کرتی رہی۔ اس نے خط بابا جان کی میز پر رکھ دیا۔

بہت سارے دن جیسے ایک ساتھ گزر گئے مگر اپنے اسی نظام کے تحت' گوہر کے حصے میں گھر کی کئی ذمہ داریاں تھیں کالج جانے سے پہلے وہ سارے کمروں کی صفائی کرتی۔ اماں ناشتا بناتیں۔ جوہرآپا کمروں کو سنوار دیتیں۔ سکھاں نے باقی سارے کام سنبھال رکھے تھے۔ صحن اور ملحقہ بگیا کی صفائی بھی اسی کے ذمے تھی۔ اسرار بھائی ہاؤس جاب کر رہے تھے۔ شہر یار تین سالہ کورس کے بعد باہر چلے گئے تھے۔ اب بخت بی۔ اے کے لیے باہر کا رخ کرنے کو پرتول رہے تھے۔ ان کی ضد تھی کہ وہ غیر ملک جا کر ہی بی۔ اے کریں گے۔ اماں بولائی بولائی سی پھرتی تھیں۔ آٹھ دس سال کے لیے جدا ہونا خاصا مشکل تھا۔ پیار تو بابا جان کو بھی کم نہ تھا لیکن وہ ترقی کی راہ میں حائل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ تو ساری محنت کر بھی اپنے بچوں کی خاطر رہے تھے۔ اپنے بچوں کا معاشرے میں نمایاں مقام ان کی سب سے بڑی آرزو تھا۔

دراصل ان کی اپنی ذات' اپنی خواہشوں سمیت ادھوری رہ گئی تھی۔

شدید ترین محنت بھی انہیں راتوں رات عرش کی بلندیوں تک تو نہ پہنچا سکی لیکن طرز زندگی تھوڑا بہت ضرور بدل گیا۔

مثلاً کاروباری ضروریات کے تحت ایک عدد ٹیلی فون ناگزیر تھا لگوا دیا گیا۔ گھر کے ایک کونے کو علیحدہ کر کے انیکسی بنایا گیا۔ جہاں جدید طرز پر بنے دو کمروں کو جدید طرز پر ہی سجایا گیا اور بچوں کی ضد پر وہاں ایک سرد گرم ایئر کنڈیشنر بھی لگوا لیا گیا۔ باقی گھر اسی طرح رہا جس طرح پہلے تھا۔ مثلاً کھانا کسی خاص کمرے میں نہیں بلکہ باورچی خانے میں ہی دستر خوان بچھا کر کھایا جاتا۔ گرمائی راتیں آسمانی چھت کے نیچے گزاری جاتیں۔ سرمائی شاموں میں آتش دان روشن کر کے دالان کو رات گئے تک نشست گاہ بنایا جاتا۔ جہاں سب کے مشترکہ دکھوں کا حل ڈھونڈا جاتا اور سکھوں سے لطف اندوز ہوا جاتا' بابا جان کے ساتھ سیر حاصل بحث کی جاتی' گرما گرم مونگ پھلیاں اور چلغوزے کھائے جاتے' روزانہ کی سیاسی و غیر سیاسی خبروں پر تبصرہ کیا جاتا اور جو کبھی کاظم چچا اور ان کی فیملی کے لوگ کچھ دن گزارنے آ جاتے تو ان کے ساتھ موجیں اڑائی جاتیں۔ گوہر کو سرمائی راتوں کی چاندنی سے بھی ازحد پیار تھی۔

وہ گرم کپڑوں کو اماں کے حکم پر جسم پر لاد کر چھت پر آ نکلتی بچھا کر لیٹ جاتی۔ چہار سو پھیلی چاندنی میں اس کی سوچوں کا افق بھی تاب ناک اور روشن ہو جاتا۔ وہ پہروں اچھی باتیں سوچتی رہتی' کائنات کے حسن پر غور کرتی' اپنے بلند آدرشوں پر نظر ثانی کرتی اور جب لوٹ کر آتی تو دالان میں زندگی کے ہنگامے ختم ہو چکے ہوتے' رات گئے تک نصابی کتابوں کے علاوہ اچھے ادیبوں کے افسانوی مجموعے' فیض' فراز اور ناصر کی خوب صورت شاعری' مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے اور بہت کچھ اس کے زیر نظر رہتا۔ جوہرآپا اور اس میں عمروں کے نمایاں فرق کے باوجود دونوں میں زبردست دوستی تھی۔ ناول پڑھنے کا چسکا انہوں نے ہی ڈالا تھا لیکن اس کا مطالعاتی سفر بہت طویل ہو گیا۔ وہ ان سے بہت آگے نکل گئی۔

جوہرآپا کو رنگین ہنگاموں سے پر شور و غل والی زندگی پسند تھی' ایک بنا ٹھنا اونچے اسٹیٹس کا مالک خوب رو جوان ان کا آئیڈیل تھا' ماربل سے بنا گھر' وسیع لان' قیمتی اشیائے ضرورت' لمبی سی گاڑی' بیش قیمت جیولری' شاندار لباس عالی شان دعوتیں یہ سب جوہرآپا کے خواب تھے۔ انہیں اس پرانی طرز کے گھر سے کوئی محبت نہ تھی۔ سو عیب نظر آتے تھے۔ وہ تو پھر سے اڑ جانے کو تیار بیٹھی تھیں۔

ایک یہ گوہر تھی...... اپنی دھن میں مگن...... اس گھر کی محبت اس کی رگ رگ میں رچ بس گئی تھی۔ اس کے

والدین کے گھر سے کسی شہزادے کا گزر تک نہ ہوا تھا تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں کے علاوہ کسی چیز کا خیال تک نہ تھا' بناؤ سنگھار جسم کی آرائش' ہر بات میں دخل سادگی کا ہی تھا' شادی بیاہ کی تقریبوں سے اکثر دور ہی رہتی...... کہیں جانے کا اتفاق ہوتا بھی تو سر محفل رہنے کے بجائے کسی کونے کھدرے میں کسی کمرے میں بیٹھی رہتی۔ اکثر خاموش ہی رہتی...... باتیں کرتی تو بس اپنے بابا جان سے یا بھائیوں سے' اسے عورتوں کی محفلوں سے ہول آتا تھا' جہاں زیورات' لباس' دوسروں کی عیب جوئی پسندیدہ ترین موضوع ہوتے تھے۔

جوہرآپا اکثر اسے چھیڑنے کو گنگناتیں۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

کبھی کہتیں۔

''بی بی۔ اچھے اچھے خواب پال لو...... دنیا میں بھی دل لگ جائے گا۔ ویسے ایک بات کہوں۔ دل لگانے کو یہ اپنا کزن المعروف شبیر عسکری برا نہیں۔''

گوہر سرخ ہو جاتی۔

''میٹھے آپا آپ کو تو بے تکی سوجھتی ہے۔''

ماموں جان کے آنے سے زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی' کسی نہ کسی تقریب کے سلسلے میں انہیں بلاوا آ جاتا۔ دلنواز عسکری تو لاہور میں تھے' ان کے ہاں سالوں میں جانے کا اتفاق ہوا کرتا تھا' لیکن شاہنواز اب ایک ہی شہر میں تھے' رسماً ان سے دور نہ رہ سکتے تھے۔ اس دن ظہیر کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ وہ خود ہی آ کر کارڈ دے گیا' دونوں بہنوں کو بار بار تاکید کی۔

اماں سر شام جانے کو تیار ہو گئیں تو لگیں شور مچانے' گوہر نے پس و پیش سے کام لیا تو ان کا منہ بن گیا۔

''اللہ آمین ہے...... ایک دو ہی تعلق دار ہیں میرے' صاحبزادی کو یہ بھی قبول نہیں۔ پوچھتی ہوں کہیں آئے گئے بغیر کیسے رہے گی اس دنیا میں۔''

البتہ جوہرآپا دوپہر سے ہی تیاریوں میں لگی تھیں۔

تیاری تھی کہ مکمل ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی' سدا کی سادہ دل' سادہ مزاج گوہر نے لباس اور آرائش میں آج بھی کوئی اہتمام نہ کیا' آسمانی رنگ کے سلک کے سوٹ اور چار موسم کے دوپٹے میں گھنے سیاہ بالوں کی چوٹی بنا کر وہ کمرے سے نکل آئی' سیاہ سینڈلوں میں اس کے پیر دیکھ کر جوہرآپا مسکرا دیں۔ بابا جان نے پرانے ماڈل کی نیلے رنگ کی بڑے دنوں بعد گیراج سے نکالی' گاڑی صرف ایسے موقعوں پر استعمال میں لائی جاتی تھی جب اہل خانہ کو کہیں جانا ہوتا۔ گوہر کو اسری کالج چھوڑ آتے اور واپسی پر بخت اپنے ساتھ لے آتے' سب لوگ گاڑی کی طرف گئے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی اک تواتر سے بج رہی تھی۔ گوہر اپنی چادر لینے کمرے میں گئی تو اس نے دالان میں رکھا ٹیلی فون اٹینڈ کیا۔

''ہیلو!''

''ہیلو شبیر اسپیکنگ۔''

[illegible] کا دل تیز رفتاری سے دھڑکا۔

"گوہر جلدی آؤ۔"
دور کہیں سے جوہر آپا نے پکارا۔
وہ گھبراہٹ کے اس عالم میں آگئے کچھ نہ کہہ سکی۔
ٹیلی فون بند کر کے باہر بھاگ گئی۔
"کیا بات ہے یہ تمہارا چہرہ اس قدر لال گلال سا لگ رہا ہے۔ آئینہ دیکھ کے آرہی ہو؟ یقیناً شبیر نظر آگیا ہوگا۔" آپا نے پھر چھیڑا۔
"جی نہیں۔" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بڑے سدلار سے کہا۔
"فون کس کا تھا؟"
"کیا خبر کس کا' میں نے تو اٹھایا ہی نہیں۔"
اس نے جھوٹ بول دیا۔
"ہاں آخر شبیر کے گھر جا رہی ہو اتنی فرصت کہاں تھی تمہیں۔"
اس نے انہیں گھور کر خاموش رہنے کو کہا۔
دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔
گاڑی گیٹ سے باہر روک دی گئی' پورچ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ متعدد گاڑیاں باہر کھڑی تھیں۔
گوہر نیچے اتری۔ اس کی پہلی نظر کریم لباس اور لانگ بوٹ میں' چہرے پر دنیا بھر کی تھکن لیے آتے شبیر پر پڑی۔
وہ بے پروائی سے اس کے قریب سے گزر کر اپنی جیپ کی طرف بڑھا' ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ رک گئے۔
"پھوپھا جان آپ۔ السلام علیکم۔"
وہ آگے بڑھ کر عاصم حسنین کے آگے قدرے جھکا۔
"وعلیکم السلام۔ کہاں جا رہے ہو میاں؟ بڑی جلدی میں تھے' تمہارا خط مل گیا تھا مجھے..... تم ملے ہی نہیں' نہ ہماری طرف آئے۔"
"عبداللہ پور سے ابھی آیا ہوں۔"
گوہر کے قدم وہیں رک گئے۔ ایک سال میں شبیر میں بہت فرق آگیا تھا' قد بڑھ گیا تھا' لیکن وہ کمزور سا لگ رہا تھا' مونچھیں قدرے گھنی ہوگئی تھیں' آنکھوں کی چمک میں مزید اضافہ ہوگیا تھا' لیکن چہرہ کسی خوشی یا اطمینان کی آماجگاہ نہیں لگ رہا تھا۔
"شہر میں کہیں دل نہ لگا۔"
گوہر کے ذہن میں اس کے خط کا ایک جملہ آگیا۔
اب بھی تو وہ شہری رونق چھوڑ کر جانے کہاں جا رہا تھا۔
وہ چادر میں لپٹی لپٹائی وہیں کھڑی رہی' مبارک باد دینا چاہتی تھی' مگر شبیر نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ بس اماں کو آداب کیا اور گاڑی میں بیٹھ یہ جا وہ جا۔ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ شاہنواز پشت سے نمودار ہوئے۔
"آؤ آؤ سفیہ..... بھئی عاصم..... یہ بھی کوئی آنے کا وقت ہے' تم نے اتنی دیر کی' میرے بھانجے ہیں' انتظام بھی ان ہی کا مرہون منت ہے۔"

"یہ مت بھولو کہ وہ میرے بیٹے ہیں۔" عاصم ہنسے' شاہنواز نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"ارے گوہر بیٹی' یہ تم باپ کے پہلو میں چھپی کھڑی ہو۔ جوہی' بھئی تم لوگ اندر آجاؤ نا۔"
ارم اور شاذی بھی وہیں آگئیں۔
"اللہ جوہی آپی۔ کتنا انتظار کرایا ہے آپ نے۔ اور..... اور..... یہ کون ہے؟ اف گوہر یہ تم ہو' میں نے سوچا کوئی بڑی بی ہیں۔" ارم ہنس دی۔
"او مائی گاڈ..... یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟ لاحول ولا یہ لباس آج کے دن پہننے کا ہے۔"
"بچی! اندر جاؤ بعد میں باتیں کرنا۔"
لڑکیاں گوہر کو گھسیٹتی اندر کی طرف بڑھیں۔
"جوہی آپی! آپ نے اسے سمجھایا ہوتا۔"
"میں تو اس سے تنگ ہوں' میں کیا سمجھاتی۔"
"چلو شاذی جلدی سے میرا سوٹ نکالو' میرون کلر کا زری کے کام والا' چلو میں اسے لا رہی ہوں۔"
"نہیں ارم! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
"خاک ٹھیک ہو' اپنی سہیلیوں سے تعارف کراتے ہوئے شرم تو مجھے آئے گی کہ یہ بڑھی روح میری کزن ہے۔ گوہر کم از کم تم اپنے بے پناہ حسن کی لاج رکھ لو' ایسا ظلم تو نہ کرو۔"
"نہیں ارم پلیز' میں اسی لباس میں۔"
"بس چپ چاپ کمرے میں چلو' لباس بدلو ورنہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر تمہارا حلیہ ٹھیک کروں گی۔ سمجھیں آیئے جوہی آپا۔ دیکھتی ہوں کیسے نہیں مانتی۔"
ارم اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے آئی۔
جوہر آپا کو اللہ نے موقع دیا' تینوں لڑکیوں نے مل کر اس کی درگت بنا ڈالی۔ میرون کلر کے سوٹ' سیاہ کھلے بالوں اور جیولری نے اسے سرتاپا بدل دیا۔ ارم نے جانے کیا لیپا پوتی کی' آئینے میں اپنا آپ دیکھ کر وہ خفیف سی ہوئی' ارم نے اس کا بازو تھاما۔
"میں باہر نہیں جاؤں گی' وہاں ظہیر بھائی کے دوست بھی ہوں گے۔"
"تو کیا ہوا؟ آج تو ان سب کے ہوش کھونے کا دن ہے۔"
"نہیں ارم میں کبھی کسی کے۔"
"ارے بھائی۔ وہ بے چارے تمہیں دیکھ کر خدا کا شکر ہی تو ادا کریں گے جس نے تمہیں بنایا' تم کسی سے بات نہ کرنا ایک طرف بیٹھی رہنا سب مجھ سے پوچھیں گے یہ مغرور سی الف لیلوی شہزادی کون ہے کہاں سے آئی ہے؟ تب میں فخر سے بتاؤں گی کہ یہ میری اکلوتی پھوپھو کی راج دلاری ہیں۔"
"جوہی آپا..... جوہی آپا۔" ظہیر دوڑتے چلے آئے جونہی گوہر پر نظر پڑی ٹھٹک کر رہ گئے۔
"ارے۔ یہ..... یہ..... کون ہیں؟"
ارم اور شاذیہ ہنس دیں۔
"ارے..... واہ..... واہ میں تو پہچان ہی نہ پایا' یہ گوہر ہی ہیں نا' کہیں میں دھوکہ تو نہیں کھا رہا۔"
"نہیں ظہیر بھائی' یہ گوہر ہی ہیں۔"

"لگتا ہے ہماری زندگی کا ایک اور سال بڑھ جانے کی خوشی آپ کو سب سے زیادہ ہوئی ہے۔ شکریہ گوہر جی۔"
وہ چپ رہی۔
"اچھا بھئی! آپ سب لوگ چلیے' کیک کاٹنے کے لیے بس آپ لوگوں کا انتظار ہو رہا ہے۔"
"چلو گوہر......!" جوہر آپا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"میں وہاں نہیں جاؤں گی آپا!"
"کیوں بھئی؟ آخر کس وجہ سے؟"
"بس۔ میں نے کپڑے بدل لیے۔ لیکن وہاں نہیں جاؤں گی' ہرگز نہیں۔"
"پاگل ہو گوہر بن سنور کے اپنے آپ کو چھپاؤ گی اور پھر بابا جان تو اندر ہیں۔"
"ہوتے رہیں۔ میں غیر مردوں میں نہیں جاؤں گی۔" اس کی سنجیدگی دیکھ کر ارم' شہناز بیا اور جوہر چلی گئیں۔
وہ ایک بغلی صوفے پر ٹک گئی۔
ہال کی رنگین دنیا اس کی نظروں سے اوجھل تھی لیکن قہقہے' خوشی...... یہاں تک پہنچ رہے تھے۔ اس نے ارم کی بک شیلف کا جائزہ لیا۔ کوئی کتاب پڑھنے کے لائق نظر نہ آئی۔ کوریڈور میں فون کی گھنٹی تواتر سے بج رہی تھی۔ سب تقریب میں مگن تھے' کچھ دیر بعد بیل پھر بج اٹھی' وہ فون کی طرف آئی' ازرہ اخلاق اس نے ریسیور اٹھالیا' کوئی منیر عسکری کو پوچھ رہا تھا۔
"جی' وہ اس وقت مصروف ہیں آپ تھوڑی دیر بعد رنگ کر لیجیے گا۔"
"آپ کون ہیں؟"
"آئی ایم سوری یہ بتانا ضروری نہیں۔"
"اچھا؟"
"خدا حافظ۔"
اس نے ریسیور رکھ کر سر اٹھایا۔
"آپ۔" شبیر عسکری عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔
"جی میں۔ معذرت خواہ ہوں دخل اندازی پر' کس سے بات کر رہی تھیں؟"
"کسی سے بھی نہیں۔"
"کوئی تو تھا۔"
"منیر بھائی کا کوئی دوست انہیں پوچھ رہا تھا۔"
"اوہ میں سمجھا...... آپ صرف ٹیلی فون کی خاطر ہال میں نہیں گئیں' ویسے منیر کے دوست سے مسکرا کر بات کرنا ضروری تو نہ تھا۔" اس کا لہجہ جلا بھنا سا تھا' گوہر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
"مسکرا کر! ہرگز نہیں' فون کب سے بج رہا تھا' میں نے سوچا کوئی ایمرجنسی کال نہ ہو' بس اٹینڈ کر لیا اور بات کرنا پڑی۔"
"بہرحال آئی ڈونٹ لائک کہ لڑکیاں غیر لڑکوں سے یوں باتیں مٹھاریں۔"
وہ ایک پل میں دھم دھم کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔
گوہر اسے دیکھتی رہ گئی' اسے اس شبیر اور سال پہلے والے شبیر میں بہت فرق نظر آیا۔ مزاج کے لحاظ سے بھی

اس کے انداز کلام پر غصہ آیا لیکن وہ سوچنے لگی۔
سالگرہ کی تقریب سے دور وہ کہاں گیا تھا؟ واپس کیوں آیا اور اب اوپر کہاں چلا گیا؟ کیا اسے واقعی اس گھر اور اس کے مکینوں سے کوئی واسطہ نہیں اور نہیں تو کیوں؟
اور...... اور اسے مجھ سے تلخ لہجے میں بات کرنے کا حق کس نے دیا؟ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔
نیچے کے ہنگاموں میں اوپر کا شور بھی شامل ہو گیا۔
نہ کوئی امنگ ہے نہ کوئی ترنگ ہے
میری زندگی ہے کیا اک کٹی پتنگ ہے
گانے کی آواز اوپر کی ساری منزل میں گونج رہی تھی۔
سب نیچے کیک چل رہا تھا۔
... کے ناچ رہے تھے' تالیوں کی گونج میں ڈیک کی آواز دبی جا رہی تھی' اوپر سے گانے کی آواز' ڈیک کی آواز...... فون کی گھنٹی۔ تالیوں کا شور...... ہوہا...... سب کچھ گڈمڈ ہو گیا۔ ان ساری آوازوں سے گھبرا کر وہ پھر ارم کے کمرے میں چلی آئی۔
"گوہر بیٹے! تم ہال میں نہیں آئیں؟"
جانے کب شاہنواز اندر آئے۔
"چلو اب کھانا کھا لو' قاسم تمہارا منتظر ہے۔"
"جی بہتر۔"
وہ ان کے ساتھ ڈائننگ ہال میں آئی۔
میز پر سب گھر والے موجود تھے۔ ظہیر اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔
"آپ کا لباس بہت جلد بدل گیا۔"
وہ چپ رہی' شبیر کھانے پر بھی موجود نہ تھا۔
"شبیر نہیں آیا؟" بابا جان نے شاید گوہر کے دل کی بات جان لی۔
"پہلے کب آتا ہے وہ جو آج آتا' اسے اس گھر اور گھر کی خوشیوں سے کوئی مطلب نہیں۔" شاہنواز کے لہجے میں تلخی اور ناراضگی تھی۔
"وہ گھر پر ہے بھی کہاں؟"
"ہاں میں نے بھی اسے جاتا دیکھا تھا۔"
"نہیں بابا جان وہ گھر پر ہیں میں نے انہیں اوپر جاتے دیکھا تھا۔"
"کب؟"
"کافی دیر ہو گئی۔"
"بھائی کی خوشی میں شریک ہو جاتا تو کیا فرق پڑتا۔" سعیدہ بولیں۔
"چھوڑو سعیدہ! یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"
"جوہر تم جاکے بھائی کو بلا لاؤ۔" اماں کے خون نے جوش مارا۔
"میں جاتا ہوں اماں۔" بخت اٹھے۔

"چھوڑو میاں...... اس گھر کا کھانا اس پر حرام ہے' وہ کھانا کہیں باہر سے کھاتا ہے۔"

"وہ کیوں' ماموں جان؟" گوہر بول اٹھی۔

"یہ باتیں تم نہیں سمجھو گی بیٹی۔ اسے مجھ سے ضد ہے' وہ میرے مقابل اتر آیا ہے' نفرت کرتا ہے ہم سب سے۔" شاہنواز دکھی ہو گئے۔

گوہر کی بھوک اڑ گئی۔ اس نے کھانا برائے نام کھایا اور ارم کے کمرے کی طرف آ گئی۔

شبیر سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ بیگ کندھے سے لٹکائے' لانگ کوٹ پہنے' چہرے پہ تلخی لیے وہ اس کے پاس سے گزرا۔

"آپ پھر کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں' سامان لینے آیا تھا؟"

"اس رات میں کہاں جائیں گے؟"

"راہیں دن میں ہی نہیں راتوں کو بھی کھلی رہتی ہیں اور بعض مسافر تو ویسے بھی منزل کے تعین کے بغیر ہی چلتے رہتے ہیں۔"

"آپ سالگرہ میں شریک نہیں ہوئے؟"

"ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"کیسے آپ کو...... ؟ ماموں جان پریشان تھے۔"

"کسی بزنس افیئر کے سلسلے میں پریشان ہوں گے۔"

"آپ کھانا تو کھالیں۔"

"کھا چکا ہوں' اچھا خدا حافظ...... عدی میرا انتظار کر رہا ہو گا۔" اس نے جانے کو قدم اٹھایا۔

"سنیے......"

"جی؟"

"آپ پھر کبھی ہماری طرف آئے ہی نہیں۔"

"آپ نے کمی محسوس کی؟"

"شاید......؟"

"آ جاؤں گا کسی دن' انتظار کیجیے گا' ویسے شاید آپ کی بی اے میں شاندار کامیابی کی خبر کسی اخبار میں پڑھنے آنا ہی پڑے گا' اچھے ذہن مجھے اپیل کرتے ہیں اور چالاکی اور مکاری سے پاک وخوبصورت آنکھیں مجھے پسند ہیں۔" وہ ایک پل کو خوش وخرم شبیر لگنے لگا۔

"اچھا خدا حافظ...... ہاں ایک بات' اب میں کبھی فون کروں تو بات کر لیجیے گا' کیونکہ آپ تو غیروں سے باآسانی بات کر لیتی ہیں' میں تو پھر آپ کا ماموں زاد ہوں' اب کبھی اتفاق ہو تو ہیلو کے بعد فون رکھ نہ دیجیے گا۔"

وہ نشتر بھی پیار سے چبھونے کا خوگر تھا' وہ چپ رہنے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔

"آپ کو نمبر کا پتا کیسے چلا؟"

"آپ کے فون پہ لکھا نظر آیا تھا۔"

"آپ نے لکھ لیا ہو گا۔"

"میں ساری واردا تیں قلب وجاں کے قرطاس پر لکھتا ہوں' آئی مین' ہر وہ بات جسے یاد رکھنا ضروری ہو اور اس نمبر کو ہرگز نہیں بھول سکتا' یاد رکھوں گا۔"

اب کے اس نے قدم اٹھائے تو پھر رکا نہیں' بڑھتا ہی چلا گیا' گوہر اس کی پشت پر نظریں جمائے اس کے سراپا میں گم ہو گئی۔ اسے خبر ہی نہ تھی' پشت پر ارم اور شازیہ کھڑی تھیں۔

"شبیر بھائی تھے نا؟"

"ہاں...... ہاں' وہی تھے۔" گوہر شپٹا کر رہ گئی۔

"خوب باتیں ہو رہی تھیں؟"

"ایسے ہی عام سی باتیں۔"

"نیور مائنڈ...... وہ اکیلی لڑکیوں کو گھیر کر ایسی عام سی باتیں کرنے کے خوگر ہیں۔" ارم ہنس دی اس کے لہجے میں عجیب سا تمسخر تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو مجھے پوچھنا ہے گوندی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بن کر صرف انہیں دکھانے کے لیے ہال تک نہ گئی ہو' سچ بتاؤ گوہر یہ سلسلہ کب سے ہے؟"

"ارم......!" گوہر کا چہرہ سرخ ہو گیا شدید غصے کے عالم میں۔

"بی ایزی مائی کزن! میں تو ایک بات تمہیں بتا رہی ہوں' گھر سے دور رہ کر شبیر بھائی گھریلو زندگی کے آداب بھول گئے ہیں' لڑکیوں کی معصومیت سے کھیلنا ان کی فطرت بن گیا ہے اور آشیانہ میں رہ کر تو وہ بالکل آزاد ہو گئے ہیں۔ سنا ہے دیہاتوں میں تو عشق کرنا بہت آسان ہے' آج کل ایک پشتینی ملازم کی بیٹی سے ان کا عشق زوروں پر ہے' یہاں گھنٹوں لڑکیوں سے فون پر باتیں کرنا ان کی ہابی ہے' پاپا ان ہی باتوں کی وجہ سے تو بدظن ہیں۔"

گوہر کے اندر بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ لیکن وہ سنبھل کر بولی۔

"ٹھیک ہو گا یہ سب کچھ' لیکن ارم پیاری' دس از اے فیکٹ" کہ وہ میرے کزن ہیں۔"

"اور میرے بھائی۔" ارم کی ہنسی کا ساتھ اس نے زبردستی دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سرد سی شام جبکہ مطلع ابر آلود تھا۔ جو ہرا سے گھسیٹ گھساٹ کر بازار لے آئیں اور عین اسی وقت جب وہ سڑک کنارے کھڑی بارش سے بھیگ رہی تھیں۔

ایک لمبی سفید گاڑی ان کے قریب رکی' کسی نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو آ جایئے' میں گھر تک چھوڑ دوں گا۔"

"جی نہیں' ہم رکشا کے انتظار میں ہیں۔"

"لیکن بارش تیز ہو رہی ہے۔"

"یہ ہمارا اپنا مسئلہ ہے۔"

"گوہر...... کیا بدتمیزی ہے' کبھی تو غصہ ناک سے اتار کر کہیں رکھ لیا کرو۔"

وہ جو بھی تھا مسکرانے لگا۔

"یہ ہماری ہمدردی میں دبلے کیوں ہو رہے ہیں۔"

"انسان جو ہیں اور ہمیں بارش میں بھیگتا دیکھ رہے ہیں۔ دروازہ کھولیے گوہر تو! یسے ہی پگلی سی لڑکی ہے۔"
اس نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔
جوہر نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے سیٹ پر بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔
گاڑی چل پڑی۔
"کس طرف جانا ہے آپ کو؟"
جوہر نے جھٹ پورا ایڈریس بتا دیا۔
"آپ دونوں....."
"جی ہاں بہنیں ہیں لیکن مزاج مختلف ہیں۔"
"اچھی بات ہے اختلاف رنگینی پیدا کرتا ہے۔" گوہر نے نظریں اٹھائیں۔ دو شریر مجبوری آنکھیں.... بیک ویو مرر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"بائی دا وے آپ کی تعریف۔؟"
"مجھے جوہر کہتے ہیں۔ یہ....."
"جی ہاں یہ گوہر ہیں گوہر نایاب۔" وہ ہنس دیا۔
"بندہ نبیل ہے نبیل یزدانی۔" اس نے اپنا تعارف خود ہی کرا دیا۔
گوہر نے پھر اس کی طرف دیکھا ہی نہیں۔
"آج ممی نے زبردستی بازار بھیج دیا شاید آپ کی خاطر بھیجا تھا انہوں نے۔"
"جی۔؟" جوہر نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔
"جی ہاں یہاں نہ آتا تو آپ لوگوں سے کیسے مل پاتا۔"
گھر آ گیا' دونوں گاڑی سے اتریں۔
"جانتا ہوں گوہر جی! آپ مجھے گھر آنے کا نہ کہیں گی لیکن بہت جلد آپ بلائیں گی' بلکہ آپ ہی ہوں گی' سب سے زیادہ خاطر مدارات کرنے والی۔ او کے۔ بہت جلد حاضر ہوں گا۔"
وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ حیرت بہت جلد دور ہو گئی' تیسرے دن بیگم یزدانی اپنے بزنس مین بیٹے کا رشتہ لے کر آ گئیں' جوہر ان کے بیٹے کو بے طرح پسند آئی تھی' شاید وضع دار خاندان تھا۔ نبیل یزدانی کی پسند کا کہیں ذکر ہی نہ تھا۔
بابا جان نے ان کے متعلق ضروری چھان بین کی اور ان کے اصرار پر دنوں میں رشتہ طے ہو گیا۔
جوہر کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا' شادی کی تاریخ مقرر ہوتے ہی گھر میں ہنگامے در آئے' گوہر کے شب و روز کی مصروفیات بدل کر رہ گئیں' دل نواز' کاظم اور ان کے خاندان ہفتہ پہلے آ گئے' ارم وغیرہ اکثر یہاں رہتیں' گھر کے در و دیوار کا نیا رنگ و روغن تھوڑی سی سجاوٹ' ان سب نے گھر کا نقشہ بدل دیا۔ جوہر کے کمرے میں دن بھر لڑکیاں جمع رہتیں' ڈھولک پہ گیت گائے جاتے' محلے کی لڑکیاں بھی شریک ہوتیں' بابا جان کارڈ لکھنے کی ذمہ داری اس پر ڈال چکے تھے' بخت اور دوسری دن میں کئی بار کارڈ لے کر شہر بھر میں دینے جاتے۔
شبیر۔ شبیر جانے کہاں تھا۔

شبیر کے خیال کے ساتھ ہی اسے ارم کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے ذہن کو جھٹک دیا۔
مہندی کے دن سب لوگ جمع تھے' لڑکیوں نے بھی خاصا اہتمام کر رکھا تھا' ابھی تو شرارتوں کا گھر بنی ہوئی تھی بے' بچی لڑکے والوں کے انتظار میں کھڑے تھے' لڑکیاں نبیل کی مہندی لے کر گئی تھیں۔ بابا جان نے لڑکوں کو باہر جانے سے منع کر دیا تھا۔
امری بابا جان کے پاس آ گئے۔
"بیٹا! شبیر نظر نہیں آیا۔"
"وہ تو گھر پر تھا ہی نہیں۔"
"عبداللہ پور چلے جاتے۔"
"ظہیر بتا رہا تھا' اب وہ عبداللہ پور میں بھی نہیں ہے' ماموں جان نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔"
"کیوں؟"
"پتا نہیں بابا جان۔"
"بہت برا کیا ہے شاہ نواز نے' اولاد اچھی ہو یا بری' والدین کے سائے میں ہی رہنی چاہیے' تم اس کا پتا کرو ابرار۔"
"لیکن کہاں بابا جان؟"
"ہاں یہ بات ہے۔"
وہ خاموش ہو گئے۔
لڑکیاں واپس آ چکی تھیں' سسرالی لوگ جوہر کو مہندی لگانے آ رہے تھے' ہلڑ بازی مچ گئی۔ رات گئے تک شور و غل جاری رہا۔
گوہر کو نیند آ رہی تھی' وہ بابا جان کے کمرے میں چلی آئی' بغیر لباس بدلے قالین پر دراز ہو گئی۔ ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن۔
اس ناوقت جانے کون تھا۔ اس نے اٹھ کر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"ہیلو۔"
"ہیلو گوہر۔ کیسی ہو؟"
اس نے بھی آواز پہچان لی۔
دل میں نفرت کا طوفان سا اٹھا اور پھیل گیا۔ اس نے کریڈل دبا دیا' پھر انگلی ہٹائی۔
"گوہر۔ گوہر یہ میں ہوں شبیر۔"
"جی ہاں' یہ جانتے ہوئے بھی میں فون بند کر رہی ہوں۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔
"گوہر کسی عام سی لڑکی کا نام نہیں شبیر عسکری۔ اور اس کا دل بڑا مہرے غیرت کی گزرگاہ نہیں اور تمہارے جیسے لوگ تو اس دل سے بہت دور' میلوں دور بھی نظر آ جانے کے قابل نہیں۔"
اس نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی۔
فون پھر نہیں بجا' جانے کب وہ سو گئی۔
"گوہر۔ گوہر!" کوئی اس پر جھکا اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں، وہ ارم تھی۔
دروازے میں ظہیر کھڑا تھا۔
"زیادہ سونا صحت کے لیے اتنا بھی مفید نہیں، باہر آیئے آپ کے خاص مہمان آئے ہیں۔"
"میرے مہمان۔" اس نے پوری آنکھیں کھولیں۔
ارم مسکرا رہی تھی معنی خیز انداز میں۔
"ہاں، جن کے بغیر یہ ساری محفل آپ کے لیے بے رونق تھی۔"

گوہر کو ارم کی بات سمجھ میں آ گئی۔
"معاف کرنا میرے لیے سب مہمان خاص ہیں، کوئی عام نہیں۔"
وہ اٹھ بیٹھی جلدی سے بال درست کرتے ہوئے دوپٹہ لیا۔
"محترمہ! کیا ہم آپ کو خاص مہمان نظر نہیں آ رہے۔ بھئی ہم تو یہاں تک صرف آپ کی خاطر ہی کھنچے چلے آتے ہیں۔" ظہیر اندر آ گیا۔
"کیسے ہیں ظہیر بھائی۔" اسے ظہیر کا انداز گفتگو نہ بھایا۔
"آپ کے سامنے ہیں...... دیکھ لیجیے......" نیلی جینز اور سرمئی شرٹ میں وہ خاصا خوب صورت لگ رہا تھا۔
"وہ تو دیکھا ہی کرتی ہوں، میں نے حال پوچھا تھا۔"
"کیا کہیں اچھے ہیں کہ برے...... بس اتنا عرض ہے کہ آپ کی نظر کرم پر منحصر ہے، ہماری حالت زار۔" گوہر چڑنے لگی۔
"ظہیر بھائی...... پلیز...... ایسی معطر صحت قسم کی گفتگو سے پرہیز لازمی ہے۔ ورنہ حال پتلا ہوتے دیر نہیں لگے گی، چلو ارم کچھ ناشتے وغیرہ کی فکر کریں اور آپ جناب تشریف لے جایئے۔ بخت بھائی کے کمرے میں۔ ناشتے کی طلب ہو تو وہیں پہنچائے دیتے ہیں۔"
وہ ظہیر کو وہیں کھڑا چھوڑ کر باہر آ گئی تو ارم بھی ساتھ ہو لی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"جو ہر آپا...... خدا کے لیے اب تو اپنی خواہشات کے جنگل سے نکل آئیں، عارضی طور پر ہی سہی، پھر نیل بھائی کی جان ناتواں اور بھاری جیب جانے یا آپ جانیں...... میں تو بازار کے چکر لگا لگا کے تنگ آ چکی ہوں۔"
"بس یہ آخری پھیرا ہو گا۔ اس کے بعد تمہاری چھٹی...... صرف ایک دوپٹہ ہی تو پینچ کرتا ہے، یا ایک سیٹ لیا ہے۔ آج کا وعدہ کیا تھا جیولر نے...... ایک تو یہ کم بخت بھی صحیح وقت پہ چیز نہیں دیتے۔"
"ڈیزائن بھی تو آخر عرش سے اترا ہوا تھا، بنتے بناتے وقت تو لگے گا۔ آپ کے ذہن کی اختراع کو سمجھ جانے والے قابل ترس ہیں۔"
"بس بکواس بند کرو اور سیدھی طرح جاؤ۔ دیکھو اسری کو ساتھ لے جاؤ۔"
"اوکے میم...... آنکھیں دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ اسری کی طرف چلی۔
"کیا بات ہے آپ کو کہیں جانا ہے کیا۔" ظہیر کمرے کے دروازے میں مل گیا۔
"جی ہاں بازار تک......"

"تو چلیے، میں لیے چلتا ہوں۔"
"تھینک یو، میں اسری بھائی کے ساتھ جا رہی ہوں۔"
"کزن! آیا آپ اس قدر اجنبیت کا مظاہرہ کیوں کرتی ہیں آخر آپ میری......"
"جی ہاں آپ کی پھوپھی زاد ہوں، مگر اچھے کزن! میں خود بھی محدود رہنا پسند کرتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ دوسرے بھی......"
ظہیر کے چہرے پر خون چھلک آیا۔ اس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔
"تھینک یو......" اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اختر بڑے کمرے میں سب لوگ جمع تھے، دل نواز اور ان کی بیگم، کاظم اور ان کی بیوی، عاصم...... صفیہ بیگم، سعیدہ بیگم۔ رشتے دار خواتین اور ان سب کی بزرگ ایک چچی جان۔ جن کی عمر اس وقت اسی پچیاسی برس کے لگ بھگ تھی۔ یہ سر عبداللہ کے بھائی کی بیوہ تھیں۔ خاندان بھر میں ان کی عزت تھی، ہر ایک انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس وقت بھی سب ان ہی کے اردگرد بیٹھے تھے، چچی جان کی صحت قابل رشک تھی، سرخ و سفید نورانی چہرہ برف جیسے سفید بال۔ دانت سلامت تھے بینائی روشن تھی، نماز روزے کی پابندی اب تک قائم تھی...... لیکن ایک کمی تھی، بے چاری بے اولاد تھیں، پوری زندگی دوسروں کے بچوں کو پیار کر کے ان کے ناز نخرے اٹھا کر اپنا جی خوش کرتی رہی تھیں، جب سے کلکٹر صاحب کی وفات ہوئی تھی۔ کسی نے انہیں تنہا نہیں رہنے دیا تھا۔ دل نواز تو انہیں ماں جیسا احترام دیتے تھے۔ مستقل اپنے ساتھ لے گئے، اب شادی میں شرکت کے لیے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔
"اے صفیہ! ایک پل کو تو ہمارے پاس بھی ٹکو، کیا گھن چکر بنی ہوئی ہو...... خیر ہے، کام سنبھالنے والے بہت ہیں۔ کر لیں گے سب کچھ۔" چچی جان نے صفیہ بیگم کو روک لیا۔
"چچی اماں...... میرے بغیر ایک کام بھی مکمل نہیں ہو سکتا اور آج اور کل کا دن ہی باقی ہے، پھر فرصت سے بیٹھیں گے، باتیں کریں گے، ابھی تو آپ میرے پاس ہی رہیں گی...... جانے نہیں دوں گی آپ کو۔"
"چچی اماں منہ دیکھے کی محبت پر نہ جائیں۔ آپ کو تو ہماری یاد کبھی نہیں آئی، سچ آپ۔" دل نواز نے تاؤ دلایا۔
"یہ بنا رہا ہے آپ کو چچی اماں۔ چلیے میں تو منہ دیکھے کی محبت کر رہی ہوں، اس نے کب اس طرف کا رخ کیا ہے کہ بہن زندہ ہے یا گزر گئی، اچھی ہے یا......"
"آپا ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کو خبر تو ہے، میری ملازمت کس نوعیت کی ہے، بھئی شاہنواز بھائی جو آپ کے سب ہیں۔"
"سبحان اللہ، یہ ہمارا ذکر خیر کس سلسلے میں؟" شاہنواز اندر داخل ہوئے۔
"آؤ میاں آؤ۔ کب سے تمہارا پوچھ رہی ہوں۔" چچی اماں نے پلنگ پر ان کے لیے جگہ بنائی۔
"بس چچی اماں بہ مشکل جان چھڑا کے آیا ہوں، آج کا دن یہاں نہ گزارتا تو صفیہ بیگم کو شکایت ہوتی اور عاصم میاں تو ویسے بھی ہر دم خفا رہتے ہیں۔"
"نہیں بھائی صاحب میں کیوں خفا ہوں گا۔ رشتے ٹوٹنے سے بھی نہیں ٹوٹتے۔ صرف صفیہ کا ہی نہیں میرا بھی آپ سے رشتہ ہے، یہ رشتوں کو محبت بھری نگاہ سے دیکھا جائے تو خوب صورت اور دل کش لگتے ہیں۔ بدگمانی تو

باپ بیٹے کو بھی ایک نہیں رہنے دیتی۔"

"شاہنواز...... اس خاندان کے تم سربراہ ہو...... خاندان کو یکجا رکھنا تمہارا فرض ہے۔" چچی جان نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چچی اماں! یہ عاصم بھائی ہی ہیں' کٹے کٹے اور جدا جدا رہتے ہیں۔ ہم نے تو سدا انہیں قریب رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ابا جان تو ساری عمر یہی آرزو کرتے رہے کہ......"

"چھوڑیے بھائی جان...... ہر شخص اپنے معاملے میں آزاد ہے۔ عاصم بھائی اپنے اہل خاندان کے ساتھ خوش ہیں اپنی کمائی کھا رہے ہیں۔ ہم سے مل لیتے ہیں اور کیا چاہیے...... اور اب تو ماشاء اللہ شہری بجنت اور اسری ترقی کی منزلوں پر چل نکلے ہیں۔ بڑے آدمی بن جائیں گے ہم سب کو خوشی ہوگی اور وہ گوہر بٹیا...... ماشاء اللہ وہ بھی بڑی ذہین بچی ہے۔ مجھے تو بے حد پسند ہے...... اگر میرے بیٹے گوہر سے چھوٹے نہ ہوتے تو میں اپنا دامن عاصم بھائی کے آگے پھیلا دیتا۔"

دلنواز صلح کل قسم کے بندے تھے' خوش گوار لہجے میں کہے جا رہے تھے۔

"ارے تمہارے بیٹے چھوٹے ہیں تو کیا ہوا' خیر سے شاہنواز کے بیٹے تو موجود ہیں' جو ہر کی قسمت میں یہی تھا۔ اسے غیروں کا گھر آباد کرنا تھا۔ لیکن گوہر کو کسی اور جگہ بیاہنے کی اجازت میں ہرگز نہ دوں گی۔ سمجھے عاصم میاں......" عاصم خاموش ہو کر رہ گئے۔

"یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی چچی اماں گوہر بٹیا تو مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے۔"

سعیدہ بیگم نے اپنی جگہ پہلو بدلا۔ کاظم نے دلچسپی ظاہر کی۔

"اپنوں میں تو کوئی حجاب نہیں ہوتا شاہنواز بھائی...... آپ حکم کریں' عاصم بھائی انکار کر سکتے ہیں بھلا۔ بھابی آپ ہی نے روایتی انداز میں جھولی پھیلائی ہوتی اپنی نند کے آگے......" کاظم نے مسکرا کر سعیدہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"کاظم بھائی ابھی تو بچے زیر تعلیم ہیں' ظہیر تو انشاء اللہ لندن جا کر ہی تعلیم مکمل کرے گا۔ گھر کی بات ہے' مجھے تو بے حد سکون ملے گا۔ گوہر جیسی بچی کو اپنی بہو بنا کر۔"

"اے بی بی! خدا خدا کرو بڑے بیٹے کو چھوڑ کر چھوٹے کی بات کرنے لگیں...... اے اپنی صفیہ اتنی نادان نہیں ہیں' نہ ہی شاہنواز کم عقل ہیں۔ بن ماں کا بچہ ہے...... پھوپھی کے دامن میں جگہ پا کر ماں سے دوری کا غم بھول جائے گا۔ شاہنواز ہم نے تو بچے کو دیکھا ہی نہیں۔" چچی اماں کسی بٹی رکھنے کی قائل نہ تھیں۔ شاہنواز نے یکبارگی سب کو دیکھا۔

"ہاں بھائی جان شبیر نظر نہیں آیا۔ بھئی ہم نے اور ہماری بیگم نے تو بہت ہمت افزائی کی تھی شبیر کی...... بیگم کا اصرار تھا نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے فوراً آپ کو لکھ دیا تھا کہ حویلی اسکول کے لیے دے دیں۔"

شاہنواز کا رنگ رخ بدلنے لگا۔

"شبیر ہے کہاں بھئی شاہنواز......؟ پچھلے دنوں ملاقات ہوئی تھی' تمہارے بیٹے سے' پھر نظر ہی نہیں آیا۔"

اتنے سارے لوگوں میں وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے اور بتاتے بھی کیا انہیں تو خود خبر نہ تھی۔

"وہ گھر پر ٹکتا ہی کہاں ہے دلنواز بھائی...... پتا نہیں کہاں گم رہتا ہے۔"

"یونیورسٹی میں داخلے ہو رہے ہیں۔ میں نے بھائی جان کو لکھا تھا' شبیر کو میرے پاس بھجوا دیں۔ مگر کسی نے

"جواب تک نہیں دیا۔ پورا ایک سال ضائع کر دیا ہے آپ نے اس کا۔"

"میں نے نہیں دلنواز خود اس نے تمہارے بھتیجے نے۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ کچھ اور مزاج کا لڑکا ہے...... اس میں اور مجھ میں زمین آسمان جتنا فرق ہے' جانے کن کن چکروں میں ہے۔ ہدی سوسائٹی نے اسے خراب کر دیا ہے' دوست تو دوست' دوستوں کے والدین بھی اسے بگاڑنے میں اس کے ساتھ ہیں۔ سعیدہ سے پوچھیں...... انہیں ان کے ملنے والی خاتون نے بتایا ہے کہ شبیر کا ایک دوست اسے اپنی بہن دینے پر تیار ہے اور آج کل شبیر کا قیام ان ہی کے ہاں ہے۔"

"بھائی جان! یہ اچھی بات نہیں ہے...... آپ نے اس پر کنٹرول کیا ہوتا۔"

"وہ ان کے بس سے باہر کی چیز ہے دلنواز بھائی۔" سعیدہ نے جھٹ کہا۔

"ہر الجھن کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے بچو...... میں نے حل نکال لیا ہے اور شاہنواز اور عاصم...... تم دونوں میرے آگے کچھ بولو گے نہ ہی تمہاری بیویاں۔"

"ٹھیک ہے چچی اماں۔" کاظم اور دلنواز نے تائید کی' بلکہ پرجوش انداز میں اپنی اپنی جگہوں پر سیدھے ہو بیٹھے۔

دراصل یہ ساری پلاننگ ان دونوں کی ہی تھی۔ ان دونوں کو عاصم اور شاہنواز کا اختلاف اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ نبیلہ رشتوں کی ایک خوب صورت سنہری زنجیر میں باندھ دینا چاہتے تھے اور کاظم ہوں یا دلنواز دونوں گوہر سے یہ تو بی واقف تھے' شبیر کو دونوں نے دیکھا نہیں تھا۔ لیکن اس کے بارے میں سن چکے تھے اور سن کر اس کا ایک خیالی پیکر دونوں نے اپنے ذہنوں میں بنا لیا تھا۔

"آج خیر سے جوہر بیٹی کی رخصتی ہے' کل ولیمہ' پرسوں اس گھر میں ایک اور تقریب ہوگی۔"

"کیسی تقریب؟" عاصم نے جھٹ کہا۔

"میں نے کہا تھا' بولنے کا حق کسی کو نہیں......" چچی جان نے رعب جھاڑا۔

"پھر بھی......"

"پرسوں میں گوہر کو شبیر کی انگوٹھی پہنا رہی ہوں۔"

"چچی اماں......" صفیہ روہانسی ہو گئیں۔

"ہاں بیٹی' خدا ابر کا' خیر کا اجر دیتا ہے۔ بے ماں کے بچے کو سینے سے لگا کر تم کو اجر ملے گا۔"

"چچی اماں......!" جانے کتنے لوگوں نے ایک ساتھ کہا۔

"ہاں ہاں انگوٹھی وغیرہ کی تم لوگ فکر نہ کرو...... وہ میں ساتھ لے آئی ہوں۔"

"چچی اماں...... چچی اماں! میری بات تو سنیں۔ آپ تو یہاں بیٹھی آرڈر دے رہی ہیں اور موصوف کو ہم نے فی الوقت دیکھا تک نہیں ہے۔" دلنواز نے شوخی کے ساتھ کہا۔

"ہاں بھئی اسے بلوا لیجئے نا' آخر ہم لڑکی کے چاچا ہیں۔ کچھ ہماری رائے کا احترام بھی ہوگا۔ بہ دیکھے بنا ہاں نہیں کر دیں۔" کاظم نے بھی دلنواز کا ساتھ دیا۔

"ہم بیا جنہیں اپنی سفید چونڈے والی چچی کا اعتبار نہیں۔"

"بس جناب اعتبار دلانے والے بھی کون' جنہوں نے خود ایک جھلک نہیں دیکھی۔ چچی اماں آپ لڑکی کی

قسمت پھوڑ رہی ہیں......"

دلنواز نے انہیں چھیڑا۔

"اے لو بڈے...... یہ تو کہہ رہا ہے...... تو۔ جس کا یہ سارا منصوبہ ہے۔" چچی جان نے آنکھیں دکھائیں۔ سب نے دلنواز کی طرف دیکھا' سعیدہ بیگم کی نگاہوں میں حیرت در آئی۔

"یہ کیسا فیصلہ ہے دلنواز؟" شاہنواز نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"بہت اچھا فیصلہ...... بہت دن میں نے اس معاملے پر سوچا ہے اور یہ فیصلہ مجھے ہر طرح سے مناسب لگا ہے' میں آپ کا بھائی ہوں۔ مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔"

"ارے بابا سارے حق ہیں' سارے ہی حق ہیں...... مگر وہ بھی تو ہونا جس کی منگنی کا اہتمام چچی جان کیے بیٹھی ہیں اور عاصم بھائی اور صفیہ سے پوچھنا بھی لازمی ہے۔"

عاصم سر جھکائے بیٹھے رہے۔ صفیہ بولیں۔

"دلنواز! بھائی جان کے دل میں ہمارے لیے کوئی نفرت ہو تو ہو' ہم نے تو انہیں اپنے سے جدا کبھی نہیں سمجھا۔ رہی بات شبیر اور گوہر کی...... تو خدا نے مجھے یہ کہنے کا موقع دیا ہے' میں نے پوری زندگی عاصم کی رضا کو اپنی رضا سمجھا ہے' کبھی کسی معاملے میں اپنی رائے کو اولیت نہیں دی۔ لیکن آج اگر عاصم کو اختلاف بھی ہو تو میں یہی کہوں گی کہ میری بیٹی کے لیے اس سے اچھا شریک حیات اور کہیں نہیں ہوگا' شاید وہ حق ادا ہو جائے جو ہم سب نے شبیر کو نہیں دیا۔"

"تو بسم اللہ کریں' چچی اماں! دیر کس بات کی ہے' انگوٹھی پرسوں ہی کیوں' آج ہی کیوں نہ پہنا دیں۔ مگر کیا انگوٹھی لڑکے کے بغیر اس کی رضامندی کے بغیر بھی پہنائی جا سکتی ہے؟"

"اے لو...... آج کل شادی لڑکے کی غیر حاضری میں...... ہو جاتی ہے' یہ پھر بھی ایک منگنی ہی ہے۔"

"لڑکے کی رضا نا رضا کی ذمہ داری ہم پر ہے' آپ لوگ گوہر سے پوچھ لیں آپا! آپ گوہر کو آگاہ کر دیں۔"

"ایہ ضروری نہیں ہے۔ جو ہر کی شادی بھی ہم نے اپنی مرضی سے طے کی ہے' گوہر کی بھی اپنی مرضی سے کریں گے۔ لیکن چچی اماں ہمیں ایک دو دن سوچنے کی مہلت دیں۔" عاصم فوراً کہہ اٹھے۔

"ٹھیک ہے' سوچ لو۔ لیکن یاد رہے کہ انجام اقرار ہی ہونا چاہیے' انکار نہیں۔" چچی اماں نے پھر رعب جھاڑا۔

"چھری تلے دم تو لینے دیں چچی اماں۔" عاصم مسکرائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گوہر اور امبری کو بازار آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ نہ دوپٹہ تبدیل ہو سکا تھا نہ سیٹ تیار تھا۔ امبری اسے لیاقت باغ کی سیر کرا کے واپس لا چکے تھے تو نو دیر تھی۔

سڑک پر کھڑا ہونا بھی معیوب لگ رہا تھا اور دکان پر بیٹھنے کے لیے گوہر تیار نہ تھی' امبری اسے لے کر پارکنگ کے پاس آ گئے' وہ ایک طرف کھڑی منہ بنا رہی تھی۔

"میں تو سخت اکتا گئی ہوں امبری بھائی۔"

"کس بات سے؟"

"یہی لڑکیوں کے فیشن اور ملبوسات سے...... بھلا جو ہر آپا کا کیا بگڑتا اگر وہ آج کے دن ہمیں یہاں نہ بھیجتیں۔"

"جسٹ اے منٹ گوہر...... میں ابھی آیا۔"

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"بھئی ایک منٹ اس سامنے والی دکان سے تھوڑے سے پھول خرید لوں' تم نے یاد دلا دیا' آپا تو جان نکال دیں میری۔" وہ بھاگے بھاگے سامنے کی دکان پر گئے۔ گوہر بے بسی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

"شمی پلیز...... پلیز شبیر! اونلی فائیو منٹ رکو نا...... شمی...... شمی کے بچے......"

گوہر کے کانوں میں آواز گھستی چلی گئی۔

اس نے دیکھا...... سامنے سڑک پر ایک نوجوان لڑکی بڑے ناز و ادا سے کسی کو پکارتی آگے بڑھی جا رہی تھی۔ اس کے آگے تھوڑے سے فاصلے پر وہ شبیر کے سوا کوئی نہ تھا۔ جس نے مڑ کر دیکھا تک نہ تھا۔

"شمی......!" لڑکی زور سے چیخی تو وہ رک گیا' اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

"بہت دیر ہو جائے گی' باقی چیزیں پھر کبھی لے لینا۔"

"جی نہیں...... میں ابھی اور اسی وقت لوں گی' تم میں اتنا دم ہے تو مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

اس نے ہار مان لی اور واپس آ گیا' بادامی رنگ کے عوامی سوٹ میں چہرے پر زمانے بھر کی بشاشت لیے وہ اس سے پندرہ بیس قدم دور تھا۔

"بہت ضدی ہو تم...... اور پھر مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں عذرا کہ تمہیں خفا کر سکوں۔" وہ قریب آ چکا تھا اور اسی لڑکی سے مخاطب تھا جو فتح کے خوب صورت احساس چہرے پر سجائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"چلو اب...... بیا چیز تمہارے شوفر کا کردار نبھاتی رہے گا......"

"تم نے آئینہ دیکھا کبھی...... اتنے خوب صورت اور ہینڈسم نوجوان بھی شوفر ہوئے کبھی۔"

شبیر نے چلتے چلتے اپنے سراپا کو اوپر سے نیچے دیکھا۔

"میرا خیال ہے' تم سچ ہی کہہ رہی ہو' عدی نے سن لیا تو جل بھن جائے گا' عذرا' پلیز یہی بات ذرا تم اس کے سامنے کہہ دینا' زندگی بھر تمہارا احسان رہے گا۔ وہ خود کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔"

"کہہ دوں گی...... کہنے میں میرا کیا جاتا ہے اور پھر وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز تو نہیں ہے شمی تم تو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہو' خدا کی قسم' تم پر تو مجھے بہت زیادہ مان ہے' اتنے اچھے جو ہو اسی لیے کبھی کبھار رعب جماتی ہوں۔"

"رعب وعب کچھ نہیں پگلی لڑکی...... یہ جو تمہارا مان ہے نا خوامخواہ کا بس اسے ہی قائم رکھا کرتا ہوں۔" دونوں ہنس دیے۔ گوہر دیکھتی رہ گئی' وہ بازار کی بھیڑ میں کہیں کھو گئے۔

"تو امبری نے جو کچھ بتایا تھا وہ سچ ہی تھا۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ دل دکھنے لگا' امبری واپس آ گئے۔

"کیا ہوا گوہر......؟ ارے بھئی تم تو کسی ننھی سی بچی کی طرح رونے لگیں۔ فکر نہ کرو...... مجھ سے بچھڑ بھی گئیں تو گھر پہنچ جاؤ گی......" گوہر نے چونک کر اپنی صورت حال پر غور کیا اور آنکھیں سفید چادر سے صاف کر لیں۔ دونوں پھر مارکیٹ کی طرف آ گئے' جو ہر کی مطلوبہ چیزیں لے کر گھر کو روانہ ہو گئے۔

تقریب کے دوران اسے کسی پل چین نہ آ سکا' خود کو کام میں مصروف کیے وہ اپنے دل کا ننھا سا غم بھول جانے کی کوشش کرتی رہی کرتی رہی تھکتی ہوئی۔ ہنگامے ایک دم ختم ہوئے' گھر کسی اجڑے چمن کی طرح ویران نظر آنے لگا۔ کام کاج نے سب کو حد درجہ تھکا دیا تھا' جس کو جہاں جگہ ملی سو گیا' گوہر کو صبح سے ہی قرار نہ تھا۔ رات گئے وہ دودھ کا

گلاس لے کر دلنواز ماموں کی طرف گئی' وہ پلنگ پر نیم دراز جانے کیا سوچ رہے تھے۔ ممانی وہاں موجود نہ تھیں۔

"آؤ گوہر بیٹے...... میرے پاس بیٹھو۔"

"آپ کے لیے دودھ لائی تھی ماموں جان!"

"دودھ بھی پی لیں گے' پہلے تم بیٹھو تو سہی۔"

وہ دودھ کا گلاس تپائی پر رکھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"بیٹے آج سارا دن ہم آپ کو بغور دیکھتے رہے۔"

"مجھے...... وہ کیوں ماموں جان؟"

"وہ اس لیے کہ تم ہمیں خاموش چپ چپ اور پریشان نظر آ رہی تھیں۔"

"نہیں تو' میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

"بیٹے بیٹیاں پرائے گھر جانے کے لیے ہی ہوتی ہیں' آج جوہر گئی' کل تمہیں بھی جانا ہوگا۔"

اس نے سر جھکا لیا۔

"ہمیں اپنا دوست سمجھو گوہر بیٹی۔ شاید تمہیں خبر نہیں ہمیں اپنی اکلوتی بہن یعنی اپنی آپا سے از حد پیار تھا اور اسی ناتے تم ہمیں بہت پیاری ہو۔"

انہوں نے گوہر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ماموں جان! اس کی خبر تو مجھے بھی ہے' آج آپ بھی...... معاف کیجیے گا ماموں جان آپ بھی مجھے پراسرار سے لگ رہے ہیں۔"

دلنواز ہنس دیے۔ وہ بے حد شفیق انسان تھے' محبت سے پیش آنے والے' ان کی بیوی ان سے بھی زیادہ بااخلاق تھیں' تبھی تو کبھی بھی نہ تھکنے والی چچی جان کا دل موہ لیا تھا' دونوں میاں بیوی نے۔

"گوہر بیٹے...... شبیر نظر نہیں آیا' آج تو اس کی شرکت لازمی تھی۔"

"ماموں جان! ہر انسان کی مصروفیات اور انوالومنٹس کا اپنا دائرہ ہوتا ہے' ان کے دائرے میں ہم لوگ شامل نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"شاید انہیں ہم سب کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں بیٹے! ہم ہی اس کی سب سے بڑی ضرورت ہوں گے' وہ ہم سے جدا ضرور رہا ہے' جدا ہو تو نہیں سکتا۔ میں نے بلکہ ہم سب نے سوچا ہے کہ اسے ایک خوب صورت بندھن میں جکڑ کر قیدی بنا لیا جائے۔"

"کیا مطلب ماموں جان؟"

"بیٹے! تم ایک باشعور اور سمجھ دار بچی ہو' میں تم سے صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں' تم میرے اس معیار پر پوری اترتی ہو جو شبیر جیسے لڑکے کی بیوی کے لیے میرے ذہن میں موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دو دن میں انگوٹھی پہنانے کی رسم ادا کر کے تم دونوں کو ایک بندھن میں باندھ دیا جائے' گوہر بیٹی میں تمہارا ماموں ہوں تو شبیر کا چچا۔ تم دونوں ہی مجھے عزیز ہو اور تم دونوں کی ہی میری خوشی۔ میں نے تم سے یہ بات اس امید کے ساتھ کہی ہے کہ میرے انتخاب پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

بیٹی! تم یہ سن کر حیران ہو جاؤ گی کہ میری اور اس کی ملاقات آج تک نہیں ہوئی' بس ایک دو خطوط کی حد تک معاملہ ہے' یا پھر بھائی جان کی زبانی جو کچھ سنا ہے اس کے تحت میرے ذہن نے اپنے بھتیجے کا ایک خاکہ تیار کرا ہے اور اسے خاکے میں خوب صورت رنگ تمہارے تصور نے بھر دیے ہیں۔"

گوہر گم صم بیٹھی جانے کیا کیا سوچتی رہی۔

"پچھلے دنوں غفور بابا میرے پاس آئے تھے' غفور بابا ہمارے برسوں پرانے ملازم ہیں' انہوں نے شبیر کے بارے میں بہت کچھ بتایا' یہ نوجوان میرے اس آئیڈیل سے میل کھاتا ہے' جس کی ضرورت اس وقت اس معاشرے اور ملک کو ہے۔ ہر اچھے مرد کے پیچھے ایک اچھی عورت ہوتی ہے' گوہر اور میں چاہتا ہوں کہ قدم قدم پر اس کی رفیق' صلاح کار اور مشیر تمہارے سوا کوئی نہ ہو' سوچو تو ذرا شبیر نے جو ماں کی' باپ کی' اہل خاندان کی محبت سے محروم رہا۔ کتنی اچھی طبیعت پائی ہے' اگر اس کا سفر تم جیسی لڑکی کی ہمراہی میں کٹا تو وہ کیا بن جائے گا۔ متحرک زندگی مجھے پسند ہے میری پہلی خواہش اور دوسری خواہش یہ ہے کہ برسوں کا بکھرا خاندان پھر یکجا ہو جائے گا۔ مجھے آج رات سوچنے کے بعد جواب دو کہ میری یہ تجویز کیسی ہے۔"

"جی ماموں جان' میں سوچ کر ہی جواب دوں گی۔" وہ چلی آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے باقی لمحے وہ سو نہ سکی۔ دلنواز عسکری کی باتیں' ارم کی طنزیہ گفتگو...... شبیر اور اس لڑکی عذرا کا سراپا' ان کی بے تکلفی...... ہر چیز اس کے ذہن میں گردش کرتی رہی۔

صبح سب لوگ جاگ چکے تھے' لیکن وہ ہنوز بستر میں تھی' لڑکیوں نے اسے زبردستی اٹھایا اور تیار کرایا۔ چونکہ سب کو جوہر کے ہاں جانا تھا۔

ارم اس کے کمرے میں موجود بالوں میں برش کر رہی تھی۔

"کچھ سنا تم نے گوری؟"

"کچھ نہیں......"

"چچا جان نے تمہیں شبیر بھائی کے لیے پروپوز کیا ہے۔"

گوہر نے کوئی جواب نہ دیا۔

"خواہ مخواہ ہی...... ممی نے تو سوچ رکھا ہے' تمہیں ظہیر بھائی کی دلہن بنائیں گی...... اف...... کہاں شبیر بھائی سا بدمزاج انسان اور کہاں ثریا سی گوہر...... ظہیر بھائی تو تمہیں بہت چاہتے ہیں' جی جان سے عزیز رکھیں گے۔ تم شبیر کے لیے انکار کر دینا گوری' ہم بہت جلد ظہیر بھائی کے لیے تمہیں مانگ لیں گے۔"

"سنو ارم...... میری زندگی کوئی فالتو شے نہیں ہے نہ میرے لمحے اتنے فارغ ہیں' تمہارے شبیر بھائی ہوں یا ظہیر بھائی مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں' اپنی ذات کا بوجھ اٹھانے کے لیے میرے اپنے ہی کندھے کافی ہیں۔"

اس نے قطعیت سے ایک بات کہی اور کمرا چھوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

جوہر کے انگ انگ میں مسرتوں کی بجلیاں رقص کرتی نظر آ رہی تھیں' انہوں نے تو واقعی اپنے خوابوں کی دنیا پا لی تھی' سبز کمخواب کے شرارہ سوٹ میں بے حد دلکش اور من موہنی نظر آ رہی تھیں' نبیل بھائی پاس ہی صوفے پر بیٹھے تھے......

"آئیے آئیے جناب سالی صاحبہ!"

اس کے استقبال کو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
"تشریف رکھیے جناب! ہمیں ایسے استقبال کی ضرورت نہیں۔"
"آپ کی بہن صاحبہ کئی بار آپ کا پوچھ چکی ہیں' ابھی کچھ دیر پہلے ان کے ماموں حضور تشریف لائے تھے' تخلیے میں جانے کیا باتیں ہوئیں' تب سے تو آپ کے لیے اور بھی بے چین ہیں۔"
گوہر کا ماتھا ٹھنکا۔
جوہر نے اسے پیار سے دیکھا۔
"آؤ گوری...... بڑی سنگ دل ہو' یہ وقت آنے کا ہے بھلا...... میں صبح سے......"
"جھوٹ نہیں' جھوٹ نہیں...... کسی کا انتظار و نظار نہیں آپ کی ہم شیر کو...... بلکہ یہ تو شکوہ کناں ہیں کہ لوگ ہماری خلوت میں خلل اندازی کر رہے ہیں' چاہے سماج سے بچنے کا سرٹیفکیٹ ہاتھ میں ہو' تب بھی ظالم سماج اپنا کام دکھانے سے باز نہیں رہتا۔"
جوہر سرخ ہو گئیں...... پیار بھری خفگی سے نبیل کو گھورا...... اتنے میں لڑکیوں کا ریلا کمرے میں آ گیا اور نبیل باہر چلے گئے۔ حرا آ کر جوہر نے گوہر سے پوچھا۔
"گوری! دلنواز ماموں نے رات تم سے کوئی بات کی تھی؟"
گوہر کا شک یقین میں بدل گیا۔ جوہر کو خبر ہو چکی تھی۔
"ہاں......"
"پھر تمہارا کیا جواب ہے؟"
"کیا ہونا چاہیے میرا جواب؟"
"ہاں! اور کیا......"
"وہ کیوں۔"
"شبیر ایک اچھا لڑکا ہے۔"
"مگر آپ کی نظر میں' میری نظر میں نہیں۔"
"کیوں؟"
"آپ کی کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں' میں اس رفاقت سے انکار کرتی ہوں۔"
"گوہر! کیا یہی بات تم ماموں جان سے بھی کہہ دو گی۔"
"بالکل۔"
"وہ کیا سوچیں گے؟"
"جو بھی سوچیں......"
"تمہیں کیا یہ بھی خبر ہے شبیر ہمارے خاندان کا مظلوم ترین لڑکا ہے۔"
"میں نے مظلوم ہونے کی ذمہ داری کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اور مظلوم وہ آپ کے خیال میں ہے' درحقیقت نہیں ہے۔"
"کیا کہہ رہی ہو!"
"سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے منہ پھلا لیا۔ بات وہیں رہ گئی۔
رات کو جوہر واپس چلی گئیں۔ اماں نے اسے اکیلا پا کر بات شروع کر دی۔

"جوہر سے کیا کہا ہے تم نے؟"
"وہی جو میرا فیصلہ ہے۔"
"تم کیا اور تمہارا فیصلہ کیا؟"
"میں ایک عاقل و بالغ' باشعور لڑکی ہوں اماں۔"
"ہرگز نہیں' دلنواز نے غلطی کی جو تم سے پوچھا۔"
"تو کیا کرتے؟"
"چپ چپاتے انگوٹھی پہنا دیتے۔"
"کیا میں پہن لیتی؟"
"کیسے نہ پہنتیں۔"
"وہ زبردستی تو کسی صورت نہیں ہو سکتی۔"
"اگر ایسی بات ہے تو زبردستی ہی ہو گی۔ کل تمہیں انگوٹھی پہنائی جانے گی۔ دم خم ہو تو بھری محفل میں انکار کر دینا۔ واہ صاحبزادی! اپنی ضد سے رہتی ہو تم تو بیٹی نہیں میری [illegible] میں نے تم دونوں کی خاطر پوری زندگی [illegible] جاتی ہوتا کہ تمہارا وجود وہ بچھڑے خاندانوں کو جوڑنے کا باعث بنے۔ دنیا کی خوشی بھلا کب تمہیں منظور ہے' سے لو دکھ دے لو جتنے چاہو۔ میں نے بھی حل ڈھونڈ لیا ہے...... کل ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی' میکے والوں کو بیٹی کی دو روٹیاں کبھی بھاری نہیں ہوتیں۔ تم خوش رہنا...... ساری زندگی۔ تمہارے باپ نے اپنی منوائی ہے' ایک بات میری مانی تھی کہ باپ کی جگہ تم نے لے لی۔ باپ نے سکھایا ہو گا تاکہ جذبات رہ جائے اور ضد بھی پوری رہے۔"
"اماں! آپ بابا جان کو الزام نہ دیں' انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا' جو کچھ کہا ہے میں نے خود ہی کہا ہے...... آپ کا بھتیجا وہ نہیں جو آپ جانتی ہیں۔"
"تمہیں کیسے خبر ہے؟"
"ہے نا مجھے خبر۔"
"غلط خبر ہے تمہیں۔ وہ اتنا سعادت مند اور لائق ہے کہ انکار کر ہی نہیں سکتا' کیا چاہتی ہو تم' کہ میں اس بہانے اپنے محروم بھتیجے کو کلیجے سے نہ لگا سکوں' بہر حال کل شام تمہیں انگوٹھی پہنائی جائے گی۔ تمہارے انکار کی صورت میں میرا ردعمل وہی ہو گا' جو میں نے کہہ دیا ہے۔"
اماں غصے میں بھری کمرے سے باہر چلی گئیں۔
وہ پھر باہر نہیں نکلی' دوسرا دن طلوع ہو گیا' جوہر آپا' گیارہ بجے میکے آ گئیں' شام کی تقریب کے لیے تھوڑے تھوڑے کہتے کافی لوگ مدعو کر لیے گئے تھے۔ نبیل بھائی' دلنواز ماموں کا حکم چلا...... اور بھائی جانے کیا کیا خرید لائے۔
جوہر آپا نے اسے آتشی گلابی رنگ کا کامدار سوٹ پہنایا۔ لڑکیوں [illegible] طبع آزمائی کی اس کے چہرے پر کرن لپے لگے دوپٹے میں اس کا چاند چہرہ چمکنے لگا۔
عجیب و غریب رسم تھی جس میں لوگ افسردہ دلی کے ساتھ شریک تھے۔ لڑکا سرے سے موجود نہ تھا اور لڑکی اپنے جذبات و احساسات پر بند باندھے ماں کی خاطر قربانی دینے چلی تھی۔ دالان میں بچھے صوفوں اور کرسیوں پر سب

بابا جان تھے۔ ارم اور شاز یہ بھی سب میں موجود تھیں اور سعیدہ بیگم بھی دولہا کی ماں کی حیثیت سے۔

لڑکیاں گوہر کو لے آئیں صفیہ بیگم کی نظریں اپنی بیٹی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

بیٹی بجھی بجھی سی تھی جانے کس سبب اتنی خفا تھی۔ پھر بھی ایک مشرقی لڑکی ہونے کے ناتے شرم و حیا میں جکڑی اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بندھن میں بندھ جانے کے لیے تیار تھی۔

صفیہ بیگم کا دل بھر آیا' آگے بڑھ کر انہوں نے گوہر کی پیشانی چوم لی۔

خاندان کے دستور کے مطابق چچی جان نے بزرگ ترین ہستی ہونے کے اعزاز پر گوہر کے ہاتھ میں شاہنواز کی لائی ہوئی انگوٹھی پہنا دی اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کا شور مچ گیا' شاہنواز نے سب سے پہلے گوہر کے ہاتھ پر روپے رکھے' پھر باری باری سب نے کچھ نہ کچھ دیا۔

''خدا خوشی کے دن دکھائے' بچہ بھی اس محفل میں موجود ہوتا تو کتنی رونق ہوتی۔''

''اونہہ...... اس فرسودہ رسم و رواج کے مارے ماحول میں شادیاں دولہوں کی خاطر ہوتی ہی کب ہیں' وہ جسمانی طور پر موجود ہوتا' روحانی لحاظ سے بھٹکے جہاں بھی ہوتا' سب خوش رہتے۔ آخر انہیں فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا۔ لڑکیاں تو سدا ماں باپ کے نظریہ ضرورت پر قربان ہوتی چلی آئی ہیں۔ کبھی جائیداد کے لیے' کبھی رشتوں کے استحکام کی خاطر' کبھی کسی اور مجبوری تلے دب کر۔'' اس نے کھولتے دل و دماغ کے ساتھ سوچا۔

''شاہنواز! پہلی فرصت میں اسے گھر لاؤ' اور دلنواز کے پاس بھیج دو تا کہ وہ دلجمعی سے پڑھ لکھ سکے۔''

''جی بہتر چچی اماں۔''

''دوسرے مشاغل سے فرصت ملے گی تو پڑھائی کی طرف متوجہ ہوں گے لاٹ صاحب!'' گوہر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ سر جھکا تھا چہرہ تھوڑا سا آنچل کی اوٹ میں تھا' اس لیے کسی کو خبر نہ ہوئی۔

رات گئے اپنے بستر پر دراز وہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں' من چاہی مرادیں پا لیتے ہیں۔ اس کا حال تو بقول شاعر

اڑنے بھی نہ پائے تھے گرفتار ہم ہوئے

والا تھا' اسے ہنسی آ گئی' بزرگوں نے جس انسان کے ساتھ اس کی زندگی کا پلو باندھ دیا تھا اسے خبر ہی نہ تھی اور وہ اپنی زندگی کی رنگینیوں میں سرتا پا غرق تھا' وہ شوخ اور چلبلی لڑکی جس کی سنگت میں شبیر کے لبوں سے پھول جھڑتے نظر آ رہے تھے' اسے دشمن جاں لگنے لگی۔

دوسرے دن ارم نے فون کیا۔

''کیسی ہو گوہر؟''

''ایک دم بور اور بکواس' سخت الجھن کا شکار۔''

''الجھے ہوئے تو ہم سب بھی ہیں' یہ کیسا مذاق کیا ہے دادی جان نے تمہارے ساتھ؟ بھلا ایسے بھی رشتے ہوتے ہیں' فریقین کی مرضی کے بغیر طے پا جانے والے' ظہیر بھائی کے تو سارے خواب بکھر کر رہ گئے ہیں۔ وہ تمہیں شدتوں کے ساتھ پسند کرنے لگے ہیں گو کہ ظاہر کرتے نہیں' تم پر' کل سے اپنے کمرے میں بند ہیں۔''

''وہ اور خوش نصیب ہوتے ہیں ارم! جنہیں من چاہی زندگی ملتی ہے' میرے نصیب میں یہی کچھ تھا۔ لیکن ڈونٹ وری' یہ منگنی ہے شادی نہیں...... میرج پیپر پہ سائن میرے ہی ہوں گے اور میں ایسے شخص کا ساتھ ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ جس کی زندگی میں میرے سوا بھی بہت کچھ ہو۔''

''تو میں ظہیر بھائی سے کہہ دوں امید کا دامن اپنے ہاتھ میں رہنے دیں۔''

''کچھ نہیں کہہ سکتی...... میری زندگی کی ڈور میرے ہاتھ میں نہیں ہے' جانے اگلے لمحے میرے ساتھ کیا ہو' ارم دراصل حقیقت وہ نہیں ہوتے جو پہلے پہل نظر آتے ہیں یا لگتے ہیں...... میں نے تو شبیر کو بھی ایک اچھا انسان سمجھا تھا' لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''تو میں نے تم سے غلط تو نہیں کہا تھا' تم میری کزن ہو تو شبیر میرے بھائی ہیں' میرا اور ان کا خون ایک ہے۔ میں ان کا برا چاہ کیسے کرتی۔''

''ارم پلیز' یہ موضوع چھوڑ کر کوئی اور بات کرو۔'' اس نے خود ہی بات بدل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

بخت کے جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے' شہروز کے بعد وہ بھی عازم سفر ہونے والے تھے...... ان کی سیٹ بک کرائی جا چکی تھی' یہاں سے انہیں کراچی جانا تھا۔ اسری کراچی تک ان کے ساتھ جا رہے تھے' بہو بیگم صبح سے ان کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ نبیل بھائی انتظامات میں پیش پیش تھے۔ کئی دنوں بعد بابا جان نے گوہر کو بھی زحمت دی' جا رہی تھی ایئرپورٹ پہ چادر میں لپٹی لپٹائی' گوہر کی آنکھیں آنسوؤں سے پر تھیں' بخت بابا اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے اسے تسلی دیتے' اسے ایک طرف لے آئے۔

''گوہر! تم اس قدر پریشان کیوں رہتی ہو؟''

''نہیں تو' بخت بھائی آپ کا وہم ہے۔''

''سنو' شبیر مجھے ملا تھا۔''

گوہر کے چہرے پر اس نام نے ناگواری کا احساس پھیلا دیا۔

''میں تو اسے کچھ بتا ہی نہیں سکا...... میرا خیال ہے اسے کسی نے بتایا ہی نہیں۔''

''چھوڑیے بخت بھائی۔''

''نہیں گوہر! اب تو تمہارا مستقبل اسی سے وابستہ ہے' وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ بتا رہا تھا یونیورسٹی میں داخلہ لے رہا ہے' میں نے دلنواز ماموں کا ایڈریس اسے دے دیا ہے' اور ان کا پیغام بھی' وہ ہی بتاتے رہیں گے سب کچھ۔''

''یہ جو ہر آپا اب تک نہیں آئیں' کہاں رہ گئی ہیں۔''

وہ آنے والے راستے کی طرف دیکھنے لگے' اماں قریب آ کر درود شریف پڑھ کر دم کرنے لگیں' جہاز کی روانگی میں تھوڑی باقی تھی' وہ بابا جان کی نصیحتوں سے پیکر بغور سن رہے تھے' اچانک نبیل بھائی کی چمکتی دمکتی گاڑی موڑ سے برآمد ہوئی' کار پارک کر کے وہ باہر نکلے تو شبیر ان کے ساتھ تھا۔

''ہیلو مائی ڈیئر کزن!'' بخت نے بھاگ کے اس کو گلے لگا لیا۔

''لیجیے صاحب ہمیں دودھ میں سے مکھی سمجھ کر نکال دیا' ہیلو مائی ڈیئر کزن...... ہاں بابا خون پھر خون ہے ہماری جگہ کہاں؟''

''ارے نبیل بھائی......'' بخت شبیر کو چھوڑ کر نبیل بھائی سے لپٹ گئے' ہنستے ہنستے کہنے لگے۔

''آپ میں اور شبیر میں کوئی فرق نہیں' آنکھیں تو دونوں ہی عزیز ہوتی ہیں بائیں ہو یا دائیں...... ضرورت دونوں کی ہوتی ہے اور پھر یہاں تو مسئلہ یہ بھی ہے کہ آنکھیں ہیں ہی دو۔'' بخت نے ایک شوخ نظر گوہر پر ڈالی۔

نبیل ہنس پڑے' شبیر انہیں دیکھنے لگا۔ جیسے وہ سب پاگل ہوں یا وہ خود۔

"ویسے شبیر یار! یہ حادثہ ہوا کیسے، میرا مطلب ہے یہاں کیسے آئے؟"

"اس وقت تو اپنی جوہرآپا کے شوہرِ نامدار کے رحم و کرم کے سہارے آیا ہوں، البتہ آنے کا ارادہ یہیں کا تھا راستے میں عذری کی گستاخانہ جواب۔ رے گئی الفت کے لیے نکلے تو خضرِ راہ یہ حضرت بن گئے۔"

"نہیں نہیں بخت تمہاری جوہرآپا انہیں زبردستی لے آئی ہیں۔"

"بخت! یہ نبیل بھائی خاصے شریر ہیں، بالکل اپنی جوہرآپا کی طرح گپ مار رہے ہیں، جیپ خراب ہو گئی تھی راستے میں نفٹ کے لیے کھڑا تھا تاکہ وقت پر پہنچ سکوں، ان جناب کی سواری باد بہاری سوئے اتفاق وہاں سے گزری اور......اور......" بات کرتے کرتے وہ ایک دم اماں سے مخاطب ہوا۔

"آداب پھوپھو جانی......" اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، گوہر پاس ہی کھڑی تھی۔

اس نے ایک نظر اسے دیکھا ناگواری کے ساتھ...... اس پر ایک کڑوی کسیلی نظر ڈالنے کے بعد جو روح سے جگر تک اتر گئی، وہ بخت سے باتوں میں لگ گیا۔ انگوٹھی گوہر کے ہاتھ میں تھی۔ کانٹوں کی چبھن اس کی انگلی کو گویا روح کو بھی زخمی کرنے لگی، ایک دم وہ خاصا خوش و خرم لگنے لگا، موسم کی تبدیلی اس پر بھی اثر انداز ہوئی تھی، باریک کپڑے کے سفید شلوار قمیص میں ملبوس وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا، شام کے سائے ڈھلنے والے تھے فضا خاصی حبس زدہ تھی، وہ بار بار رومال سے پسینہ پونچھ رہا تھا، اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا، ابھری ابھری گردن پر ترشے ہوئے خم دار سیاہ بال بے حد بھلے لگ رہے تھے، وہ بے اختیار اسے دیکھے جا رہی تھی، جس کے قہقہے بے باکی سے فضا میں بکھر رہے تھے، جہاز کی روانگی کا وقت ہو گیا، بخت پسنجرز لاؤنج کی طرف جانے لگے تو سب ہی رنجیدہ ہو گئے شبیر آگے بڑھا، وہ عین اس کے پاس کھڑا تھا۔

"اچھا تو آپ نے فون یہ جان کر رکھ دیا کہ دوسری طرف میں تھا۔" کتنی بے موقع بات کہہ رہا تھا وہ۔

"جی ہاں!" اس نے تڑ سے کہا۔

"ویری گڈ، لیکن پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟"

"بتانا ضروری نہیں کیونکہ شاید آپ خود بھی سمجھتے ہیں۔"

"کاش آپ نے میری اس پیش قدمی کا جواب مثبت انداز میں دیا ہوتا۔ میں بہت سوچ سمجھ کر آپ کی طرف بڑھا تھا اور میں آپ کی اس بے رخی کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"اور آپ کو سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں آپ کے پاس دل بہلانے کو اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا گوہر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔"

"زیادہ معصوم بننے کی کوشش نہ کریں میں گوہر ہوں، گوہر عاصم آپ کی کسی پشتینی نوکر کی بے وقوف بیٹی ہوں عذرا جمال، میرے دل میں کسی دل پھینک نوجوان کے لیے ذرہ بھر جگہ نہیں، خواہ اس سے میرا زبردستی کا ناتا کیوں نہ جوڑ دیا جائے۔"

"کیا...... کیا...... دل پھینک...... زبردستی کا ناتا، یہ سب کیا خرافات ہے۔"

"یہ انگوٹھی دیکھ رہے ہیں۔ جو میری انگلی سے کانٹوں بھری باڑھ بن کر لپٹی ہے، یہ آپ کے نام پر مجھے زبردستی پہنا دی گئی ہے...... لیکن...... لیکن میں......"

اس سے آگے کچھ نہ کہا گیا اور قبل ازیں کہ آنسو اسے کمزور مخلوق ثابت کرتے وہ آگے بڑھ گئی، شبیر ہونق اسے دیکھتا رہ گیا۔

گوہر نے زمان و مکان سے بے نیاز اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد ادھر ادھر دیکھا، سب لوگ پارکنگ کی طرف جا چکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئی۔ شبیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کولتار کی سیاہ سڑک پر ایک گاڑی سے بے یک تیز چرائے، شبیر بھاگ کر اس کی طرف گیا، سب گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے اور بابا جان گوہر کا انتظار کر رہے تھے، گوہر گاڑی کے قریب سے گزری۔

"سوری شی...... مجھے دیر ہو گئی ڈرائیور جیپ لے جائے گا۔ میرے ساتھ ہی آیا تھا...... مگر تم اس ویرانے میں یہاں، مجھے عذری بہت پریشان ہو رہا تھا، دراصل ڈیڈی کے وی آئی پی مہمانوں کی آمد کا پھندا نہ پڑتا تو وہ آتی، مجھے آنا پڑا اب تمہیں تو خبر ہے نا لڑکیاں بے چاری مرجھا کر منہ پھاڑ تو گھر سے نکلنے سے رہیں چلو اب بیٹھو...... بلکہ نہیں تم تو ڈرائیونگ سیٹ ہی سنبھال لو گے۔ عورت کی لیڈر شپ تمہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی جو ہے۔" عذرا گاڑی سے باہر نکل کر دوسری طرف سے پھر بیٹھ گئی، گوہر نے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

عاصم اسے بلا رہے تھے۔

"گوہر بیٹی جلدی سے آؤ۔"

"بیٹا ہارن پر ہارن دیے جا رہے تھے۔

"یہ شبیر کہاں چلا گیا؟" عاصم اسری سے پوچھ رہے تھے۔

"پتا نہیں بابا جان...... ابھی تو یہیں موجود تھے۔"

گوہر نے کچھ نہ کہا، شبیر گاڑی موڑ کر شہر کی طرف جا رہا تھا، اسری بھائی نے گاڑی گاڑیوں کی قطار سے نکالی اور ایئرپورٹ روڈ پر بڑھتے گئے، شبیر عذرا کی گاڑی سمیت نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ نبیل بھائی کی گاڑی بھی آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے...... خالی نظروں سے باہر دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کتنی بے مصرف ہو گئی تھی، اس کا اندازہ اسے آج کل ہو رہا تھا، جوہرآپا تو گئی ہی تھیں، بخت بھائی کے جانے پر گھر بالکل خالی ہو گیا، اسری ان دنوں ڈاکٹری کے آخری سال میں تھے، سنجیدگی سے محنت کر رہے تھے، وہ سارے گھر میں تنہا ہو کر رہ گئی۔ رات کو اس نے جوہرآپا کی بک شیلف کھنگالی، پورا ناول پڑھا۔ رضیہ فرحت کی شگفتہ کو پڑھ کر اجو بھائی کی کم تعلیمی اور شستہ پن کی بے وقوفی پر جھولی دھار روئی۔ اب تو جوہرآپا بھی نہیں تھیں جو اس کی کم عقلی پر اس کا مذاق اڑاتیں۔ پھر اس نے "سفید گلاب" نکال لی۔ ہیرو سر کمیل کے کردار میں اسے جوہرآپا کے نبیل بھائی نظر آنے لگے۔ لیکن نبیل بھائی جیسے مرد اس کا آئیڈیل نہ تھے، اسے تو بابا جان جیسے تھے بلند حوصلہ، بارعب، سمجھ دار، معاملہ فہم، محبت شناس، کبھی کبھی اسے لگتا بابا جان رضیہ فرحت کے اجو بھائی ہیں لیکن اپنی منزل پا لینے والے اجو بھائی، باورچی خانے میں پیڑھی پر بیٹھے اماں کے ہاتھ کی گرم گرم تازہ روٹیاں کھاتے ان سے باتیں کرتے، اپنائیت کے سکھان سے کہتے، وہ اسے بہت اچھے لگتے۔

وہ اپنے بابا سے بے حد متاثر تھی، اس کا آئیڈیل بابا جان سے میل کھاتا ہی تھا، مگر آج کے دور میں ایسے مرد نایاب تھے جو بناوٹ کی جگہ حقیقت کو عزیز رکھنے والے ہوں، جنہیں زندگی میں ترتیب اور دھیما پن پسند ہو۔ جو نمائشی زندگی کے ہنگاموں سے دور رہتے ہوں، جنہیں دوسروں کے نرم و نازک احساسات کی بہت زیادہ پروا ہو، جو اصولوں کی خاطر جینے کو زندگی سمجھتے ہوں، جن کا وقت اپنے اہل خاندان کے لیے ہو۔ سوچتے سوچتے اسے ہنسی آ گئی۔

"ارے میں کہاں کھو گئی' یہ دنیا ہے' یہاں بابا جان جیسے بندے کم کم اور نبیل بھائی جیسے بندے کثرت سے ہیں اور شبیر......"

شبیر تو دنیا کے مردوں کی خطرناک قسم میں شامل ہیں۔ وہ خطرناک قسم جو خود کو آزاد اور متعلقین کو قید میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔"

اس کی تنہائی کے احساس نے بابا جان کو بھی پریشان کیا' دوسرے دن وہ کرنل محمد خان کی "بسلامت روی" لے آئے۔

"تمہارے لیے لایا ہوں بیٹے...... گھر میں بند رہتی ہو' کتابیں پڑھ کر آدمی سارے جہانوں کی سیر ایک ساتھ کر لیتا ہے۔ کوئی اور کتاب تمہاری نگاہ میں ہو تو بتا دینا۔ لیتا آؤں گا۔"

"شکریہ بابا جان!" وہ خوش ہو گئی۔

دوسرا دن اس نے جامن کے درخت تلے جھلنگا چارپائی میں پڑے پڑے کتاب پڑھتے گزار دیا۔

شام کو اس کا موڈ خوشگوار تھا' ارم اور شازی نے بغیر اطلاع کے ہلہ بول دیا۔

اماں خوش ہو گئیں' ساتھ ہی اس کی شامت بھی آ گئی' کباب تلنے کے لیے وہ باورچی خانے میں بند ہو گئی' ارم اور شازی بھی اس کے پاس آ گئیں' کام میں اس کی مدد کرنے لگیں۔

"بہت سگھڑ ہو تم گوہر' جس گھر میں جاؤ گی' قسمت جاگ جائے گی اس گھر کی' ہمیں تو ممانے کانٹھ بنا دیا ہے' مفت کی توڑنے کے عادی ہو گئے ہیں' ایک انڈا تک فرائی کرنا نہیں آتا۔"

"تعریف کا شکریہ۔"

"شکریہ تو ان کا ادا کرو۔"

"کن کا؟"

"ارے بھئی ظہیر بھائی کا' ایک سہ پہر تمہارے ہاں سے چائے پی کر گئے' نثار ہوئے جا رہے تھے تمہاری خانہ داری پر' قسم سے یہ دلنواز چچا نے شبیر بھائی والا چکر نہ ڈالا ہوتا تو...... تم میری بھابی ہوتیں...... میرے ظہیر بھائی کی دلہن۔" ارم رنجیدہ ہو گئی۔

"ارم! تم جانتی ہو' میرے ہاتھ میں شبیر کے نام کی انگوٹھی ہے۔" اس کے لہجے میں جانے کیا تھا' ناگواری' غصہ یا کچھ اور......

"ہاں...... ہاں...... جانتی ہوں...... یہ تمہاری عمر قید کی نشانی ہے' تمہاری عدم رضامندی کے باوجود...... لڑکی کو بولڈ ہونا چاہیے' اپنے حق میں بولنا کسی قانون کے تحت جرم نہیں۔"

"نہیں ارم! میں ایسا نہیں کر سکتی' ایسا نہیں کر سکوں گی' محبتیں مجبوریاں ہوتی ہیں...... منہ بند کر دیتی ہیں۔"

"تمہاری مرضی...... ورنہ تمہارے انکار پر کس کی مجال ہوتی کہ تمہیں اس بندھن میں جکڑ دیتا۔"

"ارم......!" وہ رونے لگی۔

"تم نے سچ کہا تھا ارم...... شبیر کی عادات بہت خراب ہیں' ایک لڑکی کو تو کئی بار خود میں نے اس کے ساتھ دیکھا ہے۔ بخت بھائی کی روانگی کے وقت وہ آیا تھا۔ اسے تو اس منگنی کی خبر بھی نہیں ہے۔ ایسے لوگ ان بندھنوں کی پروا کرتے ہیں نہ احترام' وہ تو اس لڑکی کے اشاروں پر ناچتا ہے...... میں نے دیکھا اور سوائے جلنے کڑھنے کے اور کچھ نہ کر سکی۔"

"میں تو خود حیران ہوں' مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے' موصوف کو خبر ہی نہیں اور یہاں خوشی کے شادیانے بجائے جا چکے ہیں۔"

گوہر خاموش ہو گئی' اماں باورچی خانے میں داخل ہوئیں تو بات کا موضوع بدل دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سب لوگ چلے گئے' لیکن وہ اسی موضوع پر سوچتی رہ گئی' بارہا جی چاہا کہ انگوٹھی اتار کر دور کہیں پھینک دے۔ لیکن ہر بار اماں کا سراپا سامنے آ گیا' بہت خوش تھیں وہ اس بندھن پر' جیسے بہت بڑی دولت پالی ہو انہوں نے۔ بابا جان مطمئن تھے' اسری خوش تھے' جو ہر آپا پُرسکون تھیں' شبیر سے مل کر نبیل بھائی بھی متاثر ہوئے تھے۔ لیکن ایک وہ خود تھی جو اس کی حقیقت سے آشنا تھی' اور بس...... اور اسی سبب تنہا ایک آگ میں جلی جا رہی تھی۔

کام کاج سے فارغ ہو کر وہ اپنے مخصوص ٹھکانے پر آ گئی' ابھی جھلنگا چارپائی میں صحن کے کتاب کھولنے لگی تھی' کہ فون کی بیل بجنے لگی' گھر پر اماں اور سکھاں کے سوا کوئی نہ تھا۔

"گوہر...... گوری...... ذرا دیکھنا تو کون ہے۔"

"آئی اماں۔"

وہ اندر کی طرف چلی' اماں تخت پر سکھاں کے ساتھ بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں' گھنٹی بجی جا رہی تھی۔

"ہیلو!"

"گوہر! آج فون رکھ نہ دیجیے گا...... بہت سی باتیں کہنا اور سننا ہیں آپ سے' اس انگوٹھی کے حوالے سے جو میرے علم میں نہ ہوتے ہوئے آپ کے ہاتھ میں ہے اور بقول آپ کے زبردستی آپ کو پہنا دی گئی ہے۔"

اس نے گفتگو براہ راست شروع کی۔

"او' آپ شبیر ہیں۔"

"آف کورس میں ناچیز' میں اسی شام سے ہی الجھن میں مبتلا ہوں...... بہت جلد آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ مصروفیات کے سبب ایسا نہ کر سکا' یہ بے وقوفی کس کی ہے' لاحول ولا مجھے بزرگوں کو بے وقوف نہیں کہنا چاہیے...... ہاں یہ کہ یہ ظلم آپ پر کس نے کیا؟ میرا مطلب ہے زبردستی کا ظلم۔"

"آپ خود ہی پوچھ لیجیے...... آپ کے بھی تو کچھ نہ کچھ لگتے ہیں وہ سب' جنہوں نے یہ سب کچھ کیا......"

"وہ سب تو ہو جائے گا' یعنی میں نے پوچھ لیا ہے اور باقی پوچھ بھی لوں گا۔ لیکن مجھے آپ سے یہ سوال کرنا ہے کہ آپ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ آپ گوہر عاصم ہیں۔ میرے کسی پشتینی نوکر کی بے وقوف بیٹی یا عذرا ابن جمال نہیں ہیں اور میرے جیسے دل پھینک کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں' کس بنیاد پر کس سبب آپ نے یہ ساری باتیں کہہ دیں' کس نے حق دیا آپ کو اتنی باتیں کہنے کا؟ ایک معمولی سی انگوٹھی ہاتھ میں پہن لینے سے رشتے مستحکم نہیں ہوا کرتے اور عذرا ابن جمال کا نام اتنی تضحیک سے لینے والوں کو میں اپنا دوست کہہ اور سمجھ نہیں سکتا۔"

"کس نے منت کی ہے آپ سے دوست سمجھنے کی۔"

"آپ ان ہی میں خوش رہیں' جن کے دم سے آپ کے شب و روز میں رنگینی ہے۔"

"واقعی وہ لوگ نہ ہوتے تو میں کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"لیکن گوہر بی بی...... اس بات سے دل پھینک ہونے والی بات کا کوئی تعلق نہیں جڑتا۔ آپ نے مجھے کہیں

دل چھلکتے ہوئے دیکھا..... چ..... چہ..... کون بے وقوف دل سے محرومی برداشت کرتا ہے۔ شاید آپ نے ایک شعر کا مشہور مصرعہ نہیں سنا۔

دل گیا..... ساری کائنات گئی

اور پھر دل ایسی چیز ہی نہیں' دل تو سینے میں دھڑکتا ہی اچھا لگتا ہے' کسی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا کیسے بجتا ہے۔"

"میں بے حد سنجیدہ ہوں' کیونکہ میری زندگی آپ کے ساتھ التوا کر دی گئی ہے۔ ... آپ..... جن سے پہلی ملاقات نے میرے دل پر خوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔"

"کاش آپ نے اس تاثر کو قائم رکھا ہوتا۔" وہ شاید ہولے سے ہنسا تھا۔

"وہ تاثر میں تو قائم رکھنا چاہتی تھی' آپ نے اسے توڑ دیا۔"

"میں نے..... بھئی محترمہ میں توڑ پھوڑ کے سخت خلاف ہوں' ایسی حرکت میں نہیں کر سکتا۔"

"آپ پھر مذاق کر رہے ہیں۔"

"جی نہیں' میں سنجیدگی سے آپ کی بات سن رہا ہوں۔ فرمائیے۔"

"میں مختصر بات کرنا چاہتی ہوں شبیر صاحب! میری اماں نے زندگی میں بہت سی محرومیاں پائی ہیں جن میں اول اول بیٹے کی محبت ہے' میں ان کا دل نہیں توڑ سکتی تھی' میں نے نانی جان کی پہنائی انگوٹھی کو اسی سبب اب تک نہیں اتارا لیکن مجھے یہ بھی خبر ہے کہ آپ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے' شاید آپ کے خیال میں کئی لڑکیوں سے گپ شپ کرنا' دوستی رکھنا' ملنا جلنا معیوب نہ ہو..... لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتی' ہو سکتا ہے آپ کو یہ اقدام بھی پسند نہ آیا ہو یعنی منگنی والا..... آپ چاہیں تو انکار کر دیں..... تاکہ آپ کے اور عذرا کے درمیان کوئی دیوار کھڑی نہ ہو۔"

"اوہ نو شٹ اپ' بند کر دیں یہ بکواس..... آپ نے یہ کیا عذرا عذرا کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

"بہت غصہ آتا ہے آپ کو اس نام پر۔"

"آنا بھی چاہیے۔"

"مبارک رہے آپ کو آپ کی چاہت..... میں ابھی انگوٹھی واپس کرتی ہوں' شبیر صاحب! آپ کی باقی برائیاں قابل برداشت تھیں..... لیکن یہ دکھ ہرگز بھول جانے والا نہیں..... کہ..... کہ....." وہ رونے لگی۔

"آپ عذرا کو چاہتے ہیں وہ آپ کے لائق ہے' آپ اس سے شادی کریں گے..... مجھے کوئی ملال نہیں..... میں زبردستی آپ کے سر منڈھے جانے کو تیار نہیں۔"

"گوہر..... گوہر پلیز..... اتنی غلط باتیں نہ کرو۔"

"کیسے نہ کروں' میں نے اپنی آنکھوں سے اسے آپ کے ساتھ دیکھا ہے' اپنے کانوں سے آپ کی باتیں سنی ہیں۔"

"گوہر..... میں اب سمجھ رہا ہوں ساری بات' تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو۔ گوہر..... اس منگنی کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہم دونوں کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے لیکن عذرا کا ذکر اس انداز میں کر کے اس کے بارے میں اتنے گھٹیا انداز سے نہ سوچو تمہاری باتوں نے مجھے دکھ دیا ہے۔ عذرا میری بہن ہے..... میرے دوست کی بہن ہے..... میں اس سے پیار کرتا ہوں' اس کا احترام کرتا ہوں' ماں جائی بہن بھی ہوتی تو اس سے زیادہ محبت نہ کر سکتی جو عذرا کو مجھ سے ہے' گوہر..... میں پچھلے دو دن لاہور گزار کے آیا ہوں..... میری ملاقات چچا جان سے ہوئی..... انہوں نے مجھے یہ سب کچھ بتایا..... اور وہ دادی جان جو تمہیں انگوٹھی پہنانے کی خطاوار ہیں' انہوں نے مجھے بھی ایک انگوٹھی عنایت کر دی..... تمہارے نام کی انگوٹھی۔ جس پر مجھے تو ذرا بھر اعتراض نہ تھا..... لیکن تم نے گوہر..... تم نے مجھے چند الفاظ میں بہت بڑا دکھ بخش دیا۔ رشتوں کی' محبتوں اور ناتوں کی پہلی شرط تو اعتماد ہے..... جب وہ ہی نہ ہو تو رشتے کیا کر سکتے ہیں' تم چاہو تو انگوٹھی اتار کر پھوپھو کو دے دینا..... مجھے بزرگوں کے فیصلے کا پاس رہے گا' اس لیے انگوٹھی میرے پاس رہے گی اور انگوٹھی پر ہی کیا موقوف' میں سدا خود کو اس بندھن کا قیدی سمجھتا رہوں گا' خدا حافظ!"

رابطہ کٹ گیا۔ وہ ریسیور ہاتھ میں لیے کھڑی رہ گئی۔

"ارے کس کا فون ہے گوہر' چپ کر کے رہ گئی ہو' بتا یا تک نہیں۔"

اماں جانے کب سے پکار رہی تھیں۔

وہ ریسیور رکھ کر پلٹ آئی۔

"رانگ نمبر تھا اماں!"

"توبہ کرو لڑکی..... رانگ نمبر اتنے طویل بھی ہوتے ہیں۔" وہ بڑبڑائیں۔

"یہ رانگ نمبر تھا' رائٹ نمبر ہوتا تو صاحبزادی کا سارا دن وہیں گزر جاتا۔"

وہ پھر جا کر سیلنگ آئی..... بازو سر پر رکھے آنکھیں بند کر کے جانے کیا کیا سوچتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کو بابا دکان سے لوٹے تو بہت خوش تھے۔

"صفیہ..... صفیہ....."

وہ باورچی خانے کی طرف چلے گئے۔ گوہر کھانا لگا رہی تھی' اماں پینٹری میں تھیں' مہینے کا راشن ترتیب سے رکھ رہی تھیں۔

"آج تمہارے بھائی کا فون آیا تھا۔"

"بھائی جان کا....." اماں جلدی سے باہر آئیں۔

"ارے بھئی نہیں دلنواز کا۔"

"اچھا اچھا' کیسا ہے دلنواز؟"

"ٹھیک ٹھاک..... تم اس خبر کا پوچھو جو میرے پاس ہے؟"

"بتائیے کیا خبر ہے۔"

"شبیر نے ایم۔ اے میں داخلہ لے لیا ہے اور وہ دلنواز کے پاس ہی رہے گا۔"

"اچھا' کہاں ہیں وہ اب؟"

"یہاں سے نہیں بتایا' لیکن مزے کی بات سنو..... شبیر وہاں پہنچا تو دلنواز کے بچوں نے' کاظم اور اس کی فیملی نے اچھا بھلا ہنگامہ کھڑا کر کے اسے انگوٹھی پہنا دی۔"

"خوش تو ہے نا شبیر؟"

"بھئی میں کیسے پوچھتا...... ظاہر ہے خوش ہوگا ہی' تبھی تو انگوٹھی پہن لی' چچی جان بھی کمال کی خاتون ہیں بھئی' ہمیں تو سب نے غیر ضروری سمجھ کر خارج کر دیا ہے' لڑکی والے بھی لاہور والے ہی ہیں اور لڑکے والے بھی' خود ہی سب کچھ کیے جا رہے ہیں۔"

"دلنواز نے اچھا کیا شبیر کو داخلہ دلوا دیا' میں تو اس بات پر بہت خوش ہوں۔"

"ہوتی رہنا خوش...... لیکن ایک بات اور ہے' ایک اور فون بھی آیا تھا میرے پاس۔"

"کس کا؟"

"تمہاری سعیدہ بھابی کا۔"

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"بہت کچھ۔"

"پھر بھی؟"

"سب کچھ شبیر کے بارے میں ہی تھا' کہنے لگیں عاصم بھائی...... آپ اگر یہ سوچ کر لڑکی دے رہے ہیں کہ وہ شاہنواز کی جائداد کی مالک بنے گی تو غلط ہے...... شاہنواز شبیر سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے' جاگیر پر ہو یا شہر میں' شبیر کی شہرت اچھی نہیں ہے' شاہنواز اسی کی وجہ سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے' آج کل بھی دیہات کی ایک لڑکی کو وہ بھگا لے آیا ہے' پولیس اس کی تلاش میں ہے۔"

"اوہ میرے خدا...... پھر......؟" صفیہ بیگم نے حیران و پریشان ہو کر کہا۔

"تم تو جانتی ہو صفیہ! میں سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے والا نہیں اور پھر سعیدہ بیگم اس کی سوتیلی ماں ہیں۔ تم سوچو صفیہ اگر اپنی ماں ہوتی تو کیا بیٹے کے عیب اس کی ہونے والی سسرال میں کھول کر رکھ دیتی۔ لیکن میں الجھ بھی گیا ہوں صفیہ! اگر شبیر میں یہ ساری خرابیاں واقعی ہوئیں تو کیا ہوگا؟"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے......؟" صفیہ تو از حد پریشان ہو گئیں۔

"میں خود بھی پریشان ہوں صفیہ...... آخر بیٹی کا معاملہ ہے اور بیٹی بھی کیسی خاموش طبع۔ بلکہ زود رنج۔ خدا نہ کرے کہ اس پر کسی غم کا سایہ بھی پڑے۔ صفو! میری یہ بیٹی ایک غیر معمولی ذہین اور حساس بچی ہے۔ اس کے لیے اس کا ہم مزاج شریک زندگی منتخب کرنا ہمارا اہم ترین فرض ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو صفو کہ ہمارا کوئی غلط فیصلہ اس کے لیے عمر بھر کا روگ بن جائے...... میں سوچ رہا ہوں کہیں ہم نے واقعی اسے اپنے کسی غلط فیصلے کی نذر تو نہیں کر دیا۔"

"عاصم! بچہ ایک دو بار یہاں آیا ہے۔ میں نے تو اس کے مزاج میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ایک دو ملاقاتوں میں انسان کی پہچان ہو جاتی ہے کیا؟ اور پھر تم آج کے دور کے انداز دیکھو۔ انسان دیکھنے میں جو کچھ ہوتے ہیں ویسے دراصل نہیں ہوتے۔ کیا خبر اصلیت کیا ہے۔ صفیہ میں تو بہت زیادہ متفکر ہوں۔ ہمیں اپنی بیٹی کو دلنواز یا چچی جان کی خواہش کی بھینٹ چڑھانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

صفیہ سوچنے لگیں...... کتنی دیر عاصم ان کا چہرہ دیکھتے رہے۔

"عاصم...... عاصم...... میں سوچ رہی ہوں۔ آپ کو بھائی دلنواز سے بات کرنی چاہیے...... بلکہ بھائی جان شاہنواز سے ہی۔"

"کیسی بات کہہ رہی ہو...... دلنواز کی بات اور ہے...... لیکن شاہنواز سے کیا کہنا سننا...... وہ تو صاف بچ جائیں گے یہ کہہ کر یہ میری نہیں چچی جان اور دلنواز کی خواہش تھی۔ ان ہی نے یہ سارا کھڑاگ پھیلایا تھا۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا...... سوچ رہا ہوں کہ معاملے کی تفتیش دلنواز کے سپرد ہی کرنی چاہیے وہ ہی ہر اچھے برے کا ذمہ دار بنا تھا۔"

"تو فون کر دیجیے اسے۔"

"نہیں فون نہیں کرتا۔ میں خود جاؤں گا لاہور...... ایسی باتیں فون پر طے پاتے سے رہیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ کب جائیں گے آپ؟"

"ایسے کام میں تاخیر کیسی۔ کل ہی چلا جاتا ہوں۔ یاسر اس وقت کہاں ہیں۔ کہہ دو کل کے لیے میری سیٹ بک کرا دیں۔ ٹکٹ لے آئیں۔"

"کیوں نہ میں بھی ساتھ ہی چلی چلوں۔"

"ضرور چلو...... بلکہ تمہارا ہونا ضروری ہے۔ ضروری ہی کیا۔ میرا خیال ہے بات تمہیں کرنا چاہیے۔ تمہارا میکہ ہے ہم تو ابھی پچھلے جرائم کی سزا بھی نہیں بھگت پائے ہماری بات کو ویسے بھی بہت گہرائی کے ساتھ سوچا جائے گا۔ نوٹس لیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے ہم دونوں ہی چلے جاتے ہیں۔ جو بات بھی ہوگی منہ در منہ ہو جائے گی۔"

"مناسب تیاری کر لینا...... ایک دو دن میں واپس آ جائیں گے۔"

"گوہر گھر میں اکیلی رہ جائے گی۔"

"کیا فضول بات کہہ رہی ہو۔ گھر سے محفوظ جگہ بھی کوئی ہے۔ سکھاں موجود ہے' یاسر ہیں۔ صفیہ بچی کو اپنے آپ پر اعتماد کرنا بھی سکھاؤ۔ اعتماد بخشو اسے...... اپنا اچھا برا خود سوچنے کی مہلت دو...... اور پھر دو تین دن کی بات ہے۔"

"آپ تو ایک ہی جست میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔"

"اکیلے رہ جانے میں خرابی بھی کوئی نہیں ہے۔" وہ مسکرائے۔ صفیہ بیگم نے جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جس میں اول اول اپنی بھابی اور بھتیجوں کے لیے کچھ تحائف کا انتخاب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

گوہر نے آج کالج سے چھٹی کر لی۔ صفیہ اور عاصم حسنین کے جانے کا وقت گیارہ بجے کا تھا۔ اس نے ان کا مختصر سا سفری سامان پیک کر دیا اور ٹیکسی آئی تو انہیں خدا حافظ کہنے دروازے تک گئی۔ اماں کی ساری ذمہ داریاں آج اسے نبھانا تھیں۔ باورچی خانہ بھی خود ہی سنبھالنا تھا اور شاید اسے ایک دو ایام میں ساری تعلیمی مصروفیات کو ایک طرف رکھنا تھا۔ سکھاں سارے گھر میں پونچھا لگا چکی تھی۔ گوہر نے جھاڑ پونچھ کرنے کے لیے سب سے پہلے بابا کے کمرے کا رخ کیا۔ گزرے دو دنوں سے وہ بے حد ذہنی ذہنی انتشار کا شکار تھی۔ ارم کی باتیں' شبیر کا خفگی بھرا لہجہ' اس کی وضاحت۔ سب اس کے ذہن میں ایک تواتر کے ساتھ گھوم رہے تھے۔ وہ از حد پریشان تھی' بے چین تھی۔ کسی بھی قسم کے فیصلہ کن لمحات کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی اور اس الجھن کا راز داں بھی کسی کو نہ بنا سکی تھی۔

سوچ رہی تھی کسی طور پر جو ہرآپا کو بتا کر ان سے مشورہ کر کے اپنے دل کی بے قراری دور کرے لیکن ہمت نہ ہو رہی تھی۔

اس نے ٹیلی فون کی طرف قدم بڑھائے۔ مگر قبل ازیں کہ وہ ریسیور اٹھاتی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......"

"ہیلو...... گوہر بول رہی ہو؟"

"جی مامی جان...... آداب!"

"جیتی رہو۔ عاصم بھائی دکان پر نہیں ملے۔ کہاں ہیں اس وقت؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"میں نے فون کیا تھا ملازموں نے بتایا کہ وہ نہیں ہیں۔ میں نے سوچا گھر پر ہی ان سے بات کر لوں۔"

"مگر وہ تو ابھی ابھی لاہور کے لیے گھر سے روانہ ہوئے ہیں۔"

"لاہور کیوں؟ کس کے پاس؟"

"دلنواز ماموں کے پاس...... چچا جان کے ہاں بھی جائیں گے۔"

"پہلے یہاں کی خبر تو لیں عاصم میاں۔"

"کیوں مامی! کیا ہوا؟"

"ارے بیٹی کیا نہیں ہوا ایک پریشانی سی پریشانی ہے۔"

"خیریت......"

"اس شبیر نے تو ہماری ناک کٹوا دی۔"

"وہ کیسے مامی۔"

"کیا بتاؤں میرے دل میں اب تک ہول اٹھ رہے ہیں۔ پولیس اسے گرفتار کرنے آئی تھی۔"

"پولیس...... شبیر کو...... مامی جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ پولیس کہاں آئی تھی؟"

"پولیس ایک مجرم کو گرفتار کرنے ہمارے گھر آئی۔ بیٹی اس گھر کے در و دیوار لرز گئے ہیں۔"

"مگر کس جرم میں؟"

"اغوا کے جرم میں وہ ایک لڑکی کو گاؤں سے اٹھا لایا ہے۔"

"لڑکی کو......؟ کہاں ہے وہ لڑکی......؟"

"کیا خبر کہاں چھپا رکھی ہے۔ پرچہ کٹ چکا ہے اس کے خلاف گوہر! اس لڑکے نے ہماری جان عذاب میں کر دی ہے۔ ادھر تمہارے ماموں ویسٹ جرمنی گئے ہوئے ہیں۔ میں اکیلی عورت کیا کر سکتی ہوں۔ کیا کروں۔ لڑکا جانے کن خیالوں میں رہتا ہے یونیورسٹی میں داخلہ کروایا تھا دلنواز نے دو دن حاضری بھی نہیں دی کہ وہاں سے بھاگ آیا ہے۔ شاہنواز کو بیٹے کی کشش پاکستان کھینچ لائی تھی۔ خبر ہوتی تو وہ وہیں رہ جاتے۔ یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتے۔ جانے کیا ہوگا۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ کیا کروں۔"

"مامی! شبیر ایک ذہین اور تعلیم یافتہ لڑکا ہے اسے ایسی گھٹیا حرکات زیب تو نہیں دیتیں۔"

"یہ اس نے سوچا ہوتا تب نا...... اصل میں ایک رذیل خاندان نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔"

"کون سا خاندان مامی جان؟"

"ایسے ہی سر چڑھا رکھا ہے اسے ان لوگوں نے۔"

"کون ہیں وہ؟"

"کوئی جمال احمد ہے...... اس کی بیوی بیٹیاں۔"

"مامی جان۔ عذرا بنت جمال اسی خاندان کی ہے......؟" گوہر نے جھٹ پوچھا۔

"ہاں ہاں! اسی لڑکی کے پیچھے وہ دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔ مجھے تو ان کے گھر کا پتا معلوم ہے نہ ٹیلی فون نمبر ورنہ کہہ دیتی لڑکے کو اپنے جال میں ضرور پھنسائیں مگر اتنی شہ تو نہ دیں کہ وہ بے راہ روی کا شکار ہو جائے۔"

گوہر کا ذہن جھنجھنا گیا۔ یہ سب کیا تھا؟ آخر کیا۔ ظاہر میں جو کچھ تھا قابل نفرت تھا۔ شبیر کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

سچ کیا تھا۔ اس کی تمیز کرنا خاصا مشکل تھا۔

"دلنواز ماموں جان سے بات کریں آپ...... بابا بھی چند گھنٹوں میں وہیں ہوں گے۔ وہ بھی سن لیں گے۔"

"لیکن میں اس پولیس کا کیا کروں؟ جو بار بار گشت کر رہی ہے۔ لوگوں کو کیا جواب دوں۔ مجرم میں ہوں یا میرے بیٹے یا شاہنواز۔ بیٹے باعث فخر ہوتے ہیں۔ اس لڑکے نے تو ہماری لٹیا ہی ڈبو دی۔ عزت خاک میں ملا دی۔"

"مگر میں کیا کر سکتی ہوں مامی۔ میں تو کوئی مشورہ دینے کے قابل بھی نہیں۔ آپ فوراً لاہور فون کریں دلنواز ماموں خود ہی سنبھال لیں گے۔"

"اچھا...... او کے...... خدا حافظ۔"

گوہر وہیں کرسی پر ٹک گئی...... گھومتا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ جتنی بھی مضبوط اور بہادر ہوتی صورت حال پریشان کرنے والی ہی تھی۔

"شبیر...... شبیر تم کیا ہو...... آخر کیا...... اور میرا تمہارا یہ بے نام سا ایک بندھن...... اس میں خدا کی کون سی مصلحت پوشیدہ ہے۔ میں تو ایک امن پسند لڑکی ہوں۔ معاشرے میں امن و سکون پسند کرتی ہوں۔ اور تم...... تم جانے کیا چاہتے ہو۔ اور اگر...... تم حق پر ہو اور مامی جان کی باتیں ایک الزام ہیں تو پھر پولیس کو کیا پڑی ہے ایک عزت دار آدمی کے گھر پر پہرہ دینے کی۔"

"بی بی باہر کوئی آیا ہے۔ بیل ہو رہی ہے۔" سکھاں دروازے میں کھڑی تھی۔

"جاؤ دیکھو کون ہے؟" اس نے آنکھیں بند کر کے ٹیلی فون اسٹینڈ سے سر ٹیک دیا۔

پھر اچانک اسے خیال آیا۔ یہ بات جو ہرآپا کو بتانا چاہیے۔ اس نے ان کا نمبر ملایا۔

لائن پر ان کا کوئی ملازم تھا۔ اس نے جو ہرآپا سے بات کرانے کا کہا اور انتظار کرنے لگی۔

برآمدے میں قدموں کی آہٹ تھی...... جو ہرآپا نے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو...... !"

"ہیلو جو ہرآپا!"

"کیسی ہو گوہر...... کچھ پریشان لگ رہی ہو...... کیا بات ہے۔"

"آپا...... آپا میں واقعی بہت پریشان ہوں...... میری زندگی کے ساتھ جانے کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے ایک مشتبہ شخص کو میری زندگی سے وابستہ کر کے جانے کن گناہوں کی سزا دی ہے مجھے۔"

"کیا ہوا؟"

"پولیس شبیر کی گرفتاری کے لیے اس کی تلاش میں ہے۔"
"اوہ مائی گاڈ...... تمہیں کس نے بتایا؟"
"مامی جان نے۔"
"کیا خبر یہ سچ نہ ہو۔"
"کیسے سچ نہ ہو۔ کوئی بھی شخص اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتا۔"
"پھر اب کیا ہوگا؟"
"آپا...... اماں بابا آج ہی لاہور گئے ہیں۔ اسری بھائی بھی گھر پر نہیں ہیں اور مامی نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ آپا میں تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ شبیر ایسا ہوگا۔"
وہ یہ کہتے کہتے رو پڑی...... سسکیاں ماؤتھ پیس سے گزر کر جوہر کے کانوں میں پڑیں۔ وہ بھی بے چین ہو گئیں۔
"شبیر ہے کہاں؟"
"مجھے کیا خبر؟"
"اس کا کوئی ٹھکانا، کوئی ٹیلی فون نمبر؟"
"کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں۔ میں کیا کروں۔ اس منگنی کی خبر میرے کالج تک بھی پہنچ گئی ہے آپا...... رشتے داروں میں بھی ہے۔ ملنے والے بھی جان گئے ہوں گے اور اب شبیر پکڑا گیا تو اس کی خبر بھی سب کو ہو جائے گی۔ وہ کیوں ایسا کرتا ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا...... آپا...... کیا اسے خبر نہ ہوگی کہ یہ تباہی کے راستے ہیں۔ اس کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی اور کچھ نہیں تو اسے اپنے اونچے خاندان کی لاج رکھ لینا چاہیے۔ آپا...... اسے ڈھونڈیے۔ اسے سمجھائیے۔ اماں نے میرے لبوں پر اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کا قفل لگا دیا ہے۔ میں تو کچھ بولنے کے قابل بھی نہیں رہی۔"
"بی بی...... گوہر بی بی...... باہر پولیس والے آئے ہیں۔"
"پ...... پولیس......"
"کیا کہا پولیس......" جوہر نے بھی سن لیا تھا۔
"آپا......!"
"تم ایسا کرو سکھاں کو باہر بھیج کر پتا کراؤ۔ میں تمہیں خود رنگ کرلوں گی۔"
"نہیں آپا...... نہیں تم فوراً آ جاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پولیس یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ کیوں آئی ہے۔"
"تم اسے بھیجو...... سکھاں کو جا کے پوچھے کیا بات ہے۔"
گوہر نے ریسیور رکھ دیا۔ کانپتی ڈولتی باہر آئی۔ سکھاں اس سے بھی زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔
"بی بی! اب کیا ہوگا۔"
گوہر رونے لگی۔ آنسو ٹپ ٹپ گر کر فرش بھگونے لگے۔
"تم سے کیا کہا ہے انہوں نے؟"
"گھر میں کوئی مرد موجود ہو تو باہر بھیجو۔"
"گلی میں کون کون تھا؟"

"بی بی! میں تو اندر کھڑی تھی۔ مجھے کیا خبر۔ دروازے میں ہی تو موئے پولیس والے کھڑے تھے۔ باہر کیسے جھانکتی۔"
"اب کیا کریں سکھاں؟" اسے کوئی راہ نظر نہ آئی۔
وہ تو نبیل بھائی کو بھی اس بات سے بے خبر رکھنا چاہتی تھی اور ان کے والدین کو بھی۔ اکیلی جوہر کیا کرتیں۔
"سکھاں تم ایسا کرو...... ان سے جا کے کہہ دو کہ گھر پر کوئی مرد نہیں ہے جو آپ سے بات کر سکے...... مگر نہ نہ...... ایسا نہ کہو۔"
اس نے پھر بھاگ کر جوہر کا نمبر ملایا۔ وہ شاید فون کے قریب موجود تھیں۔
"آپا! میں کیا جواب دوں...... وہ گھر پر کسی مرد کا پوچھ رہے ہیں۔"
"کہہ دو گھر پر کوئی نہیں اور یہ بھی پوچھ لو کہ وہ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ کہو تو میں آ جاؤں۔"
"نہیں آپا آپ آئیں گی ڈرائیور ساتھ میں ہوگا خواہ مخواہ کی تشہیر ہوگی۔ آپا...... یہ کیا مصیبت آن پڑی۔ یقیناً وہ شبیر کی وجہ سے آئے ہیں۔ مگر انہیں اس گھر کا پتا کس نے دیا؟ کیسے خبر ہوئی انہیں؟"
"گوری! میری پیاری بہن اگر تم میرا آنا مناسب نہیں سمجھتیں تو ہمت کرو اور خود ہی پوچھ لو۔ آخر وہ انسان ہی ہیں۔ اس ملک کے قانون نافذ کرنے والے ادارے کے ملازمین اور تم جانتی ہو نا فرد جرم کسی مجرم پر ہی عائد ہوتی ہے۔ کیا خبر شبیر والی بات ہی نہ ہو کوئی اور وجہ ہو۔ تم ہمت کرو اور دروازے پر جا کر پوچھ لو۔"
گوہر کتنی دیر سوچتی رہی۔
"اچھا آپا...... تقدیر میں یہ دن تھا تو شکوہ کیسا۔ میں جا کے پوچھتی ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ دروازے پر آئی، دروازہ اندر سے بند تھا، سکھاں نے دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ سے گوہر نے دیکھا باوردی پولیس کے تین آدمی دروازے پر کھڑے تھے۔
"گھر پر کوئی مرد نہیں ہے۔ آپ کو جو کہنا ہے بی بی سے کہہ دیں۔"
"آپ عاصم صاحب کی کیا لگتی ہیں بی بی؟"
"یہ کوئی ضروری سوال نہیں ہے۔ آپ بتائیں آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"
"ہمارے پاس شبیر شاہ نواز ولد شاہنواز عسکری کے وارنٹ گرفتاری ہیں...... ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ پولیس کو اطلاع ملی ہے کہ وہ یہاں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں ہے۔"
"آپ کو ملنے والی یہ اطلاع بالکل غلط ہے۔ وہ یہاں رہتا تو کیا آتا بھی نہیں ہے۔"
"ہمارے پاس دو اغوا شدہ لڑکیوں کی برآمدگی کا حکم نامہ بھی ہے جنہیں شبیر نے اغوا کر کے کہیں چھپا دیا ہے۔"
"لیکن ہمارا ان باتوں سے کیا تعلق؟ آپ شبیر کو تلاش کریں۔ ایک عزت دار گھر کے باہر کھڑے ہو کر اس گھر کے مکینوں کے لیے رسوائی اور ذلت کا سامان تو پیدا نہ کریں۔"
"پولیس کو اپنے ذرائع سے ملنے والی اطلاع غلط نہیں ہوتی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ دونوں لڑکیاں اندر موجود ہیں۔"
"آپ کو قطعاً ایک بے بنیاد الزام کے تحت ہماری توہین کرنے کی اجازت نہیں۔"
"میں پولیس اسٹیشن عبداللہ پور کا اے۔ ایس۔ آئی ہوں...... میرے پاس سرچ وارنٹ ہیں اور میں اس گھر کی

تلاشی لینے کا مجاز ہوں اور آپ کو پتا ہے سرچ وارنٹ کے ساتھ تو کسی سے پوچھنے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی مگر میں بذات خود شرافت کا قائل اور قدر دان ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کو جنہیں آپ نے چھپا رکھا ہے چپ چاپ ہمارے حوالے کر دیجیے ورنہ بالآخر میں مجبور ہوں گا کہ اندر داخل ہو کر انہیں برآمد کر لوں۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں..... کیا چاہتے ہیں۔ نہ ہم کسی شبیر کو جانتے ہیں نہ ہمیں لڑکیوں کی خبر ہے۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

"آپ کو شاید خبر نہ ہو کہ آپ کے گھر کے چاروں طرف پولیس کا پہرہ ہے۔ آپ ان لڑکیوں کو کہیں اور منتقل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ عاصم حسنین عسکری اس شہر کے معزز اور شریف انسان ہیں۔ ایک پولیس مین کی حیثیت سے میں اپنا فرض ادا کروں گا۔ لیکن انسان کی حیثیت سے میں اتنا ضرور کروں گا کہ آپ لوگوں کا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔"

"آپ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہاں پر کوئی نہیں ہے سوائے اہل خانہ کے۔ آپ جائیے اور اپنے کیس کی نئے سرے سے تفتیش کیجیے۔"

دروازے پر پولیس وین کے ساتھ ایک اور گاڑی رکی۔

گوہر نے بےاختیار سکھاں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"سکھاں باہر دیکھو کون آیا ہے۔ کہیں نبیل بھائی تو نہیں آ گئے۔" وہ گھبرا گئی۔

سکھاں نے باہر جھانکا۔

"پتا نہیں بی بی یہ تو کوئی جیپ ہے۔ ابھی ابھی رکی ہے۔"

گوہر دروازے سے ہٹ گئی۔ آنے والا پولیس والوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں آنے والے کی منتظر تھیں۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ یہ آواز اس کی جانی پہچانی تھی۔ شک یقین میں بدل گیا۔ کیونکہ چند لمحوں بعد کریم کلر کے شلوار قمیص میں ملبوس..... شبیر عسکری اس کے سامنے تھا۔

گوہر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ شبیر نے حیرانی سے اسے دیکھا وہ اندر بھاگ آئی۔

شبیر اس کے پیچھے پیچھے آیا۔

"کیا بات ہے گوہر..... یہ پولیس یہاں کیسے؟" وہ خاموش رہی۔

"بتاؤ نا..... انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں انہیں جست اسے منت کہہ کر اندر آ گیا۔ خیر تو ہے نا؟"

وہ سسک اٹھی۔ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

"طوفان کھڑا کر کے پوچھتے ہیں خیر تو ہے نا۔ خیر کہاں ہے..... آپ نے تو..... آپ نے تو پورے خاندان کی عزت سرعام نیلام کر دی..... کس بات کی سزا دی آپ نے اس گھر تک پولیس کو پہنچا کر۔"

"میں نے؟"

"ہاں آپ نے..... عذرا بنت جمال تو آپ کی بہن ٹھہری لیکن یہ جو دو لڑکیاں آپ اغوا کر کے لائے ہیں شاید وہ بھی آپ کی بہنیں ہیں۔"

"اغوا..... اور وہ بھی دو لڑکیاں..... لاحول ولا....."

"گوہر آئی سو نیور میں ایسی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتا۔ تمہیں کس نے کہہ دیا.....؟"

ان ہی پولیس والوں نے جو سرچ وارنٹ لے کر اس گھر پر چھاپہ مارنے آئے ہیں۔ جنہیں یقین ہے کہ آپ نے ہی۔"

"تو پولیس میری تلاش میں یہاں آ پہنچی ہے۔ اس گھر کی خبر کس نے کر دی انہیں؟"

"مجھے کیا خبر..... وہ آپ کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن مجھے پہچانتے نہیں مگر گوہر کیا تمہیں یقین ہے کہ میں مجرم ہوں۔"

"کاش مجھے آپ کی بےگناہی کا کوئی ثبوت مل جاتا۔ شبیر..... شبیر..... میں نے تو آپ کو کچھ اور سمجھا تھا مگر یہ تو نہ تھے۔ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ آپ..... آپ ایک مجرم ہیں۔ آپ کو کیا فرق پڑے گا عزت تو میری اور میرے بابا کی خراب ہو گی۔ جب اس گھر کے دروازے سے پولیس آپ کو ہتھکڑی پہنا کر لے جائے گی۔ کاش آپ نے کچھ سوچا ہوتا۔"

"گوہر..... اپنی بےگناہی کا کوئی ثبوت سردست میرے پاس نہیں ہے لیکن میں بہت جلد اپنے بےداغ دامن کے ساتھ تمہارے پاس آؤں گا۔ میں تمہاری عزت کا محافظ ہوں دشمن نہیں۔ پولیس کو مجھے گرفتار کرنے کا ارمان ہے۔ کیونکہ بعض افسران کی جیبیں ایک موٹی رقم گرم کر چکی ہے لیکن فکر نہ کرو۔ یہ گرفتاری اس دروازے پر نہ ہو گی۔ پولیس مجھے پہچانتی نہیں۔ میں یہاں سے نکل کر خود ہی پولیس اسٹیشن پہنچ جاتا ہوں۔ تم نے بہت بڑا طعنہ دیا ہے گوہر۔ اس ملک و قوم کی ہر لڑکی میری بہن اور ہر عورت میری ماں ہے جن کی حفاظت میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں اور تمہیں خبر ہے گوہر نیکی کی راہ بڑی کٹھن ہوتی ہے۔ میں عبداللہ پور جا رہا تھا ایک نظر تمہیں دیکھنے کو اس طرف آ گیا۔ اچھا تو نہ آتا۔ جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو انہیں بتا دینا کہ میں شبیر تھا۔ وہ فوراً میرے تعاقب میں دوڑیں گے اور تم ان کے لایعنی سوال و جواب سے بچ جاؤ گی۔"

وہ واپس جانے کو پلٹا اور تیز قدم اٹھاتا دروازے پر پہنچ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جیپ عبداللہ پور پولیس اسٹیشن کے احاطے میں رکی۔ شبیر نے ڈرائیونگ سیٹ سے ایک جست لگا کر باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا۔ پولیس کا عملہ اندر دفتر میں موجود تھا۔ ایک سپاہی دروازے پر کھڑا تھا۔

"اپنے افسران کو مطلع کر دو کہ ایک مجرم شبیر عسکری اپنے جرائم کے ثبوت کے ساتھ باہر موجود ہے۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔ سپاہی نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور اندر چلا گیا۔

"سر آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔"

شبیر پلٹ کر جیپ کی طرف آیا۔

"میں اندر جا رہا ہوں۔ آپ سب لوگ بھی وہیں آ جائیے گا۔"

"بہتر شبیر جی۔" ایک نوجوان نے جواباً کہا۔

شبیر مطمئن انداز اور پرسکون چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"مجھے شبیر کہتے ہیں۔"

ایس۔ ایچ۔ او نے بھنویں اوپر اٹھا کر گردن ٹیڑھی کر کے اسے بغور دیکھا۔

"تو تم ہو اغوا کے دوہرے واقعے کے اصل مجرم۔"

"ہاں میں..... جسے آپ کے سب آرڈیننس گرفتار نہیں کر سکے۔ میں اپنی اغوا کی ہوئی لڑکیوں اور ان کے

شوہروں کے ساتھ آیا ہوں۔ ان کا بیان لے لیجیے اور مجھ پر فردِ جرم عائد کر کے مجھے حوالات میں بند کر دیجیے۔"

ایس۔ ایچ۔ او نے پھر اسے بغور دیکھا۔

"نوجوان۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ایک تو چوری اور پھر سینہ زوری۔"

"آپ کو یہ دکھ ہوگا کہ آپ کے عملے نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہ پہنائی۔ محترم جو شخص اپنے آپ کو خود قانون کے حوالے کر دے اس کے لیے زنجیروں کی کیا ضرورت۔ میں اقبالِ جرم کرتا ہوں ایس۔ ایچ۔ او صاحب۔ میں نے دو اجڑتے گھروں کو بچانے کا جرم کیا ہے۔ دلوں کی بستیاں بسائے رکھنے کا جرم کیا ہے دو خواتین کو عدم تحفظ کے احساس سے بچانے کا گناہ کیا ہے۔ آپ کا قانون اس جرم کی جو سزا دے مجھے قبول ہے۔"

"نوجوان...... تم اپنے حلیے سے ایک معقول انسان اور باتوں سے تعلیم یافتہ نوجوان لگتے ہو۔ تمہیں ان باتوں میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم جو بھی کہو کہتے رہو لیکن تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جا چکی ہے۔ دو لڑکیوں کے اغوا کی اور تمہیں خبر ہے یہ جرم حدود آرڈیننس کے تحت آتا ہے۔"

"سب جانتا ہوں۔ سب خبر ہے لیکن یہ بھی جانتا ہوں قانون کو اندھا آپ لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ دراصل قانون اندھا نہیں ہے اس میں بہت سی گنجائش موجود ہے۔"

"میں قانون کے متعلق کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا نور محمد...... اس نوجوان کو حوالات میں بند کر دو۔"

فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ایس۔ ایچ او نے ریسیور اٹھایا۔

"السلام علیکم سر......" وہ کسی افسرِ اعلیٰ ہی کا فون تھا۔ ایس۔ ایچ۔ او بے اختیار احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

لائن پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب تھے۔

"تمہاری لکھی ہوئی ایف آئی آر کے مطابق ایک ملزم شبیر عسکری تمہارے پاس از خود پہنچ چکا ہوگا۔"

"یس سر......"

"کیا میں جان سکتا ہوں۔ یہ ایف آئی آر تم نے کن شواہد کی بنیاد پر درج کی مسٹر ایاز رسول۔ اپنے بیجز اتار دو۔ تم معطل کیے جا چکے ہو۔ ایف آئی آر تمہارے خلاف درج ہوگی کہ تم نے غلط طور پر تحقیق کیے بغیر ایک شریف نوجوان کو ڈسٹرب کیا۔"

"سر...... عملے نے جو رپورٹ دی تھی۔"

"بکواس بند کرو۔ عملے نے رپورٹ تمہارے حکم پر تیار کی۔ تمہاری مرضی کے مطابق...... اس لیے کہ پچاس ہزار کی رقم تمہارا پیٹ بھر کے تمہارا دماغ خراب کر چکی تھی۔ تمہیں فرض یاد نہیں تھا صرف ان لوگوں کی خوشنودی مطلوب تھی جو تمہاری نگرانی اور سرپرستی میں دن دہاڑے ڈاکے ڈلوانے اور غریبوں کو لوٹنے کا تیج فعل کرتے ہیں۔ جنہوں نے اس علاقے میں غریب کی زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ میں نے یہ کیس بذاتِ خود حل کیا ہے اپنے ایماندار افسروں کی ہمراہی میں۔ اسے میرا ایک نیا تجربہ ہی کہہ لو...... میں ایک سپاہی کے روپ میں اس گاؤں کی گلیوں میں پھرا ہوں۔ ساری معلومات لی ہیں میں نے۔ ابھی اور اسی وقت اپنی سیٹ چھوڑ دو۔ تحریری حکم نامہ بھی پہنچنے والا ہے اور تمہاری جگہ لینے والا ایس۔ ایچ۔ او بھی اس بے بنیاد مقدمے کو بھی خارج کرے گا...... اور تمہیں کل ہی آنا ہے میرے پاس...... جواب دہی کے لیے...... میں تم پر بھی فردِ جرم مکمل تحقیق کے بغیر عائد نہیں

کروں گا۔ کیونکہ میں انصاف پسند ہوں۔"

رابطہ کٹ گیا۔ ایاز رسول پھر کرسی پر بیٹھ نہ سکا۔

دو نوجوان اور ان کے ساتھ موجود لڑکیاں اندر آ چکی تھیں۔ شبیر نے انہیں دیوار کے ساتھ رکھی بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

اسی اثناء میں باہر ایک موٹر سائیکل رکا۔ سب نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے سرفراز علوی کہتے ہیں۔ تقرری کے حکم نامے کے ساتھ حاضر ہوں۔"

وہ اچانک شبیر کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں شبیر عسکری ہوں۔"

"وہ شبیر صاحب ڈی آئی جی صاحب نے تاکید کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ اچھا ہوا آپ خود ہی یہاں تشریف فرما ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب کے حکم پر میں نے عبداللہ پور کے پندرہ سو افراد کے بیانات لیے...... ان لوگوں میں سے چند ایک تھے جو نہ جانے کس دشمنی کی بناء پر آپ کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔ یا سکندر پور کے امین واسطی جنہوں نے آپ کے خلاف کیس درج کرایا۔ ورنہ ہر شخص آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ آخر ان لوگوں کو آپ نے کیا گھول کے پلایا ہے۔"

"صرف حقیقی خلوص اور محبت۔"

"قابلِ تقلید نسخہ ہے۔ میرا خیال ہے پولیس کا محکمہ اسے اپنا لے تو مجرم خوف کھائیں گے شریف لوگ اعتماد کریں گے جبکہ فی زمانہ معاملہ بالکل الٹ ہے۔"

"جی ہاں پولیس کا اعتماد پا کر ہی بدمعاش لوگ دن دہاڑے جرم کرتے ہیں اور پولیس کی بے پروائی بلکہ مجرمانہ غفلت کے سبب غریب لٹ جاتے ہیں۔"

"قصہ اصل میں ہے کیا؟"

"وہی جو عام لوگوں نے آپ کو بتایا ہوگا اور جو میں ڈی آئی جی صاحب کو بتا چکا ہوں۔ یہ لوگ بیانات کے لیے حاضر ہیں اور میں بھی...... میں چند دن کی رخصت پر آیا تھا۔ مجھے شام کو لاہور جانا ہے۔ پڑھائی کا خاصا حرج ہو چکا ہے۔"

"آپ...... آپ اسٹوڈنٹ ہیں؟"

"جی ہاں ایم۔ اے پریوئیس کا۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ ابھی سے یہ عالم ہے تب کیا ہوگا جب...... ویسے میرا مشورہ ہے عسکری صاحب آپ پولیس کی ملازمت اختیار کیجیے گا۔ اس لولے لنگڑے محکمے کو آپ جیسے انسانوں کی ضرورت ہے۔ ایاز رسول صاحب پلیز چارج دے دیجیے مجھے۔ تاکہ میں بے بنیاد ایف آئی آر کو اختتامی کارروائی کے بعد داخل دفتر کر دوں اور رپورٹ اوپر بھیج دوں۔"

ایاز رسول کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس نے فائل کھول لی۔ سرفراز علوی شبیر سے باتیں کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"ممی...... ممی...... ممی جان۔" شبیر کی آواز کوریڈور میں گونج رہی تھی۔

"ممی......ارے......عذرا......بھئی کہاں ہیں سب لوگ؟"
ممی نے اپنے کمرے کے دروازے سے جھانکا۔شبیر بھاگ کر ان کی طرف گیا۔
"ممی......ممی......!"
شبیر ان سے لپٹ گیا۔
"آپ کو مبارک ہو ممی۔آپ کے بیٹے کا ایک چھوٹا سا مشن کامیاب رہا۔"
"کیا ہوا شمی لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں چلی گئیں؟"
"مسرف لڑکیاں ارے ممی وہ بدعنوان افسر بھی معطل ہو گیا۔جس نے مجھے گرفتار کر کے جیل میں ڈالنے کی سوچ رکھی تھی۔ممی ڈی۔آئی۔جی صاحب بہت اچھے انسان ہیں ان کے دفتر کے دروازے ہر انسان کے لیے کھلے ہیں اسی سبب میں تو سیدھا ان کے پاس چلا گیا۔انہیں صورت حال بتائی۔ممی انہوں نے تو کمال کر دیا۔خود ایک سپاہی کے روپ میں عبداللہ پور پہنچ گئے۔ساری تحقیق خود کی۔مجھے بے گناہ پا کر مجھ سے انتہائی محبت سے پیش آئے ممی وہ سارا معاملہ رفع دفع ہو گیا۔"
ممی نے شبیر کی پیشانی چوم لی۔
"شمی! یہ بات بہت اچھی ہے۔لیکن ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے بیٹے۔"
"مجھے بھی خبر ہے ممی۔پتا ہے ڈی۔آئی۔جی صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ابھی میری سفارش کرتے ہیں۔تاکہ میں بہ طور انسپکٹر تعینات کر دیا جاؤں۔میں نے بہ مشکل انہیں قائل کیا کہ سر! ابھی تو مجھے پڑھنا ہے۔بہت کچھ کرنا ہے۔میری ممی مجھے بہت بڑا افسر دیکھنا چاہتی ہیں۔اس لیے نہیں کہ بڑے افسر کے پاس پیسہ بہت ہوتا ہے بلکہ صرف اس لیے کہ بڑے افسر کے اختیارات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اور وہ انہیں حق داروں کے لیے استعمال کر کے معاشرے کو پرامن بننے میں مدد دے سکتا ہے۔ممی وہ بہت خوش ہوئے۔ان کی تو میرے ساتھ دوستی ہو گئی۔باجود اس کے کہ وہ اگلے سال ریٹائر ہونے والے ہیں۔"
"اس کا کیا ہے تیرے ڈیڈی بھی تو تیرے دوست ہیں وہ کون سے جوان ہیں۔" شبیر نے قہقہہ لگایا۔
"ممی......آپ بھی کمال کرتی ہیں۔اس لحاظ سے آپ بھی میری۔"
"ہاں ہاں سہیلی ہی ہوں تمہاری۔" ممی نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
"شام میں جا رہا ہوں ممی......!"
"ہاں بیٹے! عدی کا فون آیا تھا۔آنے کی تاکید کر رہا تھا۔"
"وہی تو میں بتا رہا تھا۔"
"شبیر......اندر آ جاؤ مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنا ہیں بیٹے۔" وہ بہت خوش تھیں۔
وہ اندر آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا ممی ساتھ بیٹھ گئیں۔
"شبیر بیٹے۔"
"جی ممی......"
"اس گھر پر تمہارا ڈھیر سا حق ہے شبیر!"
"میں نے کب کہا کہ نہیں۔حق تو ممتیں دیتی ہیں اور آپ کو مجھ سے محبت ہے۔"
"نہیں بیٹے اس کے علاوہ بھی ایک بات ہے۔"

"وہ کیا ممی؟"
"ہے ایک بات......جو آج سے پہلے خود مجھے بھی معلوم نہ تھی۔"
"آج کیسے معلوم ہوئی؟"
"تمہارے البم میں ایک تصویر دیکھ کر۔"
"تصویر دیکھ کر......تصویر دیکھ کر ایسی کون سی بات معلوم ہوئی جس نے میرا حق آپ پر واضح کر دیا۔"
"بیٹے بہت بڑا حق......تصویر میں تمہارے ساتھ تمہارے والد ہی ہیں نا۔"
"اچھا وہ تقسیم انعامات کے جلسے والی تصویر۔جی ہاں ممی وہ میرے والد ہی ہیں۔"
"شمی تب تو یہ محبت بالکل بھی بے غرض نہ تھی۔شمی میں تمہیں کیسے بتاؤں میرے بچے۔میں تو......میں تو......شمی......تم نے میرا دودھ پیا ہے بچے۔تو تو واقعی میرا بیٹا ہے شمی......سچ مچ کا بیٹا......یہ تمہارے والد۔جن کے نام کا بھی مجھے علم نہ تھا۔انہیں میں نے اسی ہاسپٹل میں دیکھا تھا۔تمہارے والد کی حیثیت سے جب وہ میرا شکریہ ادا کرنے میرے پاس آئے تھے۔"
"آپ کے پاس میرے پاپا......یہ کیسی خبر ہے ممی؟"
"ہاں بیٹے۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب تم پیدا ہوئے۔"
"میں پیدا ہوا......آپ کو کیا خبر ممی......میں کہاں پیدا ہوا۔کب پیدا ہوا کیونکر پیدا ہوا۔" وہ مسکرایا۔
"مجھے سب خبر ہے۔سب خبر......کتنے برس گزر گئے ہاں ہاں اس وقت تو عدی اور عذرا بھی نہیں تھے۔میں پیچیدگیوں سے گزر گئی تھی میرے بچہ ہونے والا تھا۔گرنے سے پیٹ کے اندر ہی ختم ہو گیا۔آپریشن کے ذریعے مردہ بچہ پیدا ہوا۔میں سخت علیل تھی چار ماہ مجھے ہاسپٹل کے فیملی وارڈ میں رہنا پڑا۔فیملی وارڈ نمبر تین میں سات دن میں بے ہوش رہی۔ہوش میں آئی تو بچے کے رونے کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔مدرہ کے بعد کتنی مدت میرے ہاں کسی بچے نے جنم نہ لیا تھا اور میں بیٹے کی از حد خواہش مند تھی۔میں نے ڈاکٹرز اور نرسوں سے بلکہ تمہارے ڈیڈی سے تقاضا کرنا شروع کر دیا بچے کا......میری حالت کے پیش نظر کسی نے مجھے نہ بتایا کہ بچہ مر چکا ہے اور مجھے بچہ لا دیا گیا مجھے خبر نہ تھی وہ تم تھے تھی چھوٹے سے کمزور سے معصوم سے بچے......تمہاری ماں تمہارے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی......میں نے تمہیں اپنی آغوش میں بھر لیا۔میری ممتا تم پر نثار ہو گئی۔تمہیں دیکھ کر مجھے نئی زندگی مل گئی......اور شاید تمہیں بھی کہ دو دنوں سے تم بوتل کے دودھ کو منہ لگا رہے تھے نہ کسی اور چیز کو......شمی......شمی......(وہ رونے لگیں) شاید تمہیں ممتا کی ضرورت تھی اور مجھے بچے کی ہم دونوں ہی بہل گئے......میری رگوں میں دوڑتا لہو دودھ کی صورت تمہاری زندگی کا ضامن بن گیا اور مجھے......میری ممتا کو تمہارے وجود کے سہارے نے زندگی دے دی۔تم پورا ایک ماہ میری آغوش محبت میں رہے۔جمال ان دنوں باہر تھے۔ڈاکٹرز نے ان کے مشورے پر تمہارا وجود میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔لیکن ایک ماہ بعد یہ خبر بجلی کی طرح مجھ پر گری کہ تم میرے بیٹے نہیں ہو۔جمال نے فون پر مجھے بتایا حقیقت سے آگاہ کیا۔کیونکہ تمہارے والد شاہنواز تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے......وہ دن بھی میرے لیے قیامت جیسا ہی تھا۔جب تم مجھ سے جدا ہو گئے۔اسی دن میں نے تمہارے والد کو دیکھا وہ میرا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔لیکن مجھے ایک دشمن نظر آئے تھے۔میں نے ان سے کہا۔
"بھائی صاحب! اس بچے کی ماں نہیں ہے اسے میری ضرورت ہے آپ اسے میرے پاس رہنے دیں۔"

انہوں نے رکھائی کے ساتھ ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"اس بچے کی ماں نہیں ہے خاتون، لیکن باپ تو ہے۔ اسے میں ہرگز نہیں دے سکتا آپ کو۔ یہ ہماری خاندانی روایات کے لیے ایک دھبہ ہوگا..... میں اسے اعلیٰ نرسنگ ہوم میں رکھ سکتا ہوں۔ لاکھوں روپے بھی خرچ کرنے پڑیں تو پروا نہیں لیکن اپنے بچے پر سے پاکی کی مہر لگوانے پر تیار نہیں ہوں۔"

انہوں نے بے دردی سے میرے سارے جذبوں کا خون کر دیا۔ تم چلے گئے بچھڑ گئے لیکن ایک ننھے منے وجود کی گرمی کا احساس ایک من موہنے وجود کی نرمی ہمیں یاد رہی تڑپاتی رہی مجھے خبر نہ تھی تم کیسے رہے کہاں رہے لیکن یقین کرو شمی ایک سال دو ماہ بعد عذرا اور عدی جڑواں بچوں کی صورت میری زندگی میں آ گئے تب بھی میں تمہیں نہ بھلا سکی۔"

انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میں تمہاری ماں ہوں۔ شمی..... سچ مچ تمہاری ماں۔"

"ماں..... ماں..... ماں....." شمی سسک اٹھا۔ اس کی آنکھیں برسنے لگی۔ ممی نے بے تحاشا اسے چوما۔ شبیر انکل بے بس رو دیکھتا رہا۔

"شمی! میرے بچے یہ بھی تقدیر ہی ہے۔ بچھڑے کس انداز سے ملے ہیں۔ تمہاری اور عدی کی دوستی اور محبت بھی شاید لہو میں دوڑنے والے اسی خون کی مرہون منت تھی۔ شاید خوشبو نے اپنے آپ کو پہچان لیا تھا۔ جو میرے وجود سے تمہارے وجود میں اتر گئی تھی۔ یہی کشش تمہیں ایک دوسرے کے قریب لائی۔"

"ممی..... اچھی ممی..... پیاری ممی..... یہ خبر میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی خوشی کی خبر ہے۔ ایک مضبوط تعلق ہم سب کے درمیان موجود تھا۔ کیسی اچھی بات ہے یہ۔ ممی..... ممی..... اگر میں آپ کو عزیز تھا تو آپ میرے پیچھے کیوں نہ آئیں۔"

"میں بیمار ہو گئی بچے..... بتایا ہے نا پورے چار ماہ ہاسپٹل رہی اور پھر جمال بھی ملک میں نہ تھے اور کوئی ایسا نہ تھا جو تمہارا پتا کرتا جمال آئے تو شاہنواز کو نہ ڈھونڈ سکے۔ آج جب میں انہیں بتاؤں گی شمی دیکھنا وہ کتنے خوش ہوں گے۔ کتنے خوش۔ جلدی سے سدرہ کو خط لکھوا سے بتاؤ۔ تم وہی ہو جسے اس کی ماں ایک عرصے سے ڈھونڈ رہی تھی۔"

گھر بھر میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ خبر اچھی ہو یا بری انسان اسے بہت جلد اپنے پیاروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ شبیر نے اس خوشی کو دل سے محسوس کیا اسے گوہر یاد آ گئی۔

گوہر..... جو اسے متاثر کرنے والی پہلی لڑکی تھی۔

گوہر..... جو اس کی چند عزیز چیزوں میں سے ایک تھی۔ دبدبے اور وقار کی مالک گوہر خوب صورت اور حسین گوہر..... وہ گوہر جس کی ذہانت نے اسے صد درجہ متاثر کیا تھا۔

گوہر کی یاد کیا آئی..... ایک جرم کا احساس بھی ساتھ دے گئی۔ کتنا بدتمیز تھا وہ..... مارے شرم کے یہ خبر کسی کو نہ دے سکا تھا..... کہ اس کو گوہر سے منسوب کر کے ایک انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنا دی گئی تھی۔ ڈریسنگ روم میں رکھی انگوٹھی ہاتھ میں لیے وہ ممی کی طرف گیا۔ جو فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھیں اسے دیکھتے ہی انہوں نے بات مختصر کر دی۔

"ممی.....!" وہ سر جھکائے ان کے سامنے کھڑا تھا

"کیا بات ہے بیٹے۔ میں جمال سے بات کر رہی تھی۔ بہت خوش ہوئے ہیں وہ یہ سن کر۔"

"مگر ممی آپ یہ سن کر خوش نہ ہوں گی؟"

"کیا؟"

"یہ..... یہ..... انگوٹھی ہے ممی۔"

اس نے انگوٹھی ان کے سامنے کر دی۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ مگر یہ کس کی ہے۔"

"میری ہے ممی!"

"تمہاری!؟"

"جی ہاں منگنی کی انگوٹھی۔"

"او میرے خدا! یہ کیسی منگنی ہے جس کی خبر ماں تک کو نہیں ہے۔"

"خبر تو مجھے بھی نہ تھی۔ لاہور گیا تو چچا جان نے مجھ سے پوچھے بغیر چچی اماں سے کہا اور انہوں نے مجھے پہنا دی۔"

"مگر..... کس سے کی منگنی؟ کون ہے وہ لڑکی؟ کیا تم نے اسے دیکھا کیسی ہے وہ؟"

"ممی دیکھنے کی کیا بات ہے دیکھنے کو تو عذرا نے بھی اسے دیکھا ہے۔ لیکن یقین مانیے یہ سب کچھ بے خبری میں ہوا۔"

"کون ہے وہ؟"

"میری پھپھو کی بیٹی ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

"گوہر.....!"

"کیا کرتی ہے؟"

"بی اے کر رہی ہے۔"

"تم کیسے ملے اس سے؟"

"پھپھو کے گھر دیکھا تھا۔"

"اور ماں کو بتایا تک نہیں۔"

"ممی۔ آپ نے مجھے اسٹریٹ فارورڈ بننے میں مدد دی ہے۔ یہ کہتے ہیں مجھے کوئی باک نہیں کہ وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ میں نے سوچا تھا۔ کچھ نہ کچھ کریئر بنانے کے بعد آپ کو بلکہ سب کو بتاؤں گا اور ممی پھپھو کے آگے دامن پھیلا کر اسے مانگ لیں تو پر جانے کیا ہوا۔ شاہنواز چچا نے سب کچھ آپ ہی آپ کر دیا۔" اس نے سارا کچھ تفصیل سے بتا دیا۔

"وہ جو تم نے بتایا ہے شمی اس کے مطابق تو میں یہی اندازہ لگا رہی ہوں کہ وہ بہت اچھی بچی ہے۔"

"لیکن تھوڑی تھوڑی بے وقوف بھی۔" شبیر بڑبڑایا۔ ممی نہ سمجھ سکیں۔ گوہر کی باتیں کرتی رہیں۔

شام کو گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ عذرا نے یہ سن کر کہ شمی اس کا دودھ شریک بھائی ہے اپنی ساری سہیلیوں کو چائے پر مدعو کر لیا تھا اور وہاں ان کے ہنگاموں کی نذر تھا۔ عذرا اسے کھینچ کھانچ کے اپنی سہیلیوں میں لے

گئی تعارف کے لیے جہاں وہ سر جھکائے ان کی شرارتوں کے جواب میں بے بسی کے ساتھ مسکراتا رہا اور پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ شام کے لیے اپنا سامان پیک کرنے ممی وہیں موجود تھیں پہلے سے اس کا سامان تیار کر رہی تھیں......

"شمی...... بیٹے غیرت کا مظاہرہ کبھی نہ کرنا...... دل برداشتہ بھی نہ ہونا۔ ہم سب تمہارے اپنے ہیں یہ گھر اور اس کے باسی ہر دم تمہیں ویلکم کرنے کو تیار ہیں۔ ہماری خوشی اس میں تھی کہ شاہنواز تم سے محبت کرتے تمہیں اپنے ساتھ رکھتے اگر وہ تمہیں نہیں پہچان پا رہے تو کیا ہوا۔ تمہیں کبھی کسی قسم کی شفقت کی ضرورت نہ رہے گی۔ خود کو تنہا نہ سمجھنا...... تمہارے ڈیڈی تمہارے تعلیمی اخراجات کا بوجھ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ رہائش ہوسٹل میں ہی رکھنا۔ عزت نفس کو بچانے کے لیے یہ ضروری ہے۔ تم نے تو ساری عمر ایسی جگہوں پر گزاری ہے۔ خدا جلد ترقی نصیب کرے گا۔ لیکن ایک اور بات بھی ہے شمی۔ ابھی تم معاشرے کی سدھار کا بیڑا اٹھانے کے قابل نہیں ہو۔ یہ دنیا بے حد ظالم ہے۔ اکثر بے گناہ ہی اس کے عتاب کا شکار ہو جاتے ہیں ہر قدم پر تمہارا سامنا ڈی۔ آئی۔ جی صاحب جیسے انسانوں سے نہیں ہوگا۔"

"آپ نے سچ کہا ممی...... لیکن ناانصافی کہیں بھی ہو مجھے مشتعل کر دیتی ہے۔ میں ظالموں کو کچل دینا چاہتا ہوں تاکہ ظلم کا نشان مٹ جائے۔ دنیا ظلم و ستم سے پاک خوب صورت سی جگہ ہو جہاں رہنے کو دل چاہے۔ جہاں خوشیاں ہوں، ایک دوسرے کی ہمدردی ہو محبت ہو۔"

"بیٹے! ظلم ظالموں کو کچل ڈالنے سے ختم نہیں ہوتا۔ ہاں مگر محبت کی نرمی ظلم کو اپنی موت آپ مار دیتی ہے۔"

"واہ ممی...... پھر آپ کو خبر ہی نہیں نرمی ظلم کو پنپنے کا موقع دیتی ہے اسے ختم نہیں کر سکتی۔ اسے قانون کی بالادستی اور اصولوں کی سختی سے پابندی ہی جڑ سے اکھیڑ سکتی ہے اور میں خود کو ان دونوں عزائم کی نذر کر کے خوشی محسوس کروں گا۔"

وہ مسکرانے لگیں۔

"بیٹا ماں سے زیادہ سیانا ہے چلو جی ماں نے بھی مان لیا ہے۔ اب تو خوش۔"

وہ ہنس دیا۔ ممی نے پوچھا۔

"ہاں پھر کب ملواؤ گے ہمیں ہماری ہونے والی بہو سے۔"

اسے یکبارگی بریا یاد آ گئی۔ وہ مسکرایا۔

"جب آپ چاہیں گی۔"

"ٹھیک ہے دوبارہ آؤ گے تو پہلا مسئلہ یہی ہوگا۔"

ممی چلی گئیں ان سے آنکھ بچا کر وہ ٹیلی فون کو ریڈور سے اپنے کمرے میں لے آیا اور اس کی انگلیاں اس نمبر کو گھمانے لگیں۔ جو اس کے دل پر نقش تھا۔

"ہیلو شمیر بول رہا ہوں۔"

"جی...... آپ...... آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"پولیس چلی گئی تھی نا!"

"وہ لوگ تو اسی وقت چلے گئے تھے۔ میں نے بتا دیا تھا کہ آپ ہی تھے یہاں آنے والے۔ یعنی شمیر عسکری مگر آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"حوالات میں......"

"نن...... نہیں۔"

"یقین کرو...... حوالات میں ہی ہوں۔ ملک کا محکمہ پولیس خاصا ترقی یافتہ ہو گیا ہے۔ مجرموں کو ضرورت ہے تو ٹیلی فون پر اپنے پیاروں سے دل کی باتیں آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ...... دیکھیے میں بہت پریشان ہوں۔ اماں بابا لاہور میں ہیں لاہور کی کال اب تک نہیں مل سکی امری بھائی صبح کے گئے اب تک نہیں لوٹے۔ میں گھر پر اکیلی ہوں۔"

"حوالات میں نہ ہوتا تو تمہیں تنہا نہ رہنے دیتا۔"

"مذاق بند کریں۔ مگر آپ کو کیا؟ کسی کی پریشانی کا آپ کو کیا احساس؟"

"ہاں، کسی کی پریشانی کا اس ناچیز کو کیا احساس، لیکن کسی نے یہ بھی تو نہیں پوچھا کہ کیا افتاد مجھ پر آن پڑی تھی۔"

"آپ بتانا گوارا کرتے۔"

"بتا تو رہا ہوں۔ وہ دونوں لڑکیاں عبداللہ پور کی تھیں۔ دونوں کی شادی وٹے سٹے کے تحت ہوئی تھی...... وٹہ سٹہ جانتی ہو او لے بدلے کی شادی کو کہتے ہیں۔ غلام رسول ہمارا غریب مزارع ہے۔ اس کی بیٹی کی شادی سکندر پور کے گاؤں کے ایک شخص نبی بخش کے بیٹے غلام سرور سے ہوئی اور بیٹے عباس کی شادی نبی بخش کی بیٹی سے۔ غلام رسول ایک شریف آدمی ہے۔ عباس اس کا اکلوتا بیٹا...... ساجدہ بہت اچھی لڑکی ہے وہ نبی بخش کے گھر میں بیاہ کر گئی اور اس نے خود کو گھر کا حصہ سمجھ لیا۔ پورے گھر کے کام کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا اس کی بہت سی خوبیوں نے سرور کے دل میں اس کی جگہ بنا دی۔ وہ ماں بہنوں سے احتجاج کرنے لگا۔ ماں کو بدکلامی سے دل دکھانے سے روکنے لگا۔

ادھر سرور کی بہن رضیہ جس کی شادی عباس سے ہوئی تھی۔ اپنے گھر میں خوش باش تھی۔ کیونکہ صرف عباس ہی کیا۔ غلام رسول اور اس کی اہلیہ بھی اپنی بہو سے شفقت سے پیش آتے تھے۔ پچھلے برس کی ایک عید رضیہ منانے اپنے میکے گئی تو ماں باپ نے اسے روک لیا عباس لینے آیا تو بیوی کے بجائے اس کی بہن ساجدہ کو اس کے ساتھ بھیج دیا کہ ہم اپنی بیٹی اپنے گھر رکھتے ہیں تم اپنی بہن کو لے جاؤ۔ ساجدہ ایک پل کو سرور اور گھر سے دور ہونے کو تیار نہ تھی۔ لیکن غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ عباس اسے اپنے ساتھ لے آئے سو وہ لے آیا...... ڈیڑھ سال ہونے کو آیا۔ ان دنوں میں دونوں لڑکیوں کے ہاں بچوں نے بھی جنم لیا۔ ساجدہ کے سسرال والے نہ آئے عباس رضیہ کے پاس گیا تو اسے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔

تنگ آ کے غلام رسول نے یہ مسئلہ یونین کونسل کے چیئرمین کے سامنے پیش کیا۔ جبکہ سرور یا اس کے گھر والے ساجدہ کو لینے آئے نہ انہوں نے کسی سے بات کی۔ سکندر پور کے زمیندار نبی بخش کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے فیصلہ دے دیا کہ ایک سالہ بچے اور رضیہ کے ڈیڑھ سال کے اخراجات کی رقم مبلغ پندرہ ہزار روپے دے کر وہ بہو کو لے جائیں۔ ادھر کسی نہ کسی طرح رضیہ سے رابطہ ہوا۔ وہ اس ظلم کے حق میں نہ تھی اور پل سے پہلے گھر آنا چاہتی تھی۔ میں پچھلے دنوں وہیں تھا عباس نے مجھے بتایا...... میں اپنے طور پر اس مسئلے کا حل سوچ کر نبی بخش کے بیٹے غلام سرور سے ملا...... وہ بے چارہ بھی اپنے والد اور والدہ کے زیر عتاب بیوی سے ملنے سے قاصر تھا۔ میں نے دونوں نوجوانوں کو ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ہم نے مل کر صلاح و مشورہ کیا اور ایک رات عباس اپنی

بھن کو اور سرور اپنی بھن کو لے کر اپنے اپنے گاؤں سے باہر عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مجھ سے آ ملے۔ میں نے ان دونوں جوڑوں کو وہاں سے پک کیا اور شہر لے آیا۔ نبی بخش کو اس کی خبر ہوئی۔ تو وہ اپنے زمینداروں کے پاس بھاگا۔ جن کے پاس میں عباس اور رضیہ کے درمیان صلح صفائی سے معاملہ طے کرانے میں ان کی مدد لینے کی غرض سے جا چکا تھا اور پہلے بھی بہت سے معاملات میں وہ مجھ سے خار کھانے لگے تھے۔

انہوں نے نبی بخش کو مشورہ دیا کہ وہ مجھ پر دوہرے اغوا کا مقدمہ درج کرا دے کہ میں اس کی بہو اور بیٹی کو بھگا لے گیا ہوں۔ سکندر پور اور عبداللہ پور کا متعلقہ تھانہ عبداللہ پور ہی ہے ایس۔ ایچ۔ او عبداللہ پور نے بھاری رشوت لے کر میرے خلاف ایف۔ آئی۔ آر کاٹ دی۔ یہ تو تھی اس مقدمے کی اصلیت۔ اس کے بعد کی صورت حال یہ تھی کہ دونوں نوجوان شہر میں کام کرتے ہوئے اپنے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش تھے۔ پولیس میری گرفتاری کے لیے کوشاں تھی۔ گھر پہنچی تو آپ کی امی جان نے کہہ دیا کہ لڑکا واقعی اوباش سا ہے۔ جہاں سے اسے گرفتار کر لیں میرا شوہر یا ان کا خاندان اس معاملے میں دخل نہیں دے گا۔ تب پولیس کو میرے خلاف ٹھوس ثبوت مل گیا۔ سکندر پور کے زمیندار عبداللہ پور والوں سے پرانی دشمنی رکھتے تھے۔ انہیں شاہنواز عسکری کی بے عزتی کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ میرا دو چار دن حوالات گزارنا کوئی چھوٹی سی بات نہ تھی۔ لیکن میں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ خود جا کر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سے ملا۔ سرور' عباس' رضیہ اور ساجدہ کے بیانات قلمبند کرائے۔ بلکہ ان سے درخواست کی کہ وہ خصوصی ٹیم بھیج کر دیہاتی آبادی کے اس عمومی مسئلے کا جائزہ لیں اور خاص طور پر اس مسئلے کی تحقیق و تفتیش کرائیں۔ وہ مجھ سے مل کر خوش ہوئے اور متاثر بھی۔ میرے کہنے پر ٹیم تو نہیں وہ خود وہاں تشریف لے گئے۔ لوگوں کے بیانات خود سنے اور فیصلہ دے دیا۔ میں تو آج بہت خوش ہوں گوہر۔ دو گھروں کو آباد دیکھ کر...... اور...... اور ......ایک عمر رسیدہ بیمار سی ماں پا کر۔ ایک بدعنوان افسر کو معطل کرا کے۔ ایک اعلا افسر کی اعلا کارکردگی دیکھ کر۔ مگر تم...... تم تو بہت دنوں سے متفکر ہو۔ آج تو کچھ زیادہ ہی پریشان ہو۔ انگوٹھی واپس کرنے کو بے چین بھی ہو کیا کروں میں آج لاہور جا رہا ہوں۔ آؤں گا تو۔"

"اماں بابا بھی وہیں ہیں۔"

"چھوٹے چچا جان اور پھوپھی۔ ویری گڈ پھر تو کوئی دیر نہیں لگے گی۔ انگوٹھی واپس کر دوں گا۔ ان کے سامنے تم آزاد ہو جاؤ گی۔"

"نہ...... نہ...... نا ایسا نہ کیجیے گا۔"

"کیوں؟ تمہاری خوشی تو اسی میں تھی۔ چند دن پہلے مصر تھیں۔ میں ہی پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔"

"لیکن اب نہیں ہوں۔ پلیز آپ انگوٹھی مت لوٹا دیجیے گا۔"

"کیوں؟ کیوں نہ لوٹاؤں۔ میں تو خاصا امن پسند ہوں غیروں کو رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا تم تو پھر بھی میری ایک عزیزہ ہو۔"

وہ مسکرایا...... پھر بولا۔ "کبھی تم نے مجھے سوچنے کی سمجھنے کی کوشش کی گوہر۔" وہ اس کی آواز کا منتظر تھا۔

"اس کی فرصت ملی ہی نہیں' آپ کے بارے میں اتنا کچھ سن لیا کہ......"

"کہ مشورہ دینے قائم کرنے کو کافی رہا...... ویسے ایک بات کہوں۔"

"جی فرمائیے!" اس کی بات کاٹنے پر وہ چونک گئی۔

"...بزرگ ادب اور لحاظ کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ ہم اتنی بھی بزرگ قسم کی چیز نہیں ہیں اور اگر یہ شائستگی طنزیہ ...ہے تو ہم اس کے سزاوار ہرگز نہیں ہیں۔ وہاں میں پوچھ رہا تھا یہ عنایت جمال والا سارا چکر ہے ...بڑے ملتے لیے گئے ہمارے ساورہ وہ غریب مزارعوں کی بیٹیاں۔ گوہر میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہوتا رہا۔

"...مجھے بتا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے ذہن میں کیونکر آیا؟"

"...بہت ضروری ہے کیا؟"

"...بلکہ یقیناً۔"

"...ہے یہ فیصلہ میرے ذہن نے سوچ بچار کے بعد قائم کی ہو۔"

"...سنے ایک بار ممکن۔"

"...مثلاً؟"

"...بس یہ کہ پہلے پہل کی دو چار مختصر ملاقاتوں میں تمہاری آنکھوں میں میرے لیے ایسے۔" گوہر نے اس ...بات کاٹ دی۔

"...بے شک میری عمر تجربے سے خالی سہی' میری قابلیت مشکوک سہی...... شاید ایسا ہو' کہ نا تجربہ کاری اور عدم ...بیت نے ہی میری سوچوں کو یہ رنگ دیا ہو۔ لیکن...... میں نے یہ فیصلہ از خود کیا تھا۔"

"میں نہیں مان سکتا کہ تم نے یہ فیصلہ از خود کیا تھا۔ ہاں اپنا فیصلہ از خود واپس ضرور لیا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ یقین ...نہ تھا۔

"...گوہر۔ اگر تم نے اس رشتے کو قبول کر لیا ہے تو میں تمہارا رفیق سفر ہوں۔ ہم دونوں کے معاملے آج کے بعد ...الگ الگ نہیں رہیں گے۔ ہم دونوں کے دوست اور دشمن بھی مشترک ہوں گے۔ یہ منگنی جو نہ میری اور نہ تمہاری ...پسند ہوئی جو سراسر بزرگوں کا فیصلہ ہے۔ بلکہ میرے ناقص خیال میں خدا کا فیصلہ ہے۔ یہ منگنی تو تقریب ...ملاقات ہے۔ شاید اس محبت اور چاہت کو بھی شکل دینے کا ایک بہانہ ہے جو میرے دل میں روز اول تمہارے ...پیدا ہوئی تھی۔ سچ بتاؤ کہ کیا تم نے اس رشتے کو دل سے نہیں مانا تھا۔ تمہیں میرے نام کی انگوٹھی پہن کر کوئی ...خوشی نہیں ہوئی تھی؟"

"...خوشی تو خوشی' اس خوشی کو محسوس کرنے کا وقت بھی نہیں ملا' چاروں طرف سے آپ پر الزامات کی بوچھاڑ ہی کی ...میرے سامنے۔ میں نے تو یقین کر لیا تھا کہ آپ واقعی وہی کچھ ہیں جو یہ سب لوگ بتا رہے ہیں اور...... ...اور عذرا کو میں نے دو بار آپ کے ساتھ دیکھا بھی تھا' ان افواہوں کا اعتبار کیسے نہ کرتی۔"

"...گوہر! آخر تم بتا کیوں نہیں دیتیں کہ یہ خرافات کس نے تمہارے ذہن میں ڈالیں؟ کون ہے وہ میرا ...بدخواہ؟"

"...بتانا ضروری نہیں...... لیکن یہ بتانا ضروری...... ہے شبیر عسکری! کہ میں نے کسی پر آنکھیں بند کر کے بھروسا ...کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ فیصلہ ہی کیا؟ یہ شاید میری فطرت میں شامل ہے' خوبی ہے یا خرابی ہے اتنی سی بات کہ ...میں کسی پر بھی اتنی جلد بھروسا نہیں کرتی۔ اپنے ذہن و دل کی بات مانتی ہوں۔ مگر ان پہ بھی تو بھروسا آپ پر بھی ...نہیں کر رہی ہیں۔ پھر بھی آپ کی طرف سے پہنائی گئی انگوٹھی میرے ہاتھ میں موجود رہے گی' جب تک آپ نے خود ...میرا رشتہ منظور کیا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ آپ میرے رفیق سفر نہیں صرف امیدوار ہیں رفاقت کے۔ آپ ...اس کے قابل ہیں یا نہیں' اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔ میں جانتی ہوں زندگی کسی ایک ادا اس شے کا نام نہیں جسے

مصلحتوں کی خاطر کسی غیر معتبر آدمی کے ساتھ گزار دیا جائے۔ آپ اگر یہ سوچتے ہیں کہ چند ملاقاتوں نے میرے دل میں آپ کے لیے پسندیدگی ابھار دی ہے تو آپ غلطی پر ہیں۔ آپ چہرے مہرے سے ایک خوش شکل، خوبصورت انسان ہیں۔ جسے ہر دیکھنے والا پسند کر سکتا ہے کہ حسن انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ آپ کا کردار میری نگاہ میں اس وقت تک مشکوک ہے جب تک میرا دل مطمئن نہ ہو جائے۔ رہا آپ کا اخلاق، وہ ابھی میں نے دیکھا نہیں۔ بالکل اسی طرح آپ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ آپ میرے کردار اور اخلاق کے بارے میں مکمل تحقیق کریں آپ کا بھی ایک معیار ہوگا۔ انسان کو پرکھنے کا۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کے مقرر کردہ معیار پر پورے نہیں اترتے تو ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم رفاقت کے حسین دھوکے سے صاف بچ جائیں آپ کے کردار کو شک کی دلدل سے نکالنے کے لیے ایک ہی بات کافی رہے گی۔ اس کا فیصلہ لوگ نہیں میرے دل و دماغ کریں گے۔ ہاں ایک بات کے لیے معذرت خواہ ہوں کہ میں نے عذرا بنت جمال سے آپ کے رشتے کو بڑے غلط انداز میں سوچا۔ اس بات نے مجھے یہ سبق دیا کہ نظر آنے والی چیزیں ہمیں غلط انداز میں بھی ثبوت مہیا کر سکتی ہیں۔ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کانوں سے سننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اپنی اس حرکت پر میں نادم نہیں ہوں کہ..... میں۔ میں نے کانوں سے جو باتیں سنی تھیں، وہ دوسروں کی کہی ہوئی نہیں..... آپ کی کہی ہوئی تھیں۔"

ٹھوس بلکہ تلخ قسم کی اس گفتگو نے شبیر کے دل پر ایک بوجھ لا ڈالا۔ جبکہ وہ اس وقت خوشی کے اس عالم میں گوہر سے بھی اچھی اچھی باتیں کرنا چاہتا تھا۔

"گوہر بیگم! میں نے بھی آپ کے آگے ہاتھ نہیں جوڑے کہ آپ آنکھیں بند کر کے زندگی کا سفر طے کرنے کے لیے میرا ہاتھ تھام لیں۔ آپ کو ہر قسم کا حق حاصل ہے۔ جو جی چاہے کیجیے گا۔ مجھے بھی خوشی ہوگی کہ آپ نے میرا ہاتھ بزرگوں کی خواہش کے احترام میں نہیں بلکہ مجھے اپنے لیے معتبر پا کر تھاما ہے۔"

"اور کچھ.....؟"

"جی نہیں..... آپ نے کسر ہی کب چھوڑی ہے۔"

جواب میں وہ خاموش رہی۔

شبیر نے خدا حافظ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بہت سی خوشیوں پر گوہر کی سنگدلی اور صاف گوئی غالب آ گئی۔ انتہائی خراب مزاج کے ساتھ وہ لاہور کے لیے عازم سفر ہوا۔ سٹیشن پر عدی اسے ریسیو کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ لیکن انتہائی غصے کے عالم میں۔

"کیا بات ہے عدی؟ ایسے ہی غصے میں تھے تو اپنے کمرے میں بیٹھ کر منہ بگاڑتے رہتے، اسٹیشن کیوں آ گئے؟"

"بکو مت....." اس نے جھڑکا۔

"کیا مطلب؟"

"دیکھو..... دیکھو شبیر عسکری..... اگر تمہیں پڑھنا ہے تو ان سب دو رخ دھندوں میں مت الجھو..... اور اگر سیاست دانوں کا مداری پن کافی ہے تو پھر عبداللہ پور سے ہو رہو... ان کے مسائل حل کرتے رہو۔ پڑھنے پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے کیریئر بن جائے گا۔ ویسے تو یہ ساری حرکات نام و نمود کے شوق کے

"..... ہنسی کیوں کر رہے ہو؟" شبیر مسکرا دیا۔ مگر خاموش رہا۔

"... ہو چکے۔ مسکرانے کی کیا تک ہے۔ پتا ہے تمہیں، کتنی اہم کلاسز کتنے ضروری لیکچرز مس کر دیے ہیں تم نے۔"

"تم جو بیٹھے تھے یار میرے۔ ہمیں کاہے کی فکر..... تم نے سنا، ہم نے سن لیا۔ تم نے پڑھا، ہم نے پڑھ لیا۔"

"بہت دو، کہہ دو..... تم نے امتحان دیا، ہم نے دے لیا۔ تم نے ڈگری لی، ہم نے لے لی۔ الو کی دم، مجھ میں اور تم میں فرق ہے۔"

"زیادہ اکڑنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے اور میرے پچھلے تعلیمی ریکارڈ کو فرصت میں دیکھ لینا۔" شبیر نے بھی اکڑ مانی۔

"یہی زعم لے ڈوبے گا کسی دن۔ چلو جی ٹھیک ہے، کیا ضرورت ہے آپ کو مغز ماری کی۔ آپ شوق سے ملک و ملت کا غم کھائیے۔ ہم پڑھیں گے۔" عدی نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکی۔

"تم جیسے بد مزاج آدمی سے بات تو نہیں کرنا چاہیے لیکن بتانا پڑ رہا ہے۔ کل شام ڈیڈی کا فون آیا تھا۔"

"اچھا کیا کہا ڈیڈی نے؟"

"کہہ رہے تھے شبیر سے کہہ دینا، بے شک ہم رہنمائی کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ابھی وہ رہنمائی کے لیے بہت چھوٹا ہے۔ نامکمل اور ادھورا ہے۔ پہلے تعلیم پھر کوئی اور بات۔ چھوٹی چھوٹی سیاسی دشمنیاں آدمی کے مستقبل پر بری طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں اور معاملات میں یوں براہ راست ملوث ہو جانا اچھا نہیں ہوتا اور اگر شبیر نے میری بات نہ مانی تو میں خفا ہو جاؤں گا۔"

شبیر خاموش ہو گیا۔ جمال احمد کی بات کو وہ پتھر پر لکیر سمجھتا تھا اور ان کا ہر حکم ماننے میں اپنی عافیت بھی۔

"اور کیا کہا؟"

"اور یہ کہ مجھے تم جیسے سر پھرے باغی کی ہر دم حفاظت کرنی چاہیے۔" شبیر نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ اس غرض کے لیے تحریری ہدایت نامہ بھجوا دیں تاکہ تاج دشمن عناصر کی غلط انداز نظروں سے محفوظ رہا جا سکے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں عدی۔ میں خود کو اسٹڈی کے لیے وقف کر دوں گا۔ تم دیکھ لینا عدی! شبیر وعدہ کیسے نبھاتا ہے۔ کتنی ایمانداری سے۔"

"خدا کرے کہ تم وعدہ نبھا سکو۔"

شبیر نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دلنواز اپنے آفس میں دفتری مصروفیات میں گم تھے۔ آج کل گھر میں ان کی ہمشیرہ صفیہ اور ان کے شوہر محسنین کی آمد اور پھر ایک نازک ترین مسئلے کا الجھاؤ ان کے لیے پریشانی کا سبب بنے ہوئے تھے۔ دلنواز صاحب اپنے خاندان کی ایک غیر متنازعہ شخصیت تھے۔ یہ انعام بعض لوگوں کو قدرت کی طرف سے ملتا ہے کہ اپنے ان پر اعتماد کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں۔ وہ ڈھیر ساری مثبت عادات کا چلتا پھرتا مجموعہ تھے۔ اپنے جاگیردار والد سے بالکل متضاد۔ بچپن سے ہی تعلیم کی غرض سے لاہور بھیج دیے گئے۔ ایف۔ اے کے بعد انہیں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بی۔ اے۔ سی۔ ایس۔ ایس کا امتحان دے کر کچھ عرصے کے لیے گھر واپس آئے تو

گھریلو سیاست سے بالکل علیحدہ رہے۔ بلکہ وہ زمانہ انہوں نے شہر کی سرکاری لائبریری میں موجود کتابیں پڑھ کر گزار دیا۔ پوسٹ مل جانے پر گھر سے دور جو رہے تو پھر پلٹ کر نہ آ سکے۔ خوش قسمتی سے شادی اپنی مرضی کی نہ ہونے کے باوجود انہیں ایک اچھی بیوی ملی جس نے انہیں معاشرتی میدان میں اپنی بہترین شخصیت کو ابھارنے میں غیر ارادی طور پر مدد دی۔ ان کی ذات کو استحکام دیا۔ اس زمانے میں وہ طالب علم تھے۔ جب شاہنواز لندن سے واپسی پر ایک عدد بیوی بھی ساتھ لے آئے اور گھر بھر کے غصے کا نشانہ بنے۔ دلنواز نے یہ خبر ہوسٹل میں سنی تھی غصے اور دکھ سے ملے جلے احساسات نے انہیں بھی خاصا متاثر کیا۔ لیکن وہ ایک پریکٹیکل انسان تھے۔ کسی چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ بہت سوچ بچار کے بعد دیتے تھے۔

شاہنواز کے اور ان کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ان دونوں بھائیوں میں کبھی بنی نہیں۔ نہ ہی بے تکلفی کی فضا پیدا ہوئی۔

شاہنواز خاندانی جاگیردارانہ مزاج کے حامل تھے۔ دلنواز شخصیت کو اہمیت دیتے تھے خواہ وہ کتنا ہی مفلس اور بے مایہ انسان کیوں نہ ہو۔ انہیں انسانی اقدار کا بے حد پاس تھا۔ پھر شاہنواز نے اپنی زندگی کی عمارت کچھ اس انداز سے اٹھائی تھی کہ دلنواز وہاں تک پہنچنا تو دور کی بات دیکھنے کی ہمت بھی نہ کر سکے تھے۔ شاہنواز کا یہ اقدام بھی انہیں بالکل نہ بھایا تھا۔ گھر آئے تو گھر کی فضاؤں میں موجود تکدر نے انہیں آنے والی زندگی یعنی اپنی بھابی سے دور ہی رکھا۔

ایک شام از روئے اتفاق وہ باغ میں نظر آ گئی۔ گلابی رنگ کے شلوار سوٹ اور بڑے سارے دوپٹے میں! دلنواز اس انداز کو بناوٹ ہی سمجھے اور منہ پھیر کر اندر جانے لگے کہ اس نے مخاطب کر لیا۔

"تو آپ ہیں مسٹر دلنواز عسکری۔ ایم۔اے فائنل کے اسٹوڈنٹ۔"

"جی...... جی ہاں۔"

"بڑے دنوں سے سن رہی تھی آپ کا نام۔"

"میرا نام......اس گھر میں کسی کو اتنی فرصت ہے تو نہیں۔"

"کیوں نہیں ہے غفور آپ کو ہر دم یاد رکھتا ہے۔ اکثر آپ کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ آپ دیکھنے میں اتنے ہی اچھے ہیں جتنا غفور نے بتایا تھا۔ دلنواز! کیا باقی گھر والوں کی طرح آپ بھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں جو اتنے دنوں سے گھر میں موجود رہ کر بھی آپ نے مجھ سے ملنا گوارا نہ کیا؟"

"دیکھیے خاتون! محبت اور نفرت دونوں جذبے بلا کسی سبب پیدا نہیں ہو جاتے۔ دونوں کے لیے کوئی سبب چاہیے۔ میں بتا دیجیے آپ سے نفرت کرنے لگا۔ آخر کیوں اور کس لیے؟"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں مسز شاہنواز ہوں۔"

"یہ ہی کیا یہ بتانا بھی ضروری نہیں کہ آپ مسز شاہنواز کیوں ہیں۔" دلنواز مسکرائے تو وہ بھی مسکرا دی۔

انہوں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی۔ کیسے آئی۔ کیوں آئی۔ لیکن وہ چار ملاقاتوں میں اسے جان اور پہچان گئے وہ بہت سی مشرقی لڑکیوں سے کہیں بہتر ایک لڑکی تھی۔ یہ لڑکیاں اس سبب مسلمان تھیں کہ مسلمان گھر میں پیدا ہوئیں اور وہ مسلمان ہوئی تھی اس مذہب کو فلاح و اصلاح کا منبع جان کر۔ اسے شاہنواز سے کم اور مذہب سے محبت زیادہ تھی۔ وہ ان کی رفاقت سے زیادہ ایک اسلامی مملکت میں رہنے پر پرجوش تھی۔

اس گھر میں اس کا واحد دوست ان کا خاندانی ملازم غفور تھا۔ جو اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں اس کی باتوں کا [illegible]

دلاسہ دے کر بھی اسے مطمئن کر دیتا تھا۔ وہ دو چار دن سرمائی چھٹیوں کے سبب دلنواز کو اس گھر میں گزارنا پڑے۔ وہ سارے دن انہوں نے اپنی اس نومسلم بھابی کے ساتھ علم و ادب اور مذہب پر بات چیت میں گزار دیے اور ان کے پاس علم میں جو کچھ تھا۔ وہ انہوں نے کنیز فاطمہ کے اندر منتقل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

جب وہ لاہور واپس آ گئے تو ان کے ذہن میں کنیز فاطمہ کی شخصیت کا خاکہ بہت اچھے انداز میں اجاگر ہو چکا تھا۔ حالات نے کئی کروٹیں لیں۔ دوسری بار جب دلنواز گھر گئے تو اہل خانہ کی گفتگو کا موضوع شاہنواز کے گھر ہونے والا بچہ، ان کی دوسری شادی سعیدہ بیگم سے ان کی محبت اور...... اور کنیز فاطمہ کی موت ہی تھے۔

وہ حیران و ششدر شاہنواز کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ جو خوش باش بیٹھے سعیدہ بیگم کے ساتھ مل کر قہقہے لگا رہے تھے۔ ہنس بول رہے تھے۔ بہت سی باتیں مقدس یادوں کی طرح دل کے نہاں خانوں میں چھپی رہتی ہیں کنیز بھی ایسی ایک یاد تھی۔ شاہنواز نے شبیر کو جو اس وقت نومولود تھا۔ کسی نامعلوم نرسری میں بھجوا دیا تھا۔ جانے کس سبب۔ شاید سعیدہ بیگم کے کہنے پر کہ وہ شبیر کو اس خاندان کی تاریخ سے نکال دینا چاہتی تھیں۔

پھر کئی سالوں بعد جب دلنواز کی شادی بھی ہو گئی وہ بیرون ملک چلے گئے۔ دلنواز کو اپنی مصروف زندگی سے اتنا وقت مل ہی نہ سکا اور جب شبیر ان کے سامنے آیا۔ تو انہیں بہت اچھا لگا۔ بلکہ ابھی اسے صرف سنا ہی تھا کہ وہ بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ دیکھا تو چاہت و محبت کا رنگ گہرا ہو گیا۔

آج وہ آفس میں بھی اس پریشانی سے نجات نہیں پا سکے تھے۔ سعیدہ بیگم کی مخالفت کی ساری کہانی ان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شبیر خاندانیت کے اس شجر سے وابستہ رہے۔ اپنوں کے دل میں جگہ پائے اور عاصم حسنین اس فلسفے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

تازہ ترین بات نے تو جلتی پر تیل ڈال دیا تھا۔ خود صفیہ آپا بھی بھڑک اٹھی تھیں۔ شبیر کی یہاں عدم موجودگی ان کے خلاف جا رہی تھی لیکن دلنواز ہر بات کو حقائق کی نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی چھٹی کی درخواست لکھی۔

اور دوسرے دن عبداللہ پور جانے کا پروگرام بنا کر گھر آ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"حد کرتے ہیں دلنواز بھی۔ یا الٰہی بالا کہاں چلے گئے۔ انہیں خبر نہیں ہم صرف ان کی خاطر یہاں رکے ہوئے ہیں ورنہ گھر پہ بچی اکیلی ہے۔" دوسرے دن صبح دلنواز کی روانگی کی اطلاع پر عاصم خفا ہو گئے۔ چچی جان بھی وہیں موجود تھیں۔

"دلہن! تمہیں بھی خبر نہیں دلنواز کے جانے کی۔"

"چچی جان! مجھے جھوٹ بول کے کیا لینا تھا۔ ابھی میں بستر میں ہی تھی کہ وہ گاڑی اور ڈرائیور سمیت غائب تھے۔"

"ہمیں کہہ دیتا ہم چلے جاتے دونوں گھر تو نہ چھوڑ جاتا۔" صفیہ نے خفگی کا اظہار کیا۔

"آپ کمال کرتی ہیں صفیہ آپا۔ آپ کے سبب انہیں گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی ضروری کام سے ہی گئے ہوں گے۔ آ جائیں گے۔"

"تو کیا عاصم سارا کاروبار چھوڑ کے ان کے انتظار میں یہاں بیٹھے رہیں گے۔" چچی جان نے جھٹ کہا۔

"بی بی! آخر وہ اتنی دور سے آئے ہیں۔ گھر بار کاروبار سب چھوڑ چھاڑ تفریح کرنے تو نہیں آئے ضروری کام

سے ہی آئے ہیں۔"

"چچی اماں! آپ تو بس یونہی بات لے کے بیٹھ جاتی ہیں۔ آپا کسی غیر کے گھر میں نہیں ہیں ان کے بھائی کا گھر ہے۔ کاروبار چلتے ہی رہتے ہیں۔ عاصم بھائی ایک دو دن اور رہ جائیں گے تو کوئی فرق نہ پڑے گا۔ دلنواز اتنے غیر ذمہ دار ہرگز نہیں ہیں۔"

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ کاظم وہیں آ گئے ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بچے بھی تھے۔

"توبہ ہے بھابی! جو آپ نے خود سے ہمارے گھر قدم بھی رکھا ہوا۔" کاظم کی بیگم نے صفیہ بیگم سے گلے ملتے ہوئے شکوہ کیا۔

"آج میں نے زبردستی ان کی چھٹی کرائی اور یہاں گھسیٹ لائی۔ بچے بھی مایوس ہو چکے تھے بھائی جان آپ ہی آ جاتے بھابی کو ان کے دلارے بھائی کے ہاں رہنے دیتے۔"

عاصم ہنس دیے۔

"ایک تو تم عورتیں بہت جلد ذاتیات پر اتر آتی ہو۔ اس کا کیا علاج کیا جائے۔" کاظم نے بیوی کو مخاطب کیا۔

"ذاتیات کا کیا سوال ہے بھابی نے خود ہی فرق واضح کیا ہے۔ سالوں میں آئی ہیں اور میکے کی ہو کر رہ گئی ہیں۔"

"نہیں بھابی سارہ ایسی کوئی بات نہیں تھی حالات ہی کچھ ایسے تھے یہاں رکے بنا چارہ ہی نہ تھا۔" عاصم حسنین نے وضاحت کی۔

"خیریت بھائی جان؟ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہم لوگ وہاں سے آئے ہیں۔ ایسی کیا بات ہو گئی۔ اچانک کیسے آ گئے؟"

"کیا بتاؤں کاظم! لوگوں نے اپنی باتوں سے ہمارا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ سعیدہ بھابی ہی سکون کی سانس نہیں لینے دے رہیں۔ شبیر میں سو طرح کے عیب انہوں نے میرے سامنے نکال کے رکھ دیے۔ میں بیٹی کا باپ ہوں کاظم۔ کیسے گوارا کر لوں کیسے آنکھیں بند کر لوں۔ مجھے دلنواز کے پاس آنا ہی تھا۔ جس کے کہنے پر میں نے یہ رشتہ قبول کر لیا تھا۔"

"کیا کہا سعیدہ بھابی نے؟" کاظم نے فوراً پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو کہ کیا نہیں کہا۔ دلنواز نے تو اس معاملے میں کوئی دلچسپی لی ہی نہیں۔ غور سے میری بات بھی نہیں سنی۔ ان کی نظر میں یہ منگنی کسی گڈے اور گڑیا کی شادی سے زیادہ اہم نہ ہوگی لیکن میری زندگی کا معاملہ ہے کاظم۔ بیٹیاں اپنے گھروں میں خوش نہ ہوں تو ماں باپ چین سے نہیں رہ سکتے۔"

"بھائی جان! آپ کی بات بالکل درست ہے۔ لیکن ایسی بھی کیا آن پڑی۔"

"شبیر تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ بہت ہی اچھا اور ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے۔ شادی ہونے میں کچھ عرصہ باقی ہے۔ آپ ابھی سے فکر لگا کے بیٹھ گئے ہیں۔"

سارہ نے شبیر کی وکالت کی۔ وہ ایک دو بار ان کے ہاں آیا تھا انہیں بہت پسند آیا تھا۔

"بھابی سارہ کردار کی عمارت تو بچپن سے ہی تعمیر ہونا شروع ہوتی ہے۔ جوانی تک پختہ اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ پڑھ لکھ کر فارغ ہو کر وہ افسر تو بن سکتا ہے اچھا انسان نہیں۔ جو بچپن سے بنتا تھا بن گیا۔ ہوسٹل کی زندگی میں وہ اور بنا بھی کیا۔"

"بھائی جان! آپ شاید غلط کہہ رہے ہیں۔ میں نے اپنی عمر کا کچھ حصہ اور دلنواز نے سارے تعلیمی سال ہوسٹل میں گزارے ہیں۔"

"کردار کی تعمیر میں خون بھی بہت سا کام کرتا ہے۔ نجیب الطرفین بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ آخر وہ شاہنواز کا بیٹا ہے پھر اس کی ماں۔"

"بھائی جان! آپ یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ عرصہ گزر گیا میں نے آپ کے لبوں سے کنیز فاطمہ کی خوبیاں سن کر دل میں ان کی شرافت و عظمت کا ایک دلکش بت کھڑا کر لیا تھا اور شبیر کو بھی اسی زاویے سے دیکھتا ہوں۔ دیکھا جائے تو بھائی شاہنواز میں بھی سوائے بے پروائی اور غیر مستقل مزاجی کے اور کوئی عیب نہیں۔"

کاظم نے ان کی بات کاٹ کر کہنا شروع کر دیا۔

"شبیر ہمارے خاندان کا بچہ ہے ہم سب اس کے بزرگ ہیں۔ الٹی سیدھی باتوں کے لیے ہم اس سے بات کر سکتے ہیں۔ وضاحت لے سکتے ہیں اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دے سکتے ہیں۔ ایسی باتیں تو ہم نے بھی سنی ہیں۔ ہمیں بھی بتائی گئی ہیں لیکن ہم نے تو آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کیا مطعون و ملزوم شخص کا بھی کچھ حق ہے۔" کاظم کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"ہم کوئی دشمن تھوڑا ہی تھے کہ بنا سوچے..... کچھ دیکھ کے ہی فیصلہ کیا تھا۔" چچی جان کو بھی موقع مل گیا۔

آمنہ یعنی بیگم دلنواز نے بھی موقع غنیمت جانا۔

"اس کا بلانا کیا مشکل ہے۔ میں تو تین دن سے برابر اسے فون کر رہی ہوں۔ آج وہ آ جائے گا بلا لیں گے سب بات صاف ہو جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ ہم بھی یہیں رک جاتے ہیں۔ سب کے سامنے ہی فیصلہ ہو جائے گا۔" کاظم نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" عاصم نیم رضامند ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے دھندلکے چاروں طرف پھیل چکے تھے۔ جب شبیر نے دلنواز کے گھر میں قدم رکھا۔ آمنہ خاتون اسے فون کرنے کے بعد سے اس کی منتظر تھیں۔ باقی اہل خانہ اپنے مہمانوں سمیت ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ چچی آمنہ خاتون باہر لان میں اسے مل گئیں۔

"آؤ شبیر..... بڑی شدومد سے تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ ابھی سے بڑے آدمی مت بنو۔ فون پہ بے حد مشکل سے غائب ہو سکتے ہو۔"

"آئی ایم سوری چچی جان..... کئی دن غیر حاضر رہا تھا۔ آج سہ پہر کا سارا وقت لائبریری میں گزار دیا۔"

"یہ سارا چکر کیا ہے؟ عاصم کو اس حد تک بھڑکایا ہے سعیدہ بھابی نے کہ وہ تمہارا نام لینا پسند نہیں کرتے تھے جب یہاں آئے تھے۔"

"ممانی نے..... مگر وہ کیوں؟" وہ حیران تھا۔

"وہی لڑکیوں والا قصہ..... عذرا بنت جمال کا ذکر جمال احمد صاحب اور ان کی بیگم کی حکایت اور بھی بہت کچھ۔"

"اوہ..... تو گویا یہ سارا جال ان کا ہی پھیلایا ہوا ہے۔" شبیر سنتے ہی مسکرا گئے۔ وہ گوہر کی باتیں یاد کرنے لگا۔

"چچی جان..... یہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں دیکھ رہی ہیں نا آپ..... یہ میں اسی لیے ساتھ لایا ہوں کہ آپ کی

موجودگی میں تو ہر بیگم کے والدین کو واپس کر دوں۔ اگر ضرورت پڑے تو......" اسے غصہ آ گیا۔

"بیٹا! یہ کیا کہہ رہے ہو۔ بنا سوچے سمجھے کوئی بات کہنا اچھا نہیں ہوتا۔"

"نہیں چچی جان...... میں نے یہ سب سوچ سمجھ کر ہی کہا ہے۔ آپ لوگوں نے از خود ایک فیصلہ کر دیا۔ میں نے سعادت مندی کے اظہار کے طور پر اسے قبول کر لیا۔ ورنہ مجھے تو ایسی خرافات کی ابھی ضرورت بھی نہ تھی۔ پھوپو جان کی بیٹی صاحبہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ بارہا فون پر مجھ سے تلخی کر چکی ہیں۔ میں نے اس بات کو بہت سنجیدگی سے نہیں لیا کہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے اپنی نا سمجھی اور نا پختگی کے سبب ایسی ویسی باتیں سوچ لیتے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔"

"لیکن شبیر! تم اپنی زبان سے انکار مت کرنا۔ نہ ہی انہیں انگوٹھی واپس دینا۔"

"چچی! زندگی اعتماد کے سہارے گزرتی ہے اور ان میں اور مجھ میں اعتماد کا رشتہ نہ بن سکا ہے۔ نہ قائم ہے۔"

"تم ابھی نادان ہو...... اور تمہیں بولنے کا حق کس نے دیا۔ ہم سب جو ہیں۔ تمہیں خبر ہے تمہارے چچا عبداللہ پڑ رہے ہیں۔ تمہارے خاطر ...... تم انہیں بے حد عزیز ہو شبیر...... کہہ رہے تھے اس سارے معاملے میں اگر شبیر بے قصور ہوا اور سعیدہ بھابی سازشی نکلیں تو وہ ان سے قطع تعلقات کر لیں گے۔ بھائی جان کو بھی صاف صاف سنا دیں گے۔"

"پاپا کا کوئی قصور نہیں چچی...... وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔"

"مت کرو اپنے باپ کی طرف داری۔ تم نہیں جانتے مرد ٹھیک ہوں تو عورتوں کی مجال نہیں کہ وہ ایسے جوڑ توڑ کر سکیں سعیدہ بھابی کو تمہاری راہ میں کانٹے بچھانے سے کیا ملے گا۔ ان کے اپنے بیٹے بھی ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔"

آمنہ کو بے حد ملال تھا۔ شبیر نے اپنے آپ کو بلکہ انہیں نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"چھوڑیے چچی...... وہ میری ماں ہیں۔ میں ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ ارے میں تو آپ کو اچھی اچھی باتیں سنانے کو بے تاب تھا۔ آپ یہ باتیں لے بیٹھیں۔"

"پہلے سب سے مل لو۔ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" وہ اسے اندر لے آئیں۔

عاصم حسنین اور کاظم ایک کونے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دوسری طرف خواتین تھیں۔

شبیر کو دیکھ کر صفیہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ بھی دروازے میں رک کر ایک ٹک انہیں دیکھنے لگا۔

سب لوگ ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"پھپھو بی۔" وہ کہہ اٹھا۔ ان کی طرف بڑھا۔ صفیہ بیگم نے اپنے بازو پھیلائے۔ شبیر ان کی طرف بڑھتے بڑھتے رک سا گیا۔ ان باتوں نے درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ پیدا کر دیا تھا۔ اس نے عاصم حسنین کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر نفرت نہ تھی محبت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ جھجک کر رہ گیا۔

"اوہ تو شبیر آیا ہے۔" عاصم کا انداز معنی خیز سا تھا۔

"السلام علیکم پھوپھا جان!"

"کیسے ہو بھئی؟ ٹھیک ٹھاک؟"

"جی ہاں......"

نواز سے کئی بار تمہارا پوچھا۔ پتا چلا کہ تم یہاں ہو ہی نہیں۔"

"میں گھر گیا تھا پھوپھا جان۔ آج ہی لوٹا ہوں۔ میرا مطلب ہے علی الصبح۔ آپ کیسے ہیں؟ پتا چلا تھا کہ آپ ...... آئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں ...... ہاں ...... بلنواز سے کچھ کام تھا۔" عاصم نے نظریں چرا لیں۔

"شبیر! ادھر بیٹھو......" کاظم نے اپنے ساتھ اس کے لیے جگہ بنائی۔

"میں پھوپھو سے مل لوں۔"

وہ خواتین کی طرف آ گیا۔ صفیہ بیگم نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر کے بھینچ لیا۔ ان کی آنکھیں جانے کیوں نم ہو گئیں۔ چچی جان نے دوسرے کے شبیر کی ٹیک آنکھوں سے لگائی۔

"میرے شبیر بیٹا آیا ہے۔ اتنے تو رہے بیٹا...... اے میں یہاں پڑھائی چھوڑ کر کیوں گئے؟ دشمنوں کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اب تو اس طرف قدم بھی نہ دھرنا...... وہ لوگ تمہارے ہمدرد تھوڑا ہیں۔ شاہنواز بھی کہاں سے ...... ہیں...... انہیں احساس ہوتا تو اتنے سے بچے کو سرکاری ادارے میں چھوڑ کر خود سعیدہ کو لے کر چلے جاتے سعیدہ تو ڈائن ہے۔ بچے کی خوشیوں کو نگلنا چاہتی ہے۔"

"چچی اماں! یہ کیا ذکر لے بیٹھیں آپ۔" آمنہ نے انہیں ٹوکا۔

"اے میں تو سچ کہے بنا نہیں رہ سکتی۔ نے کے اتنا بڑا الزام لگا دیا میرے بچے پر...... ایک ایک کو خبر کر دی شبیر کی...... شاہنواز کے آگے ڈال دی تو آمنہ کے کان بھرے۔ یہ عاصم تو کانوں کے کچے ہیں۔ ہم سے بات کرتیں سعیدہ تو آنے دال کا بھاؤ معلوم ہو۔"

عاصم اور کاظم بھی ادھر آ گئے۔

"ہم کانوں کے کچے نہیں ہیں چچی جان۔ ایسی باتوں پر تو خوف کھانا ہی ہے نا۔"

"اے خوف کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمی اپنی عقل سے کام لے۔ ذرا سوچے...... بجائے کان کو ہاتھ لگانے کے کتے کے پیچھے بھاگ پڑنا تو دانشمندی نہیں۔"

شبیر سر جھکائے سب کی سن رہا تھا۔

"میں بھی صرف آپ سے شاہنواز اور کاظم سے ہی اپنا دکھ بانٹنے آیا ہوں۔ اطمینان پانے آیا ہوں۔" عاصم نرم پڑ گئے۔

"تو ہماری مانو بھی۔ اے ہم تو ایک نظر میں دلوں کا حال جان لیتے ہیں۔ اپنی بچی کے لیے ہم نے کوئی ایسا ویسا لڑکا نہیں چنا...... تم دیکھ لینا شبیر ہر زمانے میں ایک اچھا انسان ثابت ہوگا۔ وہ آج بھی اچھا ہے اور آئندہ بھی اچھا رہے گا۔"

"کیا بات ہے پھپھو بی...... آپ سب مجھے کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں؟"

"مت کچھ پوچھ بیٹا...... جن کی مائیں بدقسمتی سے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ بچے بیچارے ایسے ہی دنیا کی ٹھوکروں میں رہتے ہیں۔" چچی جان رو پڑیں۔

"چچی جان! آپ تو بہت زیادہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ خدانخواستہ ایسا معاملہ ہمارے شبیر کے ساتھ کیوں ہو۔ میں بھائی جان کو سب کچھ بتا چکی ہوں جو میں نے شبیر سے سنا ہے وہ مطمئن ہیں۔ آپ ابھی کہے جا رہی ہیں۔"

"ہاں شبیر بیٹے! سعیدہ بھابی کی باتوں نے ہمارا چین دشمن چھین لیا۔ اب میں مطمئن ہوں۔ تمہاری کسی

وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے فون آیا تھا ڈی آئی جی صاحب کا۔ دلنواز سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ مجھ سے تعارف ہوا تو انہوں نے سب کچھ مجھے کہہ سنایا۔ میں سب جان گیا ہوں...... سب کچھ...... انہوں نے ایک پیغام تمہارے لیے بھی دیا تھا بیٹے...... کہ ابھی تمہیں صرف تعلیم کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ باقی مسائل زندگی بھر حل ہوتے رہیں گے۔"

"عاصم بھائی! آپ نے ہمیں تو بتایا نہیں۔" سارہ جلدی سے بولیں۔ "چلیے کسی کی بات کا یقین تو آپ نے کیا...... ظاہر ہے بابا پولیس کے ایک افسر اعلیٰ کی کی ہوئی تصدیق تھی۔ آپ یقین کیسے نہ کرتے۔ ہم تو ٹھہرے ایرے غیرے۔" کاظم نے شکوہ کیا۔

عاصم نے مسکرا کر شبیر کو مخاطب کیا۔

"بیٹے! ابھی اتنے بڑے بڑے کام اپنے ذمے نہ لو۔ بہت عمر پڑی ہے۔ معاشرہ ایسے انسانوں کو باغی کا نام دے دیتا ہے یہ معاشرہ رسم و رواج کی بھاری زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ زنجیریں اسے بہت عزیز ہیں۔ اس بوجھ کا عادی ہو گیا ہے...... ان زنجیروں کو بڑھانے کی بات کرو تو بگڑ اٹھتا ہے۔"

"چھوٹے جان کانٹوں بھری راہ پر ننگے پیر چل کے بھی میں انسانی فلاح کا کام کر سکتا ہوں۔ ظلم نہیں بھی ہوا سے روکنے کے لیے میرے ہاتھ آگے ضرور بڑھیں گے۔ آپ اسے میری کمزوری کہہ لیں۔ میرا جرم سمجھ لیں۔"

"بیٹے! یہ جرم ہرگز نہیں' کمزوری بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی' کم از کم اتنا سوچ لو کہ تمہاری تعلیم میں خلل پڑ سکتا ہے۔ اسٹڈی کا حرج ہو سکتا ہے۔"

"فکر نہ کریں۔ وہ کمی میں چند دنوں میں پوری کر لوں گا۔"

"تو ایسا کرو۔ پولیس کی نوکری کر لو۔ ڈی آئی جی صاحب بتا رہے تھے۔ انہوں نے تمہیں آفر بھی کی تھی۔ ٹھیک ہے نا۔"

شبیر عاصم حسنین کی بات سن کر ہنس دیا۔

"ہے تو ٹھیک مگر......"

"مگر کیا......؟"

"مجھے صرف انسپکٹر نہیں ایک ذمہ دار افسر بننا ہے۔"

اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

سب ہی اس گفتگو میں حصہ لینے لگے تھے۔ باتوں کا سلسلہ طویل ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ محفل کھانے کی میز تک جانے کے لیے برخاست کی گئی۔

دل صاف ہو گئے۔ سارا غبار اتر گیا۔ آئینے صاف شفاف نظر آنے لگے۔ کھانے کی میز پر بچوں نے اپنی دلچسپ باتیں بھی جاری رکھیں...... اور شرارتیں بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دلنواز تو جب لوٹتے سو لوٹتے۔ عاصم حسنین نے رخت سفر باندھ لیا اور گھر چل دیے۔ تین گھنٹوں میں وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ماموں بھانجی مزے مزے کی باتیں کر رہے ہیں۔ گوہر تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی ہے اور دلنواز اخبار ہاتھ میں لیے سرسری نظر اخبار پر ڈالتے اس سے گپ کر رہے ہیں۔ دروازہ کھلا تھا۔ عاصم اور

منیبہ اندر آ گئے۔

"یہ خوب رہی میاں......!"

دلنواز نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ گوہر نے دونوں کو آداب کہا۔

"ارے بھائی صاحب آپ۔"

"اچھا کیا تم نے دلنواز ہمیں گھر میں چھوڑ کر خود ادھر آ گئے۔"

"آپ کو میرا خیال نہیں تھا اماں...... ماموں جان کو تو تھا۔ بابا اور آپ تو مجھے یہاں چھوڑ کر بھول گئے۔"

"ارے بھائی آتے۔ سو بار آتے لیکن ایسی راز داری کی کیا ضرورت تھی۔ ہم منع تھوڑی کرتے۔ دو دن آمنہ بھابھی نے زبردستی روک کے رکھا...... تیسرے دن ہمیں آنا ہی پڑا۔ خبر ہوتی کہ تم یہاں ہو تو ہم اسے تو ناراض نہ کرتے۔ کچھ روز اور رہ لیتے۔"

"تو اب چلے جایئے' روکا کس نے ہے بلکہ میں جا رہا ہوں آپ میرے ساتھ چلے چلیے۔" گوہر دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے۔ آنا جانا لگا ہی رہے۔ ہم وہاں جائیں تم یہاں آؤ...... ہمارے یہاں پہنچتے ہی تم چل پڑو تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیں۔" گوہر کو سلام آداب کا موقع ہی نہ ملا۔

"ویسے ابھی میں جانے کا نہیں۔" انہوں نے اطمینان سے کہا۔

"ابھی ابھی تو آئے ہیں ماموں جان۔ چائے تک نہیں پی۔"

"کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"کچھ نہ پوچھیے کہ کہاں کہاں گیا۔ ویسے فی الوقت تو اپنی پیاری بھابھی جان کے ہاں سے زبردست قسم کے ناشتے کے بعد ادھر آیا ہوں۔ ناشتے کے ساتھ ہی مزے مزے کی باتیں بھی سننے کو ملیں۔ بھئی یہ بھابھی جان بھی خوب ہیں۔ باتوں کا ہنر کوئی ان سے سیکھے۔ اگر یہ سیاسی لیڈر ہوتیں تو مخالف کے بخیے بڑی خوب صورتی سے ادھیڑ تیں۔ میں نے مان لیا ان کی شیریں زبانی کو ان کی خود اعتمادی کو لہجے کی ٹھنڈک کو۔"

"ماموں جان! آپ بڑے خوش نظر آ رہے ہیں۔" گوہر نے کہا۔

"راز کی بات ہے بیٹا!" وہ اخبار ایک طرف رکھ چکے تھے۔

"شاہنواز بھی ملے تم سے۔"

"نہیں' ابھی تو وہ غیر ملکی دورہ ختم کر کے واپس نہیں آ سکے۔ ہاں ان کے بیٹے بیٹیاں تھیں اور غفور بابا تھے۔ بے چارے اس عمر تک خدمت کیے جا رہے ہیں بھائی جان کی۔ آپا! یہ وفاداری بھی بڑی خانہ خراب قسم کی شے ہے۔ میں تو حیران ہوں...... غفور بابا ان سب کو برداشت کیسے کیے جا رہے ہیں۔ بچوں کی طرح پورے گھر میں دوڑاتی ہیں انہیں بھابھی...... لاحول ولا۔ اب تو انہیں چاہیے کہ اپنے گھر لوٹ جائیں۔" دلنواز کانوں کو ہاتھ لگا رہے تھے۔

"سرکاری ملازمین کو میں نے ایک دن بھی گھر پر مامور نہیں کیا۔ حالانکہ یہ ایک رواج بن چکا ہے۔ دو تین گھریلو ملازم ہیں تو آمنہ مجھ سے زیادہ خوف خدا رکھتی ہیں۔ ہمارے بچے اپنے ملازموں کی بھی عزت کرتے ہیں۔" وہ گوہر کو بتا رہے تھے۔

"اچھا بھئی' تم گوہر سے باتیں کرو۔ میں ذرا کپڑے وغیرہ بدل لوں۔" عاصم اٹھ گئے۔

صفیہ سینڈل اتار کر وہیں تخت پر سیدھی ہو بیٹھیں۔

"آپ کیا کھائیے گا ماموں جان دوپہر کے کھانے میں۔"

"بھئی مدت گزری تمہاری اماں بنایا کرتی تھیں۔ قیمہ پیاز..... میں ہوسٹل سے آتا تو فرمائش کر کے پکوایا کرتا تھا۔ اگر آج بھی۔ بنا سکیں تو..... اور سنا ہے تم کباب بہت اچھے بناتی ہو۔ تم سے تو آرڈر پر بھی بنوائے جا سکتے ہیں۔ کبابوں کے ساتھ مٹر پلاؤ تو ویسے بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سویٹ ڈش کے طور پر گوبھی کا حلوہ ہو جائے تو کیا کہنے۔"

"اے میں قربان..... آج پہلی مرتبہ بھائی نے کھانے پینے کی خواہش کی ہے ابھی جا رہی ہوں باورچی خانے میں۔ یہ گوہر کیا بنائے گی کباب..... اتنے دن تمہاری دلہن نے پلنگ سے اترنے نہیں دیا۔ آج سارا کام میں خود کروں گی۔ گوری تم اپنے ماموں کو اندر لے جاؤ۔ آج کل کا موسم بھی عجیب موسم ہے۔ نہ دھوپ اچھی نہ سایہ..... اپنے کمرے میں جا بیٹھو..... تمہارے بابا بھی وہیں آ جائیں گے۔ کھانے کے وقت بلوا لوں گی تم لوگوں کو۔"

"چلیے ماموں جان!"

گوہر سب کچھ چھوڑ چھاڑ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واہ واہ گوہر..... تمہارے کمرے میں آ کر گمان ہوتے لگا ہے جیسے بھول کر کسی علامہ کے کمرے میں آ گئے ہوں۔ ہر طرف کتابیں، قلم کا پیاں..... کاغذ۔"

"ماموں آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یہ کمرا نہ ہو کوئی کباڑ خانہ ہو۔ دیکھیے تو سہی کیسی ترتیب اور نفاست ہے کتابیں، کاغذ، قلم ہر شے اپنی جگہ پر ہے۔ آپ نے اگر لاہور جا کر اس انداز میں ذکر کیا تو میرے کزنز مجھے کوئی خبطی سا شاعر سمجھ لیں گے یا کوئی دیوانہ مصور....."

"ارے یہ اتنی بڑی الماری کتابوں سے بھری ہے۔ دیکھ سکتا ہوں کہ اس میں کیسی کتابیں ہیں۔" انہوں نے گوہر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھ کے گئے اور الماری کھول لی۔

"اوہ مس گوہر عاصم! یہ انگریزی ادب بھی آپ پڑھتی ہیں!" انہوں نے مصنوعی حیرانی سے آنکھیں کھولیں۔

"جی ہاں انگریزی کی مس زرینہ کہتی ہیں انگریزی ادب پڑھو..... سوان کی بتائی ہوئی کچھ کتابیں خرید لی ہیں۔"

"گویا اپنی کوئی رائے نہیں۔"

"کمال کرتے ہیں ماموں جان! ہمیں اپنے ملک کے ادیبوں اور شاعروں سے مکمل آگہی ہے غیر ممالک کے ادیبوں کے بارے میں کیا جانیں۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم کسی بھی شاعر کو اس کی ایک غزل کے حوالے سے کسی ادیب کو ایک افسانہ پڑھ کر بڑا شاعر یا ادیب قرار دے دیتے ہیں۔ باہر کے ادیبوں کو بھی نصاب کی کتاب میں موجود ادب سے ہی پہچان پاتے ہیں۔

پچھلے دنوں میں نے ایک غزل پڑھ کر شاعر کا مجموعہ کلام خرید لیا..... اس غزل کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ مس زرینہ ہم لڑکیوں کی آئیڈیل پروفیسر ہیں۔ ان کا مشورہ آنکھیں بند کر کے مانا ہے میں نے اب پڑھ رہی ہوں۔ پڑھ لوں گی تو خبر ہو گی۔ ابھی تو صرف انگریزی میں اپنی استعداد بڑھا رہی ہوں۔ منتخب کرنے کا وقت بھی شاید آ جائے گا۔"

"بات سنو....." انہوں نے کتاب کی ورق گردانی موقوف کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری ساری باتیں میرے سر پر سے گزر رہی ہیں۔ مجھے کبھی شاعری اور ادب میں دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں اخبار ضرور چاٹا کرتا ہوں روزانہ۔ بہرحال تمہارے ادبی ذوق نے مجھے خوشی بخشی۔ بی۔اے کے بعد کیا ارادہ ہے؟"

"یہاں یونیورسٹی تو ہے نہیں، پرائیویٹ ایم۔اے کر لوں گی۔"

"پرائیویٹ کیوں..... ریگولر کیوں نہ..... بھئی لاہور میں، میں جو ہوں۔ لے جاؤں گا تمہیں اپنے ساتھ۔ کر لینا ایم۔اے۔ ویسے کس مضمون میں کرو گی؟ شبیر کا مضمون تو پالیٹکس ہے۔" گوہر نے شبیر کے نام پر سر جھکا لیا۔

"تمہیں ادب سے دلچسپی ہے ایم۔اے اردو کر لینا۔ سیاست اور ادب لازم و ملزوم ہیں۔ ادب میں سیاست نہیں آتا..... اور سیاست میں ادب..... شبیر تو ابھی سے لیڈر بننا چاہتا ہے۔ مسائل حل کرتا پھرتا ہے لوگوں کے تمہیں اپنے گھر میں اچھی کہانیاں مل جایا کریں گی۔"

گوہر سنجیدہ ہو کر رہ گئی۔ دلنواز نے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔

"گوہر! تم شبیر کے ذکر پر اتنی خاموش کیوں ہو گئی ہو؟"

"نہیں تو ماموں جان؟"

"بزرگوں سے جھوٹ نہیں بولتے بیٹا۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"ماموں جان!"

"میں کم عمر اور نا سمجھ سہی، لیکن ماموں جان! مجھے معاشرے میں سر اٹھا کر چلنا پسند ہے۔ جھکا سر میری موت ہو گا۔ عورت معاشرے میں اپنے متعلقہ مردوں سے پہچانی جاتی ہے۔ باپ، بھائی، شوہر، بیٹا۔ یہ چار ستون اس کی ذات کو زندگی بھر سہارا دیتے ہیں۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کا فعل مجھ جیسی حساس لڑکی کو ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔ میں اپنے والد کے کردار و اخلاق پر فخر کر سکتی ہوں۔ میرے بھائی بھی معاشرے کے اچھے افراد ہیں..... اس گھر میں اپنی زندگی کا کافی حصہ گزار چکی ہوں..... میری عمر اس گھر میں گزرے گی جو میرا اصلی گھر ہو گا۔ میں ایسے شخص کے ساتھ چند دن بھی ثابت و سالم نہ رہ سکوں گی جس کے شانوں پر لوگوں کے غصب شدہ حقوق کا بوجھ ہو گا۔"

"تو تمہیں بھی بدظن کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔" دلنواز نے جھٹ کہا۔

"لیکن میں آپ کو بتا دوں ماموں جان! میں نے اپنی زندگی کے معاملات میں کسی کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنے ضمیر کے فیصلے کو ماننے کا عہد کیا ہے۔ شبیر نے مجھ سے بات کی تھی۔ سب کچھ بتایا تھا۔"

"لیکن تم پھر بھی متنفر ہو! اعتبار نہیں کیا تم نے۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اس کی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔ ہاں کل تمہیں عبداللہ پور ضرور لے جاؤں گا۔ انسان کے بعض اعمال اس کے کردار کی کھلی تفسیر بن کر چاروں طرف پھیل جاتے ہیں چاہے وہ بد ہوں یا نیک اعمال۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور کانوں سے سن لینا اور اپنے ضمیر کی روشنی میں حتمی رائے قائم کر کے فیصلہ دے دینا۔"

"آپ کی چھٹی تو آج ختم ہونے والی ہے۔"

"چھٹی کا کیا ہے۔ بڑھائی بھی جا سکتی ہے۔ ساری عمر تو ڈیوٹی پر رہا ہوں۔ اتنا حق بھی نہیں رکھتا۔ بہرحال تم تیار رہنا۔ ہم عبداللہ پور چل رہے ہیں۔"

"ہم دونوں ہی......؟" وہ حیران تھی۔

"اسری بھی چل سکتے ہیں عاصم بھائی کے لیے بھی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جوہرا اور تیمل کے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔"

"ٹھیک ہے ماموں جان! بس میں اور آپ ہی جائیں گی۔"

عاصم حسنین سے اجازت دلنواز ہی لیتے پھرے۔ گوہر نے دو دن کے لیے درخواست لکھ کر اسری کو دے دی۔ شام سے کچھ دیر قبل وہ دونوں عازمِ سفر ہو گئے۔ کولتار کی سیاہ بل کھاتی سڑک پر گاڑی کی اگلی نشست پر دلنواز کے ساتھ بیٹھی وہ باتیں کیے جا رہی تھی۔

بھاری ویگنوں کا گزر ہو رہا تھا۔ سامان سے لدے خوف ناک حد تک اونچے ٹرک۔ بوریوں سے بھرے لمبے لمبے ٹرالر شور مچاتے ٹریکٹر، انسانوں سے بھری بلکہ اوور لوڈ بسیں اور ویگنیں۔ کبھی ٹرک کراس کرتے ہوئے گاڑی آدھی کچے راستے پر اتارنا پڑتی۔ ٹرک ٹیڑھا ہوتا نظر آتا تو گوہر جھٹ دلنواز کی بانہہ تھام لیتی۔ اسے لگتا ان کی گاڑی ٹرک تلے آ کر دب جائے گی۔ دلنواز بھانپ گئے۔

"گوہر بیٹے!"

"جی ماموں جان!"

"بیٹے! حالات بھی ان تیز رفتار ٹرکوں کی طرح ہوتے ہیں۔ مسائل کا بوجھ لادے۔ انسان کو ڈراتے رہتے ہیں..... پس جانے کا خوف اس کو بے چین رکھتا ہے۔ وہ پناہ تلاش کرتا ہے۔"

وہ چپ رہی۔

"چھوٹی سی عمر میں انسان کو اتنا فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ یہ عمر ہنسنے کھیلنے کی ہوتی ہے۔"

"بعض لوگ ایسا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔"

"میری نظر میں وہ بے حوصلہ اور کم ہمت ہوتے ہیں۔ انہیں زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں آتا۔"

"یہ بے حوصلگی اور کم ہمتی نہیں ماموں جان! ایک قسم کا حفاظتی قدم ہے۔ زندگی کے معاملات میں سوچ بچار بہت ضروری ہے۔ پھر جینے کو تو حیوان بھی جی رہے ہیں۔ بنا کسی منصوبے کے بغیر سوچے سمجھے آزاد کر دو بھاگے چلے جاتے ہیں۔ باندھ دو رک جاتے ہیں۔ آگے ڈال دو چارہ کھانے لگتے ہیں بھوک لگی ہو تو احتجاج سے قاصر ہوتے ہیں۔ تکلیف کا اظہار نہیں کر سکتے۔ انسان اور حیوان میں فرق ہونا چاہیے۔"

"گوہر! کہیں یہ سب ڈھکا چھپا انکار تو نہیں۔ تم شاید واضح کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں شبیر کی ہمراہی میں زندگی گزارنے سے انکار ہے۔"

"نہیں ماموں جان! مجھے روایت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے سے انکار ہے۔ میں سب کچھ خود دیکھنا، سوچنا اور محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کہہ دیں، اماں کہہ دیں، جوہر آپا کہہ دیں، ساری دنیا کہہ دے کہ وہ اچھا انسان ہے۔ میں مان لوں۔ شاید مجھے ماننا بھی چاہیے۔ آپ سب میرے نزدیک معتبر ہیں۔ لیکن معاف کیجیے گا ماموں جان! اگر میں نے اسے اچھا نہ پایا تو......؟ کیا یہی ہوگا کہ میں رفاقت کو ایک ناگوار بوجھ کے طور اٹھائے زندگی گزاروں گی؟ کیا آپ اور باقی لوگ خوش رہیں گے؟ میں ایک عام سی لڑکی ہوں، پابند رسم و رواج حدود و قیود۔ لیکن میری سوچ ..... ہرگز نہیں ہے۔ مجھے عورت کی اس زندگی سے نفرت ہے کہ وہ پیدا ہو جدھر دھکیل دیا جائے، وہاں ..... کی مرضی کی زندگی گزارے۔ مختلف ادوار میں مختلف افراد کی خدمت کر۔

..مر جائے۔ میں معاشرے پر، اپنے خاندان پر، اپنے گھر پر اپنے نقوش ثبت کرنا چاہتی ہوں۔ جہاں کے دکھ اور ... میں میری رضا شامل ہو۔ میں ان لوگوں کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرنا چاہتی ہوں۔ جنہیں میرا دل تسلیم ... ہو۔ یہ نہیں کہ دن بھر کولہو کے بیل کی طرح جت کر رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر اپنی نامرادی ... پر آنسو بہاتی رہوں۔ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں لیکن ایک اچھے رفیق سفر کے ساتھ مل کر عزت و شہرت میرا ... منتہائے نظر ہے۔"

دلنواز نے حیرت بھرے انداز میں گوہر کی طرف دیکھا۔ وہ انتہائی جذباتی ہو رہی تھی۔

"ماموں جان! یہ سچ ہے کہ شبیر کی وضاحت کے باوجود میری نگاہ میں اس کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔ وسوسے ... مفروضے مجھے ڈراتے ہیں۔ شک پریشان کرتے ہیں۔ میں نے پہلی نظر میں جو رائے اس کے متعلق قائم کی ... میرا دماغ اکثر اس کی نفی کرتا ہے۔ میں اپنے اندر اٹھنے والے سوالوں اور اعتراضوں کو دبانے میں ناکام رہ ... ہوں۔ لیکن ان سارے مسائل کا حل بھی ہے، اور وہی جو آپ نے سوچا ہے۔ میرا خیال ہے میرے اطمینان ... کافی رہے گا۔ اگر میں نے شبیر کو اکثریت کی رائے میں ویسا ہی پایا جیسا میں نے پہلی نظر میں سوچا تھا یا جیسا آپ اسے ظاہر کرتے ہیں تو میرے دل و دماغ کی تمام رضامندیاں اسی کے حق میں ہوں گی۔ ماموں جان! میں ... باتیں بابا جان سے، اماں سے یا جوہر آپا سے نہیں کر سکتی...... صرف آپ سے کر لیتی ہوں، صرف آپ سے۔ یہ جرات آپ کی اس محبت نے بخشی ہے جس کا اظہار آپا کی شادی میں آپ کی طرف سے ہوا۔"

"شکر ہے کوئی تو ہے جسے تم اپنا اس حد تک مخلص خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتی ہو...... لیکن حیرت بھی ہے کہ اپنے اس خیر خواہ کی رائے ماننے سے انکاری ہو۔"

"ایک وجہ ہے نا اس انکار کی۔ آپ میرے ہی نہیں دوسروں کے بھی خیر خواہ ہیں نا۔ اور مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کا کوئی عزیز از جان قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب بھی کر بیٹھے تو آپ کی رائے اسے مصلوب کر دینے کے حق میں نہ ہوگی۔ آپ کے اندر کے نرم گوشے اسے بچا لینے کے خواہاں ہوں گے۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے ہر انسان کی نفسیات پر لاگو ہوتا ہے۔"

"مگر بچی! تمہارا مجرم اتنے بڑے جرم میں ملوث نہیں ہے۔ اس نے تو صرف استحصالی طبقے کا ساتھ دینے کا جرم کیا ہے۔ اپنے علم، اپنے اثر و رسوخ، اپنے تعلقات، اپنے حوصلے اور جرات کو جائز مقام پر استعمال کیا ہے۔"

گوہر مسکرا دی۔ سفر آسان ہو گیا کیونکہ باتوں کا رخ ہلکے پھلکے موضوع کی طرف مڑ گیا۔ دلنواز اپنی خوب ... باتوں اور شریر انداز کی مدد سے اسے ہنساتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ پور کی ایک سہانی صبح گوہر کے سامنے تھی۔ نئی تعمیر شدہ رہائش گاہ کے ایک بیڈ روم کے دریچے سے ... وہ گاؤں کا نظارہ کر رہی تھی۔ یہ خواب گاہ جہاں اس نے رات گزاری تھی۔ بڑے دن شبیر کے تصرف میں ... تھی وارڈ روب میں اس کے استعمال کی کئی چیزیں رکھی تھیں، جن میں سے ایک اس کے مخصوص کلون کی آدھی ... کم بھری شیشی تھی۔ اس کا شیونگ کٹ تھا۔ استعمال کے چند جوڑے کپڑے تھے۔ شب خوابی کا لباس تھا۔ ... سلیپر اور ایک پشاوری چپل تھی۔ بستر بھی غالباً اس کے استعمال میں رہا تھا۔ اس کے کلون کی خوشبو رچی بسی ... اپنی عادت کے مطابق سر تکیے کے اوپر رکھنے کے بجائے تکیہ سر پر رکھے آنکھیں بند کیے وہ کتنی دیر سوچتی رہی تھی۔

ارم نے اس رہائش گاہ میں شبیر کے قیام کی کئی وجوہات بتائی تھیں۔

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا ناممکن ہے۔" اس نے سوچتے سوچتے جھرجھری سی لی۔

بستی والوں کو دلنواز کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ صبح ہی صبح غفور بابا کے گھر والے بھاگے چلے آئے۔ وہ غسل کر کے فارغ ہوئی' بھیگے بالوں کے ساتھ باہر آئی تو کئی عورتیں حویلی کے کپاؤنڈ میں موجود تھیں۔

دلنواز ایک آرام کرسی پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔

"یہ شبیر میاں کی منگ ہے زہراں بی بی۔"

انہوں نے ایک ادھیڑ عمر خاتون کو مخاطب کیا۔

"اے میں قربان۔ تو یہ ہے اپنی صفیہ بی بی کی بیٹی۔ ماشاء اللہ۔ چشم بددور۔ آؤ بی بی آؤ۔ ادھر میری آنکھوں کے سامنے بیٹھو۔ میں رج کے تمہیں دیکھ لوں۔"

"اے زہراں! اپنا شبیر میاں کیا کم ہے۔ اللہ نے چن سورج کی جوڑی ملا دی ہے۔ اے ہے کیا نور ٹپک رہا ہے چہرے سے۔ بہتی خوش نصیب ہوگی جسے شبیر میاں جیسا بندہ نصیب ہوگا۔ میں تو ہردم کہتی تھی۔" گوہر نے دلنواز کی طرف دیکھا جو کتاب کی اوٹ میں شریر بچوں کی طرح مسکرا رہے تھے۔

عورتیں باری باری اس کے سر پر ہاتھ رکھنے لگیں۔

کئی ایک نے فرط مسرت سے اس کی خوب صورت پیشانی چوم لی۔

چھوٹی چھوٹی بچیاں اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھیں۔ ایک گندم کے سنہرے خوشوں کی رنگت جیسی سنہری بچی جس کے بال دھوپ میں سونے کی طرح چمک رہے تھے' آگے بڑھ آئی۔ اس نے انتہائی معصومیت کے ساتھ گوہر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اس کی دیکھا دیکھی اور بھی بچیاں اس کے اردگرد آ جمع ہوئیں۔

ایک دس گیارہ سالہ بچی نے اپنی سہیلی کے کان میں سرگوشی کی۔

"وہ حویلی والے چھوٹے میاں صاحب تھے' وہ سوہنے سے اونچے لمبے' ان کی دلہن ہے یہ..... ماں نے آپ مجھے بتایا تھا..... اللہ قسم تم ماں سے جاکر پوچھ لو۔ سوہنی ہے نا؟ چھوٹے میاں صاحب یہ بڑی ڈگری لینے گئے ہیں۔ بہت دور۔ آئیں گے تو ویاہ ہوگا ان کا..... ماں نے ان کی ووہٹی کے لیے بہت سوہنا چنری والا جوڑا بنوایا ہے اور تلے والی جوتی بھی۔ ماں کہہ رہی تھی شادی میں ہم سب جائیں گے' شہر میں یہ بڑا گھر ہے' بڑے میاں صاحب کا..... محل ہے محل....."

گوہر نے اچانک اس کی طرف دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

"بی بی! میاں صاحب کہہ رہے تھے' آپ کو گاؤں کی سیر کا شوق ہے۔ آپ تیار ہوجائیے۔ میں آپ کو لے چلوں گی۔"

گوہر کی نگاہوں میں اس نوجوان خوب صورت لڑکی کے لیے اجنبیت تھی جسے اس نے بھانپ لیا۔

"میں رانو ہوں جی! مسرور کی بیوی۔ غفور بابا مسرور کے دادا ہیں۔"

گوہر غفور بابا سے بھی آگاہ نہ تھی۔ مسرور اور رانو کی اسے کیا خبر ہوتی۔

"گوہر! تم تیار ہوجاؤ نا۔ میں یہیں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔ اتنی دیر میں تمہاری لائبریری سے منتخب کی ہوئی یہ کتاب بھی پڑھ لوں گا۔"

وہ اندر چلی آئی۔ گیلے بالوں کو برش کر کے ڈھیلی ڈھالی چوٹی بنا کر' چادر لے کر باہر آ گئی۔ ساری خواتین کسی جلوس کی صورت اس کے ساتھ چل دیں۔

رانو اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے گوہر کا پیر رپٹ گیا۔ ساری عورتیں بھاگ کر اسے تھامنے لگیں۔

"بی بی سنبھل کر چلیں..... آپ سڑکوں پر چلنے والی ہیں۔ ان راستوں پر چلتے بڑی اوکھ ہوگی آپ کو۔" رانو اپنے لہجے میں چہکی۔

"چھوٹے میاں کو تو گاؤں بڑا پسند ہے۔ آپ کو اکثر یہاں آنا پڑے گا۔ چلنا سیکھ لیجیے۔" وہ زینب مسکرائی۔

"تب وہ سنبھال لیا کریں گے۔" قریب ہی سے ایک اور شوخ آواز آئی۔ گوہر نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔

"یہ زرینہ ہے بی بی! مسرور کی بہن' چار جماعتیں پڑھ کر خود کو لاٹ صاحب کی بچی سمجھنے لگی ہے۔" سرخ و سپید زرینہ خوب صورت دانتوں کی نمائش کرتی مسکراتی اچھی لگ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"چھوٹے میاں کی طرح آپ بھی اسے سرچڑھا رہی ہیں۔ وہ سفارش نہ کرتے تو دادا نے اسے کبھی ہائی اسکول میں نہیں بھیجنا تھا۔" رانو نے پھر وضاحت کی۔

"اتنے گلے مت کرو میرے بھابھی! سب سے زیادہ سرچڑھی تو تم ہو چھوٹے میاں کی' بھائی کی شکایتیں لگاتی ہو۔ کان کھنچواتی ہو اس کے بلا کسی جرم۔ بی بی..... بھابھی تو کنویں میں کود کر جان دے رہی تھی۔ چھوٹے میاں نے اسے بچا کے میرے بھائی کے گلے میں لٹکا دیا بے چارہ بھوگ رہا ہے۔"

"بی بی کوئی غیر تو نہیں ہے۔ جو اس سے بات چھپا ئیں' مجھے اور مسرور کو تو چھوٹے میاں نے خرید لیا ہے بی بی۔ وہ دس ہزار کی رقم میرے لالچی باپ کو نہ دیتے تو آج میں اس دق کے مارے بڈھے کی بیوہ ہوتی مسرور کی بیوی نہ ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" گوہر نے دلچسپی ظاہر کی تو لڑکیوں نے ساری کتھا کہہ سنائی۔ بلکہ باتوں کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیا۔ شبیر کی قصیدہ خوانی میں بچیاں' لڑکیاں' بڑی بوڑھیاں سب شامل تھیں۔

"بی بی! گاؤں تک کی یہ پکی سڑک..... یہ ہائی اسکول سب ہی تو شبیر میاں کے احسان ہیں۔ گاؤں کے لڑکے لڑکیاں ان ہی کی کوششوں سے پڑھ لکھ رہے ہیں۔ کھیتوں کی ہریالی ان ہی کے دم سے ہے۔ پہلے علاقے کے زمیندار غریبوں کے نام سے قرضہ نکلوا لیتے تھے۔ شبیر میاں نے سب کو بلا سود قرضے دلوائے ہیں۔ ہمیں کھاد' بیج خریدنے میں آسانی ہوگئی ہے۔ ربیع کی فصل اتنی ہوئی کہ قرضہ چکا کر بھی گھر بھر گیا۔ ان کا دم تو اس گاؤں کے لیے برکت ہے۔ گھروں میں خوشحالی دوڑنے لگی ہے۔"

اس عقیدت کو سن کر گوہر کو گمان گزرنے لگا کہ بعد دنوں کے وہ شبیر کو پیر نہ سمجھنے لگیں۔ پیر طریقت۔ وہ آپ ہی آپ مسکرا دی۔

"بی بی.....!" باغ کے سبز مخملیں فرش پر وہ اس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھی تھیں۔

"بی بی! چھوٹے میاں کی ماں انگریز عورت تھیں بھلا؟" زرینہ کو بڑی کھوج لگی تھی۔

ایک خاتون نے اس کی کمر میں دھموکہ جڑ دیا۔

''بہت بولنے لگی ہے تو زرینی! تیری یہ جرات۔ تو ایسے سوال کرے۔''
''یہ حقیقت ہے زہراں مائی...... اور زرینہ نے پوچھ لیا تو برا کیا ہے؟''
''اچھا بی بی سچ مچ وہ ماتر بزہ تھیں۔'' اس نے بھی حیرانی کا اظہار کیا۔
''ہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔''
''پھر۔؟'' کئی ایک نے اشتیاق ظاہر کیا۔
''پھر ایک بچے کو جنم دے کر وہ مر گئیں۔''
''اوہو۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ چھوٹے میاں پھر کس کے پاس رہے؟'' ان سب کے چہرے غم کی تصویر بن گئے۔
گوہر اس نازک موضوع پر کچھ نہ کہنا چاہتی تھی۔ پر جانے کیوں وہ کہہ گئی۔ جو کچھ بتانا مناسب تھا۔
وہ کافی تھک چکی تھی فارم کی سیر کیے بغیر لوٹ آئی۔ رانو تو اس کی گرویدہ ہو چکی تھی۔ زرینہ نے بھی وہاں سے جانے کا نام نہ لیا۔ بھاگ بھاگ کے اس کے کام کرتی رہی۔
''گوہر بی بی۔ آپ کو مکئی کی روٹی اور ساگ اچھا لگتا ہے۔''
''ہاں بی بی تازہ مکھن کے ساتھ۔'' زرینہ نے گرہ لگائی۔
''کیوں کیا آج تم نے کھانے میں یہی چیزیں بنائی ہیں؟''
''نہیں بی بی آج تو مسرور نے دم پخت بنایا ہے۔''
''دم پخت۔'' گوہر نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''وہ کیا ہوتا ہے؟''
''وہ جی میں اور مسرور گئے تھے چترال۔''
''کب؟''
''جی شادی کے بعد۔ وہاں اس کا ایک دوست ہے۔ وہیں بنانا سیکھا تھا اس نے۔ صبح سویرے مسرور اور منظور مل کر بکرا ذبح کر رہے تھے۔ سالم بکرے کا پیٹ چاک کر کے اس میں چاول بھرے جاتے ہیں اور اسے کوئلوں پر پکایا جاتا ہے۔''
''او مائی گاڈ رانو! یہ سالم بکرا میں اور ماموں جان کھائیں گے۔''
''اور نہیں تو کیا۔ شام کے لیے دادی نے صحت مند مرغیاں ابھی سے ڈربے میں بند کر دی ہیں۔ مجھے مرغی کا بھنا ہوا سالن بنانا آتا ہے۔ بہت اچھا چھوٹے صاحب کو تو گرم گرم تندوری روٹی بے حد مرغوب ہے پتا ہے بی بی کہتے ہیں روٹی پر روٹی ٹھنڈی ہو جائے۔ لذت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں پر تھے تو چاہے رات کے بارہ بجے ہی کھانا کیوں نہ کھاتے۔ روٹی تازہ پکا کے دیتے تھے ہم لوگ۔''
''او رانو تم بھی کیا خدمت گزار ہو۔''
''نہ بی بی! بعض لوگ اتنے ہی اچھے، اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ہر شخص انہیں چاہنے پر مجبور ہوتا ہے۔''
رانو کے لہجے میں بہن کا سارا پیار چھپا تھا۔ آنکھوں میں احترام اور تقدس کی جھلک تھی۔
''بی بی آپ کو خبر نہیں کیا...... ساجدہ میرے ماموں کی بیٹی ہے۔ چھوٹے صاحب کو دعائیں دیتی ہے۔ اس کا گھر آباد ہو گیا۔ سردار بھائی شہر میں نوکری کرنے لگا ہے۔ وہیں ایک چھوٹے سے گھر میں دونوں آباد ہیں۔ عباس اور رضیہ بھی وہیں ہیں۔ چھوٹے صاحب نے تو کمال کر دیا۔ یہ مسئلہ بڑے بڑوں سے بھی حل نہ ہو رہا تھا۔ پل میں کیا سے کیا ہو گیا۔ ایسے لوگ پیار کرنے کے، پوجا کے لائق ہوتے ہیں۔''

''بی بی۔ رضیہ اور ساجدہ والا واقعہ تو مثال بن کر رہ گیا ہے۔ گاؤں میں ایسے اور بھی کئی مسئلے تھے۔ لڑکے لڑکیاں خود ہی حل کر لیتے۔ بی بی گاؤں میں شادی شدہ لڑکیوں کو ماں باپ زبردستی اپنے گھر بٹھا لیتے ہیں۔ جب لے والے لینے آئیں تو دو چار ماہ کے خرچ کا تقاضا کرتے ہیں۔ غریب لوگ پیسہ ادا کرنے کے قابل نہیں تے۔ بہو نہیں لے جا سکتے۔ پیسہ بنیے کے سود در سود کی طرح بڑھتا ہی رہتا ہے اور ایک دن گھر اجڑ جاتا ہے۔ سسرال میں لڑکیوں پر ظلم کیا جاتا ہے۔ ان کے شوہر سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنے رہنے پر مجبور تے ہیں۔ کہیں لڑکیاں اسی سالہ بوڑھوں سے بیاہ دی جاتی ہیں۔ بے چاریاں اف تک نہیں کر سکتیں، انکار کو بیانی سمجھا جاتا ہے۔ لڑکیاں اپنے والدین کی عزت و آبرو کے پاس میں قربان ہو جاتی ہیں۔ عمر بھر سسکتی رہتی ہیں۔ روتے سسکتے زندگی گزار دیتی ہیں۔''
زرینہ یہ باتیں کہتے ہوئے عام سی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ کوئی مفکر لگ رہی تھی۔ گوہر نے حیران ہو کے اسے دیکھا۔ لیکن بولی کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کو وہ سب پھر اس کے پاس جمع تھیں۔ وہ بھی ان سے نہ اکتائی نہ گھبرائی۔ باتیں کرتی رہی۔ رانو نے سب کو زبردستی بھیجا۔ دلنواز اس کے کمرے میں آئے۔
''گوہر بی بی! سارا دن ہم نے آپ کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ اکیلے بیٹھے بور ہوتے رہے۔''
''سوری ماموں جان۔ اصل میں ان سب کے ساتھ دل کر وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔''
''ماموں جان ایک بات تو بتائیں۔''
''ہاں کہو۔''
''ماموں جان! یہاں پر بوائز اسکول موجود ہے کیا گرلز اسکول نہیں بن سکتا؟ میرا مطلب ہے مڈل یا ہائی اسکول۔''
''ہاں...... بن......'' وہ ہنسے۔
''ونڈر فل! گویا شبیر کی سچائی کو تم نے محسوس کر لیا۔ جان لیا تم نے وہ سب کچھ جو تمہیں سکون دے سکتا ہو، مطمئن کر سکتا ہو۔''
''جی ہاں ماموں جان! اور میں اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوں کہ میرے مفروضے غلط نکلے کیونکہ کھوج میرا پہلا حق تھا۔ آپ نے یہ حق استعمال کرنے میں میری مدد کی۔ آپ کی شکر گزار ہوں اور بہت زیادہ مطمئن بھی ہوں۔ ماموں جان! زندگی اتنی بے مصرف سی شے ہرگز نہیں ہے کہ آپ اسے بداعتمادی کے ساتھ بے وفائیوں کے زہر اپنے سینے میں اتار کر روتے سسکتے گزار دیں۔''
''بہت خوب! بہت ہی خوب' تلاش کا مرحلہ طے ہو گیا عمل کا مرحلہ جاری ہونے والا ہے۔ مبارک! صد مبارک۔ لیکن گوہر بیٹا! ابھی کچھ دیر ہے، میرا مطلب ہے! ابھی تمہیں بھی تو اپنی تعلیم مکمل کرنا ہے۔ میں نے عاصم بھائی سے کہہ دیا ہے۔ تم میرے ہاں چلو گی۔ ایم۔ اے وہیں کرو گی۔ یہاں کا ماحول اور فضا محدود ہیں۔ وہاں کی بات اور ہے اور تمہیں ایک وسیع تعلیمی ماحول کی ضرورت ہے۔''
گوہر خاموش تھی۔ دلنواز اسے بغور دیکھنے لگے۔
''یہ...... تم...... میری بات پر خاموش کیوں ہو گئی ہو؟ کیا اپنے باپ کی طرح تم بھی غیریت محسوس کرتی ہو، ہم میں اور خود میں فاصلہ محسوس کرتی ہو۔ گوہر! تمہارے بابا کو میرے جاگیردار باپ سے اختلاف تھا مگر میں صرف

نیک جاگیردار کا بیٹا ہوں۔ اپنی ذات میں انتہائی لبرل ہوں۔ منکسر المزاج ہوں۔ انسانی اقدار کا پاسدار ہوں۔" گوہر کو ہنسی آ گئی۔ "ارے آپ نے تو پوری فہرست گنوا دی اپنی خوبیوں کی' ویسے آپ ایک سخت گیر انسان بھی ہوتے۔ ماموں جان تو پھر بھی میرے ماموں تو تھے ہی۔ میں تو کچھ اور سوچ رہی تھی۔"

"کیا؟"

"اسی پیش کش کا ظم چچا بھی کر چکے ہیں اور وہ بھی بہت اصرار سے بابا اگر آپ کا احسان لینا پسند نہ کریں گے تو اماں مجھے وہاں بھیجنے سے گریزاں ہیں اور بابا تو میری خاطر وہاں ایک چھوٹا موٹا گھر بھی لینے کو تیار ہیں۔ صرف اپنی خودداری اور انا کو بچانے کے لیے بس اسی سبب میں نے سوچ لیا تھا کہ پرائیویٹ ایم اے کر لوں گی۔"

"تاکہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ اف مائی گاڈ۔ کتنی غلط سوچتی ہیں تم سب لوگ۔ بھلے تم کاظم کے گھر رہ لو لیکن پڑھو ضرور۔ میں کل ہی بات کروں گا عاصم بھائی سے۔ زمانہ کتنا آگے نکل چکا ہے اور یہ ہیں کہ ابھی تک اپنی نام نہاد عزت نفس کے بت کو سینے سے لگائے زندگی گزارے جا رہے ہیں۔ بھئی گوہر! اب تو اس جاہلانہ فاصلے کو مٹ جانا چاہیے۔ اب وڈیروں اور جاگیرداروں کا دور قریب قریب ختم ہے۔ غریب کو خود شناسی کا عرصہ ہو گیا ہے۔ معاشرے میں دونوں اپنی ہستی کے تعین کے ساتھ جی رہے ہیں۔ لیاقت اور قابلیت ترقی کا زینہ بن چکی ہے۔ لوگ کسی کے احترام میں آدھے قد تک جھکنا بھول رہے ہیں۔ اب تو عاصم بھائی کو چاہیے کہ وہ صرف تو ہمت مردی کو یاد رکھیں۔"

گوہر ہنس دی بلکہ ہنستی چلی گئی۔

"مجھے معلوم ہے۔ بلکہ میں نے بھی ایک ایسا منظر دیکھا ہے۔ جب آپ آپا کی شادی میں ہمارے ہاں تھے۔ پانی گلاس لیے آپ کے سرہانے کھڑی تھیں۔ آپ آنکھیں بند کیے مزے سے کہے جا رہے تھے۔" بھئی کہہ جو دیا ہے دودھ پی لیا تھا میں نے۔ دو دن پہلے ہی پی لیا تھا۔ بلکہ آٹھ دن ہوئے پی چکا ہوں۔" اس نے ہنستے ہنستے بات مکمل کی۔

"صرف یہی کیا! اکثر ایسی کیفیتیں بھی ہوتی ہیں جب میں باقاعدہ خفا ہوتا ہوں کہ رات میں دودھ نہیں پیا اور سچ مچ مجھے یاد بھی نہیں رہتا۔"

"زندہ باد ماموں زندہ باد۔ آپ تو کیے کرائے پر پانی پھیرنے والے ہیں۔"

"گوہر!" ایک ٹھنڈی آہ ان کے لبوں پر آ گئی۔ "ایک اچھا جیون ساتھی زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ میں اس معاملے میں بے حد خوش نصیب ہوں۔ ایک بہترین خاتون میری شریک سفر ہے' جس کی ہمراہی میں خوشیوں کے رنگ گہرے اور دکھوں کے بوجھ بے حد ہلکے محسوس ہوتے ہیں یہ احساس جانفزا ہوتا ہے کہ کوئی آپ کی خاطر وقف ہے۔"

گوہر کے تصور میں شبیر در آیا۔ معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر آن بسی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے جانے کس پہر اس کی آنکھ کھلی۔ چھت پر بارش کے موٹے موٹے قطروں کی ٹپ ٹپ شروع ہو کر ایک مسلسل شور میں بدل گئی۔ بادلوں کی گرج' بجلی کی چمک' پانی کی برستی بوچھاڑیں۔ لمحہ بھر کو تو ایک انجانا سا خوف اس پر چھایا رہا۔ دل زور سے دھڑکا' ہاتھ پیر سنسنائے' پھر وہ نارمل ہو گئی۔ اٹھ بیٹھی۔ دو قدم چل کر کھڑکی کی طرف آئی۔ بند کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر باہر دیکھا' فضا کو مہیب اندھیروں نے خوف ناک بنا دیا تھا۔ بجلی بڑے زور

بلند کی۔ اجالے نے چکا چوند پیدا کر دی۔ پانی اپنی پوری قوت سے برس رہا تھا۔ اسے کسی چیز سے خوف آ تا تھا تو بادلوں کی گرج چمک ہی تھی۔ جی چاہا بھاگ کے دلنواز کے کمرے میں جا چھپ جائے۔ انہیں جگا دے۔ لیکن ان کی نیند خراب ہو جانے کے ڈر سے وہ ایسا نہ کر سکی۔

بادل پھر زور سے گرجا۔ اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور بے اختیار وارڈ روب کی طرف چلی آئی۔ یہاں شبیر کے مخصوص کلون کی خوشبو رچی بسی تھی۔ اس نے پرفیوم کی شیشی اٹھائی۔ انگوٹھے کے ہلکے سے دباؤ پر اس کا دامن اس خوشبو سے بھیگ گیا۔ خوشبو چاروں اور پھیل گئی۔ وہ پھر اپنے بستر کی طرف آئی۔ وہ خود کو تنہا محسوس نہیں کر رہی تھی۔ خوشبو۔ جو اس کے اردگرد بلکہ اس کے وجود میں پھیل گئی تھی۔ اس خوشبو نے ایک مجسم شکل اختیار کر لی۔

شبیر کا کمرہ' اس کا بستر' اس کی خوشبو اور پھر اس کا تصور یہ سارے مل کر اس کی تنہائی دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جانے کب وہ پھر سو گئی اور جب جاگی تو فجر ہو چکی تھی۔ حوائج ضروریہ سے فراغت پا کر اس نے نماز ادا کی۔ آسمان اب بھی ابر آلود تھا۔ سیاہ اور سفید بادل ایک دوسرے میں مدغم ہو کر سرمئی شکل اختیار کر گئے تھے۔ حد نظر تک سورج کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا۔ صبح صادق چمکیلے اجالوں میں نہ بدلی بلکہ ڈھلتی شام اور اترتی رات جیسا سماں باندھ لیا۔ بارش اتنی نہ ہوئی تھی جتنے بادل تھے' پھر بھی سبزہ اور درخت دھل دھلا کر بڑے خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ چادر اوڑھ کر باہر آ گئی۔ دلنواز شاید اب تک سو رہے تھے اس نے انہیں جگانا اب بھی مناسب نہ سمجھا اور چلی گئی۔ روح میں اترتی تازگی کے سحر میں قید سیدھی سڑک پر چلتی وہ بہت دور نکل آئی۔ سڑک کے اطراف لہلہاتے درخت ساکت تھے۔ فضا خاموش تھی۔ بادل گویا صبح کی آمد کے احترام میں باادب تھے۔ کبھی چپ چاپ فضا پر چھا جاتے۔ بجلیاں تھک کر آرام کرنے لگی تھیں۔ وہ آگے بڑھتی گئی اور نکل آئی۔ اپنے ہی خیالوں میں گم موسم کی آفرینی کا شکار لمبی نیم پختہ سڑک چھوڑ کر پگڈنڈی اختیار کرتے ہوئے اسے احساس تک نہ ہو سکا۔ وہ چلتی گئی۔ سڑک کے دائیں ہاتھ ایک بہت بڑا باغ آ گیا۔ آم' جامن' لیموں' سنگترے' امرود کے درخت کیلوں کے جھنڈ' چھوٹی سی کچی دیوار کے پار کا سماں بے حد خوب صورت تھا۔ خودرو بیلوں سے ڈھکی زمین رنگ برنگے پھول۔ ان کے ساتھ ہی گلاب کے کنج' سرخ انگارہ دہکتے گلاب' سفید گلاب' چنبیلی کے پھولوں کا کنج' سفید سفید نرم و نازک پھول بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ان پھولوں کی بھینی بھینی مہک اسے اندر کھینچ لے گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ گوہر پھولوں بھری وادی میں آ گئی۔ اسے پھول بہت عزیز تھے۔ لیکن صحن چمن میں اپنی سرسبز شاخوں سے لپٹے پھول' خوب صورتی اپنی آخری حدوں کو کیوں نہ چھو لیتی' پھول توڑ لینا اسے جرم لگتا تھا۔ اب بھی اس کا دل چاہا چنبیلی کے ڈھیروں پھول اپنے دامن میں بھر لینے کو لیکن اس نے دل کے سارے تقاضے اپنے اصول پر قربان کر دیے۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک صاف شفاف پانی کی ندی بہہ رہی تھی۔ ٹھنڈا یخ چمکتا پانی۔ اس نے جھک کر پانی چلو میں بھر لیا۔ ہتھیلی جو گلابی تھی۔ یخ بستہ پانی کے سبب سرخ ہو گئی۔

ندی پار کرتے ہوئے اس نے ہاتھ اپنی چادر کے پلو سے پونچھ لیا۔ باغ کے دوسرے کنارے پر آ کر اس نے سامنے دیکھا۔ منظر بے حد خوب صورت تھا۔ سورج بڑی دیر سے طلوع ہو چکا تھا۔ لیکن سیاہ بادلوں کے پار کہیں روپوش تھا۔ مشرقی افق کے بادل نارنجی سے ہو گئے تھے۔ وہ اسی سمت چل پڑی۔ اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔ برسوں کی ایک شام شبیر ان کے گھر آیا تھا۔ تو جوہر آپا نے سوال کر کے اسے زچ کر دیا تھا۔

"عبداللہ پور کے جنگلوں میں پڑے رہتے ہو کیا لطف ہے وہاں زندگی کا؟ نہ شور شرابا نہ رنگینی' نہ باؤ ہو۔

خاموش سی زندگی۔"

"آپا! آپ کو کیا خبر' زندگی اپنی اصلی صورت میں وہیں تو دیکھنے کو ملتی ہے۔ میں تو علی الصبح ہی باہر نکل جاتا ہوں۔ کم از کم دو میل سفر کرتا ہوں روزانہ۔ بڑی تازگی محسوس ہوتی ہے۔ شہر میں تو آپ کہیں بھی چلے جائیں دھینگلو کا دھواں آپ کی جان ہی نہیں چھوڑتا' صاف فضا کہاں سے ملے گھر کے مشرقی جانب چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ ان پر موجود گھنیرے درخت آسمان سے گلے ملتے نظر آتے ہیں۔ آپا! بلکہ آپ جس طرف بھی دیکھیں دھرتی آسمان ایک دوسرے سے ملتے ہی نظر آتے ہیں۔ آسمان ایک بہت بڑا پیالہ نظر آتا ہے جس میں آپ' میں' ہم سب قید ہیں۔ خیر آپ کو اس کی کیا خبر۔ آپ کو تو صرف اپنے آنگن سے نظر آنے والے آسمان کی خبر ہے۔ چھوٹے سے آسمان کی۔"

وہ مسکرا دی۔ اس خوب صورتی نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے اسی سلسلے تک پہنچ جائے ان درختوں کو ہاتھ لگا آئے جو آسمان کو چھو رہے تھے۔ فضا پر چھائے پراسرار اندھیرے کے باوجود وہ مشرقی سمت بڑھتی چلی گئی۔ بادل بہت گہرے ہو گئے۔ اچانک ہی سرمئی اندھیرا رات جیسی تاریکی میں بدلنے لگا۔ گوہر نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی نگاہ بہت دور تک نہ دیکھ سکی۔ اندھیرے نے راستوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ فضا کی خاموشی ایک زبردست گرج نے توڑ دی۔ بادل عین اس کے سر پر گرجے۔ بجلی بڑے زور سے چمکی۔ گوہر بے اختیار جھک گئی اس نے سر گھٹنوں میں دے لیا۔ اس کا پورا وجود سردی کے باوجود پسینے میں ڈوب گیا۔ وہ اٹھی۔ ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ موٹے موٹے پانی کے قطرے اس کے وجود پر برس گئے۔ وہ بے اختیار بھاگی۔ بدحواسی میں اسی سمت دوڑی چلی گئی۔ جدھر پہلے ہی جا رہی تھی۔ ماحول بے حد خوف ناک ہو گیا تھا بارش بوچھاڑ کی صورت برسنے لگی۔ مشرق سے مغرب تک برق لہراتی چلی گئی۔ اب بادل ایک تواتر سے گرجنے لگے تھے اس کے اردگرد دور دور تک کوئی درخت تک نہ تھا۔ اسے اپنی نادانی پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کیسا وقت تھا جب وہ ایڈونچر کے شوق میں اکیلی نکل آئی تھی۔ اس کا دل لرز کر رہ گیا تھا۔ اپنی ساری قوتیں مجتمع کیے دفاع کی فطری کوشش کے طور پر وہ بلا کسی تعین کے چلی جا رہی تھی ایک زبردست دھماکا ہوا۔ کان پھاڑ دینے والا دھماکہ۔ نزدیک کہیں برق گری تھی۔ گوہر کی جان نکل گئی۔ اس کی چیخ دھماکے میں دب کر رہ گئی۔ وہ بے دم ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اسے ہوش ہی نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔

"ارے یہ کیا۔" وہ بے حد حیران تھی۔ برستی بارش گھور اندھیرے اور سخت زمین کے بجائے وہ ایک نرم و گداز بستر اور ملائم کمبل میں چھپی تھی۔ لمحہ بھر تو وہ حرکت ہی نہ کر سکی۔ بڑی ہمت سے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے اس نے کمبل ہٹایا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی نظروں کے سامنے سفید براق چھت تھی اس نے جھٹ اپنے دائیں جانب دیکھا۔ پھر بائیں جانب۔ پھر اوپر نیچے پھر اس کی نظر دائیں جانب کرسی پر بیٹھی اس نوجوان لڑکی پر جم گئی۔

اس کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرانی ابھری تھی۔

"ارے آپ جاگ گئی ہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی تو گوہر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ "کون ہیں آپ؟ میں کہاں ہوں؟"

گھبرا گئی۔ اس نے قدم فرش پر بچھے گداز قالین پر لٹکا دیے۔

لڑکی نے اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

"گھبرایئے نہیں' آپ ایک گھر میں ہیں۔ اسے اپنا گھر ہی سمجھیے۔"

"میں۔ میں یہاں کیسے آئی؟"

"شکر کیجیے۔ آپ بھیا کی جیپ کے پہیوں تلے آنے سے بچ گئیں۔ آپ کو یہاں بھیا لائے ہیں۔ آپ برستی بارش میں ہمارے گھر کو آنے والے راستے پر بے ہوش پڑی تھیں۔"

"جی......!" گوہر کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"ہم سب کا مشترکہ فیصلہ درست ہی ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" گوہر اور بھی گھبرا گئی۔

"یہی کہ آپ کوئی آسمانی حور ہیں یا کوہ قاف کی پری۔ کتنی حسین ہیں آپ۔ میں مسلسل دو گھنٹوں سے آپ کے سرہانے بیٹھی یہی سوچے جا رہی ہوں۔"

"دو گھنٹے۔ میں دو گھنٹوں سے یہاں ہوں مگر کیسے' کون مجھے یہاں لایا' میں تو۔ باہر۔"

"آپ کو یہاں آئے تو تین گھنٹوں سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ آپ بڑی بری حالت میں تھیں کیچڑ میں لت پت۔ ایک دم سینس لیس' اماں نے آپ کے کپڑے بدلے۔ آپ کا جسم صاف کیا۔ میں نے آپ کے بال سنوارے اور پھر یہاں لٹا دیا۔ بھیا خود ڈاکٹر ہیں' ورنہ بڑی پریشانی ہوتی۔ اتنے خراب موسم میں ڈاکٹر مل جانا بھی محال ہوتا۔ اچھا آپ لیٹ جایئے' میں آپ کے لیے دودھ لے آؤں۔ لیکن۔ کیا آپ ہلکا ناشتا لینا پسند کریں گی؟"

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ میں گھر جاؤں گی۔" گوہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے دراز بال اس کی کمر پر بل کھا کر رہ گئے۔ اس نے اپنے آپ کو دیکھا۔ اس کے جسم پر اس کا اپنا لباس نہیں تھا۔ کسی اور لباس میں ملبوس تھی وہ بال کھلے تھے اور کافی حد تک گیلے بھی۔

"ارے آپ اٹھ کیوں گئیں' آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ لیٹی رہیے بھیا نے کہا تھا آپ کے ہوش میں آنے پر انہیں بلا لوں۔"

وہ جلدی سے دروازہ پار کر گئی۔ گوہر کو سب کچھ یاد آنے لگا۔ وہ خوف ناک سماں' جب کہیں بجلی گرنے پر وہ سہم کر بیٹھی تھی۔ اس سے آگے اسے کچھ خبر نہ تھی۔ باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اس نے بیڈ پر رکھا دوپٹہ بے اختیار اپنے سر پر لیا۔ اس لڑکی کے ساتھ سیاہ پینٹ اور سرمئی جرسی میں ملبوس ایک نوجوان بھی اندر داخل ہوا۔ گوہر کا دل دھڑک گیا۔ اس نے دوپٹے میں اپنا وجود چھپانے کی سعی کی۔ وہ شخص ہاتھ سینے پر باندھے اس سے کئی قدم دور کھڑا تھا۔

"اس جسارت پر معذرت خواہ ہوں ینگ لیڈی! لیکن سخت مجبور تھا ایسا کرنے پر۔ آپ اس طوفانی موسم میں بے یار و مددگار اس ویرانے میں بے ہوش پڑی تھیں۔ آپ کی مدد کرنا میرا فرض تھا۔"

گوہر نے ایک نظر اوپر دیکھ کر پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ سخت خوف زدہ تھی اس ماحول کو طلسمی سمجھ رہی تھی۔ شاید جنات کے ہاتھ لگ گئی تھی اور سامنے دیو پریاں انسانی شکل میں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ اس نے پھر سامنے دیکھا۔ لڑکی تو کسی پری جیسی ہی حسین تھی آنے والا نوجوان بھی کوئی خوبرو دیو زاد تھا۔ اس کی زبان گنگ ہو کر رہ

گئی۔

"مم...... مجھے۔ واپس جانا ہے۔"

"بہ صد شوق۔ لیکن کچھ دیر بعد۔ تاکہ آپ کی طبیعت کچھ اور بھی سنبھل جائے میں آپ کو چیک کرنے آیا ہوں۔" وہ آگے بڑھا۔ گوہر سہمی ہوئی تو تھی اور بھی زردی پڑ گئی۔

"ڈونٹ وری اجنبی لیڈی! میں ڈاکٹر ہوں اور انسانوں کی مدد میرا دوہرا فرض ہے۔" اس نے دیوار کے ساتھ لگی میز پر پڑا اپنا میڈیسن باکس کھولا اور بلڈ پریشر کا آلہ باہر نکالا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کے اس کا بازو تھام کے سیدھا کیا۔

"میں ٹھیک ہوں، مجھے کسی چیک اپ کی ضرورت نہیں، میں جانا چاہتی ہوں۔"

"دھیرج۔ دھیرج۔ ہم زبردستی آپ کو یہاں روکیں گے بھی نہیں، لیکن آپ ابھی چپ چاپ بیٹھیے۔" لڑکی مسکرائی۔

"آپ گھبرایئے نہیں۔ آپ انسانوں کے دم سے آباد ایک گھر میں ہیں۔ یہ شریر لڑکی میری اکلوتی بہن ہے مگر اس کا بڑا ہونہار بھائی ہوں۔ ابھی کچھ دن پہلے لندن سے آیا ہوں۔ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے اور میرا نام ہارون امجد واسطی ہے جبکہ سامنے کھڑی یہ چڑیل مسماۃ نیلما واسطی ہے، گھر کے سارے افراد کل سے ایک شادی میں گئے ہیں۔ میں ماموں واسطی کو پک کرنے نہ جاتا تو آپ کا جانے کیا ہوتا۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں ڈاکٹر ہارون واسطی۔ لیکن اب ایک پل یہاں نہیں رک سکتی اور خود کو بالکل بہتر محسوس ہو رہی ہوں۔"

"وہ تو آپ کا بی۔ پی بھی بتا رہا تھا۔ لیکن آپ کم از کم دوپہر کا کھانا تو ہمارے ساتھ کھا لیں۔ ارے ہاں۔ آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ کہاں سے آئیں اور وہاں کیا کر رہی تھیں؟"

یہ سوال اس کے لیے خاصا مشکل تھا کہ وہ کون تھی؟ یا کہاں سے آئی تھی؟ اسے تو اب یہ فکر تھی کہ ماموں دلنواز اس کے یوں غائب ہو جانے پر کتنی پریشانی اٹھانی پڑی ہو گی۔ وہ اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ کیا سوچا ہو انہوں نے۔ اب تو شاید غفور بابا کے سارے گھر والوں کو بھی علم ہو چکا ہو گا۔

"کیا اب بھی بارش ہو رہی ہے؟" اس نے بے اختیار شمالی سمت کے دریچے کی جانب دیکھا۔

"نہیں۔ بارش تو صرف ایک بہانہ تھی۔ آپ کی اور ہماری ملاقات کا۔ برسی اور ختم ہو گئی۔ اب تو آسمان بالکل صاف ہے۔ بادل کا ایک ٹکڑا بھی کہیں نہیں ہے۔"

"مم...... میں ...... اب میں گھر چلی جاؤں گی۔ مجھے جانے دیجیے۔"

"کمال کرتی ہیں آپ۔ نہ آپ کو یہ خبر ہے کہ آپ اپنے گھر سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ نہ ہمیں یہ علم ہے کہ آپ کا گھر کہاں ہے۔ ایسی صورت میں جانے کی بات ایک دم غلط ہے۔ ویسے آپ ہماری مہمان ہیں۔ بنا کھانا کھائے تو کسی صورت نہیں جا سکتیں۔" ڈاکٹر ہارون واسطی نے ہنستے ہوئے اس پر واضح کیا۔ وہ جو سخت گھبرائی ہوئی تھی اسے ان کی یہ ہنسی بڑی پراسراری لگی۔ ہارون واسطی نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ بے حد متفکر اور پریشان نظر آ رہی ہیں۔ یقین کریں یہ عزت دار لوگوں کا مسکن ہے۔ جو عزت مفہوم سے بھی آشنا ہیں اور میرے لیے تو اتنی بات کافی ہے کہ آپ ایک تنہا نوجوان خاتون ہیں اور بس۔ اگر آپ کو یہاں رکنا گوارا نہیں تو میں ابھی اور اسی وقت آپ کو چھوڑنے پر تیار ہوں۔ بولیے، کہاں جانا ہے آپ

کو۔ میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

گوہر اتنی نادان نہ تھی۔ جانتی تھی کہ اس کے نانا اس علاقے کی ایک ممتاز ترین شخصیت تھے بہت ہی مشہور و معروف۔ شاہنواز عسکری اور دلنواز عسکری سے بھی سب آگاہ ہوں گے۔ یہ بات کتنی عجیب ہو گی کہ سر عبداللہ کی نواسی راہ گزر پر بے ہوش پڑی کسی کو ملی تھی۔ وہ اجنبی لوگ اسے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور پھر گھر چھوڑ آئے۔ اس نے اپنے بارے میں کچھ بھی بتانا مناسب نہ سمجھا۔ ڈاکٹر ہارون واسطی اسے دیکھ رہے تھے، اس کی طرف سے جواب کے منتظر تھے۔

"میں عبداللہ پور جاؤں گی۔"

"عبداللہ پور...... وہ تو یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر ہے، وہاں آپ کس کے ہاں جائیں گی۔"

"غفور بابا کے ہاں۔"

"غفور...... کون ہیں یہ...... نیلما۔ تم جانتی ہو انہیں؟ وہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟" انہوں نے بیک وقت دونوں سے بات کی۔

"میں ان کے ہاں مہمان ہوں۔ میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں اور میرا خیال ہے اس سے زیادہ کچھ بتانا ایسا ضروری بھی نہیں۔" گوہر کا لہجہ تھوڑا سخت ہو گیا۔

"اوکے یو لائک۔ چلیے تیار ہو جائیے۔ میں جیپ نکلواتا ہوں آپ نیلما کے ساتھ پورچ میں آ جایئے گا۔" وہ کمرا چھوڑ گئے۔

گوہر کو لفظ واسطی نے گھری۔ سوچ میں ڈال دیا تھا۔ یہ نام اس نے ایک دو بار شبیر کے لبوں سے سنا تھا اور تب سے خود کو انتہائی غیر محفوظ سا تصور کر رہی تھی۔ نیلما اس کی قریب آئی۔

"نیلما واسطی! آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ نے ان لمحات میں جو خلوص اور محبت مجھے دی ہے اسے یاد رکھوں گی۔ میرا لباس۔"

"جی ہاں، وہ میں نے اسی وقت دھلوا دیا تھا اب تک پریس کر دیا ہو گا نور مائی نے۔ لیکن آپ ان کپڑوں میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ یقین کیجیے یہ بالکل نیا سوٹ ہے، ہارون بھائی لائے ہیں، اور میرا دل نہیں چاہ رہا کہ آپ اسے اتار دیں، پلیز۔ آپ انکار نہ کیجیے گا۔ آپ کا انکار مجھے دکھ دے گا۔ میں آپ کے کپڑے بیگ میں ڈلوا دیتی ہوں۔"

"نیلما! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں یہ کپڑے کیسے لے لوں"

"جیسے کوئی کسی کا محبت بھرا تحفہ لے لیتا ہے۔ لگتا ہے یہ لباس بنایا بھی آپ کے لیے گیا تھا۔ آپ نے انکار کیا تو میرا دل دکھ جائے گا۔ دیکھیے نا آپ اسی بہانے مجھے، اس گھر کو بلکہ ہم سب کو یاد رکھیں گی۔ ارے ہاں آپ اپنا نام تو بتائیں۔ میں ہارون بھائی کے ساتھ آپ سے ملنے آؤں گی۔ آپ مجھے بہت یاد آئیں گی۔" گوہر اس کی معصومیت بھری گفتگو پر اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"نیلما واسطی! میں نے تو آپ سے گھڑی دو گھڑی گفتگو بھی نہیں کی۔"

"تو کیا ہوا۔ بعض لوگ بس ایک نظر میں دل میں گھر کر لیتے ہیں، چاہے بات کریں یا نہ کریں۔ ان کی صورت ہی کافی رہتی ہے محبت کے لیے۔" وہ ہنس دی۔ ایک چالیس سالہ خاتون گوہر کی چادر لے آئی۔

"نور مائی! بی بی کے کپڑے پیک کر کے بیگ میں ڈال دو۔"

"جی اچھا بی بی۔" وہ واپس چلی گئی۔
"ایک بات کہوں آپ سے برا مت مانیے گا۔"
"ضرور کہیں۔ برا ماننے کی کیا بات ہے۔"
"آپ صرف مجھے ہی نہیں ڈاکٹر ہارون واسطی کو بھی اچھی لگی ہیں۔ ماموں واسطی کو بھی پسند آئی ہیں۔ لیکن سب کی سوچ کا انداز اور رشتوں کا تعین مختلف ہے اور ستم کی بات یہ ہے کہ اس ہستی کے نام سے بھی ہم آشنا نہیں ہیں۔"
گوہر مسکرا کر رہ گئی۔ وہ اپنا نام پھر بھی نہ بتا سکی۔ وہ بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنی حقیقت سے بے خبر رکھنا چاہتی تھی۔ اسے تو خوف آ رہا تھا۔ وہ دلنواز عسکری کو کیا بتائے گی کہ دن کے چار پانچ گھنٹے اس نے کہاں گزار دیئے ہیں۔ اسے تو یہ سوچ کر بھی خوف آ رہا تھا کہ یہ واسطی خاندان یقیناً وہی ہے جس کا ذکر شبیر نے کیا تھا۔ اگر انہیں خبر ہو گئی کہ میں...... اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی۔ اسے جلد از جلد یہاں سے جانے کی فکر تھی۔ ہر قیمت پر...... ہر حال میں۔ اسے ہارون واسطی کی شرافت' نیلما کا خلوص سب کے سب مصنوعی لگ رہے تھے۔ اسے صاف لگ رہا تھا کہ وہ دشمنوں کے چنگل میں پھنس کر رہ گئی ہے۔
"آپ نے نام نہیں بتایا' کیا آپ اپنا نام بتانا ہی نہیں چاہتیں یا......" گوہر نے نیلما کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں شوق اور مایوسی ایک ساتھ تھے۔
"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے۔" وہ اپنا نام بتاتے بتاتے جھجک گئی۔ جی چاہا کوئی اور نام بتا دے لیکن......
"مجھے گوہر کہتے ہیں۔" وہ ان مشکل حالات میں بھی جھوٹ نہ بول سکی۔ اپنا نام اس کے لبوں سے پھسل کر گیا۔
"گوہر۔ واہ واہ کیا خوب صورت نام ہے۔ بھیا بھی کیا شے ڈھونڈ کے لائے ہیں۔ کاش آپ کوہ قاف سے آئی پری ہی ہوتیں اور یہاں آ کر کبھی لوٹ کے نہ جاتیں۔"
"ہم پھر ملیں گے۔"
"کب؟" اس نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔
"بہت جلد۔" اس نے اپنا ہاتھ نیلما کی طرف بڑھایا تو اس نے ہاتھ نظر انداز کر کے گوہر کو گلے لگا لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"میں نے زندگی میں بہت کم لوگوں سے ربط رکھا ہے۔ بہت کم لوگوں سے متاثر ہوا ہوں اور لڑکیوں کی قوم میں آپ پہلی لڑکی ہیں۔ جسے دیکھ کر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہوا ہوں۔"
گوہر پچھلی نشست پر چادر میں لپٹی لپٹائی خاموش بیٹھی تھی۔
"آپ کے چہرے پر جو وقار ہے' جو شائستگی ہے وہ عالم بے ہوشی میں بھی اسی طرح موجود تھی۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں میری نظر آپ پر پڑی میں نے جیپ روک دی۔ ماموں بھی میرے ساتھ نیچے اترا۔ آپ گردوپیش سے بے خبر راستے پر پڑی تھیں۔ ماموں آپ کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن میں نے اسے روک دیا۔ ماموں میرا بھائی ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ لیکن جو بھی ہو وہ ماموں ہی تھا ہارون نہیں اور ہارون کو صرف اپنی نیت اپنے ارادے' اپنی سوچ کی خبر ہو سکتی ہے ماموں کی نہیں۔ میں نے آپ کے وجود کو ایک مقدس امانت جان کر جیپ میں لا ڈالا۔ اس مس لو میں اور میرا دل ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ میں نے جیپ میں ہی آپ کو فرسٹ ایڈ دی۔ آتے ہی نیلما کے' اپنی بہن کے حوالے کر دیا۔ اچھے انسان بے بس اور کمزور لوگوں کی بھرپور اعانت کرتے ہیں۔ آپ عورت تھیں۔ بے ہوش و حواس' اور ہم لوگوں کے رحم و کرم پر۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں آپ کو آپ کی منزل تک پہنچا کر سرخرو ہو رہا ہوں۔ خدا کے حضور اپنی ذات کے آگے اور آپ کی نگاہ میں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ غفور یا اس کے خاندان سے آپ کا کیا تعلق ہے۔"
"جی۔ وہ۔" وہ پھر گڑبڑانے لگی۔
"ٹھیک ہے اگر آپ نہ بتانا چاہیں تو زبردستی بھی نہیں۔ ویسے ایک بات کہوں۔"
"جی!"
"یہ سوٹ میں نے ریاض میں ایک مختصر قیام کے دوران خریدا تھا اور میرے ذہن میں نیلما ہی تھی۔ بڑے خوب صورت لگے تھے وہ جب میں نے اسے خریدا۔ بعض لوگ اچھا لباس پہن کر خوب صورت لگنے لگتے ہیں اور بعض لباس اچھے لوگوں کے ساتھ مل کر دیدہ زیب ہو جاتے ہیں۔ یہ سوٹ بے حد خوش نصیب ہے۔ جسے آپ نے قبول کر لیا۔ آپ اس لباس میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" گوہر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔
"آپ ایک حسین یاد بن کر ہارون واسطی کے دل میں رہیں گی۔ اور بارانی موسم تو بس آپ ہی کے نام ہوگا کہ آپ...... خیر...... وہ دیکھیے سامنے غفور کا گھر نظر آ رہا ہے۔ میں آپ کو دروازے پر چھوڑ دوں یا"
"دروازے پر ہی چھوڑ دیں۔"
"میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" وہ ایک دم ہنس دیے۔
"جی کیا نہ سوچا تھا آپ نے۔"
"عبداللہ پور کی حدود کو پار کرنا' آپ سر عبداللہ کو جانتی ہیں؟"
"جی...... جی نہیں۔"
"وہ اس علاقے کے زمیندار تھے۔ اصل میں یہاں کے لوگوں کو وراثت میں زمینوں اور جائیدادوں کے ساتھ ساتھ دشمنیاں بھی ملتی ہیں۔ میرے دادا حضور کبیر واسطی اور سر عبداللہ کی آپس میں پرخاش تھی جو ورثے میں شاہنواز عسکری اور میرے والد متین واسطی کو ملی۔ ابا حضور چاہتے ہیں۔ دشمنی کا یہ روگ ہم بھی پالیں۔ اپنی قوت و طاقت کے مظاہرے سے اپنے دشمنوں کو متاثر کریں۔ لیکن مجھے تو ایسی دشمنیوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ علاقہ ہمارے لیے ممنوعہ ہے۔ لیکن آپ کی خاطر پہلی بار میں اپنے والد کی نافرمانی کر رہا ہوں۔"
گوہر کا دل دھڑک گیا' شبیر کی بات صد فی صد درست تھی۔
"میں اسی سبب اپنا آشیانہ عباس نگر میں بنا رہا ہوں۔ پریکٹس بھی وہاں کروں گا اور گھر بھی وہیں بناؤں گا۔ ماموں واسطی ایسے کاموں کے لیے فٹ ہے۔ وہ ابا حضور کے نقش قدم پر چلے گا۔ مار دھاڑ کے مناظر میں حصہ لے گا۔ وہ تو پڑھائی سے بھی جی چراتا ہے۔ میں نے اسے زبردستی داخلہ دلوایا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے۔"
گوہر کا دل پھر دھڑکا۔ جیپ رک گئی۔ ہارون واسطی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
"لیجیے آپ کا ٹھکانہ آ گیا۔ شکریہ۔" انہوں نے ہاتھ جیب میں ڈالا۔

"یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے' کسی وقت ضرورت ہو تو۔ میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ میرا مطلب ہے درج فون نمبروں پر آپ کی آواز کا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ اس نے کارڈ لیا۔ ہارون نے نیچے اتر کر کھڑکی کھولی۔

"آپ کا بے حد شکریہ ہارون صاحب! ایک اچھے انسان کے انسان دوست رویوں کو میں بھی ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ خدا حافظ۔"

اس کے اترتے ہی وہ جیپ نکال لے گئے۔

گوہر نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک کھیت میں چند بچے کھیل رہے تھے۔ حد نظر تک کوئی نہ تھا۔ وہ غفور بابا کے گھر میں داخل ہوئی تو صحن میں سامنے چھتی رانو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"بی بی آپ!"

"ہاں رانو......"

"آپ اکیلی کیسے آ گئیں۔ میں تو جی بارش کی وجہ سے نہ آ سکی۔ ناشتہ سرور نے کیا تھا۔"

"رانو۔ میں صبح سے گھر سے نکلی ہوں۔"

"تو بارش میں آپ کہاں تھیں اور اکیلی گھر سے کیوں نکلیں؟"

"سخت غلطی کی میں نے' مگر...... رانو اب تم میرے ساتھ چلو۔ ماموں میرے لیے پریشان ہوں گے۔ تم بس اتنا کہہ دینا کہ تم صبح سے میرے ساتھ تھیں اور بارش کے لمحات میں نے تم لوگوں کے گھر میں گزارے۔"

"مگر بی بی!"

"رانو میں تمہیں سب کچھ بتا رہی ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ میں ماموں جان کو نہیں بتا سکوں گی۔ پلیز رانو۔" اس نے گویا التجا کی۔

دونوں ایک ساتھ چل دیں۔ گوہر نے سب کچھ من وعن اسے سنا دیا۔

"اوہ میرے خدا آپ ان واسطی کی حویلی میں گئی تھیں۔ یہ آپ نے کیا کیا۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"بی بی! وہ لوگ تو آپ کے خاندان کے جانی دشمن ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ آپ وہاں جا کر لوٹ بھی آئیں۔ وہ تو وہ تو۔ وہ آپ کو سر عبداللہ کی بیٹی کو۔ کیسے یہاں تک چھوڑ گئے۔ آپ خیر خیریت سے تو ہیں نا بی بی۔ آپ محفوظ تو ہیں نا بی بی؟ بی بی۔ آپ عہد کریں حویلی سے اکیلی کبھی باہر نہ نکلیں گی۔ کوئی نیکی آپ کے کام آ گئی۔ جو آپ وہاں سے صحیح سلامت لوٹ آئیں۔ خدا نے اپنا کرم کیا۔ بی بی! یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے شبیر میاں کے خلاف پرچہ کٹوا دیا تھا وہ ہرے اغوا کا۔ تھانیدار کو پورے پچاس ہزار روپے رشوت دی تھی۔"

گوہر نے رانو کی طرف دیکھا۔ "بی بی! ان واسطیوں نے اس گھرانے کی کسی عورت کی جھلک تک نہیں دیکھی۔ آپ نے ان سے کیا کہا۔ آپ۔ آپ۔"

"تم فکر نہ کرو انہیں اس کی کوئی خبر نہیں کہ میں کون ہوں۔"

"آپ بھولی ہیں بی بی۔ انہیں اگر اس کی خبر نہیں تو بہت جلد ہو جائے گی۔ دیہاتوں میں ایسی باتیں بہت دیر چھپی نہیں رہتیں۔"

"رانو! ڈاکٹر ہارون بہت اچھے انسان ہیں۔ ان کی موجودگی میں صرف احساس تحفظ ملتا ہے۔ بے سکونی اور پریشانی نہیں۔ وہ اپنے خاندان سے بے حد مختلف ہیں۔"

"خدا کرے آپ کا یہ اندازہ درست ہو بی بی۔ خدا کرے یہ بات سب سے چھپی رہے اور چھوٹے صاحب کو بھی علم نہ ہو کہ آپ۔"

"رانو!" گوہر کا لہجہ تیز ہو گیا۔ "میں مانتی ہوں یہ میری خطا تھی' لیکن وہاں جا کر میں ایسے حالات کا شکار نہیں ہوئی کہ مجھے یا میرے خاندان کو یا تمہارے چھوٹے صاحب کو شرمندگی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔"

"آمین۔" رانو نے آہستگی سے کہا۔

دلنواز برآمدے میں بڑی میز پر پاؤں پسارے کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھے۔ رانو کپڑوں والا بیگ گوہر کے کمرے میں رکھ آئی۔ دلنواز کو دیکھ کر گوہر کا دل بھر آیا۔ بارانی موسم کے وہ خوفناک لمحے ذہن میں تازہ ہو گئے۔ وہ بھاگ کے ان کی طرف بڑھی۔ رانو بھی آ گئی تھی۔

"ماموں جان!" اس نے بے تابانہ انہیں پکارا۔

"ارے بیٹا تم۔ کہاں چلی گئی تھیں۔ بھئی رانو ہماری بیٹی کو ہمیں بتائے بغیر مت لے جایا کرو۔ وہ سرور بھی ناشتہ دے کے بالا بالا چلا گیا۔ ہم یہاں بیٹھے پریشان ہو رہے تھے کہ اتنی تیز بارش میں گوہر کو کیا سوجھی۔ جانا ہی تھا تو ہم بھی ساتھ چلے چلتے۔ بیٹے ایسے موسم میں گھر سے یوں باہر نہیں جایا کرتے۔"

"آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا ماموں جان۔" گوہر نے ان کا ہاتھ تھام لی۔

دلنواز مسکرانے لگے۔ گوہر کو بے حد ندامت ہوئی۔ وہ دلنواز کو کتنا بڑا دھوکا دے رہی تھی۔ اس کا ضمیر اسے کچوکے لگا رہا تھا۔

"بیٹھو دیکھو تمہاری عدم موجودگی میں' میں نے اتنی موٹی کتاب پڑھ ڈالی۔ تمہیں شکوہ تھا ہم کتابوں سے دور بھاگتے ہیں ہم نے تمہارا شکوہ دور کر دیا۔"

گوہر جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"گوہر! تم کچھ پریشان سی ہو۔"

"جی...... جی نہیں۔ جی ہاں ماموں جان!"

"یہ جی نہیں اور جی ہاں کا کیا مطلب ہے۔ کیا الجھن ہے۔ بھئی سیر کے بعد تو آدمی ہشاش بشاش ہوتا ہے۔ تم نے شاید بہت زیادہ واک کر لی ہے۔ تبھی تھک گئی ہو۔"

"میں جاؤں جی۔" رانو نے پوچھا۔

"ہاں رانو۔" وہ الٹے قدموں چلی گئی۔

دلنواز نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

"بیٹے! کیا بات ہے۔ تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو؟"

"جی۔ کچھ نہیں۔ آپ کتاب کی بات کر رہے تھے۔ کیسی لگی آپ کو میری پسند۔"

"تمہاری طرح بے مثال۔ فلورا کے کردار میں مجھے تم نظر آتی رہیں۔ باہمت' باشعور اور بہادر لڑکی۔ اچھی کتابیں تمہارا حوصلہ بلند رکھنے میں مددگار ہوں گی۔ اسے بھی یعنی فلورا کو مسائل نہیں محسوسات ڈراتے تھے۔ میری تو بس یہی دعا ہے کہ اپنی امیدوں کے سلسلے میں مایوس ہو کر تم کبھی بے حوصلہ نہ ہو۔ خدا تمہیں ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے۔ تمہارے احساس کو کبھی کوئی ٹھیس نہ لگے۔ سچے اور کھرے لوگ بہت جلدی یعنی مقابل کے ایک معمولی سے جھوٹ پر ہی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا۔ ماموں کو کتنا یقین ہے۔ میرے سچے اور کھرے ہونے کا اور میں ہوں کہ اتنا بڑا جھوٹ بول چکی ہوں ان سے۔ جھوٹ موٹ کا اعتماد چہرے پر سجائے ان کے سامنے بیٹھی ہوں۔ میں انہیں کیسے بتادوں کہ میں دن کے چار پانچ گھنٹے ایک اجنبی جگہ پر اجنبی لوگوں کے ساتھ گزار آئی ہوں اور لوگ بھی کیسے۔ ہمارے خاندانی دشمن۔" وہ اندر ہی اندر کانپ گئی۔ ڈاکٹر ہارون واسطی کا خوب صورت چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

اس نے اپنے لباس پر نظر ڈالی۔ یہ لباس۔ جو اسے بے ہوشی کے عالم میں پہنا دیا گیا۔ چاہیے تھا کہ ہوش میں آتے ہی اتار دیتی۔ یہ لباس پہن کر وہ گھر آ گئی۔ اس نے نینما واسطی کی، ڈاکٹر ہارون کی باتیں خاموشی سے سنیں لمحہ بھر کو ڈاکٹر ہارون کے تعریفی الفاظ میں گم ہوگئی۔ یہ سب کیا تھا۔

یقیناً ایک خیانت۔ ایک بھیانک جرم اور جو وہ ڈاکٹر ہارون کی پناہوں میں رہی۔ ان کے بازو اسے زندگی دینے کے لیے ہی بڑھے، بڑھے تو سہی۔ ان ہاتھوں نے اسے تھاما تو سہی۔ وہ ایک غیر مرد تھے۔ ایک اجنبی انسان تھے۔ غیر مرد کی نیت ہی نہیں۔ اس کا لمس بھی گناہ میں شمار ہوتا ہے اور اس سب کی مجرم وہ آپ ہی تھی۔ جو اندھا دھند گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ اگر وہ ایک نیک طینت انسان نہ ہوتے۔ ایک شریف النفس آدمی نہ ہوتے۔ اگر وہ یہ جان جاتے کہ میں سر عبداللہ کی نواسی ہوں۔ اگر انہیں یہ خبر ہو جاتی کہ میں شبیر کی منگیتر ہوں۔ تو۔ اگر وہ مجھے قید کر لیتے۔ ایک دو راتوں کے لیے۔ تو میں ان کا کیا بگاڑ لیتی۔

وہ دلنواز کی موجودگی کو نظر انداز کر کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔ الماری میں رکھے بیگ میں سے اپنا ایک اور سوٹ نکالا اور جلدی سے تبدیل کر لیا۔ وہ کچھ دیر اور ان کپڑوں میں رہتی تو شاید وہ سانپ بچھو بن کر اس سے لپٹ جاتے۔ وہ بستر پر گر کر بے اختیار رونے لگی اور اپنے آج کے کیے کا احساس اسے بہت زیادہ ستانے لگا۔ اسے لگا جیسے ابھی اس نے کوئی رنگین، وشگین خواب دیکھا تھا۔ اس نے جلدی سے باتھ روم میں گھس کر وضو کیا اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئی اسے شبیر شدت کے ساتھ یاد آیا۔ احساس جرم اور بڑھا اور وہ اور زیادہ رونے لگی۔

دلنواز نے دروازے پر دستک دی۔

"گوہر۔ گوہر۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے بھئی۔ کیا کر رہی ہو۔"

"آئی ماموں جان!"

میز پر بیٹھے دلنواز نے اسے بغور دیکھا۔

"بات سنو تم روئی ہو کیا؟"

"جی نہیں۔"

"پھر یہ آنکھیں کیوں سرخ ہیں۔"

"صابن چلا گیا تھا۔"

"واہ تھی بچی! تمہیں تو منہ دھونے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ ایسی حرکتیں تو بچے کرتے ہیں۔"

وہ زبردستی مسکرا دی اور بھوک نہ ہونے کے باوجود کھانا زہر مار کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

جاتے ہوئے کچھ اور مسائل اس کے ساتھ تھے، آتے ہوئے کچھ اور پریشانیاں تن کی ہمراہ تھیں۔ دوسرے کی ذات نظر میں مشکوک ہو تو غم اور طرح کا ہوتا ہے۔ اپنی ذات اپنی نظر میں معتبر نہ رہے تو دکھ اور طرح کا۔

"گوہر! بڑی خاموش ہو بیٹی! عبداللہ پور میں تمہارا دل اتنا زیادہ بھی نہیں لگا تھا کہ۔"

"نہیں ماموں! میں خاموش تو نہیں ہوں۔ بس راوی کے نظارے میں گم تھی۔"

"میں آج ہی عاصم بھائی سے بات کروں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ دن تمہارے ساتھ گزار کر تنہائی یہ کیا ستانے لگی ہے۔ کاش میری بھی تم جیسی ایک بیٹی ہوتی۔ انٹیلیجنٹ بل سی۔ خود شناس سی، ہم ماموں بھانجی خوب گپتی رہے گی۔ شامیں اچھی بسر ہوا کریں گی۔ یہ وعدہ رہا کہ اسٹڈی میں ہم تمہاری ممکنہ مدد کریں گے۔ تمہیں وقت دیں گے۔"

گوہر مسکرانے لگی۔

"میں آپ کو بہت عزیز ہوں ماموں۔"

"ہاں شبیر کے ساتھ مل کر بہت عزیز ہوگئی ہو۔ بعض چیزیں بعض چیزوں کی ہمراہی میں بہت زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ ایسے ہی تم۔"

"تھینک یو۔" اس نے دلنواز کی طرف دیکھا۔

"گوہر! کیا تمہارے اس سروے کا آنکھوں دیکھا حال میں اسے بتا دوں۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ماموں۔"

وہ ہنس دیے۔ "فکر نہ کرو گوہر میں تمہارا اچھا رازداں اور دوست رہوں گا۔ تمہیں صحیح مشورہ دوں گا۔ شبیر تھوڑا سا مشکل انسان ہے اسے سمجھنے میں بھی تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ میں تم دونوں کے وجود میں عسکری خاندان کی انقلابی صورت دیکھ رہا ہوں۔"

گوہر اس موضوع کے لیے تیار نہ تھی۔ اس نے بات کا موضوع بدل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈھیر سارے دن گزر گئے۔ بابا اپنے وعدے کے مطابق اسے لاہور چھوڑ آئے۔ گھر چھوڑتے وقت وہ خاصی اداس بھی تھی۔ لیکن ڈھیر ساری محبتوں کے تصور سے پرجوش بھی تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر دلنواز ماموں اور کاظم چچا دونوں ہی موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر دونوں ان کی طرف لپکے۔ گوہر کے سر پر دونوں نے ہاتھ رکھا۔ پھر عاصم حسنین سے ملے۔ دونوں اسے اپنے اپنے گھر لے جانے پر مصر تھے۔ عاصم نے فیصلہ دلنواز کے حق میں دیا۔ کیونکہ وہ کاظم سے بڑے تھے۔ کاظم نے بڑے بھائی کے فیصلے کو خوشی سے قبول کر لیا۔ لیکن شرط بھی ٹھہرائی۔ جتنے دن عاصم لاہور ہیں گوہر بھی ان کے ساتھ کاظم کے ہاں رہے۔ دلنواز نے اسے بخوشی قبول کیا اور خود بھی ان کے ساتھ آ گئے۔

گوہر کی گھر میں آمد بچوں کی عید ہو گئی۔ چچا نے بڑی محبت سے گوہر کو تین دنوں میں پورے شہر کی سیر کرا دی۔ بچے ہر دم ان کے ساتھ ہوتے۔ گوہر یا تی کی ہمراہی میں خوش رہتے اور ہر تفریحی جگہ پر اس کے گائیڈ کا رول ادا کرتے۔ بچوں کو تاریخی عمارتوں کی تاریخ ازبر یاد تھی۔ نئی جگہوں کا مکمل علم تھا۔ وہ تو عمارتوں کی تعمیری تکنیک سے بھی بھرپور طریقے سے آگاہ تھے۔

چھٹے روز عاصم واپس جاتے ہوئے اسے خود ہی دلنواز کے ہاں چھوڑنے آئے۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ فضا میں خاصی خنکی تھی۔ دلنواز فیملی لان میں تھی۔ شبیر بھی وہیں موجود تھا۔ بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ لان میں خاصا شور شرابا تھا۔ ان لوگوں کو آتا دیکھ کر سب کے ہاتھ اپنی اپنی جگہ رک گئے۔

"آیئے عاصم بھائی! بھئی خوب انتظار کرایا آپ نے۔ میں آمنہ بیگم کی محنت آپ کے بنا ہی ٹھکانے لگانے سوچ رہا تھا۔ بھئی آمنہ! ملنا ملانا بعد میں' پہلے چائے کی میز سجاؤ۔ کھانے سے زیادہ کھانے کی خوشبو خطرناک ہے۔ اسے برداشت کرنا خاصی جرات کا کام ہے اور ہم یہ جرات پورے دو گھنٹوں سے دکھا رہے ہیں۔"

"آج تو ہاف ڈے تھا۔ اگر اس وقت تک جناب آفس میں ہوتے تو۔" آمنہ خاتون بھی بذلہ سنج تھیں۔

"وہ اور بات تھی۔ دیکھو دُعا کے کون چھوڑتا ہے۔ پلیز آمنہ تم کچھ کرو ورنہ مجھے حکم دو۔"

وہ مسکراتی ہوئی گوہر کی طرف بڑھیں۔ اسے گلے لگایا۔ عاصم کو سلام کیا اور اندر چل دیں۔ شبیر ہاتھ جھاڑتا عاصم حسنین کے قریب آیا۔

"آداب عرض ہے پھوپھا جان!"

"جیتے رہو بیٹے کیسے ہو' پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"ٹھیک ہوں' پڑھائی بھی ٹھیک جا رہی ہے۔"

"آپ کیسی ہیں گوہر؟" اس نے ایک نگاہ غلط انداز گوہر پر ڈالی۔

"السلام علیکم!" گوہر نے ہمت دکھائی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں؟"

"آپ کے سامنے ہوں۔ یقیناً اچھی ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ دونوں ایک دوسرے سے فاصلے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"بھئی تمہارا میچ بڑے سنسنی خیز لمحات سے دوچار تھا۔ جاؤ کھیلو نا۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں چچا جان؟ وہ تو بچے میچ کر لے گئے تھے۔"

"ہاں برخوردار! ان کے سامنے بچوں کے ہاتھوں تمہاری کلی اڑ جائے بات ہے بہت بے عزتی والی۔ بھئی اب اپنے شبیر بھائی کے بغیر ہی کھیلو۔" دلنواز نے آواز لگائی۔ "لیکن پہلے اپنے پھوپھا جان اور گوہر باجی سے لو۔" بچے بھی قریب آ چکے تھے۔ دونوں سے ملے اور وہ بھی وہیں رک گئے۔ آمنہ خاتون نے اندر سے ہی چا۔ تیار ہونے کی نوید دی تو دلنواز سب سے آگے اندر کو بڑھے۔

دوسری صبح آمنہ خاتون نے دلنواز کے آفس اور بچوں کے اسکول چلے جانے کے بعد فراغت محسوس کر۔ ہوئے۔ گوہر کو اس کے کمرے میں اپنی پسند کا سامان سجانے کے لیے صندوق میں پڑے بیڈ کور کشنز اور پرد۔ وغیرہ اس کے سامنے رکھ دیے چچی بھی وہیں موجود تھیں۔

"اے گوہر بیٹی! اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔ تمہاری مامی جیسی عورتیں دنیا میں بہت کم ہوتی ہیں۔ اس کے پاس محبت اور خلوص کا نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ گھر ایسی عورتوں کے دم سے ہی جنت ہوتے ہیں۔"

"ہٹایئے بھی چچی اماں! آپ کی تعریفیں تو اچھے بھلے انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہیں۔" وہ مسکرائیں۔

"آپ تو مجھے ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی ہیں مامی۔" گوہر نے انہیں چھیڑا۔

"یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بگڑتے بندے کو چچی اماں ٹھیک بھی کر دیتی ہیں۔"

"لو اب تم مجھے مکھن لگانے لگیں۔ اپنی حقیقت کا مجھے ہی پتا ہے۔ تم میاں بیوی کا دم ہے مجھے برداشت کرنا' نواز کے گھر میں ہوتی تو کب کی مرکھپ گئی ہوتی۔"

"اب ہمیں مسیحا کا درجہ بھی نہ دیں چچی۔"

"ارے بیٹی! خوشگوار ماحول ہو تو جینے کو دل خود بہ خود چاہتا ہے۔ تمہارے چچا کے بعد دنیا میں کہاں جگہ تھی میری۔ تم' دلنواز۔ یہ بچے تم سب میرے دل کا چین ہو۔ اپنا بیٹا بھی ہوتا تو دلنواز سے زیادہ فرمانبردار اور چاہنے والا تو نہ ہوتا۔ خدا تمہارا سہاگ سدا سلامت رکھے بہو۔"

"کچھ بتائیں ہمیں بھی چچی اماں۔ بھئی آپ بڑی سیاستدان ہیں۔ یوں تو بڑا کہتی رہتی ہیں۔ شبیر بڑا لائق بچہ ہے۔ بڑا تابعدار ہے۔ اب چھوٹے منہ بھی ایک حرف نہیں نکالا منہ سے۔ دیکھ لیا چچی۔ آپ بھی منہ دیکھے کی یار ہیں۔ دل سے نہیں چاہتیں۔"

"ارے چور لڑکے! تو کب آیا اور چھپ کے باتیں سن رہا تھا۔"

"چھپ کے کیوں سنتا کوریڈور سے یہاں تک آتے آتے سنتا رہا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ چچی اماں کے نازک لبوں پر میرا ذکر خیر بھی آئے گا۔ مگر کہاں۔ آپ نے تو حرف ملامت بھی نہیں کہے۔"

"لیکن شریف آدمی! تم صبح صبح یونیورسٹی جانے کے بجائے اس طرف کیسے آ گئے؟"

"چچا جانی کا حکم تھا۔ گوہر بیگم کو یونیورسٹی لے جانا ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو تیار ہو جائیں گوہر بیگم۔ بندہ اپنی تعلیمی مصروفیت چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔" اس کا انداز قطعی طور پر اپنائیت بھرا نہ تھا۔ وہ وہیں چچی اماں کے ساتھ ٹک گیا۔

"میں منتظر ہوں۔ آپ تیار ہو جائیے۔"

گوہر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے آمنہ خاتون کی طرف دیکھا وہ سمجھ گئیں۔

"یہ کام تو بعد میں بھی ہوتے رہیں گے بلکہ میں اپنی مرضی سے تمہارا کمرا سنوار دوں گی۔ تم جاؤ۔ تیار ہو جاؤ۔"

"مامی!" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔

تبھی وہ اس کے ساتھ باہر آ گئیں۔

"میں شبیر کے ساتھ جاؤں گی!" اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"او ہو کلی گرل! یہ واحد بندہ ہے جس کے ساتھ تم دنیا کے آخری کونے تک بھی جا سکتی ہو۔ اعتماد کے ساتھ جینا سیکھو۔ خدا نے تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہترین موقع دیا ہے اور شبیر اس قابل ہے کہ تم اس کے ساتھ دنیا کے آخری کونے تک بھرپور اعتماد کے ساتھ چلی جاؤ۔ وہ تمہارا شریک حیات ہے گوہر۔"

"او۔ کے مامی! میں آ رہی ہوں۔" اس نے جھٹ کہا۔ تیار ہو کے وہ آئی تو آمنہ خاتون نے بتایا وہ باہر اس کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ باہر چلی آئی۔ اسے آتا دیکھ کر شبیر نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ گوہر گرے سوزوکی کو دیکھتی رہ گئی۔ جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شبیر خاصا جچ رہا تھا۔ وہ سدا گاڑی میں بیٹھا ایسے لگتا تھا یا گوہر کو دیکھ کر اکڑ رہا تھا۔ بہر حال اس وقت بڑی آفت قسم کی شے نظر آ رہا تھا۔ بالکل ایک خوبرو مغرور شہزادہ وہ چپکے سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمے تھے۔ خالی ہاتھ..... گوہر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی انگوٹھی۔" اس نے ادھورا سا سوال کیا۔

"اعتماد کے بغیر کچھ دل کو نہ لگ رہی تھی۔ تبھی اتار دی۔ مگر تم نے تو اب تک پہن رکھی ہے۔"

"اور بڑے اعتماد کے ساتھ۔ آپ کو معتبر جانتے ہوئے۔" اس نے ہمت کر کے جواب دے ہی دیا۔

"زہے نصیب۔" اس نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

"آپ کو میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی نے کوئی خوشی نہیں دی؟"

"اپنی خوشی کو محسوس کرنے میں اس کے ہونے یا نہ ہونے کا تعین کرنے میں مجھے بھی کچھ وقت لگے گا' بہر حال اب تو چلیے خاصا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے گاڑی آگے بڑھا دی شبیر کی ہمراہی میں یہ اس کا زندگی کا پہلا سفر تھا۔ اور شبیر کی معنی خیز سرد مہری کو فیس کرنے میں ایک ناقابل بیان لطف پنہاں تھا۔

❖......☆☆......❖

"میں عبداللہ پور گئی تھی۔"

"ظاہر ہے' آپ کے نانا حضور کی جاگیر ہے عبداللہ پور۔ آپ کو جانا ہی تھا وہاں۔" شبیر نے اپنی مسکراہٹ اس سے صاف چھپالی۔

"میں اسے کسی کی جاگیر سمجھ کر عیش کوشی کے لیے نہیں گئی تھی۔"

"پھر...... پھر کس لیے؟"

"اس لیے کہ وہ ایک مدت آپ کی جائے رہائش رہی۔"

"میری جائے رہائش سے آپ کو کیا دلچسپی؟"

"آپ کے ہر معاملے سے مجھے دلچسپی ہے۔ عبداللہ پور نہ جاتی تو شاید ایک طویل عرصے تک غلط فہمیوں کے خارزاروں میں بھٹکتی پھرتی۔ شبیر! آپ مجھے عذرا بنت جمال سے نہیں ملوائیں گے۔ وہ کہاں رہتی ہے۔"

گوہر درحقیقت اپنی زیادتیوں کی تلافی کرنا چاہتی تھی اور اپنی غلط فہمیوں پر یہ اس کا اظہار ندامت ہی تو تھا۔

"کیا ضرورت ہے تمہیں اس سے ملنے کی۔ آدمی کو ایسے انسان سے ملاقات کی غلطی نہیں کرنا چاہیے جس کے لیے دل میں اچھے احساسات ہی نہ ہوں۔" اس نے لہجے میں بے گانگی بھری۔

"مجھے ہر وہ شے عزیز ہے شبیر! جس کا تعلق آپ کی ذات سے کسی نہ کسی حد تک ہے۔ کیا عذرا آپ کی بہن نہیں ہے؟" شبیر نے اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ جماتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"اچھا......!" اس چھوٹے سے لفظ میں بہت سے معنی چھپے تھے۔ وہ بہت سے عجیب و غریب احساسات سے دوچار ہوئی۔ خاموش بیٹھی رہ گئی۔

"اور شاید سب سے زیادہ تمہیں ارم عزیز ہے۔ آخر میرے ساتھ اس کا بہت زیادہ گہرا تعلق ہے۔ وہ میری حقیقی بہن ہے شاید یہ احسان بھی مجھ پر ہے۔"

وہ اب بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ لب ہل کر رہ گئے۔

"ہاں ہاں کہو نا۔"

"شبیر! مجھے خبر نہ تھی۔ ارم آپ کے خلاف ایسی بے بنیاد باتیں بنائے گی۔ بلیو می شبیر...... میں یہ بھول گئی کہ اس کے اور آپ کے درمیان بڑا عجیب رشتہ ہے۔ ورنہ میں روز اول اس کی کسی بات کا اعتبار نہ کرتی۔"

"چاچو بتا رہے تھے رانو سے تمہاری بڑی دوستی رہی۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

"جی ہاں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"مسرور کے دکھ سکھ میں ساتھ دینے والی بہت ہی اچھی بیوی اور شریک سفر بھی۔" اس نے بڑے عجیب لہجے میں کہا۔

"جی!"

"ہاں ہاں...... مسرور کی اور اس کی پسند کی شادی ہے۔ جان دے رہی تھی مسرور کی خاطر...... پھر دونوں کی شادی ہوئی۔"

"سر بشاید خود پر جان دینے والی لڑکی کو......" وہ مسکرا رہی تھی۔

"اپنے آپ سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ یہ میرا خیال ہے' ذاتی خیال۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی میرا ہے کہ جان دینے کی ہمت ہر لڑکی میں نہیں ہوتی۔ گوہر! آدمی جان اسی کی خاطر دے سکتا ہے جسے اپنی زندگی کا محور سمجھتا ہو۔ جس کے بغیر جینے کو بے کار سمجھتا ہو۔ مزہ تو اسی زندگی کا ہے کہ آپ کسی کی خاطر سچائی کی آخری حد تک مخلص ہوں۔ میں نے سوچا تھا مجھ میں اور تم میں منگنی کا یہ بندھن ایسے جذبے پیدا کر دے گا۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر جئیں گے۔ ایک دوسرے کی خاطر زندگی گزاریں گے۔ زندگی اپنائیں گے۔ حالات سے دو دو ہاتھ ہوں گے۔ لیکن تم نے...... تم نے ہر قدم پر میرے حوصلے پست کیے۔ ایک طرح سے میرے احساسات میرے جذبے ناقدری کے ساتھ جھیلو نا دیے۔"

"نہیں شبیر! یہ آپ......"

"نہیں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ محبت کے رشتوں میں اعتماد بنیاد ہے۔"

"تم نے بنیاد بنتے ہی نہیں دی۔ ٹھوس اور مضبوط بنیاد...... اس رشتے کی عمارت کو شک اور بے اعتمادی کے تیشے سے توڑ پھوڑ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے سمجھا ہی نہیں۔ کوشش بھی نہیں کی۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں نے آپ کے جذبے ناقدری کے ساتھ آپ کو لوٹا دیے ہیں۔ کتنی غلط بات آپ نے کہہ دی۔ اور کہنے سے پہلے کچھ نہیں سوچا۔"

"بہت سوچا ہے۔"

"آپ جسے محبت کہتے ہیں میں اسے ایک فطری کشش کے سوا کچھ نہیں سمجھتی' جو آدم کے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ حوا کو دیکھ کر...... بعض لوگ اس کشش کو ایک چہرے کا پابند بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اکثر بے صبرے اور ناشکرے۔ چہروں کے کولبس خوب سے خوب تر کی تلاش میں انبار لگاتے چلے جاتے ہیں اپنے اردگرد۔ لیکن میں آپ سے وہ وفا نبھانا چاہتی ہوں جس کا ذکر کتابوں میں ہے۔ جسے چند اچھے لوگوں نے اپنایا ہے اور جو انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے۔"

شبیر نے گردن قدرے موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بات جاری رکھی۔

"جی ہاں اور شاید میری وفا ابھی اس موڑ تک نہیں پہنچی کہ جان دے دینا آسان مرحلہ لگنے لگے۔ بہر حال آپ کو چاہیے کہ آپ وہ رنگ اپنے ہاتھ میں پہن لیں تاکہ مجھے یقین ہو کہ آپ نے میری بات پر اعتبار کر لیا ہے۔"

"کیا اعتبار کی شرط صرف یہی رہ گئی ہے' ناتے انگوٹھیوں کے نہیں انسانوں کے جڑتے ہیں گوہر عسکری۔" شبیر کو اس ذکر سے چڑ سی ہوگئی تھی۔

"تو لیجیے۔ میں بھی اتار رہی ہوں انگوٹھی...... رکھ لیجیے اسے اپنے پاس۔ ہم اس ناتے کو ایسے ہی نبھائیں گے کسی ظاہری حوالے کے بغیر۔"

شبیر نے ایک دم اسے دیکھا۔ "پلیز گوہر۔ چچی اماں سے ڈرو۔ ناطقہ بند کر دیں گی تمہارا۔ انگوٹھی اتار کے دیکھو تو سہی ان کے سامنے۔" وہ مسکرانے لگا۔

"تو گویا انگوٹھی ضروری ہے۔" وہ اقرار کرانا چاہتی تھی انگوٹھی کی اہمیت کا۔

"ہاں۔ دنیا والوں کی نظر میں۔"

"اور آپ کی نظر میں۔"

"تم جیسی ایک اچھی لڑکی' ایک اچھی دوست کافی ہے۔"

"سچ......" گوہر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ آج سے سارے شکوے گلے اور جھگڑے بند۔ تمہارے ساتھ یہ زندگی کا پہلا سفر ہے۔ بہت د دھات کی انگوٹھیاں موضوع بحث بنی رہتی ہیں۔ اب ان کا ذکر کبھی نہیں ہوگا۔ یہ ہمارے والدین اور بزرگوں تسلی اور اطمینان کا سبب ہیں۔ ہم دونوں کی ذات کا حوصلہ تو بس آپس کا پیار اور اعتماد ہی ہوگا۔ زندگی کسی دیوا ے حسین خواب کا نہیں ایک تلخ حقیقت کا نام ہے۔ خوشیاں صرف رب کی مہربانی سے ملتی ہیں تمگ ودوست تھیر پر سارے کام امید کے سہارے چلتے ہیں۔ ہم امیدیں دل میں لیے کوشش کرتے ہیں اور میری کوششیں ذا کے لیے نہیں اجتماع کے لیے ہیں گوہر...... مجھے آج تک کوئی ایسا نہیں ملا جس سے میں دل کا حال کہہ سکوں۔ اس جدوجہد میں میرا ساتھ دے سکے۔ جو میرے اس جذبے کو سراہے۔ مجھے مزید حوصلہ بخشے۔ گوہر اس جدوجہ کا تو کیا ذکر...... میں تو اپنی ذات کے بارے میں بھی آج تک کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکا۔ عدی میرا جگر دوست ہے۔ بہت پیارا' جان نثار اور مخلص...... ممی میری ماں ہیں' اور ڈیڈی باپ جیسے سدرہ آپا کا وجود ایک نعمہ ہے۔ عذرا کا پیار پا کر مجھ جیسے محروم محبت نے جانا کہ بہن بھی خدا کا عنایت کردہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ لیکن گوہر... ان سارے رشتوں میں وہ بات پیدا نہ ہوسکی۔ ایک فاصلہ تو پھر بھی موجود رہا۔ انہوں نے مجھے پیار دیا۔ وہ غم تھے...... یہ پیار ان کا احسان ہے۔ شبیر تو ایک تنہا انسان کا نام ہے جس نے ہاسپٹل میں آنکھ کھولی تو ماں کے پیا سے اپنی پہلی سانس سے بھی قبل دور ہو گیا۔ نرسری میں پلا بڑھا۔ پوری زندگی ہوسٹلوں میں رہا اور بڑا ہو گیا اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی کتنا اکیلا رہا۔ گوہر...... کبھی تم نے میرے بارے میں اس انداز سے سوچا۔ کتنا نصیب ہوں میں بھی۔ ماں کے وجود کی واضح شکل بھی میرے پاس نہیں۔ اس کا تصور بھی میرا نہیں۔ ماں جا۔ کیسی تھی۔ کیسی ہوگی۔ بچہ اپنے ماں باپ کا پرتو ہوتا ہے۔ مجھ میں اپنے پاپا جیسی ایک بات بھی نہیں۔ چاچو کہتے ہیں میں اپنی ماں پر گیا ہوں۔ اگر میں سچ مچ اپنی ماں جیسا ہوں تو پھر خوش نصیب بھی ہوں۔ کسی اچھی ماں کا بچہ ہوں۔ میرے اندر خون کی روانی کے ساتھ ساتھ اچھائی دوڑ رہی ہے۔ ماں زندہ نہ رہی۔ کچھ دے نہ سکی۔ لیکن میرے لیے یہ کافی ہے جو مجھے مل گیا۔ خوب صورت دل اور صاف ستھرا ذہن دونوں ساتھ ہوں تو اور چاہیے بھی کیا۔ شاید ان ہی کے سبب میں تنہا رہ کر بھی غلط راہوں پر نہ چلا۔ بھٹکنے سے بچ گیا گوہر! جب میں بہت چھوٹا تھا ...تب بھی...... ہاں تب بھی مجھے بے حد شعور تھا۔ محرومی کے دکھ کو سمجھنے کا شعور۔

ہوسٹل کے چوکیدار زمان بابا کی غربت کا غم میرا دل شدت سے محسوس کرتا تھا۔ زمان بابا کے چھ بچے تھے۔ سرکاری کوارٹر کے چھوٹے کمرے میں سارے کے سارے ایک ساتھ رہتے تھے۔ بیچارہ قلیل تنخواہ میں ان سب ا زندگی کا ایندھن مہیا کرتا تھا۔ ناکافی غذا' ناکافی لباس' اس کا ایک بیٹا میرے جتنا تھا۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ جب بھی میں لان میں بیٹھ کر پڑھتا وہ میرے پاس آجاتا۔ میں اس کے لیے کتابیں لے آیا۔ اسے پڑھانے لگا۔ ہوسٹل کے وارڈن نے ایک دن اسے میرے پاس بیٹھا دیکھا تو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ میں نے ان سے کہا۔ "سر! میں اسے پڑھا رہا ہوں بے چارے کو پڑھنے کا شوق ہے۔"

"کیا پڑھتے ہو وہ' تم میں اور ان چوکیدار کے بیٹے میں بہت فرق ہے۔ شبیر عسکری۔ حقیر لوگوں کو منہ لگانا اچھا

نہیں ہوتا۔ تمہارے والدین تمہیں اس بات کے پیسے دیتے ہیں کہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کی جائے۔"

"اس میں اور مجھ میں کیا فرق ہے سر......؟"

"تم ایک بہت بڑے آدمی کے بیٹے ہو شبیر...... وہ لوئر کلاس آدمی کا بیٹا۔ بہت بڑا فرق ہے تم دونوں کے درمیان۔ اس لڑکے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے تمہاری عادتیں بگڑ سکتی ہیں۔ یہ لوگ انسان ہوتے ہیں مگر جانوروں جیسے۔" میں نے حیران ہو کر اپنے وارڈن کو دیکھا۔

"میں تب سے ہی اس پر غور کر رہا ہوں۔ یہ فرق کس نے پیدا کیا۔ کیا خدا نے؟ یا ہم انسانوں نے۔ میں زمان بابا کے اور بھی قریب ہو گیا۔ ان کے گھر جانے لگا۔ اپنے حصے کا کھانا چوری چوری بچا کر ان کے ہاں لے جاتا۔ ان کے کسی بچے کو کھلا دیتا دودھ کا گلاس ان کے شیر خوار بچے کو دے آتا۔ ایک دن پھر دیکھ لیا گیا۔ مجھ پر سختی ہونے لگی۔ وقت آگے بڑھتا رہا۔ میرے نظریات پختہ ہوتے رہے۔ میں اب بچہ نہیں نوعمر لڑکا تھا۔ تھوڑا سا ذمہ دار۔ اب میرے ہاتھ میں پیسے بھی تھے۔ میں اکثر ان سے ضرورت مندوں کی ضرورتیں خرید کر اپنے بے چین دل کو چین بخشتا رہا اور ایک دن جب زمان بابا کا میرا ہم عمر بیٹا نمونیے کے سبب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تو میں دہل گیا۔ اتنے پیسے میرے پاس بھی نہ تھے کہ وہ کسی ڈاکٹر کی فیس کے لیے دیے جاسکتے۔ وہ بوڑھے زمان بابا کا سہارا تھا۔ اس کی موت پر وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ کوارٹر میں اس کے بیٹے کی بے گور و کفن لاش پڑی تھی اور ساتھ ہی موجود پرنسپل کے بنگلے میں ان کے اکلوتے بیٹے کی سالگرہ کا جشن تھا۔ جس میں بہت سے لوگ مدعو تھے۔ میں سر عبیداللہ کا چہیتا تھا اس لیے پرنسپل صاحب کا منظور نظر تھا۔ پھر اپنے اسکول کا لائق طالب علم بھی تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی تھی مجھ سے رسم و راہ اور دوستی رکھنے کی۔ مگر میں اس سالگرہ میں شریک نہ ہوسکا۔ زمان بابا کے کوارٹر میں اس کے بیٹے کی لاش کے قریب بیٹھا رہا۔ اسے نہلانے میں بابا کی مدد کی۔ پرانی چادر کے کفن میں لپیٹ کر میں زمان بابا...... اور اس کے جیسے دو لوگ قبرستان میں لے آئے۔ نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا اور لوٹ آئے۔ اس گھر میں آگ نہیں جلی۔ اسکول کے درجہ چہارم کے ملازموں نے مل کر دوسری صبح کھانے کا بندوبست کر دیا۔ پرنسپل صاحب کے گھر جشن سالگرہ کے سلسلے میں پکنے والے عمدہ کھانے دوسرے دن خراب ہو جانے کے سبب کوڑا گھر میں پھینک دیے گئے۔ تیسری صبح میں اسکول میں داخل ہو رہا تھا۔ تو پرنسپل کی گاڑی گیٹ پر رکی۔ زمان بابا گیٹ پر کھڑا تھا۔

"بھئی سنا ہے تمہارا بیٹا مر گیا ہے۔ علاج کرایا ہوتا نا۔ ایک تو تم جاہل لوگوں میں یہ بات بہت بری ہے۔ مرض بڑھ جانے پر واویلا کرتے ہو۔ حالانکہ شروع میں ہی ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ بچوں کا خیال رکھا کرو۔ آج کل برفانی سردی کی لہر آئی ہوئی ہے۔"

انہوں نے فرض ادا کر دیا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا دونوں کو دیکھتا رہا۔

میں اسکول سے کالج میں آگیا۔ مگر یہ فاصلے اور درجے مٹے نہیں بلکہ اور بھی بڑھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدم قدم پر زمان بابا جیسے لوگ نظر آئے۔ میں اس وقت بھی بے بس تھا۔ اس وقت بھی۔ میں نے بی۔ اے کیا تو پاپا آگئے۔ انہوں نے مجھے پیار دیا۔ پناہ دی۔ میں خود کو بڑا مضبوط جاننے لگا۔ میں نے سوچا اب میں اپنے دل میں پلنے والے دکھ کا ازالہ کر سکتا ہوں۔ اب میرے پاس پیسہ بھی ہے اور اظہار کی قوت بھی کام کرنے کو ایک پلیٹ فارم بھی مگر۔ میرا یہ عمل پاپا کو پسند نہیں آیا۔ وہ میری ذات پر لاکھوں خرچ کر سکتے تھے۔ بے مایہ۔ بے سہارا لوگوں پر نہیں۔ میں انسانیت کی بھلائی کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے خفا ہو گئے۔ میرے کیے کی سزا غریبوں کو

دی۔ اپنی ماں سے سب کو ہٹا کر۔ ان کے جائز حقوق چھین کر۔ گوہر! کچھ لوگ مجھے خبطی اور پاگل کہتے ہیں۔ اپنی جان کا دشمن سمجھتے ہیں۔ ارم کی ممی کا خیال ہے میں صرف اس لیے ان کے شوہر کی دولت لٹانا چاہتا ہوں کہ شبیر، منیہ ارم اور شازیہ کا حق چھین لوں۔ ان کا خیال کتنا غلط ہے۔

گوہر میں جب اس گھر میں تھا تو ملازموں سے ان کے بدتر سلوک پر میرا دل جل جاتا تھا۔ لیکن میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ میں کیا چاہتا ہوں...... میں کسی کو نہیں سمجھا سکتا۔ شاید میں تفریق مٹانا چاہتا ہوں، انسانوں کے درمیان موجود تفریق جو بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے نوع انسانی کے لیے کیا کیا ہے۔ صرف تباہ کاری پیدا کی ہے ایک ہائیڈروجن بم کے سامنے لاکھوں انسان کیڑے مکوڑوں سے بھی کم حیثیت رکھتے ہیں۔ مشینریوں نے تو غریب انسانوں کی روزی بھی مار دی ہے۔ یہ لوگ آخر کہاں جائیں گے۔ زندگی کیسے گزاریں گے۔ ایک گریڈ آفیسر کو صرف سائن کرنے کے ہزاروں روپے ملتے ہیں۔ موت کے منہ میں جا کر خوف ناک مشین چلانے والوں کو چند سو روپے، افسر کو رشوت کی موٹی موٹی رقوم کا سہارا۔ مزدور ایک دن کسی مجبوری کے تحت غیر حاضری کرے تو دیہاڑی ختم۔ امیر لوگ چند ہزار ہوں گے۔ غربت قدم قدم پر سسک رہی ہے۔ کروڑوں لوگ محرومی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ماحول رو رہا ہے انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ کسی دن مر جائے گی۔ مگر خدا نہ کرے کہ انسانیت کو موت آئے گوہر...... کبھی تم نے کسی بے حال خاتون کی حالت پر غور کیا۔ جس کے پاس اپنی اولاد کا پیٹ بھرنے کے لیے بھی پیسے نہ ہوں اور اس پر تین تین چار چار لڑکیوں کی جوانی کا بوجھ بھی لدا ہو۔

کس کس بات کا رونا رویا جائے۔ آخر کس کس بات کا۔ ہماری یونیورسٹی میں طلباء کی کئی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ لیکن ان پانچ چھ ماہ میں میں یہ نہیں جان سکا کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔ سوائے آپس میں لڑائی جھگڑے اور ہنگامہ آرائی گالی گلوچ، ہاتھا پائی اور فائرنگ کے۔

ہمارے عظیم قائد نے ہمیں فکر و نظر کی آزادی کے درس دیے ہیں۔ لیکن ہم نے اس آزادی کا مطلب کچھ اور لیا ہے۔ ہم میں خود کو منوانے کی جبلت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ہم اپنی بات کو درست اور باقی سب کی بات کو سراسر غلط قرار دیتے ہیں۔ ہم میں یکجہتی کا فقدان ہے۔ ہم اتفاق سے نہیں رہ سکتے۔ یہ بات بڑوں سے شروع ہوئی ہے اور چھوٹوں میں بھی موجود ہے۔ حیوانوں کی طرح ہم طاقت کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ طاقت کے بل پر سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فہم و فراست سے نہیں۔ قوم کے لیڈر وہ ہوتے ہیں جو اس کے لیے کچھ کریں۔ ہمارے لیڈروں کا سارا زور بیان بازی پر صرف ہوتا ہے۔ خوب صورت الفاظ میں قوم کے درد کا اظہار کر کے وہ فرض ادا کر دیتے ہیں۔ کسی جیل کے اے کلاس کمرے میں چند مکمل سہولیات سمیت نظر بند ہو کر تو گویا قربانی کی پل صراط پار کر لیتے ہیں۔ معاشرے کو ان کی نہیں حقیقی غم خواروں کی ضرورت ہے۔ ایک شخص کے پاس خدا کی بخشی دولت بے حساب ہے۔ وہ اس میں سے تھوڑی سی دولت ان پر بھی لگا دے۔ جنہیں خدا نے جانے کس سبب محروم رکھا ہے۔

ایک شخص کے پاس علم و عمل کا خزانہ ہے۔ وہ اسے ان کے لیے استعمال میں لے آئے جو اس کے طلب گار تھے۔ بیسویں صدی علم سے آشنائی کی صدی ہے۔ پہلے علم چند لوگوں کے پاس ہوتا تھا۔ اب گھر گھر میں ہے۔ کبھی تم نے غور کیا گوہر! علم کس شے کا نام ہے۔ ہر اس اچھائی کا نام جو نوع انسانی کو فائدہ پہنچا سکتی ہو۔ علم ہی ہے۔ ہم نے علم سے مختلف اقسام کے بم بنا لیے ہیں۔ ہزاروں میلوں سے مار کرنے والے میزائل تیار کروا لیے

۔ قلا شکوف ایجاد کر لی ہے۔ اس صدی کی خطرناک ترین لعنت ہیروئن سے نسل انسانی کو تباہ کرنے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ لیکن اس علم سے مساوات کو جاری نہیں کر سکے۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ نہیں کر سکے۔ ہم میں باعمل ہونے کا فقدان ہے۔ اپنی ذات کے دائروں میں بند ہم زبان سے اجتماع کی ہمدردی کا پرچار کرتے زندگی گزارے چلے جا رہے ہیں۔

ابھی لیڈر شپ ہمیں نصیب ہوئی ہی نہیں۔ بدقسمتی سے کوئی لیڈر ذہین و فطین ہے بھی تو وہ بھی شاید اسی فکر میں گم ہے وہ اپنی ذات کو عقل و فہم کے سہارے کس حد تک فیض پہنچا سکتا ہے۔ گوہر...... ہمارا یہ مذہب جس کی بنیادیں زمانے عرب کے ایک شہر مکہ کی گلیوں سے رکھی گئیں۔ یہ مذہب ہمیں جاہ و حشمت، اقتدار اور ذاتی حاکمیت سے محبت کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ لیکن شاید ہم اسی دور سے۔ جب ہم نے قیصر و کسریٰ جیسے بڑے اور طاقتور بادشاہوں کو قوت ایمانی سے شکست سے دوچار کر کے فارس اور روم کی سلطنتوں کو عالم اسلام کا حصہ بنا دیا تھا۔ ہم اس دور میں بگڑ گئے تھے۔ اللہ کے نام پر اللہ کی بخشی قوت سے حاصل کردہ دولت پر اپنی نظریں جما کر ہم اسے اپنا سمجھ بیٹھے تھے۔ یہ بگاڑ اکثریت میں نہیں اقلیت میں پیدا ہوا تھا اسی اقلیت میں جو آج تک اکثریت پر حکومت کرتی آئی ہے۔ اندر ہی اندر جس کے دل سے یہ زعم بھی نکلا ہی نہیں کہ زمین کے اوپر موجود سارے خزانوں کی صرف وہ ہی مالک ہے۔ ارے...... ہم یونیورسٹی کے گیٹ تک بھی آ پہنچے۔"

گوہر بڑے غور اس سے کی باتیں سن رہی تھی۔ گم بیٹھی تھی۔ ایک دم چونکی۔ ایک طویل سانس اس کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ اس نے بغور شبیر کو دیکھا۔ ان لمحوں کے بعد جو اس کی قربت میں گزر گئے تھے وہ اسے کوئی اور انسان لگ رہا تھا۔ ساری دنیا سے علیحدہ اور مختلف۔

"شبیر!" اس نے اسٹیئرنگ پر رکھے شبیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جو گاڑی روک چکا تھا۔

"شبیر!۔" وہ دور کہیں کھوئی ہوئی تھی۔

"ہوں۔"

"ہم دونوں اپنی اپنی ذات کے دائرے میں گھومتے زندگی کا سفر طے نہیں کریں گے۔ کچھ کام کریں گے۔ مل کر آگے بڑھیں گے۔ نام و نمود کی جاہ و حشمت کی، اقتدار اور حاکمیت کی خواہش سے بالکل بالاتر ہو کر۔ یہ میرا...... وعدہ ہے شبیر، ایک عسکری کا جو تمہاری ایک اچھے انسان کی شریک حیات ہے۔ وعدہ ہے بالکل پکا اور سچا وعدہ۔"

"سچ؟"

"شبیر! تم کبھی خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ کسی بھی معاملے میں۔ کسی بھی مسئلے پر۔ میں رفاقت کے سارے حق نبھانے کی کوشش کروں گی۔ دنیا! اچھے انسانوں سے اتنی بھی خالی نہیں۔ بہت سے لوگ ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔ ہمارے اس ملک میں اتنی بے رحم اور سنگ دل معاشرے میں کم از کم ایک دو مثالیں تو ہمارے سامنے ہیں۔ بے لوث خدمت اور بے غرض انسانوں کی۔ ہم ان ہی کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ کبھی نہ کبھی دن اپنے مقصد کا تھوڑا سا حصہ تو پا لیں گے۔"

"واقعی......!" شبیر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر یقین چاہا۔

"بالکل واقعی۔" اس نے یقین سے کہا۔ شبیر نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ کر عہد کو مکمل کر دیا۔

"ارے۔ وہ دیکھو عدنی، میرے غائب ہو جانے پر پریشان ہے۔ آؤ...... آؤ...... نکلو باہر۔ میں تمہیں عدنی سے ملواؤں۔ دیکھو! شرمانا ہرگز نہیں۔ اس بے چارے کو یہ خبر ہی نہیں کہ ہم دونوں...... اور بتانے کی ابھی

ضرورت بھی نہیں۔"

وہ باہر آ گئی۔ عدی ان کے قریب پہنچ چکا تھا اور حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"سالے! تیری گاڑی سے صنف نازک کی برآمدگی۔ بات کچھ غیر معمولی سی ہے۔"

"عقل...... عقل...... ہوش سے کام لو۔ یہ...... یہ میری فرسٹ کزن گوہر ہے۔ اس کا ایڈمیشن کرانا ہے۔"

"اوہ...... آئی ایم سوری۔ آداب۔" بے چارہ خواہ مخواہ ہی نروس ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں عدی بھائی...... لوگوں کو عادت ہوتی ہے۔ بات سے بات بنانے کی۔"

عدی حیران ہوا۔ پھر مسکرا دیا۔

"یار تم نے کبھی ان کا ذکر کیا ہی نہیں۔"

"ضروری نہیں سمجھا تھا...... بہرحال زیادہ حیران ہونے سے گریز کرتے ہوئے سیدھے آفس جاؤ اور فارم لے آؤ۔ اتنے میں، میں گوہر کو یونیورسٹی کے اس جنگل سے متعارف کراتا ہوں۔ او کے۔"

"یس باس۔" وہ چلا گیا۔ سر کو ادب سے جھکاتے ہوئے۔

"یہ سب لوگ بڑی محبت کے ہیں گوہر۔ عدی کے ڈیڈی جمال صاحب ہیں نا۔ آج کل بھی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اصول کی بات پر منسٹری کو خیرباد کہہ دیا۔ میری ان کی اسی بات پر بہت بنتی ہے۔ جب کہ عدی ان باتوں سے دور بھاگتا ہے۔ وہ تو پالیٹکس کو آفت ناگہانی سمجھ کر پڑھ رہا ہے۔ صرف ڈیڈی کے ڈر سے۔"

کئی لڑکوں نے ان دونوں کو ایک ساتھ جاتے دیکھ کر غور سے دیکھا۔ کئی لڑکیوں نے آپس میں کھسر پھسر کی۔ ان کی طرف اشارے کر کے، وہ سب سے بے نیازا سے لیے پھرتا رہا۔

"یہ ہمارا ڈپارٹمنٹ ہے۔ اتنا دور بھی نہیں ہے۔ آ جایا کرنا فارغ اوقات میں۔"

ارے نہیں، بلکہ میں خود آ جاؤں گا۔ یونیورسٹی میں عدی کی بڑی دھاک ہے۔ ڈیڈی کی وجہ سے نہیں۔ اس کی طاقت کی وجہ سے۔ کوئی لڑکا غلط نظروں سے دیکھے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ عدی کی ہونے والی بھابی ہوں۔ پھر دیکھنا کیسے چوکڑی بھولتا ہے۔"

"اچھا...... بڑی عجیب بات ہے، عدی سے یہ بات چھپائی جائے اور یونیورسٹی کے باقی لڑکوں کو بتا دی جائے۔"

"اور کچھ نہیں۔ وہ صرف اس بات پر جان نکال لے گا کہ اسے بتائے بنا میں نے منگنی کیسے کر لی۔"

"تو یہ بات تو بڑی زیادتی کی ہے، ان سب کو بتانا چاہیے تھا شبیر! تمہیں۔ ممی کیا سوچیں گی۔"

"انھیں بتا دیا تھا۔ بڑی لگن ہے انھیں، تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔ عذرا نے تو کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھی تمہارے بارے میں۔ کیسی ہو۔ کتنی خوب صورت، کتنی ذہین، کتنی باوقار۔"

گوہر ہنس دی۔ ان دیکھی ممی...... سدرہ آپا۔ ڈیڈی سب اسے اچھے لگنے لگے۔

"کیا یہ سب بہت اچھے ہیں شبیر؟"

"ہاں بہت اچھے، میرے خوابوں کے انسانوں جیسے، کاش میں ان کا حقیقی بیٹا ہوتا۔"

"پھر آج ہم دونوں ایک ساتھ یہاں نہ ہوتے۔"

"ہاں گوری۔ کچھ کھو کر ہی کچھ پایا جاتا ہے۔" شبیر اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

گوری...... یہ عام سا لفظ جو اتفاق سے اس کے نام کی مختصر صورت بھی تھا، شبیر کے ہونٹوں سے ادا ہو کر کتنا بھلا

ا تھا۔

شاید اس خاندان میں پیدا ہونے کا مقصد صرف یہی ہو۔ یعنی تمہیں پا لینا۔"

شاید تمہاری ممی اس لیے یہاں آئی ہوں۔ صرف تمہیں جنم دینے۔"

یں نہ ہوتا تو تمہیں ظہیر کے پلے باندھ دیا جاتا۔"

اور میں موت سے پہلے مر جاتی۔"

اب تو نہیں مرو گی بے وقت۔ خدا سے التجا کر کے تمہیں لمبی مدت کے لیے مانگ لوں گا۔" وہ ہنسا۔

درنی۔ ایک بات تو بتاؤ۔"

پوچھو۔"

یں تمہیں کب سے عزیز ہوا؟"

گوہر نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔

ب پہلی بار ہمارے ہاں آئے تھے۔ مجھ پر رعب جھاڑ رہے تھے تب سے۔"

اور انگوٹھی پہننے پر جو اظہار نفرت بلکہ اظہار دشمنی کرنے لگی تھیں وہ۔"

وہ تو احتجاج تھا تمہارے بے گانہ روپے کے خلاف۔ اپنا حق مانگنا کوئی بری بات تو نہیں۔"

ہاں تمہارا منگیتر ہو کر غیر لڑکیوں کے ساتھ پھرتا رہوں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔" اس نے خود ہی فرد جرم دی۔ خود ہی دہائی دی۔

وہ بھی مسکرا دی۔ "کاش اس کی جبیں پر لکھا ہوتا کہ وہ تمہاری بہن ہے۔ ہم میں بدگمانی پیدا نہ ہوتی۔"

تمہاری جبین ناز پہ اپنا نام ثبت کراؤں گا تاکہ یونیورسٹی میں موجود لڑکیاں جو مجھے پاکباز سمجھتی ہیں جان لیں کہ میری......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شرارت کے ساتھ۔ گوہر ہنس دی۔ عدی ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی ... پر دونوں رک گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تین دن میں وہ اس نئے ماحول میں پنپ گئی۔ یہاں کی دنیا ویمن کالج سے یکسر مختلف تھی۔ شبیر اور عدی بن ... ان نہ ہوتے تو شاید وہ مہینوں نیا پن محسوس کرتی رہتی۔ ایک دو لڑکیوں سے اس کی خاصی صاحب سلامت ہو گئی ... وقت کے لمحات میں شبیر اکثر اس کے ساتھ ہوتا۔ عدی کی اور اس کی نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ میں وقت اچھا ... نے جاتا۔ بڑے دن معمول کے مطابق گزر گئے۔ آف پیریڈ میں وہ باہر چلی۔ شبیر اکیلا اس کی طرف آ رہا تھا۔

"عدی بھائی کہاں ہیں؟"

"خبر نہیں۔ صبح میرے ساتھ آیا تھا۔ پھر نظر ہی نہیں آیا۔"

حالانکہ اس الوکی دم نے کل جان چھڑائی تھی یہ کہہ کر کہ کل کی چائے مع سارے لوازمات کے اس کے ذمے ہے۔ گوہر تم چلو...... اپنی مخصوص میز تک، میں اسے ڈھونڈ کر آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ تنہا ہی کینٹین کی طرف چل دی۔

ابھی وہ کچھ دور ہی تھی اور بڑی گم صم روش پر چلتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک آواز نے اس کے قدم روکے۔

"ہیلو مس...... امس گوہر باؤ آر یو۔ آپ یہاں کیسے۔" گوہر نے اس اجنبی نوجوان کو جو بڑی اپنائیت سے اس سے مخاطب تھا حیران ہو کے دیکھا۔

"آپ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"

"جی نہیں۔ آپ کون ہیں؟"

وہ اونچی آواز میں ہنس دیا۔ "میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ میں آپ کو ہزاروں میں پہچان سکتا ہوں۔ آپ کیسے پہچانیں گی۔ آپ تو بے ہوش تھیں۔ آپ نے مجھے دیکھا ہی کب ہے...... آپ وہی ہیں نا۔ سکندر پور جانے والے راستے پر بھیا کی جیپ تلے آتے آتے بچ جانے والی۔"

"جی...... آپ کون ہیں؟"

"میں...... مامون واسطی ہوں۔ ڈاکٹر ہارون واسطی کا چھوٹا بھائی۔ امین واسطی آف سکندر پور کا بیٹا۔ اب تو آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔"

"جی...... جی ہاں۔"

"آپ حیران ہوں گی آپ کا نام میں کیسے جان گیا؟"

لمحہ بھر بعد وہ خود ہی بولا۔

"صاحب! آپ تو ہمارے گھر کی اہم فرد بن کر رہ گئی ہیں۔ جس کو دیکھو آپ ہی کا دیوانہ ہے۔ ہم آپ کو آسمانوں میں کھوج رہے تھے۔ آپ زمین پر ہی مل گئیں۔ نیلما تو آپ کے فراق میں مری جا رہی ہے۔ اور بھیا ان کی تو پوچھیے ہی نہ۔ جانے کیا جادو کر دیا آپ نے۔ بھیا پہلے والے ہارون واسطی رہے ہی نہیں۔ بڑے تنہائی پسند ہو گئے ہیں۔ ماں جی اور بابا جانی کو نیلما نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ کو تو خبر نہ ہوگی۔ لیکن عبداللہ پور والے تو ہماری جان کے دشمن ہیں۔ میں تو جان پر کھیل کر بھی ان کے مزارعوں سے آپ کا پتا پوچھ آتا۔ بھیا نے روک دیا۔ ماں جی آپ کے ہاں آنے کو بے قرار ہیں۔ کیا آپ کا گھرانہ بور میں ہی ہے۔ میں آج ٹیلی گرام کرتا ہوں انہیں یہاں بلانے کے لیے۔ ویسے آپ یونیورسٹی میں کیا کرنے آئی ہیں؟ کیا داخلہ لیا ہے۔ چھوڑیے صاحب آپ کو تو ہمارے بھیا کا گھر بسانا ہے اور اس کے لیے آپ جتنی اب ہیں اتنی ہی کافی ہیں۔ آپ پڑھ کر کیا کریں گی۔ اور اب آپ کیلی...... کس طرف جا رہی ہیں۔ کہیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں۔"

مامون واسطی کے ڈھیروں سوال بہت سی وضاحتیں آپس میں گڈمڈ ہوئی تھیں۔ وہ تو اب تک یہ سن کر سنبھل سکی تھی کہ وہ مامون واسطی ہے۔ باقی باتیں تو پوری توجہ سے سن ہی نہ پائی تھی۔ جواب کیا دیتی۔

"مامون صاحب! میری کلاس فیلوز میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ پھر ملیں گے۔ خدا حافظ۔" وہ بھاگ ہی پڑی۔ اور اپنی جگہ کھڑا مامون واسطی ایک مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ روز والی میز پر آ کر وہ دھڑام سے کرسی پر بیٹھی۔ بہت دیر اپنے حواس کو قابو میں کرتی رہی۔ اس نئے واقعے کو سوچتی رہی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی تھی۔ نیلما کے دیے سوٹ کو نذر آتش کرنے کے بعد وہ سوچتی تھی کہ زندگی کی کتاب کے یہ اوراق پھٹ چکے ہیں۔ کوئی انہیں نہیں پڑھ سکے گا۔ کسی کو بھی خبر ہی نہ ہوئی۔ مگر وہ اوراق تو کتاب کا صفحہ اول بنے اس کے سامنے سجے تھے۔

"او نو......" اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ شبیر اور عدی خاصی تاخیر سے آئے۔ لیکن وہ اب تک پریشان ہی تھی۔ خود کو سنبھال کے انہیں آتا دیکھنے لگی۔ جو نہ جانے کس بات پر بحث کرتے چلے آ رہے تھے۔

"لو فیصلہ گوہر ہی کرے گی۔"

"کس بات کا؟ کیسا فیصلہ؟" وہ پہلے ہی پریشان تھی اور سہم سی گئی۔

"اس بھالو کو آپ کا منگیتر ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔"

"بھئی کہہ تو رہا ہوں سب کچھ میری عدم موجودگی میں ہوا۔ میری کسی قسم کی رضا مندی کے بغیر...... میری لاعلمی میں کیوں گوہر......"

"جی...... جی ہاں۔ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ فیصلہ ہمارے بزرگوں نے ہی کر دیا۔"

"یعنی ممی اور ڈیڈی کچھ بھی نہ تھے اس کے...... کم از کم آپ لوگوں نے مطلع کیا ہوتا۔ شبیر ممی کو مجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ انہوں نے مجھ سے اظہار نہیں کیا۔ لیکن میں جانتا ہوں انہیں کتنا دکھ ہوا ہوگا۔ وہ لاعلم گھر میں بیٹھی ہیں اور اس کی منگنی ہو گئی۔"

"عدی بھائی! آپ یقین کریں۔ یہ سب کچھ بڑے عجیب حالات میں ہوا۔ شبیر تو آپ ہی کے ہاں تھے۔" شبیر نے مختصر الفاظ میں ساری کہانی دہرا دی۔ تو وہ جو اتنا بگڑا ہوا تھا۔ پل میں ہی ٹھیک ہو گیا۔

"عدی۔ تمہاری اسی ادا پر تو میں نثار ہوں۔ پل میں من جانے والی۔"

"نو...... نو...... تو یہ بات نہیں۔ سزا تو میں نے سوچ لی ہے۔ پورے ایک ماہ کی چائے اور لوازمات تمہارے ذمے۔"

"مارے گئے۔"

"پروا نہیں...... یہ سزا ہے...... اور سزا ہر حال میں بھگتنا پڑے گی۔"

"چلو تمہارے راضی ہونے کی خوشی میں جیب کسی نہ کسی طور یہ بوجھ اٹھا ہی لے گی۔"

"ہرا......" عدی نے نعرہ لگایا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سرد سہ پہر جب وہ یونیورسٹی سے گھر پہنچی۔ ڈرائنگ روم سے بہت سی آوازیں یک ساتھ آ رہی تھیں۔ شبیر ہمیشہ اسے اندر چھوڑ کر گھر جاتا تھا۔ کبھی کبھی سب کے ساتھ چائے پی لیتا۔ کبھی کھانے تک بھی رک جاتا تھا۔ چچی اماں اور اس میں بڑی دوستی تھی۔ ان ہی کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہتا۔ ادھر ادھر کی انہیں سناتا۔ کئی بے پر کی اڑاتا۔ گوہر کپڑے بدل کے ماں کے پاس آ جاتی۔ کچن کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانے۔ تھوڑی دیر میں دلنواز آ جاتے تو چائے میز پر لگا دی جاتی۔ آج جانے کون تھا۔

اس نے اور شبیر نے آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ گوہر کے قدم وہیں رک گئے۔

"آئیے۔ آئیے محترمہ رک کیوں گئیں؟ ڈر گئیں ہم سے۔"

"ارے جناب ہم اپنے ہی ہیں غیر نہیں۔ آپ ہمارے شبیر بھائی کے ساتھ یونیورسٹی سے لوٹی ہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" ارم اٹھ کر اس کی طرف آئی۔ سعیدہ بیگم نے ان دونوں کو دیکھا۔ ظہیر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"شبیر بھائی! بڑی عمر ہے جناب آپ کی۔ ہم سب آپ کا ذکر کر رہے تھے۔" منیر نے اونچی آواز میں کہا۔ دونوں ان سب کے قریب آ گئے۔

"آداب مما! کیسی ہیں آپ؟" شبیر کے آداب کا جواب سعیدہ بیگم نے سر ہلا کے دیا۔ ظہیر اور منیر نے ہاتھ ملایا۔ گوہر نے سلام کیا۔

"تم...... یہاں نہ ہوتیں تو شاید ہمارا آنا نہ ہوتا۔ ارم کو کسی کل چین نہیں تھا۔" سعیدہ بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"آخر کو بھانجی ہے اور پھر ہونے والی بڑی بہو۔" چچی اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہو تو جب بنے گی دیکھی جائے گی۔ ابھی تو صرف بیٹی ہے۔ دل لگ گیا ہے بیٹی یہاں؟ ماں باپ بہن بھائیوں کے بغیر۔ اپنے گھر کے بغیر۔"

"ارے تو یہ گھر کسی غیر کا ہے۔ سعیدہ دلہن......؟

دل کیسے نہیں لگے گا۔ ماموں جان چھڑکتا ہے۔ مامی اپنے بچوں سے زیادہ پیار کرتی ہے۔"

"اور شبیر بھائی تو......" چودہ سالہ عامر بول اٹھا۔ آمنہ بیگم نے اسے گھورا۔ سولہ سالہ ساغر نے ٹہوکا دیا۔ اس کی بات یں رہ گئی۔

"بڑے عیش ہیں جناب کے۔ بڑی آزادی ہے۔ لگتا ہے لاٹ صاحب۔ ہوسٹل چھوڑ کر ادھر ہی آگئے ہیں۔ دن رات تمہاری غلامی کر رہے ہیں۔" ارم نے سرگوشی کی۔ گوہر کو بہت بری لگی۔ اس نے منہ بنایا۔

"اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ جو سچ ہے سننا ہی پڑے گا ویسے گوہر ان بے چاریوں کا کیا ہوگا۔"

"کن کا۔" گوہر نے جھٹ پوچھا۔

"جو موصوف اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہیں ان قصوں کا کیا ہوگا۔"

"ارم...... میں کوئی بات نہیں سنوں گی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ ارم بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"تم خفا ہو گئیں۔"

"بات ہی ایسی ہے۔"

"سچ برا لگا تمہیں تو......"

"کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ اس کی خبر خود مجھے ہے۔ آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرنا۔ انڈر اسٹینڈ۔"

"ارے تم پر انہوں نے جادو کر دیا ہے۔ کاٹنے کو دوڑ رہی ہو۔"

"جو بھی کیا ہو میں شبیر کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی وہ اچھا ہے یا برا۔ میں نے اسے دل سے قبول کر لیا ہے۔ ایک منگیتر کی حیثیت سے اس کی مدافعت' اس کی حمایت میرا فرض ہے اور وہ ایسا ہرگز نہیں جیسا اکثر تم نے بیان کیا ہے۔"

وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور فوراً ہی باتھ روم میں جا گھسی ارم ڈرائنگ روم میں آئی تو شبیر وہاں نہیں تھا۔

"کہاں چلے گئے شبیر بھائی؟"

"کہیں نکلا ایک پل...... اے ہم جو یہاں بیٹھے تھے۔ اس کے دشمن۔" سعیدہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ارے دلہن! ہوش کی دوا کرو۔ کہہ رہا تھا اپنے دوست کو چھوڑنے جا رہا ہے۔ ایئرپورٹ۔ تمہارے سامنے ہی تو فون پر بات کر رہا تھا۔"

"ہاں سعیدہ بھابی! وہ جمال صاحب کا بیٹا ہے نا عدی اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔"

"اچھا اچھا وہ عدی' عذرا بنت جمال کا بھائی اے آمنہ بھابی! ان لوگوں نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"کیوں ایسی کیا بات ہے۔ وہ لوگ تو جان چھڑکتے ہیں شبیر پر۔ بھابی' شبیر نے ایک عمران کی محبت کے بارے ہی کائی ہے۔ خدانخواستہ ایسا کیوں ہو۔ آپ غلط مت سوچا کریں۔"

"تمہیں کیا خبر آمنہ بھابھی...... ان باتوں کو میں سمجھتی ہوں۔"

"ہمیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ جانیں آپ کا کام۔" آمنہ بیگم نے ہنستے ہنستے کہہ ڈالا۔

رات کے کھانے کے بعد دلنواز حسب معمول اپنے کمرے میں تھے۔ ظہیر اور منیر عامر اور ساغر کے ساتھ کہیں گئے تھے ارم اور شازیہ گوہر کے پاس تھیں۔ چھوٹی عائکہ اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ چچی اماں آج جلد بستر پر چلی گئی تھیں۔ آمنہ اظلاقاً سعیدہ کے کمرے میں آگئیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ سعیدہ بیگم کے دماغ میں کئی سوال ہلچل مچا رہے تھے۔ میر تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل تو وہ شبیر اور گوہر کے بارے میں چھان بین کرنے آئی تھیں۔

"آمنہ بھابھی! سنا ہے شبیر اکثر یہیں رہ جاتا ہے آپ کے ہاں۔"

"تو کیا ہوا اس کے چاچو تو اسے اپنا بڑا بیٹا کہتے ہیں۔ بہت چاہتے ہیں اسے...... وہ ہے بھی پیار کے لائق بہت عزت کرتا ہے میری۔ ہوسٹل کی بیچ بھی خود اس نے لگا رکھی ہے۔ میں نے تو کہا تھا عدی بھی یہیں رہ جائے۔ انیکسی فارغ ہی رہتی ہے۔ پر وہ نہیں آیا۔ شبیر اس کی وجہ سے ہاسٹل میں رہتا ہے۔ دونوں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر آمنہ بھابی۔"

"جی کہیے' کیا بات ہے؟"

"تمہیں گوہر کو یہاں نہیں رکھنا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟"

"کاظم کی بیوی ہوشیار ہے' اس نے یہ مصیبت اپنے گلے میں نہیں ڈالی۔"

"کیسی مصیبت بھابھی؟"

"جوان جہان لڑکی کی ذمہ داری۔"

"کیسی ذمہ داری۔ گوہر بچی تو نہیں ہے۔"

"یہی تو سب سے بڑی بات ہے۔"

"کیسے؟"

"لگتا ہے تم لوگوں نے ان دونوں کو بڑی آزادی دے رکھی ہے۔"

"کیسی آزادی؟"

"دیکھو آمنہ بھابھی! بات صاف سی ہے۔ کل کلاں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو صفیہ آپا اور عاصم بھائی تم سے باز پرس کریں گے۔"

"بھابھی!" ساری بات آمنہ کی سمجھ میں آ گئی۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آپ نے کتنی ہلکی بات کہہ دی۔"

"میں شبیر کے کرتوت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔"

"کیسے کرتوت...... شبیر جیسے بیٹے پر آپ کو فخر ہونا چاہیے تھا۔ مگر آپ سوتیلی ماں ہی ہیں نا...... مگر ایک بات یاد رکھیے آپ کی ایسی باتیں شاہنواز بھائی کا دل میلا کرسکتی ہیں شبیر کی طرف سے دلنواز کا نہیں۔ وہ ہر بات کو اپنی عقل سے سوچتے اور دل سے پرکھتے ہیں۔ گوہر اور شبیر کے متعلق ایسی بات کہنے سے پہلے آپ کو سوچنا چاہیے تھا۔ یہ آپ کا گھر ہے آپ یہاں ہزار بار آئیں۔ لیکن آئندہ یہ ذکر میرے ساتھ مت کریں۔"

"اوہو بھئی تم تو خفا ہوگئیں میں نے تو ایسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ شبیر تمہیں مبارک رہے۔ بھائی کا بیٹا بھی تو بیٹا ہی ہوتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں دلنواز شاہنواز سے لڑ جھگڑ کے نئی گاڑی شوروم سے نکلوا لائے تھے شبیر کی خاطر ہوسٹل کے اخراجات پورے دو سال کے ادا کردیے ہیں شاہنواز نے...... مجھے تو خوشی ہوئی ہے۔ کسی قابل ہو جائے گا تو ہم سب مل کر گوہر کو دلہن بنا کر لے آئیں گے۔ میں تو بس اتنی بات کہہ رہی تھی کہ لڑکا لڑکی کے آزادانہ میل جول پر لوگ باتیں نہ بنائیں۔"

"کوئی باتیں نہیں بناتا۔ میں حیران ہوں آپ اتنے سال غیر ممالک میں گزار کے آنے پر بھی ایسی تنگ نظری کا مظاہرہ کررہی ہیں۔ بھابھی کل اور آج میں بہت فرق ہے۔ میں آج کے نوجوانوں کو زیادہ باشعور سمجھتی ہوں۔ انہیں اچھے برے کی تمیز شاید ہم سے بھی زیادہ ہے۔ اچھائی اور برائی نیکی اور بدی کا واضح تصور ان کے سامنے ہے اور شبیر میں تو عام لڑکوں والی کوئی بات ہی نہیں۔ اس کی ایکٹیویٹیز اس کا دائرہ کار وہ نہیں جو آپ سمجھتی ہیں۔"

"اے تو میں نے کب شبیر کو غلط کہا ہے۔"

وہ کھسیا گئیں...... تھوڑی دیر پہلے کی کہی بات سے بھی مکر گئیں۔

"آپ نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا وہ سراسر غلط تھا۔ بھائی صاحب کے دل میں ابھی تک شبیر کی طرف سے میل ہے۔ اتنے مہینوں سے وہ شبیر سے ملے تک نہیں۔ دلنواز کہہ رہے تھے۔ شبیر کے لیے گاڑی خریدتے ہوئے بھائی جان ان پر احسان کررہے تھے۔ گویا بھیک دے رہے ہوں۔ کیا ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ وہ اسے محروم رکھ کر کیسا ثواب کمانا چاہتے ہیں۔" آمنہ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے دل کی بھڑاس نکال دینا چاہی تاکہ آئندہ سعیدہ بیگم کو ایسی ویسی بات کہنے کی ہمت نہ ہو۔ ماحول تلخ سا ہوگیا تھا۔ وہ زیادہ وہاں نہ رک سکیں۔ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ دلنواز عاتکہ کو گود میں بھر کر اس کے کمرے میں لے جارہے تھے۔

"ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی۔"

آمنہ اپنے شوہر کو غور سے دیکھنے لگیں۔ بچوں کے لیے ان کے دل میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ساغر اور ہامر سے بھی وہ اتنا ہی پیار کرتے تھے مگر عاتکہ چھوٹی تھی سب سے اور پھر پیاری سی بیٹی بھی تھی جو بہت لاڈلی تھی۔ یہ ان کے پیچھے چلی آئیں۔ کتنے پیار سے وہ عاتکہ کو کمبل میں چھپا رہے تھے۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں...... سوچ رہی تھی جو بچے باپ کے پیار سے آشنا نہ ہوں...... کتنے بدنصیب ہوتے ہیں...... ول! ہمارے باپ ماؤں کے مرجانے پر ایسے ہوجاتے ہیں۔ جیسے شاہنواز ہوگئے ہیں۔" ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"وہ مرد نہیں ہوتے...... انسان بھی نہیں ہوتے...... جو محبت کے رشتوں کو پل میں بھول جاتے ہیں۔ میں انہیں مہذب حیوان سمجھتا ہوں۔ ویسے تم اس قدر افسردہ کیوں ہو اچھی بھلی سعیدہ بھابھی کے پاس گئی تھیں۔"

اپنے کمرے میں آکر دلنواز کو ساری بات بتادی آمنہ نے۔ وہ جانے کیا سوچتے رہ گئے۔

"باپ کے دل سے بےدخل کرنے کے بعد بھی انہیں چین نہیں آیا۔ میں بات کروں گا بھائی جان سے۔ شبیر کو وہ اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اپنی بیگم کی زبان بند رکھیں۔ نہیں تو میں انہیں اس گھر میں آنے سے ہی روک دوں گا۔"

"نہیں دلنواز! کسی کو منہ در منہ آنے سے تو نہیں روکا جاسکتا بہرحال انہیں اتنی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔"

"چھوڑو اس بات کو میں سب سنبھال لوں گا۔"

"اب دیکھیے گا...... ایک دو دنوں میں عاصم بھائی کے کان بھر دیے جائیں گے وہ دوڑے آئیں گے۔ بیٹی کو لے جانے کے لیے۔"

"نہیں نہیں اب وہ ان کی چالوں کو سمجھ گئے ہیں ایسے بچے بھی نہیں ہیں کہ روز روز بہکاوے میں آتے رہیں گے میں نے آپا سے کہا تھا۔ بلکہ میں کل ہی بات کروں گا ان سے اور اب چاہے کچھ ہو شبیر کو ہوسٹل میں بھی نہیں رہنے دوں گا۔ اپنے گھر میں ہی رکھوں گا۔ آمنہ...... ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ ایک کیا دس شبیروں کا بوجھ میں اٹھا سکتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ خود کو کسی کا زیر بار احسان نہ سمجھے۔ میں کل ہی بھائی جان سے بھی بات کرتا ہوں...... اور پہلے تو صرف ہوسٹل اور تعلیم کے اخراجات ان سے ادا کرائے تھے۔ اب ایک معقول رقم بھی ہر ماہ شبیر کو دلواؤں گا۔ دیکھوں گا کہ سعیدہ بیگم کیسے شبیر کے حقوق غصب کرتی ہیں۔"

"آپ نے بھی حد کی...... منگنی کی جگہ نکاح کردیا ہوتا۔ ان کے منہ خود بہ خود بند ہوجاتے۔"

"جاہل ہونا ہمارے اس ہندو مذہب سے متاثر معاشرے میں نکاح کو نہیں رخصتی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ باتوں کا کیا ہے وہ پھر بھی بنتی رہتیں...... آمنہ آپس کے رابطے اور ناتے مضبوط ہوں تو دلوں میں فرق نہیں آسکتا۔ عاصم بھائی نے گوہر کو میرے گھر بھیجا ہے اس کی مکمل ذمہ داری مجھ پر ڈال کر ہی۔ اب وہ آسانی سے ان کی باتوں میں نہیں آئیں گے اور اگر اب کوئی ایسی ویسی بات ہوئی نا تو میں کسی کو مطلع کیے بغیر ان دونوں کے اس رشتے کو مضبوط ترین کردوں گا۔" انہوں نے حرف آخر کہہ دیا۔

صبح شبیر اسے لینے نہیں آیا۔ تیار ہو کر وہ کئی بار پورچ میں اسے یا اس کی گاڑی کو دیکھ آئی۔ ارم وغیرہ بھی ابھی سو رہی تھیں۔ دلنواز تیار ہو کے دفتر جارہے تھے۔

"ارے گوہر بیٹی تم...... شبیر نہیں آیا نا۔"

"جی نہیں......"

"آئی ایم سوری مجھے بتانا یاد ہی نہیں رہا۔ وہ تو کل کا عباس نگر چلا گیا ہے۔"

"عباس نگر۔"

"ہاں۔ عدی کی ممی اور ڈیڈی نے بلوایا تھا اسے۔ عدی کی بڑی بہن لندن میں رہتی ہیں...... ان کا سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ سارے گھر والے ادھر جارہے ہیں۔ شبیر انہیں کراچی تک چھوڑنے جائے گا واپس آنے میں اسے دو چار دن لگ جائیں گے۔"

"سدرہ آپا کا ایکسیڈنٹ سو سیڈ...... ماموں آپ کو کیسے خبر ہوئی۔"

"بھئی رات کو شبیر کا فون آیا تھا۔ بارہ بجے کے قریب۔ اسی نے بتایا ہے...... بہت پریشان تھا ان سب کی وجہ سے میں نے زیادہ بات نہیں کی۔ میں ابھی ڈرائیور کو بھجواتا ہوں۔ تمہیں چھوڑ دے گا۔"

"جی....." وہ سوالیہ انداز میں بولی۔ شاید یہ پہلا دن تھا جب اسے یونیورسٹی تنہا جانا تھا اور پورا دن تنہا گزارنا تھا۔

"بیٹی! شبیر تم سے پہلے یونیورسٹی چھوڑ دے گا۔ خود اعتمادی پیدا کرو۔ اس کے بغیر چلنا بھی سیکھو..... ایمرجنسی طور پر۔" وہ مسکرائے۔

"اوکے ماموں جان....." وہ بھی مسکرا دی۔

مامی بلا رہی تھیں۔ وہ ناشتے کی میز پر آ گئی۔ چچی اماں، سعیدہ بیگم، آمنہ خاتون تینوں وہیں موجود تھیں۔

"سعیدہ بہن! ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ اتنی دور سے آئی ہو۔ کچھ دن رہ لو گی تو کیا بگڑ جائے گا۔"

"نہیں چچی! ابھی تو کاظم کے ہاں بھی جانا ہے۔ ان کی بیوی شکوہ کرتی ہیں کہ صفیہ تو تنہا ہیں۔ تبھی زیادہ تعلق داری ہے۔ مجھے غیر سمجھتی ہیں آپ..... بے چاری بے حد عزت کرتی ہیں۔ پچھلے دنوں کتنے چاؤ سے دعوت دے کر آئی تھیں۔ جب بھی صفیہ آپا کے ہاں آتی ہیں میرے گھر کا چکر ضرور لگاتی ہیں۔"

"چلو۔ تم نے اتنا تو کیا کہ بچوں کو لے کر آ گئیں۔ شاہنواز تو لاہور آ کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرتے۔"

"چچی لاہور تو لیبر کورٹ میں آئے تھے۔ پیشی پر حاضر ہو کر لوٹ گئے۔ کوئی ایک روگ ہو تو..... بات کہیں دور جاتی ہے۔ شبیر تو یہاں آ گیا۔ کئی مسئلے ان کی جان کو چمٹ گئے۔ دلنواز ہیں تو اپنی نوکری میں مست۔ انہیں مل کے ساتھ ساتھ زمینوں کا انتظام بھی سنبھالنا پڑتا ہے۔ سکندر پور والوں سے دشمنی اس نے مول لی۔ خواہ مخواہ کا نشانہ یہ بن گئے ہیں۔ امین واسطی نے پچیس ایکڑ رقبے پر قبضہ کر لیا ہے۔ دن رات اسی مسئلے میں الجھے رہتے ہیں۔ سنا ہے وہ بہت بدمعاش اور چالباز آدمی ہے۔ انہیں زرعی معاملات اور زرعی قانون کا کچھ پتا نہیں۔ وہ پچیس ایکڑ زمین ہڑپ کرنا چاہتا ہے جو پورے دس لاکھ کی ہے۔ جھگڑا چھاڑ کی شبیر نے۔ زمین گئی سب کی۔"

"اے بیٹی! جس بات کی خبر نہ ہو اسے اتنے اعتماد سے نہ کہا کرو۔ زمین کا یہ جھگڑا تو بہت پرانا ہے۔ تمہارے سسر جنت مکانی کے وقت کا۔ وہ لوگ تو اس زمین کی خاطر مرنے مارنے پر تیار ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ ابھی ایک ہفتہ ہوا۔ ہمارے دو حرارے زخمی ہو گئے۔ ان کے نوکروں نے فائرنگ کی تھی۔" وہ جلدی سے بولیں۔ گوہر چونک گئی اور غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

"پھر رپورٹ کرائی بھائی صاحب نے؟" آمنہ نے پوچھا۔

"ان لوگوں نے دفعہ ۷ کا مقدمہ درج کرا کے سب کو حوالات میں بند کرا دیا۔ اب سب ضمانت پر رہا ہوئے ہیں۔ اصل میں امین واسطی کا کاروبار ہی یہی ہے۔ یعنی دن رات زمینوں پر رہنا۔ ان ہی معاملات میں حصہ لینا۔ شاہنواز مہینوں وہاں جا نہیں پاتے اور آپ جانیں آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل۔"

گوہر باہر آ گئی۔ ڈرائیور دلنواز کو چھوڑ آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"ہیلو مس گوہر....." دور سے کسی نے صدا دی۔ وہ بے اختیار رک گئی۔ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر کوئی ہاتھ ہلا رہا تھا۔ تیزی سے اس کی طرف آتا۔ اس نے پہچان لیا۔ وہ مامون واسطی تھا۔

"ہیلو..... کیسی ہیں۔" اس نے گرم جوشی کے ساتھ اس کا حال پوچھا۔ گوہر کی سانسیں رک کر گویا بحال ہوئیں۔

"اچھی ہوں۔"

"بڑے دنوں سے آپ کہیں ملی ہی نہیں۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ "یا آپ ایک دم اجنبی نگاہوں سے کیوں

دیکھ رہی ہیں۔ کیا آج بھی نہیں پہچانا۔"

"نہیں..... نہیں اب تو پہچانتی ہوں آپ کو۔ آپ مامون واسطی ہیں۔"

"شکر خدا کا ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ....." وہ ہنس دیا۔

"کل بھیا مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اپنی بے وقوفی پر مجھے سخت غصہ آیا۔ کم از کم آپ کا ایڈریس تو میں نے پوچھ لیا ہوتا۔ آپ کے بارے میں انہیں بتایا تو حیران رہ گئے۔ انہیں یقین ہی نہ آیا کہ آپ اس شہر میں ہوں گی۔"

"کیوں۔ کیا یہ شہر بہت ہی خاص لوگوں کا ہے....."

"ارے نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب تھا کہ انہیں آپ کے دوبارہ ملنے کی کوئی امید ہی نہیں تھی۔ وہ پھر آ نہیں سکے صرف آپ کی خاطر..... شاید نیلما بھی ان کے ساتھ آئے مس گوہر! مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کس شعبے سے متعلق ہیں۔"

"اردو ڈپارٹمنٹ۔"

"اوہ۔ آئی سی۔ مگر ایک بات کہوں آپ سے....." وہ رک رک کر بولا۔

"آپ کے ساتھ ایک دن پولیٹیکل سائنس ڈپارٹمنٹ کے کچھ لڑکے تھے۔"

"جی کب.....؟"

"آپ ان کے ساتھ گیٹ پر کھڑی تھیں۔ میرے کچھ دوست ساتھ تھے۔ ورنہ آپ سے ملتا۔ کون لوگ تھے وہ؟"

"مجھے یاد نہیں....."

"کمال ہے۔ شاید آپ ہر بات بہت جلد بھول جاتی ہیں۔ لیکن مجھے وہ اچھی طرح یاد ہیں۔"

"جی....."

"جی ہاں۔ وہ ہمارے علاقے کے ہی لوگ ہیں۔ وہ لڑکا تو بہت تیز ہے بہت چالاک۔ آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟"

"کون سا لڑکا؟"

"شبیر شاہنواز عسکری۔"

"آپ اسے جانتے ہیں؟"

"اپنے دشمنوں کی پہچان مردوں کو ہر دم رہتی ہے۔"

"دشمنی.....؟"

"جانی دشمنی....."

"آپ..... آپ....."

"مس گوہر پلیز..... آپ کو گھبرانا نہیں دے سکتا کہ ہارون واسطی کا چھوٹا بھائی ہوں۔ لیکن بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ اس لڑکے سے دوبارہ نہیں ملیں گی۔"

"میں..... میں اس سے کیسے نہیں ملوں گی۔ یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ ہونا چاہیے اور اس لیے کہ آپ میرے بھائی ڈاکٹر ہارون واسطی کی پسند ہیں۔ ان کا انتخاب ہیں۔ چند دنوں میں ان سے منسوب ہوں گی اور چند دن بعد ان کی دلہن..... اور مامون واسطی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس

کے بھائی کی ہونے والی بیوی' سکندر پور کی غیرت کو کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ آپ اس سے کہہ دیں۔ آپ نہیں کہیں گی تو میں...... مجھے بات کرنا اچھی طرح آتا ہے۔ میں اسے کہہ دوں گا۔"

گوہر اسے دیکھتی رہ گئی۔ ہکا بکا سی۔

"آپ کو میری ذاتی زندگی میں مخل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں مامون واسطی۔ اور آپ نے مجھے اپنے بھائی سے منسوب کیسے کر دیا۔"

"یہ میرا نہیں میرے بھائی کا فیصلہ ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ مجھے آپ کی ہر حالت میں حفاظت کرنی ہے۔ خاص طور پر اپنے اس دیرینہ مخالف خاندان کے اس لڑکے شبیر شاہنواز عسکری سے۔"

اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا اور گوہر اس کا منہ تک رہی تھی۔

☆☆

"مسٹر مامون واسطی! آپ کو میرے بارے میں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا اچھا برا میں خوب جانتی ہوں۔ میری حفاظت آپ کا فرض نہیں جس کی ذمہ داری ہے اس کے بازو بھی خاصے مضبوط ہیں۔ اتفاق آپ کے بھتیجے چڑھ جانے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ عمر بھر کے لیے میرا ٹھیکہ لے لیں اور وہ ڈاکٹر ہارون واسطی...... انہیں کس نے حق دیا ہے از خود ایسا فیصلہ کرنے کا۔ آئندہ یونیورسٹی کے احاطے میں مجھ سے بات کرنے کی جرات نہ کیجیے گا۔ آپ کو خبر ہونی چاہیے کہ میں ایسی بے تکلفی...... کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ نہ ہی لان کی کسی روش پر کھڑے ہو کر کسی لڑکے سے کوئی بات کر سکتی ہوں۔" کتنی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھٹ پڑی۔

مامون واسطی جو کچھ دیر پہلے خوشگوار انداز میں اس سے بات کر رہا تھا پھر حق جتانے پر اتر آیا تھا...... اب اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں غصہ اتر آیا...... خون سا چھلکنے لگا۔

"آپ جانتی ہیں۔ آپ نے کتنے گھنٹے ہمارے گھر میں گزارے ہیں......؟ اگر ہم......"

"جانتی ہوں مگر وہ ایک مجبوری تھی۔ میں نے جان بوجھ کر آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھا تھا۔"

"آپ کو بھیا ایک مقدس امانت کے طور پر گھر لائے تھے۔"

"یہ انسانیت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کی عزت کو امانت سمجھا جائے۔"

"شاید آپ کو خبر نہیں' سکندر پور کے پاس بڑی طاقت کے مالک ہیں...... ہم لوگ چاہیں تو علاقے کی حسین لڑکیوں سے ہر دم ہمارا گھر بھرا رہے۔ آپ ہماری شرافت کا یہ صلہ تو نہ دیں۔"

"کیسا صلہ...... ؟ آپ نے اور آپ کے بھیا نے بھری برسات میں مجھے اسی راستے پر پڑا رہنے دیا ہوتا۔ نہ اٹھاتے...... تاکہ احسان کا یہ بھاری بوجھ مجھ پر نہ لدا ہوتا۔"

"احسان کی تو کوئی بات نہیں محترمہ گوہر صاحبہ...... بات تو معیار کی ہے۔ آپ کو خبر نہیں ہارون بھیا بہت نفیس انسان ہیں بہت اچھے......"

"مسٹر مامون واسطی......!" وہ تھوڑی سی نرم پڑ گئی۔ یہ نرمی بھی ایک خوفان تھی۔ مامون واسطی نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کے نفیس سے بھائی ڈاکٹر ہارون واسطی کو ہر روز ہی ایک لڑکی ایسی بے بسی کے عالم میں ملتی رہے تو کیا وہ سب کو اپنے لیے چن لیں گے؟ پلیز آپ انہیں کہہ دیجیے گا۔ میری نظروں میں ان کا جو مقام ہے وہ اسے

تم نہ کریں اور ہاں سکندر پور والے کسی طاقت کے مالک ہیں تو انہیں یہ طاقت نیک کاموں میں استعمال کرنا چاہیے۔ راہ چلتی لڑکیوں کو روک کر ان پر دھونس جما کر نہیں۔"

وہ آگے بڑھ گئی۔ مامون واسطی کا خون کھول کر رہ گیا۔ اسے اس انداز میں کبھی کسی نے ڈیل نہ کیا تھا۔ وہ بذات خود ایک وجیہہ جوان تھا' امیر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے ارد گرد جانے کتنی لڑکیاں پھرا کرتی تھیں۔ اس کی شامیں مختلف لڑکیوں کی ہمراہی میں تفریح کرتی گزرتی تھیں۔ وہ گوہر جیسی لڑکیوں کو منٹ میں سیدھا کرنے کے گر بھی جانتا تھا۔ وہ طاقت کے استعمال کو باعث فخر خیال کرتا تھا۔ لیکن یہ لڑکی جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر گردن اونچی کیے غصے سے کھولتی چلی جا رہی تھی یہ لڑکی اس کے لیے عام لڑکی نہیں تھی۔ اس کا ذہن اسے اپنی بھابھی تسلیم کر چکا تھا اور ان کے خاندان میں اور جو کچھ تھا' اپنی عزتوں کی حفاظت جان دے کر بھی کی جاتی تھی۔ گوہر کے انداز تخاطب پر اسے بہت غصہ آتا تھا۔ لیکن جلد ہی وہ نارمل ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر ہارون کی پسند کے ناز اٹھا کر شاید وہ بھائی ہونے کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔

"ہیلو مامون واسطی......!" شازیہ رحمان سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"ہیلو۔ کیسی ہو شازیہ؟"

"فائن...... آپ سنائیے مامون واسطی آپ یہاں کس سلسلے میں؟" اس نے دور جاتی گوہر کو دیکھا۔

"کک...... کچھ نہیں۔ بس یونہی کھڑا تھا۔"

"مامون واسطی!...... بات صرف وہی چھپانی چاہیے جو چھپ سکتی ہو۔"

"تمہیں اس سے کیا؟"

"بڑے اکھڑ ہو رہے ہو...... اتنا عرض کر دوں کہ اس چٹان سے سر پھوڑو گے تو ٹوٹ جاؤ گے۔"

"کس چٹان سے...... میں سمجھا نہیں۔"

"وہ جو سامنے جا رہی ہے۔"

"شازیہ رحمان! غلط مت سوچو...... شی از لائیک اے سسٹر فار می (وہ میری بہن کی طرح ہے)"

"اچھا...... تم ان رشتوں کو بھی مانتے ہو۔ اس کی خبر آج ہوئی۔"

"ہر انسان ایسے رشتوں سے آگاہ ہوتا ہے۔"

"لیکن مامون تمہارے لیے پرابلم تو پھر بھی ہوگا...... شاید بلکہ یقیناً شبیر عسکری یہ بھی برداشت نہیں کرے گا کہ تم اس کی منگیتر کو بہن سمجھ کر ہی اس سے دو باتیں کرو۔"

"منگیتر...... شبیر عسکری...... یہ کیا بکواس ہے شازیہ......؟"

"ہاں ہاں مامون واسطی صاحب! یہ بات تو یونیورسٹی کے کئی لوگ جانتے ہیں۔ وہ اس کی فرسٹ کزن ہے ساتھ ہی منگیتر بھی۔ تم نے گوہر کے ہاتھ میں انگوٹھی ضرور دیکھی ہوگی۔"

"نہیں...... نہیں...... یہ جھوٹ ہے۔"

"جھوٹ سچ معلوم کرنا ہی ہے تو چند قدم کا فاصلہ ہے خود پوچھ لو نا اس سے۔"

مامون واسطی نے گوہر کی طرف دیکھا جو برآمدے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ رہی تھی۔ وہ بے اختیار اس کے پیچھے بھاگا۔

"مس گوہر!...... مس گوہر......!"

وہ ارد گرد سے بے نیاز پکارے چلا جا رہا تھا۔
گوہر رک گئی...... وہ قریب آیا۔
"آپ میرے پیچھے چلے آئے ہیں۔ فار گاڈ سیک میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ کے ایک احسان کے بدلے میں آپ کو......"
"نہیں نہیں' میں اس لیے نہیں آیا۔ میں تو آپ سے پوچھنے آیا تھا کہ...."
"کیا پوچھنا ہے آپ کو......؟"
"کیا آپ شبیر عسکری کی منگیتر ہیں؟"
"جی ہاں..... اور ان کی بھتیجی بھی...... اور کچھ پوچھنا چاہیں تو....."
"اف میرے خدا! میں کیا سن رہا ہوں...... تم...... تم...... سر عبداللہ کی نواسی ہو۔ شاہنواز عسکری کی بھانجی اور میرے بلکہ میرے خاندان کے دشمن کی ہونے والی بیوی۔"
"جی ہاں۔ اور ان سارے حقائق پر مجھے فخر ہے۔" وہ کہتے کہتے جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ مامون واسطی کتنی دیر اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بارانی سرمائی شام اپنے جوبن پر تھی۔ واسطی ہاؤس کے بڑے سارے صدر دروازے پر ڈاکٹر ہارون واسطی کی سرخ ہیچبیک کھڑی تھی۔ گھر کے سناٹے میں ان کی شوخی بھری آواز بہاروں کا پیغام بن کر ابھری تو نیلما اپنے کمرے سے باہر نکلی...... اور کوریڈور سے گزرتے بھائی سے لپٹ گئی۔
"بھیا...... پیارے بھائی!...... کب آئے؟"
"میرا خیال ہے ابھی ابھی آیا ہوں۔ شاید گاڑی سے نکلتے ہی اندر داخل ہوا ہوں۔"
"اتنے دن کیوں لگا دیے......"
"ایک دم پاگل ہو تم نیلی۔ بھئی ایک عدد ہاسپٹل کے لیے جگہ کا انتخاب ہی اتنا بڑا مسئلہ تھا...... کہ اب تک حل نہ ہو پاتا۔ شکر کرو کہ میں نے جگہ بھی لے لی ہے اور عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جانا چاہتا ہے۔ نیلی...... تمہیں پیاری تو بہت خوش ہوگی یہ سن کر کہ میں نے اپنے لیے وہیں پر ایک گھر بھی لے لیا ہے۔"
"گھر......؟" نیلما نے حیران ہو کر ان کا منہ دیکھا۔
"ہاں ہاں بھئی...... آخر تیرے بھیا کو رات کہیں بسر کرنا ہوگی۔ دو چار گھنٹے آرام کرنا ہوگا۔"
"تو وہ کون سی مشکل بات ہے' ہاسپٹل میں ایک کمرے کو بیڈ روم بھی بنایا جا سکتا ہے۔" نیلما نے لاپروائی دکھائی۔
"تو...... تیور...... گھر تو علیحدہ بنانا پڑے گا۔"
"کیوں؟"
"کیوں کی کیا بات ہے۔ گھر بنانا ہی پڑتا ہے اپنے لیے۔"
"جی نہیں' آپ اپنے لیے نہیں۔ ہماری بھابھی جان کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"
"لاحول ولا......!" ہارون واسطی دل کی بات کھل جانے پر شپٹائے۔
"مامون بھائی کا خط آ چکا ہے جناب میرے پاس۔ تم لوگ دو چار روز میں لاہور جا رہے ہیں اور جاتے ہی

بٹ منگنی کر دیں گے۔"
"کس کی منگنی......؟"
"اوہو بڑے بھولے بن رہے ہیں آپ...... آپ کی منگنی اور کس کی......"
"منگنی...... میری...... کس کے ساتھ اور میری منگنی کا لاہور یا مامون سے کیا تعلق ہے؟"
"بہت گہرا تعلق......" نیلما نے آنکھیں بند کیں پھر کھولیں۔
"مثلاً کیا۔ دس از اے فیکٹ کہ آپ کی گوہر صاحبہ لاہور میں رہتی ہیں۔ مامون بھائی کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ مامون بھائی سے مل چکے ہیں اور ہم لوگوں کے پہنچنے پر ان کے گھر جایا جائے گا۔ خود وہ تو کیا ان کے والدین بھی میرے بانکے سجیلے بھیا کو دیکھ کر دل ہار بیٹھیں گے۔ شادی کے لیے رضامند ہو جائیں گے اور یوں ایک بہت ہی پیاری سی لڑکی میری بھابی بن کر اس گھر میں آ براجمان ہوگی۔ مجھ سے لڑے گی۔ رلائے گی۔ ہو سکا تو...."
"نیلی...... نیلی...... یہ سب کیا ہے۔ بھئی کچھ تو ترس کھاؤ اپنی زبان نرم و نازک پر۔ ہاں' ماں جی کہاں ہیں اور بابا جان؟"
"بچے اپنے کمروں میں ہیں۔ آج تو سردی ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ جانے کیا ہوگا۔ چاروں اور بادل ہی بادل ہیں۔ ارے آپ کا کمرہ تو انتہائی سرد ہوگا۔ میں جا کر ہیٹر جلاتی ہوں۔ آپ...... آپ ماں جی سے ملیے۔ لائیے بریف کیس مجھے دیجیے۔ میں آپ کا بیڈ روم کھولے دیتی ہوں۔" نیلما بریف کیس ہاتھ میں لے کر ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
وہ دائیں طرف کے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مامون واسطی اور ماں جی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔
"ارے مامون......! تم کس وقت آئے......؟ حیرت ہے۔ نیلی نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ تم آئے ہو۔"
"اسے معلوم ہی نہیں' آپ کو کیسے بتاتی۔ آپ کب آئے بھیا۔" وہ ان سے لپٹ گیا۔
"ابھی ابھی...... بس نیلی سے مل کر ماں جی کی طرف آ گیا۔"
"آداب ماں جی!"
وہ ماں کے قریب بیٹھے تو انہوں نے ان کے سر پر پیار بھرا ہاتھ رکھا۔
"کیسے ہو بیٹے...... اتنے دنوں سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ خط ہی لکھ دیتے اگر فرصت نہ تھی۔ کسی نوکر کے ہاتھ خیریت کی اطلاع بھجوا دیتے۔ کتنے کٹھور ہو تم ہارون...... ماں کا تمہیں کوئی خیال نہیں' کیوں پریشان کرتے ہو ماں کو کیوں دکھ دیتے ہو۔"
"ماں جی......" ہارون واسطی نے ان کی آغوش میں سر رکھ دیا۔
"نہیں ماں جی...... میں تو بھول کر بھی دکھ دینے کی نہیں سوچ سکتا۔ یقین کریں۔ بے حد مصروف رہا۔ آج ہی ذرا سی فرصت ملی اور بھاگا آیا۔"
"میں نے تمہاری جدائی کا پہاڑ کاٹا ہے ہارون......! تم ایک طویل مدت باہر گزار کر آئے ہو۔ اب تم سے ایک پل جدا رہنے کو جی نہیں چاہتا۔"
"ماں جی آپ بس دعا کریں کہ میرا مشن مکمل ہو جائے۔ میں نے جو سوچ رکھا ہے اس کو عملی جامہ پہنا سکوں...... ماں جی! اپنی ذات کے لیے ہر کوئی زندگی گزارتا ہے۔ کیا آپ کو خوشی نہیں کہ آپ کا بیٹا! اجتماع کے لیے زندگی

گزارنا چاہتا ہے۔"

"کیوں نہیں ہے خوشی...... پر میں ماں ہوں ہارون! میرے حقوق کا خیال رکھنا تمہارا اولین فرض ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ آ گیا ہوں آپ کے پاس۔ ہاسپٹل کی تعمیر مہینوں رکی رہے میں آپ سے اجازت نہیں لوں گا جانے کی۔ تاوقتیکہ آپ خود نہ کہہ دیں۔" وہ مسکرانے لگیں۔ مامون نے بگڑے تیوروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاسپٹل...... ہاسپٹل...... ہاسپٹل...... عاجز آ گیا ہوں یہ لفظ سن سن کر...... بھیا اس دنیا میں بہت سے لوگ ہیں درد مند دل رکھنے والے۔ آپ کے بغیر بھی معاشرہ چل رہا ہے۔ آپ کسی بھی سرکاری ہاسپٹل میں عمدہ تنخواہ پر کام کر سکتے ہیں یا اعلیٰ پیمانے پر اپنا کلینک کھول سکتے ہیں۔ لاکھوں روپے ماہانہ کما سکتے ہیں۔ آپ...... آپ غریبوں کا مفت علاج کرنا چاہتے ہیں۔ کیا دیں گے یہ غریب لوگ آپ کو...... میں آپ سے کہہ رہا ہوں...... بابا کی ساری جائیداد بھی ایسے عمل کے لیے ناکافی رہے گی۔ سخت نفرت ہے مجھے غلیظ گندے لوگوں سے...... مدقوق چہروں سے...... جنہیں اپنی صفائی ستھرائی کی خبر ہی نہیں۔ جو چند روپے صابن پر خرچ کر کے اپنا لباس نہیں دھو سکتے۔ آپ کی دوائیں ان کی زندگی نہیں سنوار یں گی۔ آپ کو پھر ان کی معاشی زندگی کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اتنے کیوٹ سے بھیا تھوک، بلغم اور جراثیموں میں گھر کر کہیں کھو جائیں آپ کو ایسا ہاسپٹل بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام آپ حکومت پر چھوڑ دیں۔ حکومت نے بھی تو چپے چپے پر ڈسپنسریاں کھول رکھی ہیں جہاں سے مفت علاج کی سہولتیں ان لوگوں کو حاصل ہیں۔ آپ اپنی سوچیں۔ ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے ہم سب کو...... اسے حل کریں۔"

"مامون......!" لگتا تھا انہوں نے اپنے بھائی کی کوئی بات سنی ہی نہیں۔ "یہ تم بے وقت پڑھائی چھوڑ کر کیوں آ جاتے ہو۔ ابھی کچھ روز بعد چھٹیاں ہوتیں آ جاتے۔ لگتا ہے تمہیں پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"یہی تو بات ہے۔ آپ نے مجھے اور میری آمد کو اہم سمجھا ہوتا تو ضرور پوچھتے۔"

"ہاں ہاں فرمایئے۔ کیوں تشریف لائے آپ۔" انہیں اب بھی اس کی باتوں کا ملال تھا۔

"آپ تو بہت ناراض لگ رہے ہیں جب کہ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آیا ہوں اور جو بات میرے دل میں ہے وہ سب سے پہلے ابا جان کو بتاؤں گا۔ بھیا...... میں آپ کا بھائی ہوں۔ آپ کے اچھے برے کی فکر مجھ سے زیادہ کسے ہوگی۔"

"مت بھولو کہ تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔"

"کاش بڑا بھائی ہوتا...... تو اس کی یہ مجال نہ ہوتی۔"

"کس کی مجال؟"

"نہیں نہیں...... کچھ نہیں۔ ماں جی۔ ابا جان کہاں ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اپنے کمرے میں ہی ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے آپ ماں جی سے باتیں کریں۔ میں ابھی ان سے مل کر آ رہا ہوں۔" مامون وہاں سے اٹھ گیا۔ ہارون واسطی نے اس کی باتوں کو قطعاً غیر اہم سمجھتے ہوئے والدہ سے ادھر ادھر کی کہنا سننا شروع کر دی۔

"ہارون! ایک بات پوچھنا تھی تم سے۔"

"ضرور پوچھیں ماں جی۔"

"بیٹا......! جس لڑکی کی تعریف کرتے کرتے یہ دونوں یعنی مامون اور ثمینہ مرے جا رہے ہیں، تم واقعی اس

۔۔۔نی کو پسند کرتے ہو؟" کئی حسین رنگ لہروں کی صورت ان کے چہرے پر آ کر پل میں گزر گئے۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

"مجھے سب پتا ہے ہارون میری جان...... میرے چاند...... میں ایک جاہل عورت ہی سہی۔ پر ماں تو ہوں۔ میرے پاس تم سے محبت رکھنے والا تم پر نثار ہو جانے کی آرزو کرنے والا دل تو ہے۔ میں نے سدا سے سوچ رکھا تھا آج بھی اپنی سوچ پر قائم ہوں کہ اپنے چندا کی شادی اسی لڑکی سے کروں گی جسے وہ پسند کرے گا۔ دیکھ ہارون۔ خدا نے کیسی رحمت کی۔ تیرے بابا ہر دم یہی کہتے رہے کہ تیری نسبت خاندان کی کسی لڑکی سے طے کر دیں۔ لیکن میں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ مجھے خبر ہے یہ کائنات کا ایک بڑا ظلم ہے شادیاں بچپن میں طے نہیں ہونی چاہئیں۔ خدا نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ شادی میں لڑکے لڑکی کی مکمل رضا شامل ہو...... ہارون...... ہارون...... میں نے جب سنا...... کہ ایک لڑکی بھری برسات میں بے یار و مددگار راہ میں پڑی تمہیں ملی...... تم اسے اٹھا کر گھر لے آئے۔ تم نے اسے ایک مقدس امانت کی طرح چند گھنٹے اپنے پاس رکھا اور پھر بحفاظت اس کی منزل تک چھوڑ آئے...... تو میرا سر فخر سے بلند ہو گیا کہ میں ایک شریف اور غیرت مند بیٹے کی ماں ہوں۔ تمہیں انسانیت کا بڑا پاس ہے۔ یہ حویلی، ہاں ہارون یہ حویلی ظلم و ستم کی ناانصافیوں کی حق تلفیوں کی بہت بڑی داستان اپنے اندر دفن کیے ہوئے ہے۔ اس کا ایک ایک چپہ اس بات کا گواہ ہے۔ یہاں کئی مظلوموں کے آنسو فنا بے کس...... کی فریاد...... کئی بے آسرا لڑکیوں کی چیخیں دفن ہیں۔ مجھے اس گھر سے نفرت ہے ہارون...... پھر بھی ۔۔۔ت سمجھو کہ میں اس میں رہ کر...... جیتے ہوئے سانس لے رہی ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں خوف زدہ ہوں...... انسان اپنے کیے کی سزا پاتا ہے۔ میں ڈرتی ہوں ہارون...... کہ خدا نہ کرے کہ کیے کی سزا میری بیٹی کو ملے۔"

"ماں جی...... ماں جی۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

"خدا کرے تم سمجھ بھی نہ سکو۔" انہوں نے دل میں کہا اور بولیں۔ "کو ہر بیٹی کے والدین سے بات کر کے ۔۔۔ اپنے بیٹے کے لیے مانگ لوں۔ چندا، تمہارا گھر آباد ہوگا۔ دلہن آ جانے کی تو میں بھی تمہارے ساتھ رہوں ۔۔۔ تمہاری دنیا میں بے حد خوش و خرم۔"

"ماں جی......! آپ کتنی اچھی ہیں ماں جی! آپ کو اپنے بیٹے کا کتنا خیال ہے۔ آپ نے تو بن مانگے مجھے ۔۔۔ چھو دے دیا۔ مگر ماں جی آپ کو خبر کیسے ہوئی کہ وہ لاہور میں رہتی ہے......؟"

"۔۔۔ے تجھے کیسے خبر ہوتی۔ خدا سلامت رکھے تمہارے بھائی کو وہی کھوج کر لایا ہے۔ ساری معلومات اسی ۔۔۔ پاس ہیں۔ اور وہی تمہیں لے جائے گا۔" ہارون واسطی ماں کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"بیٹا ماں جی......! آپ تو واقعی بہت زیادہ عظیم ہیں۔"

"یہ ماں صرف ایک مکمل ماں ہوں اور بس......"

"ماں جی......! میں سخت تھکا ہوا ہوں۔ دن بھر کام کرتا رہا ہوں۔ پھر ڈرائیونگ بھی خود ہی کی ہے۔ اپنے ۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔ نہاؤں گا۔ فریش ہو کر بابا جان سے ملوں گا اور پھر مجھے بھوک بھی زبردست لگی ہے۔ ۔۔۔نا جانے تیار بھی ہے یا نہیں۔"

"میں خود جا کر پتا کرتی ہوں۔"

"نہیں نہیں بہت سردی ہے ماں جی۔ آپ آرام کریں۔ وہ اتنی اچھی سی لڑکی ہے جو ایف...... اسے آپ سے ۔۔۔ زیادہ میرا خیال رہتا ہے۔ سب سنبھال لے گی۔ اچھا میں چلتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل آئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

جس طرح اچانک وہ گیا تھا۔ ایک دوپہر اچانک ہی لوٹ آیا۔ سخت پریشان تھا۔ ہوسٹل پہنچتے ہی بریف کیس الماری میں پھینکتے ہی وہ دلنواز کے ہاں چل پڑا۔

"ہیلو شبیر بھائی...!" عائکہ نے اسے دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا۔

"ہیلو چھوٹی کزن۔" شبیر اسے چھوٹی کزن کہہ کر پکارتا تھا۔

"کیسی ہیں بھئی آپ... اور یہ سب لوگ کس طرف ہیں؟"

"اندر ہیں۔ شبیر بھائی آپ کہاں چلے گئے تھے؟ دادی جان تو آپ کے بغیر اداس ہو گئیں۔ اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہیں' کھانا بھی وہیں منگواتی ہیں۔"

"چندا! وہ میری وجہ سے کمرے میں بند نہیں ہوئیں۔ سردی بہت زیادہ ہے۔ آپ بتائیں آپ نے... ہمیں کتنا یاد کیا عامر ساغر نے کتنا مس کیا۔ چاچو جانی نے کب کب کمی محسوس کی۔ چاچی نے کتنی ڈشز میرے لیے چھپ کر رکھیں اور... اور..." وہ مسکرا دیا۔

"اور کیا؟"

"اور آپ کی گوہر باجی نے ہمارے بنا دن کیسے گزارے"

"وہ... وہ بھی دادی جان کی طرح کمرے میں بند ہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کرکٹ نہیں کھیلی۔ ساغر کی پارٹنر بھی نہیں بنیں بیڈمنٹن میں... اور... اور... مجھے کسی دن بھی کوئی کہانی نہیں سنائی۔ بہت اداس ہیں شبیر بھائی' بہت پریشان۔"

عائکہ چلتا پھرتا مائیکرو فون تھی' گوہر کی ایک ایک بات اسے بتاتی تھی' وہ بھی کرید کرید کر پوچھتا اور مزے لیتا تھا' لیکن اب دکھ محسوس کر رہا تھا' کم از کم گوہر کو ہر دیتا کر جانا چاہیے تھا اسے۔

"اب کہاں ہیں آپ کی گوہر باجی؟"

"یونیورسٹی گئی ہیں' ابھی آ جائیں گی۔ آپ اندر چلیے نا' ممی کچن میں ہیں' بڑے اچھے اچھے کھانے بن رہے ہیں آج۔ ڈیڈی کے مہمان آ رہے ہیں' اچھا ہوا آپ بھی آ گئے... شبیر بھائی آپ کو بھی شاہی ٹکڑے پسند ہیں نا... میرا جی چاہتا ہے میں سارے کے سارے کھا جاؤں' پر ممی نے سارے ہی ٹکڑے پیک کر دیے ہیں۔ مہمان جہاز سے آ رہے ہیں' ایک دو گھنٹے یہاں رکیں گے اور ساری چیزیں اپنے ساتھ لے جائیں گے' میں آپ کے لیے ایک پورا پیکٹ چھپا لوں گی۔"

"دیکھو گڑیا! میری خاطر چوری جیسا گناہ مت کرنا' ہاں تمہارا دل چاہ رہا ہو تو میں مانگ لاتا ہوں ایک پیکٹ۔ چاچی تو بہت پیاری' بہت اچھی خاتون ہیں' وہ یہ سویٹ ڈش ہمارے لیے بھی بنا سکتی ہیں۔"

"کون بہت پیارا بہت اچھا ہے اور کس کے لیے کیا بنا سکتا ہے۔" آمنہ بیگم نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔

"ارے... آپ... آپ ہی کی تعریفیں ہو رہی تھیں بابا' آپ تو سراپا تعریف ہی تعریف کے قابل ہیں حسین صورت حسین سیرت ماہر خانہ دار بلند اخلاق اور جانے کیا کیا۔"

"بس۔ بس زیادہ پھیلو نہیں۔ دلنواز کے ہوتے ہوئے مجھے دوسرے کسی عاشق نامراد کی ضرورت نہیں' یہ تعریفیں تم اپنی دلہن کی کرنا میرے لیے وہ ہی کافی ہیں اور عرض ہے میری بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں' میری خوبیوں کو تسلیم کرتے ہیں' ہاں یہ تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے' کچھ بتائے بغیر ہی' شبیر آخر چاہتے کیا ہو تم۔ چار دن

...کا کر نہیں پڑھ سکتے' چار دن ٹک کر نہیں بیٹھ سکتے' میں نے بات کر لی ہے' بلکہ ہم دونوں نے فیصلہ کر لیا ہے' تم نے ایک دن یونیورسٹی سے غیر حاضر رہنے کی کوشش کی تو تمہارا سوشل بائیکاٹ کیا جائے گا' شریف آدمی اس ...اپنے پرچہ... یہ پوری زندگی کا دارومدار ہے۔ کیوں اپنے شاندار تعلیمی کیریئر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو اپنے پہ نہیں تو ہم پر ترس کھاؤ' ہمیں تمہاری خاطر کتنے لوگوں سے جنگ کرنا پڑ رہی ہے' آج شام دلنواز تمہارے ساتھ جائیں گے... تم اب ہوسٹل میں نہیں رہو گے' یہیں ہماری نظروں کے سامنے رہو گے' اسی گھر میں..."

"مگر چاچی جانی... امیں..."

"کوئی مسکہ پالش نہیں چلے گا... یہ ہمارا حتمی فیصلہ ہے اور تمہاری یہ مجال نہیں کہ تم اس سے روگردانی کرو۔"

"مگر... کیوں؟ کیوں آخر؟ دو چار دن میں یہ انقلاب کیوں آ گیا؟ مادام آپ ایک معصوم بندے پر ترس کھائیے۔ کیوں اسے پابند کرنا چاہتی ہیں' اس بے چارے غریب آدمی کو گھر راس نہیں آ سکتا' ہوسٹل کا عادی ہے۔ پھر چاچی... وہاں زندگی کسی ڈسپلن کے تحت گزرتی ہے۔ یہاں۔"

"ہاں ہاں' یہاں تو انسان بستے ہی نہیں' ڈھور ڈنگر رہتے ہیں' انہیں ڈسپلن کی کیا خبر۔" وہ مسکرانے لگا۔

"چاچی! آپ تو خفا ہونے لگیں۔ کم از کم سفر سے لوٹ کر آنے والے اپنے بھتیجے سے حال احوال تو پوچھا ہوتا۔"

"پوچھ لوں گی' پہلے تم جاؤ اور اپنا سامان لے آؤ۔ وہ آ گئے تو کان سے پکڑ کے لے جائیں گے اور میں نہیں چاہتی کہ میرے اتنے بڑے سارے بھتیجے کی یوں منہ در منہ بے عزتی ہو جائے۔"

"سنا ہے آج گھر میں بڑے بڑے کھانے پک رہے ہیں۔"

"ٹالنے کی کوشش مت کرو۔"

"بھئی بھوک لگی ہے سخت قسم کی اور اتنی زبردست خوشبوئیں ایمان خراب کر رہی ہیں۔"

وہ مسکرانے لگیں۔ آگے آگے چلیں تو وہ بھی ان کے ساتھ کچن میں آ گیا' ہاتھ دھو کر میز کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شبیر! تمہیں اتنے دن وہاں لگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"چاچی! مجھے اپنی زندگی کا ایک ایک پل بہت عزیز ہے اور میں وقت کا ایک پل غلط جگہ پر استعمال نہیں کرتا۔"

"اپنے لیے جینا سیکھو شبیر' زمانہ کسی کو کچھ نہیں دیتا۔"

"یہی خود غرضی ہے چاچی پیاری' جو معاشرے کو بے حسی کے اندھیروں میں دھکیل لائی ہے' آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ مجھے حوصلہ دیں۔ مجھے اچھی راہ بتائیں... کم از کم آپ تو میری نفی نہ کریں' آپ چاچی پیاری' معاشرہ ہمارا منتظر ہے۔ انسانیت کی ہم سے بڑی امیدیں ہیں... میں... میں انسانیت کی اس فریاد پر اپنے کان بند نہیں کر سکتا' اندھا نہیں بن سکتا' مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔"

"دنیا کے یہ قانون بہت پرانے ہو چکے ہیں شبی... کسی زنگ آلود قفل کی طرح ہیں' جسے خود اس کی اپنی چابی بھی کھولنے سے قاصر رہتی ہے۔"

"شاید آپ یہ بھی جانتی ہوں... کہ تیل کا ایک قطرہ اسے کھولنے کے لیے کافی رہتا ہے میں بھی وہی قطرہ بننا

چاہتا ہوں' جو رسم ورواج کے سارے زنگ آلود قفل کھول کر حقائق کو آزاد کر دے' انسان کو اس کا فرض یاد دلادے۔ پلیز چاچی...... کیا میری مدد نہیں کر سکتیں' میں اس بار ہونے والے الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہوں۔ میں یونیورسٹی لیول پر میسر آنے والے پلیٹ فارم سے اپنی جدوجہد کا آغاز کروں گا' بہت سے دردمند دل والے لوگ میری آواز میں اپنی آواز ملا دیں گے۔

میں ہر دم ان لوگوں میں رہنا چاہتا ہوں اور اس لیے میرا ہوسٹل میں رہنا بہت ضروری ہے۔"

"تم...... الیکشن لڑو گے؟ شبیر! تم جانتے ہو دلنواز اسے وقت کے زیاں کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔"

"ہو سکتا ہے میرے خیالات جان کر وہ اسے وقت کا زیاں نہ سمجھیں' ایک مشن سمجھیں' میرا جہاد خیال کریں چاچی! اس ملک کو لاقانونیت نے قانون کا لبادہ اوڑھ کر اپنے جال میں قید کر رکھا ہے' میں یہاں خدا کے بنائے قانون کی بالادستی دیکھنا چاہتا ہوں' انگریزوں نے ہمارے مرد آہن کے حوصلے اور ہمت سے تھبرا کر ہمیں آزاد کر دیا۔ ہمارے اجسام کے گرد لپٹی زنجیریں تو کٹ گئیں' ہمارے دل بھی آزاد ہو گئے' لیکن ہمارے دماغ اب تک غلامی کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہو سکے' چاچی...... میں دماغوں کو آزادی کا احساس بخشنا اپنا فرض خیال کرتا ہوں اور اپنی تاعمر جدوجہد کے بعد اگر ایک دو انسانوں کو بھی ایسی آزادی دلانے میں کامیاب ہو جاؤں تو اسے اپنی جیت سمجھوں گا۔"

آمنہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"بیٹے! یہ باتیں۔ تم دلنواز سے ہی کرنا۔ تمہاری باتیں شاید بہت اونچی ہیں اور میں ایک عام سی خاتون ہوں۔"

"اوکے مادام......" وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆

گوہر ایک بڑی الجھن اور پریشانی کا شکار تھی' زندگی کبھی کبھی اپنے گزرے لمحوں کا حساب بہت جلد مانگ لیتی ہے' کسی عمل کے گزر جانے پر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لمحے کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے' لیکن بعض لمحے بڑے ظالم ہوتے ہیں' پل پل سامنے آ کر تڑپاتے ہیں' پریشان کرتے ہیں' کیا یہ ضروری تھا کہ ماموں واسطی بھی یہیں موجود ہوں۔ اسے خوف سا آ رہا تھا' یونیورسٹی سے آف ہو جانے پر بھی وہ وہیں موجود تھی' لائبریری میں کسی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے اس کا دل دھڑک رہا تھا' ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ تھی' ماموں واسطی کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں' ابھی کچھ دیر قبل وہ اسے ملا تھا' پہلے دن والا ماموں لگ ہی نہیں رہا تھا' اس کے چہرے پر کرختگی چھائی تھی' آنکھیں خطرناک لگ رہی تھیں۔ بالکل اجنبی...... اور خشم سی آنکھیں۔

"گوہر بیگم!" اس کے مخاطب کرنے کا انداز ہی نرالا اور انوکھا تھا' وہ اس کی آواز پر رک گئی۔

"قبل ازیں میرا پروگرام کچھ اور تھا...... بالکل ویسا جیسا دستور زمانہ ہوتا ہے لیکن اب میرا پروگرام کچھ اور ہے' دشمن اپنی چیزیں بخوشی نہیں دیا کرتے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ بقول آپ کے شبیر عسکری کی منگیتر ہیں' لیکن میرے خیال میں ہماری امانت ہیں' آپ کے ان خوبصورت ہاتھوں میں مہندی رچے گی تو صرف میرے بھیا کے نام کی۔ ورنہ نہیں...... میرا نام ماموں واسطی ہے' میں امین واسطی کا بیٹا ہوں' سکندر واسطی کا پوتا۔ زمانہ ہمارے خاندان کی تاریخ سے آگاہ ہے' ہم لوگ اپنی غیرت کی حفاظت جان دے کر بھی کرتے ہیں' دنیا کا کوئی شخص زیادہ دن ہمارے ارادوں سے بچ کر نہیں جی سکتا' باغی کی طرح ہمارے گھر کی چاردیواری سے باہر نہیں جا سکتی' اس وجود کو بھیا کے بازوؤں نے پناہ دی ہے' یہ وجود سدا کے لیے ان کا ہو گیا ہے' آپ بھرے جہان میں واحد لڑکی ہیں جن سے وہ محبت کرنے لگے ہیں' آپ چاہیں تو بڑی شان سے سکندر پور میں سکندر پور والوں کی بہو بن کر آ سکتی ہیں' آپ نے گڑبڑ کی تو ماموں واسطی دھونس' دھاندلی اور طاقت' تینوں کا استعمال بخوبی جانتا ہے اور آپ کو راہ راست پر لانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' لیے...... کہاں ہے آپ کا دولت کدہ اور کب میرے والدین آپ کو میری بھابی کے طور پر مانگنے آئیں؟"

"مسٹر واسطی......؟ آپ کتنے گھٹیا انسان ہیں' آپ کو کسی لڑکی سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔"

"آپ کہہ سکتی ہیں آپ کو حق ہے' لیکن یقین کیجیے میں گھٹیا نہیں ہوں' اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے جدوجہد بہادر کرتے ہیں اور میں بہت بہادر ہوں۔"

"آئی ہیٹ یو...... نفرت ہے مجھے ایسی بہادری سے۔"

"تھینک یو' اچھے لگے یہ الفاظ بھی۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں' آپ پر' دفع ہو جائیے۔"

"اوکے۔ لیکن میری بات یاد رہے' میں اپنا جواب لینے ضرور آؤں گا' آپ کے پاس دو دن سوچنے کے لیے ہیں' خدا حافظ......" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

اور تب سے گوہر سوچ میں پڑی تھی' اسے کیا خبر تھی کہ معتدل دن رات گزارتے چند ماہ بھی نہ گزریں گے کہ وہ اتنے بڑے امتحان میں ڈال دی جائے گی۔ اف میرے خدا' یہ سب کیا ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے' کدھر جاؤں میں...... یہ ساری باتیں کس سے کہوں کاش میں نے ماموں جان کو ساری بات اسی روز بتا دی ہوتی' آج ان سے حال دل تو کہہ لیتی۔ وہ از حد پریشان تھی' جانے کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی' ماموں کا ڈرائیور آج چھٹی پر تھا۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ خود ہی آ جائے' اس نے گھڑی دیکھی' چار بجنے کو تھے دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا' وہ پریشانی کے اسی عالم میں گیٹ تک چلی آئی' ابھی اس نے قدم گیٹ سے باہر رکھا ہی تھا کہ شبیر کی گاڑی ایک جھٹکے سے سامنے رکی۔ کھڑکی کا شیشہ تیزی سے نیچے اتار کر اس نے ہاتھ ہلایا' اسے دیکھ کر انجانی مسرت چہرے پر آ گئی تھی' کتنا خوش تھا وہ......

"ہیلو...... کم آن......" اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

وہ شبیر کو دیکھ کر بھی گم صم سی رہ گئی' مرے مرے قدموں سے چلتی اس تک پہنچی' سرمئی تھری پیس سوٹ میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا تھا۔ وہ قریب آئی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔

"گوری...... کیسی ہو؟ بھئی آج یونیورسٹی چھوڑنے کا ارادہ نہیں تھا کیا...... اتنی پڑھاکو بچی مت بنو۔ گولڈ میڈل کے بغیر بھی اچھا چل جائے گا۔" وہ زبردستی مسکرا دی۔

"بھئی مان لیا' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے' یونہی بیٹھے بیٹھے خیال آیا' تمہیں لے آؤں' تمہارے بغیر ایک پل یہاں دل نہیں لگا' قسم لے لو مجھ سے۔"

وہ اب بھی چپ تھی' شبیر نے چونک کے اسے دیکھا' چپ رہ کے پھر بولا۔

"میں جانتا ہوں گوہر! تم مجھ سے خفا ہو' میں نے اتنے سارے دن وہاں گزار دیے۔ لیکن مجبوری ہی ایسی تھی۔ ایسے پیار کرنے والے لوگ تمہیں ملے ہوتے تو تمہارا ردعمل بھی یہی ہوتا۔ وہ سب بہت پریشان تھے۔ انہیں

سنبھالنا میرا فرض تھا۔ گوہر میں نے چند روز سہی' آخر اس عظیم خاتون کا دودھ پیا تو تھا۔ بیٹا ہوں ان کا ..... پھر ان محبتوں کا تو حساب ہی نہیں جو انہوں نے مجھے زندگی کے اتنے سالوں میں دیں۔ سدرہ آپا ایک ہولناک ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئی ہیں' خدا جانے ان کا کیا ہوگا۔ ممی بے حد پریشان تھیں' وہ اپنے سارے بچوں پر جان نچھاور کرتی ہیں' عذرا اپنی جگہ بے حال تھی۔ عدی بے چارہ تو کچھ سمجھ ہی نہ پا رہا تھا' ڈیڈی ان لوگوں سے پہلے چلے گئے۔ عدی نے ویزے وغیرہ کے لیے بھاگ دوڑ کی اور میں' ممی اور عذرا کو بھی ساتھ ہی سنبھالے رہا۔ حوصلہ دیتا رہا' وہ تو مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھیں' لیکن میرے پاس پاسپورٹ نہ تھا اور وقت بہت کم تھا' خود سوچو گوہر ان حالات میں' میں کیا کرتا' کیا کرنا چاہیے تھا مجھے؟ کیا تم میری مجبوری اب بھی نہیں سمجھیں۔"

"نہیں شبیر! میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں۔ تم نے جو بھی کیا وہی ہونا چاہیے تھا' کچھ تقاضے اخلاق اور انسانیت کے بھی ہوتے ہیں۔ میں تو..... میں تو آج کافی دیر کتابوں میں گم رہی' بس اسی لیے چہرے پر بارہ بجے نظر آ رہے ہیں' میں تم سے خفا تو نہیں ہوں' بالکل بھی۔"

"گوری! عذرا تمہیں سلام کہہ رہی تھی اور یہ بھی کہ اسے تمہیں اپنی بھابھی کہنے کا از حد ارمان ہے۔"

گوہر اس ذکر پر شرما بھی نہ سکی۔

اس کے ذہن میں ماموں واسطی کی باتیں گھوم رہی تھیں' وہ تو شاید شبیر کی بات ہی نہیں سن رہی تھی۔

"گوہر..... گوہر.....!" اس نے اسے پکارا۔ "کہاں گم ہو؟"

"نہیں..... کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔"

شبیر نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو خود کو سنبھال کر وہ مسکرانے لگی۔

"چاچی کے ہاتھوں کے کھانوں کا جواب ہی نہیں' آج پوچھ کے کچھ مہمان یہاں سے گزر رہے ہیں' ان کے لیے اس دن ڈشز بنائی ہیں چاچی نے' ایمان سے لطف آ گیا گوری! تم ایک پیریڈ لگا لیا کرو ان کے ساتھ۔ سیکھ لو یہ سارا ہنر' میں بھی چاچو کی طرح ایک خوش نصیب مرد بننا چاہتا ہوں' پاپا کی طرح نہیں' وہ محبتوں کی قدر نہ کر سکے۔ کھو بیٹھے سب کچھ..... میں..... میں زندگی بھر تمہیں اپنے دل کے ساتھ رکھوں گا گوری تمہاری خامیوں کو اچھائیوں میں بدلنے کی خود بھی کوشش کروں گا' دیکھو نا گوری! دنیا کا کوئی بھی انسان خامیوں سے مبرا نہیں' ہے نا..... میں بھی..... مجھ میں بھی کتنی خامیاں ہوں گی' بس ایک خامی ہر حال میں ناقابل قبول ہوگی' خواہ میری ہو یا تمہاری۔"

"وہ کیا.....؟"

"بے وفائی..... ہرجائی پن..... ایک مرد کے لیے اس سے زیادہ باعث افتخار کوئی بات نہیں ہوتی کہ اس کی بیوی ایک قابل اعتبار' باکباز عورت ہے۔ وہ معاشرے میں بڑی شان سے سر اٹھا کر چل سکتا ہے' زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوگا جس پر میں تم سے بات نہ کر چکا ہوں گا۔ مجھے بھی تمہاری طرف سے اعتماد کی رسید چاہیے کہ تمہاری نگاہ میں' میں بھی ایک قابل اعتبار مرد ہوں۔ میں چاہتا ہوں گوری! ہماری زندگی کی کتاب پر کوئی ایسے الفاظ رقم نہ ہوں' جو دونوں میں سے کسی ایک کی سمجھ سے بالاتر ہوں' تمہاری زندگی بھی میرے سامنے ہے' میں تمہاری حیات کے ایک ایک لمحے کا حساب با آسانی پڑھ اور دیکھ سکتا ہوں' اور آئندہ بھی ایسا چاہوں گا۔ ایک دوسرے کو پرکھنے کے لیے ہمارے پاس خدا کی ذات اور اپنے دل کے سوا کوئی پیمانہ نہیں۔ ہمیں کسی محتسب کی ضرورت نہیں' ہم خود ہی ایک دوسرے کے محتسب ہیں' ہر معاملے کو پرکھ سکتے ہیں' ایک دوسرے کا حساب رکھ سکتے

"

گوہر چونک گئی۔ ایک ایک حرف اسے ڈرانے دھمکانے لگا۔

"میں..... گوہر! میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا' بتا نہیں سکتا کہ مجھے کیا چاہیے' مجھے تو بہت کچھ چاہیے' تمہاری ذات کی صورت ایک انجمن ہی تو چاہیے' جس میں پیار کی شمع کی روشنی بھی ہو' وفا کے پھولوں کی خوشبو بھی ہو' جانثاری کا جذبہ بھی ہو۔ تھک جاؤں تو تمہارا وجود میری مکمل پناہ گاہ بھی بن جائے' حالات کی کڑی دھوپ ہو تو تمہارا حوصلہ گھنیری چھاؤں کا کام بھی دے' مایوس ہو جاؤں تو تمہارے الفاظ زندگی کا ولولہ اور لگن بھی بخش سکیں' جب بھی حادثات چہرے سے مسکراہٹ نوچ لیں تو تم میرے چہرے کا تبسم بھی بن جاؤ' یہ سب کچھ مجھے مل جائے نا گوہر تو پھر میں تنہا نہیں ہوں' محرومیوں کے سارے دکھ پل میں مٹ جائیں..... تم مجھے یہ سب کچھ دے دینا گوہر..... سب کچھ..... پھر میں بہادر ہوں گا..... اس جنگ میں جو میں نے زمانے کے فرسودہ نظام کے خلاف لڑنے کی ٹھان رکھی ہے' اس جنگ میں' میں آسانی سے ہاروں گا نہیں۔ میں اپنے مقاصد پالوں گا۔ سارے اعلیٰ مقاصد..... اور جب معاشرے میں ہر طرف امن اور چین ہوگا' مظلوم ظلم سے نجات پا جائیں گے۔ تب ہم یعنی میں اور تم اپنے پیارے ملک کے سرسبز خطے کے کسی ایک کونے میں ایک چھوٹے سے گھر میں سب سے دور اپنی دنیا بسا لیں گے۔ گوری..... میری زندگی..... مجھ سے وعدہ کرو۔ تم میرے اعتماد پر پوری اترو گی۔ تمہاری طرف سے مجھے کبھی مایوسی نہ ہوگی..... میں جانتا ہوں تم فیشن کی دوڑ میں اندھا دھند بھاگنے والی مغرب زدہ لڑکی نہیں ہو' تم ایک حقیقی مسلمان لڑکی ہو۔ اور تمہارا راستہ وہ راستہ ہے..... جو خدا نے تمہارے لیے بنایا ہے۔ تمہارا آئیڈیل الزبتھ ٹیلر..... لیڈی ڈیانا۔ سارہ فرگوسن..... یکھا..... زینت امان نہیں۔ بی بی فاطمہ علیہا السلام ہیں۔ تم ان کے قدموں کی خاک بننا چاہتی ہو۔"

گوہر کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ رونے لگی۔

"شبیر.....! کبھی کبھی ہمارے دل کی باتیں کوئی دوسرا بھی کہہ دیتا ہے' خدا کی قسم۔ میں..... میں سوچتی ہوں' عورت کا علیحدہ تشخص صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک نیک بیٹی' شریف بہن' باکباز بیوی اور عظیم ماں ہے۔ میں بھی یہی سب کچھ بننا چاہتی ہوں۔ تمہاری ذات کے حسین رنگوں میں مدغم ہو جانا چاہتی ہوں' تم سے جدا ہو کے نہیں..... میں..... میں تمہاری امیدوں کو..... حقیقت کا رنگ دوں گی' تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گی۔..... بلیو می شبیر..... بلیو می..... یہ سب کچھ جو تمہارا منتہائے نظر ہے' یہ سب میری بھی تو آرزو ہے۔"

"ہاں..... یاد آیا....." وہ ہمیشہ کوئی اہم بات یاد آنے پر مخاطب کی اہم ترین بات بھی نظر انداز کر دیتا تھا۔

"یار لوگوں کا خیال ہے' مجھے یونیورسٹی الیکشن میں حصہ لینا چاہیے تم کیا کہتی ہو اس بارے میں؟"

"نیک خیال ہے' آدمی کو سدا متحرک اور فعال زندگی گزارنا چاہیے۔"

"گویا تمہیں اس حماقت پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"حماقت کیوں؟"

"بھئی' میں نہیں چاہتا' جانی کہتی ہیں۔"

"اور ماموں جان؟"

"ان سے میری سفارش تم کر دینا۔ سنا ہے تمہاری بات مانتے ہیں وہ۔"

"کوشش کروں گی۔ میرا خیال ہے انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"خدا کرے...... یہ ارم لوگ کب تک رہے تھے یہاں؟"
"ایک دو دن ہی......"
"میرے خلاف خوب زہر گھولا گیا ہوگا۔"
"جی نہیں...... ایک بار میرے جھڑک دینے پر ہمت ہی نہیں ہوئی بات کرنے کی۔"
"اچھا کیسے جھڑکا تم نے؟"
"کسی کو بھی بتانا ضروری نہیں۔"
"گوری! کیا واقعی تم نے میری خاطر انہیں جھڑک دیا' ٹھکرا دیا۔"
"قسم نہیں کھاؤں گی جناب! اس بات کی۔"
وہ مسکرا دیا۔ "اور کوئی اہم بات؟"
"چچی اماں نے خوب خوب ملتے لیے مامی جان کے...... مجھے شدت سے احساس ہوا کہ چچی اماں ہمارے خاندان کی ایک قابل فخر بزرگ خاتون ہیں۔ شبیر انہیں تم سے بہت پیار ہے اور پھر دلنواز ماموں نے تو حد کر دی یہ کہہ کر کہ تمہاری ممانی یعنی سعیدہ بیگم اس گھر میں...... بار آئیں' لیکن شبیر کے بارے میں اچھائی برائی کر نہیں... ورنہ وہ انہیں ادھر آنے سے روک بھی سکتے ہیں۔"
شبیر خوشی سے پھولے نہ سمایا۔
"اچھا...... گویا یہ انہوں نے کہا میری خاطر۔ او میرے خدا۔ میں تو خواہ مخواہ ہی شکوہ کناں رہتا ہوں۔ محبتیں تو میرے اردگرد چاروں طرف موجود ہیں' گوری......" اس نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔
"گوری! تم میری زندگی میں واقعی بہار بن کر داخل ہوئی ہو' بڑے مبارک ہیں تمہارے قدم...... یہ ساری محبتیں میری ہو گئی ہیں' میں خود کو طاقتور محسوس کر رہا ہوں' اندر باہر پرسکون ہو رہا ہوں...... اب میں اپنے آدرش کی تکمیل آزادانہ کر سکوں گا۔ آج کے دن ان لمحوں میں بس مجھے ایک پریشانی ہے وہ ہے سدرہ آپا کا ایکسیڈنٹ' خدا کرے وہ جلد از جلد زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔"
گھر آ گیا...... دونوں گاڑی سے اتر کے اندر چل دیے' ٹی وی لاؤنج میں جہاں چچی اماں ان دونوں کی منتظر تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتنا بڑا ایئرپورٹ عدی نے کبھی خواب میں نہ دیکھا تھا' ایک وقت میں کتنے قومی ہیکل جہاز رن وے پر موجود تھے' پانچ دس منٹ میں ایک نئی پرواز کی روانگی یا آمد کا اعلان...... ہر رنگ اور نسل کے لوگ۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مگن ہنستے مسکراتے باتیں کرتے' قہقہے لگاتے' ڈیزنی لینڈ کہتے تھے۔ مغرب میں جنس بے حد ارزاں شے کا نام ہے۔ ننگے جسم' گوری گوری پنڈلیاں دیکھ کر عدی کا دل ڈوبا جا رہا تھا' اسے لاج آ رہی تھی' وہ ایک بے ضرر سا شرمیلا نوجوان تھا' پھر بھی شاہراہوں پر' کسی سینما ہاؤس میں...... شادی کی کسی تقریب میں۔ کوئی سفر کرتے ہوئے۔ کسی حسین چہرے کو نظر بچا کر دیکھ لینے کی قسم نہیں کھائی تھی۔ بلکہ شبیر نے تو اس کا نام چھپا رستم رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن کسی حسن کو زمانے سے چھپ کے نظر بچا کے دیکھ لینا اور بات تھی...... اور کھلے بندوں نسوانیت کی یہ توہین اور بات...... اس کا دل دھڑک کیا رہا تھا بلکہ لرز رہا تھا۔ کیوں کہ اجسام پر مختصر لباس جسم چھپانے کا کام ہرگز نہیں دے رہے تھے بلکہ چھپے خطوط کو واضح کرنے میں مدد ثابت ہو رہے تھے اسے اور بھی زیادہ لاج آئی' جب اسے

… ہوا کہ عذرا اور ممی بھی اس کے ساتھ ہیں' اس نے عذرا کی طرف دیکھا۔ آسمانی رنگ کے پورے بازو کی … اور شلوار میں آسمانی جارجٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھے' ہم رنگ جرسی پہنے اور شال کندھوں پر ڈالے وہ اس لمحے … دنیا کی معصوم ترین لڑکی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں' جانے کس خیال کے تحت اس نے ساتھ … ہوئے بے اختیار عذرا کا ہاتھ تھام لیا۔
"عدی......!" شاید وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی۔
"… ڈونٹ وری عذرا مائی ڈیئر...... ایسے نظارے قدم قدم پر ہمیں دیکھنے کو ملیں گے۔ برائی سے ناآشنائی کی بنا … برائی سے بچا رہے تو یہ کمال کی بات نہیں' کمال کی بات تو یہ ہے آپ برائی میں گھر کے بھی نفس کے غلام نہ … اپنے ایمان و یقین اور سنہرے اصول کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں' بی ایزی عذرا' سوچ لو کہ ہمیں اس … فیس کرنا ہے۔" دونوں نے رک کر مڑ کر ممی کو دیکھا' ان کی نگاہیں تو شاید یہ منظر دیکھ ہی نہیں رہی تھیں۔ ان … روح سدرہ میں اٹکی تھی۔
"عدی! تمہارے ڈیڈی یا افتخار ہمیں لینے آئے ہوں گے۔ انہیں دیکھتے رہو...... فون پر انہوں نے کہا تھا کہ … پر رکے رہنا ہم خود ہی پہنچ جائیں گے۔"
"ہاں ممی...... ہم گیٹ کے بائیں طرف رک جاتے ہیں' وہ ضرور لینے آئے ہوں گے۔"
تینوں مطلوبہ جگہ پر رک کر انتظار کرنے لگے۔
"عدی! یہاں تو قیامت کی سردی ہے' میں تو برف بن جاؤں گی۔"
"دستانے پہن لو...... نکال دوں میرے کندھے سے لٹکے بیگ میں ہیں۔"
"ہاں نکال دو......" عذرا کے دانت بج رہے تھے۔ پانچ منٹ' دس منٹ بلکہ پورے پندرہ منٹ گزر گئے۔
"عدی! ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔" ممی گھبرائی ہوئی تھیں۔
"کیا خبر ممی......" عدی بھی انتظار سے تنگ آ گیا تھا۔
ایک بوڑھا انگریز...... عدی سے ٹکرا گیا...... وہ عجلت میں گیٹ کے راستے اندر آ رہا تھا۔
"سوری......!"
"عذرا! یہاں بھی معذرت کا رواج ہے مجھے تو امید نہیں تھی۔"
"تھوڑی بہت انسانیت ابھی زندہ ہے نا۔" عذرا نے جواب دیا' بھاری لانگ کوٹ...... بڑے سارے ہیٹ … سفید پینٹ اور سفید بوٹوں والا بوڑھا انگریز پھر اس کے قریب سے گزرا...... ہاتھ میں پکڑی عینک ناک پر جما … بغور عدی کو دیکھنے لگا' پھر اس نے جیب سے پوسٹ کارڈ سائز کوئی شے نکالی۔ کبھی وہ عدی کو عذرا کو یا ممی کو … دیکھتا اور کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو' پھر ایک دم وہ چلا دیا۔ بڑی شستہ زبان میں انگریزی بولتے ہوئے۔
"نوجوان! کیا تم عدی بن جمال ہو؟ یہ لڑکی عذرا بنت جمال ہے اور یہ خاتون مسز جمال احمد ہیں۔"
ایک انگریز کے منہ سے اپنے نام سن کر عدی بوکھلا گیا' اس نے احمقانہ انداز میں سر ہلا دیا۔
"جی ہاں...... یہ ہم سب ہی ہیں' مگر آپ نے کیسے جانا؟"
اس نے تصویر آگے کر دی۔ جس میں وہ تینوں سدرہ آپا کے ساتھ موجود تھے۔
"او میرے بچے...... تم نے ایک بوڑھے آدمی کو کتنا تنگ کیا' میں تمہیں تلاش کرتے کرتے تھک گیا اور اب … پریشان ہو کے واپس جانے سے قبل انکوائری آفس کی طرف گیا تھا' تمہارا پتا کرنے' یہاں نہ آتا تو تمہیں پا ہی نہ

سکتا۔"

"اوہ جناب! معذرت خواہ ہوں' آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی۔ یہ جگہ ہمارے لیے یکسر اجنبی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"آپ..... آپ کون ہیں جناب؟"

"میں کون ہوں....." وہ ہنس پڑا۔ بڑی جاندار ہنسی۔ "بڑا دلچسپ سوال ہے' لیکن یہ سارے سوال و جواب گاڑی میں۔ ہمیں ہاسپٹل پہنچنا ہے۔"

"عدی! ان سے پوچھو..... جمال اور افتخار کہاں ہیں۔" ممی کو بوڑھے انگریز کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"جناب! میری بڑی بہن کا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔"

"خداوند نے اپنا کرم کیا ہے۔ وہ بہت جلد آنکھیں کھول دے گی۔ وہ بڑی پیاری بچی ہے اور وہ ہماری وہ میری جان ہے۔ دن کا بیشتر حصہ میرے ساتھ گزارتی ہے' بچے ڈاکٹر ہنری کی سب سے بڑی کمزوری ہیں۔" ان سب کو ساتھ لے کر باہر آ رہے تھے۔

"ڈاکٹر ہنری!"

"آف کورس..... ڈاکٹر ہنری..... اب بھی ڈاکٹر ہی ہوں نا' ڈاکٹر کے لیے مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ریٹائر ہو کر بھی ریٹائر نہیں ہوتا' اپنے نام کے ساتھ اپنے اعزازات' ڈگریاں سجائے ڈاکٹر ہی کہلایا جاتا رہتا ہے۔ مجھے ڈاکٹر ہنری کہتے ہیں ہنری جوزف۔"

انہوں نے عذرا کے پاس رکھا بیگ اٹھالیا تھا اور مزے سے کندھے سے لٹکائے آگے آگے جا رہے تھے۔ ان کی عمر کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا...... پھر بھی عدی کے خیال میں وہ پچھتر اسی کے درمیان تھے۔ لیکن انتہائی چاق و چوبند اور پھرتیلے۔ ان کے قدموں میں لرزش نہیں جوانوں جیسی مضبوطی تھی۔ کافی دور چل کر انہوں نے ایک گاڑی کی ڈگی کا لاک کھولا' عدی نے ٹرالی پر رکھا سامان ڈگی میں بھر دیا۔

"چلو بچو! اپنی اپنی سیٹ سنبھالو۔ عدی بن جمال تم میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

عدی نے ان کی طرف دیکھا اور اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی گاڑی سے باہر تھے۔

"عدی۔ یہ سب کیا ہے؟" عذرا ان لمحوں میں خاموش ہی رہی تھی خوف زدہ انداز میں بولی۔

"خدا نے ہمارا اعتماد بحال کرنے کو ایک اچھا انسان بھیج دیا ہے۔ بیگانوں اور انجانوں کی اس نگری میں۔"

ڈاکٹر ہنری نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"تیار۔ چلنے کے لیے۔"

"بالکل!" عدی نے جواب دیا۔

انہوں نے سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑیوں کی قطار سے نکال کر چمکتی سیاہ سڑک پر ڈال دی۔

"مسز جمال! آپ کی بیٹی سدرہ۔ مجھے بہت عزیز ہے۔ میرے دل کی صدائیں۔ پراثر رہیں۔ خدا نے اسے ہماری طرف لوٹا دیا۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ڈاکٹروں کا ناک میں دم کر دیا ہے۔ میں نے ایک طویل مدت اس ہاسپٹل کے انچارج کی حیثیت سے عوام کی خدمت کی ہے۔ وہ میری بیٹی کے لیے بھاگ دوڑ کیسے نہ کرتے سارے کے سارے سرجن میرے شاگرد ہیں۔ بڑا احترام کرتے ہیں میرا۔ پوری پوری راتیں وہ بھی میرے ساتھ جاگتے رہے ہیں۔ زندگی تو اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ بہانہ

انسان بن جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی ہے۔ خدا سے رو کے گڑگڑا کے اس کی زندگی مانگی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ رائیگاں نہیں ہوگا۔"

"خدا کرے۔ میری ممی تو پچھلے چار پانچ دنوں سے ایک پل چین نہیں پاسکیں۔ میری بہن اور میں بھی۔ ہم سب انہیں بہت چاہتے ہیں۔"

"چاہت بڑی حاقت ور شے کا نام ہے۔ چاہتیں بڑے کام کی چیز ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی کسی کا ہو۔ بہت خوش ہوتا ہوں میں' جب دیکھتا ہوں کہ کسی کے اردگرد محبتوں کی چھاؤں ہے۔"

عدی نے حیران ہو کے ڈاکٹر ہنری کو دیکھا۔ وہ تو سمجھتا تھا...... کہ کسی مغربی انسان کے پاس دردمند دل ہی نہیں ہوتا۔

"بیٹے! تم نے اپنا تعارف ہی نہیں کرایا۔"

"جی سر۔" وہ مسکرانے لگا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں اپنے بلکہ سب کے بارے میں بتا دیا۔

"بہت خوب۔ گویا۔ سدرہ تمہارے بارے میں جو کچھ بتایا کرتی تھی سب درست ہے۔ مجھے زندہ دلی بہت پسند ہے۔ نوجوان آدمی! سارے شوخ و شنگ' لاپرواہ' اور لاابالی لڑکوں میں مجھے اپنی جوانی کا عکس نظر آتا ہے۔ ہاں سنو۔ سدرہ تم سے زیادہ ایک اور نوجوان کا نام لیتی ہے۔ وہ کیسا ہے' کہاں ہے' وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ اسے اپنی اتنی پیاری اور اچھی بڑی بہن کے لیے آنا چاہیے تھا۔"

"وہ تو آ رہے تھے' ہم سب نے روک دیا۔ ڈاکٹر صاحب! وہ پہلے بھی اپنا قیمتی وقت ادھر ادھر گزار کر ضائع کر چکے ہیں۔" عذرا نے پہلی بار جواب دیا اور اپنی ساری دماغی طاقت انگریزی بولنے میں صرف کر دی۔ ڈاکٹر ہنری نے بیک ویو مرر میں سے اسے بغور دیکھا اور مسکرا دیے۔

"اوہ نندی پیارے یہ ہے تمہاری جڑواں بہن' عذرا بنت جمال' ایک بے حد شریر بچی۔"

"جی سر۔" ڈاکٹر ہنری نے ہاتھ پیچھے کر کے عذرا کے سر پہ رکھا۔

"خدا تمہیں لمبی زندگی دے۔"

"اور ممی سر!"

وہ ہنس دیے۔ "تم تو پہلی نظر میں ہی بیٹے لگے تھے' تمہارے کیا کہنے۔" وہ اسے پیار سے دیکھ رہے تھے۔

گاڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عدی اور عذرا کے اداس چہروں پر تھوڑی سی طمانیت آ گئی تھی۔ ممی تسبیح کر رہی تھیں۔ خدا سے مدد کی طلب گار تھیں۔ عذرا سرگوشیوں میں انہیں ڈاکٹر ہنری کی باتیں بتا رہی تھی۔

اچانک گاڑی ایک بڑے سیاہ گیٹ کے سامنے رک گئی۔ جس سے آگے سرخ بجری کی چوڑی سی روش تھی اور دونوں اطراف بہت بڑے لان۔ عدی نے ایک دم ڈاکٹر ہنری کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کہاں آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب! یہ ہاسپٹل تو نہیں ہے۔"

"بے شک۔ بے شک لیکن ایک ڈاکٹر کے گھر کو آپ دوسرے الفاظ میں ہاسپٹل کہہ بھی سکتے ہیں۔"

"مگر ہمیں تو۔"

"آپ کو ہاسپٹل جانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تو پھر......"

"نوجوان! مشرق والے اپنی مہمان نوازی کے سبب مشہور ہی ہیں۔ یہ بڑھا بھی آخر ایک انسان ہے بھلا کیسے گوارا کرے کہ تم لوگ اس پریشان حال میں اسے دیکھنے چلے جاؤ۔ پہلے تھوڑی سی ریفریشمنٹ از قسم ہاتھ منہ دھونا ایزی ہونا ہلکا سا ناشتہ کرنا چائے یا کافی لینا۔ اس کے بعد باہر چلیں۔"
انہوں نے نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور گاڑی اندر لے آئے۔
"عدی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" عذرا منمنائی۔
"بے وقوف لڑکی!" عدی نے اسے ٹوکا۔
ایک آدمی جو یقیناً ان کا ملازم تھا۔ گاڑی سے ان کا سامان اتارنے لگا۔ تینوں نیچے اترے۔ ممی کے چہرے پر موجود ناگواری صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اور چہرے پڑھنے کے لیے کسی بھی زبان کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ ڈاکٹر ہنری نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں الفاظ کے بجائے احساسات سے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انہیں اس پریشان حال خاندان سے از حد ہمدردی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تیسرے دن اس نے یونیورسٹی جانا ہی گول کر دیا۔ شبیر حسب معمول اسے لینے کے لیے آیا تو وہ رات کے لباس میں میز پر بیٹھی چائے کے سپ لے رہی تھی۔
"یو لیزی لیڈی۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔"
"نہیں۔"
"کیوں؟ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ دیکھو زیادہ دیر نہ لگانا۔ آج مجھے بہت سا کام ہے۔ میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔ میں چائے پیتے ہوئے چچی اماں سے گپ شپ بھی کر لوں گا۔"
"شبیر! میں آج نہیں جاؤں گی۔"
"امپاسبل۔ کیوں اور کیسے نہیں جاؤ گی؟"
"بس ویسے ہی۔"
"یہ کوئی بات ہے بھلا' جانتی ہو۔ کتنا عادی ہو گیا ہوں تمہارا' وہاں چند لمحے تمہارے ساتھ نہ گزاروں تو لگتا ہے زندگی خالی خالی سی ہے۔"
"بھئی' کیسے جاؤں آج سر زاہد ٹیسٹ لے رہے ہیں اور میں نے تیاری نہیں کی۔"
"عذر لنگ ہے۔ تم اور ٹیسٹ نہ دے سکو یہ تو کوئی بات ہی نہیں۔ مت اڑاؤ بات کو۔ میں نے یونیورسٹی کے ادبی مجلے میں تمہارا مضمون پڑھا ہے۔ بلکہ ایک دوست نے سفارش کی تھی کہ اسے پڑھوں۔ گوری! خدا کی قسم میں حیران رہ گیا کہ تم نے ایک ادنیٰ ہوتی لڑکی نے اتنے الفاظ کہاں سے لے لیے۔ معاشرتی بے حسی کے موضوع پر تم نے خوب لکھا ہے۔ بہت خوب۔ لہٰذا تم ٹیسٹ دے سکتی ہو۔"
"شبیر! مضمون لکھ لینا اور بات ہے اور نصاب کی کتاب میں سے ٹیسٹ دینا اور بات' کہہ جو دیا تیاری نہیں کی۔"
"فیل بھی ہو جاؤ تو کیا ہے۔"
"شبیر! تم اتنی سی بات کو ذاتی مسئلہ بنا رہے ہو۔"
"نہیں گوری! ایسا نہیں ہے۔"

"پھر؟"
"پھر یہ ہے کہ آج میں نائی نیشن پیپر داخل کرانے چلا ہوں تم بھی وہاں ہوتیں تو اچھا ہوتا۔"
"میری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں۔"
"او۔ کے۔ چائے مت بناؤ جا رہا ہوں۔" وہ ایک ہم نا خوشگوار موڈ کے ساتھ کمرا چھوڑ گیا۔ گوہر میز پر بیٹھی رہ گئی۔ گاڑی کا دروازہ پوری قوت سے بند ہونے کی آواز آئی۔ تو گوہر کے دل میں دھما کا سا ہوا۔
کتنی خوشی ہوتی اسے۔ اگر آج وہ بھی شبیر کے ہمراہ ہوتی لیکن وہ کیسے جاتی۔ آج کا دن ایک ظالم دن تھا۔ ان ماسون واسطی نے اس سے جواب مانگنا تھا۔ اس کی راہ روک کر اس سے پوچھنا تھا۔ اور وہ کیا جواب دیتی۔ پاتی۔ صرف اسی کی وجہ سے اس نے آج کے اہم دن یونیورسٹی نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔
پورا دن کسلمندی کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی نصابی کتب کا مطالعہ کرتی رہی۔ حسب معمول شبیر سہ پہر نہیں آیا۔
"گوہر۔ گوہر۔" آمنہ خاتون اسے پکار رہی تھیں۔ اس نے کتاب بند کی اور باہر آ گئی۔
وہ کوریڈور میں تھیں۔
"جی مامی!"
"کہاں تھیں تم۔ بھئی ایک پل کو اس عاتکہ کو ہی سنبھال لیا کرو۔ دلنواز کے لاڈ نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔ جان عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ آج دفتری اجلاس ہے صاحب بہادر رات گئے سے پہلے لوٹنے کے نہیں اور اسے ایک ہی دھن لگی ہے۔"
"کیا ہوا ہے مامی۔"
"ہونا کیا ہے۔ ہم نے تو ایک بار بھی کسی بچے کی سالگرہ کا جشن نہیں منایا۔ دلنواز کچھ پکوا کے غریبوں اور ناداروں کو بھجوا دیتے ہیں اور بس اور ایک یہ مسز افضال علی ہیں' آئے دن ان کے ہاں تقریبات۔ ان کی بیٹی عاتکہ کی سہیلی ہے ارے وہی موٹی سی گول مٹول سی بچی۔ پھولے پھولے گالوں والی' جسے دلنواز چھیڑا کرتے ہیں۔"
"جی...... جی......"
"آج اس کی سالگرہ ہے۔ صاحبزادی عاتکہ خسکری کو زبردست تحفے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرو تم ساغر کو۔ ایک تو شبیر کو بھی جانے کیا ہو گیا ہے۔ آج وہ بھی نہیں آیا لے جاتا اور تحفہ دلا دیتا۔ تم ساغر کے ساتھ چلی جاؤ۔ عاتکہ کو بھی لے جاؤ۔ ٹیکسی سے چلی جانا' تحفہ دیتے ہی لوٹ آنا۔"
"مامی! میں۔" وہ حیران تھی۔
"ہاں بھئی' تم کیوں نہیں۔ انسان نہیں ہو کیا؟"
"وہ تو ہے مگر......"
"اگر مگر کچھ نہیں۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔ ساغر' ساغر۔" وہ واپس مڑ گئیں۔
اس نے تیار کیا ہونا تھا۔ دوپہر میں نہائی تھی ہلکے گلابی سوٹ میں ملبوس تھی۔ چادر لے کر اور سینڈل پہن کر باہر آ گئی۔
"گوہر باجی۔ آپ نے اس چڑیل کو منع نہیں کیا۔" ساغر بڑبڑا رہا تھا۔ ممی نے اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تھا۔

مخالف ٹیم ہارنے کے قریب تھی کہ ممّا کے سخت آرڈرز کے آگے اس نے بیٹ پھینک دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں، کھیل آج نہیں تو کل جیت لینا محلے کے مانے ہوئے آل راؤنڈر ہو ساغر عسکری۔" گوہر نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

دونوں اسے ساتھ ساتھ لیے لبرٹی میں گھوم رہے تھے۔ اور وہ تھی کہ...... ہر ایک چیز ریجیکٹ کیے جا رہی تھی۔

"عاتکی!" ساغر نے پاؤں زور سے زمین پر مارے۔

"کچھ لینا ہے تو لو ورنہ چلو واپس۔"

"ساغر۔" گوہر نے تنبیہہ سے اس کا نام لیا۔

"گوہر باجی۔ اس عاتکہ کی بچی کو دیکھیں۔ خوامخواہ نہیں کوئی چیز پسند ہی نہیں آ رہی۔ اس کی وہ پھولا غبارہ سہیلی گویا جنت کی حور ہے۔ جس کے لیے ہم تحفے ناکارہ ثابت ہوں گے۔"

عاتکہ کا منہ پہلے ہی بنا ہوا تھا۔ اب تو اس نے زوردار آواز سے رونے کی تیاری کر لی اور قبل ازیں کہ وہ آواز نکالتی دو بازو اس کی طرف بڑھے کسی نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"بری بات ساغر عسکری! اتنے پیارے بچوں کو رلاتے نہیں ان کی ہر بات مانتے ہیں۔ آؤ گڈ بے بی خریداری کے اس سلسلے میں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں۔" گوہر نے ایک دم مڑ کر دیکھا۔ کیونکہ اس آواز سے وہ آشنا تھی۔ ساغر منہ کھولے اس اجنبی کو دیکھ رہا تھا اور کھسیانا ہو کر مسکرا بھی رہا تھا۔

"کیوں بے بی آپ کو لینا کیا ہے۔" اس نے گویا گوہر کو دیکھا تک نہ تھا۔

ہمدردی پا کر عاتکہ کے بسورتے چہرے پر فخر و غرور آ گیا۔

"چلیے ہم آپ کو اس سامنے والی شاپ پہ لے چلتے ہیں۔"

"دیکھیے جناب!" ساغر فوراً بولا۔

"آپ جناب نہیں مامون بھائی! آپ کی یہ جو بجی لگتی ہیں۔ میری یونیورسٹی فیلو ہیں اور اور بھی بہت کچھ۔ یہ تعلق تقاضا کرتا ہے کہ میں آپ کو اجنبی نہ سمجھوں۔ آیئے میرے ساتھ۔"

گوہر گم صم سی ہو کر رہ گئی۔ جس کا ڈر تھا وہ قیامت آ ہی گئی بلکہ زیادہ خطرناک انداز میں۔ وہ ساغر کے پیچھے پیچھے چل دی۔

عاتکہ پر اس نے جانے کیا جادو کیا تھا۔ دوسری دکان پر جاتے ہی اسے ایک ماربل سے بنا پیارا سا گھر اور ایک سونے جاگتے بلکہ بولنے والی پیاری سی گڑیا پسند آ گئی۔ ماربل سے بنا گھر بہت ہی خوب صورت تھا۔ گھر کے لان میں مصنوعی گھاس بچھی تھی۔ چار کرسیاں اور ایک میز دھری تھی، خوب صورت پورچ میں چمکتی سرخ ٹویوٹا کھڑی تھی۔ گوہر کے پرس میں موجود سارے پیسے جو کچھ اس کے اپنے تھے اور باقی ماما نے احتیاطاً زیادہ دے دیے تھے۔ ان تحفوں کی خریداری میں لگ گئے۔ ساغر بے چارہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایک اجنبی کی موجودگی میں وہ کیا کہہ سکتا تھا۔

"اور بھی کچھ لینا ہے مس گوہر۔"

"جی نہیں، بس عاتکہ کو ہی پریزنٹ خریدنا تھا۔"

"چلیے میرے ساتھ ایک کپ چائے ہی پی لیجیے۔"

"نہیں مامون واسطی صاحب۔ میں پہلے ہی میچ کا تھس پر چھوڑ کر آیا ہوں اس عاتکہ کی بچی کی وجہ سے اور اب

زیادہ لیٹ نہیں ہونا چاہتا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔" مامون نے گفٹ پیک اٹھا لیا۔

"چلیے آپ کو آپ کی گاڑی تک چھوڑ آؤں۔"

"جی نہیں، ہم ٹیکسی سے آئے ہیں۔ مجھے گاڑی چلانے کی اجازت نہیں۔"

"اوہ تو پھر تکلف کیسا۔ آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

"نو تھینک یو مامون واسطی۔ ہم چلے جائیں گے۔" وہ جھٹ بول اٹھی۔

"مس گوہر! اتنی بے گانگی بھی اچھی نہیں میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ آپ ایک بھائی کی پیار بھری آفر کو ٹھکرا کے زیادتی کر رہی ہیں۔"

"مامون صاحب! باجی ہیں ہی زیادتی پسند۔ بے چارے شبیر بھائی اکثر ان کی زیادتیوں کا شکار رہتے ہیں۔ تبھی تو ناراض ہو کر گئے ہیں۔ انہوں نے آج خوامخواہ ہی چھٹی کر لی۔"

گوہر نے ساغر کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں، میں نے خود آپ دونوں کی باتیں سنی تھیں۔" شبیر کے ذکر پر مامون کے چہرے پر ناگواری کی لہر آ کر گزر گئی۔

"لیکن یہ ہمیں ایسی اذیت نہیں دیں گی ہمیں یقین ہے۔"

وہ آگے آگے چل دیا۔ پیکٹ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھے۔ عاتکہ نے اس کی انگلی تھام رکھی تھی۔ وہ ایک معمول کی طرح ان کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی۔ ساغر چلتے چلتے رک گیا۔ شاید اس کے جوگرز کے تسمے ڈھیلے ہو گئے تھے۔ وہ جھک کر تسمے کسنے لگا۔

"گوہر! آپ کو آج میری بات کا جواب دینا تھا۔" مامون نے جھٹ اسے مخاطب کیا۔

"جی ہاں مجھے معلوم تھا۔"

"پھر آپ آئیں نہیں۔"

"کیونکہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔"

"کیوں؟"

"وہ ایک ناممکن ہے۔"

"کیسے؟"

"لڑکیاں زندگی کے فیصلے صرف ایک بار کرتی ہیں۔ فیصلے بدلنے والی لڑکیاں کبھی مجھے پسند نہیں رہیں۔"

"آپ کا خیال ہو گا! میرا یہ خیال نہیں۔ ڈاکٹر ہارون واسطی شبیر سے لاکھ درجے بہتر انسان ہیں۔"

"آپ جان لیجیے شبیر میری زندگی کا محور ہے۔ میری خواہشات کے جنگل جتنے بھی وسیع بلکہ لامحدود ہوں اس کی ذات سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ میں خوش نصیب ہوں جس نے کسی تگ و دو کے بغیر ایک تابناک مستقبل کا خاکہ پا لیا ہے۔"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرا بھائی آپ کے خوابوں میں کھو کر جی رہا ہے۔"

"یہ ان کی زیادتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ جان لیجیے کہ میرے فیصلوں کو بھی موت نہیں آ سکتی۔"

"آپ شاید لڑکی کو کمزور شے تصور کرتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں! آپ کی بہادری اور حوصلے نے مجھے بھی آپ کا مداح بنا دیا ہے۔ میں آپ پر فخر کرتا ہوں۔"
ساغر قریب آ گیا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔

گھر تک کا سفر خاموشی میں ہی کٹ گیا۔ بس اگلی نشست پر بیٹھی عاتکہ جو بیچ میں مامون وامقی سے باتیں ہو گئی تھی۔ اس سے باتیں کرتی رہی۔ گاڑی گیٹ پر روک کر وہ اترا۔ ساغر خود ہی دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ گوہر نے بھی مامون کے آنے سے پہلے دروازہ کھول دیا۔ عاتکہ کو اس نے خود اتارا۔ ساتھ رکھا سامان اٹھا کے ساغر کے ہاتھ میں دیا۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔

"ارے۔ مامون صاحب! اپنی دفعہ تو آپ حاتم طائی۔ مختصر راہ بلکہ سب کچھ بن گئے اور ہماری باری آئی تو بھاگ کے گاڑی میں جا بیٹھے۔ آیئے نا چائے کی ایک پیالی ہی سہی۔ ممی اور ڈیڈی سے آپ جیسے اچھے انسان کی ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں ساغر عسکری۔ گڈ بوائے ایسی ملاقاتوں کے بڑے مواقع آئیں گے۔ وش یو گڈ لک بائے بائے۔" ایک نظر گوہر پر ڈال کر اس نے زن سے گاڑی نکالی۔ گوہر کے سامنے صرف غبار راہ ہی باقی رہ گیا۔
"چلیے باجی۔"

ساغر نے اسے پکارا تو وہ گیٹ کی طرف بڑھی پورچ میں شبیر کی سوزوکی کھڑی تھی۔ گوہر کا دل دھڑک گیا اس نے جھٹ ساغر کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب کھولے۔ لیکن کہہ نہ سکی۔ اس کے قدم ہلڑ کھڑا رہے تھے۔

☆☆

عاتکہ تحفوں کا بوجھ اٹھائے بھاگی بھاگی اندر گئی۔ ساغر نے لان کا رخ کیا۔ اس کے قدم بمشکل اٹھ رہے تھے۔ شبیر اس سے خفا ہو کر گیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ اسے تو اس بات کا خوف تھا کہ ابھی عاتکہ اور ساغر ساری بات کہہ سنائیں گے۔ اور بتائے بنا چارہ نہیں ہوگا کہ بازار میں مل جانے والا کون تھا؟ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو عاتکہ شبیر کی گود میں بیٹھی تھی اور آمنہ خاتون تحفے کھول کر دیکھ رہی تھیں۔

"او مائی گاڈ گوہر...... یہ مکان کتنے کا ہے......"

"چھوڑیئے چچا جی! اللہ نے اتنا کچھ دے رکھا ہے جتنے کا بھی ہو۔ اللہ خوش رکھے ہماری عاتکہ بیگم تو راضی ہو گئی تھا۔"

"اور یہ گڑیا بھی ساتھ میں لے لی۔ گوہر! میں تو نہیں سمجھ پا رہی کہ یہ سب کیا ہے۔"
"ممی...... گوہر باجی نے اپنے پیسے بھی لگا دیئے۔"
"گوہر! کیا میرے دیئے ہوئے پیسے؟"
"ہاں ممی! یہ تو بھرے بازار میں ہی رونے بسورنے لگی تھیں۔ میں کیا کرتی۔"
"جی ہاں۔ آپ کیا کرتیں۔ ساغر بھائی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کر واپس لے آتے' وہ تو اچھا ہوا کہ مامون بھائی مل گئے۔"

"مامون بھائی؟" آمنہ خاتون نے جھٹ پوچھا۔
گوہر نے شبیر کی طرف دیکھا۔ وہ ان سے ذرا دور قالین پر عاتکہ کا گھر رکھے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔

"ہاں مامی! یونیورسٹی کا ایک لڑکا ہے مامون۔ مجھے جانتا ہے' از راہ اخلاق رک گیا۔"

"وہ تو اپنی طرف سے پیسے دے رہے تھے۔ باجی نے منع کر دیا۔"
"ارے واہ! عاتکہ بی بی واہ! کیا خوب صورت رہائش گاہ ہے۔ چاچی! اس میں تو روشنی کا بھی نظام ہے۔ ارے کھڑکیوں پر پردے بھی لہرا رہے ہیں۔ لو بھئی' بیرونی دروازے پر بیل بھی ہے۔ چلو عاتکی ڈیئر تم اندر چلو جا بیٹھو میں بیل کروں گا۔ تم دروازہ کھولنا' مجھے ریسیو کرنا اور واپسی میں اپنی سرخ ٹیوٹا میں مجھے چھوڑ آنا ہوسٹل۔" شبیر معصوم بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔

"شبیر! بالکل بچے ہو تم..... ابھی گوہر کے ساتھ جاؤ اور اسے واپس کر آؤ۔" آمنہ خاتون سنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"مامی؟" گوہر منمنائی۔ کتنی عجیب بات کہہ رہی تھیں وہ۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں چاچی۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ غلطی کی میں نے جو اسے ساتھ بھیج دیا۔ بھلا سوچو تو مسز افضال علی کے ہاں تو ہر ماہ ایک تقریب ہوتی ہے۔ کیا ہم ہر ماہ ایسا تحفہ انہیں دیتے رہیں گے۔ تحفے کے لیے بھی کوئی حد ہوتی ہے سو دو سو چار سو پانچ سو۔ یہ کیا کہ......"

"تو اس میں مسئلے کی کون سی بات ہے عاتکہ بی یہ گڑیا پریزنٹ کر دیں اور گھر اپنے پاس رکھ لیں۔" شبیر نے ذرا ایک نیک مشورہ دیا۔
عاتکہ پھر منہ بسورنے لگی۔

"بی سیریس بی ایزی عاتکہ! شبیر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کو یہ گھر پسند ہے تو آپ کے کمرے میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ آپ اپنی فرینڈ کو یہ گڑیا دے دیں بہت پیاری ہے۔ دیکھ لیجیے گا ایسا تحفہ اور کسی کی طرف سے نہیں آیا ہوگا۔" گوہر نے عاتکہ کا بازو تھاما۔

"ہاں ڈیئر۔ یہ گھر مجھے پسند آیا ہے۔ جب یونیورسٹی الیکشن جیت کر میں ممبر ہو جاؤں گا تو ایک پارٹی دوں گا تم سب لوگوں کو...... تم یہ تحفہ مجھے پریزنٹ کر دینا۔ کیونکہ مجھے یہ گھر بہت پسند آیا ہے۔ میں اسے ماڈل کے طور پر رکھ چھوڑوں گا اور کسی دن ایسا ایک گھر بنواؤں گا۔ جہاں میں اور میرے بچے چین سے رہیں گے۔"
شبیر نے شریر نگاہوں سے گوہر کی طرف دیکھا۔ اس کے خطا ہوتے اوسان بحال ہونے لگے۔ تو اس قابو میں آ گئے۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں عاتکہ۔ ایسا قیمتی اور پیارا تحفہ تم اپنے شبیر بھائی کو ہی دینا۔" آمنہ خاتون نے بھی حمایت کی۔
"او۔ کے ممی۔" عاتکہ راضی ہو گئی۔
"چلو آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں تیار کر دوں اور گوہر پلیز تم یہ گڑیا گفٹ پیپر میں پیک کر دو۔ پیپر اور ڈوری الماری میں ہوں گے۔ قینچی اور گم وغیرہ بھی۔"
"ٹھیک ہے مامی! آپ اسے تیار کرا دیں۔"
وہ ان کے پیچھے پیچھے چلی۔ سامان لے کر واپس آئی تو شبیر وہیں بیٹھا تھا۔ مسکراتا ہوا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔
"اے بے نیاز سنگ دل لڑکی!" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ گوہر نے اس کی طرف دیکھا۔
"تم نے ماہ دولت سے یہ نہیں پوچھا کہ آج کے دن ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ ہم کتنے خوش ہیں۔ اتنے خوش اتنے

خوش کر عام معافی کا اعلان کر چکے ہیں۔ اور اس طرح تمہاری جان بخشی ہوگئی ہے۔ ہم اس وقت بھول چکے ہیں کہ صبح تم نے ہمارے ساتھ گستاخی کی ہے، ہماری توہین کی ہے۔ ہماری خوشیوں میں شرکت سے انکار کیا ہے۔"

گوہر جو اپنے تئیں خود کو اس سے بھی بڑا مجرم سمجھ رہی تھی۔ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"گوہر! کاغذات نامزدگی داخل ہوگئے ہیں۔ گوہر! جونہی یونیورسٹی میں یہ خبر پھیلی۔ لڑکے لڑکیاں دوڑتے چلے آئے۔ آفس کے باہر ہجوم تھا۔ بے کراں ہجوم۔ کئی منچلوں نے وہیں نعرے بازی شروع کر دی۔ مجھے کندھوں پر اٹھا کر آفس تک لے گئے۔ میں تو اب بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اتنے لوگ مجھے جانتے ہوں گے کہ مجھے پسند کریں۔ نعیم احمد کے اصرار پر مجھے اس ہجوم کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کرنا پڑی۔ گوہر! لڑکے تو مجھے بولنے کا موقع بھی نہیں دے رہے تھے۔ بس چاروں طرف تالیوں کی گونج تھی جس میں میری آواز دب کر رہ جاتی تھی۔ میرے علاوہ صدر کی نشست کے لیے تین اور لڑکوں نے بھی کاغذات داخل کرائے ہیں ان کا تعلق طلبا کی مختلف جماعتوں سے ہے جو کالعدم ہیں۔ ان کے پاس اپنی اپنی جماعتوں کے پروگرام اور منشور ہیں۔ لمبے چوڑے دعوے ہیں۔ میرے پاس...... میرے پاس ایسا کوئی منشور نہیں۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں گوہر آٹھ دس دن جو ہمیں اپنی کنویسنگ کے لیے ملیں گے۔ ان دنوں میں طلباء و طالبات کو آخر کچھ تو بتانا ہوگا کہ مجھے صدر بن کر کیا کرنا ہوگا؟ ایسا کرو ایک زبردست قسم کا پروگرام یعنی منشور تیار کر دو گوہر۔ آخر تم میں لکھنے کے، معاشرے کی ڈیمانڈ کو سمجھنے کے جراثیم موجود ہیں۔ اور...... اور...... تم میرے بارے میں بھی جانتی ہو اور میرے ارادوں سے بھی آگاہ ہو۔ زندگی میں ایک کام مجھ سے نہیں ہو سکا اور نہ ہی کبھی ہو سکے گا۔ وہ یہی ہے یعنی لکھنے کا کام۔ میں کبھی سہولت سے ایک خط بھی نہیں لکھ سکا۔"

گوہر بھی مسکرانے لگی۔

"شمی اتم نے آج تقریر کرتے ہوئے کیا کہا؟" اسے اشتیاق تھا۔

"کیا کہتا۔ سوائے اس کے کہ۔ میں طلبا کو اٹھارہ بیس سالہ ایک مقررہ راستے سے ہٹا کر نئی ڈگر پر چلانا چاہتا ہوں، حقیقی اور عملی زندگی کی طرف لانا چاہتا ہوں، محبتیں پھیلانا چاہتا ہوں۔ بھائی چارے اور اخوت کو رواج دینا چاہتا ہوں، خیبر سے کراچی تک احساس، وحدت پیدا کرنا چاہتا ہوں اور طلبا یونینز کو سیاستدانوں کی تازہ کمک نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ یونین کی کارکردگی کو یونیورسٹی کے احاطے میں موجود طالب علموں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں، یونیورسٹی کو صرف تعلیمی ادارہ رکھنا چاہتا ہوں۔ نظم و ضبط کی مثال بنانا چاہتا ہوں کہ مہذب معاشرے کے لوگوں کو اس پر رشک آنے لگے اور یہ کہ اگر میری ذات اپنے اس ماحول کے چند مسائل حل کرانے میں کامیاب ہو جائے تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"ونڈرفل! ونڈرفل! سمجھو کہ منشور تیار ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟" شبیر نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں...... ہاں...... رات میں لکھ دوں گی سب کچھ لیکن شبیر جو کچھ میں لکھوں گی، وعدہ کرو کہ تم اس پر عمل کرو گے۔ اسے زندگی بھر نبھاؤ گے۔ اپنے الفاظ پر مجھے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ بے معنی ثابت نہیں ہوں گے۔"

"وعدہ جناب وعدہ، جنٹل مین پرامس! ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی راہ متعین کی جائے۔ منزل کا نشان دیا جائے۔ جدوجہد کے لیے کوئی کاز ہو...... محترمہ گوہر عاصم عسکری صاحبہ آپ جو کچھ فرمائیں گی، بندہ اپنی بھرپور کوشش اس پر لگا دے گا۔ لیکن خیال رہے وہ سب کچھ ملک و ملت کے مفاد میں ہو۔" گوہر ہنسنے لگی۔

"تم تو بس تیار بیٹھے تھے تقریر کرنے کو۔"

"تجربے کے طور پر تمہارے سامنے ہی تقریریں کیا کروں گا۔ تم از کم فی الوقت گندے انڈوں اور ٹماٹروں کا خطرہ تو نہیں رہے گا۔ کچھ جانبداری تو ہوگی نا۔"

"بہت خوب! تو جناب ابھی سے سیاستدان بننے کی سوچ رہے ہیں۔ خواب دیکھنے لگے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔" وہ ہنستے ہوئے انکار کر رہا تھا۔

"پھر......؟"

"میں تو یہ بس یونہی تذکرہ کر رہا تھا۔ اوہ یاد آیا مزے کی بات سنو۔ کچھ دوست ہیں تو کچھ دشمن بھی۔ مقابلے پر آنے والا جانتی ہو کون ہے؟"

"نہیں؟"

"ارے بھئی وہی دشمن جاں۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"کون؟ کون دشمن جاں؟"

"سکندر پور والوں کا نور چشم مامون واسطی۔"

گوہر کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"میں جانتا ہوں، یہ سراسر دشمنی کی بنا پر ہے۔ وہ کسی صورت ہم سے کم نہیں رہنا چاہتے نا۔ اس کے حامیوں نے بھی آفس کے باہر نعرہ بازی شروع کر دی۔ لگتا ہے اس نے اپنے بہی خواہوں کو بھی سب کچھ بتا رکھا ہے۔ ان کے انداز میں ذاتیات کا خاصا دخل تھا اور ایسے مقابلوں میں ذات درمیان میں آ جائے تو معاملہ خاصا نازک ہو جاتا ہے۔"

گوہر کی نگاہوں میں مامون واسطی کا سراپا آ گیا جو ابھی کچھ دیر قبل اسے اس گھر کے گیٹ پر چھوڑ گیا تھا۔ وہ تو ذکر کرتا ایسا ہوا کہ کھیل کے جنون میں ساغر آتے ہی لان میں رک گیا ورنہ۔ وہ تو ضرور ذکر کرتا ہر بات کا۔ اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"لیکن ایسی بھی کوئی بات نہیں گوری! یونیورسٹی میں اگر بحیثیت لیڈر اس کی دھاک ہے تو شبیر بھی کم پاپولر نہیں۔ اور ہوتا یہی ہے کہ خاموش اکثریت سچائی اور شرافت کا ساتھ دیتی ہے۔ میں خاصا پر امید ہوں۔ میرے ذہن جذبے رنگ لائیں گے، اپنی مساعی بروئے کار لانے کا موقع ضرور ملے گا۔ بس تم جلدی سے منشور لکھنے کی تیاری کرو۔ چاہو تو مجھ سے ڈسکس کر لو۔"

"نہیں شمی کسی ڈسکس کی ضرورت نہیں۔ میں لکھ دوں گی تم چیک کر لینا جو بات غیر مناسب لگے کاٹ دینا۔"

"تھینک یو اس تعاون پر۔"

"کوئی ضروری نہیں۔ میں بھی تو اس تعلیمی ادارے کا حصہ ہوں، اپنا فرض ادا کروں گی۔"

"ارے ہاں یاد آیا۔ بھئی اس الیکشن کے لیے زبردست لفاظی کی بھی ضرورت ہوتی ہے ہو سکے تو ایک گرما گرم نظم بھی تیار کر دینا جو میرے ارادوں کی خوب صورت لفظی تصویر ہو۔"

گوہر مسکرا دی۔

"رفاقت اپنا اثر دکھا رہی ہے آپ جناب بھی خوب صورت الفاظ بولنے لگے ہیں۔"

"آپ کی کرم نوازی ہے حضور؟" وہ اونچی آواز میں ہنس دیا۔

تحفہ چیک ہو گیا۔

"یہ گھر کیسا ہے گوری؟" شبیر نے اس گھر کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی ذہانت کا بھرپور عکاس۔ جس نے بھی اسے بنایا۔"

"حیرت ہے کیا بعض لوگ دوسروں کے خوابوں کی عملی صورت اجاگر کرنے میں بھی ماہر ہوتے ہیں؟ لگتا ہے بنانے والے نے میرے ذہن میں جھانک لیا ہے۔ میں نے تمہارے حوالے سے جو خواب دیکھے ہیں ان میں چھوٹا سا ہی مگر ایسا ہی ایک گھر اول اول ہے۔ کیا تمہیں پسند آیا؟"

"میں خوابوں کو دل لگی کے سوا کچھ نہیں سمجھتی۔ فرض کرو تم میرے لیے ایسا گھر نہ بنا سکے تو؟"

"تو یہ کہ تم رفاقت سے انکار کر دینا۔" شبیر نے مذاق میں بات اڑا دی۔

"نہیں شبیر عسکری! ایسا نہیں ہو سکتا۔ رفاقت کی تمنا ان تمام چیزوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ ہمیں تو بس ایک انسان عزیز ہوتا ہے۔ پھر اس کی زندگی میں جو کچھ بھی ہو ہم اسے اپنا مقدر سمجھتے ہیں۔"

"اتنا بھی پریکٹیکل نہ بناؤ مجھے گوری! جس میں حسین خواب نہ ہوں، منزلیں نہ ہوں۔ آرزوئیں نہ ہوں، زندگی وہ بھی نہیں۔ اچھی امیدیں انسان کو اندر سے زندہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ اندر کی دنیا کو بھی تحریک کی ضرورت ہوتی ہے اور تحریک کے لیے زندہ ہونا ضروری ہے۔"

"یعنی آپ چاہتے ہیں میں بھی ایک ایسے گھر کا خواب دیکھنے لگوں آپ کے ساتھ مل کر۔"

"آف کورس؟" شبیر نے مزے سے اقرار کیا۔

"ٹھیک ہے جناب! جب تک ایسا ایک گھر آپ کا نہیں ہوگا۔ میں آپ کی دنیا میں آنے سے انکاری ہوں اور آپ جانتے ہی ہیں میں اپنے ارادے کی کتنی پکی ہوں۔"

"ہشت۔ انتہا پسند لڑکی۔ ارے یاد آیا۔ یہ تمہارا اسٹار کیا ہے۔ تاریخ پیدائش کے حساب سے؟"

"میں ستاروں پر یقین نہیں رکھتی۔"

"کیا مطلب؟ گویا ستارے تم پر یقین رکھتے ہیں۔ آئی مین..... تم۔ وقت کی گردش اپنے حق میں کر سکتی ہو۔"

"جی نہیں، اتنی بھی اہم ہستی نہیں ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

"بھئی، میں نے تم سے تمہاری ڈیٹ آف برتھ پوچھی ہے۔"

"کیا کرو گے مجھے زندگی کا ایک سال کم ہو جانے پر تحفے لینے کا کوئی شوق نہیں۔"

"تحفہ نہیں دوں گا کسی نجومی سے زائچہ تیار کراؤں گا اپنا اور تمہارا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کیسے ثابت ہوا کرے گے۔"

"شی! تمہیں ان باتوں کی پرواہ ہے؟ آئی مین فٹ پاتھ پر بیٹھے ان نکمے لوگوں کی باتوں کی، ہاتھوں کی لکیروں کی۔"

"فٹ پاتھ۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا اب تو اپنی قسمت کا حال پوچھنے کے لیے آپ کو کئی دن پہلے وقت لینا پڑتا ہے پانچ سو ہزار فیس دینا پڑتی ہے۔"

"ترس آتا ہے مجھے ایسے لوگوں پر جو قسمت کے حال پر یقین رکھتے ہیں۔"

"بہرحال میں پھوپھو سے پوچھ لوں گا، نہ بتاؤ تم۔ لیکن عرض ہے کہ میں برج کے اعتبار سے اسد ہوں۔ leo۔"

"تم اسد ہو یعنی لیو۔؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا، حیرت کے ساتھ۔

"کیوں، کوئی شک ہے؟"

"نہیں، بات یہ ہے کہ میری تاریخ پیدائش ۱۲ اگست ہے۔"

"ارے۔ ۱۲ اگست۔"

"کیوں؟"

وہ ہنسنے لگا۔ "بھئی حیرت انگیز بات ہے۔ یعنی تاریخ پیدائش ایک ہی۔ لہٰذا برج بھی ایک۔"

"کیا تم..... تم بھی ۱۲ اگست کو پیدا ہوئے تھے؟"

"ہاں میں بھی۔ گوری ہم اپنی شادی کی تاریخ بھی یہی رکھیں گے۔ اسے ایک یادگار ترین دن بنا دیں گے۔ ویسے اب تو کسی ماہر علم نجوم سے رجوع بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اسد سے اسد کی رفاقت۔ یعنی شیر کا شیر سے مقابلہ۔ ہا..... ہا..... ہا....." وہ پہلی بار اس کے سامنے اس طرح ہنس رہا تھا۔

"خدا خیر کرے جنگل کا بادشاہ جنگل میں اپنے سوا کسی کی حکومت پسند نہیں کرتا اور خیر پھر کسی وقت تمہیں بتاؤں گی۔ اس مسئلے کے بارے میں فی الحال تم اس تقریر اور منشور کا سوچو۔" وہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پیارے عدی! سدا خوش رہو۔

سوچتا تھا۔ زندگی میں کبھی بھی کسی کو ایک صفحے کا خط بھی نہ لکھ سکوں گا۔ لیکن تمہارے دور جانے پر پتا چلا کہ جدائی کے لمحے محبتوں کو اتنا بے تاب کر دیتے ہیں کہ وہ سب بھی ہو جاتا ہے جو تصور میں ممکن نہیں ہوتا۔ سدرہ آپا کی طبیعت کے بارے میں سن کر اطمینان بھی ہوا اور پریشانی بھی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے..... کہ وہ پورے چھ ماہ بستر علالت پر بیمار رہیں گی۔ بولنے اور ہلنے سے قاصر۔ لیکن صد شکر کہ ان کی جان بچ گئی۔ ممی کیسی ہیں..... عذرا، سدرہ آپا کے پاس رہتی ہے یا گھر میں۔ ڈیڈی نے فون پر بات کی پانچ منٹ میں کیا کیا کہا سنا جاتا لائن کٹی تو دل بڑا ہو گیا۔ جی چاہا اڑ کر تم لوگوں تک پہنچ جاؤں۔ لیکن ایسا ناممکن تھا۔ گو میں آج کل بے حد مصروف ہوں لیکن دیکھو نہ تمہیں ایک طویل خط لکھنے کے لیے وقت نکال لیا ہے میں نے۔ ڈیڈی کو جب میں نے بتایا کہ میں الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہوں تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ مجھے حوصلہ بخشا۔ عدی! ڈیڈی کی ایسی حوصلہ افزائیاں ہر موڑ پر میرے کام آئی ہیں۔ وہ میرا آئیڈیل ہیں۔ میں ان کے کردار کی ساری خوبیاں اپنے وجود میں بھرنے کی سعی تا عمر کروں گا۔

تمہیں یاد ہوگا عدی! سکندر پورواہ معاملہ۔ جس میں لڑکیوں کے اغوا کا جرم عاید کیا گیا تھا مجھ پر اور اس حوالے سے امین واسطی بھی یاد ہوں گے۔ ان کا لڑکا مامون واسطی میرے مقابلے میں الیکشن لڑ رہا ہے۔ خاندانی دشمنی یونیورسٹی کے احاطے میں بھی آ گئی ہے۔ آج کل انتخابی مہم اپنے زوروں پر ہے۔ وی۔ سی صاحب نے میری درخواست پر اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اس مہم کو یونیورسٹی کی حدود تک محدود کر دیا ہے۔ پھر بھی یہ دنیا بھی کوئی چھوٹی سی جگہ نہیں۔ کوئی گوشہ کونا ایسا نہیں جہاں بینرز نہ ہوں۔ ہر بندہ ہر لڑکی اپنی اپنی جگہ مستعد ہے۔ اپنے اپنے پسندیدہ امیدوار کے لیے۔ تم ساتھ ہوتے تو یہ لطف کچھ اور ہوتا۔ فہیم احمد میری مہم کا انچارج ہے۔ امجد، ممتاز، فیاض، شوکت اور جاوید بھی بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔ مجھے تو بس یہی خبر ہوتی ہے کہ فلاں وقت مجھے ایک اجتماع سے خطاب کرنا ہے۔ عدی! لڑکے میری باتیں بڑے غور سے سنتے ہیں۔ شاید بیان الفاظ

کا اثر ہے جو (وہ گوہر کا ذکر گول کر گیا) خیر چھوڑو۔ شاید یہ میرے اخلاص کا اثر ہے۔ میں نے اپنے لیے جو جدوجہد مختص رکھی ہے۔ اس کا خاکہ حسب ذیل ہے۔ (منشور من و عن نقل کر رہا ہوں)

1۔ کسی بھی اجتماع میں ایک شخص بطور سربراہ ہو تو وہ اجتماع ایک بے ہنگم ہجوم کے سوا کچھ نہیں ہوتا میرا عہدہ صرف برائے عہدہ نہیں ہوگا بلکہ اعلا ترین ذمہ داری کا بوجھ ہوگا جسے اپنے ہم خیال لوگوں کے تعاون سے بطریق احسن اٹھا سکوں گا۔

2۔ طلبا کی معاشرتی و سماجی حیثیت سے متعلق بیس پچیس سال پرانی روایت توڑی جائے گی۔ وہ ملک میں بدامنی اور لاقانونیت کا مظاہرہ کرنے والا ہراول دستہ نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک منظم جماعت ہوں گے جو طلبا کے اچھے عزائم کی آئینہ دار ہوگی۔

3۔ یونین کے سارے عہدیدار اپنی قوت، طاقت، ذہانت اور مجموعہ کار کردگی یونیورسٹی کے ماحول کو بہتر بنانے میں صرف کریں گے اور وہ صرف اپنے حامیوں کے ہی نہیں بلکہ یونیورسٹی میں موجود تمام طلبا و طالبات کے نمائندہ ہوں گے۔

4۔ ہوسٹل دہشت گردی سکھانے کی اکیڈمی کے بجائے اخوت، بھائی چارے اور اتحاد کا سبق دینے والا ایک اعلا مدرسہ ہوں گے۔ جہاں ایثار و محبت، اعلا تعلیمی ماحول اور وقت کی پابندی سب کا مشترکہ مقصد ہوگا۔

5۔ اپنی مدد آپ کے زرین اصول کے تحت یونین اپنے فنڈز انتہائی مناسب طریقے سے خرچ کرے گی۔ پیسے کا استعمال بے معنی تقاریب، رنگا رنگ پروگراموں کے لیے نہیں بلکہ حقدار طلبا و طالبات کے لیے ہوگا۔

6۔ یونیورسٹی کی حدود میں اسلحہ اور منشیات پر مکمل پابندی ہوگی۔ مسائل کو باہمی گفت و شنید کے ذریعے حل کیا جائے گا۔ طاقت کے استعمال سے نہیں۔

7۔ مسئلہ خواہ طلبا کا ہو خواہ عوام الناس کا، مذہبی ہو یا معاشی اور سماجی، احتجاج کا طریق کار بدل دیا جائے گا۔ طلبا یونین کے عہدیداران مسائل کو اپنے اساتذہ کے ذریعے اعلا حکام تک پہنچائیں گے۔ تشدد کی راہ سے حتی الوسع گریز کیا جائے گا۔ بات بے بات جلوس، پرتشدد مظاہروں، توڑ پھوڑ، قتل و غارت، جلاؤ گھیراؤ وغیرہ وغیرہ ان سب پر پابندی ہوگی۔ انفرادی خلاف ورزی پر سربراہ ادارہ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مذکورہ طالب علم کو ایک خاص مدت کے لیے تعلیم کے لیے نااہل قرار دیتے ہوئے ادارے سے نکال دے۔

8۔ ہم سب اپنے طرز عمل سے اس خوف کو مٹانے کی کوشش کریں گے جس کے تحت شرفا اپنی بیٹیوں کو یونیورسٹی یا بعض دوسرے اداروں میں پڑھانے کا سوچ کر ہی گھبرا جاتے ہیں۔ ہم یونیورسٹی کو ایسا گھر بنائیں گے جہاں رہتے ہوئے لڑکیاں خود کو غیر محفوظ محسوس نہ کریں بلکہ انہیں اپنے بھائیوں کی طاقت اور غیرت پر فخر ہو اور وہ خود کو محفوظ و مامون خیال کریں۔

9۔ اساتذہ کے احترام کو صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک محدود نہیں رکھا جائے گا بلکہ طلبا میں اس عمل کو یقینی بنایا جائے گا۔ جس قوم میں عالموں کی عزت و احترام کا جذبہ باقی نہ رہے وہ اخلاقی طور پر بہت پس ماندہ ہو جاتی ہے۔ اساتذہ اور طلبا کے درمیان موجود ایک مضبوط ترین تعلق اور رشتے کو ان خطوط پر اجاگر کیا جائے گا جہاں ذمے داری، احترام، شفقت، محبت، عزت، محنت، لگن اور فرض شناسی ہر جذبہ اپنی اپنی جگہ واضح صورت میں موجود ہے۔

10۔ ملک دشمن عناصر کی زیر زمین تنظیموں کو یونیورسٹیوں کے احاطوں میں پہنچنے کا کوئی موقع فراہم نہ کیا جائے

ہ۔ جو ایک ہی ملک ایک ہی قوم کے تازہ دم اذہان کو ترقی کے راستے سے ہٹا کر ادائیگی حقوق اور وسائل کی تقسیم میں ناانصافی کے پیچیدہ مسائل میں الجھا کر دلوں میں نفرت، بیزاری اور دشمنی کے بیج بو دیتے ہیں۔ ان چہروں کو جو معصوم نوجوانوں کو دہشت گرد بنا دیتے ہیں بے نقاب کرنا ہم سب کی ذمے داری ہوگی۔ ان ذہنوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی ہم اپنا سفر صحیح راہوں پر جاری رکھ سکیں گے۔

یہ مذاق مت اڑانا یہ سب کچھ میرے دل کی آواز ہے مجھے اس پر عمل کرنا ہے۔ الیکشن بارہ تاریخ کو ہونا ہے۔ یعنی صرف آٹھ دن بعد۔ یہ دن بھی ایک کڑی آزمائش ہیں۔ ہیجان آمیز غیر یقینی سے لمحے آس و یاس میں مبتلا رکھنے والے۔ پیارے عدی! دعا کرنا میں اپنے سارے ارادوں میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں زنگ آلود ذہنوں کو تازگی بخش سکوں انہیں صاف ستھرا کر سکوں۔ معاشرے کے نوے فیصد لوگ سخت ترین خود غرضی کا شکار ہیں۔ یونیورسٹی میں موجود اذہان آخر اس معاشرے کا حصہ ہیں بلکہ نمائندہ ہیں۔ وہ تعلیم اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ ڈگری کی مدد سے کوئی اچھی نوکری تلاش کر سکیں۔ وہ کتابیں اس لیے پڑھتے ہیں کہ انہیں یاد رکھ کے امتحان میں اچھے نمبر حاصل کر سکیں۔ میں ان میں یہ لگن پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کتابوں میں لکھی اچھی باتیں عمل کے لیے بھی دل و دماغ میں محفوظ رکھیں۔ کچھ لینا ہی ان کا مقصد نہ ہو۔ کچھ دینے کے لیے بھی تیار رہیں۔ وہ اچھے انسان ہوں انہیں انسانیت کا احترام آتا ہو۔ وہ شہرت اور نیک نامی کے لیے نہیں انسانوں کی ہمدردی اور خدا کی خوشنودی کے لیے کچھ کر دکھائیں۔

مزے کی بات سنو عدی! ان آٹھ دس دنوں میں کئی سیاسی راہنماؤں کی طرف سے خیر سگالی کے جذبات سے پر پیغامات میرے نام آئے۔ کئی ایک سے فون پر بات ہوئی۔ ان میں سے سب کے سب مجھے اپنے دامن شفقت و محبت میں پناہ دینے کو تیار تھے۔ کئی ایک نے ملاقات کا شرف بھی بخشا، دست تعاون بڑھایا۔ طلبا کی فلاح و بہبود کے بہانے موٹی رقوم دینے کی آفر بھی کی۔ میں نے ہر ایک کی بات سنی، ہر ایک کی ہمدردانہ پیشکشوں پر غور کیا۔ شاید میں انتہا پسند ہوں، بے اعتبار ہوں، یا ضرورت سے زیادہ اسٹریٹ فارورڈ ہوں۔ کوئی مجھے اپنی قبیل کا نظر نہیں آیا۔ میں نے ان سب سے معذرت کر لی۔ یہ کہہ کر کہ میں طفل مکتب ہوں مجھے سیکھنے دیجیے، اپنے مقصد کو واضح کرنے دیجیے، اپنے مطمع نظر کو عام کرنے دیجیے، خود کو کچھ کرنے کے قابل پایا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

عدی! ماموں واسطی اپنی مہم پر بے دریغ پیسہ لٹا رہا ہے۔ آئے دن کسی ہوٹل میں کسی نہ کسی بہانے وہ لوگ جمع ہوتے ہیں، دعوتیں اڑائی جاتی ہیں۔ میرے پاس تو ایسے کاموں کے لیے کوئی رقم نہیں ہے۔ اور تو اور...... پاپا کو میرے اس اقدام کی خبر بھی نہیں ہے ...... اور دلنواز چچا میرے لیے اتنا کچھ کر چکے ہیں کہ ان سے ایک پائی مانگنے کو بھی ضمیر گوارا نہیں کرتا۔ تم حیران ہو گے سب کچھ میرے حمایتی ہی کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بینرز بھی ہم نے کسی آرٹس پینٹر سے نہیں تیار کرائے۔ لڑکیوں نے یہ ذمہ داری از خود اپنے ذمے لے لی ہے جانے کیسے یہ سب ہو گیا۔ بڑا لطف آتا ہے۔ جب ہم دور سے دیکھتے ہیں کہ سامنے کسی گراؤنڈ میں طلبا کا بہت بڑا اجتماع ہے۔ قریب جاتے ہیں تو خبر ہوتی ہے کہ کوئی شعلہ بیاں مقررہ اپنی دھواں دھار تقریر میں کسی شبیر شاہنواز گردیزی کے جھوٹے سچے اوصاف بیان کرنے میں لگی ہے۔ میں بھی کسی کونے میں کھڑا اس تقریر کو سننے میں لگا ہوتا ہوں اور عدی سچ پوچھو تو اندر ہی اندر لرز جاتا ہوں، کانپ جاتا ہوں، بے اختیار نم آنکھوں کے ساتھ دل محو دعا ہو جاتا ہے کہ خدا مجھے یہ سب کچھ کرنے کا حوصلہ دے دے۔

اگر کامیاب ہو گیا (یار لوگوں کو صد فی صد میری کامیابی کا یقین ہے) تو سب سے پہلے تمہیں مطلع کروں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا۔ ممی سے کہنا میرے لیے دعا مانگیں۔ عذرا کو بھی یہ سن کر خوشی ہوگی۔ اسے بھی کہنا وہ بھی دعا کرے کیونکہ بہنوں کی دعائیں بھی خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔ ڈیڈی نے بتایا تھا کوئی ڈاکٹر ہنری ہیں۔ بہت ہی اچھے سے بزرگ' سدرہ آپا کی تعریفوں نے انہیں میرا مشتاق بنا دیا ہے۔ یہ سدرہ آپا بھی بس بادشاہ ہیں۔ کر دی ہوں گی جائز ناجائز باتیں اور وہ بے چارے مجھ بیٹھے ہوں گے مجھے کوئی ہماسنگ قسم کی چیز انہیں میری طرف سے آداب پہنچا دینا۔ اور ان کی تصویر بھی مجھے ضرور بھیجنا' چاہنے والوں کے لیے بھی دل میں جگہ بن جاتی ہے نا۔ میں بھی انہیں مس کر رہا ہوں۔ افتخار بھائی کیسے ہیں' بہت سارے نیک جذبات ان تک بھی پہنچا دینا۔ تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔ ماورا کو میری طرف سے ڈھیروں پیار۔

شبیر عسکری

عدی ارد گرد بیٹھے سارے لوگوں کو یہ خط پڑھ کر سنا رہا تھا۔ ڈاکٹر ہنری بھی وہاں موجود تھے۔ وہ سب کو باری باری دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹر! یہ خط میرے بیٹے شبیر کا ہے۔" ممی نے بڑے فخر سے انہیں بتایا' جمال احمد اس کے خط سے اپنے ذہن میں بننے والے اس کے پروگرام کے خاکے کو ڈاکٹر ہنری کو بتانے لگے۔

یہ محفل اس فلیٹ کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں جمی تھی جو سدرہ کا تھا۔ خط بھی اسی ایڈریس پر موصول ہوا تھا۔ اور ملتے ہی عدی نے اسے کھول لیا تھا۔

"آج کیا تاریخ ہے عدی؟" ممی نے جلدی سے پوچھا۔

"اتفاق سے وہی تاریخ ممی! جو آپ کے لاڈلے کے لیے بہت اہم ہے۔ اب تک ہار جیت کا فیصلہ یقیناً ہو چکا ہوگا۔"

"ارے واقعی۔ جمال! آپ کے پاس یونیورسٹی کا نمبر تو ہوگا۔" ممی بے چین ہو گئیں۔

"میرے ہاتھ پیر پھول رہے ہیں۔ شمی کو ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا خدانخواستہ وہ ہار گیا تو......"

"تو کیا ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی شکستیں بڑی کامیابیوں کا زینہ ہوتی ہیں۔" جمال احمد نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ آپ کا خیال ہوگا۔ ماں تو صرف اپنے بچے کے بارے میں سوچتی ہے۔ شمی نے خوشیاں بہت کم دیکھی ہیں۔ وہ ہار گیا تو اس دکھ کو اپنے دل پر لے بیٹھے گا۔"

"وہ اتنا بے حوصلہ اور کم ہمت نہیں ہے جتنا آپ سمجھتی ہیں مسز جمال احمد۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھے۔

"ہار جیت ہی تو زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے ہر ماحول میں۔ ہر پہلو۔ ہر۔"

"اطلاعاً عرض ہے کہ ہار جیت سے کہیں زیادہ متحرک شے کا نام ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہوگا۔ مگر مجھے خبر ہے۔ اسے زندگی میں کسی شے سے نفرت ہے تو شکست سے۔ وہ ہار گیا تو ٹوٹ جائے گا۔"

"شکست سے نفرت اچھی بات ہے۔ شکست سے نفرت بھی آدمی میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ وہ جیت کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ لیکن اسے ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ابھی سے تو شبیر نے کوئی بات دل پر لے لی تو زندگی کے مسائل سے کس طرح نمٹ سکے گا۔ کامرانیاں اور ناکامیاں تو ہر قدم پر اس کے ساتھ ساتھ ہوں گی۔ وہ اب کے ہار بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

"ا دل والا۔ کیسے بہی خواہ ہیں آپ۔ کیسی عجیب امیدیں ہیں آپ کی۔ میں نے آج تک ایسی بات کسی اور سے نہیں سنی۔"

"چلو آج سن لی۔ عدی! تم ایسا کرو۔ جا کر یونیورسٹی کے نمبر پر ٹرائی کرو۔ شاید وہ مل جائے۔"

"ا ضرورت نہیں ہے بات کرنے کی۔ وہ میرا بیٹا ہے میں ہی اس سے بات کروں گی۔ ماں کی دعاؤں کے وہ جیت گیا ہو تو آپ کو تو دکھ ہی ہوگا نا۔"

ال احمد ہنس دیے۔

"رت ہونا' محدود عقل ہے' بات سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ وہ مجھے بہ نسبت تمہارے زیادہ عزیز ہے۔ اس کی جیت رت تم سے زیادہ مجھے ہے۔ پریشانی کے ان لمحات میں بھی میں ایک پل اسے نہیں بھولا اور اب بھی تم سے بے چین ہوں۔"

ی وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ شاید ٹیلی فون کرنے گیا تھا۔ جمال احمد ڈاکٹر ہنری کو شبیر کے بارے میں بتانے

"سی بھی قوم کو اس کے سرکردہ افراد کی روشن سوچ ہی ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ پاکستان سے میرا تعلق ہے۔ کچھ عزیز چیزیں اس سرزمین پر میری بھی ہیں۔"

"کیسے ڈاکٹر ہنری؟" جمال احمد چونکے۔

"ن نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ بس ویسے ہی۔ بھئی دیکھیے نا یہ لڑکا شبیر آپ کے حوالے سے مجھے عزیز ہو چلا ہے۔ تو ن جدوجہد مجھ جیسے امن دوست انسان کے لیے باعث فخر ہے۔ دنیا کے سارے انسان آدم کی اولاد ہونے سے ایک دوسرے کے سب کچھ ہی تو ہیں۔" وہ بات کا رخ بدل گئے۔

ون کی گھنٹی بجی۔ جمال احمد فون کی طرف لپکے۔

"ہیلو! جمال احمد بول رہا ہوں۔" شبیر کے فون کی آس میں وہ زور سے بولے۔

"یڈی! آپ لوگ جلد آ جائیے۔ آپا کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" عذرا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ ٹھیک تھی۔"

"بس اچانک ہی بگڑ گئی طبیعت۔ ڈاکٹرز کے لیے بھی حیران کن بات ہے۔ ڈاکٹر ہنری کہاں ہیں۔ ہو سکے تو انہیں مطلع کر دیجیے۔ افتخار بھائی ڈاکٹرز آفس میں ہیں' جانے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کل کی رپورٹ جو سی ٹی سکین کی آج ظاہر بھی ہو گیا۔"

"اچھا اچھا ہم ابھی آ رہے ہیں۔ ڈونٹ وری۔"

جمال احمد ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ممی منتظر بیٹھی تھیں۔ شاید شبیر کی کوئی خبر ہو۔

"فون پاکستان سے نہیں تھا عذرا کا تھا۔ ہم لوگوں کو ابھی ہاسپٹل جانا ہے۔"

"کیوں؟ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو آپ آئے ہیں؟"

جمال احمد ڈاکٹر ہنری کو صورت حال بتانے لگے۔

"مسز جمال آپ یہیں رہیے۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔ عدی پہنچ گیا تو اسے بھیج دیں گے۔" ڈاکٹر ہنری بھی پریشان ہو گئے اور جمال احمد کے ساتھ باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپنا ووٹ کاسٹ کرتے ہی وہ شبیر کے کہنے پر گھر لوٹ آئی تھی۔ لیکن حد درجہ بے چین تھی۔ پچھلے پندرہ دن اس کی نظروں میں اک تواتر سے گردش کر رہے تھے۔ شبیر نے اسے انتخابی مہم میں کوئی لیڈنگ رول ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کی شراکت اچھی تقریر لکھ دینے کی حد تک تھی۔ ایک دن اس نے تقریر لکھ کر سامنے رکھی شبیر چہک کر بولا۔

"چچی اماں ادھر توجہ دیجیے۔" وہ پاس ہی بیٹھی تھیں۔

"غالب کو تو جانتی ہیں نا آپ چچی اماں۔"

"ہاں بیٹے! دیوان غالب کی حد تک تو جانتی ہوں۔"

"کیا خوب کہا ہے حضرت اسد اللہ غالب نے

دیکھنا تحریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ یہ دل کی میرے آواز ہے

"ٹھہریے جناب! یہ کس دیوان کا شعر ہے۔ غالب کے اشعار میں اتنے تحلیے کی اجازت نہیں ہے آپ کو۔" گوہر تو گویا غالب کے شعری ورثے کی سب سے بڑی نگہبان تھی۔

"بھئی کیا حرج ہے میں نے ان کے معرکتہ الآرا شعر کو اپنے حسب حال ہی تو بنایا ہے۔ چچی اماں۔ اسے کہتے ہیں انڈر اسٹینڈنگ۔"

"کیا؟" چچی اماں نے عینک ناک پر جمائی۔

"ذہنی ہم آہنگی۔"

"وہ کیا ہوتی ہے؟ لڑکے! میری قابلیت اس حد تک نہیں ہے۔ میں نے تو چند اردو زبان کی مذہبی اور ادبی کتابیں ہی پڑھ رکھی ہیں اس گٹ پٹ کی مجھے کیا خبر۔"

"آپ کا کیا قصور، یہ سارے عظیم اور نامور شاعر زلف و رخسار میں ہی الجھے رہے عقل و دانش کی طرف آئے ہوتے تو آپ کو بھی خبر ہوتی ذہنی ہم آہنگی کی۔ بھئی چچی۔ بڑی بوڑھیاں کہا کرتی ہیں۔ شادی بیاہ کے کچھ عرصہ بعد۔"

"کیا! کیا کہتی ہیں لڑکے؟"

"یہی کہ اوئی بہن! اللہ کا شکر ہے میاں بیوی میں بن آئی ہے۔ یہ بن آنا میرا خیال ہے اسی ذہنی ہم آہنگی کو کہتے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا! کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے یہ لڑکا۔ میاں شادی سے پہلے ایسی باتوں کی اجازت نہیں۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔"

"اوہ میری سویٹ چچی اماں! آپ کو کیا خبر۔ کس چیز کی ضرورت پہلے ہوتی ہے اور کس کی بعد میں۔ آپ کے زمانے کے رسم و رواج ہی کچھ اور تھے۔ سنا ہے آپ کی منگنی بیس سال پہلے اور نکاح چھ سال پہلے ہوا تھا چھوٹے دادا ابا سے۔"

چچی اماں شرما گئیں۔ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح۔

"توبہ ہے لڑکے! کیا کیا نکتے نکال لیتے ہو۔"

"اور سنا ہے کہ منگنی آپ کے پیدا ہوتے ہی ہو گئی تھی اور آپ کا دادا ابا سے جو کہ اس وقت چار سال کے تھے۔

"۔۔۔ مراد پا گیا تھا۔"

گوہر بے اختیار ہنسنے لگی۔

"کیا کہاں! ان کا پردہ۔ پیدا ہوتے ہی۔"

"جی ہاں۔ عین رسم و رواج کے مطابق۔ میں نے تو یہاں تک بھی سنا ہے کہ چچی اماں کو ہر وقت برقعے میں رکھا جاتا تھا۔ ڈر تھا کہ دادا ابا جو شریر سے بچے تھے پوری حویلی میں دوڑا بھاگا کرتے تھے کیا خبر کس وقت ان کے کمرے کی طرف آ نکلیں اور بے پردگی ہو جائے۔"

"شبیر! خدا کے لیے بات کو اتنا تو نہ بڑھاؤ۔" آمنہ خاتون بھی ہنسنے لگیں۔

"ارے چاچی جانی! مبالغے کی مجھے کیا پڑی۔ مجھے خاندان کے بزرگوں کی زبانی علم ہوا منگنی کے بعد تو چلو پردہ بنتا بھی تھا۔ نکاح کے بعد تو حد سے گزر گیا۔ ایسی پابندی کہ گویا دیکھ لیے جانے پر نکاح ہی ٹوٹ جائے گا۔"

"۔۔۔ فوت؟" چچی اماں گھبرائیں۔

"فکر نہ کریں۔ اب تو بے چارے ڈپٹی صاحب منوں مٹی تلے جا سوئے اب نکاح کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جنت میں ایک آراستہ پیراستہ محل میں وہ آپ جیسی وفادار بیگم کے منتظر ہوں گے۔ ہاں گوہر میں بتا رہا تھا۔ تمہیں رسم و رواج کے متعلق کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ جس سے نکاح ہے جو محرم ہے دمساز ہے ہم راز ہے اس سے تو ہو گیا پردہ اور باقی سارے جہان سے۔ کاہے کا پردہ کہاں کا پردہ۔" اس نے عورتوں کی نقل کی۔

"بچے! وہ زمانہ شرافت کا زمانہ بھی تو تھا۔" چچی اماں کی بات پر آمنہ خاتون چڑ سی گئیں۔

"رہنے بھی دیں چچی اماں۔ ان پردوں کی اصلیت کچھ نہ کچھ ہمیں بھی معلوم ہے۔ اللہ بخشے خود چچا ابا اپنے عشق کی داستانیں ہمیں سنایا کرتے تھے گھر والوں کو دھوکے میں رکھ کر آپ سے ملاقاتوں کے قصے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔"

چچی اماں کسی نوخیز حسینہ کی طرح شرما کر رہ گئیں۔

"اچھا! پردے میں رہ کر بھی سب کچھ ہوتا تھا۔" شبیر نے بات کو ہوا دی گویا اسے کچھ بھی معلوم نہ ہو۔

"اور نہیں تو کیا۔ وہ خود بتاتے تھے کہ چچی اماں خیر سے......"

"بھئی چاچی جانی! اس وقت تو یہ چچی اماں نہیں ہوں گی لے دے کے سارے فسانے کا ناس مار دیا آپ نے۔" شبیر نے پھر نکتہ نکالا اور آمنہ خاتون کی بات کاٹ دی۔ آمنہ خاتون کو بھی اس ذکر میں لطف آنے لگا تھا۔

"تم سنو تو سہی! جب چچا ابا چھٹی پر گھر آتے۔ تو چچی کو چین نہ ملتا علی الصبح گھر والوں کے جاگنے سے قبل ان کے لیے بہترین ناشتہ اپنے ہاتھوں تیار کر کے ان کے کمرے میں لے جاتیں۔ اب صبح چچا ابا کھانے کے کمرے میں نہیں ہیں۔ سب دوڑے ہیں ان کے کمرے کی طرف کہ برخوردار! بھائی صاحب! ناشتا کر لیجیے۔ اجی حضرت کی طبیعت ناشتے پر مائل نہیں ہے دادا جان فکر مند دادی جان الگ پریشان۔ حکیم صاحب بلائے جاتے ہیں۔ بھوک اڑنے کی شکایت کی جاتی ہے۔ کئی خمیرے معجونیں جھٹ پٹ تیار بھوک کھلنے کے شربت حاضر اور اصل معاملے کی کسی کو خبر نہیں۔"

"کہ ایک نو رشمائل نے سوتے سے چوری چوری اک ماہ تجھے کو اپنے ہاتھوں کی شیرینی کا اسیر کر لیا ہے۔" شبیر نے مکھڑا لگایا سب ہنس پڑے۔

"ویسے چاچی جانی! لگتا ہے دلنواز چچا سے آپ کا افیئر بھی خاندانی کی بنیاد پر چلا ہوگا۔ وہ آپ کی ذات سے

زیادہ آپ کے بہتر خانہ داری کے معترف ہیں آج تک۔" شبیر نے انہیں اپنے مزاح کے شکنجے میں جکڑنا چاہا۔
"شبیر!" آمنہ خاتون نے احتجاج کیا۔
"اچھا! آپ ہماری اتنی پیاری دادی جان کے سربستہ راز کھول رہی ہیں تو کیا ہم آپ کی ذات کو زیرِ بحث نہیں لا سکتے۔" وہ جھٹ بولا۔
"تم اپنی اس تقریر کی ریہرسل کرو صاحبزادے جو تمہیں آج عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے کرنا ہے۔" آمنہ خاتون نے بات کا موضوع بدل دیا۔
"آج کل کے لڑکے حرفوں کے بنے ہیں۔ ایک بات پوچھ لو ادھیڑ کے رکھ دیتے ہیں سارے بخیے۔ پچھلی سات پشتوں کی تاریخ دہرا دیتے ہیں۔"
"بچی اماں! آپ انڈراسٹینڈنگ کے معنی سمجھ جاتیں تو یہ سارا فساد کھڑا نہ ہوتا۔ یہ سارا کچھ آپ کو سمجھانے کے چکر میں ہی پیش آ گیا۔"
"اب سمجھ گئی ہوں بیٹے! اور دعا کر رہی ہوں کہ خدا اسے قائم رکھے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

گوہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی بے چینی سے شبیر کا انتظار کر رہی تھی۔ کئی بار اس نے یونیورسٹی کے نمبر پر رنگ کیا لیکن ہر بار نمبر انگیج ہی ملا۔ گاڑی رکنے پر اس نے سر اٹھایا۔ دلنواز آفس سے لوٹے تھے۔ ڈرائیور ان کا بریف کیس تھامے اندر آ رہا تھا۔ وہ لان میں بچوں کے پاس رک گئے تھے۔ واپس آ کر ڈرائیور نے گاڑی گیراج میں کھڑی کر دی' دلنواز برآمدے کی طرف آ گئے۔
"ہیلو گوہر بیٹا!"
"السلام علیکم ماموں!"
"یہ آج بے وقت یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"
"بس ویسے ہی۔"
"ہاں وہ شبیر کہاں ہے بھئی آج الیکشن تھے کیا ہوا اس کا' دفتری الجھنوں میں گھر کر میں تو فون بھی نہ کر سکا۔"
"ابھی تک تو نہیں واپس آئے۔"
"تم...... تم کیوں واپس آ گئیں؟ اس کے ساتھ ہی آ جاتیں۔"
"نہیں ماموں! وہاں بہت رش تھا' بڑی ہلڑ بازی تھی۔ آپ جانتے ہیں نا رزلٹ کے وقت کیا ہوتا ہے۔"
"ہاں! وہ تو ٹھیک ہے۔ ویسے ووٹ تو تم نے بھی ڈالا ہوگا۔ آثار کیسے لگ رہے تھے۔"
"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ماموں واسطی کے حامی بھی خاصے پرجوش اور متحرک لگ رہے تھے۔ آخری وقت تک ان کی طرف سے لڑکوں پر خاصا دباؤ رہا۔"
"یہ تو الیکشن کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔"
"خلاف ورزیاں کہاں نہیں ہو رہیں؟"
دلنواز سر ہلا کر رہ گئے۔
"چلو اندر آؤ فون کر کے پتا کرتے ہیں۔"
وہ اٹھ گئی۔ ان کے ساتھ اندر آ گئی۔

فون کی گھنٹی بجتی رہی کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔ تھک ہار کے اس نے ہوسٹل کا نمبر ملایا۔ کسی لڑکے کی آواز آئی تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔
"سنیے یہاں مسٹر شبیر عسکری ہوں گے۔ کمرہ نمبر ۲۱ میں ہوتے ہیں۔"
"شبیر شاہنواز عسکری! آپ کون ہیں؟"
"میں' میں ان کی کزن بول رہی ہوں گوہر عسکری۔"
"اوہ مس گوہر! آپ کو خبر نہیں۔ کسی نے آپ کو نہیں بتایا؟"
"کیا؟" گوہر کا دل دھڑک دھڑک گیا۔
"یونیورسٹی میں گولی چل گئی۔ الیکشن کا نتیجہ روک دیا گیا ہے۔"
"اوہ نہیں......؟"
"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"
"شبیر کہاں ہیں۔ رات ہو گئی اب تک گھر نہیں آئے۔" گوہر نے خوف زدہ ہو کر پوچھا۔
"وہ ہاسپٹل میں ہیں۔"
"ہاسپٹل؟ کیا ہوا انہیں؟" گوہر کی چیخ نکل گئی۔
"ڈونٹ وری مس گوہر! شبیر عسکری تو خیریت سے ہیں اور کچھ لڑکے زخمی ہو گئے ہیں۔"
"کس نے فائرنگ کی؟ کون ہیں ایسے بے درد لوگ......"
"معلوم نہیں...... کون ہیں' پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے' لڑکے لڑکیاں جو وہاں موجود تھے انہیں نہیں جانے دیا جا رہا۔ پولیس اور یونیورسٹی حکام کا خیال ہے' مجرم جو بھی ہیں احاطے میں ہی کہیں موجود ہوں گے۔"
"تھینک یو' مگر آپ نے ہاسپٹل کا نام نہیں بتایا۔"
"گلاب رام ہاسپٹل۔"
گوہر نے فون رکھ دیا' مرے مرے قدموں سے چلتی وہ دلنواز کی طرف آئی' اور ساری صورت حال انہیں بتا دی۔ وہ اسی وقت ہاسپٹل کی طرف چل دیے۔
گوہر پھر برآمدے کی سیڑھیوں پر جا بیٹھی' ماموں واسطی کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا' اس دن گھر کے گیٹ پر انہیں ڈراپ کرنے کے بعد وہ اسے صرف ایک بار ملا تھا' اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔ جو اس کے لیے ہی پارٹمنٹ کے لڑکے لڑکیوں سے ووٹ مانگنے چلے تھے اور جگہ جگہ ان کو گھیر کر ماموں واسطی کے اوصاف حمیدہ بیان کر رہے تھے۔ وہ اپنی کلاس کی چند لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھی' موضوع بحث یونیورسٹی الیکشن ہی تھے کہ ماموں واسطی اور اس کے دوست ان کے قریب آ گئے۔
"ہیلو ایوری باڈی۔" وہ لڑکا جانے کون تھا۔
"ہیلو......!" سب ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"ان سے تو آپ واقف ہوں گی' ان کا تعارف کیا کرانا؟"
"اس گروپ کی خاص الخاص ہستی ہمیں جانتی ہیں بلکہ بہت اچھی طرح جانتی ہیں' فکر کی بات نہیں ہے' شجاعت بھائی۔" ماموں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے چہرے اور لہجے دونوں میں اعتماد تھا۔
"کیسی ہیں آپ گوہر......؟ الیکشن کے دھندوں میں گم ہو کر آدمی اپنی ذات کو بھول ہی بیٹھتا ہے' انشاء اللہ آپ

سے جلد ملاقات ہوگی۔" اس نے بہت کچھ یاد دلانا چاہا۔

"ظاہر ہے ہم لوگ کلاس فیلو نہ سہی، یونیورسٹی فیلو تو ہیں نا مامون واسطی صاحب۔" اس کی کلاس فیلو بیلا کاشمیری نے وضاحت کی۔

"یہ بات آپ اپنی ان کلاس فیلو کو سمجھائیے...... جو منہ لگانے میں قباحت محسوس کرتی ہیں۔"

"مسٹر مامون واسطی! الیکشن کے بعد تو آپ سے ملنا ہم سب کی مجبوری بن جائے گی۔ صدارت اتنا بھی غیر اہم نہیں ہوتا۔" بیلا نے اسے شہ دی۔

"آپ کے منہ میں گھی شکر...... صدارت تو ایسے حق دار بندے کی منتظر ہے۔ بس چند دنوں کی بات ہے۔ اسی فیصد طلباء مامون کے حق میں ہیں۔" شجاعت الوری نے ڈینگ ماری۔

"شجاعت الوری! کسی نتیجے کے بارے میں انسان کو اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیے، ہار اور جیت لازم و ملزوم ہیں۔" وردہ اعظم بڑی کھری لڑکی تھی۔

"مامون واسطی نے زندگی میں ہار کا منہ کبھی دیکھا ہی نہیں اور اب بھی نہیں ہارے گا۔" مامون کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہاں گوہر! میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نے اپنے ارادوں کو کبھی حسرتوں میں نہیں بدلنے دیا۔ ارادے کی چٹان کو قائم رکھنا اور سر توڑ کوشش کرنا ہی مرد کی شان ہے...... وقت بتائے گا کہ میں اپنی بات کا کتنا پکا اور سچا ہوں۔"

وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ گوہر کا چہرہ تن گیا۔

"ارادے کی پختگی ہی منزل کی طرف جانے کا راستہ آسان کرتی ہے، مسٹر مامون واسطی! اس معاملے میں، میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں مجھے بھی اپنے اصول اور عزائم بہت عزیز ہیں۔"

"مسٹر مامون! آپ نے ہمیں مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔" راضیہ فخری نے ہنس کر کہا۔ مامون کے چہرے پہ سوال ٹھہر گیا۔

"ہاں ہاں بھئی! ایک طرف شبیر عسکری ہیں۔ ہماری کلاس فیلو کے کزن بلکہ منگیتر...... دوسری طرف آپ ہیں، آخر ہم لوگ کس کا ساتھ دیں۔"

"اس میں تردد کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ رشتوں ناتوں کو نہیں، کردار کو مدنظر رکھیں اور شبیر اور مامون واسطی میں سے جو بھی آپ کو اپنی رائے کا حق دار نظر آئے اسے بے دھڑک ووٹ دے دیجیے۔" گوہر نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"مامون واسطی کسی چھپی ہوئی شے کا نہیں ایک مرد کا نام ہے اور اس نام سے یہاں کے لوگ بہ خوبی واقف ہیں۔" مامون نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"آپ ایک منٹ میری بات سنیں گی۔" اس نے جھٹ اسے مخاطب کیا، وہ اس کے ساتھ تھوڑا سا آگے نکل گئی۔

"جی فرمائیے۔" اس کے انداز میں نفرت اور کھردرا پن تھا۔

مامون بھی تنا تنا سا کھڑا تھا۔ "میں نے اسے کہلوایا تھا کہ وہ میرے مقابلے سے دست بردار ہو جائے، ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا؟ وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آیا، کیا پدی کیا پدی کا شوربا......"

"ٹھیک کو تیج مسٹر مامون واسطی! یاد رہے کہ آپ مجھ سے میرے کزن کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں جانتا ہوں، میں آپ کے احترام میں یہ چاہتا تھا کہ اس کا ہم سے براہ راست دشمنی کا رشتہ نہ ہو...... تبھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے، لیکن اب جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی۔"

"کیا ہوگا؟ کیا کریں گے آپ؟"

"یہ وقت بتائے گا۔"

"وقت کو جو بھی بتانا ہوگا بتا دے گا، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی، اچھا ہوا آپ مل گئے، آپ نے اپنی بات کا جواب مانگا تھا، میری طرف سے ہزار بار انکار ہے، میں ایسی گھٹیا حرکتوں سے نفرت کرتی ہوں، شبیر اور میں ایک دوسرے کی زندگی کا اہم ترین جزو ہیں۔ کبھی جدا نہ ہونے کے لیے ایک دوسرے کی زندگی میں آئے ہیں اور مجھے آپ کی ذات سے کوئی خوف نہیں، اس لیے کہ میں انسانوں کی مکروہ خواہشات کے آگے نہیں، صرف خدا کے حضور جھکنا جانتی ہوں، وہی میرا محافظ ہے، میرا اچھا برا اسی کے ہاتھ میں ہے۔"

"اینی ہاؤ! آپ کو جواب دینا تھا آپ نے دے دیا، سمجھ لیجیے کہ الیکشن ہمارے درمیان پہلا راؤنڈ ہے اور ضروری نہیں کہ پہلا راؤنڈ جیت جانے والا فاتح بھی بن جائے، جیت ہار میں بھی بدل جایا کرتی ہے۔

میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں، آپ کے ہاتھوں پر ڈاکٹر ہارون واسطی کے نام کی مہندی نہ لگی تو میں...... جینا چھوڑ دوں گا، موت کو گلے لگانا پسند کروں گا۔ کاش آپ نے مفاہمت کی راہ اختیار کی ہوتی۔"

گوہر نے جانے کے لیے قدم اٹھایا تو وہ بھی پیچھے چل دیا۔

"بھئی! ایسی کون سی پرائیویٹ بات تھی۔" بیلا کاشمیری نے مسکرا کر استفسار کیا۔

"بس! ایک بات...... کیا ایک بھائی اپنی بہن سے کوئی ذاتی مسئلہ ڈسکس نہیں کر سکتا۔" مامون واسطی نے سب کی حیرانی دور کر دی، گوہر بھی دکھاوے کو مسکرانے لگی۔

رات کے دوسرے پہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے اسے کئی باتیں یاد آ رہی تھیں جن کا تعلق مامون کی ذات سے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر حسب معمول صبح کے سارے اخبار موجود تھے، چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے شاہنواز اخبار دیکھنے لگے۔ وہ وقت کی کمی کے سبب اخبارات کی سرخیوں پر نظر ڈالتے تھے، کوئی بہت زیادہ اہم خبر ہوتی تو پوری پڑھ ڈالتے یہ ملک کا سب سے بڑا روزنامہ تھا، تازہ ترین خبریں اسی میں سب سے پہلے آیا کرتی تھیں، آج کل وہ اخبار کچھ زیادہ باقاعدگی سے دیکھ رہے تھے کہ انکم ٹیکس اور سینٹرل ایکسائز کے محکموں سے متعلق خبریں تواتر سے آ رہی تھیں، تاجروں اور کارخانہ داروں نے نئے ٹیکس قوانین کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، حکومت اور تاجران کے درمیان بات چیت جاری تھی، اخبار کا صفحہ پلٹتے پلٹتے ایک چار کالمی سرخی پر اچانک ان کی نظر ٹک گئی۔

"پنجاب یونیورسٹی میں نامعلوم افراد کی زبردست فائرنگ۔ صدارتی امیدوار شبیر عسکری زخمی ہونے سے بال بال بچ گئے، ایک گولی سنسناتی ہوئی ان کے قریب سے گزر گئی۔ طلباء نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا، کئی طالب علم شدید زخمی ہو گئے۔" شاہنواز عسکری سیدھے ہو بیٹھے، چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی، دوبارہ یہ سرخی پڑھنے لگے۔

نیچے تفصیل درج تھی' جلدی جلدی خبر پڑھتے ہوئے ان کی بے چینی اور گھبراہٹ میں اضافہ ہوگیا' لمحہ بھر کو وہ کچھ سوچنے کے قابل نہ رہے' پھر جلدی سے ڈرائنگ روم میں رکھے ٹیلی فون کی طرف بڑھے' دلنواز عسکری کے گھر کا نمبر ملایا' بڑی دقت پیش آئی شاید لائنیں معروف تھیں۔

''ہیلو......'' رابطہ ملتے ہی وہ تیز آواز میں بولے۔

''ہیلو......کون صاحب بول رہے ہیں؟''

''میں شاہنواز عسکری ہوں۔''

''اوہ پاپا......آپ......؟''

''کون شبیر......شبیر یہ تم ہو......اوہ مائی گاڈ......''

''خیریت پاپا......''

''شبیر......'' بڑی مدت بعد وہ بیٹے سے مخاطب تھے' پدری شفقت ساری کی ساری ان کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔

''شبیر......! ابھی ابھی میں نے ایک خبر پڑھی ہے۔ میرے اوسان خطا ہوگئے' کیا یہ سچ ہے شبیر۔''

''جی ہاں پاپا۔ یہ سچ ہے۔''

''تم نے الیکشن میں حصہ لیا ہے؟''

''جی ہاں کل الیکشن کا دن ہی تھا۔''

''شبیر......تم نے قسم کھا رکھی ہے' اپنے باپ کو دکھ دینے کی۔ کیا ضرورت ہے ان بکھیڑوں میں الجھنے کی' تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟''

''پاپا! موت جب آتی ہے تو کسی سے پوچھتی نہیں' موت تو اپنے گھر کے آرام دہ بستر پر بھی آجاتی ہے گر آنی ہو تو۔''

''چکر کیا ہے سارا؟''

اس نے انہیں تفصیل بتادی۔ ''میں آرہا ہوں اسی وقت......دلنواز کہاں ہیں' وہ کس مرض کی دوا ہیں' انہوں نے روکا نہیں' میں پہلی فلائٹ سے پہنچ رہا ہوں' انتظار کرنا میرا۔''

''پاپا......پریشانی کی کوئی بات نہیں' الیکشن ہو چکے ہیں رات گئے میری کامیابی کا اعلان بھی کر دیا گیا' شام کے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر آپ کو بے حد خوشی ہوگی کہ آپ کا بیٹا طلبا یونین کا صدر ہو گیا ہے۔''

''لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی خبر پر۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے شبیر ان عہدوں کی نہیں' مجھے شہرت اور ناموری چاہیے ہوتی تو میں بھی پاپا جان کی راہ اختیار کر سکتا تھا' کیا پڑی ہے تمہیں...... نفرت ہے مجھے خون خرابے کی زندگی سے جہاں قدم قدم پر آدمی خدشوں اور خطروں میں گھرا رہے' مجھ سے تو تمہاری جھڑکائی ہوئی ایک آگ ہی نہیں بجھائی جا رہی تم نے داموانا دا سٹی سے الجھ کر میرے لیے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔''

''پاپا......! آپ سمجھنے کی کوشش کریں...... شرپسند لوگ ہر حال میں حالات خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں' میدوا میں نہ ہوتا کوئی اور ہوتا تب بھی ایسا ہو سکتا تھا۔''

''کوئی اور ہوتا' ہوتا رہتا میری بلا سے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ پاپا' کوئی بھی ہوتا' بات تو ایک ہی تھی' میں نے بھی پاپا! شہرت اور ناموری کے لیے

نہیں ذمہ داری نبھانے کے لیے اس منصب کی خواہش کی ہے' آپ دیکھ لیجیے گا یہ آخری خرابی ثابت ہوگی' اب یونیورسٹی میں کبھی کوئی ہنگامہ نہ ہوگا۔''

''خام خیالی ہے تمہاری......بس تم ہو ہی بے وقوف......پاگل' خبطی۔''

''آپ کو حق ہے پاپا جو مناسب سمجھیں کہہ ڈالیں۔'' وہ ہنس دیا۔

''ڈھیٹ کہیں کے۔''

''آل از کریکٹ سر۔ میں خود آپ کو فون کرنے والا تھا......دعائیں لینا چاہ رہا تھا آپ کی' دلنواز چاچا تو بہت خوش ہیں' وہ میری فتح کو حق کی جیت سمجھتے ہیں' آپ دیکھیے گا پاپا۔ معاشرہ کیسے سیدھی ڈگر پر چلتا ہے۔''

''جوتمہ بڑے آئے سیدھی راہ پہ چلانے والے' برخوردار تم جیسے کئی دیوانے آئے اور منہ کی کھا کر چلے گئے۔ فوراً اس صدارت وزارت سے مستعفی ہو جاؤ۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''پاپا......!''

''میں جو کہہ رہا ہوں' سچ ہے۔''

''پاپا......'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''دس از دی لاسٹ وارننگ...... ورنہ بات نہ کرنا مجھ سے۔ میں پہلے ہی تمہاری ایسی حرکتوں سے تنگ ہوں۔''

انہوں نے فون بند کر دیا اور ساتھ پڑی کرسی پہ سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔

یہ خبر ملک کی سرحدیں پار کر کے جمال احمد تک بھی پہنچ گئی۔ سدرہ کو شفا کو کے ہاسپٹل میں منتقل کرنا پڑا تھا۔ افتخار آج کل ایک ضروری پراجیکٹ پر کام کر رہے تھے' چھٹی ملنا محال تھا' جمال احمد کی پوری فیملی کو امریکا جانا پڑ گیا' یہ خبر بھی انہیں امریکا میں ہی موصول ہوئی لیکن شبیر کی کامیابی کی خوشی' سدرہ کی تکلیف اور فائرنگ کے افسوس ناک واقعے کی پریشانی میں کہیں گم ہو گئی' انہوں نے مسز جمال احمد کو اس بات سے بے خبر رکھا' عدنی اور عذرا کو بھی تاکید کی' ورنہ وہ تو اسی وقت شبیر کو اپنے پاس بلا لینے کا شور مچا دیتیں' جس روز انہیں اطلاع ملی اسی روز انہوں نے پاکستانی سفارت خانے کی معرفت ملک کے اعلیٰ حکام سے بات کی' وی سی' پنجاب یونیورسٹی کو فون کیا' آئی جی سے ڈسکس کیا اس مسئلے کو۔ وزارت داخلہ کے ذمہ دار افراد کو متنبہ کیا۔ تب ہی وی' سی صاحب نے شبیر کو اپنی رہائش گاہ پر ملاقات کا وقت دیا۔ ''یہ جمال احمد صاحب سے کیا تعلق ہے تمہارا شبیر عسکری۔''

''جمال احمد میرے بزرگ ہیں' محسن ہیں' ہمدرد ہیں' وہ میرے ہی نہیں معاشرے کے سارے نوجوانوں کے بھی خواہ ہیں۔''

''آج ان کا فون آیا تھا' اس سانحے میں ذاتی دلچسپی شاید وہ تمہاری وجہ سے لے رہے ہیں' بار بار تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

''نہیں سر! میری وجہ سے نہیں۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں' منصفانہ الیکشن کے تحت صدر منتخب ہو چکا ہوں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ہمیشہ سے تعلیمی اداروں کے طرز عمل سے نالاں ہیں۔ انہیں سدا بے حسی کا شکوہ رہا ہے۔ یہ بے حسی صرف اسی ادارے پر تو نہیں قوم کے ہر فرد پر غلبہ پا چکی ہے' لیڈر ہوں یا حکام' صرف ایک بیان کو ضروری خیال کرتے ہیں کہ کسی کو ملک کی تقدیر سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی' غنڈہ گردی کرنے والوں کو کچل دیا جائے گا' اب ان خدا کے بندوں کو کون بتائے کہ ملک کی تقدیر سے کھیلنے والے آپ کی اجازت

ضروری کب سمجھتے ہیں انہیں کسی این او سی کی ضرورت کب پڑتی ہے' عوام نے گزرے سالوں سے لے کر آج تک کسی ظالم کو اس کے انجام تک پہنچا نہ دیکھا ہی نہیں۔ کچلے جاتے ہیں برباد کیے جاتے ہیں تو سب بس نشانہ عوام اور معصوم طلباء...... سر! میں تو کبھی احسان کا یہ بھاری بوجھ اپنے کندھوں سے نہ اتار پاؤں گا' میرے دوست میرے جانی میرے گرد آہنی دیوار بن کر جمع ہو گئے' ورنہ گولیوں کی بوچھاڑ مجھے ایک سانس لے لینے کی مہلت بھی نہ دیتی' کسی کے بازو زخمی ہیں' کسی کا سینہ' کسی کی ٹانگیں' کسی کے ہاتھ' صد شکر کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن یہ نقصان بھی کم نہیں ہے میں پوری رات ہسپتال کے آپریشن تھیٹر کے باہر موجود رہا' سر! امجد فاروانی ہماری جامعہ کا ہونہار طالب علم ہے' کسی مفلس گھرانے کا چشم و چراغ۔ غریب ماں باپ کا اکلوتا سہارا۔ گولی اس کی پسلیاں چیرتی آگے نکل گئی۔ پورے اڑتالیس گھنٹے وہ موت وحیات کی کشمکش میں رہا۔

ہمارے ہاسپٹل میں ایک طالب علم کی زندگی بچانے کو خون نہ تھا۔ میرے ساتھی طلباء کی لائن لگ گئی سب نے اپنے بازو آگے کر دیے' اپنے بھائیوں کی زندگی بچانے کو۔ میری خوش نصیبی ہے کہ میرا خون فاروانی کے کام آیا۔ اسے کچھ ہو جاتا سر! تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتا۔ کون کہتا ہے سر! طلباء اپنے دشمن آپ ہیں!' گنگا رام میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی' ہماری بہنیں بھی رات کی تاریکی کے خوف سے بے نیاز وہاں موجود تھیں' اپنے بھائیوں کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھیں' خون کی بوتلیں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں کہ بلڈ سٹور میں جگہ ہی باقی نہ رہی تھی۔ سر! چند شر پسند عناصر کے گناہوں کا بوجھ پوری قوم پر نہیں لادا جانا چاہیے' ہمیں بلکہ ہم سب سے بڑھ کر ان کالی بھیڑوں کو تلاش کرنا چاہیے' سر! یہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی شکست نہیں تو کیا ہے کہ یونیورسٹی کے احاطے میں پولیس کی موجودگی میں نہ مجرم دستیاب ہو سکے نہ اسلحہ مل سکا۔ یہ کیسے ممکن ہے سر! میں جانتا ہوں سر! یہ سب کیا ہے اس سازش میں کون کون سے لوگ شامل ہیں۔ بھیڑوں کے گلے کی نگرانی ہی بھیڑیے کر رہے ہوں تو پوچھ گچھ کس سے کی جائے' ذمہ دار کسے ٹھہرایا جائے' کاش ہم نے امن و امان بحال رکھنے کی خاطر اپنے ہی لڑکوں کو مقرر کیا ہوتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے شبیر۔ بالکل بچوں جیسی بات کہہ دی تم نے۔"

"میں جانتا ہوں سر! لیکن قانون کے سائے میں لاقانونیت کا بھیانک کھیل بھی تو ناقابل برداشت ہے' میں بہت چھوٹا تھا تو پولیس مین کو دیکھ کر مجھے احساس تحفظ ملتا تھا۔ میرا دل فرط مسرت سے لبریز ہو جاتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس وردی سے روشناس کراتے ہوئے سبق دیا گیا تھا کہ یہ معاشرے کے ذمہ دار افراد کے جسم پر سجتی ہے' وردی کی صورت ملک سے وفاداری' قوم کی خدمت اور قانون کی بالادستی کا فرض ان پر عائد ہو جاتا ہے' لیکن جوں جوں میں باشعور ہوا میں نے سنا دیکھا اور محسوس کیا کہ وردی کا مقصد وہ نہیں ہے۔ وردی بے سہارا لوگوں کو خوف زدہ کرنے انہیں لوٹنے' آزار پہنچانے کا اجازت نامہ ہے' یہ ہر حکومت وقت کے ایجنٹ ہوتے ہیں' صاحب اقتدار کی خوشنودی کے لیے ہر ظلم کر گزرنے کا حوصلہ رکھنے والے بہادر ہوتے ہیں' مجھے نفرت ہے سر! اس نظام سے۔ اس قانون سے اور پھر اب تو مجھے عملی تجربہ ہو گیا ہے۔ بلکہ ایک بار پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یک جنبش قلم انسانوں کی تقدیر کیسے بدل دی جاتی ہے۔" اس نے اٹین واشنگی والا سارا قصہ کہہ سنایا۔

"سر! اس محکمے میں ڈی آئی جی احمد ابراہیم صاحب جیسے فرض شناس لوگ بھی ہیں' مجھے پتا چلا ہے کہ وہ آئی جی ہو گئے ہیں' کل ہی انہوں نے اپنے عہدے کا چارج سنبھالا ہے۔ میں خود ان سے ملوں گا' یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ایک بہترین انسان اس ادارے کا سربراہ ہو گیا ہے۔"

"اچھا...... آئی جی احمد ابراہیم تمہارے بھی دوست ہیں جنہوں نے تمہاری مدد کی۔ اچھی بات ہے شبیر عسکری تم ذرا ان سے ملو۔ ہو سکتا ہے اس سارے مسئلے کا حل نکل آئے' ویسے شبیر عسکری! ابھی تم لوگوں نے یہ بھی سوچا۔"

"کیا سر؟"

"جب ایک گھرانے کا سربراہ ایک مرد ہوتا ہے تو اس کے کندھوں پر چار پانچ بچوں کے مستقبل کا بوجھ ہوتا ہے وہ ہر دم ہراساں اور فکر مند رہتا ہے' میں جس ادارے کا سربراہ ہوں' وہاں بچوں کی تعداد ہزاروں میں ہے' ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ یہ سب مجھے یکساں عزیز ہیں' میں کب چاہوں گا کہ ان میں سے ایک بھی تکلیف میں ہو' کسی دوسرے کے ہاتھوں آزار اٹھائے۔ میں کوشش کرتا ہوں' ہر معاملے سے باخبر رہنے کی' ان سے دور کرنے کی' ان کے مسائل حل کرنے کی' پر جانے یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے۔"

"سر! یہ سب کچھ ان فاصلوں کے سبب ہوتا ہے جو آپ میں اور طلباء میں موجود ہیں' خیال کیا جاتا ہے کہ فاصلے احترام کو قائم رکھنے کے لیے ہوتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے سر! احترام اس برگزیدہ ہستی سے زیادہ کسی نے نہیں پایا۔ جس کے دربار میں آنے اور جانے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ جو نبیین کا بادشاہ تھا' لیکن فرش نشین پر بچھے بوسیدہ بوریے پر غرباء اور مساکین کے ساتھ بیٹھنے میں اسے کوئی عار نہ تھا۔ جس نے اعلان کیا تھا کہ ہر شخص کے سامنے جواب دہ ہے۔ یہاں تو ہم نے اظہار احترام کے علیحدہ علیحدہ پیمانے بنا رکھے ہیں' یہاں فاصلے ہیں' درجے ہیں' حد بندیاں ہیں' احترام وہ ہوتا ہے جو کسی کی اعلیٰ کرداری کے سبب دوسرے دلوں میں آپ ہی آپ پیدا ہو جاتا ہے...... اور قربتیں پرخلوص ہوں تو احترام میں اضافہ ہوتا ہے کمی نہیں' مجھے امید ہے سر! آپ مجھے اور میرے ساتھ کام کرنے والے لوگوں کو کم از کم مسائل کی نشاندہی کی خاطر اپنے قریب ہونے کا حق ضرور دیں گے' بلکہ ہمیں یہ حق دیا' میں تو یہ امید بھی رکھوں گا کہ ہر طالب علم کے لیے آپ اپنے پاس وقت ضرور رکھیں گے' انصاف کی خاطر...... آپ کے دل میں ہم سب کی جگہ ہے...... آپ واقعی ہمارے بھی خواہ ہیں' آپ کی شفقت بھری محبت اس احساس کو اجاگر کرے گی جو اعتماد میں اضافے کا سبب ہو گی..... اور آپ جانتے ہیں' سفر کی شرط اعتماد ہے۔ خود اعتماد ہو جانے کے بعد زندگی کی راہیں ہم پر اور بھی آسان ہو جائیں گی۔"

وائس چانسلر صاحب شبیر کو بغور دیکھتے رہ گئے۔

"شبیر عسکری! جس طرح ہر باپ یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اس کا نام روشن کرے' بالکل اسی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ میری زیر نگرانی عرصہ تعلیم گزارنے والے میرے سارے بچے اس ملک کی نیک نامی کے کام آئیں نہ کہ مجرم اور دہشت گرد بنیں' چور ڈاکو اور قاتل بنیں' میں تم لوگوں سے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں' خدا کرے خلوص و محبت اور سادگی کا یہ نسخہ آخر ثابت ہو...... اور ہمارا ادارہ ساری اخلاقی بیماریوں سے پاک ہو جائے۔"

اس شام شبیر بے حد خوش تھا' احمد ابراہیم صاحب نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی تھی' اپنی نشست سے اٹھ کر وہ قدم آگے بڑھ کر انہوں نے اسے گلے لگا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔ تو اسے اپنے آپ پر رشک آیا۔

"کیسے ہو ینگ مین؟ بھئی آج کے اخبارات نے بہت کچھ لکھا ہے تمہارے بارے میں' میں تو شاید تمہیں بھول ہی جاتا۔ لیکن صدر بن کر تم پھر میری نظروں میں آ گئے۔"

وہ ہنس دیے' شبیر سمجھ رہا تھا' ان کے مذاق کو۔

"لیکن سر! میں ایک شفیق پولیس افسر کو کبھی نہ بھول پاتا...... یہ نئی ذمہ داری مبارک ہو آپ کو!"

''نہیں' نہیں اچھے لڑکے...... یہ عہدہ میرے لیے خوشی کا پیغام نہیں فکر کا مقام ہے' میرا کڑا امتحان ہے' ابھی چارج ہی سنبھالا ہے کہ یہ واقعہ سامنے آ گیا ہے' میں نے ابھی کچھ دیر پہلے متعلقہ افراد کو سخت ہدایات جاری کی ہیں' مزید اڑتالیس گھنٹے انہیں دیے ہیں۔ میں جانتا ہوں مجرم سزا پا بھی جائیں تو نشانہ بننے والے مظلوموں کے زخم اذیت دینا نہیں چھوڑا کرتے' جو نقصان ہو گیا سو ہو گیا' لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ مجرم سزا کے مستحق قرار دے دیے جائیں تو عین ممکن ہے کہ ایک عرصہ کسی کو ایسی بدامنی پھیلانے کی جرات ہی نہ ہو۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے.... یونیورسٹی میں تمہاری کن لوگوں سے پرخاش تھی' کون تھے تمہارے دشمن؟''

''میرا دشمن کوئی نہیں تھا سر! ہاں میں ظلم' ناانصافی' بے راہ روی اور بے حسی کا دشمن ہوں' یہ کام وہی کر سکتے ہیں جنہیں ان چیزوں سے پیار ہو گا۔ جب میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو کچھ کرتے نہیں دیکھا تو کیسے کسی کا نام لے دوں......'' احمد ابراہیم سوچ میں پڑ گئے۔

''میں اس کیس کی فائل محکمے کے ایک ایماندار اور محنتی نوجوان' ایس پی کے سپرد کر رہا ہوں...... اس امید کے ساتھ کہ وہ سارا معاملہ سنبھال کر حقائق تک پہنچ جائے گا۔ ہاں تم سناؤ' میں نے جو تمہیں محکمہ پولیس جوائن کرنے کا مشورہ دیا تھا سو میں اب بھی منتظر ہوں۔ مجھے خوشی ہو گی' تم میں بہت سی خوبیاں ایک ساتھ ہیں' ہمارے ملک میں سراغرسانی کا محکمہ کچھ ایسا ایکٹو اور پراثر نہیں ہے' ایک پولیس آفیسر کو بیک وقت پولیس آفیسر بھی بننا پڑتا ہے اور سراغرساں بھی..... تم اچھے پولیس آفیسر بھی ہو گے' اچھے وکیل بھی اور سراغرساں بھی!''

شبیر پرخیال انداز میں دکھ کے ساتھ مسکرا دیا۔ ''کیا کر سکتا ہے ایک شبیر محترم آئی جی صاحب! ایک شبیر کیا کر سکے گا۔ کاش میرے پاس لاکھوں کی تعداد میں شبیر ہوتے اور آپ کے پاس لامحدود اختیارات اور آپ پولیس کے سارے محکمے کو ہی بدل ڈالتے' ملک و قوم کے اعلیٰ ترین مفاد میں۔''

''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ مسکرائے۔

''میں اپنے مقام پر رہ کر بھی آپ کی خدمت کر سکتا ہوں سر! بلکہ عوام اور پولیس کے تعاون کی یہ مثال بھی بے مثال ہو گی۔''

وہ ہنس دیے۔ ''تم باتیں بھی دلچسپ کرتے ہو۔ مجھے آج خبر ہوئی۔ اب تو تم پر فرض ہو گیا ہے۔ گاہے گاہے مجھ سے بات کرنا' اپنے مسائل مجھ سے ڈسکس کرنا۔ میرا دست تعاون تمہاری مدد کے لیے ہر دم بڑھا رہے گا' جب چاہو طلب کر لو' میں آج بھی تمہارا دوست ہوں۔''

''تھینک یو سر! تھینک یو ویری مچ۔'' وہ بہت خوش تھا۔

شاید منزل بے حد قریب تھی' امن و انصاف کی منزل' عدل و رواداری کی منزل' شاید یہ قربانی تھی۔ نوجوانوں کا بہہ جانے والا خون۔ ان کے جسموں پر لگے زخم۔ وہ حیران تھا۔ وی سی صاحب کے تعاون پر۔ احمد ابراہیم صاحب جیسے سربراہ محکمہ پولیس کی تعیناتی پر' ان کے حسن سلوک پر۔ عوام کی طرف سے ملنے والے ہمدردی اور تعاون کے پیغاموں پر۔ بہت زیادہ حیران تھا وہ۔ شاید اس لیے کہ وہ نووارد تھا۔ نوآموز تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس سے پہلے بھی کئی آئے تھے بے لوث جذبوں سے لدے پھندے۔ اس جیسا جوش و خروش لے کر ان کا استقبال بھی یونہی کیا گیا' لیکن وہ کچھ نہ کر سکے' کہیں جنگل کے قانون نے انہیں روحانی موت کی سزا دے دی' ان کے لب سی دیے۔ یا پھر انہیں بھی تشدد کی پالیسی پر چلنے پر مجبور کر دیا۔ کہیں انہیں بھی خرید لیا گیا۔ وہ غیروں کے حق میں کام کرنے لگے' بھیڑوں کی پوشاک میں چھپ کر۔ کسی کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

دراصل شبیر دنیا کے ان چند لوگوں میں سے ایک تھا' جن کے دل میں جانے کب یہ یقین گھر کر لیتا ہے کہ دنیا کے سارے انسان بنیادی طور پر اچھے ہیں' شاید یہ احساس وہ پیدا ہونے پر ساتھ ہی لے کر آتے ہیں' ان کا یہ اعتماد لافانی ہوتا ہے' شاید وہ اپنے کردار کے آئینے میں اپنی نہیں ایک ابن آدم کی تصویر دیکھ کر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ''انسان'' خوبیوں اور اچھائیوں سے بھرے ایک وجود کا نام ہے' شبیر تھوڑا سا خوش نصیب بھی تھا' اسے جمال احمد مل گئے تھے' ممی مل گئی تھیں' سدرہ آپی کی محبت میسر آ گئی تھی' پھر عدی جیسا بے غرض اور کھرا نوجوان اس کا بھائی تھا' عذرا جیسی معصوم لڑکی اس کا مان تھی' آمنہ خاتون تھیں' دلنواز عسکری تھے' چچی اماں تھیں' غفور بابا تھے اس کی دنیا میں مسرور اور رانو جیسے سیدھے سادے لوگ بھی تھے' احمد ابراہیم صاحب جیسے ایماندار آفیسر بھی' وی سی صاحب جیسے شفیق استاد بھی۔ اور ایک خوبصورت باوقار لڑکی گوہر بھی' جس کی آرزو خواب اور امیدیں شبیر کی دنیا سے مختلف نہ تھیں' وہ کیسے یقین نہ کرتا کہ دنیا میں بسنے والے انسان اچھے ہیں۔ وہ سعیدہ بیگم کو' شاہنواز عسکری کو' امین واسطی کو' مامون واسطی کو صرف کم فہم سمجھتا تھا۔ انسانیت کا دشمن نہیں' وہ ان سب کے مزاج محبتوں سے بدلنا چاہتا تھا' انہیں قائل کرنا چاہتا تھا' نیکی اور اچھائی کی افادیت کا' اس کے ارادے نہ صرف نیک تھے بلکہ معصوم بھی۔ محبت کے پھولوں سے سجی دنیا اس کا سب سے اہم خواب تھی اور محبت کے پھولوں کی آبیاری وہ خون جگر سے بھی کر سکتا تھا' اسے بے حس انسانوں سے بھی نفرت نہیں تھی' بس وہ ان کی سنگ دلی سے خوف کھاتا تھا۔ اس نے برملا اس کا اظہار آئی۔ جی صاحب سے بھی کر دیا۔

''سر! مجھے ڈر لگتا ہے کوئی ناقابل فہم مصلحت آپ کے بڑھتے ہاتھ کو پیچھے نہ ہٹا دے' آپ ہار نہ مان جائیں..... معاشرے کے بے رحم اصولوں سے۔''

''اچھا سوال کیا تم نے یَنگ مین' اس کی اگر میں از خود وضاحت کرتا تو شاید اچھا نہ لگتا۔

ہر طبقے اور ہر خیال کے لوگ اپنے اپنے ایک دائرے میں زندہ رہتے ہیں' کچھ چیزوں کو اپنی اہم ضرورت خیال کر لیتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی ضرورتوں کے اسی دائرے کو قائم رکھنے کے لیے وہ انسانوں سے' حالات سے مفاہمت کر لیتے ہیں' میں نے اسی مفاہمت کے خلاف سدا جنگ کی ہے' اپنی آرزوؤں کے دائرے کو بس اتنا رکھا ہے کہ میرے دو قدم اس میں سما جائیں۔ میں اذیت پسند بھی ہوں' لوگ اپنی خواہشات کے لیے دوسروں کو اذیت سے ڈالتے ہیں' میں فرائض کی خاطر خود کو اذیت میں ڈالنے سے نہیں گھبراتا۔ میں بے حس بھی ہوں' مگر صرف اپنی ذات کے لیے' تکلیف میرے لیے تکلیف ہی نہیں رہتی۔ میں خدا پر کامل یقین رکھتا ہوں' اس کی رحمت کی امید کے ساتھ...... پتا ہے ینگ مین۔ مثال کے طور پر ایک شخص آپ سے کہتا ہے' یہ کام کر دو ورنہ گولی مار دوں گا۔ تو وہ آپ کو گولی مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ صرف آپ کی ضرورتوں کے دائرے کو منتشر کرتا ہے' آپ کو ڈراتا ہے' آپ زندگی کو سب سے بڑی ضرورت سمجھتے ہیں' اس لیے خوف کے سبب کوئی انتہائی غیر قانونی کام نہ چاہتے ہوئے بھی پل میں کر دیتے ہیں' اگر آپ زندگی سے ایک پل کو یہ سوچ کر بے نیاز ہو جائیں کہ ہر ذی روح کو روز روز نہیں ایک ہی بار مرنا ہے' تو آپ اپنا آپ بچا سکتے ہیں' دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر نہیں رہ سکتے۔ میں نہیں جانتا کہ آئندہ لمحوں میں بعض چیزیں بعض چیزوں پر غلبہ حاصل کر لیں اور میری ضرورتوں کا دائرہ وسیع ہو جائے' لیکن جہاں تک میری اس جنگ کا تعلق ہے' تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک دستخط شدہ استعفیٰ ہر دم میری جیب میں رہتا ہے کہ کیا خبر کب اس کی ضرورت پڑ جائے۔ میں نے جو زندگی گزاری ہے' اس میں' میں خواہشوں کا غلام کبھی نہیں رہا' بلکہ خواہشیں میرے زرخرید غلاموں کی طرح میرے ضمیر کے زندان میں قید رہی ہیں اور میں ہر دم ان

کے معاملے میں اتنا بااختیار رہا ہوں کہ جب چاہوں ان کو سنگین موت سے دوچار کردوں۔"

شبیر نے آنکھیں پھاڑ کر انہیں اور ان کے احساسات کو دیکھا۔

"اس بے نیازی نے' اپنی ذات سے بے پروائی نے مجھے وہ دولت دی ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بہت کم لوگوں کے پاس ہے' سکون کی دولت دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے چار گھنٹے بھی آرام کے مل جائیں تو میں بستر پر لیٹتے ہی نیند کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہوں' یعنی کسی معصوم بچے کی طرح گہری نیند سوتا ہوں اور جاگ کر اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے پہلے سے زیادہ مستعد پاتا ہوں اپنے آپ کو۔"

شبیر کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ مضطرب سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سر! کاش! میں آپ کا ادنیٰ سا سب آرڈینیٹ ہوتا دن رات آتے جاتے آپ کو سلیوٹ کرتا۔ لیکن یقین جانیے میرا دل آپ کو نذرانہ عقیدت پیش کر رہا ہے اور میری روح آپ کے پاس ادب میں آپ کے حضور جھکی جا رہی ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ایک عظیم انسان کے ہاتھ ادب سے چھو کر آنکھوں سے لگالوں۔"

وہ جو سنجیدہ تھے اس کی اس وارفتگی پر قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"ڈونٹ وری' ان ہاتھوں نے مجرموں پر ڈنڈے بھی برسائے ہیں' کیا خبر کتنے بے گناہ ان کی زد میں آگئے ہوں۔"

"نہیں سر! بعض نگاہیں دلوں میں جھانکنے کا ادراک رکھتی ہیں۔ من میں لکھی تحریریں پڑھ لیتی ہیں' مجھے یقین ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو ان ہاتھوں نے اذیت نہ دی ہو گی..... اور خدا تو نیتوں کی خبر رکھتا ہے' اس کی طرف سے جزا و سزا نیتوں کے حساب کتاب پر دی جائے گی اعمال پر نہیں۔"

وہ مسکرا دیے..... شبیر نے ان کے نرم نرم سرخ و سفید ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"آئی۔ جی پنجاب احمد ابراہیم کی خدمات صوبہ سندھ کے حوالے کر دی گئیں۔" صبح کے اخبار کی شہ سرخی پڑھ کر اخبار گوہر کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ وہ آگے کچھ پڑھ نہ سکی! اسے شبیر کی مصروفیات کے پل پل کی خبر تھی' ان ملاقاتوں کے احوال بھی کہہ سنائے تھے' شبیر نے ان کے بے مثال تعاون کی خبر بھی دے دی تھی' سا غرا سے پکار رہا تھا۔

"گوہر باجی..... گوہر باجی..... بھئی کہاں ہیں آپ؟ آپ کا فون ہے۔" وہ کوریڈور کی طرف لپکی جانتی تھی اس خبر نے شبیر کو بھی پریشان کیا ہو گا اور اسی کا فون ہو گا' اس نے ریسیور کان سے لگایا۔ "ہیلو شبیر۔ اخبار دیکھا تم نے؟"

"صبح بخیر۔ مس عسکری....." ایک اجنبی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کون ہیں آپ؟"

"جانے کتنی بار آپ یہ سوال کریں گی۔ شاید میرے گھر میں میری بھابی بن کر آ جانے کے بعد تک بھی..... یہ میں ہوں آپ کا بہی خواہ مامون واسطی۔"

"کیوں فون کیا آپ نے؟"

"سوچا شاید آپ نے آج کا اخبار نہ دیکھا ہو۔ آپ کو اطلاع دے دوں کہ آئی جی صاحب صوبہ سندھ کو پیارے کر دیے گئے ہیں۔ وہاں مسائل یہاں سے زیادہ ہیں نا اور ان جیسے فرض شناس گمبھیر مسائل حل کرنے میں

زیادہ خوش رہتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"او ہو یو شٹ اپ....."

"خفا کیوں ہوتی ہیں یہ میرا نہیں اعلیٰ حکام کا فیصلہ ہے' مجھ سے ناراضگی کیسی؟"

"آپ مجھے کیوں سنا رہے ہیں کیا دلچسپی ہے آپ کو ان کے جانے یا نہ جانے سے۔"

"نہیں مجھے تو نہیں' دلچسپی آپ کے شبیر صاحب کو ہے' شاید بہت زیادہ دلچسپی۔"

"یہ ہمارا اپنا معاملہ ہے۔"

"نہیں نہیں نہیں' بعض معاملے دوسروں کے بھی ہوتے ہیں صرف آپ کے! اپنے نہیں' بالواسطہ یا بلاواسطہ دوسرے بھی ملوث ہوتے ہیں بعض المیئر نہیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"کچھ نہیں..... بس بتانا چاہ رہا تھا کہ یہ ٹرانسفر مامون واسطی کا پہلا تحفہ ہے' شبیر عسکری صدر یونین کے لیے۔"

ٹوں..... ٹوں..... ٹوں..... رابطہ کٹ چکا تھا۔

اور گوہر صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے' پریشان کیوں ہو گوہر؟" کوریڈور کے داخلی دروازے پر کھڑا شبیر اس سے پوچھ رہا تھا اور ریسیور ابھی تک اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

"کس کا فون ہے؟"

"کک۔ کسی کا بھی نہیں۔" اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"تو صورت پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟"

"شبیر! اصل میں' میں ابھی ابھی ایک اہم خبر۔"

وہ بے پروائی سے ہنس دیا۔ "تم آئی۔ جی صاحب کے بارے میں پڑھ چکی ہو' یقیناً اسی سبب پریشان ہو۔"

"ہاں..... ہاں..... شبی! اب اس کیس کا کیا ہو گا؟"

"کیا ہونا ہے؟ ایس۔ پی اورنگ زیب ایک فرض شناس آفیسر ہیں اور یہ کیس ان ہی کے سپرد ہے۔" شبیر تو بالکل مطمئن تھا۔

"مگر..... احمد ابراہیم صاحب۔"

"گوری! سندھ میں ان کی ضرورت یہاں سے زیادہ ہے۔"

"وہاں بھی شر پسند عناصر کو ان کی تقرری پسند نہ آئی تو۔"

"تو ملک خدا تنگ نیست۔" شبیر ہنس دیا۔

"ویسے گوری! شر پسند عناصر اور آئی۔ جی صاحب کا آپس میں کیا تعلق ہے۔" وہ ذرا تحیر سے چونکا۔

"چند دن پہلے چارج سنبھالا ہے انہوں نے' اتنی جلد ٹرانسفر بے وجہ تو نہیں ہو جایا کرتے۔ آخر کسی نے۔"

"گوری! وہ انتظامیہ کے اعلیٰ ترین افسر ہیں' کسی پرائمری اسکول کے ماسٹر نہیں۔ چند دن تو کیا چند گھنٹوں میں بھی ٹرانسفر ہو سکتا ہے۔" اس نے سمجھانے کا انداز اختیار کیا۔

"پرائمری اسکول کے ماسٹر سے لوگوں کو اتنی شکایات نہیں ہوتیں شبیر! جتنی عوام الناس کو ایک فرض شناس اعلیٰ

افسر سے ہو سکتی ہیں۔ یہ ٹرانسفر ان لوگوں کی سازش بھی تو ہو سکتا ہے جو معاشرے میں کسی صورت امن کی شکل نہیں دیکھ سکتے۔"

"او ڈونٹ وری گوہر۔ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ کیا اوقات ہے ان کی۔ کیا سمجھتی ہو تم۔ اعلیٰ عہدیدار کوئی کم ہیں یا کٹھ پتلی ہیں جو ان کے ہاتھوں میں کھیل سکتے ہیں۔ ہر گز نہیں اور انصاف پسندی صرف ایک انسان پر کیوں موقوف کی جائے۔ ہو سکتا ہے آنے والے آئی۔ جی احمد ابراہیم صاحب سے بھی زیادہ فرض شناس ہوں میں تو ایک ہی بات جانتا ہوں' سچ کو ہمیشہ سچ ہی ملا کرتا ہے۔" اس کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ تمہاری بھول ہو۔ اگر سچ کو سچ ہی ملا کرتا تو معاشرے میں اتنے دکھ درد نہ ہوتے اتنی غم ناک کہانیاں نہ ہوتیں۔" گوہر نے دلیل دی۔

"یہ غم ناک کہانیاں ہماری بزدلی سے' کم ہمتی سے جنم لیتی ہیں۔ سچ سے نہیں۔ یہ دنیا جس ڈگر پر چل نکلی۔ اس کے کالے قوانین نے ظالم کو ظالم ترین اور مظلوم کو مظلوم ترین بنا دیا ہے۔ لیکن سچائی' بہادری اور جرات مند کے سہارے ہم ان کالے قانون سے نجات پا سکتے ہیں۔ سچ کے ذریعے سچ کو پا سکتے ہیں۔"

"سچ کانٹوں بھری راہ ہے۔۔۔۔۔ شبیر اس پر چل کر دکھ' اذیت اور محرومی ملتی ہے خوشی نہیں۔" گوہر خوف زدہ تھی شاید۔

"بالکل غلط۔ یہ نہیں کہ سچ کانٹوں بھری راہ نہیں۔ بلکہ یہ کہ سچ کی پاسداری میں جو دکھ' اذیت اور محرومی ہے۔ وہ ایک الوہی اور ابدی سکون کی مظہر ہوتی ہے۔ الوہی سکون ضمیر کے اطمینان میں ہے اور ضمیر کبھی جھوٹ اطمینان نہیں پاتا۔ فریب اسے خوشی عطا نہیں کر سکتے۔ گوہر! تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ شبیر کی بہادری اور جرأت پر۔ تم دیکھنا۔۔۔۔۔۔۔ ایک دن ہماری اس خوب صورت دنیا کا جسے ہم پاکستان کہتے ہیں۔ پورا نظام بدل کر جائے گا۔"

"ایک دو آدمی کیا کر سکتے ہیں۔ کیا کر سکیں گے ایک دو آدمی؟"

"کاش! تم نے ہاسپٹل میں بے چین و بے قرار بکھرے طلباء و طالبات کا ہجوم دیکھا ہوتا گوہر۔"

"کسی ناخوشگوار حادثے پر ہجوم کا اکٹھا ہو جانا اور بات ہے اور کسی مہم میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا اور بات۔"

"ہر انسان کے پاس ایک عدد دل اور ایک عدد دماغ ہوتا ہے اور ہر دل اور ہر دماغ اپنی جگہ خاصے اہم ہوتے ہیں۔ ان ہجوموں میں موجود سادے انسانوں کے پاس کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہوتا ہے لیکن پروگرام نہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔"

"شبیر! تم انسانوں کی سوچ' ان کے دل و دماغ کے بارے میں کچھ زیادہ پرامید نہیں ہو؟"

"یعنی میں یہ سچ مان لوں کہ اچھی باتیں صرف کتابوں میں لکھنے اور پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ صفحات کا حسن ہو جاتی ہیں اور عملی زندگی میں اچھی باتوں کی نہ جگہ ہوتی ہے نہ گنجائش۔ نہیں گوری! ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں مدتوں سے بنے' مدتوں سے چلتے اس نظام کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں اپنے فرائض کو پہچاننا ہوگا۔ ہمیں "کچھ دو" کے اصول پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ ہمیں اذہان سے یہ بات نکالنا ہوگی کہ "کچھ نہ دو اور سب چھین لو۔"

"کون مانے گا تمہاری بات۔ کون دے گا تمہارا ساتھ۔ یہاں تو "لے نہ سکتے پر چھین لینے کا رواج ہے۔"

شبیر مسکرا دیا۔ "چھین جھپٹ کی نوبت ہی کب آئے گی جب ہر شخص اپنی اپنی جگہ از خود دینے کو تیار ہوگا۔"

گوہر کے ذہن میں ماموں واسعی کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ اس کے خطرناک عزائم کا ڈر اسے اندر ہی اندر

کھائے جا رہا تھا۔

"بعض لوگوں کی لغت میں دینے کا لفظ ہوتا ہی نہیں شبیر! اور لینا وہ اپنا پیدائشی اور خاندانی حق سمجھتے ہیں۔"

"ایسے چند لوگوں کو راہ راست پر لا کر معاشرے کے سدھار کے کام کی ٹھوس بنیاد ڈالی جا سکتی ہے۔" شبیر گوہر کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

"اور یہ چند لوگ ٹھیک ہونے کے ہر گز نہیں ہیں۔ جانے کب سے انسانوں کے ناخدا بنے بیٹھے ہیں۔ حقوق غصب کر رہے ہیں اور چھین رہے ہیں۔"

"اپنی بات۔۔۔۔۔ تمہاری مایوس کن باتیں' تمہارا تلخ مشاہدہ مجھے میرے مشن سے دور نہیں [illegible]"

فون کی گھنٹی بجنے لگی تو دونوں خاموش ہو گئے۔ گوہر کا دل دھڑکا۔ یقیناً لائن پر ہارون [illegible] اس نے لپک کر دوسری گھنٹی بجنے سے قبل ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔!" شبیر اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھنے لگا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔ جمال احمد بول رہا ہوں۔"

"جمال احمد۔" گوہر کا چہرہ سوال بننے ہی لگا تھا کہ شبیر نے اس سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔ شبیر بول رہا ہوں ڈیڈی۔"

"شبیر بیٹے۔ کیسے ہو۔ دو دنوں سے ٹرائی کر رہے تھے نمبر ہی نہیں مل پا رہا تھا۔ لو اپنی ممی سے بات [illegible] اداس ہیں تمہارے لیے۔ پھر اس واقعے کی وجہ سے تو از حد پریشان ہو گئیں۔"

"ہیلو۔۔۔۔۔ ہیلو ممی! کیا حال ہے آپ کا۔" شبیر کے چہرے پر دنیا جہاں کا سکون اور مسرت [illegible] مسلسل اس کا چہرہ تکے جا رہی تھی اور وہ اس سے بالکل بے نیاز تھا۔

"او پیارے بیٹے! تم خیریت سے ہو نا۔ ٹھیک ٹھاک ہو نا۔ شبیر! شمی جان مجھے سچ سچ بتانا۔ میں [illegible] رہی ہوں' تمہارا خیال' تمہاری سدرہ آپا کی بجھتی آنے والی بیماری دونوں ہی میرے لیے [illegible] تھے۔"

"ممی ہیلو ممی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک۔ لیکن ممی! پریشان ضرور ہوں' میری جان [illegible] لڑکے موت و حیات کی کشمکش سے دو چار ہو گئے۔ یہ تکلیف بھی میری اپنی تکلیف ہے۔ [illegible] صحت نہ ہوں۔ میرا دل بے چین رہے گا۔"

"تمہارے ڈیڈی نے ارباب اختیار سے بات کی ہے۔ انشاء اللہ شر پسند لڑکے پکڑے جائیں گے۔"

"سدرہ آپا کیسی ہیں؟"

"کیا بتاؤں شمی! وہ مسلسل بے ہوش ہے۔ تمہارے ڈیڈی مجھے تسلیاں دیتے ہیں کہ یہ سب [illegible] عارضی ہے لیکن میرا دل ہول کھاتا ہے۔ کیا خبر یہ لوگ مجھے بہلا وا دے رہے ہوں۔ وہ بھی ٹھیک ہی [illegible]"

"خدا اپنا کرم کرے گا ممی! آپ مایوس نہ ہوں۔ نیک امید رکھیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا [illegible] صحت سے وطن واپس آ جائیں گے۔"

"شمی!"

"جی ممی!"

"شمی! تمہارے ڈیڈی مجھے آج تک ایک کم فہم نادان عورت ہی سمجھتے ہیں۔"

''نہیں ممی! ایسا نہیں ہے۔ وہ آپ سے مذاق کرتے ہوں گے درحقیقت جو کچھ سمجھتے ہیں اس کی مجھے خبر ہے۔''

''خیر، وہ کچھ بھی سمجھتے رہیں۔ اولاد کے لیے ماں ایک معتبر قسم کی شے ہوتی ہے اور ماں کی بات اولاد کے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔''

''آف کورس آپ حکم کریں ممی۔''

''شمی! غصہ اور انتقام کے جذبے آگ کا سمندر ہیں اور آگ ہر شے کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے نرم دلی بردباری عفو و درگزر انسان کی عظمت کے مظہر ہیں۔ انسان جتنی بڑی ذمہ داری کے لیے چنا جائے۔ اتنا بڑا ظرف اور حوصلہ بھی اس کے پاس ہو۔ ذات کے دشمنوں کو معاف کر دینا پیغمبروں اور ولیوں کا وصف تھا شمی اور ہم لوگ ان عظیم ہستیوں کے نقش قدم پر چل کر فلاح کی راہ پا سکتے ہیں۔''

شبیر ان کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔

''ممی! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔''

''وہی کچھ جو ایک مسلمان ماں اپنے جری اور بہادر اور نیک بیٹے کو کہہ سکتی ہے۔ بدی کو بدی سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں مگر نیکی سے' کم ظرفی کا مقابلہ کرنے کے لیے بلند ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے شمی۔ تم ہزاروں طالب علموں کے لیڈر ہو۔ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا۔ طلبا کو بدلے کی آگ میں مت جھونک دینا۔ جو منشور عدی نے پڑھ کر سنایا تھا اس پر حرف بہ حرف عمل کرنا۔ خدا کے سوا کسی کے آگے جھک جانا مجھے پسند نہیں' لیکن عجز و انکساری کا مظاہرہ کر کے مقابل کو اپنا گرویدہ کر لینا اس سے بڑی اور کوئی فتح نہیں۔ ڈاکٹر ہنری تمہیں دعائیں دے رہے تھے اور نصیحت بھی کر رہے تھے کہ دنیا امن کے لیے' محبت و اخوت کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسے بے سکونی' خود غرضی' انتقام اور سنگ دلی کی نذر نہیں ہونا چاہیے۔''

''او۔ کے ممی! بس اتنا کافی ہے۔ میں آپ کی اس تقریر دل پذیر کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ اگر معاشرے کے بگڑے لوگ حسن سلوک سے شرمندہ ہو کر اپنے گھناؤنے عزائم سے تائب ہو سکتے ہیں تو شبیر کو اس کے سوا اور چاہیے بھی کیا۔ آپ بس اپنے شمی کے لیے دعا کیجیے گا کہ وہ آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کے لائق رہے۔ عمل کر سکے۔''

''اچھا شمی! تمہارے ڈیڈی بل بڑھ جانے کے ڈر سے آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ میں تمہیں خط لکھوں گی۔ گوہر کو دعائیں دینا۔ خدا کرے جلد میں اسے دیکھ سکوں۔ خدا حافظ۔''

رابطہ کٹ گیا شبیر نے ریسیور رکھتے ہوئے گوہر کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر کھلے سدا بہار گلابوں کی مہک گوہر بھی محسوس کر رہی تھی۔ شبیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کے ہلکا سا وزن گوہر پر ڈالا۔

''سنا تم نے ممی کیا کہہ رہی تھیں؟''

''ماں اپنے بیٹے کو کوئی غلط درس نہیں دے سکتی۔''

''ہاں گوری۔! وہ مجھے عظمت انساں کی کسی نمایاں منزل تک پہنچا دیکھنا چاہتی ہیں۔ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں ان کی میری ذات سے۔ وہ چاہتی ہیں۔ اس سانحے کے ذمہ دار افراد کو معاف کر کے یونیورسٹی کی فضا میں امن کے قیام کے بنیاد ڈالوں' میں نہیں جانتا یہ مرحلہ کیسے طے ہوگا لیکن میں آج اپنے وی۔ سی صاحب سے بات کروں گا۔ میں اپنی اتنی اچھی ممی کی بات کا مان رکھوں گا۔ شاید شرمندگی کو وہ سب سے بڑا انتقام تصور کریں اور آئندہ ایسا کوئی سانحہ رونما ہو سکے۔''

گوہر چپ چاپ اسے تکتی رہی۔

''یہ تم گھور گھور کر کیا دیکھ رہی ہو۔ میں نے کوئی ناقابل فہم بات تو نہیں کی۔''

''نن نہیں۔ نہیں شبیر۔ میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔''

''کیا......؟''

''معاف کر دینا..... پرانے زمانے کا دستور تھا۔ اب معاف کر دینا بزدلی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔''

''میں تم سے زیادہ انا پرست ہوں گوری! لیکن انا کی دیواروں میں قید ہو کر بسا اوقات آدمی اپنے آپ سے بھی بچھڑ جاتا ہے۔ میں اب میرا نہیں ان لوگوں کا ہوں۔ جنہوں نے مجھے اپنی حمایت اور اعتماد سے نوازا ہے۔ وہ جو بھی ہیں میری ذات کے دشمن ہیں۔ ذات کی خاطر میں اجتماع کو آگ کے سمندر میں کیوں جھونک دوں۔ ایثار کیوں نہ کروں۔ امن کی خاطر اپنے انتقامی جذبوں کو مار کر ایک حقیقی لیڈر ہونے کا ثبوت کیوں نہ دوں۔ یہ بہت ضروری ہے ایسا کرنا ہوگا اور تمہیں چاہیے کہ تم میرا حوصلہ بڑھاؤ۔''

''وش یو بیسٹ آف یور لک شبیر۔'' دل کی بات پھر گوہر کے دل میں ہی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

''ہلال۔'' کے وسیع ہال کی ایک نسبتاً کونے والی میز پر مقابل کے حسن کی برق پاشیوں سے اپنا خرمن دل جلتا محسوس کر کے بھی وہ فرحان و شاداں تھا۔

''آپ کے لیے تو جاں بھی ایک حقیر نذرانے کے طور پر حاضر ہے اور جاں سے بڑھ کے اس دنیا میں کوئی چیز قیمتی نہیں مس نوشی۔''

وہ کافرانہ ادا سے مسکرائی۔ بالوں کو اپنی مومی انگلیوں سے سنوارا اور میز کی سطح کو زیر لب مسکراہٹ سمیت بغور دیکھنے لگی۔ پھر اچانک اس نے نظریں اٹھائیں اور اس کے چہرے پہ جما دیں۔

''آپ جانتے ہیں میرا تعلق۔''

''میں جانتا ہوں آپ کا تعلق اس علاقے سے تھا جہاں دن اور رات میں کوئی خاص فرق نہیں۔ راتیں دنوں سے زیادہ روشن ہوتی ہیں اور کاروبار بھی۔''

''نہیں۔ میں راتوں کو ان کی مصنوعی روشنیوں کا لعنت سمجھتی ہوں۔ میں نے چھٹکارا ہی تو چاہا تھا۔''

''آپ کو..... آپ کو واقعی اس ماحول سے نفرت ہے۔''

''جہاں رہ کر آدمی کا دم گھٹتا ہو۔ سانس بمشکل آتی جاتی ہو وہاں سے آدمی کو یقیناً نفرت ہی ہوتی ہوگی۔''

''بھلا ہم آپ کو ایسی جگہ رکھ سکتے ہیں مس نوشی' جہاں آپ کا خدانخواستہ دم گھٹ جائے اور سانس بمشکل آئیں جائیں۔ ہمارا دل ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ سہولت کے ساتھ رہ سکتی ہیں۔''

''مجھے کسی دل میں رہنے کا ارمان نہیں ہے۔ مجھے تو زندگی کو آلودگیوں سے بچانا ہے۔''

''میں آپ کو صاف ستھری زندگی کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔ مجھے آپ سے آپ کی اسی بات کی وجہ سے ہی تو پیار ہے مس نوشی۔ یقین کریں میں آپ سے امپریس ہوں۔ آپ میں حوصلہ ہے' جرات ہے۔ آپ میں حالات کا رخ بدلنے کی طاقت ہے۔ آپ روایات کی پابند نہیں ہیں۔ روایات بدلنے کا ڈھنگ جانتی ہیں۔ میں ایک مرد ہوں۔ آزاد معاشرے کا مرد۔ مجھے فخر ہوگا آپ کو سہارا دے کر آپ کے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کا ساتھ دے کر۔ میں تیار ہوں' میرا ہاتھ تھام لیجیے۔ یہ ہاتھ آپ کو دغا نہیں دے گا۔''

"نہیں۔ نہیں' آپ ایک اچھے دوست ہو سکتے ہیں اور بس۔ میرے عزائم کچھ بھی ہوں انہیں میں اپنی قوت کے ساتھ پورا کروں گی مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن مجھے آپ کی ضرورت ہے مس نوشی۔"

"زندگی میں ہر شخص کی ضرورت بن کر نہیں جیا سکتا۔ اگر ایسا منظور ہوتا تو وہ جگہ کیا بری تھی میرے لیے۔ یہ لبادہ اوڑھنے کی کیا ضرورت تھی مجھے۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں آپ کا ہاتھ پوری عمر کے لیے تھامنا چاہتا ہوں' آپ نے مجھے اپیل کیا ہے مس نوشی۔"

"ایسے الفاظ ہر دوسرے شخص کی زبانی سن سن کر اعتماد ہی باقی نہیں رہا۔"

"آپ کو میرے بارے میں کسی نے بتایا نہیں شاید میں اپنے قول کا پکا انسان ہوں۔"

"دیکھیں گے وقت آپ کو کیا ثابت کرتا ہے۔"

"او تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ۔ گویا آپ اس خاکسار کو آزمانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

وہ ہنس دی۔

"دھوکے کسی امید میں ہی کھائے جاتے ہیں۔ ناامیدی کے ساتھ نہیں۔"

"بالکل درست کہا آپ نے۔ اور نیک امیدوں کے انعام نیک ہوا کرتے ہیں۔"

"بے شک...... ویسے ایک بات پوچھوں۔"

"جی ضرور پوچھیے۔"

"لڑکیاں آپ سے خوف کیوں کھاتی ہیں؟ جب کہ آپ بظاہر خوف کھائے جانے والی چیز نہیں ہیں۔" وہ بے اختیار ہنسا۔

"کور ذوق ہیں وہ ساری کی ساری۔ دراصل مس نوشی۔ ان میں مجھے فالو کرنے کی حس ہی نہیں' آئی مین وہ مجھے سمجھ ہی نہیں سکتیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی صاف سی بات ہے' میں کسی کی ذات میں اس حد تک انٹرسٹڈ نہیں ہوا' کبھی کہ اسے جان کا روگ بنا لوں' ساتھ گھومنے' اچھی اچھی باتیں کرنے کھانے پینے اور گاہے گاہے خیر خیریت پوچھ لینے پر اگر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اسے لائف پارٹنر چن لیا ہے تو یہ حماقت میری نہیں اسی کی ہوگی اور پھر ایک سچے کی بات آپ کو بتاؤں' مرد کو آسانی سے ہاتھ لگ جانے والی لڑکی کبھی اپیل نہیں کرتی۔"

"آپ لڑکی کی نفسیات نہیں سمجھ سکتے۔"

"لڑکی کی نفسیات۔ ہونہہ لڑکی کی نفسیات یہی ہے نا کہ وہ شادی کے لیے کسی الو کی دم کو پھنسا لے۔ جو اسے معاشی' معاشرتی اور سماجی تحفظ دے سکے۔ اپنی دولت اس کی بے لگام خواہشوں پر بے دریغ لٹاتا چلا جائے۔ اور اس الو کی دم کی خوشیاں اور غم اس لڑکی کے اشارۂ ابرو کے تابع ہو جائیں۔"

"معاف کیجیے مس نوشی میں کسی ایسی لڑکی کی خواہشات کی تکمیل کے لیے قربانی کا بکرا نہیں بن سکتا۔"

"معاف کیجیے' پھر تو آپ کسی بھی موڑ پر میرے بارے میں ایسے احساسات۔"

"اوہ نو مس نوشی۔ آپ کو کیا خبر آپ کیا ہیں۔ آپ میرے دل میں اس وقت سے موجود ہیں جب میں نے

پہلی بار آپ کو یونیورسٹی کے احاطے میں دیکھا۔ آپ کا حسن' آپ کی تمکنت' آپ کا وقار' آپ کے رویے۔ ان سب نے مجھے چونکا دیا۔ بخدا پوری جامعہ میں آپ جیسی طرحدار لڑکی اور کوئی نہیں پائی گاڈ آپ کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نوشی اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔

"میں اپنے خاندان میں سب سے مختلف ہوں۔ اپنے ارادوں اور ہٹ کا پکا۔"

"کون سی ہٹ میں یا لک ہٹ یا راج ہٹ؟"

"دونوں ہی۔" وہ خوش دلی سے مسکرایا بلکہ ہنس دیا۔

"میرے فیصلے کی آہنی دیواروں سے ٹکرا کر کوئی مر تو سکتا ہے' مجھے بدل نہیں سکتا۔"

"بہت خوب۔ مجھے بھی ایسے ہی لوگ انسپائر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی میں کچھ کر سکنے کے اہل ہوتے ہیں۔" وہ پرخیال انداز میں مسکرا دی۔

"واقعی۔ جیسے میں...... ایک طویل مدت بعد آپ کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"آپ غلطی کر رہے ہیں' یہ پانا نہیں صرف مل لینا ہے۔ ابھی تو میں نے آپ سے صرف بات کی ہے آپ کے دل میں اتر کر نہیں دیکھا۔ آپ مجھ پر کھلے نہیں۔ میرا تعلق بے شک تاریک دنیا سے ہے جہاں روشنی کی کوئی کرن پہنچ بھی جائے تو اجالا بکھیرنے میں ناکام رہتی ہے۔ لیکن درون دل میں جو کچھ ہوں اسے صرف میں جانتی ہوں بس' اچھے انسان کی طرح ہر اچھائی پر میرا دل خوش اور ہر برائی پر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔"

"چلیے' مجھے دیکھ کر' مجھ سے مل کر آپ نے کیا محسوس کیا؟"

"آپ۔ آپ کو دیکھ کر...... نہ رنجیدہ ہوئی ہوں نہ خوش۔ کیونکہ مجھے خبر ہی نہیں کہ آپ اچھے ہیں یا برے۔" وہ پھر ہنس دیا۔

"آپ کی صاف گوئی بھی بہت اچھی لگی۔"

"تھینکس۔" اس نے اپنی رسٹ واچ کو بے مقصد سیدھا کیا۔

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھے آزمانے اور جاننے کی خاطر ہی سہی مجھ سے پھر ملیں گی ضرور۔"

"جی ہاں' ضرور' اور یقین جانیے صرف ساتھ گھومنے' کھانے پینے' اچھی اچھی باتیں کرنے اور پھر کبھی کبھار راہ چلتے خیر خیریت دریافت کرنے کے لیے۔ آپ کو پھانسنے کے لیے ہرگز نہیں۔" اس نے چوٹ کی۔

"اوہ مس نوشی! آپ کی بذلہ سنجی بھی کمال کی ہے۔ تعریف آپ کی ذہانت کا حق ہے۔"

"تعریف کے لائق تو وہ ہے جس نے آپ کو' مجھے' ہماری ذہانتوں کو پیدا کیا۔ میں اور آپ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔"

وہ صرف مسکرایا۔

"پھر کب مل رہی ہیں؟"

"جب آپ ملنا چاہیں۔"

"میں کہوں کہ کل ہی۔ تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟"

"موسٹ ویلکم۔"

"او کے۔ میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہیے۔"

"جی ہاں کافی دیر ہو گئی ہے۔"

دونوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہال کے دروازے کی طرف بڑھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یونیورسٹی کے احاطے میں اس لڑکی کے حسن کی واقعی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ سارے لڑکے اس کی ایک نگاہ کرم کے منتظر رہتے تھے۔ لیکن وہ تنی تنی گردن کے اوپر سجے خوبصورت چہرے پر دنیا جہاں کی بے نیازی سجائے آتی' کلاسز اٹینڈ کرتی اور چلی جاتی۔ اس کا اصل نام نوشابہ ناز تھا۔ لیکن وہ نوشی کے نام سے مشہور تھی۔ یونیورسٹی ہی کیا شہر بھر میں۔ اس حسن خداداد کی بدولت وہ ہر ایک کی نگاہ میں تھی۔ بور تروا حلقے میں وہ ایک مرحوم بزنس مین کی بیٹی کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی تھی۔ جو اس سے قبل کسی مغربی ملک میں رہائش پذیر تھی۔ سوسائٹی میں عالی شان گھر نوکروں کی ایک طویل قطار۔ رہن سہن کا منفرد انداز سب ہی یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ واقعی کسی امیر ترین ہستی کی بیٹی ہے۔ اپنے بزنس و جائیداد کے معاملے میں انتہائی خود مختار۔

ایک ضعیف العمر خاتون کی ہمراہی میں وہ اپنے عالی شان گھر میں رہتی تھی اور اس خاتون کو وہ نانو کہہ کر پکارتی تھی۔ دراصل اس کی نانو اپنے وقت کی مشہور مغنیہ تھی۔ اس کا تعلق اسی بازار سے تھا جہاں ایک وقت میں نواب' امراء اور معززین مقابلے کی دوڑ جیت جانے کے لیے اک تواتر سے جایا کرتے تھے۔ نانو کی جوانی ایک قیامت تھی جو ہزاروں دلوں پر ایک ساتھ ٹوٹی تھی۔ لیکن اس قیامت کی ہنگامہ خیزی ریاست عظیم پور کے نواب فخر زمان کے حصے میں آئی۔

بے چارے نواب فخر زمان جتنے بھی آزاد منش ہوتے دنیاوی رسم و رواج کے پابند ضرور تھے انہوں نے نانو کی بھاری قیمت ادا کر کے اس کے حسن و جوانی اور آواز کو خرید کر اپنی خاطر وقف تو کر لیا۔ لیکن اسے بیوی بنا کر علی الاعلان اپنے محلوں میں نہ لے جا سکے۔ دوسرے شہر کے گمنام علاقے میں ایک گھر خرید کر نانو کو وہیں آباد کر دیا۔ جب اس کی یاد ستاتی سیر و شکار کے بہانے محل چھوڑ کر چلے آتے۔ معمول جاری رہا یہاں تک کہ جوانی نے بڑھاپے کی دہلیز پار کر لی۔

گلناز نانو کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بڑے ناز و نعم میں پلی بڑھی۔ نواب فخر زمان کے دل کا چین۔ ماں کا حسن باپ کی خاندانیت اور وقار اس کے چہرے کی رونق تھے۔ گھریلو عورت بن کر نانو پچھلی زندگی بھول چکی تھیں۔ بیٹی تو خالص مشرقی لڑکی تھی۔ زنانہ کالج سے بی اے کرنے کے بعد شب و روز ادبی کتب کی دنیا میں گم رہتی تھی۔

نواب فخر زمان کے بڑے بھائی نواب بشر زمان کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑے حیدر زمان انگلینڈ سے قانون کی تعلیم پوری کر کے لوٹے۔ تو گھر بھر ان کی شادی کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ خاندان کی لڑکیاں ان کے آگے کئی بار شو پیس کی طرح سجائی گئی تھیں۔ لیکن کوئی ان کے من کو نہ بھائی تھی۔ اپنے چچا نواب فخر زمان کی طرح وہ بھی سیر و تفریح اور شکار کے شائق تھے۔ اس دن جب انہوں نے سنا کہ نواب فخر کے شکار پر جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ چچا کے سر ہو گئے۔ اب نواب صاحب کو نہ انکار کی ہمت نہ ساتھ لے جانے کی جرات' بڑی مشکل سے انہوں نے حیدر زمان کو ٹالا۔ بلکہ ایک بہت ضروری کام ان کے ذمے لگا کر انہیں صوبائی دارالحکومت روانہ ہونے کو کہا۔ بے چارے حیدر فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے پہلے سدھار گئے۔ تو نواب فخر زمان نے سکھ کی سانس لی۔ اور بیوی اور بیٹی سے ملنے چل دیے۔ کیونکہ حیدر زمان کے آنے پر ان کے پروگرام اور معمول میں خاصا رخنہ پڑا تھا۔

گلناز تو اپنے بابا سے ملنے انہیں دیکھنے کو بے چین تھی۔ وہ پہنچے تو گلے لگ کر دھواں دھار روئی۔ بے چارے

نواب فخر زمان پہروں اسے مناتے پھرے۔ انہیں خود بھی اپنی بیوی اور بچیوں کی محرومیوں کا زبردست احساس تھا۔ گلناز کی والدہ کی بس ایک خطا تھی کہ وہ ایک بدنام علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن جب سے اس نے نواب فخر زمان کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ ایک کامل عورت ہونے کا پل پل ثبوت دیا تھا۔ پھر بیٹی تو شرم و حیا اور صبر و رضا کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

جدائی کے دنوں کی تلافی کرنے کے لیے بیٹھے بٹھائے انہیں تفریح کے لیے لے جانے کا پروگرام بنا لیا۔ پھرتے پھراتے چند روز کے لیے مری جا پہنچے۔

اور ایک دن جب وہ گلناز کے ہمراہ مال روڈ پر کچھ خریداری کرنے میں مگن تھے۔ حیدر زمان کی آواز پر دو وقت اوپر اچھلے۔

''آہا چاچو جانی!''

گلناز نے بھی حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ وہ اس کے بابا کے ہم شکل تھے۔

''یہ...... یہ کون ہیں بابا جانی......'' وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔

''بابا جانی۔'' حیدر زمان نے حیران ہو کر اس کے الفاظ دہرائے تو نواب فخر زمان کا رنگ فق ہو گیا۔ خریداری وہیں چھوڑ کر وہ باہر کو لپکے تو حیدر زمان اور گلناز ان کے پیچھے چلے آئے۔ نواب فخر زمان ان سے کئی قدم آگے تھے۔

''کون ہیں آپ؟''

''اپنے بابا کی بیٹی ہوں اور کون؟ مگر آپ......''

''میں اپنے چاچو جان کا بیٹا ہوں اور کون؟ میں تو میں ہوں یہ ساری دنیا کو خبر ہے مگر آپ ان کی بیٹی۔ کیا دیکھتے نہ دیکھتے اگ آئی ہیں۔''

گلناز کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''جی نہیں جیسے ساری بیٹیاں ہوتی ہیں ویسی ہی ہوں۔''

''جی نہیں مان رہا۔''

''آپ یہ سوال و جواب ان ہی سے کیجیے۔'' وہ تنک کر آگے بڑھ گئی۔

حیدر ان دونوں کے تعاقب میں چلے اور ان تک پہنچ ہی گئے۔ چھپائے چارہ نہ تھا۔ نواب فخر زمان نے ہوٹل لے جا کر ان دونوں سے تعارف کرا دیا بلکہ پورا احوال کہہ سنایا۔ حیدر زمان تو پہلی نظر میں گلناز کو دل دے بیٹھے تھے۔ اپنی التجا پل بھر میں اپنے چاچو کے حضور پیش کر دی اور آنے والے طوفانوں کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اٹھانے کا وعدہ کر لیا اور پھر ہزاروں طوفانوں سے لڑ کر انہوں نے خاندان بھر کو مجبور کر دیا کہ وہ گلناز سے ان کی شادی میں بھرپور خوشیوں سمیت شریک ہوں۔

شادی ہو گئی۔ خوشیوں سمیت اور بڑی ٹھاٹھ سے ہوئی۔ لیکن شادی کے بعد گلناز کو گھر میں وہ مقام نہ ملا جو اس گھر کی بڑی بہو کا حق تھا۔ نواب فخر زمان پورے خاندان کے آگے چور سے بن کر رہ گئے۔ گلناز کی زندگی اجیرن کرنے میں اس کی سوتیلی ماں کا بڑا ہاتھ تھا۔ گلناز کو سب لوگ ایسی نگاہ سے دیکھنے لگے گویا وہ نواب فخر زمان کی بیٹی نہ ہو بلکہ کوٹھے سے آنے والی کوئی پیشہ ور طوائف ہو۔ چھوٹے بڑے سب اس سے در پردہ نفرت کرتے اور حیدر زمان کے سامنے نقلی محبت کا اظہار کرتے۔ گلناز کو حیدر زمان کی محبت کی جولانیاں روحانی سکون نہ دے سکیں

طعن و تشنیع کی نوکیلی چھریوں نے دل میں اتر اتر کر اس کا دل ریزہ ریزہ کر دیا۔ کبھی وہ دعائیں مانگا کرتی تھی دن رات اپنے بابا جانی کے ساتھ رہنے کی۔ لیکن دعا مستجاب ہوئی تو عذاب بن گئی وہ بھی اپنے نند ہے۔

کئی دنوں بعد سب کی آنکھ بچا کر وہ اس کے کمرے کی طرف نکل آتے۔ لحظہ دو لحظہ اس کے پاس ٹکتے اور چلے جاتے۔ ماں کے لیے وہ کتنی اداس ہو گئی تھی۔ لیکن ماں کو اس گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ بس حیدر کبھی کبھار اسے پلی دو پل کو لے جاتے اور ملوا کر واپس لے آتے۔ "طوائف" یہ نام ایک تنجر بن گیا۔ جو ہر طرف اٹھتا اور اس کے سینے میں پیوست ہو جاتا۔ حیدر کی محبت اتنے سارے زخموں کا مرہم و مداوا نہ بن سکی۔ گلناز جسے دیکھ کر پھول بھی شرما جایا کرتے تھے۔ حزن رسیدہ برگ بن کر رہ گئی۔ ان ہی دنوں میں سے ایک دن جب وہ ایک وجود کو جنم دینے چلی تھی۔ حیدر زماں اسے ڈاکٹر کو دکھا کر واپس لا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے حیدر زمان کو تنبیہہ کی تھی۔

"آپ کیسے شوہر ہیں نواب زادہ۔ اپنی وائف کی صحت کا آپ کو خیال ہی نہیں انہیں محبت اور ہمدردی کی ضرورت ہے اچھی خوراک اور سیر و تفریح کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے۔ کہ....."

ادھورے فقرے کا مطلب حیدر زمان کی سمجھ میں آ گیا۔

راستے میں اپنے قریب بیٹھی گلناز سے وہ مخاطب ہوئے۔

"گل! تم نے اپنا آپ آئینے میں دیکھا۔"

وہ خاموش رہی۔

"گل سنتے بڑیوں کے ڈھانچے سے پیار نہیں کیا تھا۔"

"مجھے اسی ہنستی مسکراتی، حسین ترین گلناز کی ضرورت ہے۔" اس نے بغور انہیں دیکھا۔

"گل! کیا میری محبت میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ کیا میرے بے کراں جذبے تمہارے سکون کے لیے ناکافی رہے ہیں۔"

اس نے حیدر کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ کئی آنسو لڑھکتے ہوئے ان کے لباس میں جگہ جگہ جذب ہو گئے۔ وہ کیا کہتی کیا بتاتی۔ محبت دینے والا ایک تھا۔ اور نفرت کے تیر جگر میں اتارنے والے بے شمار۔ اس میں ان سب کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی خاموش رہی۔ اسی خاموشی میں ہی ایک کمزور سی بیٹی کو جنم دے کر وہ دنیا چھوڑ گئی۔ حیدر کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ انہوں نے سر دیواروں سے ٹکرا دیا۔ اس دن نانو پہلی بار اس محل میں آئیں۔ بیٹی کا آخری دیدار کرنے کے لیے انہوں نے تڑپتے سسکتے حیدر کی پیشانی چوم لی انہیں سینے سے لگا لیا۔ جی بھر کے روئیں اور جاتے جاتے چند کاغذ ان کی مٹھی میں تھما دیے۔

غم کی پہلی طویل رات جو انگاروں اور کانٹوں سے سجے بستر پر گزرنے والی تھی حیدر گلناز کا خط پڑھ کے حیران رہ گئے۔ اسے تو ان کے پیاروں نے مار دیا تھا۔ نفرتوں کے زہر دے کر۔ طنز و تشنیع کی بارشیں کر کر کے اس نے اپنے طویل خط میں ایک جگہ لکھا تھا۔

"پیاری امو جانی۔ اگر آپ سچ مچ طوائف بھی تھیں نا تب بھی میرا دل آپ کی عظمت کو سجدے کرتا ہے۔ امو! یہ سب مل کر مجھے مار ڈالیں گے۔ ان کی نگاہوں میں اتنی حقارت ہوتی ہے میرا جی چاہتا ہے میں ان نظروں کا سامنا کرنے سے پہلے مر جاؤں۔ بابا جانی بے چارے کتنے مجبور ہیں۔ میری طرف آتے ہیں تو شرمندہ میں ہونے لگتی ہوں۔ یوں لگتا ہے یوں محسوس ہونے لگتا ہے گویا میں ان کی بیٹی نہیں ان کے سینے پر پڑا بھاری بوجھ ہوں۔ میں کتنی بدنصیب ہوں امو جان! حیدر کی محبت پر میرا دل شاد کام نہیں ہو سکتا۔ میں ان سے اپنے دل کی بات نہیں کہہ سکتی۔

امو! جب آدمی کسی ماحول میں اپنے آپ کو کمتر محسوس کرنے لگے تو فاصلے درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں۔ حیدر میں اور مجھ میں فاصلہ پیدا ہو گیا ہے جس کی خبر انہیں نہیں ہے۔ کاش یہ فاصلہ نہ ہوتا میں ان سے دل کی باتیں کہہ سکتی ان سے التجا کرتی کہ اس سنگی محل کو چھوڑ دیں جہاں لوگوں کے دل بھی پتھر کے ہیں اور کہیں ایک چھوٹا سا گھر بنا کے رہنے لگیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کہہ سکتی۔ امو! کاش وہ میری زندگی میں نہ آئے ہوتے۔ میں اب بھی آپ کے پاس ہوتی۔ نماز، قرآن اور ادبی کتابوں میں گم رہنے والی لڑکی۔ بابا جانی کو لمبے لمبے محبت نامے لکھنے والی لڑکی۔ امو! انسانوں سے اچھے تو وہ پھول پودے تھے جو میرے راز داں اور دوست تھے۔ میں مسکراتی تھی تو وہ میرا ساتھ دیتے تھے۔ میں بابا جانی کے لیے اداس ہوتی تھی تو وہ بھی سر نیہوڑا لیتے تھے۔ اب نہ وہ میں ہوں نہ میرے ارد گرد وہ ماحول۔ میں مر گئی ہوں امو! روحانی طور پر مر گئی ہوں۔ شاید حیدر کی محبت بھی بہت دن میرے جسم کو سہارا نہ دے سکے۔ امو! میں تو حیدر سے یہ التجا بھی نہیں کر سکتی کہ میں مر جاؤں تو دنیا میں آنے والے میرے بدنصیب بچے کو وہ اس مسموم فضا سے بچا لیں آپ کو دے دیں۔ امو پلیز! یہ التجا آپ کر لیجیے گا۔ انسان کو جینے کے لیے محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ حیدر کے پیار کی نشانی بھی ان مسموم فضاؤں کی نذر ہو جائے۔"

وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ کھو دینے کا احساس بے حد ظالم تھا۔

تیسرے دن وہ اپنی نوزائیدہ بیٹی اس کی نانو کی جھولی میں ڈال آئے......اور آٹھ دس دنوں بعد خود بھی اس گھر کی فضاؤں سے دامن بچا کے واپس انگلینڈ چلے گئے۔ تب سے اب تک نوشابہ اپنی نانو کے ساتھ تھی۔ حیدر کے کہنے پر نانو نے وہ شہر چھوڑ دیا۔ اور لاہور میں رہنے لگیں۔ نوشی اپنی ماں اور باپ کے حسن و وجاہت کا مشترکہ پرتو تھی۔ چھٹیاں گزارنے ہر سال اپنے پاپا کے پاس جایا کرتی۔ جو ایک مشہور بیرسٹر تھے اور تنہا زندگی گزار رہے تھے۔ حیدر نے اپنی ساری محبت بیٹی کے لیے وقف کر دی تھی۔ نانو نے اسے ایک مختلف انداز میں پروان چڑھایا تھا۔ وہ اپنی ماں کی طرح خاموش طبع دبی دبائی لڑکی نہیں تھی۔ نانو نے اپنی کہانی اور حیثیت اس پر واضح کی تھی۔ اس میں جرأت پیدا کی تھی کہ اگر کوئی اسے دیکھ کر یہ یاد دلائے کہ وہ ایک طوائف زادی کی بیٹی ہے تو وہ مارے صدمے کے اپنی جان کے درپے نہ ہو جائے بلکہ زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ نوشی نے اس تربیت کا کچھ زیادہ ہی اثر لیا۔

وہ حد سے زیادہ خود اعتماد تھی۔ خوش مزاجی اس کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ اپنی دوستوں میں وہ اونچے اونچے قہقہے لگاتی، ہنستی، کھیلتی لیکن جونہی اس کا سامنا کسی مرد سے ہوتا اس کے چہرے پر خاموشی ایک وقار سمیت سج جاتی۔ گردن تن جاتی۔ آنکھیں دنیا سے اجنبیت کا مظاہرہ کرنے لگتیں۔ اس نے اپنے دادا یا نانا کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن اسے دادا کی سنگدلی اور نانا کی بزدلی کے حوالے سے دنیا کے مردوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے پاپا بھی تو کم فہم انسان تھے اس کی ماں کو سمجھ ہی نہ سکے۔ اس پر سو جان سے فدا ہوتے ہوئے بھی اسے زندگی کی طرف نہ لا سکے۔ وہ ان سے محبت کرتی تھی مگر صرف اس لحاظ سے کہ انہیں نوشی سے بے پناہ محبت تھی۔ یا یہ کہ اس کی ماں سے جدا ہو کر وہ بھری دنیا میں تنہا زندگی گزار رہے تھے اور بس۔

حسن داستانوں کو جنم دیتا ہے۔ عشق کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اس کا حسن بھی ہنگامہ خیز تھا۔ ابھی وہ لاہور کالج میں ہی تھی

کہ اس کی خوبصورتی کے چرچے پورے شہر میں پھیل گئے تھے۔ لڑکے اس کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر پہروں گیٹ پہ کھڑے رہتے۔ وہ باہر نکلتی اور دلوں پر قدم رکھتی انہیں مسلتی کچلتی گاڑی میں بیٹھ یہ جا وہ جا چلی جاتی۔ خدا نے اسے بے تحاشا حسن کے ساتھ بے تحاشا ذہانت سے بھی نوازا تھا۔ ایف سی میں اس کے حسن کے ہی نہیں ذہانت کے چرچے بھی تھے۔ یہ شہرت شہر گیر ہو گئی جب اس نے بی اے اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اور یونیورسٹی آ گئی۔ پاپا کی خواہش پر اس نے انگلش میں ایم اے کی ٹھان لی۔ پاپا اسے سی ایس پی افسر کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ نوشی کی کلاس میں امتیاز رند بھی تھا۔ اپالو کے مجسمے جیسا خوبرو مرد۔ لاکھوں میں کھیلنے والا۔ نئے ماڈل کی ہنڈا اکارڈ پر یونیورسٹی آتا۔ بیش قیمت لباس زیب تن کرتا۔ ڈیپارٹمنٹ کے سارے لڑکے اور لڑکیاں اس سے مرعوب تھے۔ لیکن نوشی اسے گھاس نہیں ڈالتی تھی۔

اس نے پہلی بار نوشی کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ سیاہ کامدار ساڑھی میں اس کے جسم کا سونا چمک رہا تھا۔ چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ اور سالانہ تقریب کے منظم اجتماع میں وہ اس سے آگے کی رو میں دوستوں کے ساتھ بیٹھی قہقہے لگا رہی تھی۔ دودھیا گردن پر سیاہ بالوں کا جوڑا امتیاز رند کو دیوانہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ رہ نہ سکا۔ اٹھا اور اس کی طرف بڑھا۔

"مس نوشاب ناز......"

نوشی نے نظریں اٹھائیں۔ تھری پیس سیاہ سوٹ میں خوبرو امتیاز رند نگاہوں میں شوق کا جہاں لیے اسے تک رہا تھا۔

نوشی بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں امتیاز رند ہوں۔ یقیناً آپ نے میرا نام......سنا ہوگا۔"

"نہیں سنا تھا تو اب سب کی موجودگی میں سن لیا ہے۔ لہٰذا آئندہ کبھی نہ کہہ سکوں گی کہ یہ نام نہیں سنا۔"

"ہا......ہا......ہا۔" ایک خوب صورت قہقہہ امتیاز رند کے لبوں سے آزاد ہو کر نوشین ناز کے اردگرد پھیل گیا۔

"جیسا سنا تھا ویسا بلکہ اس سے بڑھ کر پایا۔ اپنی بدنصیبی کا احساس ہو رہا ہے۔"

"بدنصیبی!"

"جی ہاں ایک طویل سمسٹر میں نے آپ سے تعارف حاصل کیے بنا گزار دیا۔"

"اچھا تھا وہ سمسٹر جو اس سے ملے بنا گزر گیا۔ بدنصیبی تو اب شروع ہو رہی ہے۔" نوشین کی دوست بولی۔

"کیا مطلب؟" امتیاز رند واقعی حیران تھا۔

"جی ہاں! ملنے کے بعد آپ گئے کام سے۔"

نوشین نے کڑے...... تیوروں سے اپنی دوست کو گھورا۔

"کام سے جانا بھی کام کی بات ہے اور کچھ نہیں تو ایک حسین تصور تو ہمارا ہوگا نا۔"

"اور حسین تصور کے سہارے زندگی کے سارے پل سہولت سے کاٹ لینا عاشقوں کا دل پسند مشغلہ ہے۔" کسی نے ٹکڑا لگایا۔

"معاف کیجیے فرینڈز! میں ان بکھیڑوں سے بہت دور کسی اور ہی دنیا میں رہتی ہوں۔" نوشی نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ڈونٹ وری نو پرابلم۔ لوگ آپ کو ان بکھیڑوں میں لا سکتے ہیں۔ آپ کی اس خیالی دنیا سے نکال کر۔"

"آپ نے ہمیں بیٹھنے کو نہیں کہا۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"گنجائش ہوتی تو ضرور کہتے۔ میرا خیال ہے آپ اپنی سیٹ سنبھال لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو......"

"یہاں نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے نہ یہاں جگہ ملے اور نہ وہاں جگہ رہے۔"

"عقلمند لوگ اپنے مقام پر رک کر خوش نصیبی کا انتظار کرتے ہیں جیسے ہماری نوشی بیگم۔" لڑکیاں ایک پر دوسرا وار کیے چلی جا رہی تھیں۔

"کیوں مس نوشاب! ان کا خیال صحیح ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں! میں نے سنا ہی نہیں۔ میں تو اس فکر میں مبتلا ہوں کہ تقریب کا آغاز کب ہوگا۔" اس نے امتیاز رند کو گویا دوسری نظر میں قابل توجہ سمجھا ہی نہیں۔ وہ تھوڑا سا شرمندہ ہو کر لیکن بظاہر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ واپس اپنی سیٹ پر آ گیا۔ لیکن اس کے تصور میں نوشی کا حسین تر سراپا برابر گردش کرتا رہا۔

پھر تو امتیاز رند نے نوشی کے گرد منڈلاتا رہنا اہم ترین فرض بنا لیا۔ وہ ایم اے فائنل کا طالب علم تھا۔ نوشی کو یونیورسٹی آئے صرف چند ماہ ہوئے تھے۔

پھر دونوں کا ڈیپارٹمنٹ بھی علیحدہ علیحدہ تھا۔ لہٰذا وہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ جانتی تھی نہ اس کی سہیلیاں وہ چلا گیا۔ تقریب شروع ہو گئی۔ رنگا رنگ پروگراموں میں گم ہو کر سب باقی باتیں بھول گئیں لیکن تقریب کے اختتام پر ساری لڑکیاں پھر امتیاز رند کے موضوع پر دلچسپ گفتگو کرنے لگیں۔

"نوشی......وہ پوری دنیا کا ہو نہ ہو یونیورسٹی کا خوبرو ترین نوجوان ہے۔ وہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا تو خدا کی قسم مجھے گمان ہونے لگا کہ کوئی یونانی دیوتا میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔"

"آہ......ظالم کی کیا غضب کی پرسنالٹی ہے۔ پھر لباس کا انتخاب۔ دیکھنے کا انداز او وہ سویٹ نگاہیں تھیں یا

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے"

"کاش وہ مجھے دیکھنے اس اشتیاق سے آیا ہوتا۔ اے کاش۔ لیکن کہاں۔ اپنی ایسی صورت کہاں۔"

"نوشی تیری اور اس کی جوڑی سچ مچ آفتاب و ماہتاب کی جوڑی ہوگی۔ یہ تو ایسے ہی اپنی ٹانگ بیچ میں اڑا رہی ہے۔ نوشی وہ تیری طرف بڑھے تو اسے ٹھکرانا نہیں۔"

"پاگل ہوئی ہو تم سب یار! مجھے کیا پڑی ہے اس کے آگے پیچھے پھرتے پھرنے کی۔"

"تم نہیں، آگے پیچھے تو وہ پھرے گا۔ تم بس تھوڑا سا مسکرا دینا۔ حوصلہ دے دینا۔ یہ نہیں کہ اسے کاٹنے کو دوڑ پڑو۔"

"دیکھی جائے گی، فی الحال تم سب گیٹ کی طرف تشریف لے چلو۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔" اسے گھر جانے کی جلدی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

امتیاز رند نے اسے آنکھوں میں بسا لیا دل میں جگہ دے دی۔ اس کے ہجر میں دنیا سے بیگانہ ہو گیا۔ ہر موڑ پر وہ اس سے ٹکرا جاتا، کینٹین میں مل جاتا۔ لائبریری میں سامنے آ جاتا۔ یہاں تک کہ کسی کام سے اپنے ہیڈ کے آفس تک جانے کا اتفاق ہوتا تو وہ ضرور نظر آتا۔ ایک دن وہ تنہا بغلی لان میں بیٹھی کچھ نوٹس تیار کر رہی تھی کہ وہ آ گیا۔

"نوشی......!" وہ بے دھڑک اس کے قریب گھاس کے فرش پر بیٹھ گیا۔

"نوشی..... آپ کب تک مجھ سے دامن بچاتی رہیں گی۔"

اس نے نظریں اٹھائیں۔ بکھرے بال، بڑھا ہوا شیو۔ شب بیداری کی گواہ آنکھیں۔

"ارے آپ امتیاز رند۔" وہ تھوڑا سا دور ہٹ گئی۔

"آپ کب تک مجھ سے انجان بنی رہیں گی؟ آپ کی بے نیازی کسی کی جان لے لے گی۔"

"معاف کیجیے۔ مجھے کسی کی جان لینے کا کوئی شوق نہیں۔ ویسے آپ جیسے جامہ زیب انسان نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔ نصیب دشمناں یہ سارا جوگ کس سلسلے میں۔"

"آپ کے لیے؟ آپ کی خاطر۔"

"میرے لیے میری خاطر۔ مگر کیوں؟ کس لیے۔"

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔ آپ کی بے نیازی حد سے گزر رہی ہے اور میری بے قراری آپ۔ آپ۔ میری راتوں کی نیند اور دن کا چین چھین لیا ہے۔ ایک حسین ہستی کو اس قدر سنگ دل ہونا زیب نہیں دیتا۔ نوشی! آپ کے پاس نرم و نازک اور حساس دل نہیں ہے جو میرے جذبوں کی آنچ محسوس کر سکے۔ کیا وجہ ہے نوشی آ کیا وجہ؟ کیا کمی ہے مجھ میں۔"

"کمی۔ کیا کمی ہوگی آپ میں، کمی تو مجھ میں ہے، سمجھ کی، فہم کی جو آپ کی ایک خوبرو نوجوان کی۔ حالت نہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مسٹر امتیاز رند! میں ان ایک سو کسی بے وقوف لڑکیوں سے تھوڑی سی مختلف ہوں جو وقتاً فوقتاً آپ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین چھینتی رہی ہیں، میرے پاس دل ہے لیکن کسی ایسے انسان کے جذبوں کی آنچ محسوس کرنے کے لیے جو اپنی ذات میں سچا ہو۔ جس کے جذبے حقیقت کے رنگوں سے مزین ہوں آ۔ میں خلوص کی کمی ہے مسٹر امتیاز رند! خلوص کی کمی۔ لڑکیاں آپ کے خیال میں کانچ کے کھلونے ہیں دل کش خوب صورت کھلونے، کھیلنا اور پھر انہیں توڑ دینا آپ کا دل پسند مشغلہ ہے اور میں نوشابہ ناز ان لڑکیوں میں۔ ایک ہرگز نہیں بن سکتی۔ آپ کا حسن و جاہت، آپ کی دولت، آپ کی جامہ زیبی، آپ کی بیش قیمت گاڑی۔ سب کے سب میرے لیے بے وقعت ہیں۔"

"مس نوشابہ ناز!" امتیاز رند اٹھ کھڑا ہوا تو نوشی نے بھی فائل بند کر دی اور وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"جی اور کوئی حکم؟"

"آپ میرے خلوص کو بڑی غلط نظروں سے دیکھ اور پرکھ رہی ہیں۔"

"کیا چاہتا ہے آپ کا خلوص، شاید شکاروں کی تعداد میں ایک کا اضافہ۔"

"بند کریں یہ بکواس۔"

"حقیقت بے حد کڑوی ہے نا۔ میرے تجربے میں بے شک نہ ہوں لیکن میرے مشاہدے میں آپ جیسے بیسیوں لڑکے ہیں مسٹر امتیاز رند اور میں کسی کے لیے حسین یاد اور اپنے لیے تلخ تجربہ نہیں بننا چاہتی۔ آپ یہاں سے چلے جائیے۔ فوراً بلکہ اسی وقت میں آپ کو ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے نفرت ہے آپ کے اس خوب صورت چہرے سے، یہ چہرہ نہیں ایک خبیث روح کا خوب صورت ماسک ہے۔ اور خبیث روحیں قابل نفرت ہوتی ہیں۔"

وہ تنتناتی ہوئی آگے بڑھی۔ امتیاز رند کے ہوش و حواس اس کا ساتھ دینے سے انکاری ہو گئے۔ اس کا خون کھول تھا۔ ایک لڑکی نے جسے شاید اپنے بے پناہ حسن پر بہت زیادہ ناز تھا اس کے منہ پر الفاظ کے کیسے بھرپور طمانچے

...تھے۔ ان کی بازگشت اب بھی اس کے کانوں میں آ رہی تھی۔ اس نے سخت نفرت کے اظہار کے طور پر زمین پر تھوک دیا اور آگے بڑھ گیا۔

کھانے کی میز پر اس نے نانو سے سارا حال کہہ سنایا۔

"نانو! لڑکے اپنے آپ کو آخر کیا سمجھتے ہیں۔ میں نے بھی وہ جھاڑا کہ وہ ایک مدت کسی لڑکی کو پھنسانے کی کوشش بھی نہیں کرے گا۔"

"نہیں چندا تمہارا خیال غلط ہے۔ بہادری اور ہمت اپنی جگہ لیکن کسی کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔ دشمنی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ ایسے معاملوں کو سمجھ بوجھ سے نپٹایا جاتا ہے۔"

"کیا سمجھ بوجھ۔ اسے کیا حق پہنچتا ہے شخصی آزادی میں خلل ڈالنے کا۔ نانو! وہ تو یونیورسٹی کا بدنام ترین شخص ہے۔ سینکڑوں لڑکیوں کی زندگی برباد کر چکا ہے ان کا ایک ٹیم ہے نانو۔ وہ معصوم لڑکیوں کو محبت کے حسین دھوکے میں مبتلا کر کے ان کی عزت کا دامن تار تار کر دیتے ہیں۔ اسے خدا نے اپنی مہربانی سے حسین چہرہ عطا کیا ہے۔ وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ نانو! میں نے کئی بار اسے دیکھا تو مجھے بھی ایسا لگا میں نے بھی یہی محسوس کیا کہ اس جیسا خوبرو جوان شاید پورے زمانے میں کہیں نہ ہو۔ میرا دل بھی...... عجیب و غریب انداز میں دھڑکا۔ ہو سکتا تھا کہ میں اس کے لیے اپنے دل میں اچھے جذبوں کو جگہ دے بیٹھتی۔ لیکن خدا کا شکر کہ مجھے اس کی اصلیت کا قبل از وقت علم ہو گیا۔"

"بیٹے! کسی سے جان چھڑانے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا۔ تم جانتی ہو تا اس گھر میں تم تنہا رہتی ہو میں ایک بوڑھی عورت ہوں، صرف خیالی سہارا ہوں۔"

"اور یہ نوکروں کی فوج ظفر موج۔"

"یہ..... یہ سہارا نہیں ہیں۔ صرف نفری ہیں۔ تم خود کو تنہا ہی سمجھا کرو۔ سہارا تو باپ ہوتا ہے، بھائی ہوتا ہے شوہر ہوتا ہے بیٹا ہوتا ہے، غیر سہارا نہیں ہوتے اور تنخواہ دار ملازم صرف ملازم ہی ہوتے ہیں۔"

"واہ نانو! میرے حسن سلوک نے انہیں بے مول خرید لیا ہے۔ میری خاطر یہ لوگ جان بھی دے سکتے ہیں۔ اور پھر مجھے کسی سے ایسا خطرہ ہے بھی نہیں، میں صرف خدا سے ڈرتی ہوں اور کسی سے نہیں، عورت خود مضبوط ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور اس امتیاز رند کی مجال ہی کیا؟ دیکھ لوں گی میں اسے۔ زیادہ گڑبڑ کی تو یونیورسٹی سے ہی نکلوا دوں گی۔ بڑے لوگ اس کے خلاف ہیں نفرت کرتے ہیں اس سے۔ نانو انقلاب آ رہا ہے زمانے کی سوچ میں۔ رسم و رواج کی دیواریں ڈھنے والی ہیں۔ تمہیں جاننے والے ہیں ہماری یونیورسٹی میں بھی الیکشن ہو رہے ہیں نانو! ایک لڑکا ہے۔ میرے شعبے کا تو نہیں ہے۔ لیکن نانو! خدا کی قسم اسے دیکھ کر اسے سن کر اسے محسوس کر کے میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ ایمانداری، خوش اخلاقی، وفاداری، غیرت اور احترام آدمیت کو یکجا کر دیا جائے تو جو صورت بنے گی وہ شبیر عسکری کی ہوگی۔"

"شبیر عسکری۔" نانو نے پوچھا۔

"ہاں نانو! صدارت کے ایک امیدوار کا نام ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ مجھے امید ہے کامیاب ہو جائے گا۔ نانو! شبیر ایک بے حد مختلف نوجوان ہے اس کی متحرک شخصیت کو دیکھ کر مجھے ماضی کی ساری بہادر شخصیات یاد آ گئیں۔ وہ اس دور میں ہوتا تو اس کی تلوار بھی دشمنوں کے دل دہلا دیتی۔ وہ حق کی آواز ہے۔ اس نے چند ماہ میں ہی دلوں کو تسخیر کر لیا ہے۔ لڑکیاں اس کا احترام کرتی ہیں۔ لڑکے اس کے نقش قدم پر چلنا فخر سمجھتے ہیں۔ میں

امتیاز رند کی خباثت کی کہانی بے جھجک اسے سنا دوں گی۔ وہ ایک اچھا نوجوان ہے۔ یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان کی عزت کی حفاظت اپنا فرض خیال کرتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔"

"پگلی! تمہیں امتیاز رند سے کچھ کہنے کے بجائے پہلے اسے ہی بتانا چاہیے تھا۔ بڑوں کی بات اچھی تو نہیں لگتی لیکن تم نے اس کمینے لڑکے سے ٹکر لے کے کچھ اچھا نہیں کیا۔"

"تیزو دیکھی جائے گی۔ فی الحال سوچ سوچ کے کیا خون جلانا۔ وہ کوئی ایسی بلا بھی نہیں کہ میں اپنا جینا حرام کرلوں۔"

اس نے بے پروائی دکھانے کی کوشش کی اور کھانے میں مشغول ہوگئی۔

کافی دن بے مقصد سے چپ چاپ سے گزر گئے۔ وہی روز کا معمول وہی طریقہ کار۔ درمیان میں الیکشن کے سبب تھوڑی سی ہنگامہ خیزی ہوئی۔ یونیورسٹی میں گولی چلی۔ نامعلوم افراد کے نام ایف آئی آر درج ہوتے۔ پولیس کا آنا جانا رہا اور پھر حالات معمول پر آتے ہی گارمنٹ فیکٹری واپس اترتے ہونے لگیں۔ امتیاز رند پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ شاید امتحان دے کر فارغ ہوگیا تھا۔ یونیورسٹی چھوڑ گیا تھا۔ نوشی نے سکھ کی سانس لی۔ خس کم جہاں پاک۔ اس سے ٹکر لینے کی نوبت ہی نہ آئی۔ وہ مطمئن ہوکر پڑھائی میں لگ گئی۔

وہ دن بھی معمول کا ایک دن تھا۔ حسب عادت آف ہوتے ہی وہ گیٹ کی طرف بڑھی۔ ڈرائیور گاڑی سمیت گیٹ پر موجود تھا۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے نوشی کی مخصوص سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اس کے بیٹھ جانے پر ادب سے سر جھکاتے ہوئے دروازہ بند کیا اور اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

"شیرو! آج تم کچھ زیادہ ہی سعادت مند نہیں ہو رہے۔"

"بی بی! آپ کو ایسا لگ رہا ہوگا۔ یہ خاکسار تو ہر دم یونہی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو یہ میرا وہم ہوگا۔ میں بھی سوچ رہی ہوں میں نے شاید اس ادب و آداب کے مظاہرے پر آج ہی غور کیا ہے۔ کل پاپا کا فون آیا تھا۔ انہیں وہاں ایک عدد شوفر کی ضرورت ہے۔ کیا خیال ہے تمہیں وہاں نہ بھیج دوں۔ ایک چیز بنگلہ سے زیادہ پیسہ کو پروانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ ہنس دی۔

"آپ کی مرضی ہے بی بی! تنخواہ دار ملازم تو فرض ادا کرتا ہے جہاں سے بھی تنخواہ لے۔ اسی کی وفاداری کرتا ہے۔"

"نہیں شیرو! پیسے کے علاوہ بھی کچھ تعلق ہوتے ہیں۔ تم سے پہلے جو ڈرائیور تھا۔ پورے بیس سال ہمارے پاس رہا۔ بڑی نسبت تھی اسے ہم سے۔ مجھے وہ بیٹی سمجھتا تھا۔ موت ہی ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو گئی۔ ویسے تم پاپا کے پاس چلے جاؤ گے تو تمہاری تنخواہ میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے گا۔ بادشاہ بن جاؤ گے۔ گٹ بہت کرنے لگو گے۔" وہ آپ ہی آپ ہنس دی۔

گاڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اکا دکا ٹریفک پاس سے گزر رہی تھی۔ حد نظر تک خاموشی ہی خاموشی تھی۔ نوشی اپنے معمول کے مطابق شیشے سے چہرہ لگائے باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ دائیں طرف کی زرعی اراضیاں اب رہائشی منصوبوں میں بدل چکی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اسے پاپا سے کہہ کر اپنے ملازموں کی ایسے منصوبوں میں پلاٹ خریدنے میں مدد کرنی چاہیے۔

"شیرو!" اس نے دیکھے بغیر ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"جی بی بی!"

"اس دن تم گھر بنانے کا کہہ رہے تھے۔ میں آج ہی پاپا سے بات کروں گی زرِ نقد ہم ادا کر دیں گے۔ قسطیں تم دیتے رہنا۔ ایچ بی ایف سی سے قرض لے لینا۔ گھر بنا لینا۔ پاپا اور بھی امداد کر دیں گے۔"

"شکریہ بی بی!"

وہ پھر خاموشی سے اردگرد کا نظارہ کرنے لگی۔ شیرو بیک ویو مرر سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ اس نے گاڑی کے سامنے کے خانے سے سفید رومال نکالا اور پھرتی سے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا۔ نوشی نے ہاتھ پیر مارے۔ اس کا آہنی پنجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ بے دم ہوتی چلی گئی۔ اس کی حرکت معطل ہوئی اور لڑکھڑاتی گاڑی بھی سنبھل گئی۔ نوشی دنیا جہان سے غافل پچھلی سیٹ پہ بے ہنگم انداز میں بے ہوش پڑی تھی اور شیرو تیز رفتاری سے گاڑی بھگا رہا تھا۔ سرخ دیواروں اور سیاہ گیٹ والی ایک عمارت تک پہنچ کر اس نے زوردار انداز میں ہارن دیا۔ اسی لمحے گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہوگئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک اجنبی خواب گاہ کے جہازی سائز بیڈ پر بڑی خستہ حالت میں پڑی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ بستر شکن آلود تھا۔ اس کا لباس اس کے سرہانے پڑا تھا۔

"اوہ گاڈ!" اس نے اٹھنا چاہا لیکن سر چکرا رہا تھا۔ وہ پھر گر سی گئی۔

"اوہ میرے خدا یہ سب کیا ہے؟ میں تو گھر جا رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ یہ بیڈ روم۔ یہ میں۔ میرا حال نہیں۔ نہیں۔"

اس نے اپنے خوب صورت بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ کر جھٹکے تکلیف سی محسوس ہوئی۔ اٹھنا چاہا پھر گر گئی لیٹے لیٹے اس نے اپنا حلیہ درست کرنے کی کوشش کی۔ اپنے شکن آلود لباس کی سلوٹیں دور کر رہی تھی کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔

سامنے امتیاز رند تھا۔ اپنے اسی خوب صورت چہرے کے ساتھ۔ ویسا ہی تر و تازہ۔

نوشی کا دماغ گھوم گیا۔ وہ کچھ سوچنے کے قابل ہی نہ رہی۔

"تم..... تم۔"

امتیاز رند نے اس کے بال بے دردی سے اپنی مٹھی میں جکڑے اور اسے بیڈ سے اتار کر صوفے پر پٹخ دیا۔

"ادب سے بات کرو۔ گستاخ لڑکی! اب تمہارے پاس فخر کرنے کے لیے باقی کچھ بھی نہیں رہا۔ تم اب بھی میرے رحم و کرم پر ہو۔ میں چاہوں تو میرے پالتو کتے تمہاری ہڈیاں بھنبھوڑ ڈالیں۔ ان لمحوں میں مجھے تم سے محبت نہیں نفرت ہے۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ نفرت کرتا ہوں۔"

"یہ تم نے کیا کیا خبیث انسان۔ یہ کیا کیا؟"

"وہی جو تم جیسی ایک لڑکی کا انجام ہو سکتا تھا۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔ تو لے کھلونوں کو زیادہ دیر برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"امتیاز!"

"مت لاؤ اپنی گندی زبان پہ میرا نام۔ اپنے ان لمحوں کی کوئی قیمت لینا چاہو تو بتا دو۔ ویسے تمہارے وفادار ملازم نے تمہاری قیمت وصول کرلی ہے۔ ایک لاکھ میں سودا مہنگا نہیں تھا۔"

نوشی کو سب کچھ یاد آنے لگا۔ "اوہ وہ شیرو۔ وہ کمینہ انسان تمہارے ہاتھوں بک گیا۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں ہے مجھے بتاؤ۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کروں گی۔"

"اس بے چارے کا کیا قصور۔ پیسہ ہے ہی اتنی پرکشش چیز۔ اسے ضرورت تھی اس کی اور مجھے ضرورت تھی تمہاری' تمہارے غرور کے آئینے کو چکنا چور کرنے کے لیے' تمہیں ریزہ ریزہ کرنے کے لیے کہ پھر کبھی تم اپنی خوب صورت گردن تان کر نہ چل سکو۔"

اس نے اپنی انگلی اس کی گردن پر پیوست کر دی۔

"مت ہاتھ لگاؤ مجھے' کمینے' ذلیل!"

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں۔ استعمال شدہ چیزیں میری توجہ کا مرکز نہیں رہتیں۔ ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔ یہ رہی تمہاری گاڑی کی چابی۔" اس نے کی رنگ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"گاڑی کی چابی۔ کہاں ہے میری گاڑی؟"

"لاکھ پیر بھی تم سے۔ تمہاری گاڑی اسے نہ دے سکتا تھا۔ تم اپنی گاڑی میں یہاں تک آئی تھیں۔ اپنی ہی گاڑی میں جاؤ گی۔ بی یز بی مائی ڈیئر۔ یہ سب کچھ تقدیر میں تھا۔ اس بگڑی تقدیر کے بگاڑ میں میرا نہیں' تمہارا ہاتھ ہے۔ ورنہ آج نہیں تو کل تم میرے دل کی ملکہ ہوتیں۔ میرے گھر کی۔"

"آئی ہیٹ یو۔ امتیاز رند! آئی ہیٹ یو۔ ایسے مکار انسان کی بیوی بن جانے سے بہتر تھا کہ مجھے موت آ جاتی۔ یہ سب کچھ جو ہوا ہے۔ اس پر مجھے کوئی ندامت نہیں کہ میں اس میں ایک فی صد بھی انوالو نہیں۔ یہ جرم صرف اور صرف تمہارا ہے۔ اس کی سزا بھی صرف اور صرف تمہیں ملے گی۔"

"اونہہ سزا اور جزا۔ سب ڈھکوسلے ہیں ان لوگوں کے جنہیں اس دنیا میں کچھ نہیں مل پاتا۔ وہ سزا اور جزا کے فریب میں گم ہو کر اپنے محروم دل کو تسلیاں دیتے ہیں' جھوٹی تسلیاں۔"

"گفر مت بکو۔ ذلیل انسان! خدا کے قانون کو مت جھٹلاؤ۔ وہ سزا ملے گی کہ سارا زمانہ عبرت حاصل کرے گا۔ مثال بن جاؤ گے۔" آنسو ضبط کے سارے بند توڑ کر آنکھوں میں آ گئے۔

"تم نے بہت برا کیا ہے' بہت برا۔ تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تم زیادہ دن عزتوں' عصمتوں اور احساسات سے نہیں کھیل سکو گے۔"

"ہا...... ہا...... کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔ یہ وعظ و نصیحت اور عبرت کے ڈراوے کسی اور کو دینا۔ میں ان دھمکیوں میں آنے کا نہیں اور اب یہاں سے جا چکو۔ چاہو تو اپنا حلیہ درست کر لو۔ ورنہ ایز یو لائک۔"

غصے نے اس میں پھر سے طاقت بھر دی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"راستوں سے انجان ہو۔ اور پھر میری مہمان بھی ہو۔ چلو اخلاق کے تقاضے نبھاتے ہوئے تمہیں گاڑی تک چھوڑ دوں۔"

نوشی کا تن بدن بے بسی اور انتقام کی ملی جلی کیفیات میں جلنے لگا۔ بار بار اس کا جی چاہا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو اس کی گردن میں پیوست کر دے اور اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک اس کی سانس کا رشتہ اس کے جسم سے منقطع نہ ہو جائے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس نے اپنے آنسو اپنے سینے میں بند کر دیے اور امتیاز رند کے پیچھے چلتی پورچ تک آ گئی۔ دروازہ کھولا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ابھی دروازہ بند نہ کیا تھا کہ امتیاز رند نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس طرف قدرے جھکتے ہوئے اس نے بھرپور مسکراہٹ سمیت اسے دیکھا۔

"وش یو بیسٹ آف یور لک۔ ضرورت پڑے تو اس خاکسار کو بھول نہ جانا نہیں۔"

"اونہہ!" اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکلیں۔ شعلے لپکے اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے

ہاتھ بار بار کانپے۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر پہنچی تو شام کے سائے رات کے اندھیرے میں بدل رہے تھے۔ نانو تسبیح ہاتھ میں لیے لان میں گھوم رہی تھیں۔ وہ گاڑی سے اتری تو لپک کر اس کی طرف آئیں۔

"ارے بیٹی! کہاں رہ گئی تھیں اور وہ شیرو وہ کہاں ہے خیر تو ہے؟ اتنی دیر کہاں رہیں مجھے پریشان کر کے رکھ دیا۔ کہیں جانا تھا تو مجھے تو بتایا ہوتا۔ ہر جگہ فون کیا ہے میں نے' تم کہیں بھی نہ تھیں۔ کم از کم شیرو کو بھیج دیا ہوتا۔"

"مر گیا شیرو! موت آ گئی اسے۔"

"ارے توبہ...... ایسی باتیں تو نہ کرو۔"

"ہاں نانو۔ وہ بھی مر گیا' میں بھی مر گئی۔ آپ کی نوشی مر گئی نانو۔ ہمیشہ کے لیے۔"

"نوشی! میری بچی! کیا ہوا؟ چلو اندر چلو۔" وہ نانو کے بوڑھے بازوؤں کے سہارے اندر چلی۔

"کیا ہوا کیوں پریشان ہو تمہارا چہرہ' تمہارے بال' یہ لباس۔"

"کاش یہ لباس بھی میرے تن پر نہ ہوتا نانو آج تو میں بے لباس بھی چلی آتی تو مجھے کوئی دکھ نہ ہوتا۔"

نانو کے ہاتھ کانپ گئے۔ دل لرز گیا۔

"خیر تو ہے نوشی! مجھے بتا۔ بوڑھی نانو کو الجھن میں مت ڈال۔"

"تم نے سچ کہا تھا نانو! زندگی گزارنے کا یہ انداز نہیں ہوتا۔ لڑکی تو بڑی کمزور شے کا نام ہے۔ وہ جتنی بھی بہادر ہو۔ عزت و عصمت اس کے خلاف استعمال ہونے والا کارآمد ہتھیار ہے' نانو اس درندے نے بھی لوٹ لیا۔ آپ کی نوشی کو۔ جسے اپنے کردار کی پختگی اور بہادری پر ناز تھا۔ جس نے کئی پرخلوص دل اس غرور میں توڑ دیے تھے کہ وہ سہاروں کے بغیر زندہ رہنا جانتی ہے۔ نانو اس ذلیل انسان نے مجھے کہیں کا نہ رکھا' میں برباد ہو گئی۔ اب میرے پاس باقی کیا رہا ہے جس پر میں ناز کر سکوں۔ کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔"

وہ چیخیں مار کر رونے لگی۔ در و دیوار بھی لرز گئے۔

"نانو! بدنصیبی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھ سے اچھی آپ تھیں۔ میری ماں تھیں۔ عزت کی زندگی آپ دونوں کا نصیب بنی۔ میں...... میں نہیں' نہیں میں مر جاؤں گی۔ مجھے زندہ رہنے کا حق نہیں۔ میں اس دنیا کی بدقسمت ترین لڑکی ہوں۔ میں اب جی کر کیا کروں گی۔ بے جان لاشے کو شاہراہ حیات پر گھسیٹ کر مجھے کیا ملے گا۔ نانو مجھے زہر دے دیجیے' کوئی خنجر میرے سینے میں اتار دیجیے۔ میں ٹوٹ گئی ہوں' بکھر رہی ہوں ریزہ ریزہ ہو رہی ہوں۔ مجھے موت دے دیجیے شکستگی کا عذاب موت سے زیادہ اذیت ناک ہے۔"

"بیٹی!" نانو بھی اس کے ساتھ رونے لگیں روتے روتے وہ نانو کی آغوش میں سر رکھتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسے زندگی کی طرف لوٹ کر آنے میں بڑی دیر لگی۔ دنوں وہ بستر پر دراز رہی۔ اس کے جسم سے زیادہ اس کی روح بیمار تھی۔ روح کا علاج دنیا کے حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس نہ تھا۔ خود کو سمجھاتے خود کو ملامت کرتے۔ کبھی ڈوبتے کبھی ابھرتے۔ کبھی موت کی طرف لپکتے کبھی زندگی کی طرف آتے کئی روز گزر گئے۔ کتنی بددل ہو گئی تھی وہ' سامنے کھلے دریچے سے باہر جھانکتی۔ تو سوچتی یہ دنیا کتنی بے وجہ۔ بے مقصد ہے' کیوں بنا ہے یہ سب کچھ۔ بے کار ہیں یہ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر شے' ناکارہ ہے خود اس کا وجود۔ سہیلیوں کو خبر ہی نہ تھی کہ وہ اتنے

دن سے کیوں غیر حاضر ہے۔ کافی دن انتظار کرنے کے بعد دوڑی چلی آئیں۔ اپنی دلچسپ باتوں سے، ہنسی مذاق سے اسے زندگی کی طرف لانے میں کوشاں ہو گئیں۔

نانو نے انہیں کچھ بھی نہ بتایا۔ بس یہ کہا کہ وہ باپ کی دوری اور ماں کی جدائی پر افسردہ ہو جاتی ہے۔ بستر سنبھال لیتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسے گھسیٹ گھساٹ کر بستر سے اتاریں اور یونیورسٹی لے جائیں۔ وقت نے جس کا سستم بڑا خودکار قسم کا ہے اس کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ اس نے خود کو خود بھی سنبھالنے کی کوشش کی اور انتقام کی جوالا مکھی کو اپنے دل میں بسا کر پھر سے لبوں پر مسکراہٹ سجالی۔ کتنے دنوں بعد اس نے بارگاہ ایزدی میں سر جھکایا۔ اور دل کھول کر آنسو بہائے۔

"اے رب ایزد! انسانوں کو پیدا کرنا ان کی تقدیریں لکھنا تیرا ہی کام ہے۔ الٰہی! تو میرے اعمال کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ مجھے باہر سے ہی نہیں اندر تک جاننے کی قدرت رکھتا ہے، جانتا ہے مجھے میرے ضمیر کو اس بوجھ سے آزاد کر دے۔ میری روح سسکتی رہتی ہے اپنے ناکردہ جرم سے۔ تو نیتوں کے احوال جانتا ہے میرے رب۔ میں زندگی کو تیرے بتائے راستے پر چل کر گزارنا چاہتی تھی۔ یہ ذلت میرا مقدر بن گئی۔ اب لم یزل میرے ہاتھوں کو اتنی طاقت دے کہ میں اس جانور نما انسان کو اس کے انجام تک پہنچا سکوں۔"

اس نے گڑگڑا کر دعا مانگی اور ہلکی پھلکی ہو گئی۔ جب انسان ساری دنیا سے مایوس ہو جائے۔ تو خدا کی یکتا ذات کتنے قوی سہارے کے روپ میں سامنے آ جاتی ہے۔ یہی قوت ہوتی ہے جو انسان کو مرنے نہیں دیتی زندہ رکھتی ہے۔ نوشی نے بھی رب کی ذات کے سہارے پھر سے دنیا کے جھمیلوں اور مصروفیتوں میں خود کو گم کرنے کی کوشش کی۔

اب وہ ایک نئی نوشی تھی۔ انتقامی جذبوں سے بھرپور اس کے چہرے پر تھی معنوی مسکراہٹ۔ ایک دن مامون واسطی کی نشستوں کو خیرہ کر گئی۔ عین سڑک کے بیچ اس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ اسپیئر وہیل اس نے صبح ہی مرمت کے لیے دیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں خاصی پریشان تھی۔ جب مامون واسطی اپنے دوست کے ساتھ وہاں سے گزرا اور گاڑی اس کے پاس لا کر روک دی۔

"اینی پرابلم۔"

"صاف ظاہر ہے۔" وہ مسکرائی۔

"اوہ میرا خیال ہے کوئی پنکچر وغیرہ کا چکر ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے۔"

"خیال ٹھیک ہی ہے۔ بس تھوڑی لفٹ چاہیے۔ یعنی ورکشاپ تک جانا۔ اسپیئر وہیل اٹھانا۔ واپس آنا اور۔"

"بس! بس! چشم ما روشن دل ما شاد۔ تشریف لائیے۔" مامون نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔

"آپ کی تعریف؟" وہ مسکرائی۔

"مامون واسطی آف سکندر پور۔ اور آپ؟"

"میں نوشی ہوں۔"

"صرف نوشی؟"

"بجائے اس کے کہ ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ مجھے اس نام سے پکاریں۔ پہلے ہی دن سے کیوں نہ؟"

وہ ہنس دیا اس کا دوست بھی۔

"بڑی دلچسپ چیز ہیں آپ تو۔"

"دلچسپ ہونا کوئی برائی تو نہیں؟"

"نہیں، نہیں کس نے کہا۔ میں خود بھی۔ پھر تو خوب گزرے گی۔ دو دیوانوں کے مل بیٹھنے پر۔"

"آف کورس۔ آپ کہاں ہوتے ہیں؟"

"طالب علم ہوں۔"

"محترم کافی مشہور ہستی ہیں۔ تازہ تازہ زخم خوردہ بھی ہیں۔ ابھی چند دن پہلے شبیر عسکری کے ہاتھوں شکست کھائی ہے موصوف نے۔" اس کا دوست بولا۔

"شبیر عسکری۔ ارے آپ تو یونیورسٹی کے۔ میرا مطلب ہے میرے یونیورسٹی فیلو ہیں۔"

☆☆

"یہ بھی ایک حسین اتفاق ہے کہ دو یونیورسٹی فیلو دو اجنبیوں کی طرح ملے ہیں۔ کمال ہے آپ نے پچھلے دنوں میں ایک بار بھی مامون واسطی کا نام نہیں سنا، نہ ہی دیکھا۔" اس کا دوست کچھ زیادہ ہی چہک رہا تھا۔

"دراصل میں تھوڑی طویل رخصت پر تھی۔ الیکشن کے ہنگامے میری عدم موجودگی میں برپا ہوئے اور تمام ہو گئے۔ نہ سنا نہ دیکھا۔"

"تب کوئی بات نہیں۔ تب آپ کا قصور نہیں۔" مامون نے بیک ویو مرر سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

"شکریہ۔" نوشی مسکرائی۔

"کس بات کا؟"

"مجھے بے قصور مان لینے کا۔"

"مس نوشی! ایک بات پوچھوں۔ برا مت مانیے گا۔"

"جی ضرور پوچھیں۔"

"آپ اس قدر تنہا کیوں ہیں۔ یعنی کہ..... میرا مطلب ہے دوران سفر بھی اکیلی۔"

"جو ممکن ہو تو آدمی اپنے آپ پر بھروسا کرنا بھی چھوڑ دے میں تنہا ہوں اس لیے کہ لوگوں پر سے میرا اعتبار و اعتماد اٹھ گیا ہے۔"

"چچ۔ چچ۔ ایسا کیونکر ہوا..... زندگی تو اعتبار و اعتماد کے سہارے ہی گزرتی ہے۔"

"ہوتا ہوگا ایسا۔ مگر میرے ساتھ ایسا نہیں ہے۔"

"آپ کو زندگی میں کوئی اچھا انسان نہیں ملا ہوگا۔"

"کون اچھا ہے کون برا؟ اس کا حساب کون کرے۔ دیکھنے میں سب اچھے ہیں۔ آزمانے میں سب برے۔" نوشی کے لہجے میں ساری نفرتیں سمٹ آئیں۔

"آپ تو بہت زیادہ خفا ہیں دنیا اور دنیا داروں سے۔" وہ خاموش رہی۔

"یہ بھی شاید ایک انداز ہوتا ہے۔" اس کے دوست نے فقرہ دانستہ ادھورا چھوڑتے ہوئے گردن موڑ کر نوشی کو دیکھا۔

"May be" وہ بھی سمجھ گئی۔

مامون نے اس کی مکمل مدد کی۔ گاڑی کا وہیل تک خود بدل کے دیا اور وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ پھر تو وہ

اکثر اس کی راہ میں آ جاتا۔ چائے یا کافی کی آفر کرتا۔ یونیورسٹی ٹائم کے بعد لانگ ڈرائیو پر چلنے کی درخواست کرتا۔ نوشی کافرانہ اداؤں سمیت خوبصورتی سے انکار کر دیتی۔ اس کے دل میں کسی نوجوان کے لیے جگہ پیدا ہونا ناممکنات میں سے ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ مامون کی بے وقوفیوں اور نادانیوں کا صرف مزہ لے رہی تھی۔ شاید وہ ریسرچ کر رہی تھی کہ یہ کیسے معصوم لڑکیوں کو کس طرح اپنے دام فریب میں الجھاتے ہیں۔ جبکہ مامون کا یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ ایک طرحدار خوبصورت لڑکی کو اپنے جال میں پھنسا رہا ہے۔ چند دن خوبصورت بنانے کے لیے۔

نوشی درحقیقت بہت پراسراری ہو گئی تھی۔ دوسروں پر تو کیا وہ اپنی ذات پر بھی نہیں کھل پا رہی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ مجسم انتقام تھی اس کے ذہن پر امتیاز رند خصوصاً اور ہر نوجوان عموماً نفرت کا نشان بن کر چھایا ہوا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر طوفان اٹھتے تھے وہ بار بار ہیجانی کیفیت سے گزرتی تھی اپنی عزت و عصمت کی یوں بے دردی سے پامالی اس کے دل کا وہ زخم تھی جو مہینے گزر جانے پر بھی روز اول کی طرح تازہ تھا اور جس میں سے اس کی آرزوؤں کا لہو تواتر کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

وہ ہمہ وقت کوئی نہ کوئی منصوبہ بناتی رہتی۔ کوئی نہ کوئی پلان ترتیب دیتی رہتی۔

امتیاز رند کو قتل کر دینے کا۔

اسے مار ڈالنے کا۔

اس کا سینہ چھلنی کر کے۔ اس کے چیتھڑے اڑانے کا۔

اسے کچا چبا جانے کا۔

ایک دن وہ ایسی ہی سوچوں میں گم لائبریری کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ مامون وہیں آ گیا۔

"ہیلو مس نوشی!"

نوشی کو یہ دخل در معقولات سخت ناگوار گزری۔

"ارے بھئی۔ تنہائی تو واقعی آپ کا کریز ہے۔ دیکھا ہے آپ نے موسم کس قدر حسین ہو رہا ہے۔ آیئے کہیں چلتے ہیں۔ ایک دو گھنٹے آپ کی خوب صورت رفاقت میں گزر جائیں۔ اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں۔"

"مسٹر مامون واسطی۔ میں ازحد پریشان ہوں۔"

"کمال ہے ہمارے ہوتے ہوئے بھی۔"

"آپ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں میرے لیے بے معنی ہیں۔" وہ اپنی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"وہی جو آپ نے سنا ہے اور میں آپ سے عرض کر دوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ میں شرافت کے لبادے میں سراپا ایک خطا ہوں۔ میرا تعلق اس جگہ سے ہے جہاں آپ جیسے شرفاء عزت کھو جانے کے ڈر سے احتراز کرتے ہیں۔" اس نے مامون کو ڈرانے کی سعی کی۔

"یعنی..... کیا..... کیا؟"

"جی ہاں عرف عام میں آپ مجھے طوائف زادی بھی کہہ سکتے ہیں۔" نوشی نے تلخ لہجے میں کہا۔ تھوڑے سے سچ میں بہت سارا جھوٹ ملا دیا۔

"میرا تعلق بالاخانے سے ہے۔ بولیے کیجیے کیا آپ میرا ساتھ دینا پسند کریں گے۔ میری ماں نے مجھے اس

لیے پڑھایا لکھایا ہے کہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق لوگوں کو ہپناٹائز کر سکوں۔ بے وقوف بنا کر ان سے دولت بٹور سکوں۔ جواب دیجیے کیا آپ میرا ساتھ دینا پسند کریں گے؟ مجھے قبول کریں گے؟ جبکہ آپ کو یہ علم بھی ہو کہ میں آپ کی ذات سے مخلص نہیں ہوں۔"

"آپ کی صاف گوئی آپ کا اخلاص ہے مس نوشی! آپ کی باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ ایک بے حد اچھی لڑکی ہیں۔"

"بالکل نہیں..... ہمائی سے برائی جنم لیتی ہے اچھائی نہیں۔ آپ سمجھتے ہیں یا برے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ بس آپ میری راہ کی دیوار نہ بنیں تو بہتر ہے۔ میرے کچھ مسائل ہیں۔ جو میری جان کا روگ ہیں۔ مجھے ان سے نپٹ لینے دیں۔ پلیز مسٹر مامون۔"

"نوشی! میں نے آپ سے کہا تو ہے مسئلہ جو بھی ہے شیئر کروں گا میں! آپ مجھے بتائیں تو سہی۔ مجھے خبر تو کریں۔"

"میرا مسئلہ شیئر کرنے والا نہیں ہے صرف میری ذات کا بوجھ ہے اسے خود ہی اٹھانا ہے مجھے۔ آپ پلیز اتنا متفکر رہنا چھوڑ دیں۔"

وہ وہاں سے چل دی۔ مامون واسطی کو اس کے خبطی ہونے کا جو گمان تھا تھوڑا تھوڑا یقین میں بدل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کسی بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرنے کا یہ پہلا موقع تو نہیں تھا پھر بھی شبیر کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ یہ گھبراہٹ شاید اس ذمہ داری کے سبب تھی جس کا بوجھ اس کے کندھوں پر تھا۔ بڑے اعتماد کے ساتھ وہ وسیع و عریض پنڈال کے ڈائس پر کھڑا اپنی تقریر کے لیے ابتدائی الفاظ سوچ رہا تھا۔ دائیں طرف یونیورسٹی کے تمام اساتذہ، ہیڈ آف ڈپارٹمنٹس اور وی سی صاحب موجود تھے۔ سامنے طلباء و طالبات تھے ان میں سے ایک نوبہار عسکری بھی تھی جس کا چہرہ افتخار کے ساتھ تمتما رہا تھا۔ ایک نوشی بھی تھی جسے اس دنیا کے سارے نوجوانوں سے نفرت ہو گئی تھی اور ہر انسان اسے۔ جیسائی کے لبادے میں لپٹی خبیث روح لگتا تھا۔ اسی جگہ وہ سارے طلباء بھی موجود تھے جو موت و حیات کی طویل کشمکش سے دوچار ہو کر بمشکل زندگی کی طرف لوٹ سکے تھے۔ یہیں پر مامون واسطی بھی تھا جسے شبیر کی پراعتماد مسکراہٹ اور پرسکون چہرے سے ازحد نفرت تھی۔

"قابل احترام وی سی صاحب معزز اساتذہ کرام اور عزیز بہن بھائیو۔

السلام علیکم! آپ سب صاحبان کو اس میٹنگ میں شرکت کی دعوت دے کر تھوڑی سی تکلیف اس لیے دی کہ ہم سب ایک دوسرے سے دل کی باتیں دل کھول کر کر سکیں۔ آپ کے تعاون نے مجھے یونیورسٹی کے احاطے میں ایک نمایاں مقام بخشا جس کے لیے میں آپ سب کا مشکور ہوں۔ یہ مقام میرے لیے باعث فخر صرف اس وقت ہوگا جب میں اکثریت کی امنگوں پر پورا اتروں گا۔ ان کے لیے اپنی حقیر کوششوں کے سبب کچھ کر سکوں گا۔ اپنے پیش کردہ منشور کے مطابق مجھے یہ کہہ کر خوشی ہوتی کہ میں صرف ان کے لیے ہی نہیں ہوں جنہوں نے اپنے ووٹ سے نواز کر مجھے کامیاب کرایا بلکہ ان کے لیے بھی ہوں جنہوں نے مجھ پر میرے مقابل ساتھی کو ترجیح دی۔ رائے کے اظہار کی آزادی کا احترام ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم مخالفت یعنی اختلاف رائے کو برداشت کریں۔ میرے ساتھی بہن بھائیوں کے وہ مسائل جو میری ذات کے تعاون سے حل ہو سکتے ہوں میں مدد انہیں اپنے مسائل سمجھوں گا۔ میرے تعاون کے ثبوت کے طور پر میرے شب و روز کا ہر لمحہ ان کی خاطر وقف ہوگا کہ یونیورسٹی میں

یا ہوٹل میں وہ جب چاہیں مجھے طلب کر سکتے ہیں۔ طلباء و طالبات کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل جہاں تک ممکن ہوئے، جہاں تک میری دسترس میں ہوئے حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ ہمارا یہ تعلیمی ادارہ اخوت اور بھائی چارے کی ایک عمدہ مثال بن کر دنیا کے سامنے آجائے گا۔ میں یہ اعلان کرتے ہوئے انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے، جو فائرنگ کیس کے متاثرین ہیں ان لوگوں کو تہہ دل سے معاف کر دیا ہے، جن کے ہاتھ انسانی زندگیوں سے کھیلنے کے لیے اٹھے۔ یہ ایثار صرف اور صرف جامعہ کی فضا میں سکون اور خوشی بکھیرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ ہم میسر آنے والے لمحات درحقیقت اپنے بہن بھائیوں کی فلاح و بہبود کی خاطر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ دشمنیاں نبھانے میں ہرگز نہیں۔ میری استدعا پر وی۔ سی صاحب نے یونیورسٹی کی حدود کے لیے قوانین میں تھوڑی سی اور سختی کر دی ہے۔ جو ہر طالب علم کی بھلائی کا پیغام ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی اور دوست ہیں۔ ہم سب کا نصب العین علم کی لگن اور تلاش ہے۔ ہمارا ٹارگٹ عمدہ کتابیں ہیں۔ اسلحہ نہیں۔ اسلحے کی ضرورت دشمن کا سامنا کرتے وقت ہوتی ہے۔ بھائیوں کے سامنے نہیں۔ ہم ہاتھوں میں اسلحہ اٹھا کر نہیں چلیں گے بلکہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامیں گے۔ تعاون ترقی کی راہ ہے۔ ہم مل کر اس راہ پر چلیں گے اور ترقی کی منزل تک جا ہی پہنچیں گے۔" وہ بہت کچھ کہتا رہا اپنا مافی الضمیر بیان کرتا رہا۔

پھر وہ کچھ دیر کو رکا۔ تھوڑا سا مسکرایا۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ اس بڑی خوشی میں کئی چھوٹے چھوٹے عوامل کام کر رہے ہیں۔ جن میں سے ایک میرے پاپا کے مزاج کی تبدیلی بھی ہے۔ یہ اچھائی کی فتح کا ثبوت ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میرے پاپا سیاست کے بکھیڑوں سے نفرت کرتے ہیں اور طلباء تنظیموں کو سیاسی پارٹیوں کا پرائمری حصہ سمجھتے ہیں۔ میرے الیکشن میں حصہ لینے پر وہ مجھ سے نالاں تھے۔ بہت زیادہ خفا تھے جبکہ میرے چاچو نے مجھے ترغیب دی ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کی۔ دو دن قبل میرے پاپا مجھ سے ملنے آئے۔ فائرنگ کیس نے انہیں بالکل بددل کر دیا تھا۔ وہ مجھے سرزنش کرنے، ڈانٹنے بلکہ یہ حکم دینے آئے تھے کہ میں اس سارے چکر سے نکل آؤں۔ میں نے اور میرے چاچو نے انہیں قائل کر لیا۔ یہاں تک کہ جاتے جاتے وہ پچاس ہزار روپے یونین فنڈ کے لیے دے گئے۔ جو میں نے بینک میں یونین کا اکاؤنٹ کھلوا کر جمع کرا دیے ہیں۔ میری ان بہن بھائیوں سے جو مالی لحاظ سے دوسروں کے کام آنے کے قابل ہیں یہ درخواست ہے کہ وہ حسب توفیق اس اکاؤنٹ کی رقم میں اضافہ کریں اور ان بہن بھائیوں سے جو واقعی مدد کے مستحق ہیں التجا ہے کہ ہمیں یعنی ہم سب کو اپنا سمجھ کر اپنے مسائل ہم سے نہ چھپائیں۔ حصول علم کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ جو کسی کی مجبوری ہو ہم دور کر سکتے ہیں، دور کر کے خوشی محسوس کریں گے۔ خواہ وہ معاشی ہو یا معاشرتی مجھ تک آنے کے لیے کسی لمبے چوڑے پراسس کی ضرورت نہیں آپ مجھے راہ چلتے ہوئے روک کر پوری حق داری کے ساتھ مجھ سے طلب کر سکتے ہیں اور ...اور... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم میں بہت سے ساتھی ایسے بھی ہوں گے جو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی غیرت کی موت سمجھتے ہیں۔ ان سے التجا ہے کہ وہ شبیر کو بلکہ اپنے سب ساتھیوں کو اپنے بھائی سمجھیں۔ اور بھائی سے بھائی کا کچھ لینا ہرگز قابل ملامت نہیں ہوتا۔ پھر شبیر کا یہ بھی وعدہ ہے کہ فرمان رسول کے مطابق دینے کی خبر اس ہاتھ سے اس ہاتھ تک بھی نہ پہنچ سکے گی۔"

ساری فضا تالیوں کی گونج میں ڈوب گئی۔

"کیا آج کے دن آپ سب مجھ سے یا اپنے اساتذہ کرام سے بھی نہیں، صرف اپنے آپ سے عہد نہیں کر سکتے؟ ہر ممکن برائی سے بچنے اور اچھائی کو اپنانے کا۔ خدا کی قسم اگر آپ سب یہ عہد صرف اپنے آپ سے خدا کو گواہ کر کے کر لیں اور پھر اس عہد پر سختی سے کاربند رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ عہد آپ کا اپنا بھلا بھی ہے اور دوسروں کا بھی۔ یہ عہد فلاح کی راہ ہے۔ حق انسانیت کی ادائیگی ہے۔ فرض اولین ہے انسان ہونے کے حوالے سے۔"

اس نے تقریر ختم کی۔ پنڈال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر اساتذہ کرام اور وی سی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وی سی صاحب نے اپنی جیب سے ایک معقول رقم شبیر کو یونین فنڈز کے لیے دینے کا اعلان کیا۔ اساتذہ نے ہر ماہ اپنی ایک دن کی تنخواہ یونین کے نام کی اور یوں یہ تقریب اختتام کو پہنچ گئی۔

گوہر بھی خراج تحسین پیش کرنے والوں میں سے ایک تھی۔ شبیر کی صورت روشنی کا بلند مینار اس کے سامنے تھا بلکہ اس کا اپنا تھا۔ جہان کے سارے بکھیڑوں سے الگ محبت کی ایک ننھی منی دنیا کا شہزادہ بھی تھا وہ۔ اور محبت کی وہ ننھی منی دنیا شبیر کے کردار کی روشنی سے کتنی روشن ہو گئی تھی اس کی خبر صرف گوہر کو تھی۔ اس نے پچھلے دنوں نسیم حجازی کے ناول "قیصر و کسریٰ" کے ہیرو عاصم کو پڑھ کر اس کردار کو دل میں ہی بسا لیا تھا۔ اسے خبر نہ تھی کہ اس کا ہونے والا شریک حیات شبیر دنیا کے اس پراگندہ ماحول میں سب سے الگ تھلگ خلوص و محبت کا پیامبر اور امن و آشتی کا متحرک نشان ہے۔

دوسری طرف نوشی بیٹھی تھی۔ کئی ہیولے اس کے ذہن میں ناچ رہے تھے۔ انہیں کے ہیولے ایک ابن آدم کی دھندلی سی تصویر بھی ذہن میں ابھر آئی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی شک کا شکار تھی دل مان کر بھی نہیں مان رہا تھا۔ کیا یہ لڑکا شبیر عسکری جو اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہا ہے۔ کیا یہ اپنے قول کو اپنے فعل سے بھی ثابت کرے گا۔

"نوشی! دنیا ابھی انسانوں سے اتنی بھی خالی نہیں۔ تم اپنے آپ کو سوچو۔ تم کیا ہو۔ کیا تم کوئی ایسا کام کر سکتی ہو جو انسانیت کے نام پر داغ ہو۔ یقیناً شبیر بھی ان ہی نیک روحوں میں سے ایک ہے۔ جو اچھائی سے برائی کا خاتمہ کرنے کی قدرت تو نہیں رکھتے لیکن خواہش ضرور رکھتے ہیں اور خواہش کے احترام میں اچھائی پر عمل پیرا ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا سارا دن شبیر اور اعجاز احمد جو کہ خزانچی تھا۔ وہ رقوم اور چیک وصول کرتے رہے جو کہ لڑکے لڑکیاں اس کی درخواست پر لائے تھے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ کسی نے بھی بطور سند کسی رسید کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ رسید دینے کی کوشش کی گئی تو افسوس کا اظہار کیا۔ کئی ایک نے کہا۔

"رسید کیسی! یہ فرض تھا جو ہم نے ادا کیا۔ اب اس امانت کا بوجھ آپ پر ہے چاہیں تو خیانت کریں چاہیں تو حق داروں تک پہنچا دیں۔ ہر چیز آپ کے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔"

اعجاز سخت گھبرایا ہوا تھا۔

"شبیر! ان لوگوں نے ہمیں بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

"کوئی بڑا امتحان نہیں۔ میرا یا تمہارا صرف یہی فرض ہے کہ اسے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیں حتیٰ کہ گنتی کا کام بھی بینک والوں کو سونپ دیں۔ پھر یہ رقم نہ زیادہ رہے گی نہ کم، یونین کی ہو گی مستحق بہن بھائیوں کے لیے۔"

اعجاز نے حیران ہو کے شبیر کو دیکھا۔ "ونڈرفل۔ ونڈرفل شبیر عسکری میں جسے الجھن سمجھ رہا تھا کس رسان سے

سلجھا دیا اسے تم نے۔ میں تو گھبرا رہا تھا کہ اسے گنوں گا کیسے ..... سنبھالوں گا کیسے؟"

"فکر مند ضرور ہو مگر صرف اس بات پہ کہ ایک پائی بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے ویسے شہزادے صاحب! معاملہ ہم سب سے ہٹ کر آپ پر آن پڑا ہے۔ یہ رقم جس کے بارے میں نہ آپ کو خبر ہے نہ مجھے کہ کتنی ہے۔ آپ کے ایمان کی آزمائش ہے۔ چاہیں تو پوری کی پوری بینک میں جمع کرا دیں چاہیں تو ....." شبیر نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"دیے سے دیا جلانے کی رسم بڑی خوبصورت ہوتی ہے شبیر عسکری! اچھائی کا استقبال انشاء اللہ اچھائی ہی کرے گی۔ اگر اجازت ہو تو میں ابھی اور اسی وقت چلا جاؤں۔"

"ضرور۔" شبیر نے سر ہلایا۔

اعجاز بینک چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کا چہرہ احساس مسرت سے دمک رہا تھا۔ وہ سیدھا شبیر کی طرف آیا جو اپنی نشست پر تھا۔ ایک لیڈیز بیگ میں روپے ٹھونس رہا تھا۔

"ارے..... یہ کیا؟"

"دیکھ ہی رہے ہو۔ اخوت و محبت اور بھائی چارے کی فضاؤں میں یہ مظاہرہ حیرت کی بات نہیں۔ معاملہ تو حد سے زیادہ بڑھنے لگا۔ ہنگامی طور پر ہر شعبے اور ہر کلاس میں ایک نمائندہ مقرر کرنا پڑا جو رقوم وصول کر سکے اور تم تک پہنچا سکے۔"

"مگر..... شبیر..... ہر شخص....."

"ہاں ہاں تمہارا خیال ہے ہر شخص ایماندار نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے اعتماد کرنا چاہیے۔ بلکہ میں نے اعتماد کیا ہے۔ ان سے صاف کہہ دیا ہے کہ آپ یہ سوچیں کہ خدا آپ کی ہر حرکت ہر عمل کا گواہ ہے اور میں یہ سوچوں گا کہ دھوکا آپ نے مجھ سے یا مستحق افراد سے نہیں خدا سے کیا ہے۔ اعجاز ہمیں ہر معاملہ صدق دل سے خدا کے سپرد کر دینا چاہیے خدا کسی انسان کی نیک امید کو ٹھیس نہیں پہنچاتا۔ اس کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ بہت بہت ہی بڑی طاقت ہے۔ جو ہمارے اچھے ارادوں کی مدد و معاون اور برے ارادوں کی راہ کی نہ ختم ہونے والی دیوار بھی بن سکتا ہے۔"

اعجاز اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس شخص کے اعتقاد پر اس کی حیرت بجا بھی تھی اور تھوڑی سی بے جا بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک ماہ میں ہی شبیر نے خود کو ایک اعلیٰ منتظم ثابت کر دیا۔ کسی حاجت مند کو اس کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اس نے کئی ذمہ داریاں بغیر کسی اعلان کے لڑکوں اور لڑکیوں میں سونپ دیں۔ ہر روز پندرہ منٹ کے لیے ہی سہی وہ وی سی صاحب سے ملاقات ضرور کرتا تھا ہر تیسرے دن کوئی چھوٹا سا مسئلہ یا بڑی سی کوئی بات وہ ان کے گوش گزار ضرور کرتا۔ غریب طلباء و طالبات کے لیے جنہیں کنوینس کے مسائل نے پریشان کر رکھا تھا تین بسوں کی خریداری شبیر کی بہت بڑی کامیابی بھی تھی۔ اور وی سی صاحب کا سب سے بڑا تعاون بھی۔ دو بسیں صرف طالبات کے لیے مخصوص کرنے کی منظوری بھی۔ وی سی صاحب نے شبیر کی استدعا پر دی تھی۔ عام بسوں میں سوار لڑکیاں شبیر کی عزت نفس کا ایک امتحان تھیں۔ وہ تو مجبوری دنیا کے نظام کو بدل ڈالنے کا خواہاں تھا لیکن اس پر قادر نہ تھا۔ جتنی میسر آ گئی تھی اتنی طاقت فلاح معاشرہ کے لیے استعمال کر ڈالنا اس کے ضمیر کا حکم تھا اور وہ ضمیر کا غلام ہمیشہ سے رہا تھا اور ہمیشہ رہنا چاہتا تھا۔

شبیر کے چرچے شبیر کی شہرت۔ مامون واسطی کے دل پر برچھیاں چلا رہی تھی۔ گوہر نے اسے ایک بار نہیں کئی بار سمجھایا تھا۔ وہ اس کی کسی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوئی تھی۔ شبیر نے مامون واسطی کو در خور اعتنا ہی نہیں جانا تھا۔ اس دشمنی کو وہ بڑی ناز سے پال رہا تھا اس دشمنی کو اس نے چند الفاظ میں بے معنی قرار دے دیا تھا۔ اب کوئی راہ فرار نہیں رہتی تھی۔ آئی جی احمد ابراہیم کے ٹرانسفر کی خاطر اس کے والد کو کتنے پاپڑ بیلنا پڑے تھے ہر دوسرے روز دار الحکومت آنا جانا۔ کئی متعلقہ وزراء اور افسروں کی خوشامد۔ پیسے کا زیاں اور جانے کیا کچھ۔ لیکن شبیر نے وہ معاملہ ہی ختم کر دیا۔ پولیس اس کیس کی تفتیش کرے یا اسے سرد خانے میں ڈال دے وہ اس سے بھی بے نیاز ہو گیا تھا۔ بلکہ اس نے تو مجرموں کو معاف کر دینے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ مامون کے اپنے ساتھی جنہیں اس سے وابستگی تھی شبیر کی تعریف کرنے پر مجبور تھے۔ بلکہ ان کا ذہنی جھکاؤ اس کی طرف ہو چلا تھا۔

شبیر کی اعلیٰ کارکردگی روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ہر انسان کی نظر میں اس کی ساری خوبیاں تھیں ظاہری بھی۔ اگر اس کا خوب صورت باطن بھی ان کی نگاہ میں ہوتا تو وہ اسے انسان نہیں فرشتہ سمجھنے لگتے۔ اس کی شہرت یونیورسٹی کی حدود پار کر کے پورے شہر میں اور اخبارات کے ذریعے ملک میں پھیلنے لگی۔ عاصم حسنین کے ہاں اخبار باقاعدگی سے آتا تھا۔ وہ روز کی نئی خبر جو شبیر سے متعلق ہوتی صفیہ بیگم کو بتانا نہ بھولتے۔ شاہنواز عسکری کی مصروف ترین زندگی میں اتنی گنجائش ضرور تھی کہ وہ اخبار میں شبیر کا نام پڑھ کے یا اس سے متعلق خبر پڑھ کر صرف اس طور خوش ہو جائیں کہ یہ شبیر کی خوشی ہے۔

حمیدہ بیگم کی تیوری پر بزار بل آ جاتے۔ شازیہ اور ارم اس بات کو چٹکیوں میں اڑا دیتیں۔ ظہیر اور منیر دوستوں میں اس کے نام کے حوالے سے ڈینگیں مارتے اپنی شان بڑھانے کی کوشش کرتے لیکن دل سے کبھی خوش نہ ہوتے۔

گرمائی تعطیلات ہوتے ہی گوہر نے رخت سفر باندھا تو عامر، سافر اور عاتکہ جو چھٹیاں پہاڑ پر گزارنے کے عادی تھے۔ ضد کر بیٹھے گوہر کے ساتھ جانے کی۔ چچی اماں کو بھی گوہر کے ہاں گئے کافی عرصہ گزر گیا تھا۔ وہ بھی جانے کا سوچنے لگیں۔

شبیر کی تعلیم کا پچھلے دنوں کافی حرج ہوا تھا۔ وہ یکسوئی سے پڑھنا چاہتا تھا۔ شاہنواز کا خیال تھا کہ ایسی یکسوئی اسے عبداللہ پور میں میسر آ سکتی ہے۔ شہر کے ہنگاموں سے دور پرسکون فضائیں۔ سو یہ سارا قافلہ عباس نگر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ چچی اماں اور گوہر سمیت بچہ پارٹی اپنے شبیر بھائی کے ساتھ طویل سفر کا لطف اٹھاتے ہوئے دوسرے دن عباس نگر پہنچ گئی۔ سفر مختصر سا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس لیے ہر پچاس کلومیٹر سفر طے ہونے پر سب کا اصرار ہوتا رک جانے کا۔ کسی کولڈ سپاٹ سے بوتلیں پینے اور آئس کریم کھانے کا۔ کھانے کے وقت کسی بھی شہر کے اچھے ہوٹل پر دھاوا بول دیا جاتا۔ بے چاری چچی اماں ساتھ ساتھ گھسٹتی پھرتیں۔ لڑکے خوب مزے اڑاتے۔ کھلونوں کی کوئی بھی دکان دیکھ کر مچل اٹھتی۔ چچی امان کے ہاں کے لیے پورے شہر کا چکر لگانا پڑتا۔ یوں چھ سات گھنٹوں کا سفر چھتیس گھنٹوں میں طے کر کے وہ دوسرے دن منزل تک جا پہنچے۔ صفیہ بیگم ان سب کی اچانک آمد پہ باغ باغ ہو گئیں۔ شبیر نے ملتان سے گزرتے ہوئے سب کو دریائے چناب کے کنارے آباد مظفر گڑھ بھی دکھایا تھا۔ اور وہیں سے انہوں نے بہترین قلمی آموں کی ایک بڑی پیٹی خرید کر گاڑی کی چھت پر رکھے سامان کے ساتھ سجائی تھی۔ سامان اتارتے ہوئے شبیر پیٹی گھسیٹ کر اندر لایا۔

"پھوپھو لایا آپ کے لیے۔" اس نے پیٹی صفیہ بیگم کے قدموں میں لا رکھی۔

"ہاں پھوپھو دکھاوے کو آپ کو اور کھانے کو ہماری۔ شبیر بھائی کہہ رہے تھے۔ پھوپھو صرف سن کر خوش ہو جائیں گی۔ کھلائیں گی تو ہمیں ہی۔"

"ارے پھوپھو قربان، وزن اٹھا لانے کی ضرورت ہی کیا تھی یہاں پر کیا کم اچھے آم ملتے ہیں۔ ابھی منگوا لیتی۔ تمہارے پھوپھا آئیں گے تو ناراض ہوں گے۔ کیا یہاں ہم نہ بیٹھے تھے۔"

"پھوپھو جانی! آپ ساغر کی باتوں پہ جا رہی ہیں۔ واللہ یہ آم ہم آپ کے لیے ہی لائے ہیں۔ قسم لے لیں جو ایسا سوچا بھی ہو۔ یہ مظفر گڑھ کے مشہور زمانہ آم ہیں۔ دکاندار نے شرطیہ دیے ہیں۔ انہیں چونسا آم کہتے ہیں۔ ایسے میٹھے آم آپ نے یا ہم نے نہ دیکھے ہوں گے نہ کھائے ہوں گے۔"

شبیر وضاحتیں کرنے لگا۔ گوہر گاڑی سے اترتے ہی صفیہ بیگم سے ملی اور کام میں لگ گئی لیکن جوہر کو فون کرنا نہیں بھولی۔ ابھی وہ مل ملا کر حال احوال میں لگے تھے کہ دونوں میاں بیوی آن پہنچے۔ نبیل شبیر سے گرم جوشی سے ملے۔ جوہر آپا گوہر کی طرف لپکیں۔

"ارے تم آتے ہی خانہ داری میں لگ گئیں۔"

"تو اور کیا کرتی۔ اماں اکیلی کیا کیا کرتیں۔"

"ہٹو میں کر دوں گی سب کچھ۔"

"نہ جی! اتنے بڑے بزنس مین کی بیگم سے کام کرائیں! نامناسب بات ہے۔" گوہر نے پیار بھری نظریں...... تنی سنوری جوہر پر جمائیں۔

"لاہور جا کر بہت چلبلی ہو۔ بدھو سی لڑکی ہوا کرتی تھیں۔ اس چالاک آدمی کا اثر تم پہ بھی ہو گیا۔"

"کون چالاک آدمی؟"

"یہی تمہارا شبیر عسکری صدر یونین پنجاب یونیورسٹی۔ اخبار اس کی خوب صورت الفاظ سے بھی تقریروں سے پر ہوتے ہیں۔ ویسے گوری یہ اتنے الفاظ لاتا کہاں سے ہے۔ شکل سے تو ایسا نہیں دکھتا۔ ایک دم بدھو سا لگتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے الفاظ تو نے ہی اس کے اندر انڈیلے ہیں۔"

گوری کی نظریں جھک گئیں۔ وہ مسکرانے لگی۔

"نہیں! میں نے تو نہیں جوہر آپا۔ بلکہ بہت کچھ میں نے اس سے پایا ہے۔ وصول کیا ہے۔ آپا! آپ نے اسے چالاک کہہ کر شاید میرے دل کو تکلیف دی ہے۔ سمجھ دار اور چالاک میں بہت فرق ہوتا ہے۔ وہ چالاک ہرگز نہیں ہے۔"

"اوہو...... ہو...... بڑا احساس ہو رہا ہے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے آپ ان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جمی ہوئی تھیں۔ کیا رفاقت کوئی سحر ہے جو آپ پر چھا گیا ہے۔ کل تک جس میں چاروں شرعی عیب آپ کو نظر آتے تھے آج۔"

"ہاں جوہر آپا...... آج وہ مجھے سارے انسانوں سے زیادہ اچھا بلکہ سب سے جدا نظر آتا ہے۔ میرے نصیب میں اس کی رفاقت لکھی تھی ورنہ! ڈھونڈنے بھی نکلتی تو اس جیسا دوست کہیں نہ پا سکتی۔ رفاقت سحر نہیں ہے۔ انسان جادوگر ہے...... اس کی بلند ظرفی، اعلیٰ کرداری جادو ہیں۔ جو مجھ پہ چھا گئے ہیں۔ اس جادو کا کوئی توڑ ہی نہیں۔ میں بہت خوش قسمت ہوں آپا۔ میرے دل میں آباد ہو جانے والا ہزاروں دلوں میں بستا ہے۔ نیک نام کے ساتھ اچھی شہرت کے ساتھ...... وہ ایک غیر معمولی انسان ہے جوہر آپا۔ ناول قیصر و کسریٰ کے ہیرو عاصم کی

طرح۔ شریف، نڈر، بے باک...... سچا اور کھرا...... شکر ہے کہ میں نے اسے پہچاننے میں بہت زیادہ دیر نہیں کی ورنہ وقت آگے نکل جاتا۔ میں بہت پیچھے رہ جاتی۔ در پچھتاوا میرا مقدر بن جاتا۔"

"گوری! کیا وہ واقعی بہت اچھا ہے؟"

"آپا!" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"آپا...... شاید ہر لڑکی کو اپنی ذات سے منسوب مرد ایسا ہی لگتا ہو! اتنا ہی اچھا۔ اتنا ہی اہم لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے بہت سے اچھے نوجوان مل کر بھی شبیر نہیں بن سکتے۔ مجھ جیسی ایک لڑکی کی وہ اشد ترین ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے دیکھ کر اسے محسوس کر کے سب کاٹتی میرے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ سدا یہی لگتا ہے کہ یہ میرا اپنا آپ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں کسی اور کے سامنے نہیں آئینے کے روبرو ہوں۔ اور آئینے میں ہمیشہ اپنا آپ ہی نظر آتا ہے۔"

"گوری! تم تو حد سے گزر گئی ہو۔ کوئی یوں کسی کو اپنا آپ نہیں کہا کرتا۔ کیا تمہیں واقعی اس سے محبت ہے۔ کیا تم اسے چاہنے لگی ہو؟"

"آپا! میں نہیں جانتی محبت کسے کہتے ہیں۔ چاہا کیسے جاتا ہے مگر صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ مجھ میں ہے۔ میرے اندر بستا ہے۔ خیالوں میں وہی۔ خوابوں میں وہی، دل میں وہی، لبوں پر وہی۔ سوؤں تو اس کے خواب۔ جاگوں تو اس کی صدائیں۔ دل کی دھڑکن پر غور کروں تو اسی کا نام اور بات کروں تو دل چاہے کہ اسی کی بات کروں۔ اگر یہ محبت ہے تو واقعی میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ اسے چاہتی ہوں۔"

"اور...... وہ......؟"

جوہر نے جھٹ کہا۔ گوہر شرما کر مسکرانے لگی۔

"آپ یہ سوال اسی سے کیوں نہیں کر لیتیں۔"

"بندہ حاضر ہے سوال سننے اور جواب دینے کے لیے۔" شبیر کی آواز پر دونوں چونکیں۔

"آپ!" گوہر بول اٹھی۔

"تم۔" جوہر نے آنکھیں پھاڑیں۔

"آف کورس میں۔"

"آپ کچن میں کیا کرنے آ گئے؟"

"نہ آتا تو اتنے حسین اظہار سے محروم رہتا۔ شک میں مبتلا رہتا۔ ان الفاظ پر آپ کا نہیں جوہر آپا کا شکریہ۔ نہ یہ تمیں نہ آپ ایسے خوب صورت الفاظ میں اظہار فرماتیں۔"

گوہر پانی پانی ہو گئی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ تو فرط جذبات میں کہے گئی جو منہ میں آیا اور شبیر نے سب چپکے سے سن لیا۔

"شبیر۔ اتم بہت لکی ہو۔ ایک دیوانی لڑکی تمہاری اس قدر پرستار ہے۔ اسے تمہاری ذات سے کسی ہوا نے کے ... تو پیار ہے۔"

"آپ دعا کریں آپا! یہ محبت سدا قائم رہے۔ گوری کا پیار میری چھوٹی سی دنیا کا قیمتی ترین اثاثہ ہے۔ میرا وعدہ ہے۔ زندگی کے سفر میں یہ ساتھ رہا تو میں زندگی کی کڑی منزلیں بھی آسانی سے طے کر لوں گا۔ اس سے پہلے میں جو تھا سو تھا۔ اس سے ملنے کے بعد صرف صدر وقی بننا چاہتا ہوں، ثابت ہونا چاہتا ہوں، جو یہ

چاہتی ہے۔ آپا! میں گوری کے دل کی ساری باتیں اس کی آنکھوں میں جھانک کر پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے دل کی آواز میرے دل کی آوازوں سے مختلف نہیں۔ گوری اس خاندان کی بیٹی ہے۔ لیکن آپ سب سے مختلف میں اس خاندان کا بیٹا ہوں لیکن سب سے جدا۔ علیحدہ۔ بس ہم دونوں ایک ہیں۔ ایک جیسے ہیں ایک دوسرے کے لیے قدرت کا بہترین انعام ہیں۔"

"خدا اس جوڑی کو تا قیامت سلامت رکھے۔" جوہر کو دلی خوشی ہو رہی تھی۔

"ہاں گوری بیگم! میں یہ کہنے آیا تھا وہ جو اتنا عرصہ آمنہ چاچی کے ہاتھوں آپ کو خانہ داری کی ٹریننگ دلوائی ہے۔ اسے ان دنوں کام میں لائیے گا۔ ایک یہی امتحان باقی رہ گیا ہے آپ کا۔ اس میں بھی صد فی صد نمبر ہونے چاہئیں۔ آپ کو علم ہے نا آمنہ چاچی عمر کے اس دور میں بھی چاچو کے دل پہ راج کر رہی ہیں۔ اور صرف ایک ماہر سلیقہ مند خاتون خانہ ہونے کے سبب۔"

"اچھا۔ اچھا اب بھی۔ سفر کی تکان کے باوجود گوہر بیگم کچن میں کیوں گھسی تھیں۔ تو بات یہ تھی۔ میاں! فکر مند مت ہو۔ تمہیں اس سلسلے میں کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔ عشق میں بڑی طاقت ہے ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اور ہماری گوہر بیگم تو تم سے بڑھ کر دھانسو قسم کا عشق کرنے لگی ہیں۔"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔ محبتوں کا قحط ہو تو یہی چاہتا ہے۔ محبتیں چھپر پھاڑ کر ملیں۔ اتنی زیادہ اتنی زیادہ کہ...کہ...."

شبیر ہنستی نگاہوں میں شرارت بھرے گوہر کو تک رہا تھا جس کے گلابی عارضوں پر سیاہ ریشمی پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔

"چلیے جوہر آپا۔ ہم سب ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ لوگ ہمارے ڈر سے چیزیں بگاڑ نہ بیٹھیں۔"

جوہر مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ چل دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

بڑے دنوں بعد سدرہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔ پھر چلنے پھرنے کے قابل بھی ہو گئی اور ایک ہفتہ واری وزٹ پر ڈاکٹر ہنری نے بورڈ سے سفارش کی کہ اب اسے گھر جانے کی اجازت دے دی جانی چاہیے۔ سو یوں سدرہ گھر آ گئی۔ مگر ابھی وہ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اور کام کاج کے لائق نہ تھی۔ لہٰذا ان سب کی واپسی بھی ناممکن تھی۔ عدی کو پڑھائی کی فکر تھی۔ لیکن اس کا واپس جانا کسی طور ہونے نہ رہا تھا۔ عذرا بچوں کو سنبھالتی۔ عدی باہر کے کام کرتا۔ ممی سدرہ آپا کی دیکھ بھال کرتیں۔ ڈاکٹر ہنری ہر شام تواتر کے ساتھ آیا کرتے۔ کچھ سدرہ آپا نے انہیں عادی کیا تھا باقی ممی نے کر دیا۔ شامی کباب، پکوڑے، گاجر کا حلوہ اور ایسی کئی چیزیں ان کی پسند بن گئیں۔

سدرہ آپا کو گھر آئے ایک ہفتہ ہو چلا تھا۔ جب ایک شام ڈاکٹر ہنری انہیں اپنے گھر آنے کی خصوصی دعوت دے گئے۔ سر شام ہی سب تیار ہو گئے۔ سدرہ آپا کو عذرا نے تیار کیا۔ آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ پہ سیاہ لانگ کوٹ میں وہ بہت بھلی لگنے لگیں۔ نقاہت اور چہرے کی زردی بھی ان کے حسن کا حصہ بن گئی تھی۔ عدی نے خوب خوب تیاری کی۔

"عدی! ڈاکٹر ہنری کنوارے بوڑھے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی! تم جو اس خضوع و خشوع سے تیار ہو رہے ہو ان کے ہاں بیٹی تو کوئی نہیں۔"

وہ جھینپ گیا۔ "ڈاکٹر ہنری کے ہاں بیٹی نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اپنی جامہ زیبی فراموش کر دوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ان کے پڑوس میں کوئی خاندان آباد ہو۔ جن کی نرم و نازک اور نفیس سی بیٹی کو ڈاکٹر ہنری نے اپنی بیٹی بنا رکھا ہو۔ اور ایسا کبھی نہ ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ آتے جاتے کوئی انگلش حسینہ ہم سے ٹکرا جائے اس شرقی وجاہت پہ مر مٹے۔"

وہ سینہ تان کر بولا۔ عذرا ہنستے ہنستے بے حال ہونے لگی۔

افتخار بھی آفس سے لوٹ چکے تھے۔ لباس بدل کے وہ بھی ساتھ چل دیے۔ گاڑی ڈاکٹر ہنری کے گیٹ پہ رکی۔ تو وہ انہیں ان کے منتظر ملے۔

"ہیلو۔ مائی بوائز اینڈ گرلز اینڈ رسپیکٹ ایبل لیڈی۔" وہ گرم جوش انداز میں گویا ہوئے۔

قریب آ کے عذرا کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"آج میں نے آپ کو ایک خاص موقعے کی نسبت سے مدعو کیا ہے۔ اپنا جانتے ہوئے۔ ہمیشہ میں اس خوشی اور غم کو جو ایک ساتھ مجھے ملتا ہے خود سے ہی شیئر کرتا تھا لیکن اس بار دل چاہا ہے کہ اسے آپ لوگوں سے شیئر کروں۔"

"یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے ڈاکٹر۔ دیار غیر میں آپ ہی کا وجود تو ہے جو غریب الوطنی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ آپ ہمارے لیے قدرت کا عظیم عطیہ ہیں۔ ایک شفیق بزرگ، ایک ہمدرد دوست بلکہ سب کچھ ہیں۔"

افتخار انہیں اپنے دل کی بات بتا رہے تھے۔

"اور آپ لوگ بھی میرے لیے خوشیوں کا سرچشمہ ہیں۔ محبتیں جغرافیوں، رنگوں اور نسلوں کے امتیاز سے پاک ہوتی ہیں۔ یہ کسی سے کہیں بھی کسی بھی ماحول میں آپ ہی آپ جنم لے لیتی ہیں۔ میں بھی آپ سب سے محبت کرنے لگا ہوں۔ بے لوث، انمٹ محبت۔ جانے کیوں آپ سب مجھے اپنے اپنے سے لگے پہلی ملاقات میں ہی۔"

"آدمی اپنے مزاج کے لوگوں سے ہی محبت کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر آپ بدرون ذات جو کچھ ہیں شاید ہم بھی وہی ہیں۔" سدرہ آپا نے عذرا کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر چلتے ہوئے کمزور لہجے میں کہا۔

"سدرہ بیٹے! آج میری بیٹی کی سالگرہ ہے۔"

"آپ کی بیٹی کی سالگرہ آپ کی بیٹی۔ سر! آپ کی تو شادی بھی نہیں ہوئی۔"

"شادی نہیں ہوئی۔ بیٹی تو تھی۔ اپنے بھائی کی اکلوتی بیٹی کو اپنی بیٹی کہنا جرم تو نہیں۔ کوئی بیٹی ہوتی تو بس اتنی ہی عزیز ہوتی جتنی وہ تھی۔"

"تھی سے کیا مراد ہے اب وہ کہاں ہیں۔ آپ کے پاس کیوں نہیں؟"

"وہ ہم سب کو میرا مطلب ہے اپنے ماں باپ کو اور مجھے چھوڑ گئی تھی۔"

"کہاں چلی گئی تھیں وہ؟"

"پاکستان۔"

"پاکستان؟ مگر کیوں؟" سدرہ آپا نے جھٹ پوچھا۔

"اس نے ایک پاکستانی سے شادی کر لی تھی۔" ان کا سر جھک گیا۔

"اچھا۔" عذرا اور عدی دونوں ہی حیران تھے۔

"پھر اب کہاں ہیں وہ؟"

"اس کی کوئی خبر ہی نہیں۔"

"خبر ہی نہیں! آپ بیٹی سے بے خبر کیسے رہ گئے۔"

"جن دنوں وہ شادی بنا کے پاکستان گئی میں گھر پر نہیں تھا۔ اور میرے بھائی نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہی نہیں۔ میرے پاس اس کا یا اس کے شوہر کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ بھائی اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ تو اس کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ دنوں بعد اس کی ایک سہیلی کے حوالے سے مجھے اس فوٹو گرافر کا ایڈریس ملا جہاں سے اس نے اور اس کے شوہر نے عروسی تصویر بنوائی تھی۔ میں نے ان کی بہت بڑی تصویر بنوا کر اپنی پکچر گیلری میں آویزاں کر دی۔ بس یادوں کی ایک یہی مجسم صورت میرے پاس ہے اور کچھ نہیں۔ ایک دو بار میں پاکستان گیا لیکن ناکام لوٹ آیا۔ وہ مجھے کہیں نہ ملی۔ ہر آنے والے پاکستانی میں، میں اسے تلاش کرتا ہوں۔ عذرا اور عدی جیسے بچے مجھے اس کے بچے لگتے ہیں۔ اور ہر ادھیڑ عمر مرد میں، میں شاہنواز کو کھوجتا ہوں۔ پر دنیا کی اس گھما گھمی میں وہ سب لوگ مجھے کہیں نظر نہیں آتے۔ اس کی پیدائش اور پھر شادی کے حوالے سے دو تاریخیں ایسی ہیں جن پر میں اپنے سارے ارمان پورے کر لیتا ہوں۔"

"آپ نے کیا نام لیا تھا ابھی۔ شاہنواز۔ یہ کس کا نام ہے۔"

"شاہنواز اس لڑکے کا نام تھا جسے ہماری لاڈلی بیٹی نے ہزاروں لڑکوں میں سے اپنا شریک حیات چنتے ہوئے اپنے ماں باپ کے احساسات کو کوئی پروا نہ کی۔ جس کی خاطر اس نے مذہب کی اونچی دیوار پھلانگ لی۔ جس کی خاطر وہ اپنے والد کی لاکھوں پونڈ کی جائیداد چھوڑ گئی۔ حالانکہ وہ میرے بھائی کی اکلوتی بیٹی تھی۔"

باتیں کرتے کرتے سب لوگ اندر آ گئے۔ ڈاکٹر ہنری کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم کی طویل میز لوازمات سے پر تھی۔ ایک تین منزلہ کیک خوب صورتی کے ساتھ درمیان میں سجا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک خوبرو جوان لڑکی کی تصویر رکھی تھی۔

"مسز جمال احمد۔ میں سخت پریشان ہوں۔ کئی بوجھ میرے دل و دماغ پر رکھے ہیں۔ میں اسے تلاش نہیں کر سکتا اسے پا نہیں سکتا یہ میری زندگی کا بہت بڑا المیہ ہے۔ آپ کو علم ہے۔ میرے نام جو وسیع و عریض فارم ہیں۔ جو خوبصورت گھر ہیں۔ جو بزنس ہے یہ سب کس کا ہے۔ میرے بھائی کا۔ میں نے اپنی طویل مدت ملازمت میں جو بھی تنخواہ حاصل کی ہے۔ ادھر ادھر خرچ کر دی ہے۔ بنک بیلنس سے زیادہ عزیز وہ مسکراہٹ رہی ہے جو کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہونے پر اس کے لبوں پر آ بستی ہے۔ یہ گھر۔ یہ گھر بھی میرا نہیں۔ میرے بھائی کا ہے۔ بھائی نے ساری جائیداد میرے نام کر دی۔ میں ایک بوڑھا آدمی اور کتنے دن جی سکتا ہوں کتنے دن جیوں گا۔ کاش وہ مجھے مل جاتی۔ میں یہ سب کچھ اس کے حوالے کر دیتا۔"

"آپ نے پاکستانی سفارت خانے سے رابطہ کیا ہوتا۔"

"میں کیسے رابطہ کرتا۔ میں اس شخص کے نام کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ صرف نام کے سہارے کسی کو کھوج لینا کب آسان ہے۔ پاکستان میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں شاہنواز تو ضرور ہوں گے۔ مجھے تو یہ خبر بھی نہیں کہ اس کا خاندان کیا ہے۔ اور وہ پاکستان کے کس علاقے کا رہنے والا ہے۔"

"ممی...... نام۔" عدی ایک دم چلایا۔

"نام شبیر کے والد کا نام بھی تو شاہنواز عسکری ہے اور اس کی ممی بھی انگریز لڑکی تھیں۔"

"شبیر۔ شاہنواز۔ انگریز لڑکی۔" ہنری چونک اٹھے۔

"ڈاکٹر ہنری۔ آپ پلیز مجھے وہ تصویر دکھا سکیں گے میرا مطلب ہے آپ کی بھتیجی اور شاہنواز کی عروسی تصویر۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ تشریف لے چلیے یہ بائیں ہاتھ کا دروازہ پکچر گیلری میں ہی کھلتا ہے۔" سب بے تابی سے اس طرف بڑھے۔

ممی کی نظریں شاہنواز عسکری کی تصویر ڈھونڈ رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہنری انہیں اس تصویر کی جانب لے گئے۔ سب ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

"ارے۔ یہ تو واقعی شبیر کے پاپا شاہنواز عسکری ہی ہیں۔ ڈاکٹر ہنری۔ یہ سچ مچ ہی شبیر کے پاپا ہیں۔"

"شبیر۔ کون سا شبیر۔ وہی۔ جو آپ کا بیٹا ہے۔ رضاعی بیٹا۔ وہی جو ایک اچھا انسان ہے وہی جو حق کا متلاشی ہے۔ آپ کو کیسے خبر کہ یہ اسی کے والد کی تصویر ہے۔"

"یقین کریں ڈاکٹر ہنری۔ میں نے انہیں جوانی میں بھی دیکھا تھا۔ یہ وہی ہیں صد فی صد وہی۔"

"ہاں ممی! میں نے بھی شبیر کی البم میں ایسی تصویریں دیکھی تھیں۔" سدرہ آپا نے تائید کی۔

"تو پھر بتایا کیوں نہیں؟"

"ڈاکٹر ہنری نے اپنا یہ راز مجھے نہ بتایا ہوتا مجھے دکھایا ہوتا تو میں اس پکچر گیلری میں پہلی بار آئی ہوں۔"

"مسز جمال! کیا سچ مچ شبیر میری بیٹی کا بیٹا ہے۔ میرا نواسہ ہے۔ لیکن...... لیکن آپ نے بتایا تھا وہ بن ماں کا بچہ ہے۔ اس کے پاپا نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔ اس کے پاپا اسے ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک بڑے بزنس مین جاگیردار ہیں۔ جبکہ شبیر مساوات کا قائل ایک نوجوان جسے غریبوں کے دکھ درد کا گہرا احساس ہے۔ مسز جمال اس کا مطلب ہے۔ میں اپنی بیٹی سے کبھی نہیں مل سکتا۔ وہ مر گئی ہوگی اس جہان فانی کو الوداع کر چکی ہے۔ وہ مجھے اور میں اسے نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ ایک دم سے رونے لگے۔ انہوں نے چلتے چلتے دیوار کا سہارا لیا۔ عدی نے بھاگ کے کرسی اٹھائی۔ عذرا نے انہیں تھاما۔

"ڈاکٹر! آپ کرسی پر بیٹھ جائیے۔" وہ زور زور سے رونے لگے۔ ہنسنے ہنسانے والے ڈاکٹر رو رہے تھے۔ زارو قطار آنکھوں پر رومال رکھے۔ ان کا سفید رومال اس سفید لہو سے جو ان کے دل سے ٹپک رہا تھا پورا بھیگ گیا۔

"اب میں اس کی سالگرہ کیسے منا سکتا ہوں۔ کیسے۔ میں تو ساری سالگرہیں بے مقصد مناتا رہا۔ بے مقصد دعائیں دیتا رہا۔ وہ موت کی سرد اندھیری رات میں گم ہو گئی میں اس کی روشن صبحوں کے خواب دیکھتا رہا۔" وہ پھر رونے لگے۔ ماحول انتہائی سوگوار ہو گیا۔

"ڈاکٹر! آپ تو دوسروں کے دکھ بانٹ لینے والے شفیق انسان ہیں۔ ہم آپ کا دکھ کیسے بانٹیں۔" عدی کو بھی صدمہ ہو رہا تھا۔

"کن الفاظ میں آپ کو تسلی دیں۔"

"رشتے دور بھی ہوں تو ان کی ٹھنڈک دل میں اتری رہتی ہے۔ اب میرا اس دنیا میں باقی کیا رہ گیا۔"

"ایسا نہ کہیں ڈاکٹر ہنری۔ شبیر آپ کی بیٹی کا بیٹا ہے' آپ کا واحد رشتے دار ہے۔"

وہ روتے روتے مسکرا دیے۔

"آپ کو مزے کی بات بتاؤں۔" عذرا نے معصوم انداز میں کہا۔ ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا۔

"مگر پہلے آپ کو مسکرانا ہوگا۔"

ایک دردناک مسکراہٹ ان کے لبوں پر آبسی۔

"آج کا دن شبیر کا جنم دن ہے۔ یہ کیک ہم اس کی سالگرہ کے کیک کے طور پر بھی کاٹ سکتے ہیں۔"

"آج شبیر کا جنم دن ہے۔ ارے کیسا حسین اتفاق ہے۔ جس تاریخ کو وہ خود پیدا ہوئی بیٹے کو بھی اسی روز جنم دیا۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہے تھے۔

"لیکن وہ مر کیوں گئی؟ مسز جمال! وہ مر کیوں گئی؟" وہ پھر افسردہ ہو گئے۔

"کیا آپ اسے جانتی تھیں۔ آپ نے اسے دیکھا تھا؟"

"اسے دیکھا نہیں جانتی بھی نہیں لیکن شبیر کو دیکھ کر جان گئی ہوں۔ وہ بالکل ایسی ہی ہوں گی اپنے بیٹے کی طرح ڈاکٹر ہنری آپ شبیر کو دیکھ کر اس سے مل کر خود ہی اندازہ لگا لیں گے کہ وہ کیسا ہے' کس پر گیا ہے۔"

"ممی! شبیر سے اس وقت بھی تو بات ہو سکتی ہے۔"

"ونڈرفل۔ ڈاکٹر۔ آپ شمی سے بات کیوں نہیں کرتے۔ یقینا یہ سن کر کہ آپ اس کے نانا ہیں وہ از حد خوش ہوگا۔"

عدی جلدی سے ٹیلی فون اٹھا لایا اور پاکستان کا نمبر گھمانے لگا۔ لاہور کے نمبر پر آمنہ خاتون نے بتایا کہ وہ عباس نگر گیا ہوا ہے۔ عدی نے عباس نگر کے سارے نمبر جلدی سے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھ لیے۔

مگر شبیر ان نمبروں میں سے ایک نمبر پر بھی نہیں مل سکا۔ شہری مصروفیات سے بہت دور عبداللہ پور میں وہ سب چین کے دن رات بسر کر رہے تھے۔ حویلی ان سب کے دم سے بارونق ہو گئی تھی۔ نبیل یزدانی بھی اپنے بزنس کے دھندوں سے کچھ وقت چرا کر ان کے ساتھ چلے آئے تھے۔ دن بھر وہ سب مختلف قسم کی مصروفیات میں گم رہتے۔ عائشہ گوہر کے ساتھ چپکی رہتی۔ عامر ساغر سارا دن آوارہ گردی کرتے۔ دھوپ میں پھرنے سے ان کے رنگ جھلس کر رہ گئے تھے۔ جوہر اور نبیل صبح لمبی واک پر نکل جاتے درختوں کے سایوں میں ندی کے پانی سے وضو کر کے نماز ادا کرتے اور پھر سات آٹھ بجے جب سورج پوری کائنات میں اپنی روشنی اور تمازت بکھیر دیتا لوٹ آتے۔ گوہر رانو کے ساتھ کچن کی مصروفیات میں گم رہتی۔ شبیر بیرونی برآمدے میں جہاں صبح کی ٹھنڈی ہوا جھر جھر چل رہی ہوتی کورس کی کتابوں میں گم رہتا۔

"گوہر باجی! کبھی کبھی آپ کچن سے فارغ ہوں گی بھی۔"

"کیا کروں ثریا۔ ناشتے سے فارغ ہوتی ہوں تو دوپہر کے کھانے کی فکر نہ نکلتی ہے۔ دوپہر کا کھانا بن جاتا ہے تو رات کا خیال پریشان کر دیتا ہے۔ جوہر آپا تو سیٹھانی ہیں کب کام کو ہاتھ لگانے لگیں۔ رانو نہ ہوتی تو جانے میرا کیا ہوتا۔"

"بی بی! آپ خود ضد کرتی ہیں۔ ورنہ میں بھی پکا سکتی ہوں سب کچھ۔ شبیر بھیا جب یہاں تھے ہمارے ہاتھ کا پکا ہی کھایا کرتے تھے۔"

گوہر خاموش رہی' رانو شبیر کے سر پر جا پہنچی۔

"بھیا۔ ان بے چاری کو آپ نے باورچی خانے میں قید کر دیا ہے۔ کیا وہ یہاں آگ جھونکنے ہی آئی ہیں۔"

"بی بی! وہ ہمارے ساتھ رہے گی تو یہ سب تو ہوگا ہی۔"

"کیا مطلب؟ اسے خدا نہ کرے۔ بھیا کیا شادی کے بعد بھی۔"

"ہاں ہاں شادی کے بعد تو یہ فرض اور بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اپنے میاں کو خوش رکھنے کا۔"

"اسے خدا آپ کو سلامت رکھے' پکانے ریندھنے کے لیے ایک سے ایک اچھا خانساماں رکھ سکتے ہیں آپ۔"

"جی نہیں۔ ایک یہی تو بات ہے۔ ہمیں تو مسرور کی بیوی جیسی بیوی چاہیے ہوگی۔ ہر دم خیال رکھنے والی۔ اپنے ہاتھوں پکا کر کھلانے والی۔ خود کپڑے دھونے اور پریس کرنے والی اور خود ہی بچے پالنے والی رانو بی بی۔ میں نے مسرور کو کئی بار چولہے پر تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے دیکھا ہے۔ ہمارا گھر جتنا بھی جدید ہوا۔ سہولیات جتنی بھی زیادہ ہو گئیں۔ کھانا میں کچن میں رنگین پایوں کی سیڑھی پر بیٹھ کر کھاؤں گا اپنا کلچر اپنا اصل مجھے بہت عزیز ہے کیونکہ اس میں محبتیں رچی بسی ہیں۔ کسی شخص کے حوالے سے کسی کی ذات کی وجہ سے جو تھوڑے سے دکھ اٹھائے جاتے ہیں ان کا بھی اپنا مزا ہے۔ دراصل یہ چھوٹے چھوٹے دکھ دکھ اٹھانے والے کو تو مزا دیتے ہی ہیں۔ جس کی خاطر اٹھائے جاتے ہیں۔ وہ بھی درد کی ان دیکھی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ ان کو یاد کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں بھی درد کی میٹھی میٹھی لہریں طوفان اٹھا دیتی ہیں۔ درد کے اس رشتے کی زنجیریں فولادی زنجیروں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ کبھی جدا نہیں ہونے دیتیں جکڑ کے رکھ دیتی ہیں۔"

اندر بیٹھی گوہر بخوبی یہ سب سن رہی تھی۔ یہ اس کے بھی دل کی آواز تھی۔ شبیر کی ذات کی نسبت سے جو خواب اس نے دیکھ رکھے تھے۔ ان میں ایک خواب یہ بھی تھا۔ ہانڈی میں چمچہ ہلاتے ہوئے وہ مسلسل سوچتی رہی۔

"محبت تو نام ہی ایک سفر کا ہے۔ مزا تب ہے کہ سفر تمام نہ ہو زندگی تمام ہو جائے۔ شمی تم سچ کہتے ہو۔ محبت کی خاطر اٹھائے جانے والے چھوٹے چھوٹے دکھ بڑے حسین ہوتے ہیں۔ اس قیامت کی گرمی میں میرا دل نہیں گھبرا رہا۔ تپش مجھے پریشان نہیں کر رہی۔ پسینے سے گھبراہٹ نہیں ہو رہی کتنی بے نیاز ہوں میں' اس سارے ماحول سے' صرف ایک نگاہ مہربان کی آس میں۔ صرف لبوں کی مسکان کی امید میں۔ تپش اور تھکن ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تمہاری رضا کی لگن مجھے تھکنے نہیں دے رہی۔ پکانے کا یہ سارا مرحلہ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ ہر چیز پہ تمہاری بھرپور توجہ ہے میری۔ صرف اسی آرزو میں کہ میری یہ محبت اس حد تک ضرور پہنچے جو تمہیں چونکا سکے جو تمہیں یہ احساس دے سکے کہ تمہاری گوہر تمہارے روحانی و جسمانی تقاضوں کو سمجھنے کی اہلیت رکھتی ہے۔"

وہ مسکراتی رہی' اس سے بے خبر کہ شبیر دروازے میں کھڑا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے دل کی یہ بات کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"آپا۔ آج آپ بھی بے چاری کی کچھ مدد کر دیجیے گا۔ باہر مردانے میں کچھ مہمان ہیں۔"

"مہمان۔"

"جی ہاں آپا۔ قریبی علاقے کے زمینداروں کا بیٹا ہے۔ مجھ سے ایک سال سینئر ہے۔ امتحان دے کر فارغ ہو چکا ہے۔ لیکن الیکشن کے دنوں میں اس نے میری بھرپور مدد کی۔ اپنا اثر و رسوخ میرے لیے استعمال کیا۔"

"کون ہے وہ کیا میں اسے نہیں جانتی۔"

"شاید اس کا نام امتیاز رند ہے۔ لاہور میں ایک بہت بڑی کوٹھی والد نے صرف اسی کی خاطر بنا کے دی ہے۔

وہیں رہتا ہے۔ پکا سیاسی خاندان ہے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ضلع کونسل کا ممبر چنا گیا۔ اس علاقے میں کسی کام سے آیا تھا۔ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ از راہ اخلاق اسے مدعو کرنا پڑا۔ ماموں واسطی کے اور اس کے خاندان میں کسی وجہ سے تھوڑی ان بن تھی۔ میرے ساتھ تعاون کرنے پر ماموں واسطی بگڑ گیا۔ اسے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

گوہر چونک گئی۔ امتیاز رند کو الیکشن کے دنوں میں کئی بار اس نے شبیر کے ساتھ دیکھا تھا۔ لڑکیاں اس کی امارت و وجاہت سے مرعوب ہوتے ہوئے بھی اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتی تھیں۔ اسے شبیر سے امتیاز کی ملاقاتیں پسند نہیں آئی تھیں۔ لیکن وہ اس وقت الیکشن کے سبب اور اب گھر آئے مہمان کی حیثیت سے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر تھی۔

''میں نے انہیں روک لیا ہے۔ مسرور کو شہر بھیج دیا ہے تاکہ وہ ان کی جیپ کی اسٹپنی اور چوتھا وہیل ٹھیک کرا لائے۔ رات وہ یہیں رہیں گے۔ صبح چلے جائیں گے۔ کھانے میں جو کچھ بنانا ہو مجھے بتا دیں تاکہ کسی کو بھیج کر ضرورت کی اشیاء قصبے سے منگوا سکوں۔''

جوہر آپا نے کچھ دیر بعد ایک لمبی لسٹ شبیر کے ہاتھ میں تھما دی۔

''امتیاز رند کے بہانے تھوڑا سا عیش ہم بھی کیوں نہ کر لیں۔'' انہوں نے شبیر کو چڑایا۔

''بصد شوق۔ بصد شوق۔ آپ کہیں تو میں اپنے مہمان کو نہار منہ واپس بھیج دیتا ہوں۔ سب کچھ آپ ہی۔''

''اوہ نو کزن! ہم ایسے بھی خود غرض نہیں ہیں اپنے دو دو بلکہ تین تین رشتوں کا کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔''

''تھینک یو۔ خدایا تیرا احسان ہے کہ آج کی اس خود غرض دنیا میں ایسے بے غرض لوگ بھی موجود ہیں۔'' وہ مسکرایا اور لسٹ لے کر چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

آٹھ دن عبداللہ کے سبز کھیتوں میں گزار کر تازہ ہواؤں کا لطف اٹھا کر وہ سب عباس نگر لوٹ آئے۔ واپس آ کے گوہر نے دیکھا صفیہ بیگم اسے بہت پریشان سی نظر آئیں۔ وہ خود بھی پریشان ہوگئی۔ دن تو سب میں گھر کر گزر گیا رات کو تنہائی میسر آئی تو اس نے جھٹ پوچھ ڈالا۔

''اماں! آپ کا چہرہ بجھا بجھا سا ہے' خیر تو ہے؟''

''کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے تم نے ایسا محسوس کیا ہوگا۔ میں تو ویسی ہوں جیسی پہلے تھی۔''

''نہیں اماں! بات کچھ ہے ضرور۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ تم جاؤ' جا کے سو رہو۔ جو ہر بتا رہی تھی عبداللہ پور میں کام کی ساری ذمہ داری تم پر تھی۔''

''تو کیا ہوا اماں میں نے آٹھ دن کام کیا اور آپ جو ساری زندگی کرتی رہی ہیں اور کرتی ہیں کیا آپ نہیں تھکتیں۔''

''میری بات اور ہے۔''

''فکر نہ کریں' میری بات بھی وہی ہے جو آپ کی ہے۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ باہمت عورت ہی بنوں گی۔ اماں آپ مجھے بات نہیں بتائیں گی۔''

''گوری تو بڑی باتیں مجھ سے چھپا سکتی ہے تو مجھے بھی حق ہے تجھ سے باتیں چھپانے کا۔''

''میں نے اماں! میں نے آپ سے بات چھپائی ہے۔ خدا کی قسم میں۔ میں۔''

''مجھے بے حد دکھ ہوا۔ بیٹی کی زندگی کی اتنی اہم بات اور ماں جانتی تک نہ ہو۔''

''کیسی بات اماں؟''

''گوری تو ڈاکٹر ہارون کو جانتی ہے۔''

''جی۔ ڈاکٹر ہارون' ہارون واسطی۔ جی ہاں اماں میں انہیں جانتی ہوں۔''

''اور وہ تجھے پسند بھی کرتی ہے؟''

''جی۔ یہ کس نے کہا۔ ہرگز نہیں ایسا۔ میں انہیں' میرا مطلب ہے' وہ جتنے بھی اچھے ہوں میں انہیں کیوں پسند کرنے لگی۔''

''گوری! شبیر کے نام کی انگوٹھی جا ہے تو نے میری مرضی پر پہنی تھی تجھے اس خیانت کا کوئی حق نہ تھا۔ تو نے مجھے بے حد دکھ دیا ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔ میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔''

''گوری! تو دنیا کو بے وقوف بنا سکتی ہے' ماں کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ اس بچے کو محرومیوں کے سوا ملا ہی کیا ہے۔ یہ حق اس کا نصیب تھا۔ تیری طرف سے ملنا تھا۔''

''اماں! آپ صاف صاف بات کریں۔''

''کیا بتاؤں بیٹا کہ تیری خواہش پر ڈاکٹر ہارون کے گھر والے تیرا رشتہ لائے ہیں۔''

''میرا رشتہ۔ ڈاکٹر ہارون کے گھر والے۔ اوہ نہیں اماں۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔''

''وہی جو یہاں ہوا ہے' وہ منگنی کی انگوٹھی تک ساتھ لائے تھے۔ میں ہکا بکا رہ گئی۔''

''آپ نے ان سے کیا کہا؟ وہ کس سے ملے؟ کیا چچی اماں نے بھی انہیں دیکھا؟''

''میں تو ان کی بے عزتی کرنے کو تیار تھی۔ بس چچی اماں نے مجھے روک لیا کہ بیٹی والے گھر میں ہر شخص آ سکتا ہے۔ وہ اس علاقے کے لوگ ہیں خبر ہوئی ہوگی کہ تمہاری بیٹی کنواری بیٹھی ہے۔ چلے آئے' بتا کر معذرت کر لو۔ لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب لڑکے کی بہن نے مجھے بتایا کہ تم اور ڈاکٹر ہارون ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی خدا کا شکر ہے کہ چچی اماں اس وقت موجود نہ تھیں۔ میں تو زمین میں گڑ جاتی۔''

گوہر نے حیران ہو کے ماں کو دیکھا۔

''تمہارے جانے کے دوسرے دن لندن سے فون آیا تھا۔ عدی کا۔ عدی شبیر کا دوست ہے نا۔ وہ بتا رہا تھا کہ شبیر کے نانا زندہ ہیں۔ اسے ملنا چاہتے ہیں۔ جلد ہی پاکستان آئیں گے۔ کیا معلوم حالات کس رخ جا رہے ہیں۔''

''شبیر کے نانا۔ کہاں ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ انہیں ہمارے گھر کی خبر کیسے ہوئی؟ وہ کب آ رہے ہیں؟''

''تمہیں اس سے کیا جب تمہیں شبیر سے ہی مطلب نہیں تو اس کے نانا سے کیا واسطہ؟''

''اماں! آپ تو سدا مجھے غلط سمجھتی رہی ہیں۔ آپ کو کبھی مجھ پر اعتبار آئے گا بھی نہیں۔''

''کس بات کا اعتبار کروں۔ انہیں کیسے یہ جرأت ہوئی اتنی بڑی بات کہنے کی تمہاری مرضی کے بغیر۔''

''راہ چلتا کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں اسے پسند کرتی ہوں تو آپ تو وہ بھی مان لیں گی۔''

''وہ راہ چلتے نہیں عزت دار لوگ ہیں۔ اتنی بڑی بات ایسے نہیں کہہ سکتے۔ تمہاری رضامندی کے بنا۔''

''اماں!''

"گوری وہ لاکھ بڑے آدمی ہوں عزت دار ہوں۔ پر تو اتنا تو یاد رکھتی تیری ننھیال کے دشمن ہیں۔ ارے بھائی مجھ سے جتنا بھی بیگانہ ہو میں ایسی کم ظرف تو نہیں کہ اس کے دشمنوں سے رشتے جوڑتی پھروں۔ مجھے صاف صاف بتا دے۔ تیری خوشی کی خاطر تجھے ان کے حوالے کر کے میں تجھ سے ہر ناتا توڑ بھی سکتی ہوں۔ اچھا ہوا شبیر کے ننھیال کا پتا ل گیا۔ یہاں کے لڑکے وہاں جا کر اپنا وطن بھول جاتے ہیں۔ شبیر کا تو گھر ہی وہاں پر ہوا اجڑ میں جا کے محبتیں پا کے۔ کسی اچھی سی لڑکی کو بیوی بنا کے وہ سب دکھ بھول جائے گا۔"

"اماں! آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ میری سنے بغیر اپنی کہے جا رہی ہیں مجھے کہنے کا حق تو دیں۔ میری سنیں تو سہی۔"

"اب کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ اتار دو یہ انگوٹھی۔ جو تم نے مارے خوف کے سجا رکھی ہے ہاتھ میں۔ میں کل ہی تیری اماں سے کہہ کر بات ختم کر دوں گی اور پرسوں ان لوگوں کو بلوا کر......"

"اماں! اماں پلیز! اماں!" وہ روہانسی ہو گئی۔

"مت چلاؤ نفرت ہو گئی ہے مجھے تم سے۔ اسی لیے تو میں تمہاری اعلیٰ تعلیم کے خلاف تھی۔ اری کم بخت کیا کمی تھی میرے ہیرے جیسے بھتیجے میں؟ اور کیا خوبی ہے اس موئے ڈاکٹر ہارون واسطی میں جو تو نے اسے ٹھکرا کر......"

"اماں! خدا کے لیے آگے ایک لفظ بھی نہیں کہیے گا۔ ایک چھوٹی سی بات آپ سب سے چھپا کر میں نے جو غلطی کی اس کا اندازہ آج ہو رہا ہے۔ کاش میں نے ماموں کو...... شبیر کو سب کچھ بتا دیا ہوتا آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا آپ کی غلط فہمی آپ کے دل کا آزار نہ بنتی۔"

اس نے ساری بات ماں کو بتا دی۔ یہاں تک کہ ماموں واسطی کی طرف سے ملنے والی پریشانیاں بھی۔ وہ سارے دکھ جو ہم دم و ہم راز سمجھتے ہوئے بھی وہ شبیر سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ کسی ننھی بچی کی طرح وہ حنیفہ بیگم کی آغوش میں چھپی سسکتی رہی۔

"اماں! شبیر سے میں بدگمان ضرور تھی متنفر نہیں اور یہ سب کچھ ممانی سعیدہ بیگم کے ایما پر ان کی بیٹیوں نے کیا تھا۔ اس کے فرضی معاشقوں کی کئی داستانیں انہوں نے میرے گوش گزار کی تھیں۔ میں نے شبیر کو کیسا پایا میرے دل میں اس کی کتنی قدر ہے۔ اس سے صرف میں ہی آگاہ ہوں۔"

"میں جان گئی ہوں بیٹی! ایک اتفاق کا سہارا لے کر ماموں واسطی شبیر کو آزار پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا تھا۔ گوہر میرے بھتیجے کی دلہن ہے اور میں یہ رشتہ مر کر بھی نہیں توڑ سکتی۔ یہ بات تمہارے ابا تک بھی پہنچی ہے۔ امین واسطی نے اپنے کسی دوست کے ہاتھ پیغام بھجوایا ہے۔ انہوں نے بھی صاف کہہ دیا ہے۔ کل ان لوگوں نے پھر فون پر بات کی۔ وہ کہہ رہے تھے وہ کئی سال تک اس رشتے کا انتظار کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا شبیر کے تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ہم شادی کر دیں گے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔"

"گوہر! اگر کوئی بات تھی تو تمہیں شبیر کو بتانا چاہیے تھی۔ مرد کا دل کسی نازک نفیس آئینے سے کم نہیں ہوتا۔ اس میں بال آ جائے تو تمام عمر قائم رہتا ہے۔ شبیر تم سے محبت کرتا ہے گوہر۔ مرد کی محبت عورت کا قیمتی اثاثہ ہے۔ اس محبت کے سہارے وہ زمانے بھر کے دکھ بے معنی جان کر زندگی عزت سے گزار سکتی ہے۔ محبت کے پودے کی پرورش اعتماد جیسے آب حیات سے ہی ہو سکتی ہے۔"

"میں ڈر رہی تھی اماں۔ میری بات ان دونوں کی دشمنی بڑھا نہ دے۔ بس اسی سبب میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ اسی سبب اس نے مجھے کئی بار دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ وہ مجھے اپنی بھابی بنا کر ہی دم لے گا۔"

"گوہر! تم اب لاہور نہ جاؤ۔ اس انکار سے برانگیختہ ہو کر وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھے۔"

"اس کی کیا جرأت ہے اماں۔ کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔ شبیر ایک باہمت انسان کا نام ہے۔ اس کی پشت پر اس جیسے سینکڑوں لڑکے ہیں۔ وہ مجھ پر ہی کیا یونیورسٹی کی ہر لڑکی پر اس کی عزت کی حفاظت کے لیے جانیں قربان کر سکتے ہیں۔ ماموں بھول کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتا۔"

"تمہاری مرضی ہے ورنہ میں تو یہی چاہوں گی ایم اے شیم۔ اسے گولی مارو اور گھر بیٹھ رہو۔"

"اماں! میری اعلیٰ تعلیم میری ہی نہیں کتنی لوگوں کی خوشی ہے اور ان میں سے ایک شبیر بھی ہے۔ اماں۔ شبیر کے نانا سے آپ کی بات بھی ہوئی۔ کیا کہا انہوں نے؟"

"نہیں بیٹے! میں نے بات نہیں کی۔ میں کیسے بات کرتی وہ انگریزی بولتے ہوں گے۔ میری بات کیسے سمجھتے۔"

"آپ نے شبیر کو بتایا؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"ھدی نے منع کیا تھا۔ یہاں آ کر وہ اسے سرپرائز دیں گے۔"

"تم بھی اسے نہ بتانا۔ اور سنو اور بھی کوئی بات نہ بتانا۔ اس کا دل دکھ جائے گا۔"

"او کے مائی سویٹ مدر۔" وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

نوشی اپنی گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکال رہی تھی۔ جب اس نے امتیاز رندھاوا کی گاڑی گیٹ پر رکتے دیکھی۔ گاڑی ریورس کر کے باہر لا کر رک گئی۔ گیٹ سے شبیر عسکری نکل رہا تھا۔ گرمجوشی سے اس کی طرف بڑھا۔

"ہیلو امتیاز۔"

"ہیلو عسکری ڈیئر بھئی کیسے ہو؟"

"اللہ کے کرم سے ٹھیک ٹھاک آپ سنائیں۔"

"بس۔ میرا کیا ہے۔ اس دن تم نے مدد نہ کی ہوتی یار تو ابھی تک عبداللہ پور کے جنگلوں کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا۔"

"اوہ نو امتیاز رندھاوا وقتی کے تے وہ تو میرا فرض تھا۔ آپ میرے مہمان تھے۔"

"تمہاری مہمان نوازی اور رات کا کھانا بھلائے نہیں بھول سکتا۔ ویسے اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

"آف ہوا گھر جا رہا ہوں۔"

"یار۔ کچھ دیر کے لیے ہم غریبوں کو بھی پوچھ لو۔"

شبیر ہنس دیا۔

"آپ غریب نہیں ہمارے محسن ہیں۔ اور شبیر اپنے محسنوں کو کبھی نہیں بھولتا۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"حکم نہیں التجا۔ صاحب آپ بھی خاصی اونچی چیز ہیں۔ آپ پر کوئی کیسے حکم چلا سکتا ہے۔"

"پھر بھی۔"

"آج شام کا کھانا میرے ساتھ۔ میرے کچھ غیر ملکی دوست آ رہے ہیں۔ شبیر عسکری جیسے دوست عزت افزائی کا سبب بن سکتے ہیں ان کے سامنے۔"

"او۔ کے۔ ٹائم؟"
"یہی رات آٹھ بجے۔ پرل میں۔"
"ٹھیک ہے آ جاؤں گا اور کوئی حکم۔" وہ مسکرایا۔
"اور جو بھی ہوگا پھر کبھی سہی۔ اس وقت صرف اتنی سی بات ہے۔"
"ٹھیک ہے خدا حافظ۔"
"خدا حافظ۔"
گاڑی آگے نکل گئی۔
"ہیلو مس نوشی۔"
مامون گاڑی کی کھلی کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔
"بڑی محو ہیں کیا دیکھ رہی ہیں۔"
"ایک شخص کو دیکھ رہی تھی۔"
"کسے؟ شبیر عسکری کو؟"
"نہیں۔"
"امتیاز رند کو؟"
"آف کورس۔ یہ تو مجھے آج پتا چلا۔ موصوف شبیر عسکری کے دوست ہیں۔"
"دوستی کے لیے لوگ برابر کے لوگوں کو بلکہ ہم پیالہ و ہم نوالہ لوگوں کو تلاش کرتے ہیں۔"
چھن چھن۔ چھن۔ تکلیف دہ یادوں کے رباب جھنجھنا اٹھے۔
"نوشی! آپ غصے میں ہیں۔"
"آپ نے سچ کہا۔"
"وجہ؟"
"امتیاز رند اس کی وجہ ہے۔"
"امتیاز رند۔"
"ہاں مامون واسطی۔ مجھے اسے قتل کرنا ہے۔ جان سے مارنا ہے ایک زیادتی کا حساب چکانا ہے۔ مجھے جانے دیں اس کا پیچھا کرنے دیں۔"
"مس نوشی! میری بات سنیں۔"
"پھر سن لوں گی۔ فی الحال جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔"
نوشی امتیاز رند اور شبیر عسکری کو ایک ساتھ دیکھ کر حیران تھی۔ شبیر اپنی سوزوکی کا لاک کھول رہا تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف بڑھی۔ بنا سوچے سمجھے۔ اس سے مخاطب ہوئی۔

☆☆

"آپ شبیر عسکری ہیں نا صدر یونین پنجاب یونیورسٹی۔" چابی گھماتے شبیر کے ہاتھ ایک دم رک گئے۔ اس نے مڑ کر نوشی کی طرف دیکھا۔ ایک حسین ترین چہرہ شبیر کے سامنے تھا۔
"جی ..... جی ہاں۔ مگر آپ کی تعریف۔"

"میں نوشابہ ہوں۔"
"اوہ مس نوشابہ۔ یقیناً آپ میری یونیورسٹی فیلو ہیں' کلاس میں تو میں نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا۔"
"فرض کیا یونیورسٹی فیلو بھی نہ ہوں' تب۔ تب کیا آپ پر میرا کوئی حق نہیں ہوگا۔ میرا مطلب ہے انسانیت کے ناتے۔"
"نہیں۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں موسٹ ویلکم۔"
"مسٹر شبیر! میں کئی دنوں سے آپ کی تلاش میں تھی۔" وہ اب بھی غصے میں تھی۔
"میری تلاش میں' خیریت؟"
"آپ نے خود کو اپنے ساتھی طلباء و طالبات کی خدمت کے لیے وقف کر دینے کا اعلان کیا ہے نا۔"
"بے شک' بے شک مگر آپ...... آپ کو خدانخواستہ۔ میرے خیال میں کوئی پرابلم نہیں ہونا چاہیے۔"
"پرابلم کئی طرح کے ہو سکتے ہیں مسٹر شبیر! صرف غریبی ہی نہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا تن پر عمدہ لباس ہو بیش قیمت گاڑی کی چابی ہاتھ میں ہو۔ تو انسان کو کوئی پرابلم نہیں ہوتا۔"
شبیر نے جواب تک اسے ایک عام سی لڑکی سمجھ رہا تھا اس لہجے پر چونک کے اسے دیکھا۔
"مس نوشابہ! آپ مجھ سے ہر قسم کی بات بڑے اعتماد کے ساتھ کھل کر کر سکتی ہیں۔ آپ کی الجھی الجھی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔"
اس نے اپنا رخ مکمل طور پر نوشابہ کی طرف موڑ دیا اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔
"ابھی جس شخص سے آپ بات کر رہے تھے وہ آپ کا کیا ہے؟"
"ابھی۔ جس سے بات کر رہا تھا۔ آپ کا مطلب امتیاز رند سے ہے۔ امتیاز رند کو تو آپ بھی جانتی ہوں گی۔ مجھ سے ایک سال سینئر تھا ابھی ان ہی دنوں اسٹڈی سے فارغ ہوا ہے۔ اس کا تعلق ہمارے آبائی علاقے سے ہے۔ اور...... اور...... یہاں پر بھی میری اس سے اچھی ہیلو ہائے ہے...... الیکشن کے دنوں میں میرے کہے بغیر اس نے میری ممکنہ مدد کی اور اپنے اثر و رسوخ کو میری حمایت کے لیے استعمال کیا۔ سو اس لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہی آزمائی فرینڈ۔"
"تو وہ آپ کا دوست ہے۔" اس نے الفاظ چبا کے ادا کیے۔
"جی...... جی ہاں ...... مگر...... مگر آپ۔ آپ اس انداز سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"
"یہ بات سر راہ بتانے کی نہیں ہے۔"
"کون سی بات؟" شبیر اس کے تیوروں سے گھبرا گیا۔
"دیکھیے مس نوشابہ! اس سے قبل مجھ میں اور آپ میں کوئی ملاقات نہیں ہے۔ ہم پہلی بار ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ میں آپ کو جانتا تک نہیں۔ آپ کا مسئلہ کیا ہے یقیناً جانے بغیر مجھے خبر ہوگی بھی نہیں۔"
"میں بھی تو آپ کو بتانے کا ارادہ لے کر آئی ہوں۔"
"ضرور بتائیے۔ مجھ سے جس حد تک ممکن ہوا میں آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔"
"تو کیا آپ کے پاس اتنا وقت ہے۔ جو میری بات سن سکیں۔"
"وقت ہوتا نہیں نکالنا پڑتا ہے۔ خواہ کسی کام کے لیے کیوں نہ ہو۔ آپ ابھی اور اسی وقت مجھ سے بات کر سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیا یہیں کھڑے کھڑے۔"

"اوہ آئی ایم سوری۔ جہاں بھی آپ چاہیں۔"

"آج رات آٹھ بجے آپ میرے گھر تشریف لے آیئے گا۔ یہ میرا کارڈ ہے۔" اس نے پرس سے چھوٹا سا وزیٹنگ کارڈ نکالا۔

"آج رات آٹھ بجے۔" وہ تھوڑا ہچکچایا۔

"ارے آپ تو آٹھ بجے رات کے لیے مدعو ہیں۔ کیسے آسکیں گے اور وہ بھی ایک مظلوم کی طرف۔ آپ کو تو اپنے لٹیرے دوست کے بلاوے پر جانا ہے۔ نہ جانے وہاں کیا پروگرام ہوگا شباب و شراب کی کیسی رنگین محفل ہو گی۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"مس نوشابہ! آپ بہت غلط الفاظ استعمال کر رہی ہیں۔ امتیاز رند نے اپنے غیر ملکی دوستوں کو ڈنر پر بلایا ہے اور ایک دوست ہونے کے ناتے مجھے بھی انوائیٹ کر لیا ہے اور جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں ایسی باتوں کا گزر میرے خوابوں سے بھی کبھی نہیں ہوا۔ آپ کسی سنگین مسئلے سے دوچار ہیں تو میں اس سے معذرت کر سکتا ہوں۔ آپ کے کام آ کر مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ بہ نسبت اس ڈنر میں شرکت کے۔ لیکن مس نوشابہ! آپ مظلوم ہیں اور امتیاز رند ایک لٹیرا۔ بات میری سمجھ میں آئی نہیں۔ آپ اپنی وضع قطع سے ایک خوشحال، صحت مند توانا...... اور مطمئن انسان نظر آ رہی ہیں اور امتیاز رند ایک تہذیب یافتہ پڑھا لکھا نوجوان ہے۔ جسے چند دن ہوئے صوبائی حکومت میں ایک اچھی جاب پر تعینات کیا گیا ہے۔ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی اچھا ہے پھر وہ لٹیرا کیسے ہوا؟"

"کیا آپ نے توانا چہروں کے پیچھے سسکتی بیمار روحیں کبھی نہیں دیکھیں۔ کیا آپ کو خبر نہیں تہذیب کے لبادے میں کتنی خبیث روحیں چھپی ہوئی ہیں۔ میں ایک بیمار روح ہوں اور امتیاز ایک خبیث روح۔ گھناؤنا انسان۔ اور زمانہ ہم دونوں کو دیکھ کر کوئی انداز نہیں لگا سکتا۔"

شبیر ان الفاظ میں کھویا ہوا تھا۔ بات کچھ سمجھ میں آئی تھی کچھ نہیں آئی تھی۔

"ون منٹ پلیز کیا آپ میرے ساتھ دو منٹ کہیں چل کر بیٹھ سکتی ہیں۔ ہم تسلی سے باتیں کر سکیں گے۔"

"وائے ناٹ۔"

اتنے میں گوہر گیٹ سے باہر آ چکی تھی۔ چھٹیاں ختم ہونے کے بعد یہ پہلا دن تھا یونیورسٹی کا۔ وہ شبیر سے جی بھر کے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ آج از خود کہہ کر لنچ کسی ہوٹل میں لینے کا پروگرام بنانے بیٹھی تھی۔ لیکن باہر نکل کر ایک لڑکی کے ساتھ اسے محو گفتگو دیکھ کر وہ سنجیدہ سی ہوئی۔ رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ شاید کوئی اہم مسئلہ تھا۔

"گوہر! تم ٹیکسی سے گھر چلی جاؤ۔ مجھے ضروری کام ہے۔ فارغ ہو کر خود ہی آ جاؤں گا۔" اس نے گوہر پر کوئی توجہ دی ہی نہیں۔

"آپ اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دیں۔" اس نے نوشابہ کو مخاطب کیا۔

"نہیں مسٹر شبیر! آپ اپنی گاڑی میں چلیں، میں اپنی گاڑی میں آتی ہوں۔ آپ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیے۔" نوشابہ نے بھی گوہر پر کوئی توجہ نہ دی۔

گوہر اس کا منہ دیکھنے کی باری ہاری۔ شبیر نے گاڑی کا لاک کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور دوسرے پل گاڑی نوشابہ کی گاڑی کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ گوہر اس کی بے پروائی اور بے نیازی پر حیران و ششدر کھڑی تھی۔

"ہیلو مس گوہر!"

اس نے دائیں سمت دیکھا۔ اپنی گاڑی کے کھلے شیشے سے مامون واسطی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔ شبیر تو آج بے حد مصروف ہے۔ یونیورسٹی کی حسین ترین لڑکی کے ساتھ اپائنٹمنٹ تھی اس کی۔ آپ کو وہ کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے تو آپ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔"

گوہر کے دل میں کانٹا تو پہلے ہی چبھا ہوا تھا مامون کی دخل اندازی پر وہ جل ہی گئی۔

"آپ کو جلتی پر تیل گرانے کا خوب ڈھنگ آتا ہے مسٹر مامون واسطی! لیکن شبیر شہر کی ساری لڑکیوں کے جلو میں دن رات بھی پھرتا رہے تب بھی مجھے آپ کی لفٹ کی ضرورت نہیں۔"

"مس گوہر! میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔"

"کیسے دوست؟ آپ تو میری زندگی کے سکون کے درپے ہیں، ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔ میرے گھر تک جا پہنچے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے آپ کے مکروہ ارادے کبھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

وہ مسکرا دیا۔ اس کی مکروہ مسکراہٹ گوہر کا دل دہلا گئی۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال آپ تشریف لے آیئے تو میں آپ کو چھوڑ دوں۔"

گوہر پیر پٹخ کر آگے بڑھی اور سڑک پر جاتی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اندر بیٹھ گئی۔

شبیر کی بے نیازی، مامون کی باتیں دونوں گوہر کے دل میں شور مچانے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

"بولیے جواب دیجیے کیا کہتا ہے آپ کا قانون انسانیت اس زیادتی کے بارے میں۔ کیا حل ہے اس الجھن کا کون سی بات میری کھوئی ہوئی عصمت اور لٹا ہوا چین واپس لا سکتی ہے۔" اس نے اپنی بات مکمل کر کے شبیر سے سوال کر ڈالا۔

"آپ نے اسی وقت رپورٹ درج کرائی ہوتی مس نوشابہ اسی وقت۔"

"آپ کا مطلب پولیس سے ہے؟"

"جی...... جی ہاں...... قانون میں ہر جرم کی سزا موجود ہے۔ وہ قانون کے ہاتھوں بچ کر کہیں نہ جا سکتا۔"

"کیا آپ کا قانون اس کو پھانسی چڑھا کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا؟ کیا آپ کا قانون مجھے زمانے بھر میں رسوا ہونے سے بچا لیتا کیا آپ کا قانون مجھے لوگوں کی تمسخرانہ باتوں اور اٹھتی انگلیوں سے بچا لیتا؟ اس وقت اس ذلت کی اس حادثے کی مجھے میری گرینڈ ما کو یا آپ کو خبر ہے تب سارے جہاں کو ہوتی۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل تو اب بھی نہیں سمجھتی تب تو ایک پل نہ جی سکتی۔ میں جینا تو اب بھی نہیں چاہتی۔ اس نے میرے حسین خواب، میری معصوم آرزوئیں، میری خوب صورت امنگیں سب مٹا ڈالی ہیں۔ اس نے میری روح کچل دی ہے۔ میری عزت کو تاراج کر دیا ہے۔ وہ انسان نہیں شیطان ہے ابلیس ہے۔"

"ہر مسئلے کا ایک حل ہوتا ہے۔ مس۔ اور میں ہمیشہ مثبت حل کا قائل رہا ہوں۔ وہ میرا دوست ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ اس کی خامیاں مجھے اچھائیاں نظر آئیں۔ اگر وہ میرا جگری یار بھی ہوتا تب بھی میرا ووٹ، میری ہمدردی اس کے بجائے آپ کے ساتھ ہی ہوتی۔ اور میرا مشورہ ہوتا کہ آپ اس کے خلاف سنگین ترین جرم کا مقدمہ درج کرا دیں۔ تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا پا سکے۔"

"ہرگز نہیں! مجھے اس بے چارگی اور بے بسی کے ساتھ اخباروں کی سرخی بننے کا کوئی شوق نہیں، کیا چاہتے ہیں

آپ۔ اس معاشرے کا کوئی فرد مجھے آنکھ اٹھا کر عزت و احترام سے دیکھنا پسند نہ کرے۔ یہ خبر دور دیس رہنے والے میرے پاپا تک بھی پہنچ جائے۔ اور...... اور...... اور زندگی بھر کوئی شریف انسان میرا ہاتھ تھامنے کو تیار نہ ہو سکے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا واقعہ آپ کے ساتھ پیش آئے شبیر عسکری صاحب۔ آپ کو میرے لہولہو دل کی شکستگی کا اندازہ نہیں۔ آپ کو میرے زخموں کی گہرائی کا احساس نہیں۔ میں اندر مر چکی ہوں۔ اور جو تھوڑی سی زندہ رہ گئی ہوں۔ وہ صرف اور صرف اپنے اندر جلتی آگ کو بجھانے کے لیے۔"

"مس نوشابہ آپ بہت زیادہ ڈیپریسڈ ہیں بہت ہی مایوس ہیں۔ زندگی اس سے بھی بڑے امتحان لیتی ہے۔ آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ میں آج اور ابھی امتیاز رند سے بات کرتا ہوں۔"

"کیسی بات؟"

"اس سانحے کی تلافی جس طرح بھی ممکن ہو وہ کرے۔"

"تلافی۔ ہونہہ!" وہ طنز سے ساتھ مسکرائی۔

"ہر شے کی تلافی ممکن ہے شبیر عسکری۔ لیکن عصمت کا گوہر آبدار لٹ کر واپس نہیں مل سکتا۔"

"مجھے سوچنے دیجیے۔"

"کیا سوچیں گے آپ۔"

"آپ کے سکون دل کی کوئی راہ۔"

"میرا سکون کبھی لوٹ کر نہیں آ سکتا۔ مجھے زندگی میں کچھ عزیز تھا تو میرا اپنا نسوانی وقار۔ اپنی عزت و عصمت جس پر ہر شریف النفس لڑکی کو فخر ہوتا ہے۔ اب میرا سکون میری موت میں ہی مضمر ہے مسٹر شبیر۔ میں اپنے ناکام و نامراد پاپا کا قیمتی اثاثہ تھی۔ ان کے خواب میرے بارے میں بہت اونچے تھے۔ وہ کہتے تھے نوشی! میں تمہیں ایک قابل رشک زندگی دینا چاہتا ہوں۔ جو کچھ میں نے پا کے کھو دیا وہ عمر بھر تمہارا نصیب دیکھنا چاہتا ہوں۔ شادی کے معاملے میں تم پر اپنی رائے مسلط نہیں کروں گا۔ لیکن اتنا ضرور چاہوں گا کہ تم شرافت اور شرم و حیا کی عمدہ تفسیر بنتا...... اور نسوانی وقار کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے لیے اچھا سا ساتھی چن لینا۔ مگر مسٹر شبیر اس کی تو نوبت ہی نہ آئی۔ کوئی اچھا انسان پا لینے سے قبل ہی میں کھوٹے سکے کا روپ دھار گئی۔ مجھے جھوٹ اور دھوکے سے نفرت ہے۔ میں کسی اچھے انسان کو دھوکا نہیں دے سکتی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ کسی کو صرف اس نیت سے دیکھ ہی لوں کہ زندگی کا ساتھی بنا لوں۔ مسئلہ یہ ہے مسٹر شبیر عسکری کہ فریق ثانی بے شک مطمئن ہی رہے میں پر سکون نہ ہو پاؤں گی۔ ایک عورت اپنی نئی زندگی کی شروعات میں اپنے ساتھ ایک قیمتی تحفہ اپنی عزت و عصمت ہی تو لے کر جاتی ہے...... میں...... میں...... میں......"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ شبیر کو کسی نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ نوشی کے سارے مسئلے اس کی سمجھ میں آنے لگے۔ "اگر اس کی گوہر کے ساتھ ایسا حادثہ پیش آ جائے تو۔"

وہ اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

"مس نوشابہ! میں ابھی اور اسی وقت جا کر امتیاز سے بات کرتا ہوں۔"

"کیسی بات؟ میں نے آپ سے کہا نا اس کی تلافی کی صرف ایک ہی صورت ہے۔"

"مس نوشابہ! میں دوست کی حیثیت سے نہیں بلکہ آپ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسے مجبور کروں گا کہ وہ آپ سے شادی کر سکے۔"

"وہ مجھ سے شادی کرے۔ امپاسبل۔ قطعی ناممکن وہ میرے خوابوں کا قاتل ہے۔ میں اسے ایک پل کے لیے برداشت نہیں کر سکتی۔ میرے خوابوں میں اس جیسے لوگوں کا گزر نہیں تھا شبیر عسکری میرے خواب بہت معصوم تھے۔ اور جو کچھ میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے اگر وہ سچ ہے تو میرا آئیڈیل آپ تھے۔ آپ جیسا ہونا۔ ہو سکے کیسے کیا میں اس قابل بھی رہ گئی ہوں کہ اس بات کا ہی اظہار کر دوں کہ میں...... میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔" شبیر نے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس میز پر رکھ دیا۔

"مس نوشابہ! میں انسانی جان کی اہمیت اور قدر و قیمت سے آگاہ ہوں انسانی قدروں کی پاسداری اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ آپ نے ایک ذمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے۔ میں اسے بہ احسن طریق پورا کروں گا۔ جو کچھ آپ نے مجھے بتایا ہے میں اس پر غور کروں گا۔ اور...... آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں آپ کی ہر بات کا جواب ضرور دوں گا اور ان شاء اللہ مثبت صورت میں۔ اس وقت اجازت دیجیے۔ جلد ملاقات ہوگی۔"

وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نوشی نے بھی میز چھوڑ دی۔ دونوں کیبن سے باہر آ گئے۔

"میں ہوسٹل میں ہوتا ہوں ہوسٹل کے فون نمبر کا آپ کو علم ہوگا ایک نمبر میرے چچا کے گھر کا ہے۔ وہاں بھی ٹھہرتا ہوں۔ آپ جس وقت جہاں چاہیں مجھ سے بات کر سکتی ہیں۔"

وہ ہوٹل سے باہر آ گئے۔ کچھ دور رکے خاموش واسطی نے دونوں کو ایک نظر دیکھا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شبیر ہوٹل سے نکل کر ہوسٹل کی طرف آ گیا۔ نوشی کی کہانی بلکہ اس کے قیملی بیک گراؤنڈ نے شبیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ دوپہر تک امتیاز رند اس کی نگاہ میں ایک خوبرو تعلیم یافتہ خوش مزاج نوجوان کے سوا کچھ نہ تھا اور ان لمحوں میں اسے امتیاز کے مکروہ وجود سے گھن آ رہی تھی۔

"زندگی میں ہم کتنے لوگوں سے ملتے ہیں۔ پہلی نظر میں ان کے بارے میں کتنی خوب صورت رائے قائم کر لیتے ہیں اکثر ان کے اصل کردار سے بے خبر رہتے ہیں اور کبھی کسی کی حقیقت سے آشنا ہو کر خود کتنے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔"

وہ اکثر دوپہر کا کھانا دلنواز کے ہاں ہی کھاتا تھا اور کبھی کبھار میس میں۔ اعجاز کھانے کے لیے اسے بلانے آیا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اور بستر میں ہی پڑا رہا۔

اسے صرف تلافی کی فکر تھی۔ ایک لڑکی کے عظیم نقصان کی تلافی کس صورت ممکن تھی۔ آخر کس صورت۔ یہی سوچ اسے پاگل کر رہی تھی۔ گھائل کر رہی تھی۔ وہ گھبرا رہا تھا۔ بے چین ہو رہا تھا۔ اس کے ضمیر پر اس کے دل و دماغ پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا۔ اس کی نگاہوں میں گوہر کی شبیہ پھر رہی تھی۔ اس کے سامنے نوشابہ کا ہیولا تھا۔

دونوں ہی لڑکیاں تھیں۔

ایک پراعتماد۔ پرسکون۔

دوسری ریزہ ریزہ بکھری ٹوٹی۔

ایک متاع حیات۔ خوابوں کی ہم سفر۔

دوسری بے سہارا تپتے ریگزاروں کی تنہا مسافر۔
ایک محبتوں کے ساگر اس پر لٹا دینے والی۔
دوسری توجہ کی طلب گار۔

وہ عجب دوراہے پر تھا۔ منطقی طور پر اس سانحے کی کوئی ذمہ داری اس پر عاید نہ ہوتی تھی۔ لیکن جانے کیوں وہ خود کو مجرم سمجھنے لگا تھا۔ خود کو اس حادثے کا ذمہ دار سمجھنے لگا تھا۔

امتیاز بھی ایک نوجوان تھا اسی کی قبیل سے متعلق تھا۔ یہ نسبت اسے ذمہ دار ٹھہرائے جا رہی تھی۔

امتیاز تو واقعی قابل گردن زدنی تھا۔ اس نے مرد ہونے کے زعم میں انتقام کے نام پر ایک لڑکی کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔

کیا قصور تھا اس کا۔

صرف یہی کہ اسے باعزت زندگی پسند تھی، وہ شان اور وقار سے جینا چاہتی تھی۔ وہ اپنے حسن و جوانی کو صرف اس مرد کے لیے وقف رکھنا چاہتی تھی جسے شوہر کی حیثیت سے اس کی زندگی میں آنا تھا۔ اس نے ایک دم اٹھ کر لاؤنج کا رخ کیا۔ چھوٹی سی ڈائری میں لکھا امتیاز کا نمبر ذہن نشین کیا اور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو..... شبیر عسکری اسپیکنگ۔"

"ہیلو..... جناب میں رئیس بول رہا ہوں۔"

"کون رئیس..... یہ امتیاز رند کا نمبر ہے نا۔ بات کرائیں ان سے۔"

"جی میں ان کا ملازم بول رہا ہوں۔ صاحب گھر پر نہیں ہیں۔"

"کیسے نہیں ہیں! ابھی کچھ دیر قبل مجھے ملے تھے گھر کی طرف ہی جا رہے تھے۔"

"وہ جی ..... صاحب اپنے کمرے میں ہیں۔"

"تو انہیں بتا دو۔ میرا فون ہے۔"

"نہیں صاحب میں نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں؟ مجھے ان سے ضروری کام ہے۔"

"سمجھیں نا صاحب! میں اس طرف نہیں جا سکتا۔"

"بھئی تم دروازہ ناک کر سکتے ہو۔ امتیاز کے کمرے میں بھی تو فون ہوگا۔"

"ہے۔ لیکن وہ اس کا سوئچ آف کر دیتے ہیں اور..... اور ہمیں کوریڈور میں آنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی۔"

"مسئلہ کیا ہے؟"

"صاحب جی..... آج بھی جب وہ آئے تھے ان کے ساتھ۔"

"کیا کیا تھا ان کے ساتھ۔"

"لڑکی صاحب؟"

"لڑکی..... کیسی لڑکی؟"

"ہم تو نوکر لوگ ہیں صاحب! منہ کیسے کھولیں، یہاں ہر نئے دن نئی لڑکی آتی ہے۔"

"تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"جی صاحب۔ میں تو خود یہ نوکری چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ گناہ کی دلدل سے دھنسے صاحب کو نکالنا اپنے بس

کی بات نہیں تو کم از کم اس سے دور ہو جانا تو بس میں ہے۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتا۔ میں واپس گاؤں چلا جاؤں گا۔ صاحب آپ میرے صاحب سے کچھ نہ کہیے گا وہ مجھے جان سے مار دیں گے، بہت ظالم ہیں وہ۔ ان کے سینے میں دل کی جگہ پتھر رکھا ہے۔ میرے شریف مالک کو خدا جانے کن گناہوں کے بدلے ایسا رذیل بیٹا دیا ہے۔"

"اچھا..... خدا حافظ۔ تم بھی صاحب کو میرا نہ بتانا۔" شبیر نے فون رکھ دیا۔ تو شابہ کی باتوں کی سچائی مزید روشن ہو گئی۔ تو امتیاز رند واقعی ایک خونی بھیڑیا تھا۔ لوگوں کے ارمانوں کا قاتل تھا۔ ایک بھیانک مجرم تھا۔ خوب صورت لبادوں میں چھپی خبیث روح ہی تھا۔

شبیر کی مٹھیاں بند ہو گئیں۔ جبڑے بھینچ گئے۔ امتیاز ان لمحات میں اس کے سامنے ہوتا تو وہ اس کا گلا گھونٹ دیتا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ شبیر نے جو پاس ہی کھڑا تھا بلا ارادہ ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو؟"

"ہیلو..... شبیر عسکری یہاں ہوں گے ان سے بات کرا دیں۔"

گوہر کی بھاری بھاری آواز اس کے کانوں میں اتری۔

"بول رہا ہوں۔"

شبیر نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"گوہر..... گوہر! بولو نا کیا بات ہے؟"

"کیا بولوں، کیا کہوں، کہنے کو باقی رہ بھی کیا گیا ہے۔"

"ہاں گوہر! کہنے کو تو میرے پاس بھی کچھ نہیں رہ گیا۔ میرے سارے اصول رائگاں ہوئے ساری دلیلیں بے کار گئیں۔ میں تو ابتدائے سفر میں ہی ہار گیا ہوں۔"

"ملاقات ہو گئی؟" گوہر نے دل کا غبار نکالا۔

"اور سب کچھ لٹ بھی گیا۔" اس نے اپنی لے میں کہا۔

"پرانی عادت ہے لٹانے کی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ داد دیتی ہوں پسندیدگی کی، واقعی اس کا حسن بے مثال ہے۔ ویسے ہوٹل سے واپسی کب ہوئی۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"فکر نہ کریں۔ ایک ایک پل کی خبر رکھتے ہوئے بھی کوئی انتقامی کارروائی نہیں کروں گی میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس لیے..... اس لیے کہ میں نے تم سے محبت کی ہے شمی۔ سچ مچ کی محبت۔"

گوہر کی آواز بھر آئی۔ شبیر کا دل کٹنے لگا۔

"اب جبکہ تمہیں علم ہو ہی گیا ہے گوہر۔ تو میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"شبیر۔ شمی۔" اس نے چیختے ہوئے اس کا نام لیا۔

"ہاں گوہر! تمہاری زندگی میں آنے کو بہت سے لوگ آ جائیں گے۔ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ مگر

نوشابہ کو مجھ جیسا انسان ہی عزت دے سکے گا۔" جانے کب اس نے رابطہ کاٹ دیا۔

شبیر نے جھٹ نمبر ملایا۔ کسی نے ریسیور اٹھا کے بات کیے بغیر رکھ دیا۔ دس بار اس نے نمبر ملایا اور دس بار ہی ایسا ہوا۔

شبیر نے گھڑی دیکھی۔ سہ پہر شام میں ڈھلنے کو تھی ساڑھے پانچ ہو چکے تھے اس نے امتیاز کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔

وہ امتیاز کو بتانا چاہتا تھا کہ آج رات وہ اس کی دعوت پر ہوٹل نہ آ سکے گا۔ پھر اس نے نوشابہ کے وزیٹنگ کارڈ پر لکھا اس کا نمبر دیکھا اور ڈائل کرنے لگا۔ نمبر مل گیا۔ فون اٹھانے والی نوشابہ ہی تھی۔

"ہیلو مس نوشابہ۔ یہ میں ہوں شبیر عسکری۔"

وہ ٹیلی فون کے ساتھ رکھی کرسیوں میں ایک پر ٹک گیا۔ ہارے ہوئے انسان کی طرح۔ "اوہ شبیر صاحب آپ میں ابھی آپ کو رنگ کرنے والی تھی۔"

"نوشابہ! مجھے بھی آپ سے بہت ہی ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

نوشی نے ایک طویل ٹھنڈی سانس لی۔

"باتیں تو مجھے کرنا ہیں۔ شبیر صاحب۔"

"آپ نے مجھ پر بھروسا کیا ہے اپنے راز کی امانت داری کے قابل سمجھا ہے اپنے دکھ مجھ سے شیئر کیے ہیں آپ نے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے۔ مس نوشابہ میں نے دو تین گھنٹے کی مسلسل سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"آپ کو اپنانے کا۔ بڑی شان سے اپنی زندگی میں لانے کا۔ آپ اپنے والد صاحب کا ایڈریس اور فون نمبر مجھے دے دیں تاکہ میں اپنے پاپا سے کہہ کے بات آگے بڑھا سکوں۔ شادی ہو جانے کے دوسرے دن..... چاہے آپ اخبار کی سب سے بڑی سرخی بن جائیں۔ پوری دنیا آپ پر انگلیاں اٹھائے۔ مجھے کوئی غم نہیں ہوگا۔ میں خود مقدمے کا فریق اول بن کر امتیاز کو قانون کی عدالت میں گھسیٹوں گا۔"

"انصاف کی خاطر..... ہونہہ..... شبیر صاحب! آپ بہت بھولے اور معصوم ہیں۔ قانون کو سزا کے الفاظ بولنے کی خاطر ثبوت چاہیے ہوتے ہیں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور میرے پاس نہ ثبوت ہے نہ گواہ۔ پھر کس برتے پر میں انصاف کی توقع رکھوں؟ مجھے اپنا فیصلہ آپ کرنا ہوگا انصاف میں خود کروں گی اس سے بھی اور اپنی ذات سے بھی اور آپ..... آپ نے یہ فیصلہ کیونکر کر لیا کہ آپ مجھ سے شادی کریں گے۔ میں جب سے گھر آئی ہوں۔ کئی لوگ فون پر مجھ سے بات کر چکے ہیں۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں اور لڑکے بھی۔ ہر ایک کا یہی کہنا تھا کہ..... میں آپ کا خیال چھوڑ دوں آپ کی زندگی میں کوئی رخنہ نہ ڈالوں۔ ان سب کا خیال ہے کہ میں آپ پر ڈورے ڈال رہی ہوں۔ شبیر صاحب! وہ لڑکی آپ کی منگیتر ہے۔ جو آپ کی طرف آئی تھی۔ کیا اس کا نام گوہر ہے۔ بہت اچھی لگی وہ مجھے۔ میں اکثر اسے دیکھتی تھی لیکن جانتی نہ تھی۔ کمال ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ مجھے آفر کر رہے ہیں۔ اپنی زندگی مجھے دان کر رہے ہیں۔ میں نے مان لیا شبیر عسکری آپ واقعی ایک عظیم انسان ہیں میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ محبت کرنے والے بدگمان بھی ہوتے ہیں۔ آپ کے ساتھ دیکھ کر جانے کیسے کیسے وسوسے اس کے دل میں آئے ہوں گے۔ آپ اسے بتا دیجیے۔ میں تو ایک مجبور لڑکی ہوں۔ آپ کی شہرت مجھے آپ کے قریب لائی تھی۔ آپ تو ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کا فن جانتے ہیں۔ پھر اگر آج میں نے آپ کو امتیاز کے ساتھ نہ دیکھا ہوتا تو شاید ایسا نہ بھی ہوتا۔ میں شاید غصے میں آپ کی طرف لپکی تھی۔ اور..... اور بعد میں آپ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا اور اس خاطر کہ میں جو بھی ارادہ کر چکی ہوں۔ اس کی گہرائی اور حقیقت سے کوئی تو واقف ہو۔ میری ناکردہ گناہی کا کوئی تو واقف حال ہو۔

شبیر عسکری۔ جب بھی ضرورت پڑے آپ میری کہی باتیں من و عن پریس کو بتا سکتے ہیں۔ امتیاز کی درندگی کا پورا قصہ سنا سکتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں میں ایسی مثال بن جاؤں کہ کوئی غنڈہ۔ تہذیب کے لبادے میں لپٹا کوئی شخص کسی لڑکی کی عزت پامال کرنے سے قبل سوچے ضرور کہ اس کا انجام بھی امتیاز جیسا نہ ہو جائے میں نے پچھلے چند ماہ میں ہزار بار خودکشی کا سوچا وہ جینا بھی کیا جس میں آپ کا دامن خالی بلکہ دریدہ ہو خوشی کا ہلکا سا سکہ بھی جس میں نہ ٹھہر سکے۔ میں مر جاتی اپنے اس دکھ سے نجات پا جاتی لیکن کیا مزا آتا۔ وہ خونی بھیڑیا جانے اور کتنی بھیڑوں کو نگل جاتا۔ کتنے ارمان تاراج کر دیتا۔ میں اسے مار کے ہی مروں گی۔ یہ میرا عہد ہے میری زندگی کا مقصد ہے۔"

"نوشابہ۔ نوشابہ! آپ کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"سوچنا تو بہت چھوٹی بات ہے شبیر عسکری میں اس کا تہیہ کر چکی ہوں اور آپ میرے اس فیصلے کے گواہ ہوں گے۔ اپنی عصمت کے لٹ جانے پر میں اس کے سوا کوئی انتقام نہ لے سکتی تھی یہ میرا پختہ ارادہ ہے جو کسی چٹان کے کسی پہاڑ کے سبب رک نہیں سکتا۔ بدل نہیں سکتا۔ شبیر عسکری! اگر گوہر کا نمبر دے سکیں تو میں اس سے بات کر لوں۔"

"نہیں۔ نہیں آپ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی۔ میں بھی فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں آپ کو زندگی کی ساری خوشیاں مہیا کر کے آپ کے اس زخم پر مرہم رکھوں گا۔ اسے ٹھیک کروں گا۔ گوہر بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ آپ کی اور میری مجبوریوں کو بہت جلد سمجھ جائے گی۔"

نوشی ہنس دی۔

"کتنے سادہ ہیں آپ ایک محروم تمنا کو تسلی دے رہے ہیں۔ جس نے زندگی کے گلستان سے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے۔ اپنا بوریا بستر باندھ رکھا ہے۔ کوچ کا ارادہ رکھتا ہے شبیر عسکری۔ میں نے آپ کو اپنا آئیڈیل کہتے ہوئے کوئی غلط بات نہیں سوچی تھی۔ بس اتنا سوچا تھا کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ آپ ان کی ایک واضح تصویر ہیں۔ میں اتنی ظالم تو نہیں ہوں کہ دو محبت کرنے والوں کے درمیان دیوار بن جاؤں۔"

"محبت ایک بیش قیمت بلکہ انمول احساس ہوگا ضرور ہوگا بلکہ ہے لیکن اخلاقی قرض اس سے کہیں گراں قدر ہے اگر میں انجان ہوتی تو بات بھی تھی۔ سب کچھ جان کر زندگی کے تپتے صحرا میں آپ کو بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں آپ کو نئی زندگی دوں گا مکمل اور بھرپور زندگی۔"

"آپ میری ہم جنس میری ہی ایک بہن کو یہ اعتماد رفاقت میسر کریں گے۔ میری روح چین پالے گی۔ شبیر صاحب! میری تو بس اتنی التجا ہے کہ آپ میرے بارے میں میرے توسط سے آپ جو کچھ جان سکے ہیں وہ دنیا والوں کو ضرور بتایئے گا۔ مرنے کے بعد مجھے اس کا غم نہیں ہوگا کہ کون مجھے اچھا جان رہا ہے اور کون برا۔"

"مس نوشابہ! اٹس از ناٹ فیئر۔ آپ کسی کو قتل وتل نہیں کریں گی۔ پلیز۔ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان کے

قتل کی اجازت نہیں۔"

"اس کا جواب مجھے آپ کو یا کسی اور کو نہیں اپنے خدا کو دینا ہے اور میں خود ہی جواب دے دوں گی۔ آپ کو تیار ہونا ہے۔ ڈنر میں شرکت کے لیے۔ آپ تیار ہوں۔ دیر ہو جائے گی۔" شبیر ڈنر کے ذکر پر جل سا گیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے آپ کی پریشانی کا سبب میں ہوں۔"

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔ میں پریشان ہوں' آپ کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھیں۔"

"مس نوشابہ میں اپنے معاملات کا انتہائی کھرا اور سچا ہوں' میں۔ مجھ میں اتنی جرات ہے کہ میں امتیاز کا گریبان پکڑ سکوں اسے مجبور کر سکوں کہ وہ اپنا آپ قانون کے حوالے کر کے اقبال جرم کرے۔ خود کو سزا کے لیے حاضر کر دے اور ایسا نہ کر سکا وہ تو وعدہ کرتا ہوں کہ اسے اپنے ہاتھوں ہی جان سے مار دوں گا۔ لیکن نوشابہ پلیز آپ اپنے پاپا کی واحد خوشی ہیں انہیں غم کے سمندر میں یوں دھکا مت دیجیے۔"

"شاید یہ ہم سب کا نصیب تھا شبیر عسکری۔ سب کا اور ہمیں اپنے اپنے نصیب کو ہر حال میں فیس کرنا ہوگا۔ ایک غیرت مند اپنے حصے کا بوجھ دوسروں پر ڈالنا کبھی پسند نہیں کرتا۔ آپ پلیز مجھے ایسی کوئی راہ نہ دکھائیے جس پر چل کر میں اپنے ضمیر کے آگے سدا شرمندہ رہوں۔"

"آپ کو میری بات ماننا ہوگی۔ میں ابھی امتیاز کو فون کرتا ہوں بات کرتا ہوں اس سے۔ آپ کو میرا انتظار کرنا ہوگا۔ آپ نے مجھے شریک راز کیا ہے تو میرا مان بھی رکھنا ہوگا آپ کو۔ کیا سمجھتی ہیں آپ کہ آپ کی یہ ایک غلط حرکت سدا میرے ضمیر کا بوجھ نہیں بنی رہے گی۔ میں خود کو آپ کا قاتل نہیں سمجھتا رہوں گا۔"

"اوکے شبیر عسکری اب اجازت دیں۔ مجھے بہت سے ضروری کام کرنا ہیں پھر بات ہوگی۔ خدا حافظ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ شبیر رابطہ جوڑے اس کی آواز کا منتظر رہا لیکن اس نے دوبارہ ریسیور نہیں اٹھایا۔

شبیر نے جھنجلا کے رابطہ کاٹا اور امتیاز کا نمبر ملایا۔ وہی گھنٹی جانے کی آواز۔ وہی بے نیازی۔ کسی نے فون اٹینڈ کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ اس کے نوکر کی کہی باتیں شبیر کے ذہن میں تیزی سے گردش کرنے لگیں۔ نفرت کے بگولے طوفانوں کی صورت اختیار کرنے لگے۔ امتیاز کا وجود اس طوفان میں گھر کر رہ گیا۔ شبیر جذباتی بھی تھا۔ جلد باز بھی۔ لیکن پھر بھی صاحب عقل و فہم ضرور تھا۔ وہ چاہتا تو امتیاز کو رات کے ڈنر میں اس کے غیر ملکی دوستوں کی موجودگی میں بے عزت کر سکتا تھا۔ اس کا کچا چٹھا کھول سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی انسانیت کے ناتے ایسا کرنا غیر مناسب جانا۔ پھر بھی صبح کے طلوع ہونے کا انتظار کرنا اس کے لیے جان لیوا مرحلہ تھا۔ وہ لاؤنج سے اپنے کمرے کی طرف آیا۔ گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

انسان کی زندگی بھی کیا عجب تماشا ہے۔ پل میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے اور کیسے ہو جاتا ہے۔ خود اسے بھی خبر نہیں ہوتی۔ کل ہی تو چھٹیوں کے ڈھیر سارے دن گزار کے گوہر عباس نگر سے لاہور آئی تھی۔ وہ عبداللہ پور میں چند دن گزار کے لاہور واپس آ گیا تھا۔ کچھ ضروری کام نپٹانے کے لیے یونین کے کئی ادھورے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس کا یہاں رہنا ضروری تھا۔ ان ایام میں اس نے واقعی بہت سارے قابل صد تحسین کام کر بھی ڈالے تھے۔

کچی آبادیوں کے مکینوں کے کئی مسائل حل کروانے میں ان کی بھرپور مدد کی تھی۔ اپنی کلاس بلکہ پوری یونیورسٹی کے متعدد طلبا و طالبات کو اپنے ساتھ شامل کر کے۔ ان علاقوں میں چھٹیوں کے ایام غریبوں کے بچوں کو تعلیم

دینے میں گزار دیے تھے۔ پینے کے پانی کی فراہمی کے لیے بھاگ دوڑ کی تھی۔ بجلی کے کھمبے لگوا کے بجلی کی لائن بچھوا دی تھی۔ کئی بے روزگاروں کو مختلف سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں ان کی قابلیت و اہلیت کے مطابق نوکریاں دلا دی تھیں۔ کئی بے سہارا یتیم یا نادار لڑکیوں کی شادی کے لیے ان کے لواحقین کو حکومت سے جہیز فنڈ کے تحت امداد دلوانے میں بھرپور رہنمائی کی تھی اور یہ سب کر کے اس نے بے حد سکون پایا تھا۔ گلیوں کے نکڑوں پہ کھڑے آوارہ منش نوجوانوں کو اپنی میٹھی اور نصائح سے پر باتوں سے کام پر لگایا تھا۔ یہ ساری سماجی خدمات انجام دے کر وہ بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ان مصروفیات میں دن تیزی سے گزر گئے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اسے گوہر کو فون کرنے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔

اسے رات ہی گوہر کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ جان بوجھ کر اس سے ملنے نہیں گیا تھا۔ وہ اپنی بے تابی و بے قراری ان سب پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے رات ہی سوچ لیا تھا یونیورسٹی سے آف ہو کر وہ گوہر کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہوئے سیر و تفریح کرتے ہوئے وہ اپنے دل کی ساری باتیں سہولت سے اسے سنائے گا۔ وہ اسے بتا کر پہلے سے خبر دے کے لمحات کے حسن میں کمی نہیں چاہتا تھا۔ چھٹی ہونے پر وہ ساری مصروفیات چھوڑ کر اپنے دوستوں سے معذرت کر کے باہر آ گیا تھا۔ جہاں آتے ہی پہلے اس کی ملاقات امتیاز سے ہوئی پھر نوشابہ سے۔ یہاں تک کہ جب گوہر اسے نظر آئی تو نہ صرف وہ اسے نظر انداز کر کے نوشابہ کے ساتھ جانے پر مجبور تھا۔ بلکہ اس سے معذرت یا وضاحت کے دو لفظ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ اسے تو یہ بھی علم نہ تھا کہ مامون نے ان دونوں کا پیچھا کیا تھا۔ اور ان کے ہوٹل میں جانے کی بات فون کر کے گوہر کو بتا دی تھی جس کے بعد گوہر کا خفا ہونا ایک فطری عمل تھا۔ پھر مامون واسطی نے تو دشمنی کا غبار نکالنے کے لیے بلکہ رقابت کے احساس کے تحت یہ بات خاصی بڑھا چڑھا کر بیان کی تھی۔

گوہر اسے نوشابہ کے ساتھ خود نہ دیکھ چکی ہوتی تو وہ ایک پل کو مامون کی کسی بات پر اعتبار نہ کرتی۔ مگر اس نے نہ صرف دیکھا تھا بلکہ سنا بھی تھا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ گوہر کو یکسر نظر انداز کر کے نوشابہ کے ساتھ چلا گیا تھا۔ گوہر بے چین تو اسی وقت ہو گئی تھی۔ پورے ڈھائی ماہ بعد وہ لاہور آئی تھی۔ آتے ہی اس نے ہوسٹل کے نمبر پر رنگ کیا تھا۔ شبیر نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ اس وقت مصروف ہے صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی وہ حسب معمول اسے صبح لینے بھی نہیں آیا تھا۔ پھر دن میں ایک بار بھی وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا اور جب اس نے شبیر کو دیکھا تو وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ گپ شپ میں مگن ہو کر اس کے وجود سے انجان بنا ہوا تھا۔

وہ شبیر سے بات کرنے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ شاید سب لوگ مصروف تھے۔ کسی نے اس کی عدم موجودگی کو محسوس ہی نہیں کیا۔ وہ جتنی بھی ذہین تھی سمجھدار تھی بنیادی طور پہ ایک عورت ہی تھی۔ جو چاہنے والے کی تھوڑی سی بے اعتنائی بھی برداشت نہیں کر سکتی کجا یہ کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور کا ہو جائے اور پھر ستم تو یہ تھا کہ شبیر نے اپنی بے وفائی کا اقرار کر لیا تھا۔ بلکہ اتنا تک بتا دیا تھا کہ نوشابہ کی محبت میں وہ اس قدر آگے بڑھ چکا ہے کہ اس سے شادی کا فیصلہ بھی کر چکا ہے۔

باقی رہ بھی کیا گیا تھا۔ جس کی وضاحت وہ طلب کرتی' وہ بستر پر اوندھے منہ گری اپنی تقدیر کا ماتم کرتی رہی۔ بے آواز روتی رہی۔ اس نے واپسی کی کوئی راہ باقی ہی نہ رکھی تھی۔

"اوہ شبیر! کچھ دن تم نے مکاری سے ہی کام لیا ہوتا مجھے دھوکا ہی دیتے رہتے۔ یوں ایک دم میرا مان تو نہ توڑتے مجھے یہ دکھ سہنے کا حوصلہ تو کسی طور مل جاتا۔ نہیں شبیر نہیں تمہیں مجھ پہ یوں ظلم نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یوں

نہیں کہ لیتوں تو فریاد بھی نہ کر سکوں۔ تم جدا ہوتو تمہارے پیچھے بھاگ بھی نہ سکوں تم نے تو ایک دم اپنا فیصلہ سنا دیا۔ تم اتنے ظالم تو کبھی نہ تھے کبھی بھی نہیں۔ تمہیں تو دعویٰ ہے شبیر۔ ایک حساس دل کی ملکیت کا' تم کسی کے معمولی سے دکھ پر تڑپ اٹھتے ہو۔ تم نے مجھ پر اتنا بڑا ستم کیوں ڈھا دیا۔"

کسی نے دروازہ بجایا۔

"گوہر۔ گوہر!" آمنہ خاتون اسے پکار رہی تھیں۔

"بھئی کیا بات ہے دروازہ بند کر کے بستر پر پڑ گئی ہو۔ دوپہر کا کھانا بھی گول کر دیا تم نے۔ چلو آؤ۔ دلنواز میز پر بیٹھے ہیں' تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

آمنہ اس کی اجاڑ صورت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"گوہر! تمہیں کیا ہوا خیر تو ہے۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی۔ صبح ایک دم تروتازہ اور فریش تھیں تم۔ یونیورسٹی سے آتے ہی یہ کیا ہو گیا۔"

"کچھ نہیں ممی! طبیعت خراب ہے۔"

"تو مجھے بتایا ہوتا۔ کوئی دوا لی ہوتی۔ خیر اب چلو کھانے میں تھوڑی سی تاخیر بھی تمہارے ماموں کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے انہیں بتانا وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔"

"آپ چلیں میں آ رہی ہوں۔" وہ باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ آمنہ ڈائننگ روم میں آ گئیں۔

سب نے باری باری گوہر سے اس کی افسردگی اور اضمحلال کا سبب پوچھا۔ وہ مناسب جواب دے کر کھانا بمشکل زہر مار کرتی رہی۔ سب آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے اسے اس کی خبر ہی نہ تھی۔ کھانا کھا لیا گیا۔

حسب معمول سب ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھے۔ گوہر چچی اماں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ ایک دوسرے کو مسل رہے تھے۔ اضطرابی انداز میں۔ لب کچھ کہنے کو بار بار وا ہوتے پھر بند ہو جاتے۔

"گوہر بیٹے! خیریت' پریشان لگ رہی ہو تم۔" دلنواز نے کئی بار اسے بغور دیکھنے کے بعد پوچھ ہی ڈالا۔

"کہہ رہی تھی طبیعت خراب ہے۔" آمنہ نے فوراً بتایا۔

"سر میں درد ہے' بخار ہے یا۔ آمنہ گوہر کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں۔ ٹمپریچر چیک کرو اس کا' بخار بھی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں ماموں! مجھے بخار نہیں ہے۔" اتنا کہتے ہی اس کی آنکھیں ایک دم بھر آئیں ایک دم اس نے انگوٹھی ہاتھ کی انگلی سے اتار کر ساتھ بیٹھی چچی اماں کی طرف بڑھا دی۔

"یہ لیجیے چچی اماں؟"

"کیا بیٹے؟"

"یہ انگوٹھی انگوٹھی کیوں اتار دی گوہر۔" آمنہ خاتون نے جھٹ پوچھا۔

"پھر کیا بات ہو گئی۔ بھئی جب تک شادی خانہ آبادی کا مرحلہ بخیر وخوبی طے نہیں ہو گا۔ انگوٹھی کی شامت آتی رہے گی' ہو گئی ہوگی۔ دونوں کے درمیان پھر کوئی چپقلش۔ گوہر بیٹے انگوٹھی مت اتارو۔ مجھے بات بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟"

"ماموں! یہ انگوٹھی میرا نہیں اس لڑکی کا حق ہے جسے شبیر اپنے لیے منتخب کر چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیسی نامعقول بات ہے؟ اس کی کیا مجال ہے جو تمہارے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کو منتخب کرے۔"

"کیا ہو چکا ہے ماموں جان!"

"پاسیبل۔ ابھی پوچھتا ہوں اس سے کہاں ہے وہ۔"

"ہوسٹل میں ہوگا اور کہاں۔" آمنہ خاتون نے فوراً کہا۔

"عامر! فون میرے پاس اٹھا لاؤ۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

"ماموں! کیا آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ شبیر نے خود ہی مجھے یہ بات بتائی ہے۔ میں نے اس لڑکی کو اپنی آنکھوں سے شبیر کے ہمراہ دیکھا ہے' آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں' انہوں نے آج دوپہر کے دو گھنٹے اسی کے ساتھ ہوٹل میں گزارے ہیں۔"

"لاحول ولا۔" دلنواز کا سر جھک گیا۔

عامر فون لے آیا۔ انہوں نے ہوسٹل کا نمبر ڈائل کیا۔ بڑی مشکل سے لائن ملی۔

کسی لڑکے نے ان سے بات کی۔

"شبیر سے بات کرنا ہے اسے بلا دیں۔"

"سر! اعجاز احمد ہوں۔ شبیر تو کافی دیر سے اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ گاڑی لے کے گیا ہے۔ میرا خیال تھا گھر گیا ہوگا۔"

"وہ ہوسٹل نہیں ہے۔ اچھا جس وقت بھی آئے اسے کہہ دینا فوراً ہماری طرف آئے۔"

"آل رائٹ سر! میں کہہ دوں گا۔"

"آمنہ! وہ اس وقت بھی ہوسٹل میں نہیں ہے۔ یہ وقت ہوسٹل سے باہر رہنے کا تو نہیں۔"

"آپ خواہ مخواہ فکر مند ہوئے جاتے ہیں۔ وہ لڑکی نہیں لڑکا ہے اور ہزاروں روگ اس نے اپنی جان کو لگا رکھے ہیں۔ گیا ہوگا کہیں کسی کام سے۔"

"آمنہ! تمہیں یوں اس کی طرفداری کرنے کی ضرورت نہیں۔ گوہر جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اور یہ سچ ہے تو میں اپنے عاصم بھائی کو کیا جواب دوں گا بھائی جان کو کیسے مطمئن کروں گا۔ ساری دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اس منگنی پر سب سے زیادہ اصرار مجھے تھا۔ شبیر کے اچھا انسان ہونے کا سب سے زیادہ یقین مجھے تھا۔ میں ہی اس کا وکیل تھا۔ میں نے ہی اس کی بڑھ چڑھ کے حمایت کی تھی۔ میں اس سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں مجھے اس سے پوچھنا ہے۔ کیا اس نے اس سے رشتے ناتوں کو مذاق سمجھ لیا ہے۔ اس نے اتنی بڑی بات گوہر سے کیسے کہہ دی۔ کسی اور کو منتخب کر لینے کا حق اسے کس نے دیا ہے۔ مجھے اس سے پوچھنے دو۔ مگر گوہر! ابھی انگوٹھی مت اتارو۔ اس کی [illegible]۔ اسے شادی کرنا ہوگی تم سے اور صرف تم سے۔ ہر حال میں۔"

"نہیں ماموں نہیں۔ آپ کو خبر ہی نہیں۔ وہ لڑکی بے حد خوب صورت ہے۔ میں اس کے پاسنگ بھی نہیں۔"

"او۔ نو۔ نان سینس! کیا مرد کا یہی فرض ہے کہ ہر نئی صورت کو دیکھ کر پرانی صورت بھول جائے' ہر اچھا چہرہ دیکھ کر راستے میں رک بیٹھے اور نئی منزلوں کا راہی ہو جائے۔ یہ۔ یہ طریقہ۔ اس نے شاید اپنے باپ سے سیکھا ہے۔ جس سے وہ نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ جس کے طور طریقوں کو ناپسند کرتا ہے۔ دراصل وہ اسی کا پرتو نکلا' لوگ کتنے [illegible] میں چھپے رہتے ہیں میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایسا ہوگا۔"

"آپ کو شبیر سے بات کرنے سے پہلے اس کے بارے میں ایسی غلط رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔"

"ہاں بیٹے! پہلے اس سے تو پوچھو۔ کیا خبر اس نے بچی سے مذاق کیا ہو۔" چچی اماں نے بھی ٹوٹے لہجے میں اس کی حمایت کی۔

گوہر دل ہی دل میں رو دی۔

کاش یہ سب مذاق ہوتا لیکن یہ مذاق نہیں تھا۔

دلنواز نے کئی بار ہوسٹل فون کیا اور ہر بار ہی وہ موجود نہ پایا گیا۔ رات کے بارہ بج گئے۔ گوہر کے لیے بستر کانٹوں کی سیج بنا ہوا تھا۔ اس کا رواں رواں بے چین و بے قرار تھا۔ شبیر کے لیے اس کے دل میں نفرت تھی یا محبت اس کا اندازہ اسے خود بھی نہیں ہو رہا تھا۔

وہ محبت کے بچھڑ جانے پر ماتم کناں تھی۔

یا ٹھکرائے جانے کے غم پر گریہ وزاری کر رہی تھی۔

اس کی بھی اسے خبر نہ تھی۔ بس روئے جا رہی تھی۔ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی کبھی لیٹ جاتی۔ کبھی دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو جاتی۔ لیکن کسی کل چین نہ ملتا۔ لمحے کتنے طویل ہو گئے۔

وقت کتنا بوجھل ہو گیا تھا...... وجود کے اندر باہر ایک آگ سی لگی تھی اندر باہر کانٹے اگ آئے تھے چبھن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا دل واقعی ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہا تھا کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ آنسو دل کا غبار ہلکا کرنے کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں لیکن گوہر کے آنسوؤں کی جلن میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

پوری رات وہ جاگتی رہی۔ صبح ہونے تک اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو چکی تھیں اور دماغ بوجھل آنکھوں کے پپوٹے سوج چکے تھے۔ کسی نے اسے جگایا نہیں یہاں تک کہ ساڑھے سات ہو گئے۔

باہر گاڑی کا ہارن بجا اپنی مخصوص آواز میں۔

گوہر کے دل میں درد کی لہریں سی اٹھیں۔ اس نے لپک کے کھڑکی کی طرف جانا چاہا۔ اس ستمگر کو دیکھنے کے لیے لیکن ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکی۔ واپس بستر پر آ گری۔

"گوہر باجی۔ شبیر بھائی کہہ رہے ہیں دیر ہو جائے گی۔"

عاتکہ اس کے قریب کھڑی تھی۔

"ثریا! میں یونیورسٹی نہیں جا رہی۔ یہ شبیر کو دے دو۔"

کاغذ ہاتھ میں لے کر وہ دوڑتی چلی گئی۔

اس کاغذ پر گوہر نے صرف ایک شعر لکھا تھا۔

صرف ایک شعر۔

شبیر نے گاڑی واپس موڑتے ہوئے عاتکہ کا دیا کاغذ کھولا۔

برسوں میں تعلق بنتے ہیں لمحوں میں بھلا ٹوٹیں کیسے
تو مجھ سے بچھڑنا چاہے تو دیوار اٹھا دھیرے دھیرے

گوہر کی خوب صورت تحریر اس کے سامنے تھی۔ وہ ایک دردناک مسکراہٹ لبوں پر سجا کر رہ گیا۔

اپنی متاع عزیز اس نے کتنی آسانی سے کھو دی تھی۔ جسے پانے میں ایک طویل زمانہ لگا تھا۔ جس کا اعتماد جیتنے کے لیے کئی تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔ جس کی رگ جاں میں اتر جانے کا خواب ہی اس کے لیے بے حد

سہانا تھا۔ جس کے وجود کے گرد اس کی حیات کے سارے تانے بانے الجھ کر رہ گئے تھے۔ جس کے بنا اسے سانس نے لینا بھی دشوار لگتا تھا۔ اسے پل میں کھو دیا تھا اس نے۔

کتنا خوش تھا وہ اس کی محبت سماج کے ٹھیکیداروں کی نظر کرم سے محفوظ رہی تھی۔ کوئی دیوار ان دونوں کے اس حسین تعلق کے درمیان نہیں اٹھی تھی۔ کچھ اپنی ہی بے اعتنائیاں تھیں۔ کچھ اپنے ہی ناز و انداز تھے۔ کچھ اپنے ہی شکوے گلے تھے۔

ان سے نبرد آزما ہونا مشکل نہ تھا۔ گوہر بہت جلد اس سے آشنا ہو گئی پھر اس کے مزاج سے آگاہ ہو گئی۔ پھر اس کے اعلیٰ کردار کی معترف اور زندگی دونوں پر مہربان ہو گئی۔ ایک سے مزاج، ایک سی طبیعت، ایک سے مشغلے، ایک سی سوچ۔

دنیا میں اس کے سوا اور چاہیے بھی کیا تھا۔

شبیر محبتوں کا پیاسا تھا۔ گوہر کے پاس اس کے لیے محبتوں کے ساگر تھے۔

شبیر امن کا پیامبر تھا۔ گوہر سراپا امن تھی۔ شبیر سراپا ایثار تھا۔ گوہر ایثار پرست تھی۔ شبیر ایک مشن تھا۔ گوہر اس کے ہمراہ تھی۔

وہ اس کے دکھ اور سکھ کی ساتھی تھی۔

شبیر کی خوشی اس کے لبوں پر پھول کھلا دیتی۔

شبیر کا دکھ اسے افسردہ کر دیتا۔ وہ پل میں مرجھا جاتی۔

وہ دونوں ایک سا سوچتے اور ایک سا عمل کرتے تھے۔

اسے آنسوؤں کو موتی جان کر چن کر اپنے دامن میں سجا لینے کا فن آتا تھا۔ وہ مسکراہٹوں میں فریق ثانی کا ساتھ دینے کا ڈھنگ جانتی تھی۔ جب سے وہ ایک دوسرے کے دل میں اترے تھے ایک پل کو الگ نہ ہو سکے تھے۔

یہ کیسا ستم تھا۔ جو شبیر نے اس پر کیا تھا۔ انجانے میں ہی اس پر وار کر دیا تھا۔

یہ کیسا ظلم تھا۔ جو اس نے گوہر پر ڈھا دیا تھا۔ لیکن وہ اور کرتا بھی کیا۔ انسانیت کا علم بلند رکھنے کے لیے اسے ایسا کرنا ہی تھا۔

وہ اب بھی اپنے فیصلے پر قائم تھا۔

اس نے ایک بار پھر کاغذ کے پرزے پر لکھے شعر کو پڑھا اور مسکرا دیا۔

"گوہر! تعلق ٹوٹنے کے لیے بھی نہیں بنتے۔ مجبوریاں درمیان میں آ جاتی ہیں۔ تمہیں تو دعویٰ ہے مجھے جاننے اور سمجھنے کا۔ کیا تمہارے دل نے تمہیں نہیں بتایا کہ کسی مجبوری نے شبیر کی راہ روکی ہوگی۔ ورنہ اس کے دل و جان میں آباد اس کی کائنات تم ہی تو ہو۔ جب تم میرے عظیم مقصد کو جان جاؤ گی۔ تو تم..... تم بھی قائل ہو جاؤ گی۔ میرے جذبہ ایثار کو سراہو گی میری قربانی کو اپنے پیار کا خراج تحسین دو گی۔ گوری! میری زندگی! شبیر کا مقصد حیات انسانوں میں خوشیاں بانٹنا ہے۔ میں ہر امتحان میں پورا اترنا چاہتا ہوں۔ میں نوشابہ کے دل کے سارے زخموں پر مرہم رکھوں گا۔ اسے زندگی کی طرف لے آؤں گا۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ مجھے حوصلہ بخشنا ہوگا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر میں تم سے بات کروں گا۔ تمہاری غلط فہمیوں کے سارے کانٹے چن لوں گا۔ احساس وفا سے تمہارا دامن بھر دوں گا۔ تم...... تم...... سب جان جاؤ گی۔ سب۔ ابھی تو مجھے اس دیوانی لڑکی کو کسی انتہائی قدم سے روکنا ہے۔" سوچوں سے نکل کے یونیورسٹی کے گیٹ پر اس نے گاڑی روکی۔ کسی نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو شبیر عسکری!" اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر امتیاز رند بیٹھا مسکرا رہا تھا۔
شبیر کے دل و جان پر یہ مسکراہٹ بجلی بن کر گری۔
اس نے گاڑی پارک کر کے سڑک پر کھڑی گاڑی کی طرف نگاہ کی۔ وہ جواب میں کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ وہ دوبارہ گویا ہوا۔
"بھئی! رات تم نے بہت انتظار کرایا۔ ہوسٹل فون کیا پتا چلا تم نہیں ہو۔ ہم نے کھانا بہت لیٹ کھایا۔ ویسے بڑی عمر ہے تمہاری یار۔ آفس جا رہا تھا اچانک اس طرف آ گیا شاید تم مل جاؤ۔ عسکری! ہم قدر دان دوست ہیں۔ تم جیسے ہیروں کی قیمت سے بھی آگاہ ہیں۔"
شبیر کی نظر پارکنگ لاٹ میں کھڑے ماموں واسطی پر پڑی جو دونوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔
"امتیاز رند! مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ اور تم سرتاپا ایک جھوٹ ہو۔" اس نے نفرت انگیز لہجے میں اسے مطلع کیا۔
امتیاز جھٹ گاڑی سے نکل آیا۔
"کیا کہہ رہے ہو یار؟"
"ہاں ہاں مجھے تم سے، تمہارے کردار سے نفرت ہے۔ تمہارا خوبصورت چہرہ اور اعلیٰ تعلیمی ڈگری ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ آئندہ مجھے مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا۔ نہیں ہو تم میرے دوست، ایسا گھٹیا انسان میرا دوست ہو بھی نہیں سکتا۔"
"شبیر عسکری!" وہ ہکا بکا کھڑا تھا۔ اچانک ہڑبڑا کر رہ گیا۔ شبیر کے پیچھے اور اس کے عین سامنے نوشابہ کھڑی تھی۔ شبیر کو خبر نہ تھی۔
"اپنی ناپاک زبان پر شبیر عسکری جیسے فرشتہ سیرت انسان کا نام لانے کے لیے تم زندہ ہی کب رہو گے امتیاز رند۔ تمہیں موت ہی اس طرف کھینچ لائی ہے۔"
شبیر نے اس آواز پر مڑ کر دیکھا۔ اس میں اور نوشابہ میں نو دس فٹ کا فاصلہ تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔
"نوشابہ! نوشابہ پلیز نوشابہ۔"
"اسے زیادہ دن اس زمین پر چلنے کا حق نہیں تھا۔ اسے آج مرنا ہی ہے۔"
"ایک، دو، تین، چار۔"
پوری چار گولیاں اس نے یکے بعد دیگرے امتیاز کے جوان جسم میں اتار دیں۔ شبیر پہلے امتیاز کی طرف لپکا پھر نوشی کی طرف دوڑا۔ نوشابہ کا ہاتھ اپنی کنپٹی کی طرف بڑھا۔
"نوشابہ کیا کر رہی ہو۔ چھوڑو ریوالور۔" اس نے ریوالور اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔
"نوشابہ!" وہ زور سے چیخا۔
"نہیں نہیں مت روکو مجھے۔ میری زندگی کا مقصد پورا ہو چکا اب جینا بے کار ہے۔ مجھے بھی مرنا ہے ابھی اور اسی وقت۔" شبیر نے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرنا چاہی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ریوالور کا رخ دوسری جانب نہ کر سکا۔ نوشابہ کی انگلی ٹرائیگر پر تھی۔ شبیر کی قوت اس کے دفاع کے بجائے گولی چلانے میں معاون بن گئی اور دونوں گولیاں اس کی کنپٹی چیرتی آگے نکل گئیں۔ گولی لگتے ہی اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ جرمن ساخت

کا چمکدار قیمتی ریوالور شبیر کے ہاتھ میں آ گیا اور نوشابہ نیچے زمین پر گر گئی۔ اس نے گھبرا کے امتیاز کی طرف دیکھا۔ وہ بھی زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اور خون کے فوارے اس کے جسم سے ابل رہے تھے۔ فائر کی آواز چاروں طرف گونجی تھی۔
گیٹ پر موجود لوگ ان کی طرف بڑھ آئے۔ زمین و آسمان شبیر کی نظروں میں گھومنے لگے۔ ایک طرف امتیاز تڑپ رہا تھا۔ دوسری طرف نوشابہ، شبیر کے لباس کو نوشابہ کا خون رنگین بنا چکا تھا۔ ریوالور ہاتھ میں لیے وہ کانپ رہا تھا۔
آنے والے لڑکے اور لڑکیاں دم بخود تھے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔
پل بھر میں لوگوں کا ایک ہجوم اردگرد جمع ہو گیا۔ شبیر کی قوت گویائی کسی نے سلب کر دی تھی۔ قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ بولنے اور حرکت کرنے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔
"قتل۔ قتل۔ قتل۔" چاروں طرف سے صدائیں آ رہی تھیں۔ خوف زدہ آوازیں۔
"کس نے قتل کیا؟"
"کون ہے اتنا سفاک درندہ۔"
"وہ سامنے کھڑا ہے۔ ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہے۔"
"اوہو۔ ارے قتل ہونے والوں میں سے ایک لڑکی ہے۔ وہ دیکھو سامنے پڑی ہے۔" حیرت بھرے لہجے اس کے اردگرد تھے۔
"یقیناً رقابت کا کوئی چکر ہو گا۔ طیش میں آ کر دونوں کو مار ڈالا۔"
"ارے۔ یہ تو شبیر ہے۔ شبیر عسکری۔ کس کو قتل کر دیا اس نے؟"
"یہ ہماری یونیورسٹی کی یونین کا صدر ہے۔"
"شبیر قتل کیسے کر سکتا ہے؟"
"یہ لڑکی کون ہے اور وہ لڑکا کون ہے؟"
"معاملہ کیا ہے؟"
بھانت بھانت کی بولیاں تھیں۔ مختلف آوازیں تھیں اور بے زبان شبیر تھا۔
پولیس چشم زدن میں آ پہنچی۔ ہجوم کو چیرتی آگے بڑھی، ریوالور اپنے قریب رکھے۔ شبیر نوشابہ کے پاس سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"اوئے۔ کھڑے ہو جاؤ۔"
انسپکٹر نے حقارت بھرے انداز میں اسے پکارا۔
وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"لگا دو ہتھکڑی۔ اس کے ہاتھ میں اور لے جاؤ وین کی طرف۔"
"سر! یہ قتل میں نے نہیں کیے۔" شبیر کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ چہرے پر افسردگی بھری متانت۔
"سارے قاتل یہی کہا کرتے ہیں۔ دن دہاڑے رواں دواں سڑک پر دوہرے قتل کے مرتکب ہو کر کہتے ہو قتل نہیں کیا۔ چلو ہاتھ آگے کرو۔"
شبیر نے بے بسی کے ساتھ پولیس آفیسر کو دیکھا۔

"آگے بڑھو تم قاتل ہو یا نہیں اس کا فیصلہ آگے جا کر ہوگا۔ ہمیں تو اپنا فرض پورا کرنا ہے۔"
ہتھکڑی لگا کر انسپکٹر نے اسے آگے دھکیلا لوگ ہٹ گئے۔ لڑکے لڑکیاں ششدر کھڑے تھے۔ فضا میں ہیبت ناک سناٹا پھیل گیا تھا۔ سب خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔
متعلقہ پولیس اسٹیشن چند منٹ کے فاصلے پر تھا۔ انسپکٹر نے اسے آتے ہی لاک اپ میں بند کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

فون کی گھنٹی تسلسل سے بجتی جا رہی تھی بچے اسکول جا چکے تھے۔ آمنہ کچن میں تھیں۔ گوہر اپنے کمرے میں' چچی اماں نے اسے آوازیں دیں تو وہ بڑی مشکل سے چلتی ہوئی کوریڈور میں آئی۔
"ہیلو۔"
"ہیلو میں۔ شبیر کا کلاس فیلو سجاد بول رہا ہوں۔ شبیر کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔"
"پولیس۔ شبیر کو' مگر کیوں؟"
"اس نے قتل کر دیا ہے۔"
"کسے؟ کب؟"
"ایک لڑکی اور ایک لڑکے کو۔ یونیورسٹی کے گیٹ پر اس واقعے کو پورا آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے۔ وہ اس وقت حوالات میں ہے۔ میں نے سوچا آپ لوگوں کو مطلع کر دوں۔"
"نہیں' نہیں' نہیں۔" ریسیور کریڈل پر پٹخ کر وہ دیوانوں کی طرح چیختی ہوئی کچن کی طرف بھاگی۔ اس کی چیخیں سن کر آمنہ خاتون باہر نکل آئیں۔
"گوہر۔ گوری کیا ہوا؟ خیر تو ہے۔"
"امی...... امی...... امی۔"
وہ ان سے لپٹ کر اور زور سے چیخنے لگی۔
"امی۔ شبیر نے قتل کر دیا۔ ایک لڑکے اور لڑکی کو مار ڈالا۔ وہ لاک اپ میں ہے۔"
"کک' کک کس نے بتایا تمہیں۔"
"پتا نہیں کس نے۔ ابھی ابھی کسی لڑکے نے فون کیا ہے۔"
"بکتا ہے وہ۔ شبیر ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ گوہر پاگل مت بنو۔ چیخو مت' حوصلے سے کام لو۔ مجھے بتاؤ بات کیا ہے۔"
گوہر نے ساری بات بتا دی۔
"میں یونیورسٹی فون کرتی ہوں' ابھی پتا چل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کسی نے مذاق میں ہی کہہ دیا ہو۔"
"نہیں امی! اس شخص کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔"
"نہیں۔ نہیں' ٹھہرو میں فون کرتی ہوں۔"
آمنہ خاتون کی انگلیاں نمبر گھما رہی تھیں لیکن ایک نمبر بھی صحیح نہ گھوم رہا تھا۔ جانے کہاں رابطہ جا ملا۔ کئی بار انہوں نے نمبر ملا کے کاٹا۔
"یونیورسٹی کا نمبر کیا ہے۔" وہ بوکھلا گئی تھیں۔
گوہر نے نمبر بتایا۔ آمنہ خاتون نے پھر کوشش کی۔

نمبر مصروف تھا۔ دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر رابطہ ہو ہی گیا۔
آمنہ خاتون نے جھٹ کسی سے پوچھا اور جواب پا کر وہ نیچے فرش پر بیٹھتی چلی گئیں۔ اس سے بے خبر کہ ان کے ساتھ کھڑی گوہر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی ہے۔ آمنہ خاتون کے لبوں سے آزاد ہوتے والی چیخیں گھر کی فضا میں ارتعاش پیدا کرتی چچی اماں کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں۔
"اے بہو۔ کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔ گوہر کہاں ہے کس کا ٹیلی فون تھا۔ اے خدا خیر کرے یہ تم رو رہی ہو کیوں۔ آخر کیوں۔ ارے یہ گوہر زمین پر کیوں پڑی ہے؟"
"چچی اماں۔ چچی اماں۔" آمنہ نے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں ٹوٹی شاخوں کی مانند۔
"ہم لٹ گئے چچی اماں۔ شبیر نے دو انسانوں کا قتل کر دیا۔"
"قتل' کس کا؟ کب؟ کیسے؟"
"ہاں چچی اس نے قتل کر دیا۔ یونیورسٹی کی ایک لڑکی اور لڑکے کو۔" چچی اماں بھی وہاں بیٹھ گئیں۔
"اوہ میرے خدا۔ اس عمر میں مجھے ایسی خبر بھی سننا تھی۔ یہ جھوٹ ہوگا۔ شبیر کہاں ہے۔"
"پولیس اسے جائے واردات سے پکڑ کے لے گئی ہے۔ میں نے خود یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے ابھی بات کی ہے۔"
"آئے ہائے۔ ہمارے نصیب۔ دلنواز کو خبر ہے۔ ارے کوئی اسے تو بتاؤ۔ اسے تو خبر کرو۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔" شور و غل سن کر نوکر بھی دوڑے چلے آئے۔
جانے کس نے دلنواز کو خبر کی۔ چند لمحوں میں خبر اردگرد بھی پھیل گئی۔ ساتھ کے گھروں کی خواتین جمع ہو گئیں۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ دلنواز گھر آتے ہی تھانے چلے گئے۔
"اے بہو اس بچی کی خبر تو لو۔ پرائی امانت ہے۔ تب سے بے ہوش پڑی ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو صفیہ کو کیا جواب دیں گے۔ اے بچی کے نصیب ہی خراب تھے۔"
"چچی! میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"
"مجھے بتائیں مسز عسکری۔ کیا کرنا ہے۔ کون بے ہوش ہے۔"
"گوہر رات سے یہ رکی۔ یہ خبر سنتے ہی بے ہوش ہو گئی۔ جانے کس نے اٹھا کے کمرے میں جا لٹایا ہے۔" چچی اماں نے مسز عباسی کو بتایا۔
"میں دیکھتی ہوں۔" وہ اٹھ گئیں۔ دو چار خواتین کی مدد سے اپنی گاڑی میں اسے ہاسپٹل لے گئیں۔ وہ ہنوز بے ہوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"ممی...... ممی...... مام۔ کچھ سنا آپ نے۔ یہ دیکھیے۔ یہ دیکھیے شبیر بھائی۔ شبیر بھائی نے قتل کر دیا۔" شازیہ اخبار ہاتھ میں لیے پھٹی پھٹی آنکھوں سمیت کہہ رہی تھی۔
"قتل کیسے؟"
"ممی اخبار کی سب سے بڑی سرخی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں دوہرا قتل۔ پنجاب یونیورسٹی کی یونین کے صدر شبیر شاہنواز عسکری نے دن دہاڑے یونیورسٹی کی ایک لڑکی اور لڑکے کو قتل کر دیا۔"
سعیدہ بیگم نے اخبار شازیہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"شازی تمہارے پاپا کل کے فیکٹری گئے ہیں اور اب تک نہیں لوٹے۔"

"وہ یقیناً لاہور گئے ہوں گے۔"

"ان کا کیا خیال تھا۔ یہ خبر ہم تک نہیں پہنچے گی۔ برے کرتوت کسی برے انجام تک تو پہنچاتے ہی ہیں نا۔ اب جھٹلائیں نا تمہارے پاپا میری باتوں کو۔ مجھے تو پہلے ہی خبر تھی۔ یہ لڑکا کسی روز ایسے ہی گل کھلائے گا۔"

"ممی..... ممی..... اب کیا ہوگا۔" شازیہ کی آنکھوں میں خوف تھا۔ ارم بھی ان کے پاس آ گئی۔

"کیا ہوا شازی۔ کیوں پریشان ہو؟"

شازی نے اخبار اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔ شبیر بھائی نے دوہرا قتل کر دیا۔ اب کیا ہوگا ارم۔" شازیہ کے لہجے میں اندیشے سمٹے ہوئے تھے۔

"وہ قتل کرنے والوں کو جو سزا ملتی ہے۔ وہی ملے گی اور کیا ہوگا۔" سعیدہ بیگم نے بے پروائی سے کہا۔

"نہیں نہیں مام۔ مام کیا بھائی کو پھانسی کی سزا ہو جائے گی۔ کیا وہ مر جائیں گے۔ نہیں' نہیں' خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔"

"تمہیں اتنی فکر کس بات کی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ اب دیکھوں گی کون اسے پھانسی چڑھنے سے بچاتا ہے۔" سعیدہ بیگم زخمی ناگن کی طرح لہرائیں۔

"مام..... مام....." شازیہ پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"مام..... آپ ماں ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ آخر بھائی ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے پاپا کے بیٹے ہیں۔ ان کی زندگی۔"

"شازی ڈونٹ بی سلی۔ ممی نے تو انہیں نہیں کہا کہ وہ قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کریں۔ نہ ہی ممی جج کی کرسی پر بیٹھی ہیں جو شبیر بھائی کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ تم خواہ مخواہ ان کی وکالت نہ کرو۔ ممی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ ان کے چلن تو ہمیشہ سے ہی خراب تھے۔ اب کوئی کو پتا چلا ہوگا لڑکی کی خاطر مر مٹے۔ قتل جیسا جرم سرعام کر دیا۔ ہزاروں لڑکیوں کے پیچھے تو بھاگے ہیں۔ ایک نہ ایک دن تو کسی انجام تک پہنچنا ہی تھا۔" ارم بے حد سنجیدہ تھی۔

"ارم پلیز یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔" شازی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے دل میں درد کی کئی لہریں ایک ساتھ اتر گئی تھیں۔ کچھ بھی ہو شبیر کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا تھا جو شازیہ کی رگوں میں تھا۔ اسے اپنی ماں اور بہن کی یہ سرد مہری بلکہ سنگدلی بہت زیادہ بری لگی تھی۔

"یہ جرم ضمیر بھائی یا منیر بھیا کر بیٹھتے تو۔"

"ارے لڑکی! بہت جل نکلی ہے تیری زبان۔ خدا نہ کرے میرے بیٹے ایسے کیوں کرنے لگے۔ وہ میرے بیٹے ہیں۔ ان کے جسم میں شریف اور خاندانی لہو گردش کر رہا ہے۔ شبیر پر تو سارا اثر اس کی ماں کا ہے۔ جانے کیسی عورت اٹھا لایا تھا تمہارا باپ۔ جو ایسا بدبخت بیٹا نصیبوں میں لکھا گیا۔ جب بھی لایا باپ کے لیے کوئی مصیبت ہی لایا۔"

"بہرحال یہ وقت ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم ان کی برائیاں گنوا کر ان سے دور بیٹھے رہیں۔"

"بکواس۔ جب ان کا اس گھر سے کوئی تعلق بنتا نہیں ہے۔ تو ہمارا مطلب ہی کیا رہ گیا ہے ان سے۔" ارم نے پھر ٹوکا۔

"تمہارے باپ کو غرض ہوگی تو جا کے مل آئیں گے۔ میں تو کہیں نہیں جانے کی۔" سعیدہ بیگم نے فیصلہ سنا دیا۔

شازیہ افسردہ سی ایک طرف جا بیٹھی۔ ارم خبر کی تفصیل پڑھنے لگی اور سعیدہ بیگم ٹیلی فون پہ جانے کس کو اطلاع دینے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"حوصلہ کریں ممی۔ خدا خدا کر کے عذرا آپا روبصحت ہوئی ہیں۔ آپ نے حوصلہ ہارا تو وہ پھر سے بیمار پڑ جائیں گی۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھ چکی ہیں۔ میں نے انہیں آپ کے پاس آنے سے روکا ہوا ہے۔ ایک مصیبت یہ ہے کہ پاکستان کے لیے نمبر ہی نہیں مل پا رہا۔ ممی! آپ اپنے کمرے میں بند رہیں تو میں آپی کو زیادہ دیر روک نہیں پاؤں گی۔ وہ آپ کے کمرے میں آ جائیں گی۔ آپ کی حالت دیکھ کر پریشان ہوں گی اور بات بتانی ہی پڑے گی۔"

"عذرا۔ میری بیٹی۔ میری پیاری انجی۔ تم کیسے کہہ رہی ہو۔ میں ماں ہوں انجی۔ مجھے چین کیسے آ سکتا ہے۔ ایک ماں ایسی خبر سن کر کیسے بیٹھ سکتی ہے چپ چاپ۔ اس پر ہر مصیبت ہمارے یہاں آنے کی وجہ سے آئی ہے۔ عذرا۔ تم تو سوچو۔ خود..... یہ تمہاری ہے کہ میں پرسکون ہو کر بیٹھ جاؤں۔ نہیں نہیں مت روکو مجھے مت پابندی لگاؤ مجھ پر۔ مجھے رونے دو۔ مجھے اس بربادی پر ماتم کرنے دو۔ عذرا اب ٹھیک ہے۔ میں یہاں ایک پل نہیں رہوں گی۔ مجھے اپنے بچے کے پاس جانا چاہیے۔ مجھے جانا ہوگا۔ ہائے میرا بدقسمت شبیر۔ جانے کیسا ہوگا۔ کس حال میں ہوگا۔ انجو۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ یہ قتل اس نے نہیں کیے۔"

"ممی آپ بہت بھولی ہیں۔ شبیر نے یہ قتل کھلے عام کیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"اوہ میرے خدا۔ خدا جانے وہ کیسے حالات تھے جو اسے اس منزل تک لے آئے۔ وہ لڑکا اور لڑکی کون تھے۔"

"اخبار نے تو یہی لکھا ہے کہ رقابت کا معاملہ تھا۔"

"نہیں' نہیں میں نہیں مان سکتی۔ میرا بچہ ایسا نہیں ہے۔"

"ممی۔ آپ گھر بیٹھنے والی عورت ہیں آپ کو باہر کے معاملوں کی کیا خبر۔"

"عذرا! اس کی عمر کا سارا زمانہ کافی حصہ میرے ساتھ گزرا ہے میں اس کی فطرت سے واقف ہوں وہ کسی کی جان لینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ سوئی چبھو دینے کے حق میں بھی نہیں ہے۔"

"ممی آپ کا کیا خیال ہے قتل صرف عادی لوگ ہی کرتے ہیں ہرگز نہیں۔ قتل چند لمحوں کا کھیل ہے۔ غصہ ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ جذباتی لمحہ ہم سے کوئی سا جرم کرا سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک قتل کر سکتا ہے۔ کسی بھی وقت کسی کا بھی گلا گھونٹ سکتے۔ اور شبیر کے جرم کے تو بہت لوگ گواہ ہوں گے کہ اس نے سرعام قتل جیسا بھیانک عمل کیا ہے۔"

ممی زار و قطار رونے لگیں۔ عذرا خاموش بیٹھی ان کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ زاری پر اپنا دل مسوستی رہی۔

"چاہے یہ سچ بھی ہو۔ قتل کا جرم اس نے کیا بھی ہو تو بھی ایک ماں کے دل سے اس کا پیار کیسے نکل سکتا ہے۔

ہائے میرا شبیر۔ اجی۔ کیا وہ پھانسی چڑھ جائے گا۔ کیا اسے موت کی سزا ہو جائے گی۔ نہیں...... نہیں...... ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ شبیر۔ شبیر میری جان' میرے بچے تم کہاں ہو۔" وہ دیوانوں کی طرح شبیر کو آوازیں دینے لگیں۔

عذرا نے انہیں تھام لیا۔

"ممی...... ممی...... خود کو سنبھالیں۔ آپ نے اپنی کیا حالت بنالی ہے۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو۔"

"مجھے ضرور کچھ ہو جانا چاہیے۔ نہیں جینا ہے مجھے۔ اتنا بڑا پہاڑ میں نہیں اٹھا سکتی۔ نہیں ہے مجھ میں اتنی طاقت اس خبر نے میرے دل کا سارا چین اور قرار چھین لیا ہے۔ جمال کہاں ہیں۔ ان سے کہو۔ مجھے ہر حال میں پاکستان جانا ہے۔ وہ نہیں کوشش کریں گے تو میں سفارت خانے والوں سے التجا کروں گی۔ میں خود چلی جاؤں گی۔"

"ممی...... ڈیڈی گئے تو ہیں۔ اسی کام سے ہی گئے ہیں۔"

"کسی کو کوئی فکر نہیں ہے' سب چین سے ہیں۔"

"ممی! آپ بہت زیادہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ ڈیڈی کی پریشانی کا آپ کو اندازہ ہی نہیں۔ بس وہ خاموش رہتے ہیں ظاہر نہیں کرتے اور آپ ہیں کہ ہمیں بھی۔ بے حوصلہ کر رہی ہیں۔"

"عذرا۔ کیا چاہتی ہو تم۔ آخر کیا۔ میں اس کا نام بھی نہ لوں۔ اسے یاد بھی نہ کروں۔ تمہیں کیا خبر۔ حوالات میں بند ہو کر چند لمحے گزارنا بھی مشکل ہوتا ہے اور وہ پورے دو دن سے حوالات میں ہے۔ خدا جانے کس حال میں ہے۔ باپ اس کا تو ویسے بھی دشمن ہے اس کا۔ وہ تو اس کی ساری مصروفیات کے خلاف تھا۔ مجھے یقین ہے وہ اس کی معاونت کے لیے ہرگز نہیں آیا ہوگا۔ اور وہ چچا۔ کیا خبر وہ بھی...... وہ بھی اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔"

عذرا خاموش ہو گئی۔

"عذرا۔ ڈاکٹر ہجری کو بتایا تم نے؟"

"ڈیڈی نے بتایا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب اس طرف تو آئے ہی نہیں۔"

"عدی کہاں ہے؟"

ڈیڈی کے ساتھ گیا ہے۔ وہ بھی بہت پریشان ہے۔ افتخار بھائی الگ فکر مند ہیں۔ ڈیڈی صبح ان پر خفا ہو رہے تھے۔ فون نہیں مل رہا۔ تو اس میں افتخار بھائی کا کیا قصور۔ آپ بھی ڈیڈی کی طرح خواہ مخواہ ہی ہم سے خفا ہو رہی ہیں۔ ایک دو دن میں آپ کے جانے کا بندوبست ہو جائے گا۔ میں ابھی فون کرتی ہوں ڈاکٹر صاحب کو لیکن ممی! ان کو بتانے سے کیا حاصل ہوگا۔ بے چارے پریشان ہوں گے ان کی زندگی میں پہلے بھی کوئی خوشی نہیں ہے۔"

"تو ان سے بات چھپا کر کیا ملے گا۔ آخر وہ ان کا نواسا ہے۔ اپنوں کے دکھ اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ بلکہ ان سے بات چھپا کر ہم زیادتی کریں گے۔ تم دیکھ لینا وہ کتنے خفا ہوں گے۔ وہ ایک بہادر انسان ہیں عذرا۔ اس بات کو بھی فیس کر لیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ میں فون کر رہی ہوں۔" عذرا ان کے قریب سے اٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔

جمال احمد اندر داخل ہوئے۔

"کیا ہوا؟ کچھ پتا چلا میرے شبیر کا۔"

وہ بے تابی سے آگے بڑھیں۔

"نادان مت بنو۔ بس پاکستان چلنے کی تیاری کرو۔ ہم سب لوگ ہی چل رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر ہی کچھ معلوم ہو سکے گا۔ افتخار کہہ رہا تھا کل کی فلائیٹ سے ہم جائیں گے۔"

"شکر ہے خدایا۔ جمال! میں شبیر سے مل سکوں گی نا۔"

"میں خود بھی بے حد پریشان ہوں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس تمہارے مزید کسی سوال کا کوئی جواب نہیں۔ پلیز مجھے پریشان مت کرو۔" جمال احمد الجھے الجھے سے لگ رہے تھے۔ عدی بھی کمرے میں آ پہنچا۔

"ممی آپ کی دعائیں پوری ہوئیں۔ کل ہم لوگ چل رہے ہیں۔ عذرا۔ جلدی جلدی سے سامان کی پیکنگ شروع کر دو۔ ممی...... جب سے میں نے یہ خبر سنی ہے ایک پل کو بھی چین نہ پا سکا۔ یہ سب آخر کیا ہے میں سمجھ ہی نہیں پا رہا۔ خدا کرے یہ سب ایک الزام سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ خدا کرے شبیر نے ایسے بھیانک جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ خدا کرے۔" وہ صوفے پر ٹک گیا۔

"ممی! ڈیڈی کہہ رہے تھے ہمیں یہ خبر ڈاکٹر ہجری سے نہیں چھپانا چاہیے۔ خدانخواستہ بات بڑھ گئی تو وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ آخر وہ اس کے نانا ہیں۔"

"عذرا انہیں رنگ کر کے بتانے گئی ہے' جاؤ تم بات کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔ بلکہ میں ان کے ہاں چلا جاتا ہوں۔"

"عذرا۔ عذرا۔ اگر نمبر نہ مل سکا ہو تو فون رکھ دو۔ میں ان کے پاس خود جا رہا ہوں۔" عدی نے زور سے آواز دی۔

"عدی میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔ اس گھر کی خاموشی سے مجھے خوف آنے لگا ہے۔" عذرا نے سامنے آ کر اس کی بانہہ تھام لی۔

"عدی۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا تم سوچ سکتے ہو شبیر نے سر عام دو انسانوں کو قتل کر دیا ہوگا۔"

"میں تو۔ کچھ بھی سوچنے سے قاصر ہوں۔ میں خود بھی بے حد پریشان ہوں۔ سخت بے چین ہوں۔ ان لمحوں میں وہ کہاں ہوگا' کیسا ہوگا' کیا سوچتا ہوگا۔ یہ ساری فکریں میرے اندر ہلچل مچائے ہوئے ہیں۔ وہ مجھے کتنا عزیز ہے اس کی خبر مجھے آج ہوئی ہے۔"

"عدی! ہم جن لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے کسی طور نفرت نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر بھی کہ وہ انسانی جانوں کا قاتل ہے مجھے اس سے ذرا برابر نفرت نہیں ہوئی۔ اس کی زندگی ہم سب کے لیے کتنی ضروری ہے۔"

"ہاں عذرا...... تم سچ کہہ رہی ہو۔ نفرت تو میرے دل میں بھی پیدا نہیں ہوئی اور ممی کو دیکھا ہے تم نے۔ مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔ شبیر سے جدائی کا دکھ ہماری ممی کو ہم سے چھین ہی نہ لے۔"

"خدا نہ کرے۔ عدی! تم پاکستان جاتے ہی اس سے ملو گے۔"

"ظاہر ہے۔ ملنا تو ناگزیر ہے۔"

"مگر...... میں...... میں کیسے ملوں گی اس سے۔ نہیں عدی مجھ میں اسے دیکھنے کی تاب نہیں۔"

"عدی کیا اسے پھانسی کی سزا ملے گی۔ عدی! کیا وہ مر جائے گا۔ عدی! کسی انسان کو اس احساس کے ساتھ دیکھنا کہ چند دنوں بعد اسے نہیں دیکھ سکیں گے دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ میں اسے نہیں دیکھوں گی' میں اس سے نہیں ملوں گی۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"پگلی...... ہمارے فیصلے اس رب کے ہیں جو اس کائنات کا مالک ہے۔ وہی ہوگا جو اسے منظور ہوگا۔ انسان کو

ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔"

"عدی! اس کے خواب کتنے حسین اور دلکش تھے۔ وہ تو انسانوں کو زندگیاں دینے کی بات کرتا تھا خوشگوار زندگیاں۔ اس نے کیسے کسی کو مار دیا۔ کیسے؟ آئی کانٹ بلیو۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"ہمارے سارے سوالوں کا جواب صرف اسی کے پاس ہے۔ وہ ہی ہمیں بتا سکتا ہے کہ یہ سب کیا ہے۔ ورنہ اخباروں نے تو کئی رنگین کہانیاں گھڑ دی ہیں۔" عدی نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"چچی اماں..... بہت ہو چکی۔ اب نہ ہوگی۔ آپ کی حمایت نے میری آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی۔ میں محبت کی عینک لگا کر دیکھتا رہا۔ عیب تو مجھے کبھی نظر ہی نہ آئے۔ میں سخت شرمندہ ہوں صفیہ آپا سے عاصم بھائی سے۔ میں ان دونوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میرے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہے میں اس نالائق کی کوئی حمایت اب نہیں کر سکتا۔ عاصم بھائی کو اختیار ہے بیٹی کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں اس کی زندگی جس انداز سے سنواریں۔ میں اس کا معاون ہوں دشمن نہیں۔"

"ہم تو سدا شاہنواز کو قصوروار گردانتے آئے شاہنواز آخر باپ ہیں بے سبب نفرت کیسے کر سکتے تھے۔ یقیناً لچھن انہیں پہلے نظر آتے ہوں گے۔ آخر کچھ عرصہ وہ ان کے پاس بھی تو رہا ہے۔" عاصم نے جھٹ کہا۔

صفیہ چپ چاپ بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔ انہوں نے کسی بات میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بولنے کو کچھ کہنے کو رہ ہی کیا گیا تھا جو وہ کہتیں۔ شبیر نے تو ساری حدیں پھلانگ لی تھیں۔

"عاصم بھائی۔ یہ تو بچی نے رات کو ہمیں بتایا۔ اگر وہ نہ بتاتی تو میں اب بھی یہی کہہ رہا ہوتا کہ شبیر بے گناہ ہے۔"

"کیا بتایا تھا اس نے؟" چچی نے پوچھا۔

"آپ نہیں سن رہی تھیں کیا۔ انگوٹھی اتار کر وہ آپ ہی کو تو دے رہی تھی۔" دلنواز بھڑک اٹھے۔

"آمنہ! تم نے نہیں سنا تھا۔"

آمنہ بھی سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ دلنواز کے سخت لہجے پر چونک اٹھیں۔

"جی..... جی ہاں..... شبیر نے گوہر کو بتایا تھا کہ وہ اس کے بجائے کسی اور لڑکی سے شادی کرے گا۔"

"کسی اور سے کیوں؟ اس لڑکی سے جس کو اس نے جان سے مار دیا۔" دلنواز تو کھول رہے تھے غصے سے۔

عاصم اور صفیہ نے ایک دم انہیں دیکھا۔

"آپ کو تو خبر ہے عاصم بھائی ایسی لڑکیاں کب کسی ایک کی ہوتی ہیں۔ حسن کا جال لے کر شبیر جیسے بے وقوفوں کو قدم قدم پر پھانستی پھرتی ہیں۔ اس نے کسی اور کے ساتھ دیکھا برداشت نہ کر سکا اور مار دیا۔"

"کچھ بھی کرتا پھرے وہ۔ خس کم جہاں پاک خدا کا شکر ہے کہ ہماری بیٹی اس کے چنگل سے نکل آئی۔ اگر شادی کے بعد یہ سب کچھ ہوتا تو۔" عاصم بہت دور کی سوچ رہے تھے۔ خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

"ہاں جی۔ میں بھی خدا کا شکر گزار ہوں یہ ذمہ داری تو مجھ پر ہی عاید ہوتی۔ میں آپ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ گوہر بہت پیاری بچی ہے اعلا کردار کی شریف النفس بیٹی ہے۔ اس کی بربادی مجھے چین نہ لینے دیتی۔"

"دلنواز۔ میں نے فیصلہ کیا ہے گوہر کو اپنے ساتھ لے جانے کا۔ اس نے اس حادثے کا بہت زیادہ اثر لیا ہے۔ چپ چاپ بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی ہے۔"

"میں آپ کو روک نہیں سکتا عاصم بھائی۔ میں تو اسے یہاں اعلا تعلیم کی خاطر لایا تھا مجھے کیا خبر تھی وہ بے چاری میرے گھر سے اتنا بڑا غم لے کے جائے گی۔ آپ لے جائیے۔ میرا خیال ہے اس کی بہتری اسی میں ہے۔" دلنواز رونے لگے۔

"اے دلنواز بیٹے۔ شاہنواز نے کیا کہا ہے شبیر کے بارے میں۔" چچی اماں نے پرامید انداز میں پوچھا۔

"کیا کہتے وہ؟ جو کہا ٹھیک ہی کہا۔"

"کب آئے گا وہ۔"

"معاف کیجیے چچی اماں! کم از کم شبیر کے لیے تو ہرگز نہیں آئیں گے انہیں ضرورت بھی کیا ہے۔ ایسے نابکار بیٹے کی پشت پناہی کرنے کی۔" آمنہ جھٹ اس کے دفاع میں بول پڑیں۔

"آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ کچھ بھی ہو۔ اس کے وارث تو ہم لوگ ہی ہیں نا۔ اس دنیا میں یہ پہلا قتل نہیں ہوا ہزاروں لوگ ہزاروں لوگوں کو اس سے پہلے بھی قتل کر چکے ہیں۔ یہ ایک غلط فعل ہے لیکن انسان ہی کیا کرتے ہیں۔ آج پانچ دن ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس کی خبر گیری تک نہیں کی۔ ایک بار اس کے پاس نہیں گئے۔ اس سے پوچھا تک نہیں۔"

"مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بدنامی اور رسوائی جو مجھے اور میرے خاندان کو مل چکی ہے کافی ہے۔ ہمارا خاندان قاتلوں کا خاندان نہیں ہے۔ تم ہمارے خاندان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ ایسی بیچ حرکت کسی نے کی ہو تو۔ تمہیں خبر ہے میں نے ان دنوں گھر سے قدم باہر نہیں رکھا۔ اخباری نمائندے شکاری کتوں کی طرح بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ میں نے اسی خوف سے ٹیلی فون ریسیو کرنا بند کر دیا ہے۔ میں کیوں جاؤں۔ کس لیے؟ لوگوں کی نظروں کے تیر کھانے۔ انجانوں کو بھی یہ جتانے کہ میں اس لعین منحوس قاتل کا چچا ہوں ہرگز نہیں۔"

آمنہ اتنا سخت جواب سن کر خاموش ہو گئیں۔

"بیٹا خطائیں انسان کرتا ہے۔ وہ بھی ایک انسان ہے غصے میں آدمی کو کچھ نہیں سوجھتا۔"

"آپ وکالت نہ کریں چچی اماں۔ اس نے میرے اعتبار و اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے میرے یقین کو توڑا ہے۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ بے تحاشا محبت۔ اسے بہت اچھا جان کر۔ یہ سوچ کر کہ اس سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ پر وہ اس قابل نہ تھا۔ اسے بس بے لوث محبت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سایوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے مجھے۔ میری خواہشوں کو بھول گیا تھا اس نے مجھے ہی نہیں ایک اور معصوم کو بھی دھوکا دیا ہے اور میں اس کا یہ جرم کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اس کی طرف نہیں جا سکتا۔ بھائی جان نے بھی کہہ دیا ہے۔ ان کا شبیر کے قول و فعل سے کوئی تعلق نہیں۔ دو دن پہلے کے اخبار میں ان کا بیان چھپ چکا ہے۔ انہوں نے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیا ہے۔ آج کے بعد اس گھر میں شبیر کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ جیے یا مرے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔"

دلنواز نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔

"عاصم بھائی۔ گوہر کو آپ جا کر لے آئیں۔ ڈاکٹر نے صبح کہا تھا۔ گیارہ بجے تک اسے ڈسچارج کر دیں گے۔ عاصر اور ساغر بھی وہیں ہیں۔ آمنہ بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلی جائے گی۔"

آمنہ نے پہلو بدل کر رہ گئیں۔ بے بسی کے ساتھ دلنواز کو دیکھا۔ وہ سدا کے انتہا پسند تھے۔

ٹوٹ کر چاہنے والے۔ آمنہ نے تصویر کا دوسرا رخ آج پہلی بار دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر جو کچھ رقم تھا۔ اس کا مفہوم شدید ترین نفرت ہی تھا۔ وہ انہیں بغور دیکھتی رہیں۔

ان کے دل میں شبیر کی انسیت کا نرم اور نازک سا پودا انہوں نے ہی لگایا تھا اور آج نفرت کی تند و تیز آندھی بن کر وہ محبت کے تناور درخت کو ان کے دل کی دھرتی سے اکھاڑ پھینکنے پر تلے ہوئے تھے۔

کیا محبتیں یوں نفرتوں میں بھی بدل جایا کرتی ہیں؟ آمنہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

کتنا روئی تھیں وہ۔ کتنا تڑپی تھیں۔ شبیر کو ایک نظر دیکھ لینے کے لیے۔ اس کے پاس جانے کے لیے۔ کسی نے ایک نہ سنی تھی۔ خاندان کا خاندان اس سے لاتعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ گوہر تو اسی روز سے ہاسپٹل میں تھی۔ ڈاکٹروں نے اس کا علاج خواب آور انجکشن تجویز کیا تھا۔ تین دن مسلسل عالم بے ہوشی میں رکھا گیا تھا اسے۔ عامر نے صبح بتایا تھا کہ آج وہ ہوش میں ہے لیکن انتہائی خاموش اور سوگوار۔ کسی سے بات تک نہیں کرتی۔ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی اس گھر پر اس گھر کے باسیوں پر۔ عاصم آئے تو آمنہ کی ڈھارس بندھی کہ وہ دلنواز کے دل میں شبیر کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا کر سکیں گے۔ لیکن وہ تو سب سے زیادہ بھرے ہوئے تھے۔ اس کا نام سننا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ صفیہ خاموش بھی تھیں اور شرمندہ بھی۔ جیسے یہ جرم شبیر نے نہیں انہوں نے کیا ہو۔ شاہنواز نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ مرے یا جیے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ کاظم عاصم کے بھائی تھے۔ وہ بھی ان ہی کی زبان میں بات کر رہے تھے۔ دلنواز نہ خود فون اٹھا رہے تھے نہ کسی دوسرے کو اس کی اجازت تھی۔ گھر کا مین گیٹ بند کیے پورا پورا دن اندر پڑے رہتے۔ کئی اخباری نمائندے آ کر چلے گئے تھے۔ وہ شبیر کے متعلق ایک لفظ کہنے یا سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ چچی اماں بے چاری کی کوئی سنتا نہ تھا۔ آمنہ سے کہہ سن کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی تھیں۔ ایک بات نے سب کو لاجواب کر رکھا تھا اور وہ وہی بات تھی گوہر کی بتائی ہوئی کہ شبیر نوشی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسی نے اپنی زبان سے اقرار کیا تھا۔ گوہر کو خود بتایا تھا۔ آمنہ حیران تھیں۔ ان کی چشم بینا نے تو یہی دیکھا تھا کہ وہ گوہر کو بہ دل و جان چاہتا ہے۔ اسے پسند کرتا ہے۔ کتنا خوش تھا وہ۔ جب سے گوہر اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اپنے دل کی ہر بات وہ سہولت کے ساتھ آمنہ کو بتایا کرتا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ شبیر ایک عام سوچ کا مالک عام سا نوجوان ہے۔

پھر اس کا یہ کہنا کہ وہ کسی اور لڑکی سے شادی کر رہا ہے ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

جانے کب عاصم اور دلنواز اٹھ کر چلے گئے۔ صفیہ بیگم ان کے قریب آ بیٹھیں۔

''آپا..... آپا..... آپ بھی یہی خیال کرتی ہیں۔ آپ بھی شبیر کو برا سمجھتی ہیں۔''

''میں تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتی نہ اچھا نہ برا۔ میری تو عمر ہی طعنے سننے میں کٹ گئی۔ پہلے بھائی کے نام کا طعنہ تھا اب شبیر کے نام کا ہے۔ چچی! آپ اس کام کی ابتدا ہی نہ کرتیں۔ دلنواز اسے اپنے گھر ہی نہ لاتے۔ جیسے پھر رہا تھا۔ ادھر ادھر پھرتا رہتا۔ جیسی گزار رہا تھا گزارتا رہتا۔ بن ماں باپ کے بچے تو جھاڑیوں کی مثال ہیں۔ خود رو بیلوں کی طرح۔ جدھر رخ ہوا بڑھتی گئیں۔ نہ کانٹ چھانٹ نہ روک رکاوٹ۔ میں نے تو اسے اس لیے گلے سے لگایا تھا کہ چھوٹی بھی ہوں۔ ماں بن جاؤں گی۔ جو پیار اسے اس دنیا میں نہیں ملا وہ دوں گی۔ بیٹی دینے سے ہی رشتہ مضبوط ہو سکتا تھا۔ مگر۔ اس نے تو کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا۔''

''بیٹی میں نے تو یہ چونڈا دھوپ میں سفید نہیں کیا۔ ایک عمر لگی ہے اس عمل میں۔ میں نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ اچھا بھی برا بھی۔ اچھائی کے لبادے میں چھپے برے انسان بھی میری نظروں سے گزرے ہیں اور

معتوب انسان بھی۔ جنہیں زمانہ سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ میرا دعوا ہے کہ شبیر ہرگز برا نہیں ہے۔ اس میں اوباش اور گھٹیا انسانوں والی کوئی بات میں نے ایک پل کو نہیں دیکھی۔ یہ قتل اس نے کیا؟ کیوں کیا؟ کیسے کیا؟ یہ بھی کوئی راز ہے۔ دیکھ لینا تم۔ اس کی تہہ میں ضرور کوئی بات ہوگی۔ تم اس کے پاس جاؤ تو سہی۔ اس کی سنو تو سہی۔ وہ کیا کہتا ہے کیا بتاتا ہے۔ لیکن تم سب نے تو اسے..... بڑی عجیب سزا دی ہے۔ اسے تنہا کر دیا ہے۔ یہ کیسا انتقام ہے۔ یہ کیسا بدلہ ہے اور کس بات کا۔ سوچو تو سہی۔ اس کی ماں زندہ ہوتی تو اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی۔ اسے یوں بے یار و مددگار چھوڑ دیتی۔ ارے میرے بچے کو ان لمحوں میں اپنوں کی اپنے پیاروں کی کتنی ضرورت ہوگی۔ کیا سوچتا ہوگا وہ۔ زخمی انگلی بھلا کس نے کاٹ پھینکی وہ برا ہے یا اچھا ہے تو ہمارا ہی نا۔ ہم ایک برائی کے سبب اس کی ساری اچھائیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔''

تینوں رونے لگیں۔ با آواز بلند۔

''کس کا سوگ منا رہی ہیں آپ۔ کس کا ماتم کرنے لگی ہیں کون مر گیا ہے۔'' دلنواز جانے کہاں سے دوڑے چلے آئے۔

''رونا ہے تو کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈ لیے آپ سب میرے گھر میں یہ گریہ و زاری نہیں ہو سکتی۔ میں ایسے وفا ناشناسوں کے مر جانے پر بھی رونے کا قائل نہیں ہوں۔ آئندہ میں ایسی صورت حال نہ دیکھوں۔ مجھے جینا ہے انسانوں کی طرح خوشحالی کے ساتھ۔ سکون کے ساتھ۔ میرا اس سے کوئی ناتا نہیں ہے اپنے کیے کی یہی سزا مجھے کافی ہے۔'' وہ دندناتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

تینوں دم سادھ کر رہ گئیں۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی نہ سکیں۔

''دلنواز کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ ایسا تو نہ تھا۔ کیا چاہتا ہے یہ..... اس غم کو سینے میں دبا لوں۔ مر جاؤں اس نے یہ سب کچھ اس لیے کہا ہے نا کہ یہ گھر اس کا ہے۔ کہیں اور رو لوں گی۔'' چچی اماں پھر رونے لگیں۔

''نہیں چچی۔ آپ ایسا سوچیں بھی نہ۔ انہیں تو شبیر کے کیے کا صدمہ ہے۔ بہت پریشان اور اپ سیٹ ہیں وہ۔ آپ تو ہماری ماں ہیں بزرگ ہیں اس گھر کی مالک ہیں۔''

''نہیں نہیں میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں ماں ہوتی بزرگ ہوتی اس گھر کی مالک ہوتی تو وہ میرا حکم مانتا اور مجھے شبیر..... کے پاس لے جاتا۔''

''خدا کے لیے چچی اماں۔ آپ..... آپ..... اس کا نام نہ لیں۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔''

''تم لوگ مجھے نہیں روک سکتے۔ اسے یاد کرنے سے اس کے لیے رونے سے۔ ارے ملنے پر پابندی لگاؤ۔ دل کی بھڑاس نکالنے سے تو نہ روکو۔ تم سب کے دل اس کے لیے پتھر ہو گئے ہیں۔ میں تو وہی ہوں۔ آخر اس کی دادی ہوں۔ دادی بھی ماں ہوتی ہے۔ اس کے سینے میں بھی اپنے بچوں کی محبت سے بھرا دل ہوتا ہے۔ میں تم سب کی طرح سخت دل نہیں ہوں۔ میں روؤں گی فریاد کروں گی۔ اسے یاد کروں گی۔ اور تم سب مجھے اس سے نہیں روک سکتے۔''

چچی اماں اور زور سے رونے لگیں۔

''آپا..... آپ چل رہی ہیں گوہر کے پاس۔''

''نہیں آمنہ تم جا کے لے آؤ۔ مجھ میں تو اسے دیکھنے کا حوصلہ بھی نہیں۔ میں..... میں نہیں جاؤں گی۔'' صفیہ اپنی آنکھیں صاف کرتی کمرہ چھوڑ گئیں۔

صفیہ چچی اماں کے پاس جا بیٹھیں اور ان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر وہ بھی بے بسی سے رونے لگیں......
کائنات کی ساری رنگینیاں' دنیا کی ساری رونقیں اسی وقت دم توڑ گئی تھیں جب اس کے کانوں نے یہ روح فرسا خبر سنی تھی۔ خوشی کا کوئی احساس ان کے دل نے کے آس پاس باقی نہیں رہ گیا تھا۔ کتنی خالی خالی ہو گئی تھی وہ...... یہ خبر سننے کے بعد یوں لگا تھا کہ کوہ گراں بلکہ ساتوں آسمان اس پر اچانک آ گرے اور وہ ان کے بوجھ تلے دب کر ریزہ ریزہ ہو گئی ہے۔ پس گئی ہے۔ پھر وہ ہوش کی دنیا سے ہی دور نکل گئی۔ جانے کتنے دن بیت گئے۔ ہوش میں آئی تو سلسلہ وہیں سے جڑ گیا۔ جہاں سے ٹوٹا تھا۔

"خدایا یہ جو میں نے سنا ہے یہ سب جھوٹ ہو۔ بالکل جھوٹ۔ ایک بھیانک مذاق ہو۔ صرف میری آزمائش ہو۔"

"عامر...... عامر۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کرسی پر بیٹھے عامر کو پکارا۔

"میں کہاں ہوں۔ تم کیوں یہاں بیٹھے ہو۔ شش۔ شبیر کہاں ہے۔"

"آپی آپ ہاسپٹل میں ہیں...... میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔"

"اور شبیر۔"

عامر کا سر جھک گیا۔

"وہ جیل میں ہیں۔"

"جیل میں؟"

"ہاں انہوں نے دو قتل کر دیے ہیں۔"

"او میرے خدا...... عامر کہہ دو۔ کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے۔"

"نہیں آپی! یہ جھوٹ نہیں ہے۔ آپ شبیر بھائی کا نام نہ لیں۔ پاپا سخت خفا ہوں گے۔"

"کیوں؟ کیوں خفا ہوں گے وہ؟"

"وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کا نام بھی لے۔ وہ آپ کے پاس آئے تھے۔ اخبار والوں نے جانے کیسے پہچان لیا دوڑے چلے آئے۔ ان سے سوال کرنے لگے۔ انہوں نے سب کو جھاڑ دیا۔ کہا کہ آپ کہہ دیں میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں' اپنے قول و فعل کا وہ خود مالک ہے۔ آپی۔ کیا انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ نوشابہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بڑے بوڑھوں کی طرح باتیں کر رہا تھا۔

وہ خاموش رہی۔ اسے اس رات کی ساری باتیں تواتر کے ساتھ یاد آنے لگیں۔

شبیر نے کس ڈھٹائی سے نوشابہ سے ملاقات کا اقرار کیا تھا اور اسے یہ نوید بھی سنائی تھی کہ وہ اس سے شادی کرنے والا ہے۔

گوہر اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکی۔ ساری صورت حال اس پر واضح ہو گئی۔ نوشابہ ایک حسین ہرجائی لڑکی تھی۔ اس نے شبیر کو اپنے فریب کے دام میں الجھا لیا۔ وہ اس کے لیے سنجیدہ ہو گیا۔ اس سوچ نے گوہر کا دل کاٹ دیا اور اچانک اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر مشتعل ہو گیا۔ یہ تو ہر مرد کی فطرت کا خاصہ ہے۔ اپنے سے منسوب ذات کو وہ ہر حال میں خود تک محدود دیکھنا چاہتا ہے۔ اور خود آزاد فضاؤں کے پنچھی کی طرح اونچی اڑان کو ہرگز معیوب نہیں سمجھتا۔

اس کا سر چکرانے لگا۔ دماغ گھومنے لگا۔

"نہیں شبیر۔ نہیں۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تم ایسے بے وفا تھے۔ ایسے ہرجائی تھے۔ جانے کن جنموں کا ادھار تم نے چکایا ہے۔ کس جرم کا بدلہ لیا ہے مجھ سے۔ کاش میں نے تمہاری زبانی یہ نہ سنا ہوتا کہ تم مجھے بھول کر کسی اور کے ہو گئے ہو۔ کاش یہ آناً فاناً یہیں کیا یا پلٹی یہ اچانک کیا ہو گیا۔ کاش میں نے اپنا غم اپنے آپ تک ہی محدود رکھا ہوتا۔ گھر میں کسی کو نہ بتایا ہوتا۔ یہ سب تم سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ میں اور میری کہی ہوئی بات ہے۔ کاش یہ سب نامعلوم ہوتے۔"

دروازہ کھلا۔ عاصم اور آمنہ اندر داخل ہوئے۔

"بابا...... بابا......" گوہر کسی چھوٹی سی بچی کی طرح بلک اٹھی۔ ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

"بابا...... !"

"میری بچی۔ میری گوہر۔ میری جان۔" عاصم حسنین نے اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کا چہرہ اپنے مہربان ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"مجھے...... کہاں؟ کہاں لے جائیں گے۔"

"اپنے گھر اور کہاں...... بہت عرصہ تم نے دکھوں میں گھر کر گزار لیا۔ اب کوئی ستم نہیں ہونے دوں گا۔ یہ تو مجھے اب پتا چلا ہے صفیہ نے تم تو اس وقت بھی انکاری تھیں۔ صفیہ نے تم پر زبردستی کی تھی۔ باپ سے تو بیٹی بھی دور نہیں کی۔ اپنے بابا کو معاف کر دینا گوہر۔ میں نے تو فرض کر لیا تھا کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ مجھے کیا خبر تھی۔"

گوہر زار و قطار رونے لگی۔ عاصم اپنی آنکھوں کی نمی اس سے چھپاتے اس کے اشک پونچھنے لگے۔

مختصر سامان گاڑی میں رکھ دیا گیا۔ وہ پچھلی نشست پر آمنہ اور عاصم کے درمیان کسی معمول کی طرح بیٹھی تھی۔ گاڑی شہر کی سڑکوں پر بھاگ رہی تھی اور گوہر کو وہ بیتے دن یاد آ رہے تھے۔ جب جب وہ شبیر کے سنگ ان راہوں پر سے گزر رہی تھی۔ کتنے خوش ہوا کرتے تھے وہ دونوں شاداں و فرحاں۔ شبیر کو اونچی آواز میں بجتے شوخ گانے چلتی گاڑی میں بے حد بھلے لگتے تھے۔ وہ آواز آہستہ کرتی شبیر کے ہاتھ پھر آگے بڑھ آتے۔

"گوہر...... چلنے دو۔ زندگی کی روانی کا احساس ہوتا ہے۔ جب تم ساتھ ہوتی ہو تو جی چاہتا ہے لمحوں کا سارا رس اور خوشی کشید کر لوں۔"

آج گاڑی میں کتنی خاموشی تھی۔ عامر اور ساغر کے ہوتے ہوئے بھی۔ بابا اور امی کے ہوتے ہوئے بھی ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بات کرنے کا حوصلہ ہی اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دادا انہیں خدا حافظ کہنے گھر کے گیٹ تک آئے۔ گوہر ان کے سینے سے لگتے ہوئے سسک اٹھی۔

"میں...... میں شرمندہ ہوں گوہر...... مجھے معاف کر دینا۔ میں نے سوچا۔ میں تمہارے دامن میں خوشیوں کے پھول بھر دوں گا۔ میں شاید بھول گیا تھا۔ خوشیاں تو رب دیتا ہے۔ بندے کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی کو دینے کے لیے۔ آئی ایم سوری گوہر۔ میری دختر سے جاتے ہوئے تمہارے دامن میں انگارے ہی انگارے ہیں۔ یہ دکھ میں تاعمر نہیں بھولوں گا۔ جاؤ...... اللہ کی امان میں۔" وہ بھی رو دیے۔

خالی خالی گوہر خاموشی کے ساتھ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئرپورٹ کی طرف آ گئی۔

کتنے کیسے گزرے اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ سحر زدہ سی وہ جہاز سے اتری اور بابا کے پیچھے چل دی۔ تیمل انہیں لینے

آئے ہوئے تھے۔ وہ انہیں سلام کر کے گاڑی کی پچھلی نشست پر ماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ نبیل نے بابا سے کچھ نہیں پوچھا۔

"وہ اسری نہیں آئے۔" عاصم گویا ہوئے۔

"نہیں...... انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو لے آؤں۔ جوہر بھی ادھر ہی ہیں۔" نبیل پھر خاموش ہو گئے۔

"میں گوہر کو ہمیشہ کے لیے لے آیا ہوں۔ پڑھنا ضروری بھی ہے تو پرائیویٹ امتحان دے دے گی۔" انہوں نے خود ہی نبیل کو بتایا۔

"اچھا کیا آپ نے شبیر کی کوئی خبر۔"

"کیا خبر ہو...... پورے خاندان نے اس سے ناتا توڑ لیا ہے۔ وہ جانے اور اس کا کام......" انہوں نے بے زاری کا اظہار کیا۔

نبیل ان کے کڑے تیوروں سے ہار مان کر پھر چپ ہو گئے۔ گھر آ گیا...... جوہر دروازے میں ہی کھڑی تھیں۔ گوہر کو سہارا دینے کے لیے بھاگ کے آئیں۔ گوہر بھی اپنے کمرے تک آنے تک ہی صبر کر سکی۔ بہن سے گلے مل کے وہ بے تحاشا رونے لگی۔

"آپا...... میری آپا...... یہ کیا ہو گیا؟"

"یہ سب کیا ہے...... میں کیا کروں۔"

"صبر...... صبر گوری...... صبر سے کام لو۔ یہ سب خدا کو منظور تھا۔" اسری اندر آ گئے...... انہوں نے گوہر کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"مت روؤ گوہر...... میرا دل دکھتا ہے...... میں اسی لیے تو لاہور نہیں آیا بلکہ اسی سبب تمہیں لینے ایئر پورٹ نہیں آیا تھا...... کہ تمہارا دکھ میری برداشت سے باہر تھا۔ بلکہ یہ ساری بات میری سمجھ سے باہر ہے...... وہ ایسا تو نہیں تھا...... اس نے ایسا کیوں کیا...... کیسے کیا؟ ایک روز قبل ہی اس کے بیان سے بھرا اخبار پڑھا تھا میں نے...... دوسروں کے لیے راہ کا چراغ بنتے بنتے وہ اندھیروں میں کیسے ڈوب گیا۔ اسے تو کشت و خون سے نفرت تھی۔ وہ تو امن و سلامتی کا پیامبر تھا۔ اپنے کالج میں کتنے فخر سے بتایا کرتا تھا کہ وہ میرا فرسٹ کزن ہے بلکہ میرا ہونے والا بہنوئی ہے۔ میری پیاری بہن کا فیانسی ہے۔ اب میں لوگوں کے سوالوں کا جواب کیونکر دوں گا۔"

اسری بھی بچوں کی طرح رونے لگے۔ گوہر کے اندر بھی طوفان مجتمع کھڑے تھے...... ان طوفانوں کو باہر آنے کا راستہ مل گیا۔ کوئی بڑا اس طرف نہیں آیا۔ تینوں بہن بھائی مل کر روتے رہے۔

"گوری...... بابا کا فیصلہ ہے کہ وہ یہ رشتہ سدا کے لیے ختم کر دیں گے۔ کیا تم اس فیصلے سے خوش ہو؟"

"رشتہ تو بابا سے پہلے شبیر نے توڑ دیا ہے اسری بھائی...... بابا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔" وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔

"بابا نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ درست ہے۔ آخر ماں باپ ہی اپنی اولاد کے اچھے برے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔" جوہر آپا نے جھٹ کہا۔ اسری چپ ہو گئے۔

نبیل اندر آ گئے۔

"بابا کہہ رہے ہیں گوہر کو آرام کرنے دیا جائے۔ آپ لوگ ادھر آ جائیے۔ گوہر بی بی...... آپ لیٹ جائیں۔ ڈاکٹر کی تاکید ہے کہ آپ خاموشی سے لیٹی رہیں۔ ابھی ابھی ایک طویل سفر کر کے آئی ہیں آپ......"

وہ حد درجہ سنجیدہ تھے۔

"ہاں ہم چلتے ہیں...... چلیں آپی!"

"آپی...... تم رک جاؤ نا......" گوہر نے التجا کی۔

"آپ جائیں۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

جوہر اس کے پاس بیٹھ گئیں...... "آپی...... کیا یہ بھی ضروری ہے کہ میں دل کی بات بھی کسی سے نہ ہوں۔ گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔"

"نہیں میری جان! تم ہر بات مجھ سے کہہ سکتی ہو۔ لیکن ابھی ڈاکٹر کی رائے زیادہ اہم ہے...... میں تم سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔ مگر کچھ دیر ٹھہر کر اور سنو اب تم روؤ گی نہیں۔"

"مت روکو آپی...... رونا تو اب میرا مقدر ہے۔ میرا نصیب ہے...... میں کبھی نہ روتی...... گر مجھے یہ یقین ہوتا کہ وہ میرا ہے۔ صرف میرا...... مجھے اس سانحے کا نہیں شبیر کی صریح بے وفائی کا دکھ ہے آپی۔ اپنے مان ٹوٹ جانے کا صدمہ ہے...... اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ ایک پل میں۔ کسی غیر لڑکی کی خاطر...... یہ بات کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے آپی۔ مگر...... مگر اس کے باوجود...... اس کے باوجود...... میں اسے اپنے دل سے نہیں نکال سکی۔ وہ میرے اندر اسی شان سے بسا جمان ہے۔ اسی شان سے آباد ہے۔ یہ جان کر بھی کہ اس نے کسی اور کے لیے قتل جیسا خوفناک جرم اپنے حساب میں لکھوا لیا ہے۔ میں اس سے نفرت نہیں کر سکی آپی...... مجھے اپنی اس بے بسی کا دکھ بھی ہے۔ میں اپنی ذات کی بربادی پر رو رہی ہوں۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ میری کیا خطا تھی آپی۔ مجھ پر زندگی کے سارے دروازے یوں کیوں بند ہو گئے۔ یہ اندھیرا میرے چاروں طرف کیوں ہے۔ خوشیاں اور بہاریں روٹھ کر کہاں بھاگ گئی ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟"

"گوری! جان۔ آرام کرو پلیز۔ میرا خیال ہے میں تمہیں خواب آور دوا دے دوں۔"

"نہیں نہیں آپی! میں سونا نہیں چاہتی...... میں سوچنا چاہتی ہوں...... اپنے بارے میں۔ اس دنیا کے سنگدل لوگوں کے بارے میں۔ میرے ذہن پر بوجھ ہے...... میرے دماغ میں الجھنیں ہیں...... میں بھٹک رہی ہوں...... مجھے راستہ نظر آنا چاہیے۔ آپ چلی جائیں...... مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ میں پھر آپ سے باتیں کروں گی۔"

جوہر دروازہ بھیڑ کر باہر چلی گئیں۔

"شبیر! تمہیں یہ سب کرنا ہی تھا تو کم از کم مجھے تو اس احساس سے دوچار نہ کرتے۔ میرے سینے میں یہ خنجر تو نہ اتارتے اپنی بے وفائی کا خنجر۔ مجھے یوں تو نہ ٹھکراتے۔ میں کیا کروں شبیر۔ میں کہاں جاؤں...... مجھ میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ چل کر تمہارے پاس آ جاؤں۔ تم سے کم از کم بے وفائی کا حساب ہی پوچھ لوں...... میں کتنی خود غرض ہو رہی ہوں۔ مجھے تمہاری زندگی یا موت کی نہیں صرف اپنے تہی داماں ہو جانے کی فکر ہے...... صرف اپنے لٹ جانے کا غم ہے۔ یہ حادثہ بڑے عجیب انداز میں ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں تمہاری حمایت میں ایک لفظ کہنے کی حیثیت میں نہیں ہوں...... میں نے خود ہی سب کو بتایا تھا...... کہ تم نے مجھ سے ناتا توڑ کر کسی غیر کو اپنا بنا لیا ہے۔

شبیر! تم پرائے ہوئے تھے۔ ہو جاتے۔ اپنی زندگی کے ساتھ یہ ظلم تو نہ کرتے...... ایک رات میں یہ کیا کیسے پلٹ گئی۔ جس کی خاطر تم نے برسوں کا ایک ناتا توڑا وہ چند لمحوں میں اتنی بری کیسے ہو گئی کہ تم نے اسے مار ڈالا۔

سرِ عام دو انسانوں کو قتل کر دیا۔ شبیر...... مجھے تو سب سے زیادہ اپنے بھرم کے ٹوٹ جانے کا دکھ ہے۔ میں نے تمہیں آسمان سمجھا تھا۔ بہت اونچا جو ناقابلِ رسائی تھا مگر تم......"

وہ پھر رونے لگی۔ دل میں عجیب کھد بد لگی تھی۔ دماغ ان جذبوں کی نفی کرتا تھا۔ دل کچھ اور باور کراتا تھا۔

"بعض لوگوں کے لیے عزتِ نفس ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ تم بھی میرا مان تھے شبیر......! تمہارا وجود میری توقیر کا باعث تھا۔ آدمی جسے چاہتا ہے اسے ساری دنیا سے برتر اور سب میں ممتاز دیکھنا چاہتا ہے۔ تم وہ نہیں رہے شبیر...... جسے ایک دن بڑے اعتماد کے ساتھ میں نے اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ تم وہ نہیں رہے بلکہ تم وہ ثابت نہیں ہوئے۔ تم نہیں میں دنیا والوں کی نظروں میں گر گئی ہوں تمہاری ذات کے حوالے سے۔ میں کیا کروں۔ کیا کروں۔"

وہ پھر رونے لگی۔ اس کی سوچ کے دھارے شبیر کی ذات کے کناروں تک بہتے جاتے اور لوٹ آتے۔

چھٹیوں کے ایام میں وہ اکثر اس سے ٹیلی فون پر بات کرتا۔ مصروفیت میں سے چند لمحے نکال کر۔ اکثر دنیا کی باتیں کرتا۔ کبھی دل کا احوال بھی سناتا۔ ایک ماہ پہلے ہی تو اس نے بذریعہ ڈاک ایک کیسٹ بھیجی تھی جس میں صرف ایک گیت ہی ریکارڈ تھا۔ وہ کیسٹ اب بھی اس کی الماری میں پڑی تھی۔

"گوری! رات کے پرفسوں لمحات میں جب فضا میں چار سو خاموشی پھیلی ہو، چاندنی رات میں اپنے سفید بستر پر بیلے کی کلیاں بچھا کر...... چاند کو ہمراز بنا کر یہ گیت ضرور سننا...... میں مجھے ایسا لگے گا کہ میں بھی تمہارے ہمراہ ہوں...... میں نے اس گیت کو دیوانگی کی حد تک سنا ہے۔ لمبی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کرتے ہوئے۔ تمہیں تصور میں اپنے پاس بلا کر۔"

گوہر پلنگ سے اتری۔ الماری کی طرف گئی۔ کیسٹ اب بھی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اس نے مغربی دیوار کی طرف دیکھا اس کے لکھنے کی میز پر اس کا ٹیپ ریکارڈر بھی موجود تھا۔ وہ کیسٹ لگا کر اس نے ریکارڈر آن کیا اور خوبصورت آواز اس کے دل کے درد میں اضافہ کرنے کے لیے پورے کمرے میں پھیل گئی۔ اس نے پوری آواز کھول دی۔

جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
ایسا سندر سپنا اپنا جیون ہوگا
تیری آنکھوں سارا سنسار میں دیکھوں گی
دیکھوں گی اس پار یا اس پار میں دیکھوں گی
نینوں کو تیرا ہی درشن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
روئیں گی یہ آنکھیں پھر بھی میں تو مسکراؤں گی
دکھ کے طوفانوں سے بھی میں نہ گھبراؤں گی
جب ساتھ تیرے میرا ساجن ہوگا

رم جھم برستا ساون ہوگا
جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
پریم کی نگری میں اک چھوٹا سا گھر بنائیں گے
کلیاں نہ ملیں نہ سہی کانٹوں سے اسے سجائیں گے
بگیا سے سندر وہ بن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا
پھر تو مست ہواؤں کے ہم جھونکے بن جائیں گے
نیناں سندر سپنوں کے جھرو کے بن جائیں گے
من آشاؤں کا درپن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا

فل والیوم نے کمرے کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔

"گوری...... گوری......!" جوہر کی آواز اس آواز میں کہیں دب گئی تھی۔

وہ روئے جا رہی تھی۔ بار بار ریوائنڈ کر کے سن رہی تھی اور دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"گوہر...... گوری! دروازہ کھولو......"

جوہر اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہ روتے روتے دروازے تک آئی۔

"گوری ہوش سے کام لو...... دالان میں بابا امی، نبیل سب ہی بیٹھے ہیں۔ کیا کر رہی ہو تم...... اتنی اونچی آواز میں بھی چلاتے ہیں ریکارڈر۔ سب کیا کہیں گے۔"

"میں اس سے بھی اونچی آوازوں کے شور میں اپنے دل کی آواز گم کر دینا چاہتی ہوں آپی۔ مجھے مت روکو...... کہ یہ شور مجھے سکون دے رہا ہے۔ پلیز آپی۔"

اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

جوہر نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

"یاد کیجیے رہی ہو۔ میں اپنے حواسوں میں ہوں۔ بس لٹ جانے کا ماتم کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز آپی۔ جو کرتی ہوں کرنے دو۔ چلی جاؤ۔"

اس نے پھر گیت لگا دیا۔ اب کے آواز کچھ آہستہ تھی۔ لیکن وہ میز پر سر رکھے تسلسل کے ساتھ روئے چلی جا رہی تھی۔

آج نہیں خواب بھی ٹوٹ گئے تھے۔ تصور بھی زخمی ہوئے تھے۔ آرزوئیں بھی لہولہان تھیں۔ نہ مرنے کی تمنا نہ جینے کی آرزو۔ جانے کون سا موڑ تھا زندگی کا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"گوہر کی حالت دیکھی ہے آپ نے؟"

"دیکھ رہا ہوں بڑی اچھی طرح سے...... اور سوچ رہا ہوں کہ اسے یہ سزا تمہاری طرف سے ملی ہے۔"

"میری طرف سے...... میں اسے سزا دوں گی؟"

"تم ہی تو چلی تھیں ناٹوٹے رشتے جوڑنے...... شبیر میں کیا برائی تھی...... وہ بھی تو بھتیجا تھا تمہارا۔"

"میں نے تو کچھ اور سوچا تھا۔"

"چلو اب تو خوش ہو۔ اس نا ہنجار نے وہ زخم لگایا جسے بھرنے کے لیے برسوں چاہئیں۔ میری بیٹی نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"کیا ہونا ہے؟ دوسروں کی خاطر ہم اپنی زندگیوں میں زہر نہیں گھول سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

گوہر کی زندگی کے لیے خوشیوں کی جتنی اب ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ جانتی ہو ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"

"خبر ہے مجھے۔"

"ڈاکٹر ہارون واسطی کے بارے میں میں نے چھان بین کرائی ہے۔"

"جی..... کیوں؟ کس لیے؟"

"کیا تمہیں خبر نہیں وہ کس لیے یہاں آئے تھے؟"

"جانتی ہوں۔"

"تو میں نے بھی اسی سبب پوچھا ہے لوگوں سے۔ ڈاکٹر ہارون ایک بہت اچھا نوجوان ہے۔ اس کے کردار کا ہر شخص معترف ہے۔ حالانکہ اس شہر میں آئے اسے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ امین واسطی اپنے علاقے کے خاصے با اثر زمیندار ہیں۔ دوسرا بیٹا یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے وہ بھی شریف النفس ہے۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے۔ چھوٹی سی فیملی..... اور اچھے لوگ۔ میں نے امین واسطی صاحب کے پاس پیغام بھجوا دیا ہے۔ وہ جب چاہیں آ کر..... بات پکی کر لیں۔"

"عاصم.....!" صفیہ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"ہوں۔"

"گوہر اب بھی شبیر کی منسوبہ ہے..... اس منگنی کے ٹوٹنے کا کوئی اعلان نہیں کیا کسی نے۔ وہ میرا بھتیجا ہے۔ قتل کے کیس میں جیل میں بند ہے..... اسے کسی بھی وقت پھانسی کی سزا سنائی جا سکتی ہے۔ اور آپ ..... آپ ..... آپ....."

"میری خوشیاں اور میرے غم میرے اپنے ہیں۔ کسی کی خوشیوں اور غموں سے بندھے ہوئے نہیں۔ مجھے اپنی بیٹی کی زندگی اور اپنی عزت نفس دونوں ہی عزیز ہیں۔ اس نے میری بیٹی کو ٹھکرا کر ایک آوارہ لڑکی کا دامن تھاما تھا..... تو میری بیٹی کسی شریف آدمی کے سنگ کیوں نہیں بیاہی جا سکتی۔ میں اس کام میں کوئی تاخیر نہیں کروں گا۔ اس کے مقدمے کا فیصلہ جلد از جلد ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں پھانسی چڑھ جانے سے قبل وہ یہ نوید بھی سنتا جائے۔ جسے اس نے ایک عام سے لڑکے نے ٹھکرا دیا اسے ڈاکٹر ہارون جیسے انسان نے اپنی بیوی بنا کر فخر محسوس کیا۔"

"عاصم..... میں ..... میں..... بہت پریشان ہوں۔"

"تم عمر کے ہر دور میں پریشان رہی ہو اور میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل محض تمہاری پریشانیوں سے ڈر کر تبدیل نہیں کر سکتا۔ آج کل میں ان کی طرف سے پیش رفت ہو گی..... وہ جب آئیں تو انہیں یہ احساس نہ ہو کہ تمہیں ذرہ برابر بھی کوئی پریشانی ہے۔" عاصم حسنین نے کڑے الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بڑے دنوں بعد وہ اپنے کمرے سے صحن تک آئی تھی۔ صفیہ نے امین واسطی کی آمد کی خبر کو اس سے چھپا کے رکھا تھا اور آج جب اس نے میز پر رکھا روزنامہ اٹھایا تو زندگی کے معمولات میں سے ایک طرف لوٹ آنے پر انہیں خوشی ہوئی۔ وہ جلدی سے گاؤ تکیہ اٹھا لائیں۔

"لیٹ جاؤ۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گی۔" انہوں نے تکیہ دیوان پر رکھ دیا۔

"نہیں اماں میں لیٹے لیٹے تھک گئی ہوں۔" اس نے اخبار کے پہلے صفحے پر نگاہ کی.....

"امتیاز نوشابہ کیس کے ملزم شبیر عسکری کی حمایت میں
یونیورسٹی کے طلبہ کا احتجاجی جلوس......"

اس کی اس خبر پر توجہ کا سبب شبیر عسکری کی تصویر تھی۔ کتنی دیر اس کی نظریں اس تصویر پر جمی رہیں۔
مشتعل طلباء نے پولیس کے خلاف نعرہ بازی کی..... کئی سرکاری اور نجی املاک کو نقصان پہنچایا۔ ایک پیٹرول پمپ کو آگ لگا دی۔ انہوں نے بڑے بڑے کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر مختلف مطالبات درج تھے جن میں سے نمایاں مطالبہ شبیر عسکری کی رہائی کا تھا۔

ایک اور خبر تھی......

شبیر عسکری نے وکالت نامے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

گوہر نے جلدی جلدی خبر پڑھی جس کا خلاصہ تھا..... طلباء یونین کے عہدیداروں نے اپنی طرف سے شبیر عسکری کو ضمانت پر رہا کرانے کا انتظام کیا۔ کیونکہ شبیر کے ورثاء نے اس سے مکمل لاتعلقی کا اعلان کر دیا ہے..... اور کوئی بھی اس سے ملنے تک نہیں آیا..... ہائی کورٹ کے وکیل مسٹر انور عباسی وکالت نامے پر دستخط کرانے گئے تو ملزم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی پراسرار خاموشی نے پولیس اور جیل حکام دونوں کو حیران کر رکھا ہے۔ وہ نہ جرم سے انکار کرتا ہے نہ اقرار کرتا ہے۔"

گوہر کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ کر مسل ڈالا۔ اس نے اخبار دور پھینک دیا۔

"کیا ہوا گوری..... کہا تھا نا لیٹ جاؤ۔ ابھی تمہاری طبیعت صحیح نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کر اندر چل دی..... جلدی سے جوہر کا نمبر ملایا۔

"آپی..... آپی..... میرا دم گھٹ رہا ہے..... میں مر رہی ہوں......"

"گوری..... احوصلے سے کام لو..... سب کو جینا ہی ہوتا ہے جب تک موت نہ آئے۔"

"نہیں آپی.....! یہ جینا، جینا نہیں۔ موت اس سے آسان ہوگی ..... آپی! میں تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں۔"

"عقل سے کام لو...... یہاں گھر میں سب لوگ ہیں۔ میں آ رہی ہوں ابھی چند لمحوں میں۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔ چند منٹوں میں ہی وہ گوہر کے روبرو تھیں۔

اس نے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"آپی...... میں نے ہار مان لی ہے...... اپنے جذبوں سے اپنے دل سے۔ کوئی امید نہیں کوئی آس نہیں...... زندگی کی خبر بھی ہے کہ بے رحم ہے...... بے وفا ہے...... پھر میں اسے نہیں بھلا سکی۔ اسے اپنے دل سے نہیں نکال سکی..... آپی۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ آج بھی میرے اندر باہر میرے ساتھ

ہوتا ہے۔ آپی ہر روز ہر شب وہ مجھے خواب میں نظر آتا ہے۔ خاموش سا چپ چاپ سا۔ کبھی آہیں بھرتا۔ کبھی آنسو بہاتا...... آپی...... سب نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ جو اس نے کیا وہ اس کا قصور نہیں تھا۔ میری محبت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ میں ...... میں بھی اسے حالات کی نذر کر دوں۔ ...آپو...... میں اس کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ پلیز آپو...... ایک بار اس سے کچھ پوچھنے...... کچھ کہنے۔"

"گوہری بابا کو خبر ہو گئی تو ہم سب کی جان نکال دیں گے۔"

"کیا آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی۔ آپ میری بہن نہیں ہیں۔ کیا میری پریشانیوں میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ آپ نہ گئیں تو میں اکیلی بھی جاؤں گی۔ چاہے واپسی کا کوئی راستہ باقی رہے یا نہ رہے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے جانتی ہو کل تمہاری سسرال سے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

"میری سسرال والے۔"

"ہاں ڈاکٹر ہارون کی گھر والے۔ تمہیں انگوٹھی پہنانے اور شادی کی تاریخ لینے۔"

"نہیں...... نہیں......"

"یہ بابا کا فیصلہ ہے۔"

"وہ بھی تو سب کا فیصلہ تھا۔"

"تم بابا کا غصہ جانتی ہو۔" گوہر کا سر جھک کر رہ گیا۔

"آپی تم نے انہیں نہیں روکا...... ابھی تو میرے کاندھے میری اپنی لاش اٹھانے سے بھی قاصر ہیں۔ شادی تو بہت بھاری بوجھ ہے مجھے شادی نہیں کرنا ہے۔"

"تو کیا کرو گی......؟"

"انتظار کروں گی...... موت کا ہی سہی انتظار تو ہو گا۔"

"شبیر تو اپنے کیے کی سزا بھگتے گا اور تم......"

"میں محبت کرنے کی سزا...... ہو سکتا ہے اس کے مر جانے پر زندہ میں بھی نہ رہوں۔ آپی...... زندگی میں محبت ایک بار ہی کی جاتی ہے۔ کسی کو شریک سفر ایک بار ہی جانا جاتا ہے...... بابا کس شراکت کی ذمہ داری مجھے سونپنا چاہتے ہیں شبیر سے بچھڑ کر میں زندہ ہی کب ہوں۔ تعلق داریاں رشتے ناتے تو زندہ لوگ نبھایا کرتے ہیں۔ گوہر تو ایک لاش ہے ...... ادھوری اور تشنہ امنگوں کی لاش...... جس کی آخری آرزو ایک بار شبیر سے مل لینا ہی ہے۔ وہ ہر روز مجھے بلاتا ہے صدائیں دیتا ہے۔ میرے تعاقب میں دوڑا چلا آتا ہے۔ میں اس کی طرف لپکتی ہوں تو آنکھ کھل جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں بڑا درد تھا۔ حسرتیں تھیں شکستگی تھی۔

"میں شادی نہیں کروں گی...... کبھی بھی نہیں۔"

"بابا انہیں زبان دے چکے ہیں۔"

"میں بھی کسی سے عہد کر چکی ہوں۔ وہ مکر گیا تھا۔ میں تو نہیں بھولی...... مجھے اپنا عہد یاد ہے وہ سمجھتا تھا اسے میری ضرورت نہ تھی...... لیکن میں سمجھتی ہوں اسے میری ضرورت ہے۔ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔ آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"میں ایسا وعدہ نہیں کر سکتی۔ میں تو نبیل سے بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ کیا سوچیں گے۔ کیا خیال کریں گے۔ تمہیں اپنے بابا کی عزت کا کوئی پاس نہیں۔ تم اس سے ملنے کے لیے بضد ہو۔ جس نے تمہیں ٹھکرا دیا۔"

"آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں گوہر۔ ہم بابا کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتے۔ بھول جاؤ سب باتیں۔ اب وہی ہو گا جو بابا چاہیں گے۔" اسری جانے کہاں سے آ گئے۔ دونوں بہنوں کا رنگ فق ہو گیا۔

اسری نے گوہر کے سر پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

"ہم سب نے اسے سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ تم جیسی لڑکی کے قابل نہ تھا۔ اسے اس کے کیے ہوئے کی سزا بھگتنے دو۔ دوسروں کی خاطر اپنی زندگی تباہ کرنا دانشمندی نہیں۔ زندگی بہت طویل ہے۔ لیکن دکھوں کے بوجھ بھی بہت زیادہ بھاری ہوتے ہیں۔ اس سے ملنے کی خواہش ایک نادانی ہے اگر مناسب ہوتا تو میں خود تمہیں لے جاتا۔"

اسری شاید اس کی ساری گفتگو سن چکے تھے۔ اس کا سر مزید جھک گیا۔ وہ باہر چلے گئے۔

"کس نے کہا تھا۔ یہاں کھڑے ہو کر تقریر کرنے کو۔" جوہر کو سخت ملال تھا۔ اسری نے اس کی باتیں سن لی تھیں۔

"گلا گھونٹ دیں آپ میرا؟"

گوہر نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

"اسری بابا سے کہہ دیں گے اور انہیں بے حد افسوس ہو گا۔"

وہ چپ ہو گئی جوہر کی بات درست تھی۔

"آپی...... کیا بابا مجھے چند دن کی مہلت بھی نہیں دے سکتے۔"

"میری چندا۔ میں ان سے کہہ چکی ہوں وہ ایک پل کی تاخیر پر بھی تیار نہیں ہیں۔ کم از کم ایک شائد ہر قسم کی منگنی کا انتظام تو مکمل ہو ہی چکا ہے۔"

گوہر بے بس سی ہو کر رہ گئی۔

دوسری شام وسیع و عریض صحن میں قدرے اونچے بنے اسٹیج پر گوہر آتشی گلابی کامدار سوٹ میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ تیز روشنیوں کی جگمگاہٹ میں اس کے چہرے کی زردیاں میک اپ میں چھپ کر رہ گئی تھیں۔ ارم اور شازیہ اس کے ساتھ تھیں۔ اس کی اکلوتی نند ڈاکٹر ہارون کی دلاری بہن بھی اس کے پاس تھی۔ دنیا کے سارے سرد گرم سے بے خبر بھائی کی منگنی پر بے حد خوش بار بار اس کے چہرے کا دیدار کرتی اسے اپنے دل میں سمو رہی تھی۔

"نہ ہوئے بھائی جان......"

"کیوں کہاں گئے ہیں آپ کے بھائی جان؟" ارم نے پوچھا۔

"اچانک ہی انہیں امریکا جانا پڑا۔ ہوتے تو ضد کر بیٹھتے کہ دلہن کو ابھی رخصت کرا کے لیے چلتے ہیں۔"

"اچھا ہوا۔ ورنہ جتنی اچانک منگنی کی خبر ملی اتنی اچانک ان کے مکمل پرایا ہو جانے کا دکھ سہنا پڑتا۔ لیکن میں تو سمجھ رہی تھی...... برآمدے میں آپ کے ساتھ کھڑے وہ خوبرو نوجوان ڈاکٹر ہارون ہی ہیں۔" ارم نے حسب عادت اسے کریدا۔

"ارے نہیں وہ تو میرے چھوٹے بھیا مون واسطی ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس ناتے پر وہ ہارون بھائی سے کم خوش نہیں ہیں...... جیسے منگنی بھائی جان کی نہ بلکہ ان کی ہو...... بھابھی کا رخ روشن دیکھنے کو بے تاب تھے میں بمشکل سمجھا بجھا کے آئی ہوں۔ مگر ابھی ان کا ملنا ناممکن ہے۔ بھابھی انہیں جانتی ہیں...... وہ ان کے یونیورسٹی فیلو بھی تو ہیں۔"

گوہر اپنی جگہ چپ بیٹھی تھی۔ واقعی کسی سرد لاش کی طرح۔

منگنی کی رسم ادا ہوگئی۔ بیگم واسطی نے گوہر کے ہاتھ میں ہشت پہلو ہیرے کی انگوٹھی پہنادی۔ سعیدہ بیگم خوش خوش ان کے ساتھ ان کے پہلو میں جابیٹھیں۔ خاندانی اختلافات کو یکسر بھلا کر..... انہیں تو اس وقت بس ایک ہی خوشی تھی شبیر سے اس کا گوہر مراد چھن گیا تھا۔ زندگی سے موت کی طرف جاتے جاتے وہ اپنی آخری متاع سے بھی خالی ہوگیا تھا۔ بیگم واسطی اپنے بیٹے کی تعریفوں میں لگی تھیں۔ جو واقعی تعریف کے قابل ہی تھا۔

سیاہ سوٹ میں ملبوس مامون واسطی عین اس کے سامنے براجمان تھا۔

"یہ نیا رشتہ مبارک ہو بھابھی جی..... !چند دنوں بعد ان ہاتھوں میں میرے بھیا کے نام کی مہندی ہوگی۔"

اس نے اپنی جیت کا احساس دلایا۔ گوہر کا دل کٹنے لگا۔ کتنی بے بس تھی وہ۔ رسموں رواجوں کی بھاری زنجیروں نے اسے جکڑ رکھا تھا۔

"اس انگوٹھی کا حسن بڑھ گیا ہے۔ آپ کی انگلی کی زینت بن کر۔ اور آپ بھیا کے نام سے منسوب ہو کر کچھ زیادہ اچھی لگنے لگی ہیں..... ہر شے اپنے مناسب مقام پر اچھی لگتی ہے۔ اور جلد یا بدیر اپنے ٹھکانے تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا....."

وہ بخوبی سمجھ رہی تھی..... اس کا اشارہ کس طرف تھا۔

"ارے ہم آپ کے دیور بھیا ہیں۔ ہمیں اک نظر دیکھ لینا جرم تو نہیں۔ کب سے منتظر تھے اس دن کے ان مبارک گھڑیوں کے۔ ہم تو اپنے جذبوں کی ساری شدتیں آپ کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ اتنی محبت دیں گے آپ کو کہ گزرے دنوں کی یاد بھی آپ کے قریب سے نہیں گزرے گی۔ اور ہمارے بھیا..... وہ تو جناب آپ کے دیوانے ہیں۔ آپ کو کیا خبر وہ کتنے خوش ہیں۔ بس مارے مجبوری کے امریکا میں ہیں۔ روحانی طور پر آپ کے آس پاس موجود ہوں گے۔ آپ ذرا ہی کہیے انہیں۔ ہم تو ڈرتے ہیں انہیں اور ان کی بے پناہ محبت کو پاکر آپ ہم غریبوں کو بھول ہی نہ جائیں۔ یاد رہے کہ ہم اس کہانی کا مرکزی کردار ہیں۔ ہم نہ ہوتے تو یہ دن بھی نہ ہوتا۔"

وہ ہنس رہی تھی..... بلکہ ہنس ہنس کے دوہری ہو رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں بھائی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"آپ کو اپنی وکالت خود کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے بھابھی سے سب کہہ دیا ہے۔ ہم تو سمجھے تھے اس بارانی صبح ایک آسمانی حور بھولے سے زمین پر اتر کر ہمارے گھر آن پہنچی تھی یہ مامون بھیا ہی تھے جنہوں نے یہ مسئلہ حل کیا کہ آپ آسمانی نہیں ارضی حور ہیں۔ اسی دنیا کی باسی ہیں۔"

مامون آنکھوں میں شوخ چمک لیے مسکراتا رہا۔ جوہر بھی وہیں آ گئیں۔

ان کے چہرے پر خوشی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ایک مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ مہمانوں کا استقبال کر چکی تھیں اور اب ان کی خاطر تواضع کر رہی تھیں۔

"آئیے جوہر آپا..... !آپ بھی بیٹھیے ہمارے ساتھ ... مامون بھیا تو آپ کے زبردست مداح ہیں..... بتا رہے تھے آپ ایک آئیڈیل خاتون خانہ ہیں۔" وہ چہکی..... اور جوہر کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ ہماری بھابی کی ہی نہیں ہماری بھی بڑی بہن ہیں۔ ہم سدا آپ کا احترام کریں گے۔"

وہ سعادت مندی سے کہہ رہا تھا۔ اور گوہر اندازہ لگا چکی تھی کہ اس خاندان نے اس کے اہل خانہ کو اپنی خوش اخلاقی کا اسیر کر لیا تھا۔ اس نے ایک کٹیلی نگاہ مامون پر ڈالی جو مسکراتے ہوئے جوہر آپا سے مخاطب تھا۔

تقریب ختم ہوئی مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ گوہر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وسط ستمبر کی ایک نیم سرد رات تھی۔ کمرے میں خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ عقبی دریچے سے آدھی رات کے چاند کی کرنیں کمرے میں داخل

ہو رہی تھیں۔ اس نے زیورات لباس اور پھول نوچ کر دور پھینک دیے۔ سوتی سادہ سے لباس میں منہ ہاتھ دھو کر میز کی طرف آئی۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ کی انگلی میں اب بھی موجود تھی۔

اس کی سانسیں بند ہونے لگیں۔ شبیر کے نام کی انگوٹھی پہن کر بھی وہ بہت دنوں تک پریشان رہی تھی۔ اور..... اب بھی..... اب بھی وہ پریشان ہے۔

کیا گزرتے دن اسے چین بخش دیں گے۔ وہ نئی صورت حال سے متفق ہو جائے گی۔ اس تبدیلی کو مان لے گی۔ کتنی خالی الذہن ہو رہی تھی وہ.....

"ہم لڑکیاں آخر کیا ہیں؟ ماں باپ کے لیے محض ایک ٹارگٹ..... ایک نشانہ جسے سامنے رکھ کر وہ ستم کی مشق کیا کرتے ہیں۔ بابا کو..... اماں کو..... جوہر آپا..... کو اسری بھائی کو کسی کو بھی اس کے احساسات کی کوئی پرواہ نہیں..... سب خوش ہیں ایک اونچے خاندان سے ناتا جوڑ کر..... یہ وہی بابا ہیں جنہوں نے سدا میر عبداللہ کی جاگیر اور دولت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا..... کیا وہ مجھے ایک جاگیردار کی بہو بنا کر صرف اور صرف شبیر سے انتقام لے رہے ہیں۔ جس کا زندگی اور اس کی باقی ماندہ احتیاجات پر کوئی استحقاق باقی نہیں رہا۔ انتقام کے لیے وقت کتنا غیر مناسب اور طریقہ کتنا گھٹیا ہے..... کاش بابا کاش آپ نے سوچا ہوتا۔" وہ ایک بار پھر رو دی۔

کہاں رو گیا..... اس کا جھلمل ستاروں سے سجا آنگن جہاں رم جھم برستی ساون کی پھوار نے اپنا حسن بکھیر رکھا تھا اس نے پلنگ کے بٹن کو آپ ہی آپ دبا دیا۔

جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا

سنتے سنتے شب سحر میں بدل گئی اور سارے نصیب کے ماروں کی طرح وہ بھی بے سدھ ہو کر وقت سحر سو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس دن کے حوالے سے کتنے پیارے پیارے خوش رنگ لمحوں کے دلفریب خواب انہوں نے دیکھ ڈالے تھے۔

وقت ملن کی گھڑیوں کا سارا حسن ان کی آنکھوں میں محفوظ تھا۔

وہ سوچتے..... جانے کیسے اپنا تعارف کرائیں گے..... کیا کہہ کے اسے مخاطب کریں گے۔

کیسے سرپرائز دیں گے..... وہ انہیں دیکھ کر کتنا خوش ہوگا۔ ان کے نرم گالوں پر بار بار بوسے دے گا۔ انہیں گلے لگائے گا۔ بلکہ مضبوط بانہوں میں بھر کر چکر دے ڈالے گا۔ وہ چلاتے رہ جائیں گے..... فریاد کرتے رہیں گے۔ لیکن وہ ایک نہیں مانے گا۔

ان سے سو سو سوال کرے گا۔ اپنا اور ان کا رشتہ پوچھے گا۔ پھر جب رات ہوگی تو ان کے بوڑھے لیکن طاقتور بازوؤں میں چھپ کر ان کے سینے سے لگ کر سو جائے گا۔ وہ ان سے جھگڑا کرے گا۔

"آپ اتنی مدت کہاں رہے نانا جان! کہ میں آپ کی محبت کے لیے ترستا رہا۔" وہ ان سے جھوٹ موٹ روٹھ جائے گا اور وہ منانے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتے پھریں گے۔ التجا کریں گے بلکہ ہاتھ جوڑیں گے۔

لیکن آہ۔

یہ وقت' یہ بے رحم لمحے۔

جو کسی کی خوشیوں کی پروا نہیں کرتے۔

جو کسی کے لیے اپنی رفتار میں کمی بیشی نہیں کرتے۔
جو اکثر بہت کچھ چھین لے جاتے ہیں۔
ان بے رحم لمحوں نے بوڑھے ڈاکٹر ہنری کی زندگی کی پہلی خوشی ان سے چھین لی تھی۔
جہاز میں بیٹھے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر لگ رہے تھے۔ نہ انہوں نے کسی سے بات کی نہ اخبار پڑھا۔ مسز جمال بھی خاموش رہیں۔ جمال احمد شبیر کی خبروں سے متعلق اخباروں کا مطالعہ کرتے رہے۔ عدی اور عذرا بھی سرگوشیوں میں صرف شبیر کی باتیں ہی کرتے رہے۔
"ہم اس وقت کہاں اتریں گے۔" ڈاکٹر ہنری نے جمال احمد سے پوچھا۔
"لاہور ایئر پورٹ پر...... کراچی سے لاہور کا سفر دو گھنٹوں میں ہی ختم ہو جائے گا۔ ہم آدھا سفر طے کر چکے ہیں۔"
"کیا اس وقت ہم شبیر سے مل سکیں گے۔"
"مجھے یقین ہے...... ایسا ضرور ہوگا۔"
"جمال احمد...... میں نے ایسی ملاقات تو خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔" وہ سخت افسردہ تھے۔
"مجھے اس کا احساس ہے۔ لیکن میں خوش بھی ہوں۔ آپ شبیر کا بہت مضبوط سہارا ثابت ہوں گے۔ اسے درحقیقت ان ہی لمحات کے لیے آپ کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر ہنری...... وہ آپ کا خون ہے۔ آپ کا نواسا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے لوگوں سے بھیانک جرم سرزد ہو جاتے ہیں۔ اسے اب بھی ہم سب کی محبت کی ضرورت ہے۔"
"جمال احمد...... میرا دل جانے کیوں بے حد مطمئن ہے میں جب سوچتا ہوں کہ وہ ٹینا کا بیٹا ہے تو دل مانتا ہی نہیں کہ وہ قاتل ہے۔"
جمال احمد کے لبوں پر اداس مسکراہٹ رینگ گئی۔
"آدمی مرتے دم تک نیک امیدوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اسی کا نام زندگی ہے۔"
انہوں نے فیصلہ دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

لوہے کی سلاخیں ان دونوں کے درمیان حائل تھیں۔ ڈاکٹر ہنری کی نظریں سامنے کھڑے انسان پر جمی تھیں۔ ملگجے لباس۔ ستے چہرے۔ بڑھی شیو۔ ویران آنکھوں اور چہرے پر بچھی وحشت ناک سنجیدگی کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا یہ لڑکا۔ شبیر تھا...... ان کی ٹینا کا بیٹا۔
"شبیر......" انہوں نے افسردہ لہجے میں اسے پکارا۔
"ہم تمہارے نانا ہیں۔ بیٹے...... تمہارے بدنصیب نانا۔"
"میرے نانا...... مجھے افسوس ہے جناب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔"
"یقین کرو...... ہم تمہارے نانا ہیں۔ ہم تم سے ملنے کے لیے بے تاب تھے۔ پر ان سب کا خیال تھا کہ ہمیں تم سے اچانک ملنا چاہیے۔"
"کن سب کا؟"
"جمال احمد کا عدی کا عذرا کا...... افتخار کا اور تمہاری ممی کا۔"

"ممی...... کہاں ہیں ممی...... عدی...... عدی کہاں ہے اور آپ...... ڈاکٹر ہنری ہیں نا۔ صلح وامن کی باتیں کرنے والے۔ انسان دوست ڈاکٹر ہنری۔ آپ میرے نانا کیسے ہیں۔ ایک ناکام انسان کے۔ ایک ہارے ہوئے شبیر کے نانا...... یہ وقت تو رشتے ٹوٹنے کا ہے ڈاکٹر ہنری! نئے رشتوں کے جڑنے کا نہیں۔" وہ رو دینے کو تھا۔
"نہیں میرے بچے یہ نیا رشتہ نہیں یہ سب سے پہلا اور پرانا رشتہ ہے۔ تم ہماری ٹینا کے بیٹے ہو۔"
"ٹینا...... ٹینا......" شبیر بڑبڑایا۔

☆☆

"ٹینا ہماری بدنصیب بیٹی تھی۔ تمہاری ماں...... شاہنواز نے اسے اپنے دام فریب میں الجھایا۔ اس سے شادی کر کے اسے پاکستان لے آیا اور اسے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔"
"میری ماں...... میری ماں آپ کی......"
"ہاں میری جان میری بیٹی ٹینا تمہاری ماں تھی۔ وہ میرے بھائی کی اکلوتی بیٹی تھی۔ تو میری بیٹی کیسے نہ ہوئی۔"
"آپ میرے نانا ہیں...... ڈاکٹر ہنری! کیا سچ مچ آپ میرے نانا ہیں۔ زندگی نے مجھ سے بڑا سنگین مذاق کیا ہے کہیں آپ بھی مجھے بہلا تو نہیں رہے۔"
"نہیں میرے بیٹے! یہ مذاق نہیں یہ تو روتا سسکتا سچ ہے۔ میں نے زندگی کے بے شمار طویل سال کسی اپنے کے بغیر خود کو خدمت خلق میں گم کر کے گزار دیے۔ چند ماہ قبل تمہارے وجود کی خبر نے مجھے پھر سے تازہ دم بنا دیا تھا۔ آج ملا ہوں تو یوں کہ تم قانون کی زد میں آ کر ان سلاخوں کے پیچھے بند ہو۔ کیا کروں...... تمہیں پانے کی خوشی مناؤں یا تمہارے کھو دینے کا غم کروں۔"
وہ بھی رونے لگے پھر انہوں نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔ یہ کیا کر رہے تھے وہ انہیں...... جنہوں نے ساری عمر مایوس انسانوں کو زندگی کی نوید سنائی تھی۔ ٹوٹے دلوں کو اپنی محبت اور مسیحائی سے جوڑا تھا۔ انہیں تو شبیر کا سہارا بننا تھا۔ وہ ہی رونے لگے تو شبیر جو پہلے ہی حالات کا شکار ہے۔ وہ تو بالکل بے حوصلہ اور تنہا ہو جائے گا۔
ان کے ہاتھ بمشکل اس کے وجود کو چھو سکے۔ بوڑھے لیکن زندگی کی بھرپور حرارت والے ہاتھ ایک عجیب سا احساس دونوں کے رگ و پے میں دوڑتا چلا گیا۔
"نانا......! نانا...... آپ سچ مچ میرے ہیں نا میرے اپنے؟" اس کے لہجے میں بے یقینی بے اعتباری تھی۔ ...... سوال تھا۔
"ہاں میرے پیارے شبیر! میں تمہارا سب کچھ ہوں۔ بس ایک بار تم مجھ سے یہ کہہ دو کہ تم بے گناہ ہو۔ تم نے قتل نہیں کیے۔ ایک بار پھر دیکھنا نانا تمہارے لیے اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔"
"نانا...... ممی ڈیڈی...... سدرہ آپا...... عذرا...... عدی...... یہ سب کیسے ہیں۔ کیا کہتے ہیں میرے بارے میں۔"
"وہ سب پریشان ہیں بیٹا۔ میرے ساتھ آئے ہیں۔ مسز جمال احمد کو تو یقین ہے کہ تم قاتل نہیں ہو۔"
"نانا! میری ماں زندہ ہوتی تو اسے بھی میرے کردار پر مکمل بھروسا ہوتا۔ وہ بھی از خود سچ اور جھوٹ کو پہچان لیتی۔ نانا! کیا باپ کا رشتہ ماں کے دم سے ہوتا ہے؟ جن بچوں کی مائیں مر جائیں ان کے لیے باپ کے دل میں

جگہ نہیں رہتی؟"

وہ سسکنے لگا۔ بالکل معصوم بچہ لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر ہنری پر امید انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"آج جب تمہارے پاس آنے کے لیے اس شہر کی سڑکوں سے گزر رہے تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء نے عظیم الشان جلوس نکال رکھا تھا۔ وہ تمہارے لیے احتجاج کر رہے تھے۔ جلوس میں طالبات آگے آگے تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں تمہاری تصاویر تھیں۔ احتجاجی نعروں کی آوازیں دور دور تک گونج رہی تھیں۔ ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے ہم تین گھنٹے وہیں پھنسے رہے۔ شبیر! تم نے وکالت نامے پر دستخط کیوں نہیں کیے۔ بیس دن سے بے مقصد جیل کی سلاخوں میں بند ہو۔ کم از کم ان ساتھیوں کا خیال کر لیا ہوتا جو تمہارے لیے اتنی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نانا! مجھے اب زندگی کی تمنا ہی نہیں رہی۔"

"نادان لڑکے زندگی اتنی ارزاں شے نہیں جسے ایک ہی آزمائش سے گھبرا کر ہار دیا جائے۔ زندگی میں تو اس سے بھی مشکل مقام اور اس سے بھی کڑی آزمائشیں آتی ہیں اور ہمت والے ان کا سامان کرتے ہیں۔ جمال مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ابھی وہ آ رہے ہیں۔ تم وکالت نامے پر دستخط کر دینا۔ یہ میرا حکم ہے۔ ایک بوڑھے آدمی کا۔ جسے تمہیں خوشیاں دینے کا ارمان ہے جسے تمہارے لاڈ اٹھانے کی حسرت ہے۔ جو تمہارا اکلوتا بھلا رشتہ دار ہے۔ شبیر! میرا گھر اور اس کے بام و در کب سے منتظر ہیں۔ پر کوئی اپنا وہاں آیا ہی نہیں۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میرا بس چلتا تو میں تمہیں اڑا کے لے جاتا۔ اس زمانے کی ساری سختیوں سے بچا کے چھپا کے۔ مگر ہم سب مجبور ہیں۔ قانون اس دنیا میں ہر شے سے بالاتر ہے اور تمہیں قانون کی ساری باریکیوں سے دوچار ہونا ہے۔ میں کیا کوئی بھی اس میں کسی قسم کی ناجائز مداخلت کرنے کا روادار نہیں۔ ہمت نہ ہارنا بیٹے۔ اگر تم بے گناہ ہو تو پھانسی کا تختہ تمہارا نصیب ہرگز نہیں ہوگا اگر تم یہ جرم کر بیٹھے ہو تو میں بدنصیب خداوند سے تمہاری مغفرت کی دعا کرنے کے لیے باقی رہ جاؤں گا۔ مگر خدا نہ کرے کہ اس کی نوبت آئے۔ شبیر! تمہارا نام کتنا خوب صورت ہے۔ یہ نام عزم و ہمت بہادری و جوان مردی، صبر و استقلال کے پیکر ایک بے مثال ہستی کا لقب ہے جس نے فرات کے میدان میں انسانیت کے لیے مظلوموں کے فخر کے لیے اور ظالموں کی عبرت کے لیے ایک داستان چھوڑی جو پوری بقائے انسانی کا قابل فخر سرمایہ ہے۔ فارغ اوقات میں، میں نے تاریخ اسلام کا بھرپور مطالعہ کیا ہے۔ اس دین کے بانیوں کی یہ خوبیاں کسی ایک انسان کا ورثہ نہیں ہیں۔ اسوہ حسینی پر عمل کر کے ہر شخص دنیا و آخرت میں فلاح پا سکتا ہے۔ مظلوم ہونا اچھا ہے بہ نسبت ظالم ہونے کے لیکن ظلم کا مقابلہ کر کے اسے شکست دینا بھی ہمارا فرض ہے۔ تمہاری پراسرار خاموشی تمہارا اپنے آپ پر ظلم ہے اور ظلم کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ خواہ وہ دوسروں پر ظلم کرے خواہ اپنے آپ پر۔ خودکشی تمہارے مذہب میں بذات خود ایک گناہ ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی تم خود کو موت کی تاریکی میں دھکیلے جا رہے ہو۔"

شبیر سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس آپ ہی آپ آنسو اس کی آنکھوں میں امڈتے چلے آئے۔ اس نے منہ پھیر کر انہیں ڈاکٹر ہنری سے چھپا لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"ممی ... ممی ..... ممی ......!" وہ اب بھی بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ممی کے مضطرب اور کانپتے ہاتھ سلاخوں کے راستے اندر داخل ہو کر اس کا چہرہ تھام چکے تھے۔

"شمی! میرے بچے...... میری جان! یہ سب کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میرا شمی، زندگی کی باتیں کرنے والا شمی اور قاتل! ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن۔ ماں کی عقل اس جھوٹ کو سچ ماننے سے قاصر ہے۔ کہہ دے شمی تو نے قتل نہیں کیے۔ یہ ایک الزام اور بہتان ہے۔ تیری کردار کشی ہے۔ تجھے گرانے کی مکروہ اسکیم ہے۔ میں جانتی ہوں۔ اچھے لوگوں کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں، ترقی سے جلنے والے، اچھی شہرت سے خار کھانے والے یہ کسی کی سازش ہے۔ تم اکثر میرے خواب میں آتے تھے شمی۔ بالکل اسی حالت میں اور مجھ سے کہتے تھے ممی! میں نے تو کسی کو اپنے دل کا حال نہیں بتایا۔ کوئی اپنا ہے ہی نہیں۔ تم آؤ گی تو اپنے شمی کے زخموں پر مرہم رکھو گی۔ اس کا دکھ درد سنو گی۔" شبیر نے سر اٹھا کر ممی کو دیکھا۔

"سچ ممی!"

"ہاں جان۔"

"خدا کی قسم ممی! میں ہر رات کتنی دیر جاگ جاگ کر تصور میں آپ سے باتیں کرتا تھا۔ آپ کو پکارتا تھا۔ سچ ہی تو ہے اور میرا تھا بھی کون جو میرے دل کی بات سنتا۔ میں نے بھی تو زبان بند کر رکھی تھی۔ کون سنتا، کون سچ اور جھوٹ کی تمیز کرتا۔ کون میرے باطن میں جھانک کر دیکھتا۔"

وہ اپنے ہاتھ اس کے بڑھے شیو والے ستے ستے چہرے پر پھیر رہی تھیں۔

"کیسی حالت بنالی ہے اپنی۔ دیکھو تو سہی پہچانے بھی نہیں جا رہے۔ کھانا بھی کھاتے ہو یا فاقہ کرتے رہے۔"

"کھانا تھا..... کھانا...... ممی...... کسی کو کسی کے دل میں لگے زخموں کی کیا پروا۔ وہ سب مجھے چھوڑ گئے۔ جو کل میرے اپنے تھے۔ ان سب نے یقین کر لیا کہ میں اتنا برا تھا۔ جتنا چند لمحوں نے مجھے بنا دیا۔ ممی ان بیس دنوں میں ایک بھی فرد میرے پاس نہیں آیا۔ وہ بھی جنہیں مجھ سے محبت کے بلند و بانگ دعوے تھے۔"

"ان باتوں کو چھوڑو۔ ابھی تو بس اتنا سا کام کرو۔ اس کاغذ پر دستخط کر دو بیٹے مایوسی اور ناامیدی کفر ہے۔" جمال کہہ رہے تھے۔ "تمہارا کیس ایسا بھی الجھا ہوا نہیں ہے۔ بیسیوں لوگ جو جائے حادثہ پر موجود تھے۔ اس بات کی گواہی دینے کو تیار ہیں کہ تم کو گولی چلاتے انہوں نے نہیں دیکھا۔ پولیس اسٹیشن جائے حادثہ سے ایک دو منٹ کے فاصلے پر ہے۔ کسی نے فون کیا اور تیسرے منٹ سے بھی قبل انسپکٹر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ابتدائی رپورٹ میں بھی لکھا ہے کہ جب وہ وہاں پہنچا تو تمہارے ہاتھ میں ریوالور تھا اور اس لڑکی کا بے جان وجود تمہارے زانو پر تھا۔ چار قدم پر امتیاز رند کی لاش پڑی تھی۔ پولیس نے بطور گواہ مامون واسطی اور اس کے دوستوں کے نام لکھ رکھے ہیں۔ جمال کل سے آئے ہیں تو ایک پل کو بے فکر نہیں بیٹھے۔ جانے کہاں کہاں بھاگے پھرے ہیں، بتا رہے تھے۔ مامون میں اور تم میں پرانی عداوت تھی۔ الیکشن میں بھی وہ تمہارے مقابل تھا، بری طرح ہارا..... اور وہ لڑکی...... سنا ہے اس کا کوئی تعلق مامون سے تھا۔ تم بیچ میں آ گئے۔ شبیر! کیا یہ سچ ہے تم نوشابہ میں دلچسپی لینے لگے تھے؟ شادی کرنا چاہتے تھے اس سے؟"

"جی ہاں۔" اس نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔

"مم..... مگر...... شبیر! تم تو...... تم ہی نے تو مجھے بتایا تھا...... تم اپنی پھوپھی کی بیٹی گوہر سے...."

"ہاں ممی! مگر یہ مجبوری تھی۔ میں نے محبت کو انسانیت پر قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اسے بچانا چاہتا تھا۔ میں جو خود کو انسانیت کی حفاظت کا علمبردار کہتا تھا۔ میں اپنے قول و فعل میں یکسانیت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ میں نے گوہر کو بھی بتا دیا تھا۔ مگر نوشابہ نے مجھے آزمایا ہی نہیں۔ میری پیش کش کو قبول ہی نہیں کیا۔ اس نے وہی کیا

جس کا فیصلہ وہ کر چکی تھی۔"

"کیا..... کیسا فیصلہ.....؟"

"جبر اور ظلم کی اس کہانی کو دہرانے کا حوصلہ مجھ میں نہیں۔ میں آپ کو ایڈریس بتاتا ہوں۔ آپ نوشابہ کی گرینڈ ماں سے اس بات کی تصدیق اور وضاحت لے سکتی ہیں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ممی! میں نے تو نوشابہ کی خاطر بہت بڑا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں امتیاز رند کو قانون کی گرفت میں دے کر انصاف کی آرزو رکھتا تھا۔ میں خود اس قانون کے شکنجے میں جکڑا گیا۔ ممی! میں پھانسی چڑھ بھی جاؤں تو مجھے اپنی مظلومیت پر بھی فخر رہے گا۔ یہ قربانی میں نے کسی کی ذات کی خاطر دی ہے۔ میرا خدا میرا گواہ ہے۔ بے گناہی اس کی عدالت میں بے وزن ثابت نہیں ہوتی۔ تو وہ مجھے اس آزمائش سے ضرور نجات دے گا۔"

ایک سپاہی ممی کے قریب آ کر رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں چند لفافے تھے۔ اس نے وہ تین لفافے شبیر کی طرف بڑھا دیے۔

"ڈاک ہے آج کی....."

شبیر نے لفافے لے لیے۔

"کہاں سے آتے ہیں یہ خط؟"

"روزانہ ہی آتے رہتے ہیں' مختلف شہروں سے۔ یونینز کے صدر' جنرل سیکریٹری وغیرہ لکھتے ہیں۔ ممی.....! جیل کی سلاخوں کے پیچھے آ کر میں نے زندگی کے بارے میں اور بھی گہرائی سے سوچا ہے۔ زندگی کی حقیقتوں سے اور بھی روشناس ہوا ہوں۔ دنیا سے کٹ کر جینا بھی بہت بڑی سزا ہے۔ جس نے بھی اسے تجویز کیا' خوب کیا۔ مجھے چلتی پھرتی دنیا میں جو باتیں سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا وہ میں نے یہاں سوچی ہیں۔ رشتوں کے انوکھے روپ میرے سامنے آئے ہیں۔ ولدیت کے خانے میں' میں کسی طور پر شاہنواز مڈا کر کوئی اور نام نہیں لکھ سکتا۔ اس حقیقت سے آنکھیں نہیں چرا سکتا کہ ایک ان دیکھی عورت میری ماں تھی۔ اس نے مجھے جنم دیا تھا لیکن میں اپنے سارے جذبے آپ کے اور ڈیڈی کے نام معنون تو کر سکتا ہوں۔ میرے سب کچھ آپ ہیں۔ عدی اور عذرا بھی بے لوث محبتوں کی خوب صورت شکلیں ہیں۔ زندگی نے میرے حصے میں چند راحتیں رکھی ہیں تو وہ میں آپ لوگوں کے ساتھ مل کر ہی دیکھوں اور پاؤں گا ممی! آدمی کے خواب اتنے ناپائیدار اور بے وزن کیوں ہوتے ہیں۔ فضاؤں میں تحلیل کیوں ہو جاتے ہیں۔ ممی! کبھی آپ پر بھی ایسا وقت گزرا جب آپ نے خود کو عدم محسوس کیا ہو۔ جب آپ نے یہ سوچا ہو کہ بھری دنیا میں کوئی ایک خوشی بھی آپ کی نہیں۔"

"سب کچھ تمہارا ہے شبیر! ہم' ہمارے جذبے اور ہماری خوشیاں..... جو تمہیں نہیں سمجھ سکے۔ جو تمہارے قریب نہ آ سکے۔ وہ نادان ہیں اور تمہیں کھو دینے والے بدنصیب..... کل تمہاری ضمانت کی درخواست دیں گے تمہارے ڈیڈی۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں تم ہمارے ساتھ رہو گے۔ گزرے دنوں کی ساری کلفتیں مل بیٹھنے کی خوشی میں دور ہو جائیں گی۔"

انہوں نے پھر اس کے گال تھپتھپائے۔ آنکھوں ہی آنکھوں اسے پیار کیا۔ اس کی بلائیں لیں اور چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شبیر نے تینوں لفافے بے دلی سے ایک طرف ڈال دیے۔ اتنے دنوں سے اس کے دل و دماغ پر طاری جمود ٹوٹنے لگا تھا۔ کچھ چہرے زندگی کا ہنستا مسکراتا پیغام ہوتے ہیں۔ ہم مرنے سے اس لیے بھی ڈرتے ہیں کہ ہمارا

مرنا بہت سوں کو درد والم اور غم سے دوچار کر دے گا۔ اپنی موت کبھی کبھی ہمیں اس لیے بھی رنجیدہ کر دیتی ہے کہ ہمیں نہ پا کر ہمارے پیارے کتنے رنجیدہ ہو جائیں گے۔ ممی کو وہ کتنا عزیز تھا۔ ان کی آنکھیں کتنی دیر بلکہ سارا وقت بھیگی ہی رہی تھیں۔ ان کے آنسو شبیر کے جلتے دل پر گر کر اسے سکون پہنچا گئے تھے۔ کوئی تو تھا اس کے لیے رونے والا۔ اس کی فکر کرنے والا۔ اس کے لیے بے چین رہنے والا۔ ممی سے پہلے عدی آیا تھا۔

"غم نہ کرنا یار! بھائی بھائیوں کا بازو ہوتے ہیں۔ میں جو ہوں تمہارا۔" اس نے سینہ تان کر کہا تھا۔ "میں تمہارے دشمنوں کا بھرپور مقابلہ کروں گا۔ دیکھنا تم..... میری آمد تحریک میں اور بھی جان ڈال دے گی۔ آج میں یونیورسٹی گیا تھا۔ لڑکے بڑے پرجوش تھے۔ تمہارے حق میں گواہیاں دینے کو تیار۔ تم نے ان بے چاروں کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ ضمانت ہو جاتی تو کیس اپنے اصل رخ پر آ چکا ہوتا۔ تمہاری خاموشی تمہارے جرم کا ثبوت بنتی جا رہی ہے۔"

"عدی! رشتوں' ناتوں اور محبتوں کے بغیر ایک پل نہیں جیا جاتا تم لوگ آ گئے ہو۔ میری خواہشیں پھر سے جاگ اٹھی ہیں۔ میں خود کو قیمتی لگنے لگا ہوں..... میں جیوں گا۔ حالات کا مقابلہ کروں گا۔ ڈیڈی اور تایا جان شام کو آئیں گے تو دستخط کر دوں گا۔"

اور اب دستخط کرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹ آنے کی خواہش پیدا ہو جانے کے بعد سارے بچھڑے ہوئے پھر سے یاد آنے لگے تھے۔

"کوہر.....! دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی۔ تمہیں تو اپنے شبیر کے پاس آنا چاہیے تھا اور کچھ نہیں تو گریبان پکڑ کے باز پرس کرنے ہی۔ کیا تمہارے دعوے اور وعدے سب جھوٹے تھے۔ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی۔ کیا تمہارے دل نے بھی میری بے گناہی کی گواہی نہیں دی' کیا تم نے بھی مجھے مجرم جان لیا۔ اس صبح جب میں تمہیں لینے آیا تھا۔ کاش تم میرے ساتھ آ جاتیں' کم از کم میری بے گناہی کی چشم دید گواہ تو ہوتیں۔ کم از کم تم تو مجھے مجرم خیال نہ کرتیں۔"

اسے وہ شعر یاد آنے لگا جو عاتکہ کے لائے کاغذ کے پرزے پر لکھا تھا۔

برسوں میں تعلق بنتے ہیں لمحوں میں بھلا ٹوٹیں کیسے
تو مجھ سے بچھڑنا چاہے تو دیوار اٹھا دھیرے دھیرے

تم نے بے گانگی اور اجنبیت کی اتنی ساری دیواریں ایک ساتھ کیسے اٹھا دیں کوہر؟ تم مجھ سے بے خبر کیسے بیٹھی ہو گوری! کیسے؟ کیا ایک لمحہ اتنا بھاری تھا کہ محبتیں اس کے وزن سے دب کر دم توڑ گئیں؟ خوابوں میں آتی ہو۔ روتی ہوئی۔ بلکتی ہوئی۔ ایک بار ہی آ جاتیں۔ میرا حوصلہ بڑھ جاتا۔ مجھے تسلی ہوتی۔ یقیناً تم اسی بات پر مجھ سے خفا ہوئی تھیں۔ وضاحت کے کسی لمحے کی نوبت ہی نہ آئی۔ میں تو مجبور تھا گوہر تم مجھ سے جواب طلب کرنے ہی آ جاتیں۔ لیکن تم..... تم بھی تو ان ہی میں سے ہو۔ جنہوں نے میرے پاس لاتعلقی کے پیام بھیجتے ہوئے مجھ پر ذرہ بھر ترس نہیں کھایا۔ رشتوں کی نزاکت کو پل بھر کو محسوس نہیں کیا۔

آمنہ چاچی۔

شہنواز چاچا۔

پھپھی جان۔

یہ سارے پیارے پیارے لوگ میرے جرم کی تصدیق کیے بغیر مجھ سے خفا ہو گئے۔ جیل تم سے قرنوں کے

فاصلے پر تو نہ تھی کہ تم آ نہ سکیں۔ اچھا کیا تم نے شاید۔ نہ آئیں۔ جیل میں قید ہونے والے تو بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک اچھی لڑکی ایسی بری جگہ آ کر کرتی بھی کیا۔"

اس نے دیوار سے سر ٹکا لیا۔ نئی صبح کے انتظار میں جو اپنے جلو میں حیات نو کی امید لیے آنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر میں چاروں طرف مسرتوں بھرا ہنگامہ ہی تھا۔ نیلما نے چند روز قبل ہی اپنی قریبی سہیلیوں اور کزنز کو بلوا لیا تھا۔ گھر کا گوشہ گوشہ کونا کونا خوشی کے اظہار میں ہنستا کھلکھلاتا نظر آ رہا تھا۔ حویلی کے مدتوں سے بند پڑے بے شمار رہائشی کمرے صاف کر کے آراستہ کیے گئے۔ لڑکیاں دن بھر شادی کی تیاریوں میں لگی رہتیں اور رات کو دیر تک ڈھولک پر شادی بیاہ کے گیت گائے جاتے۔ یہ شادی اس گھر کی پہلی خوشی تھی۔ ایک عرصے سے اپنے بیڈ روم تک محدود رہنے والی بیگم واسطی بھی ہمہ وقت لڑکیوں کی سرگرمیاں دیکھنے کے لیے ان کے کمروں میں پائی جاتیں۔ ڈاکٹر ہارون کا غیر ملکی دورہ کچھ طوالت اختیار کر گیا تھا۔ نیلما خاصی پریشان تھی۔ پھر اچانک وہ سکندر پور آئے تو لڑکیوں کی فوج نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔

"کیوں بھئی یہ لشکر کشی کس سلسلے میں؟" ان کے کورس میں کیے گئے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔ کس سلسلے میں۔" نیلما اٹھلائی۔

"میں علم نجوم کا ماہر ہوں نہ غیب کا حال جانتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"پھر بھی۔ ذرا ذہن پر زور تو دیجیے۔"

"بھئی جہاں تک میں جانتا ہوں میرے اسپتال کا افتتاح ابھی ممکن نہیں ابھی کچھ فنی معاملات باقی ہیں۔ اور جب بھی ایسی کوئی بات ہوتی میں خود ہی آپ کو بلا لیتا۔ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"جناب ڈاکٹر ہارون واسطی صاحب یہ وہ تقریب ہے جس کا افتتاح ہم سب کو مل جل کر کرنا ہے۔ ہم کو ہی ترتیب دینا ہے اور ہم کو ہی اختتام تک پہنچانا ہے۔" نیلما کی تقلید میں وہ سب کی سب ہنس دیں۔

"کیا پہیلی ہے سسٹر؟"

"بوجھیں تو ہم بھی جانیں۔" کسی نے ٹکڑا لگایا۔

"میں ہار گیا صاحب...... آپ ہی بتا دیجیے۔"

"ہار تسلیم کی ہے تو جرمانہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔" کئی ایک نے پیار بھری شرط عاید کر دی۔

"یہ کیسی خبر ہے جو جرمانے اور سزا کے بغیر ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔"

"بہت ہی پیاری خبر ہے۔ سنیں گے تو......" رافعہ نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کہیں اس چڑیلیا نے ہم سے بالا بالا کوئی امتحان تو پاس نہیں کیا اور اس خوشی میں آپ کو مدعو کر لیا۔" وہ بہن کو دیکھ رہے تھے۔

"امتحان۔" وہ ساری ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"امتحان تو آپ کا ہونے والا ہے۔ ہم سب آپ کے مددگار ہیں۔ البتہ نتیجے کی دعائیں تب کریں گے جب ہماری مٹھیاں گرم ہوں گی۔ ہمارے دل خوش ہوں گے ہم جو کہیں گے آپ مانیں گے۔"

"نیلما! چندا اب بس بھی کرو۔ زیادہ سسپنس بھی اچھا نہیں ہوتا۔" نیلما نے اشارہ کیا آنکھوں سے وہ کچھ گئیں

سب نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔

ڈھولک بجا کے سہیلیاں بلا کے بنرے کے گیت میں گاؤں گی
میں اپنے بھیا کو دولہا بناؤں گی بھیا پیارے پیارے سے بھیا
بھولے بھالے بھیا...... پیارے پیارے بھیا

شوخی سے گاتے ہوئے نیلما نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ کچھ دیر بعد تالیاں موقوف کر دی گئیں۔

"اوہ آئی سی۔ تو یہ بات ہے۔" ان کے چہرے پر حیا آمیز مسکراہٹ آ گئی۔ چہرہ سرخ ہو گیا آنکھیں پل کو جھک گئیں۔

"سازشی لڑکی! میرے جاتے ہی اپنا کام دکھا دیا۔"

"یس سر! اللہ کے کرم سے۔" نیلما نے سعادت مندی سے سر جھکایا۔

"کون ہے وہ بے چاری لڑکی جسے ہمارے پلے باندھا جا رہا ہے۔"

"آپ کا سوال غلط ہے وہ بے چاری ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو خوش نصیب ہے۔ آپ جیسے انسان مقدر والوں کو ملا کرتے ہیں۔" رانی نے انہیں دیکھا۔

"بس بس زیادہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہم جان گئے ہیں تم سب کا مدعا۔ یہ خوش بیانیاں صرف اسی خاطر ہیں کہ ہم تمہاری منہ مانگی فرمائشیں پوری کرنے میں تاخیر یا بخل سے کام نہ لیں۔ سو جناب مکھن لگانے کی بالکل ضرورت نہیں یہ بندہ کچھ دیر آرام کے بعد آپ کو ہر جگہ لے جانے اور اپنی سزا کاٹنے کے لیے تیار ہوگا۔ ماں جی کہاں ہیں؟ میں ان سے تو مل لوں۔"

"وہ آپ کو یہاں نہیں ملیں گی۔ ماں جی بابا جی اور ماموں بھائی بارہ گئے ہوئے ہیں۔ واپسی میں لاہور رکیں گے۔ اور جناب ٹھیک بارہ دن بعد آپ جناب دولہا بنے۔ ہزاروں خوشیوں کے ہجوموں میں گھرے۔ گوری جی کو ہماری بھابھی بنانے جا رہے ہوں گے۔"

"گوری جی......" ہارون نے حیرت کے ساتھ دہرایا۔

"جی ہاں وہی گوہر نایاب جو چشم فلک کے مہربان رویے نے ادھر بھیج دیا تھا۔ جسے دیکھنے کے بعد آپ کسی کو دیکھنے کے قابل نہ رہے یا جسے دیکھنے سے پہلے آپ نے کسی کو دیکھا نہ تھا۔" عارفین نے بڑی ادا سے کہا۔ وہ نیلما کی خاص الخاص سہیلی تھی۔ شاید نیلما نے اسے بلکہ سب کو پسندیدگی کی یہ چھوٹی سی داستان سنا رکھی تھی۔

"شریر لڑکی! تم نے اپنے بھائی کے ٹاپ سیکرٹ ان لڑکیوں کو بھی بتا دیے۔"

"برا کیا ہے بتانے میں۔ کیا خبر یہ بھی بارش میں گھر سے نکل کر کسی ویران راستے پہ بے ہوش ہو جانے کا ڈرامہ کر کے آپ جیسے کسی خوبرو شہزادے کو پا لیں۔ بھتوں کا بھلا کیا ہے میں نے یہ سب کچھ بتا کر۔" وہ پھر مسکرا دیے۔

"ہارون بھائی! کیا وہ واقعی بہت زیادہ خوبصورت ہے۔" ایک کزن نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"مجھ سے نہیں نیلما سے پوچھیے۔ اسے خبر ہوگی۔ میں تو اس واقعے کو بھی بھول چکا۔" انہوں نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی۔

"گپ گپ ساری گپ۔ بھیا جانی اپنے چہرے کو اپنی زبان کا ساتھ دینے کی تنبیہ کیجیے ورنہ جھوٹ سے پرہیز کیجیے جھوٹ آپ کے چہرے پر لکھا ہے۔" نیلما نے پیار بھری خفگی سے ٹوکا۔

ہارون نے اعتراف کے طور پر سر جھکا لیا۔ ان سے نپٹ کر وہ اندر کمرے میں آئے تو ان کے بیڈ کے سرہانے

سائیڈ ٹیبل پر خوبصورت سا البم دھرا تھا۔ وہ چونکے۔ یہ البم تو انہوں نے خریدا تھا نہ پہلے کبھی دیکھا تھا۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے البم اٹھایا۔ پہلا صفحہ کھولا۔ چھوٹی چھوٹی خوش رنگ پنکھڑیوں سے مبارک لکھا تھا۔ پہلی تصویر میں وہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ جو ان کے خوبصورت دل کا پہلا ارمان بن گئی تھی۔ جسے پا کر انہوں نے خود کو کھو دیا تھا۔ انہوں نے ورق پلٹا۔ اس تصویر میں ان کی والدہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا رہی تھیں اور اس کے پہلو میں بیٹھی نیلما شریر انداز میں مسکراتے ہوئے گویا اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ وہ ورق پلٹتے گئے۔ ایک سے بڑھ کر ایک...... عمدہ فوٹو گرافس ان کے سامنے آتی گئیں۔ درمیان میں کہیں ایک لفافہ رکھا تھا۔ نیلے رنگ کا لفافہ۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا۔ کھولا تو اس میں ان کے نام کا خط تھا۔

بھیا جانی!

آداب......! آپ واپس آئیں گے تو ہم لوگ کچھ ضروری خریداری کے لیے سکندر پور سے باہر جا چکے ہوں گے۔ یہ پیارا سا تحفہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف پیارے بھیا! آپ سکندر پور کی حویلی کا سب سے بڑا مان ہیں۔ آپ کی خواہش جان دے کر بھی پوری کرنا پڑتی تو نہ گزرتا۔ اس فتح پر میں خوش بھی ہوں اور نازاں بھی۔ اس خاندان سے ہماری برسوں پرانی عداوت تھی۔ یہ رشتہ اس عداوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ ہنگامی بنیادوں پر منگنی کرنے پر معذرت خواہ ہوں ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ میں نے یہ فتح بڑی محنت اور جہد کے بعد حاصل کی تھی۔ اور اسے ناکامی میں بدلتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا (ہارون یہ الفاظ پڑھ کر حیران تھے) آپ کی کمی محسوس ہوئی لیکن پھر دل کو یہ کہہ کے تسلی دے دی کہ ابھی تو بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

بھیا جانی! دلہن کی سہیلیاں اور کزنز مجھے کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئیں۔ ان کے درمیان ہونے والی سرگوشیوں نے جو وہ مجھے ڈاکٹر ہارون سمجھ کر کہہ رہی تھیں گو کہ مجھے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا لیکن میں نے انہیں ضرور آگاہ کیا کہ میں ڈاکٹر ہارون نہیں ہوں۔ وہ جب آئیں گے آپ لوگ انہیں دیکھیں گی تو زنان مصر کی طرح اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں گی۔ بھیا یوسف ثانی ہی تو ہیں۔ یہ تصویریں میں نے بطور خاص آپ کے لیے بنائی ہیں۔ اور آپ کو نہ صرف منگنی کی بلکہ اس انتخاب لاجواب کی مبارک باد بھی دے رہا ہوں ماں جی کی خواہش تھی' بری کی تکمیل کے لیے ان کے اور بابا جی کے ساتھ جا رہا ہوں۔ زیور بھی لیتا ہوں گے۔ واپسی پر آپ سے ملاقات ہوگی۔ آپ شہر جا کر نبیل یزدانی اور عاصم صاحب سے رابطہ کر کے انہیں اپنی آمد کی اطلاع ضرور دیجیے گا۔ ان کے اہل خانہ آپ کو دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہاں جا کر آپ کو ان کا رخ روشن بھی دیدار کو مل جائے ان کے فون نمبرز نیچے درج ہیں۔

والسلام

آپ کا

مامون واسطی

"بشت بے وقوف لڑکے اپنے بھائی کی پسند کو کتنا سیریس لے لیا۔" ہارون واسطی خط پڑھ کر زیر لب مسکرا دیے۔ ان کی نظریں سامنے موجود تصویر پر جم گئیں انہیں مامون پر پیار آنے لگا۔ اس لڑکے نے تو دن رات ایک کر دیے اور اس کا اتا پتا ٹھکانہ خاندان سب معلوم کر کے ہی دم لیا۔ کتنا خوش ہے مامون۔ خوشی اس کے قلم سے نکلے الفاظ سے ٹپک رہی ہے۔ نیلما تو دیوانی ہو رہی ہے۔ شاید اپنوں کی خوشی اسی طرح ہی خوشی دیتی ہے۔ یہ رشتے ہی تو ہمیں جذبوں کو پہچان بخشتے ہیں۔" البم الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے وہ خوش رنگ اور دلفریب خوابوں

میں کھو کر نیند کی وادی میں جا اترے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"آخر چلنے میں حرج ہی کیا ہے۔ کل نہیں تو پرسوں یہ ساری چیزیں تمہارے استعمال میں ہی آئیں گی۔ شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ رات بھی ابا فون پر امین واسطی صاحب سے بات کر رہے تھے۔"

"کرتے رہیں' میں نہیں جاؤں گی۔ نہیں ہے میرے دل میں کوئی تمنا آرزو۔ آپ جو ہیں جانے والی' لے آئیے گا سب کچھ۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم۔ تمہیں پتا ہے ابا نے مجھے اسی لیے تو بلوایا ہے۔ نبیل نے سیٹیں بھی بک کرا لی ہیں۔ انتہائی ضروری کاموں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ صرف' تمہاری خاطر۔"

"میری خاطر' اماں ساتھ چلی جائیں' سری بھائی کو نیتی جانا ہے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا کہیں نہیں جانا' مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے۔"

"گوری! حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ شبیر تمہیں ٹھکرا چکا تھا۔ پھر تو قسمت نے ہی اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے تمہیں صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ تمہاری جگہ کسی اور کو دے چکا ہے۔"

"جوہر آپا!" گوہر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"جوہر آپا۔ آپ کتنے عام سے انداز میں اس کا ذکر کر رہی ہیں۔ کس سہولت سے مجھے باور کرا رہی ہیں کہ وہ میری جگہ کسی اور کو دے چکا تھا اور میں بھی اسے بھول کر ایک نئی دنیا آباد کر لوں۔ آپا! کہانیاں صرف اس لیے نہیں ہوتیں کہ اپنے اچھے برے اثرات چھوڑ کر دفن ہو جائیں' کہانیاں تو زندہ رہتی ہیں دلوں میں' روحوں میں۔"

"لعنت ہے تم پر۔ شرم آنی چاہیے تمہیں' جس نے تمہیں ٹھکرا دیا تم اسے دل میں بسائے ہوئے ہو۔ تمہیں خبر ہے اب تم شبیر کی محبوبہ نہیں ڈاکٹر ہارون کی ہونے والی بیوی ہو' تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ شبیر کا خیال بھی دل میں لانا تمہارے لیے گناہ ہے۔" جوہر بگڑ گئیں۔ گوہر نے انہیں خفگی سے دیکھا۔

"شبیر کا نہیں' ہارون واسطی کا خیال دل میں لانا میرے لیے جرم ہے' گناہ ہے۔" اس نے جتلایا۔ جوہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"گوری' یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"وہی جو آپ کی' اس معاشرے کی سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"کیا؟"

"آپا۔ آپ نے کسی سے محبت کی؟ کسی کو من میں بسایا؟ ہرگز نہیں۔ آپ کو کبھی محبت کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی۔ آپ کے خوابوں میں کوئی انسان کم کم اور دولت جاہ و حشمت زیادہ تھے۔ نبیل یزدانی آپ کو مل گئے۔ آپ اب بھی ان سے کم اور ان کی حیثیت سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ آپ اسے اپنی زندگی کا ساتھی مانیں گی جو آپ کے خوابوں کی قیمت ادا کر سکے گا۔ مل بیٹھنے پر تو جانور اور انسان بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ آپ میری بات سمجھ ہی نہیں سکتیں یہ محبت کیا ہوتی ہے۔ عہد وفا کسے کہتے ہیں۔ قبولیت کس شے کا نام ہے۔ میں آج کل کی لڑکیوں کے اس فلسفے کو نہیں مانتی۔ اس طریقہ کار کو سخت ترین جرم سمجھتی ہوں۔ آج کل ایک کے بعد دوسرے کے بعد تیسرے انسان کی سمت جھکاؤ شاید فیشن میں شامل ہو گیا ہے' میں نے شبیر کو ذہنی طور پر قبول کیا تھا تو اس لیے نہیں کہ چند دن یا چند سال بعد میرا اس کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔ میں

نے اسے عمر بھر کے لیے اپنا ساتھی ہی مانا تھا۔ قبولیت اسی احساس ہی کا نام تو ہے' جس کا خدا کی خوشنودی کے ساتھ اور اس کے احکام کے مطابق مجمع میں مقدس آیات کے سائے میں خدا کا نام لے کر اعلان کیا جاتا ہے۔ تاکہ دو نفوس کو مل کر نئی زندگی گزارنے کا جو شرعی اختیار مل رہا ہے' اس سے زمانہ بھی آشنا ہو جائے۔ ان کی نئی معاشرتی حیثیت قبول کر لے۔ کچھ لوگ اس نئے ساتھ کے گواہ بھی ہوں بلکہ اس بات کے گواہ بھی ہوں کہ ہر دو ساتھی اسلامی قوانین کے مطابق ایک دوسرے کے پابند ہیں۔ ازدواجی زندگی کی اسلامی حدود و قیود کا خیال رکھنا ان دونوں کا فرض ہے۔ میں نے شبیر کو اپنا مانا تھا' اپنا آپ اس کے نام کیا تھا۔ اس تجی کے اچانک حادثے کے بعد میں نے اپنے آپ کو بھولنے کی قید میں دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ایک ضمیر نام کی شے جو میرے اندر ہے وہ مجھے پریشان کیے ہوئے ہے۔ اس نے میری راہیں روکی ہوئی ہیں۔ یہ میرا دل جو ہے۔ اندر ہی اندر ماتم کناں رہتا ہے۔ روتا رہتا ہے۔ میں سخت بے سکون ہوں۔ مجھے ہارون واسطی جیسے شادی سے' ساز و سامان سے کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مگر میں وہی پرانی روایتی' قصے کہانیوں والی لڑکی ہوں مسلمان لڑکی' جو دنیا کے کسی بھی خطے میں ہو' شرم و حیا ایثار و قربانی اس کا مقدر ہوتے ہیں' اس کے کردار کا حصہ ہوتے ہیں۔ والدین کی عزت کی خاطر وہ اپنا آپ عمر بھر کے لیے عذاب میں ڈال کر بھی فریاد نہیں کرتی۔ آپا آپ میری مجبوریوں کو اس قدر مجبور نہ کیجیے۔ بے شک میں ایک بے جان کھلونا ہوں۔ نہ میری کوئی مرضی ہے نہ رائے۔ پھر بھی میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ اتنا فیصلہ کرنے کا حق ضرور ہے مجھے میرے ارمانوں کی لاش آپ خود ہی دفن کرتی رہیے۔"

"گوہر تم نے تو بہن کو اپنا دشمن ہی خیال کر لیا ہے۔ تم نے تو یہ جان لیا ہے کہ مجھے شبیر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں کہاں خوش ہوں' کہاں چین سے ہوں۔ تم مجھ سے رشتوں کے دروکا اور اک تو نہ چھینو' مجھے تو غصہ ہے شبیر پر اس نے تمہیں کیوں ٹھکرایا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو اباجان شبیر سے یوں متنفر نہ ہوتے۔ وہ جتنی بڑی مصیبت کا بھی شکار ہوتا وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوتے۔ لیکن اس نے رشتوں کے دروازے خود ہی بند کر دیے۔ پھر تم نے بھی غلطی کی۔ دلنواز ماموں کو بتا کر انہیں اس کے خلاف کر دیا اگر وہ تمہیں اتنا ہی عزیز تھا تو خود ہی اس سے نپٹتی پھرتیں بات بزرگوں تک تو نہ پہنچاتیں۔ یہ آگ تم نے خود لگائی ہے۔ اب جو کچھ جلے اسے قبول کرو۔ برداشت کرو۔ تماشا دیکھو۔ دوسروں کے دل تو نہ جلاؤ۔"

"میرے خیال میں یہ سب تو نہ تھا کہ یہ سب بھی ہو جائے گا۔ میں نے تو۔ میں نے تو غصے میں آ کر انہیں بتا دیا تھا۔" گوہر رونے لگی۔

"رومت ..... اور چلی چلو۔ تمہیں خبر ہے میں نے کیا سوچ رکھا ہے۔"

"کیا؟" اس نے گوہر کے فیصلہ کن انداز پر ان کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں شبیر کے پاس لے چلوں گی۔ مل لینا اس سے۔"

"سچ آپا۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں۔ کم از کم تم اس سے پوچھو تو سہی کہ اس نے تم سے بے وفائی اور پھر قتل جیسے سنگین جرم کیسے کیے' تمہارے ذہن میں تو اس کی محبت تھی ہی' میں بھی اس کی قدر کرتی تھی۔ دیکھو تو مجھے بھی ہوا ہے اس نے کھو دینے کا۔ گوری میں نے نبیل سے بھی بات کی ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ان سے چوری کوئی کام کرتی تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ ہم دونوں ہی تمہارے ساتھ چلیں گے۔"

"اچھی آپی! آپ کی بے حد مہربانی۔ میں چلوں گی ضرور چلوں گی۔ آخری بار سہی میں اس سے مل تو لوں گی۔ اپنے دل کی باتیں اسے بتا تو سکوں گی۔ اس کی بے وفائی کا شکوہ تو کر سکوں گی۔"

گوہر خوش ہو گئی۔ روتی آنکھوں مسکراتی وہ پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے اپنا سر جوہر کے کندھے پر ٹکا دیا۔ جوہر نے اسے گلے لگا لیا۔ اس کی پیشانی چوم لی۔ ان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

پیچیدہ عدالتی کارروائیوں سے گزر کے جمال احمد نے شبیر کی ضمانت پر رہائی کا عدالتی حکم حاصل کر لیا۔ انور عباسی نے شبیر کا دفاع بڑی قانونی مہارت کے ساتھ کیا۔ دوہرے قتل کے پس منظر کی کہانی کے سارے کرداروں کے ساتھ رابطہ کیا تھا۔

امتیاز رند کے والد اپنے علاقے کے خاصے بااثر زمیندار تھے۔ اپنے بیٹے کے قتل کی خبر پر بھاگے چلے آئے۔ بیٹے کی میت لے کر اپنے گھر گئے تو امتیاز کے ساتھ موجود ملازم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آٹھ دس دن تو شدید صدمے میں ہی نکل گئے۔ لوگوں کا آنا جانا۔ فاتحہ درود' تعزیت' دس دن بعد ریاض خان اکیلے ہوئے تو امتیاز کی خدمت پر مامور ملازم رئیس نے انہیں حقائق سے آگاہ کر دیا۔ وہ انتہائی نرم مزاج' انصاف پسند' نیک اور خدا ترس انسان تھے۔ اور ملازم رئیس ان کے لیے قابل اعتبار انسان تھا۔ اور امتیاز کے والد اپنے بیٹے کے کرتوتوں سے کچھ نہ کچھ واقف بھی تھے۔ پھر امتیاز کے مرنے سے ایک رات قبل شام کو اسی نے نوشابہ کا فون بھی اٹینڈ کیا تھا۔ امتیاز کو نہ پا کر اس نے رئیس کو بتا دیا تھا کہ آج نہیں تو کل وہ اس کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ یہ وہی ملازم تھا جس نے نوشابہ کی عصمت دری کا بھیانک کھیل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا تھا۔

ان وجوہات کی بنا پر انہوں نے کیس کی پیروی نہیں کی۔ وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ عدالت میں ان کے بیٹے کا کردار بھی زیر بحث آئے گا۔ رئیس کی آنکھوں نے ساری کہانیاں جو اپنی بصارتوں میں محفوظ کر رکھی تھیں ریاض خان صاحب کے گوش گزار کر دی تھیں۔ طلبہ کی تحریک نے جو پورے صوبے میں جوش و خروش کے ساتھ چل پڑی تھی۔ پولیس کو چونکا دیا تھا۔ ایک موٹی رقم کی خاطر ایک بے گناہ کو تختہ دار کی طرف لے جانے کی کوشش میں انہیں ناکامی بھی نظر آنے لگی تھی۔ استغاثہ ابتدائی رپورٹ سمیت کمزور تھا۔ وکیل صفائی نے بحث کے دوران ملزم کی بے گناہی کے بارے میں ٹھوس ثبوت پیش کیے تھے۔

یونیورسٹی کے بیسیوں طالب علم شبیر کی بے گناہی کی گواہی دینے کو تیار تھے۔ وہ اسے ہر حال میں بچانا چاہتے تھے۔ لڑکوں نے ہائی کورٹ کے قابل اور ماہر ترین وکلاء کا تعاون حاصل کر لیا تھا۔ وہ عدلیہ کے دائرہ کار پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتے تھے۔ بلکہ انصاف کے طلب گار تھے۔ ابتدائی ایام میں تو وہ ایف آئی آر کی نقل لینے میں بھی ناکام رہے۔ لیکن جب نقل سامنے آئی تو اس میں ماموں واسطی اور اس کے دو دوستوں کا نام موقع کے گواہوں کے طور پر موجود تھا۔ لڑکوں نے قتل کے اس الزام کو سیاسی انتقام ثابت کرنے کے لیے بھرپور قوت صرف کر دی۔ شبیر کے حامی طلباء خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ جلوسوں اور جلسوں میں شبیر کے کردار کی وضاحت کرنے کے ساتھ وہ ماموں واسطی کے اوصاف بیان کرتا نہ بھولتے پہلے دو چار دن نوشی اور امتیاز کا قتل ایک معمہ بنا رہا۔ شبیر نے اپنی زبان بند کر رکھی تھی۔ وہ نہ کسی کے خلاف بولا نہ اپنے حق میں کوئی بات کی۔

لڑکوں نے اس سلسلے میں امتیاز رند کے ملازمین اور نوشابہ رند کے اہل خانہ سے رابطہ کیا تو ساری کہانی منظر عام پر آ گئی۔

شبیر کے دفاع میں لڑکوں نے اپنی تمام تر قوت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شبیر ظلم کا شکار ہو جائے یہ شبیر کی نہیں ایک ذات کی نہیں اچھائی کی شکست تھی اور وہ سب جو امن اور خیر کے طلب گار تھے۔ بدلتی فضاؤں اور بدلتے رنگ ڈھنگ کے لیے شبیر جیسے باعمل اور بہادر نوجوان کی موجودگی ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انتخابات میں مامون نے اپنی شکست سے لگنے والے زخموں کو پہلے شبیر پر قتل کرانے کی بھیانک سازش کے ذریعے مندمل کرنا چاہا۔ جب اس میں ناکام ہوا تو اسے ایک غیر متعلقہ قتل میں جو اتفاق سے یونیورسٹی کے گیٹ پر اس کی موجودگی میں ہوا اور جس میں شبیر انسانی ہمدردی کے تحت ایک انسان کو خودکشی سے روکنے کی غیر اختیاری و اختیاری حرکت کے تحت ملوث ہو گیا۔ قتل کا الزام اس کے سر پہ ڈال کر اسے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اپنی بیٹی کی موت کی خبر حیدر زماں تک بھی پہنچی تھی۔ کئی دن وہ لندن میں اسی شدید صدمے سے دوچار ہاسپٹل کے ایک کمرے میں زیر علاج رہے۔ پندرہ روز بعد پاکستان آئے۔ وہ خود بھی ایک لائق اور ہونہار قانون دان تھے۔

نوشی نے مرنے سے ایک دن قبل ایک رجسٹرڈ لیٹر میں اپنی بربادی، اپنے عزائم اور اپنی مسائل کی ساری داستان انہیں لکھ دی تھی۔ اور مرنے سے قبل کی رات اس نے فون پر انتہائی دلگیر لہجے میں انہیں باخبر کیا تھا کہ وہ امتیاز رند کو قتل کر کے اور خود کو اپنے ہاتھوں مار کر ہی اپنی ذہنی اور روحانی اذیت سے نجات حاصل کر سکے گی۔

حیدر زماں نے پاکستان آ کے شبیر سے جیل میں ملاقات کی۔ جمال احمد بھی ان سے ملے۔ نوشی کی ناتواں کے ایک ایک پل سے واقف تھیں۔ لڑکوں نے ان سے نوشی کے بارے میں ایک ایک بات پوچھی۔ لڑکے کسی منظم سرکاری یا غیر سرکاری سراغ رساں ایجنسی سے بھی زیادہ بہتر کام کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں نوشی کا ڈرائیور شیرو اس قتل کے متحرک واقعے کا اہم کردار تھا۔ آٹھ دن کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد وہ شیرو کو زیر تفتیش لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس نے پولیس کے سامنے یہ اعتراف کر لیا کہ وہ امتیاز رند کی طرف سے معقول رقم کی فراہمی پر نوشی کو اس کی رہائش گاہ پر بے ہوشی کے عالم میں چھوڑ آیا تھا۔

کیس کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھنے لگیں۔ شبیر ضمانت پر رہا ہو گیا۔ ایک ہفتے بعد کیس کی سماعت کے لیے تاریخ بھی دے دی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پورے چوبیس دن بعد گوہر گھر سے نکلی تھی۔ شبیر کو کھو دینے کے بعد یہ جہاں اس کے لیے کتنا عجیب ہو گیا تھا۔ کتنا خالی خالی وہ دوران سفر شبیر کو سوچتی رہی۔ یونیورسٹی میں گزرے ہوئے عبداللہ پور میں ایک ساتھ گزارے ہوئے دن رات۔ شبیر کی بے تاب محبتیں، بلند و بالا الفاظ۔ اس کی سنجیدگی اور کے ٹھوس دعوے۔ اس کا وقار، اس کا مضبوط کردار۔ دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے اور دونوں ہی جی رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جدا ہو کے۔ وہ سمجھتی تھی، شبیر ایک دن کے لیے جدا ہو جائے، وہ مر جائے گی۔ شبیر کا خیال تھا گوری کو دیکھے بنا کوئی صبح صبح ہی نہیں ہو گی۔ لیکن وہ جدا ہوا تو گوری کو موت نہیں آئی۔ شبیر نے اسے نہیں دیکھا تو بھی صبح اسی شان سے رات کو مات دے کے آتی تھی۔

غلطی کس کی تھی؟ بدلا کون تھا؟

وہ یا شبیر۔

شاید وہ ہی بے حوصلہ تھی۔ ایک بات نہ سہہ سکی۔

شاید محبت اتنی ہی بے حوصلہ ہوتی ہے۔ محبت کے دامن میں تو محبت کی جگہ ہی ہوتی ہے نفرت کا ایک خار بھی اس میں نہیں سما سکتا۔

شاید اسے بات کرنے کا ڈھنگ نہ تھا۔ وہ اس سے بدل ہی گیا تھا تو اسے کسی سلیقے اور طریقے سے ہی مطلع کرتا۔ کچھ دن اس سے یہ واردات چھپا ہی لیتا۔ اسے جھوٹ سے بہلاتا رہتا۔ پر اس نے تو جھٹ سے ایک بم اس پر گرا دیا۔ محبت کی بگیا میں کھلے پھولوں میں آگ لگا دی۔

وہ سب کچھ بھول گیا اپنے وعدے بھی۔ عہد بھی۔ ساتھ گزرے دن بھی۔ خوابوں میں بسر ہوئی راتیں بھی اپنے خواب بھی۔ خوابوں کے تانے بانے بھی۔ معاملات محبت میں کھو کر شبیر اور اس کی ہر بات کو معتبر جان کر وہ وہم و گمان سے بہت دور یقین کی سرحدیں پار کر کے اعتبار و اعتماد کی پرسکون فضا میں آ پہنچی تھی۔ شبیر کی سنگدلی نے اس کا وجود ہی ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ حالات کیسے اچانک بدل گئے، وہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہونے سے قبل موت کی غرض سے ہی کبھی اس سے مل بھی نہ سکی۔ جدائی دونوں کے لیے نقصان کا باعث ہی بنی۔ گوہر نے تو اعتبار و اعتماد ہی کھویا مگر شبیر سے تو زمانہ ہی روٹھ گیا۔ حالات ہی خفا ہو گئے۔ تقدیر نے اسے مجرموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ محبت میں گناہ معاف کر دینے کی خاصیت بھی ہے۔ دنوں بعد گوہر...... کے دل نے اس کے دماغ کی ساری تاویلوں کو شکست دے دی۔ گھر والوں کے واضح فیصلے کے باوجود ایک آرزو نے اس کے شب و روز کا چین چھین لیا۔ شبیر کو دیکھ لینے کی آرزو۔ اس سے پوچھ لینے کی آرزو کہ جس کی خاطر تم نے گوری کو بھلا دیا۔ اسے موت کے حوالے کیوں کیا؟

اسی آرزو کے پورا ہونے کے یقین میں وہ نبیل اور جوہر کے ساتھ چلی آئی۔

انہیں لینے کے لیے مامون واسطی ایئرپورٹ پر موجود تھا۔

اسے دیکھ کر گوہر کے چہرے پر غیر محسوس سی ناگواری آ گئی۔

نبیل بھائی مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تو وہ ان سے لپٹ گیا۔

"آیئے آیئے جوہر آپا! ماں جی کو تو بڑی فکر تھی۔ وقت سے پہلے ہی بھیج دیا مجھے۔ آداب گوہر جی۔ کیسی ہیں آپ؟ آپ نے تو ہمارا پتا ہی کاٹ دیا۔ ماں جی کے لبوں پر بس ایک ہی نام ہے۔ ہمیں تو بھول ہی گئی ہیں۔"

مامون نے نبیل بھائی کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا۔

گوہر خاموش رہی۔ جیسے کوئی بے کس لٹ جانے پر چپ چاپ کھڑا رہ جائے۔ ایئرپورٹ پر خاصا رش تھا۔ گوہر بھرے بازاروں میں بھی خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی اور گرد سے بے خبر ہی رہتی۔

"رش کیسا ہے؟" نبیل نے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہاں تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے کسی نہ کسی وجہ سے۔ وزیروں مشیروں اعلیٰ عہدیداروں کا آنا جانا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ آپ چلیے نا گاڑی اس طرف روکی ہے میں نے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتا کر نبیل اور جوہر کو چلنے کا موقع دیا۔ اور خود اس کے ساتھ ہو لیا۔

"گزرتے وقت کے ساتھ حالات کتنے بدل جاتے ہیں۔ جو ناممکن لگتا ہے، وہ ممکن ہو جاتا ہے۔ دیکھ لیجیے مثال ہی۔ پھر میرا آپ کے ساتھ چلنا۔"

"ہاں۔ جی ہاں۔" گوہر کا دم اس کے حلق میں اٹکا ہوا تھا۔ آنکھیں برس پڑنے کو تیار تھیں۔

"گوری! ہم قدم سے قدم ملا کر افق کے اس پار تک ایک ساتھ چلتے جائیں گے۔ ہم دونوں کے درمیان کبھی کوئی دیوار نہ ہوگی۔ کتنے خوش نصیب ہیں ہم دونوں۔ وقت نے کیونکر ہمارا ساتھ دیا ہے۔ حالات کیسے ہمارے ہمراہ معاون بن کر چل پڑے ہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ حالات کتنے بدل جاتے ہیں۔ جو ناممکن لگتا ہے وہ ممکن ہو جاتا ہے' بلکہ جو تصور میں بھی نہیں ہوتا وہ اچانک مل جاتا ہے۔ پہلی بار میں نے تمہاری روتی بسورتی شکل دیکھی تھی۔ جب پھپھو کے گھر آیا تھا۔ کسی کو کیا خود مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک دن یہ لڑکی میری زندگی کا حاصل بن جائے گی کیسی عجیب بات ہے۔"

شبیر کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"بعض لوگوں کے اقدام غیر محسوس طریق پر بعض لوگوں کے لیے سود مند ثابت ہو جاتے ہیں۔ جیسے شبیر کا جرم ہمارے لیے خوشیاں لے آیا۔ آپ پر اس کی اصلیت نہ کھلتی تو آپ آج میرے گھر کی فرد بنی میرے ساتھ نہ چل رہی ہوتیں۔"

گوہر نے اس کی طرف دیکھا۔

"شبیر کو مجھ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ لیکن دیکھیے کیسا حسین اتفاق ہے۔" وہ اس کے سامنے شکوہ کناں تھا ساتھ ہی خوش بھی۔

"کیسا اتفاق۔"

"میرا ایک بیان اسے موت کی تاریک وادیوں میں اتار دینے کو کافی ہے۔" وہ اترا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" گوہر کو یہ بات کتنی بری لگی تھی۔

"میں اس قتل کا عینی گواہ ہوں اور میرے ساتھ میرے دو دوست بھی۔ ہم اتفاق سے جائے حادثہ پر موجود تھے۔ ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شبیر قتل کرنے میں حق بجانب تھا۔ جیسے سند قبولیت دے دی جائے وہ عزت بن جاتی ہے۔ امتیاز رند نے نوشابہ سے راہ و رسم پیدا کر کے شبیر کی غیرت کو للکارا تھا۔ سو اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ آپ میری تھیں میرے بھائی کی منسوبہ ہیں کوئی آپ کو تیز سی نگاہ سے دیکھے میں اسے یہیں زمین میں گاڑ سکتا ہوں۔"

گوہر کے دل پر لگے بے وفائی کے زخم پھر سے تازہ ہونے لگے۔ اس نے تیز تیز قدم اٹھائے۔ وہ تو شاید اس دنیا سے' مامون واسطی سے' سب سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ لیکن اسے مامون واسطی کی طرف جانا پڑا سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

جھلمل ستاروں کا آنگن ہوگا
رم جھم برستا ساون ہوگا

مامون نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی کہ میوزک بجنے لگا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"شبیر۔ شبیر۔ او بے وفا شبیر۔ تم نے تو وفا کی سر عام توہین کی ہے۔ مجھے تماشہ بنا دیا ہے۔ مامون کیا جتا نا رہا تھا' مجھے سب خبر ہے۔ شبیر۔ میں نے تمہیں اپنے دل کے ساتویں آسمان پر جگہ دی تھی۔ بہت اونچا مقام تھا۔ تم میری نظروں سے گر گئے ہو شبیر۔ تم میرے دل کی اونچی مسند سے گر گئے ہو شبیر۔ تم وہ نہیں تھے شبیر۔ جو میں نے تمہیں بنا دیا تھا۔ اور یہ تم نہیں گرے۔ میں اپنی نظروں سے آپ گر گئی ہوں۔ تمہاری اس مذموم حرکت پر تمہارا سے سوال کرنے ضرور آؤں گی۔ میں تمہارا گریبان ضرور تھاموں گی۔ ہائے شبیر۔ محبتیں بکھر جائیں۔ محبوب!

معتبر ثابت ہو تو اپنا آپ کتنا بے وزن لگنے لگتا ہے۔ کتنا غیر اہم۔"

"گوری؟" جوہر آپا نے اسے بلایا۔

وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ انہوں نے مامون سے نظر بچا کے اسے نظروں ہی نظروں میں تنبیہ کی۔ محتاط رہنے کی' خوش نظر آنے کی۔

ایئرپورٹ پر اسے سی آف کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ نوشی کی نانو بھی اپنے داماد حیدر زماں کے ساتھ آئی تھیں۔ یونیورسٹی کے اکثر طلبا' بلکہ انجینئرنگ یونیورسٹی اور دوسرے کالجوں کے لڑکے اور لڑکیاں بھی وہاں موجود تھیں۔ وی آئی پی لاؤنج کی طرف آتے ہوئے ڈاکٹر ہنری' عدی بن جمال' ممی اور عذرا اس کے ساتھ تھے۔ جمال احمدان سے پہلے اندر جا چکے تھے۔ اخباری نمائندے اس کے آگے پیچھے تھے۔ اس کے خیالات جاننے کو بے چین اس کے ایک لفظ کے منتظر۔ وہ کتنا مضمحل اور اداس تھا۔ کتنا چپ چاپ۔ عدی اس بات کو محسوس کر رہا تھا۔ ممی شاید کسی شناسا خاتون سے ملنے کے سبب پیچھے رہ گئی تھیں۔ عدی اور شبیر رک کر انتظار کرنے لگے۔ اچانک شبیر کی نظریں اٹھیں۔ وہ گوہر کی ذات' اس کے وجود اور اس کے چہرے سے کتنا آشنا تھا۔ وہ تو اسے پردوں میں سے بھی شناخت کر لینے کا دعویدار تھا۔ سامنے جاتی گوہر کو کیسے نہ پہچانتا۔ وہ ایک نظر اسے دیکھتا رہا گیا۔ اس کے ساتھ نبیل بھائی تھے۔ جوہر آپا تھیں اور اور حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ اس کا دیرینہ بدخواہ اس کا دشمن مامون واسطی بھی تھا۔ جس قسم کر جانے کیا کہتا جا رہا تھا۔

"گوہر۔ گوری!" الفاظ اس کے لبوں میں دب کر رہ گئے۔

"شمی۔ شمی۔ ممی بلا رہی ہیں۔ وہ خاتون تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ عدی تم سے بھی' دونوں میرے ساتھ آؤ۔ ڈاکٹر ہنری ڈیڈی کے پاس چلے جائیں گے۔"

"کس سے ملوانا چاہ رہی ہیں ممی۔ ایک تو ان خواتین کی ہر قدم پر کوئی شناسا خاتون نکل آتی ہیں۔" عدی بڑبڑایا۔

"نخرے مت دکھاؤ۔ اپنے دوستوں سے اپنی اولاد کو متعارف کرانا ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔" عذرا سنجیدگی سے بولی۔

"ممی کو جانے کیا ہے اور یہ شبیر اس وقت کسی سے ملنے کی پوزیشن میں ہے بھی کہ ایسے ہی۔" عدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تم جا کے کہہ دیتی ہوں۔" عذرا نے آنکھیں دکھائیں۔

"آؤ یار! چلے چلتے ہیں۔" شبیر نے قدم اٹھایا تو عدی بھی چل دیا۔ وہ کیسے ممی کی حکم عدولی کر سکتا تھا۔

"کیا ضرورت تھی یہاں رکنے کی۔ میں خواتین کی اس ملنساری سے بھی الرجک ہوں۔" عدی کو اس کی سعادت مندی ایک آنکھ نہ بھائی۔

"ایسا نہیں کہتے۔ اور وہ بھی ماں کے بارے میں۔" شبیر نے نرم دلی سے اسے ٹوکا۔ ایک بار پھر اس نے سامنے دیکھا وہ اب بھی مامون واسطی کے سنگ چلی جا رہی تھی۔

"یہ..... یہ گوہر اور مامون واسطی کے ساتھ اور ساتھ میں نبیل بھائی اور جوہر آپا بھی۔" وہ اندر ہی اندر حیران تھی کی دوست کو آداب کہتے ہوئے اس نے اپنے تازہ ترین تاثرات چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ ممی محو گفتگو ہو چکی تھیں۔

"میرا بیٹا قتل کے جھوٹے مقدمے میں الجھا دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے خدا کے انصاف کا پورا یقین اور اس کی رحمت پر بھروسہ ہے۔" وہ خاتون یقیناً اس سانحے سے بھی آگاہ تھیں۔ خاتون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میں سجاد رحمانی کی ماں ہوں بیٹا ....." خاتون نے اسے مخاطب کیا تو اس نے حیران ہو کے انہیں دیکھا۔

"سجاد نے مجھے بتایا تھا تم ضمانت پر رہا ہو کے اپنے گھر جا رہے ہو۔ میں تمہیں دیکھنے کی خواہش پر قابو نہ پا سکی۔ سجاد اپنے خاندان کا نور میرا واحد سہارا ہے۔ تم نے اسے ذہنی و مالی آسرا نہ دیا ہوتا تو آج وہ ترقی کی راہ پر چلتے ہوئے ترقی کا امیدوار نہ ہوتا۔ تمہارا اچھا کردار تمہارا دردمند دل دنیا کے لیے ایک مثال ہے۔ مجھ جیسی جانے کتنی بے یار و مددگار ماؤں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا بیٹے۔ اس آزمائش سے تم سرخرو نکلو گے۔ یاد رکھنا۔" خاتون نے اس کی پیشانی چوم لی۔

وہ خالی الذہن ہوتا تو اس اظہار محبت پر جانے کتنا خوش ہوتا۔ شکریے کے طور پر جانے کتنے الفاظ کہتا۔ مگر اس وقت تو اس کے دل و ذہن پر ایک ہی بوجھ تھا ایک ہی دباؤ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نبیل بھائی اور جوہر آپا، نواز عسکری کے ہاں ملنے کے لیے چلے گئے تھے۔ جوہر کے لاکھ کہنے پر وہ ان کے ساتھ نہ جا سکی تھی۔ وہ گھر جو یادوں کا مسکن تھا۔ وہ گھر جہاں وہ شبیر کی آمد کے انتظار پھر اس کی قربت میں اور راتیں اس کے حسین تصور سے سجی گزرتی تھیں..... وہ گھر جس کی دیواروں سے اس نے بار ہا شبیر کی باتیں کی تھیں۔ وہ گھر جہاں اس نے شبیر سے اقرار محبت کے حسین لمحوں کو بار ہا سوچا تھا اور وہ گھر جہاں شبیر کے بارے میں اچھی خبر نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول بار ہا سجائے تھے۔ وہ گھر جہاں شبیر نے کسی دوسری لڑکی کو منتخب کر لینے کی خبر دے کر اس سے محبت کا افتخار چھین لیا تھا۔ وہ گھر جہاں شبیر کے قاتل ہونے کی خبر پا کے وہ ہوش سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ وہ گھر ایک خوفناک ہیولا بن کر اس کے دل و نظر کے سامنے لہرا رہا تھا۔ وہ اس گھر سے دور رہنا چاہتی تھی۔ وہیں تو اس کے والد نے اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اسے ہمیشہ کے لیے شبیر کی دنیا سے دور کر دیا تھا..... وہ اس گھر میں کیسے جاتی۔ جن یادوں نے ہزار خواہش کے باوجود اسے جکڑ رکھا تھا۔ وہ یادیں اس گھر میں جا کر تو کسی پاگل وحشی کی طرح اسے جھنجوڑ ڈالتیں۔ وہ پہلے ہی بے سدھ اور کم ہمت ہو رہی تھی۔ نیم جان تھی..... وحشی یادیں اسے مار ڈالتیں۔ وہ نہیں گئی۔

امین واسطی اور بیگم واسطی اپنے کمرے میں تھے۔ فون پر انہوں نے اسے اپنے کمرے میں آنے کو کہا تھا۔ ساتھ کے دو کمروں میں شاید ان ہی کی رہائش تھی۔ جوہر آپا کو گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ یادوں کے بھنور سے نکل کر اس نے جلدی سے منہ ہاتھ دھویا۔ بال سنوارے اور ان کی طرف چل دی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ سامنے بیڈ پر امین واسطی بیٹھے تھے۔ بیڈ کے ساتھ بڑی ایزی چیئر پر مامون براجمان تھا۔ دونوں کا رخ اس طرح سے تھا کہ دروازے پر رکی گوہر انہیں دیکھ رہی تھی لیکن وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ آپس میں بات کر رہے تھے۔ وہ رک گئی اور چونک اٹھی۔ ذکر شبیر کے کیس کا تھا۔

"اخبار کی خبر کا متن یہ ظاہر کرتا ہے کہ شبیر کے خلاف کیس کی نوعیت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ لڑکوں نے انتظامیہ کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ شہر میں کل بھی اسی سلسلے میں مظاہرہ کیا گیا تھا۔ یونیورسٹی ہنگامی صورت حال کے پیش نظر بند ہے۔ کالج بند ہیں۔ سمجھو سارا نظام تعلیم درہم برہم ہے مامون! زندگی میں لڑائی جھگڑے ہوتے فساد

ہوتے رہتے ہیں۔ یہ جوانوں کا ہی کام ہوتا ہے۔ لیکن اتنے بڑے معاملے میں..... اتنا سفید جھوٹ بول کر کسی کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دینا..... نہیں..... نہیں..... میرا دل اسے قبول نہیں کرتا۔ جب سے میں حج کی سعادت حاصل کر کے روضہ رسول اللہ کی جالیوں سے لپٹ کے، خانہ کعبہ کی دیواروں کو گلے لگا کے رو رو کر گڑگڑا کر خدا سے معافی مانگ کے آیا ہوں۔ میں نے سچے ناجائز کاموں سے توبہ کر لی ہے بیٹے! تم نے شبیر کے ساتھ دشمنی بڑے اوچھے انداز میں نبھائی ہے۔ تم بھی بچے ہو وہ بچہ ہے۔ تمہارے الفاظ اسے موت کی طرف لے جانے میں کوئی تاخیر نہ ہونے دیں گے۔ لیکن جانتے ہو اس جھوٹ کا انجام..... میرے گھر کی رونق تم دو بھائی ہی ہو۔ نیلما کا کیا ہے وہ پرائی امانت ہے۔ میں خدا کی بے آواز لاٹھی سے ڈرتا ہوں۔ اس کی سب کتنا ہی ہمیں بھی لے ڈوبے گی۔ تم اپنے باپ کو تو سچ بتا دو جو تم جانتے ہو جو تم نے دیکھا ہے۔"

"دیکھنے سے کیا ہوتا ہے بابا جان..... اہمیت صرف اس بیان کی ہوتی ہے جو آپ عدالت کے سامنے دیں۔" کتنا کمینہ تھا وہ.....

"پھر بھی۔" باپ کے کہنے پر مامون نے سر جھکا لیا۔

"حقیقت تو یہی ہے کہ امتیاز رند کو گولیوں سے چھلنی کر کے اس نے ریوالور اپنی کنپٹی سے لگا دیا۔ شبیر نے اسے بچانے کی کوشش کی، ریوالور اس سے لینا چاہا لیکن اس نے بھرپور قوت لگا کر خود کو گولی مار لی۔ میرے ایک دوست نے اسی وقت قریبی پولیس اسٹیشن فون کر دیا۔ شبیر ابھی اس اچانک حادثے سے سنبھل ہی نہ پایا تھا۔ نوشابہ کو سنبھالتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریوالور اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ زمین پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ چلا چلا کر اسے پکار رہا تھا کہ پولیس وہاں پہنچ گئی۔ ظاہر ہے عین جائے واردات پر لاش بھی ہو، مجرم بھی اور آلہ قتل بھی تو آپ خود سوچیے۔ پولیس کی کارروائی کیا ہو سکتی ہے۔ پھر مجھے تو شبیر سے کئی حساب چکانا تھے بابا..... آپ کو یاد ہے شبیر نے اس لڑکیوں والے کیس میں کیسے آپ کی توہین کرائی تھی ڈی آئی جی سے۔ مجھے وہ الفاظ اب تک یاد تھے۔ اور بابا جان۔ عام حالات میں وہ کبھی گوہر سے دستبردار نہ ہوتا۔ گوہر ہارون بھیا کی پسند تھی۔ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا میرا فرض تھا۔"

"بہرحال تم نے اچھا نہیں کیا۔ دشمنی کو اس حد تک نہیں لے جانا چاہیے کہ آدمی ضمیر کی ملامت سے ہی بے موت مرتا رہے۔ اس کے خلاف جھوٹی گواہی دے کر اسے موت کے منہ میں دے کر تم بھی چین سے نہیں رہ سکو گے۔ تمہارے باپ نے چوریاں کرنے والوں کی رسہ گیری کی ہے۔ زمینوں کے لیے جنگ لڑی ہے۔ پانیوں کی تقسیم پر جھگڑے کیے ہیں۔ لڑکیوں کی شادیوں اور اغوا کے کیس نپٹائے ہیں۔ لیکن جھوٹ بول کر کسی بے گناہ کو تختہ دار پر نہیں کھڑا کیا۔"

"ہم لوگوں نے کئی وکلا سے بات کی ہے۔ ہمارے صرف نام درج ہیں۔ ہم نے کسی عدالت میں گواہی کے طور پر ایک حرف نہیں کہا..... چلیے آپ یہ شادی ہو لینے دیجیے۔ گوہر ہمارے گھر آ جائے۔ پھر مجھے اس کے جینے یا مرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی..... اور بابا جان اگر آپ اسے زیادتی سمجھتے ہیں تو میں شبیر کے خلاف کوئی بیان نہیں دوں گا۔ سراسر لاعلمی کا اظہار کروں گا۔ سنا ہے اس کے حق میں بیان دینے کے لیے کافی لوگ موجود ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے نوشابہ کو اپنی آنکھوں سے امتیاز رند کو قتل کرتے اور خود پر گولی چلاتے دیکھا ہے۔ ہماری طرف سے اظہار لاعلمی اور ان کی طرف سے یہ شہادت..... کیس کو کمزور کر دے گی۔ اور آپ کی خواہش کے مطابق شبیر بری ہو جائے گا۔ بابا! گوہر اس کی منگیتر..... وہ اسے پسند کرتا تھا۔ میرا خیال ہے زندگی بھر کے

لیے یہ روگ اسے کافی رہے گا۔ انتقام کی بہترین صورت تو یہی ہے۔ لیکن آپ یہ بھی مانیں بابا جان! اگر وہ قتل کے اس مقدمے میں نہ الجھتا تو ہم یقینی میں اپنے مشن میں ناکام رہتا۔"

"نادان جو ہو...... بس مجھے عزیز ہو میری کمزوری ہو...... اس لیے فائدہ اٹھاتے رہتے ہو۔ ایسا پھڈا ڈالنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہارون جیسے بیٹے کے لیے رشتوں کی کیا کمی تھی۔ دیکھ لینا، یہ رشتہ عمر بھر......"

"آپ سمجھیں نا بابا جان...... وہ گوہر کو پسند کرتے ہیں۔"

"بہر حال جو ہونا تھا سو ہو گیا...... کسی کے خونِ ناحق سے تمہارا دامن داغ دار ہو، یہ مجھے گوارا نہیں۔ مجھے کسی ماہر قانون دان کے پاس لے چلو۔ میں خود بات کروں گا۔"

مامون مسکرا دیا۔

گوہر کے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔ وہ ہل بھی نہ سکی۔ اب اس کے کان سننے سے قاصر ہو چلے تھے۔ وہ باپ بیٹا کیا کہہ رہے تھے۔ اس سے وہ بالکل بے نیاز ہو گئی۔

"قتل شبیر نے نہیں کیے...... قتل اس نے نہیں کیے...... وہ قاتل نہیں۔ وہ ظالم نہیں ہے۔" گوہر کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں کپکپی سی طاری ہونے لگی۔ یہ انکشاف کتنا حیات بخش تھا کہ قتل اس نے نہیں کیے تھے۔ وہ الٹے قدموں اپنے کمرے میں آ گئی۔ دوڑتی ہوئی بھاگتی ہوئی۔ چند قدموں میں ہی بے دم ہو گئی۔ لاکڈ دروازہ کھول کر اندر آئی اور بیڈ پر دھم سے گر پڑی۔ اب وہ رو رہی تھی...... بے تحاشا، بے اختیار۔

"شبیر...... شبیر...... تم کہاں ہو شبیر...... میں نے کیسی خبر سنی ہے؟ کیسا انکشاف ہوا ہے مجھ پر؟ تم نے...... تم نے کسی کو نہیں مارا...... تم اسے قتل اور خودکشی سے باز رکھنے کے جرم میں پکڑے گئے ہو۔" وہ بستر سے اٹھی سامنے رکھی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ مسکراتے لب، ڈبڈبائی آنکھیں، ناک کے پھڑپھڑاتے نتھنے، کانپتے ہاتھ...... اس نے اپنے ہی ہاتھوں میں اپنا چہرہ تھام لیا۔ اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ غور کرنے لگی۔

"یہ جو کچھ میں نے سنا ہے، یہ سچ ہے نا...... میری سماعت نے، میری بصارت نے کوئی دھوکا تو نہیں کھایا نا...... مجھے غلط فہمی تو نہیں ہوئی نا...... میرا شبیر بے گناہ ہے نا...... گوہر! جو بوجھ اتنے دنوں سے تیرے دل پہ تھا۔ جس شرمندگی نے تیرا سر اپنے سامنے ہی جھکا دیا تھا، وہ بوجھ بے بنیاد تھا۔ وہ شرمندگی بے جا تھی۔ تیرا من میت اتنے گھٹیا ذہن کا نہ تھا۔ اتنا بے حوصلہ نہ تھا۔ اتنا شقی القلب نہ تھا۔ وہ تو سچ مچ زندگیاں دینے کی بات کرتا تھا، لینے کی نہیں...... وہ تو امتیاز، رحما اور نوشابہ کو بھی بچانا چاہتا تھا۔ وہ تو مسیحا تھا، قاتل نہیں۔"

اس نے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"اب اگر وہ پھانسی چڑھ بھی جائے۔ قانون کی آنکھیں سچ دیکھنے سے قاصر بھی رہیں تو اسے کوئی دکھ نہ ہوگا۔ جانے کتنے بے گناہ مامون جیسے درندہ صفت جھوٹے گواہوں کی شہادت کی بنا پر صلیب پر لٹک چکے ہوں گے۔ جانے کتنی زندگیاں کسی بے درد انسان کی ستم ظریفی نے تباہ کر دی ہوں گی۔ الٰہی! یہ تیرا جہاں کیسا ہے؟ تو جو سب کچھ دیکھ رہا ہے، تو ایسے ظالم لوگوں کو سخت ترین سزا اسی دنیا میں کیوں نہیں دیتا۔ جو اپنے آپ کو طاقتور سمجھتے ہوئے شریف انسانوں کی، بے ضرر لوگوں کی زندگیاں برباد کر دیتے ہیں۔ کبھی طاقت سے اور کبھی صرف الفاظ سے۔"

دروازے پہ دستک ہو رہی تھی۔ وہ اٹھی۔ جلدی سے اپنی نم آنکھیں دوپٹے کے آنچل سے پونچھیں۔

"اندر آ سکتا ہوں؟" مامون واسطی کی آواز پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ ابھی تک اپنے کمرے میں ہیں...... بابا جان چائے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ آپ ایک ٹک مجھے دیکھے جا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ تیار ہیں، آیئے نا گوہر جی! اماں جی رات سے ہی آپ کو مس کر رہی ہیں۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اصل میں ہم سب کو ابھی جیولرز کی ہاں بھی جانا ہے نا۔"

"کیا ضرورت ہے اس سب کی؟" اس کے لہجے میں پراسرار سرد مہری تھی۔ آنکھوں میں سراسر اجنبیت۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"وہی جو مجھے کہنا چاہیے۔" اس نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"یعنی......" مامون نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ کتنے گھٹیا انسان ہیں...... اس کا مجھے کوئی اندازہ نہ تھا۔ مجھے افسوس ہے آپ اس رشتے کی بنیادیں جو آپ نے دھاندلی سے میرے ساتھ جوڑ لیا ہے، کسی بے گناہ کے خونِ ناحق سے اٹھانا چاہتے ہیں۔ ویری سوری مامون واسطی...... ویری ویری سوری...... ایسے انسان سے اتنا اہم رشتہ جوڑنا تو کجا، میں اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ میں جا رہی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت...... میں...... میں سب کو بتا دوں گی...... سب کو۔ شبیر کی بے گناہی اور تمہاری خباثت......"

اس نے دروازے سے باہر نکلنا چاہا۔ مامون نے اس کی راہ روک لی۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔ جانے دو مجھے...... اب مجھ میں حالات کو فیس کرنے کا حوصلہ ہے۔"

مامون غور سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم سے سب سمجھ گیا۔

"ہٹ جاتا ہوں راستے سے۔" اب اس کے سرد لہجے میں نہ احترام تھا نہ محبت۔ صرف ایک دھمکی تھی۔

"جانے دیتا ہوں تمہیں...... لیکن سوچ لو غور کر لو...... شبیر کی تقدیر کا فیصلہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کی تقدیر اب بھی میری مٹھی میں بند ہے...... چلی جاؤ جہاں بھی جانا چاہ رہی ہو...... لیکن یہ طے کرنے کے بعد کہ تمہیں کیا چاہیے۔ شبیر کی زندگی یا اس کی موت۔"

گوہر گردن قدرے اونچی کیے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

مامون کی نگاہیں اس کے وجود میں نشتر کی طرح چبھ رہی تھیں اور چہرے کی سختی اس کے دل میں خوف کی ٹھنڈک اتار رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، پھر رک گئی۔ پھانسی کا پھندا اس کی نظروں کے سامنے لہرا رہا تھا۔

☆☆

"دیکھو، محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ تم اسے زندگی گزارنے کا موقع دو...... اپنی زبان بند رکھو...... ورنہ... بات تو وہی رہے گی بلکہ اس سے بھی خطرناک ہو جائے گی۔ نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ وہ ہی نہ ہوگا تو تم کس کے سہارے کس کی خاطر جیو گی...... ہم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی اپنی جگہ حالات سے سمجھوتا کریں۔"

"نفرت ہے مجھے سمجھوتوں بھری زندگی سے۔ میں سو بار انکار کرتی ہوں۔ تم سے بھیک میں مانگی زندگی جینے والے شبیر سے بے گناہی سمیت تختہ دار پہ چڑھ جانے والا شبیر مجھے زیادہ عزیز ہوگا۔ تم محبت کے اعلیٰ ترین جذبوں کی گہرائی سے آگاہ نہیں۔ کسی بہت ہی عزیز شخص کے عدم ہو جانے پر زندگی خوابوں کے، یادوں کے سہارے تنہا گزار دینے کا حوصلہ بہت سے دیوانوں میں ہوتا ہے۔ میں جی لوں گی۔ کم از کم کوئی بوجھ تو میرے دل پر نہیں ہوگا۔"

"گوہر......!" مامون کے لہجے میں پھر نرمی آ گئی۔

"گوہر......! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں نے سب سمجھ لیا ہے۔ گھٹیا پن کی اس سے بڑی مثال اس دنیا میں اور کہیں نہیں ہوگی۔ تم انتہائی ذلیل انسان ہو...... اس دنیا میں رہنے کے قابل بھی نہیں ہو۔ تم نے ایک بے گناہ کو جس طرح مجرموں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ خدا اس کا حساب لے گا تم سے۔"

گوہر کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ مامون پل پل گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا تھا۔ نرم لہجے میں بات کرتے کرتے وہ پھر بپھر اٹھا۔

"حساب کتاب تو جب ہوگا تب ہوگا...... لیکن کان کھول کر سن لو۔ مامون نے کبھی ارادے بدلنا نہیں سیکھا۔ کیا ہو تم؟ ایک عام سی لڑکی...... ایسی ہزار لڑکیاں میری ایک ٹھوکر میں میرے ارد گرد نظر آ سکتی ہیں۔ کسی زعم میں نہ رہنا...... تم بھیا سے شادی سے انکار کر کے تو دیکھو، زندگی حرام نہ کر دوں تمہاری تو کہنا۔ سانپ کا سر کچلنے میں، میں کیوں دیر کرنے لگا۔ شبیر کا نصیب پھانسی کا پھندا ہی ہوگا۔ میرے الفاظ اس کی تقدیر بن چکے ہیں۔ یہ ہوتا ہے اور ہو کر رہے گا۔"

"مامون...... انسان ہی رہو...... خدا بننے کی کوشش مت کرو۔"

"تم بھی...... سیدھی بات کرو۔ راہ پر آ جاؤ...... یقین کرو ایک مرد تم سے وعدہ کر رہا ہے۔ قول دے رہا ہے۔ میں اس سے لاتعلق ہو جاؤں گا۔ اپنی زبان بند رکھوں گا۔ شبیر بری ہو جائے گا۔ اس مقدمے کی پہلی تاریخ کی سماعت ساتویں دن ہے۔ یعنی شادی ہو جانے کے دوسرے دن جب مجھے گواہ طلب کیے گئے میں عدالت کے سامنے کہہ دوں گا کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ سوچ لو غور کر لو۔ یہ سودا مہنگا نہیں۔"

گوہر خالی دماغ خالی دل اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"بھئی بچو! حد کر دی تم نے، مامون! تم بھی یہیں کے ہو گئے۔ تمہارے بابا جان انتظار کر رہے ہیں۔ دوسری بار چائے منگوائی ہے۔ چلو بیٹی...... ! چائے پی لیں۔ پھر باہر بھی جانا ہے۔" گوہر نے ہڑبڑا کے بیگم واسطی کو دیکھا۔

"چلیے تو بھابی دی گریٹ...... ماں جی اصل میں ہم ایک اہم گفتگو کرنے لگے تھے، چائے بھول گئے۔" گوہر بادل ناخواستہ ان دونوں کے ساتھ چل دی۔ کتنا اداکار قسم کا شخص تھا یہ مامون واسطی۔ پل میں کچھ پل میں کچھ۔

تینوں اندر داخل ہوئے۔ امین واسطی اسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"بڑی دیر کر دی بیٹی!"

"بابا جان! آپ تو جانتے ہی ہیں خواتین کی تیاری بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ کسی بھی خطے کے مرد سے پوچھ لیں۔ ماں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں سے یہ شکوہ تو بہر حال ہوگا۔"

امین واسطی ہنسنے لگے۔ وہ صوفے پر ٹک گئی۔ انتہائی پریشانی کے اس عالم میں ان لوگوں کے درمیان بیٹھنا، چائے پینا اور ان سے باتیں کرنا کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ وہ وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھی۔ کسی بات کا صحیح جواب نہیں دے پا رہی تھی۔

"کس سوچ میں گم ہو بیٹی؟" امین واسطی بھی گوہر کو چاہنے لگے تھے۔ شاید اس کی بہت سی وجوہات تھیں۔

"جی...... نہ...... کچھ نہیں۔"

"تو پھر چائے پیو نا۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"جی...... ہاں...... لے رہی ہوں۔" اس نے کپ ہاتھ میں پکڑا۔ مامون کی نظریں اس پر جمی تھیں۔

"رشتے ناتے آسمان والا ہی جوڑتا ہے۔ کسے خبر تھی اتنی پیاری بچی ایک دن ہمارے گھرانے میں ایک بہو کی حیثیت سے شامل ہو جائے گی۔ میں کتنی خوش نصیب ہوں۔ تمہیں پا کر کتنی خوش ہوں۔ ہارون میرا کتنا پیارا بیٹا ہے۔ بہت ہی نیک اور سعادت مند۔"

"اور میں ماں جی؟" مامون جھٹ مسکراتے ہوئے ماں سے پوچھنے لگا۔

"بیٹے! تم کسی سے کم ہو کیا؟ اور پھر ہمارا خاندان ہے بھی کتنا۔ دو بیٹے...... ایک بیٹی۔ خیر سے ہارون کا گھر آباد ہو گا رونق بڑھے گی نا۔"

"بھئی بیگم...... ! ہمارا تو کنز بیٹا تو میرا خیال ہے شادی کے دوسرے دن ہی اپنی دلہن کو لے کے چلتا بنے گا۔ ہماری حویلی تو مامون کے بچے آباد کریں گے۔"

مامون نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"برخوردار! بھائی کی پسند کی خبر تو ہو گئی تم کو۔ کچھ اپنی پسند کا بھی بتاؤ...... خیر ہم کیوں ہلکان ہوں۔ کیوں بیگم۔ گوہر بڑی بھابی ہوگی۔ وہی سنبھالتی پھرے گی اپنے اکلوتے دیور بھیا کو...... شادی وادی سب اسی کے ذمے ہوگی۔ کیوں بیگم؟"

"اور نہیں تو کیا؟" بیگم واسطی نظروں ہی نظروں میں گوہر پر نثار ہو رہی تھیں۔

"ہاں جی! باتیں تو زندگی کا اہم حصہ ہیں ہوتی رہیں گی۔ فی الحال جلدی کیجیے بازار جانا ہے۔ ڈنر پر مسعود کے ہاں بھی پہنچنا ہے اور وقت بہت کم رہ گیا ہے۔"

گوہر کسی بے زبان جاندار کی طرح ان کے ساتھ ہو لی۔ کتنے طوفان اندر ہی اندر مچلتے رہے۔ امڈتے رہے۔ ایک کے بعد دوسری۔ دوسری کے بعد تیسری جانے کتنی دکانوں پر پھرتے رہے۔ انہوں نے کیا کیا خریدا اس کی گوہر کو خبر ہی نہ تھی۔ بیش قیمت ساڑھیاں، بھاری جڑاؤ زیورات، نفیس جوتیاں...... ہر سوٹ کے ساتھ میچنگ۔ بھاری کام کے سوٹوں سے مطابقت رکھتے کئی نیلم، یاقوت، پکھراج اور زمرد کے سیٹ...... اور جانے کیا کیا۔ شام آٹھ بجے وہ ہوٹل لوٹ کے آئے۔ تو نبیل اور جوہر واپس آ چکے تھے۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ جوہر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی سنور رہی تھیں۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کہاں جانا ہے؟"

"بھئی مامون کے دوست مسعود نے سب کو ہی مدعو کیا ہے۔ نبیل تیار ہو گئے ہیں۔ ادھر کمرے میں ان کے چند دوست آ گئے تھے۔ میں ادھر چلی آئی۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں آپا...... بس مجھے نیند آنے لگی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز ان وغیرہ سے کہہ دیجیے گا۔"

"اچھے تم...... اپنی ہی ہٹ پر قائم ہو۔ باوجود میرے سمجھانے کے۔ چلو ٹھیک ہے۔ میں کہہ دوں گی۔ لیکن یہ بہانے مزید چھ سات دن چل جائیں گے۔ اس کے بعد کیا کرو گی۔ آخر تمہیں ہارون کے ساتھ زندگی

گزارنا ہے اور زندگی کا سفر بہت لمبا ہے۔ بہت ہی طویل۔ سفر کرتے رہنا ہی شرط ہے۔"
"میں سمجھتی ہوں۔" اس نے سینڈل اتار کے الماری میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔
"کل نبیل جیل جائیں گے۔ تمہاری خاطر ہم تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی سوچا ہے کہ تم اس سے آخری بار ضرور مل لو۔ ویسے بھی جھوٹے کو اس کی منزل تک پہنچانا ضروری ہے۔"
"کون جھوٹا......لگتا ہے آپا آپ اخبار نہیں پڑھتیں۔ شبیر بے گناہ ہے۔ یہ سارے الزام اس کو گرانے کے لیے اسے تبھی دامن کر دینے کے لیے اس پر لگائے گئے ہیں۔"
دروازہ آہستہ سے بجا۔
"آ جائیے۔" جوہر نے ساڑھی کا پلو برابر کیا۔
"جوہر آپا کو بھائی صاحب بلا رہے ہیں۔" ماسون نے کہا۔
"اوہ......! مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ وہ کچھ کاغذات کا کہہ رہے تھے۔" وہ جلدی سے باہر نکلی۔
"کیا بتانا چاہ رہی تھیں آپ اپنی بہن کو......؟"
"وہی جو سچ ہے۔"
"غلط۔ سچ وہ ہے جو میں عدالت میں جا کے کہوں گا۔ میرے دوست کہیں گے۔ آپ نے اپنی زبان بند نہ رکھی تو نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"
"میں دیکھ لوں گی آپ کو......دھمکیاں دے کر آپ شبیر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"
"کیا بگڑے گا اور کیا نہیں۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔ ایک بار پھر وارن کر رہا ہوں۔ اپنی زبان بند رکھیے۔ یہ شادی ہر حال میں ہوگی۔ اور شبیر کا مر جانا ہم سب کی زندگی ہے۔ سب کے لیے ضروری ہے۔"
"کیا کریں گے آپ؟"
"یہ آپ کسی ماہر وکیل سے پوچھیے گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرہ چھوڑ گیا۔
گوہر جو امید و ناامیدی کے طوفان میں گھری ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہی تھی ایک بار پھر پریشان ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح بیڈ ٹی کے ساتھ ہی دن کا معروف اخبار بھی کمرے میں موجود تھا۔ اس نے اخبار کھولا۔ پہلے صفحے پر اہم خبروں کے ساتھ ساتھ معمول کے مطابق یونیورسٹی یونین اور شبیر سے متعلق کئی چھوٹی چھوٹی خبریں موجود تھیں۔
"نوشابہ ناز کیس کے ملزم شبیر عسکری کی ضمانت پر رہائی۔" (اوہ میرے خدا......یعنی وہ جیل میں نہیں ہے۔)
"کیس کا دارومدار استغاثہ کے گواہوں کے بیان پر ہے۔"
ایک خبر تھی۔
"نوشابہ ناز کے والد کی آمد پر کیس کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ کچھ دستاویزات شبیر کو بے گناہ ثابت کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ لیکن ماہرین قانون کے خیال میں یہ ایک مفروضہ ہے۔ کیس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا۔"
وہ بہت دیر انتظار نہ کر سکی۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ شبیر جانے کہاں تھا......اس سے ملاقات ہو جانا یقینی طور پر ممکن تھا۔ اس نے کسی ماہر قانون داں سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اس نے ٹیلی فون اٹھا کر آپریٹر سے کہا کہ وہ اس کا رابطہ کسی ماہر وکیل سے کرا دے۔
آپریٹر نے اپنے خیال میں جسے ماہر سمجھا اس کا نمبر اسے دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ بات ابھی تک اس کے ذہن و دل سے نہیں اتری تھی۔

تمہارا نام کسی اجنبی کے لب پر تھا
ذرا سی بات تھی مگر دل کو لگی ہے بہت

"شمی......شمی......اے شمی......"
وہ جانے کب سے اسے پکارے جا رہی تھی۔ دودھ کا گلاس اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔
"آں......ہاں......کیا بات ہے عذرا؟ خیریت تو ہے نا اتنی پریشان کیوں ہو؟"
"میں پریشان ہوں......میں......حیرت ہے۔ پریشان تو تم ہو۔ جب سے آئے ہو اسی طرح گیانی بنے بیٹھے ہو......کیا لو ریت ہے ڈیئر برادر......تم ایسے تو نہ تھے۔ کیا ہو گیا تمہیں۔ ہنسو۔ بولو......کچھ کہو......تم اتنے سنجیدہ ہو کہ در و دیوار تم سے ڈرنے لگے ہیں۔ لان میں کھلے پھولوں نے مسکرانا چھوڑ دیا ہے۔ شمی......میرے بھائی پلیز ایسے نہ رہا کرو۔ خدا بہتری کرے گا کیا تمہیں رب کے منصف ہونے کا یقین نہیں۔ وہ ہرگز بے انصافی نہیں کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ تم فکر نہ کیا کرو شمی......تمہیں دیکھ دیکھ کر ممی کتنی پریشان ہیں کچھ خبر ہے......ڈیڈی کی راتوں کی نیند کھو گئی ہے۔ عدی اداس اداس رہتا ہے اور میں......شمی! میری خوشی تو تم اور عدی ہو۔ خدا کرے تم ہزار سال جیو......اس گھر میں تم دونوں کا وجود بہاریں لے آئے۔ شمی......تمہیں پتا ہے ڈیڈی نے فیصلہ کر لیا ہے۔ تم سدا ہمارے رہو گے۔ لیکن وہ ڈاکٹر ہنری تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ کیا تم ہمارے بنا وہاں رہ لو گے۔" اس نے منہ بنایا۔
"میری بھولی بہنا......! جیل کے دروازے سے باہر نکل کر میں ہر الزام سے بری تو نہیں ہو گیا۔ دو انسانوں کے خون کا الزام ابھی مجھ سے جدا نہیں ہوا۔ تمہارے یا ڈاکٹر ہنری کے خوابوں کا کیا ہے۔ خواب زندگی کے حقائق کے شیشے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ کیا خبر میں اب کے تم سے جو رخصت ہو کر جاؤں تو پھر لوٹ کر نہ آسکوں......عذرا......تم میری بہت ہی پیاری سی بہت ہی عزیز بہن ہو......تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔ میں......میں لوگوں کی بد دیانتی کا شکار ہو بھی جاؤں تو کیا ہے۔ اچھائی پھر بھی نہیں مرے گی۔ کسی نہ کسی طور زندہ رہے گی۔ تمہیں بہادر بننا ہوگا۔ ممی کو عدی کو صدرہ آپا کو سب کو تسلی دینا ہوگی۔ ایک بات تمہیں بتا دوں عذرا خون ناحق جس کی گردن پر ہے یا ہوگا وہ بھی چین نہ پا سکیں گے تم یہ یقین رکھنا کہ تمہارا بھائی بالکل بے قصور ہے۔"
"شمی! کاش تم مجھ سے یہ بات نہ کہتے......یہ بات میں ویسے بھی جانتی ہوں۔ میرا دل اس کی گواہی دیتا ہے۔ میں نے نوشابہ ناز کی ڈائری پڑھی تھی۔ اس کی نانو نے بھی مجھے سب کچھ بتایا تھا بلکہ نوشی کے والدین کو بھی ساری بات کی خبر ہے۔ شمی! یہ ماسون واسطی کو آخر تم سے اتنی پرخاش کیا تھی۔ کیوں اس نے ایسا کیا؟"
"تمہیں یاد نہیں عذرا......" اس نے پرانی بات اسے مختصراً بتائی۔
"او شمی......! میں نے ابھی ابھی تمہارا سامان کھولا ہے۔ چیزیں ترتیب دی ہیں۔ خطوط کا ایک پلندہ ہے۔ میں نے تمہاری دراز میں ڈال دیا ہے۔ ان میں اکثر خط بند ہیں۔ شاید تم نے پڑھا ہی نہیں ان کو۔"
"تھینک یو عذرا......! بہت اچھا کیا تم نے۔ کیا خبر ان میں کوئی خطوط بہت زیادہ اہم بھی ہوں۔ میں سوتے وقت انہیں دیکھ لوں گا۔"

"اوکے...... میں چلتی ہوں...... دودھ پی کے آرام سے سو جانا......" اس نے ماؤں کا سا لہجہ اختیار کیا۔
"لیکن خط دیکھنے کے بعد۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ عذرا نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔
"وش یو گڈ لک شمی!" اس نے اپنی آنکھوں کی نمی مسکراہٹ میں چھپا لی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

شبیر نے دراز کھولی۔ واقعی خطوط کا ایک ڈھیر تھا۔ اس نے سارے خطوط باہر نکال لیے۔ ایک بڑا سا سفید لفافہ ان سب کے نیچے پڑا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ عذرا کو ترتیب سے کتنا لگاؤ تھا۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں ترتیب کی قائل تھی۔ غیر ارادی طور پر اس نے وہی لفافہ نیچے سے کھینچا۔

اس کا نام اور جیل کا ایڈریس بڑی پختہ اور خوب صورت تحریر میں لکھا تھا۔ اس تحریر سے وہ آشنا نہ تھا۔ وہ تو شاید ہر آنے والے خطوط کی تحریر سے ناواقف تھا۔ خط لکھنے والے جانے کون کون اور کہاں کہاں کے ہوتے تھے۔

لیکن...... یہ خط نہیں، کوئی کارڈ تھا۔ اس نے لفافہ چاک کیا۔ بڑے ہی خوب صورت سفید کارڈ پر سلور میں دو نام چمک رہے تھے۔
"گوہر...... ہارون۔"
گوہر...... گوہر...... گوہر......

اس کے خیال میں دنیا میں ایک لڑکی کا نام گوہر تھا۔ جو اس کی تھی سرتاپا اس کی اپنی اور...... گوہر کے ساتھ کسی کا نام اس طرح سے آئے یہ کب ممکن تھا۔ اس نے کارڈ کھولا۔
"ہماری پیاری بیٹی گوہر عسکری کی شادی ہارون احمد واسطی سے طے پائی ہے۔ آپ کی شرکت۔" آگے وہ کچھ نہ پڑھ سکا۔ نیچے مدعو کرنے والے کا نام لکھا تھا۔
بیگم و عابد حسین عسکری۔ دوسری طرف شاد نواز، دلنواز اور کاظم حسنین کے نام۔

اس کا سر گھوم گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح بار بار کارڈ کا مضمون پڑھنے لگا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی ساری بتیاں روشن کر دیں۔ کارڈ اور بھی چمکنے لگا۔ "گوہر عسکری کی شادی ہارون احمد واسطی سے...... مامون واسطی۔ ہارون واسطی امین واسطی۔"
الفاظ اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے۔
گوہر اور مامون کا ایک ساتھ ایئرپورٹ پر موجود ہونا۔ سارے شکوک، سارے ابہام دور بہا لے گیا۔
لفافے میں سے جھانکتے ایک سفید کاغذ نے اسے پھر چونکا دیا۔ وہ کاغذ پر جھپٹ پڑا۔ یہ ایک خط تھا۔ اسی کے نام۔ کسی نے اسے مخاطب کیا تھا۔
"شبیر بھائی۔"
اس نے جھٹ خط کے اختتام کی طرف دیکھا۔ لکھا تھا۔
"آپ کی بہن شازیہ۔"
اس نے جلدی سے عبارت پر نگاہ کی۔
شبیر بھائی!

السلام علیکم۔ آپ کیسے ہیں۔ میں آپ کے لیے بے حد پریشان ہوں۔ لیکن سخت مجبور بھی ہوں کہ آپ کے پاس آ بھی نہیں سکتی۔ شبیر بھائی...... نہ جانے

کیوں سب لوگوں کو آپ سے نفرت ہو گئی ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ آپ کو قاتل سمجھتے ہیں۔ لیکن خدا معلوم میرے دل کو کیوں یہ یقین ہے کہ آپ قاتل نہیں ہیں۔ پیارے بھائی مجھ میں اور آپ میں سوتیلے پن کی اونچی دیوار حائل ہے جو اجنبیت پیدا کیے ہوئے ہے لیکن یقین کیجیے شبیر بھائی۔ میرے دل میں آپ کی محبت خود میری بھی مرہون نہیں ہے۔ شاید محبتیں آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہیں اور پھر کبھی نہیں مرتیں۔

یہ کارڈ جس کے ساتھ میرا خط آپ کو ملے گا یہ میں نے نہیں پھوپھا جان نے بھجوایا ہے۔ لفافوں پر ڈاک ٹکٹ چسپاں کر کے بند کر کے بھیجنا میرا ذمہ تھا۔ میں اکیلی تھی۔ سوچا شبیر بھائی کو چند دل کی باتیں ہی بتا دوں۔ میں جانتی ہوں آپ گوہر سے حد درجہ محبت کرتے ہیں۔ انہیں بھی آپ سے محبت رہی ہوگی۔ لیکن شبیر بھائی میں اسے محبت نہیں مانتی...... جو کچھ انہوں نے کیا۔ شبیر بھائی آپ گوہر کی شادی کے غم کو دل سے نہ لگا لیجیے گا۔ میں نے تو جب سے یہ بات سنی ہے مجھے ایک پل کو قرار نہیں۔ اس شادی کی داستان بڑی عجیب ہے۔

ڈاکٹر ہارون واسطی مامون واسطی کے بڑے بھائی ہیں۔ ہفتہ قبل منگنی کی تقریب ہوئی تھی۔ ابھی گوہر کو جو ایک دن شرم سے جھجکی لجائی آپ کے نام کی انگوٹھی پہن رہی تھیں ہارون واسطی کے نام سے چپ چاپ منسوب ہوتا دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ لیکن میں کیا کرتی۔ ہارون واسطی کی اکلوتی بہن نیلما نے جو گوہر پر نثار ہوئی جا رہی تھی میرے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ شادی خالص پسند کی شادی ہے۔ ہارون واسطی ایک نظر میں گوہر کو دل دے بیٹھے اور...... گوہر ایک بارانی دن صبح سے لے کر دوپہر تک ان کے گھر میں رہی تھی۔ جہاں ہارون نے ڈاکٹر ہونے کے ناتے انہیں طبی امداد دی کیونکہ وہ سکندر پور والی سڑک پر انہیں بے ہوش پڑی ملی تھیں۔ پھر وہ انہیں واپس عبداللہ پور بھی چھوڑنے آئے تھے اور ڈاکٹر ہارون کا لایا ہوا سوٹ جو انہوں نے گوہر کو گفٹ کیا تھا پہن کر ہی وہ عبداللہ پور آئیں۔ دونوں ایک ہی ملاقات میں ایک دوسرے کے گرویدہ ہو گئے۔ اس ناتے کو ابدی ساتھ میں بدلنے کے لیے ہارون واسطی کا پروپوزل بھیجا گیا۔ مامون یونیورسٹی میں گوہر کے ساتھ ہی پڑھتا ہے۔ راہیں اس نے ہموار کیں۔ اور یوں منگنی ہوتی۔

شبیر بھائی مجھے یہ سن کر کتنا دکھ ہوا اس کا اندازہ شاید آپ کو نہ ہو۔ لڑکیاں کتنی مکار اور چالباز ہوتی ہیں۔ سب لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے گوہر کو چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے شادی کرنے کی ہامی بھر لی۔ خود ان کا کردار کہاں تک درست ہے۔ انہیں کیا حق تھا آپ کے نام سے منسوب ہو کر ڈاکٹر ہارون سے رابطے بڑھانے کا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ خوش ہیں۔ اس کارڈ کو دیکھ کر آپ بھی

اسے معمولی حادثہ سمجھ کر بھلا دیجیے گا۔ خدا نے آپ کو اپنی امان میں رکھا تو اس دنیا میں لڑکیوں کی کمی نہ ہوگی لیکن گوہر جیسی لڑکی سے آپ کی جان چھوٹ گئی۔ یہ بہت اچھا ہوا۔

شبیر بھائی! اس شادی میں ہم سب شریک ہیں۔ پاپا اور ممابھی ہوں گے اور بھائی بھی...... ارم نے تو مستقل رہائش ہی پھوپھو کے گھر میں اختیار کر رکھی ہے۔ ان سب کو آپ کے مصائب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں ایک کم گو لڑکی ہوں۔ مجھے خوشامد کرنا اور باتیں بنانا نہیں آتا۔ لیکن میرا دل خوشی کے ان ہنگاموں میں بھی آپ کے لیے پریشان رہتا ہے۔ اور میری سوچوں میں آپ کا وجود شامل رہتا ہے۔

پرسوں نبیل بھائی' جوہر آپا اور گوہر ساز و سامان کی خریداری کے لیے گئے ہیں۔ دن رات ٹیلی فون پر ہارون صاحب کے گھر والوں سے خصوصاً مامون واسطی سے رابطہ رہتا ہے اب بھی وہ لاہور ایئر پورٹ پر ان کا منتظر ہوگا۔ ہارون کے والدین بھی وہیں موجود ہیں۔ شبیر بھائی یہ کیسی دنیا ہے۔ لوگوں کی سوچ کو کیا ہوگیا ہے۔ کسی کو آپ کا ذرہ بھر خیال نہیں ہے۔ ایک دستور زباں بندی لاگو ہے۔ مجھ پر بھی۔ ہر محفل مجھے بھی ہنسنا پڑتا ہے۔ لیکن یقین مانیے اندر ہی اندر میرا دل روتا رہتا ہے۔ ایک بہن آپ کی چھوٹی بہن آپ سے التجا کرتی ہے کہ آپ اسے ہرگز دل پر نہ لے لیجیے گا۔ پھوپھا جان اور پھوپھو آپ کی آرزوؤں کا خون کر کے آپ کے دشمنوں کو جو خوشیاں دے رہے ہیں' وہ کسی بھی راس نہیں آئیں گی۔ خدا آپ کو اپنی امان میں رکھے۔

آپ کی بہن

شازیہ

خط پڑھ کر شبیر کے ہوش و حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ کاغذ اب بھی اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ الفاظ اس کی نظروں کے آگے دھندلے پڑ گئے تھے۔ اس نے اپنی ساری توتیں مجتمع کر کے ایک بار پھر خط کو پڑھنے کی کوشش کی۔ دوسری بار پڑھنے سے ساری صورت حال اس پر واضح ہونے لگی۔

ایئر پورٹ پر اس نے اپنی آنکھوں سے مامون اور گوہر کو بمعہ نبیل اور جوہر کے ایک ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ اس نے یہی خیال کیا تھا کہ یہ اس کی نظر کا دھوکا بھی ہوسکتا ہے یا نبیل' گوہر اور جوہر اپنے کسی کام سے جا رہے ہوں گے مامون بھی یہیں مل گیا ہوگا۔

مگر......

اب اب تو ہر چیز اس کے سامنے واضح تھی۔

گوہر نے اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا کیا تھا۔ اس پر ایسی کڑی مصیبت نازل ہوتے ہی اس نے ڈاکٹر ہارون کو اپنے لیے منتخب کر لیا تھا۔

"اف میرے خدا۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "یہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ کیا دیکھا ہے میں نے۔

کیا سوچ رہا ہوں۔"

"گوہر...... گوہر ایسی لڑکی ہوسکتی ہے۔"

"لیکن یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی ہو...... یہ شادی کارڈ اس کی بے وفائی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ مامون نے سنگ چلنا اس جرم پر مہر تصدیق ہے۔"

"گوہر...... گوہر...... گوہر......" وہ پکار اٹھا۔

"یہ کیا کیا تم نے گوہر...... کوئی یوں بھی محبتوں کو تاراج کرتا ہے...... یوں بھی ساتھ چھوڑتا ہے۔ تمہارا پل پل مجھ سے بندھا تھا...... تم...... تم نے کتنا حسین دھوکا دیا مجھے۔ کیا مجھ سے محبت کر لینے کے بعد تمہارے پاس ایسی گنجائش رہ گئی تھی۔ شبیر کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا جو وہ کسی اور کو دے سکے۔ کتنا پاگل ہوں میں۔ اپنے دل کا مختار کل تمہیں بنا بیٹھا...... زندگی کی ایک ایک گھڑی تمہارے نام کر دی۔ تم لڑکیاں کیسی سوچ کی مالک ہوتی ہو۔ ایک کے بعد دوسرے کو دل میں بسا لینا تمہارے لیے نہ عجیب ہوتا ہے نہ ناممکن مجھے مشکل میں گھرا پا کر تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ بیدار نہ رہا۔ گوہر! تم نے تو حد کر دی۔ رفاقت کے نیے چنا بھی تو میرے جانی دشمن کے بھائی کو...... اوہ میرے خدا! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ کیا دیکھ رہا ہوں۔ یہ کیسے کانٹے سے اُگ آئے ہیں میرے اندر باہر یہ کیسی چبھن سی محسوس ہو رہی ہے نس نس میں...... یہ کیسے نشتر میری رگ جاں میں اترنے لگے ہیں۔" اس نے خط ایک بار پھر پڑھا۔

آخر یہ گوہر کب عبداللہ پور گئی تھی۔ کب سکندر پور گئی تھی۔ اس کے علم میں کچھ بھی نہ تھا۔ وہ پھر سوچنے لگا۔ اپنے تئیں وہ یہی خیال کرتا تھا بلکہ گوہر نے بھی کئی بار یہ جتایا تھا کہ اپنی زندگی کا سب اچھا برا وہ شبیر کو ضرور بتاتی ہے۔ اس بات کا اس نے اشارتاً کنایتاً بھی ذکر نہ کیا تھا۔ نہ ہی کبھی مامون سے کسی ملاقات کے بارے میں بتایا تھا۔

اس نے ایک دم بستر چھوڑا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور گوہر کے گھر کا نمبر گھما دیا۔ رات کے تقریباً دس بجے تھے۔ عام حالات میں بھی اتنے وقت تک جاگتے رہنا معمولی بات تھی۔ پھر وہ تو شادی والا گھر تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ شبیر نے رابطہ کاٹ کر دوبارہ نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی پر کسی نے جواب میں ہیلو کہا۔

"ہیلو...... گوہر سے بات کرا دیں۔"

"کون بول رہے ہیں آپ؟" آواز یکسر اجنبی تھی۔

"میں...... آپ کون بول رہی ہیں' پہلے کبھی یہ آواز نہیں سنی۔ آپ یقیناً گوہر کی دوست ہوں گی۔"

"ارے نہیں صاحب! ویسے آپ اپنا تعارف کرائیں تو میں بھی بتا دوں گی کہ میں کون ہوں۔"

"میں اس کا کلاس فیلو ہوں...... اس سے بات کرنا تھی۔"

"او آئی سی...... میں نیلما ہوں۔ نیلما واسطی۔ گوہر جی کی اکلوتی دلاری نند۔ اصل میں' میں اپنے بھیا جی کے ساتھ آئی تھی۔ سب لوگ ڈرائنگ روم میں ہیں۔ میں یہاں سے گزری تو از راہ اتفاق آپ کا فون سن لیا۔"

شبیر کے دل پر کسی نے چھری چلا دی۔

"آپ کے بھیا جی......"

"جی ہاں۔ ڈاکٹر ہارون احمد واسطی۔"

"اوہ......! یاد آیا...... آپ مامون واسطی کی بہن ہیں نا۔"

"جی ہاں۔ آپ انہیں جانتے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح سے۔ بلکہ اس شادی کے لیے دونوں کی طرف سے مدعو بھی ہوں۔"

"ویری گڈ۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی۔

"مس نیلما! اصل میں میرا مطلب ہے ہم سب لڑکے اور لڑکیاں...... گوہر سے اس اچانک تبدیلی کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے۔ یونیورسٹی میں کسی کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگنے دی اس نے۔"

وہ ہنس دی۔

"صاحب دل کے معاملوں کی ہوا دوسروں کو کون لگنے دیتا ہے۔ یہ بڑی ہی حسین رنگین طلسماتی داستان ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں ہاں...... آپ سب اگر گوہر جی کا ناطقہ اس بات پر بند کر دیں تو مجھے ازحد خوشی ہوگی۔"

"کس بات پہ؟"

"جی آپ بہت بھولے ہیں۔ جس بات کی گوہر جی نے آپ لوگوں کو ہوا بھی نہ لگنے دی وہ بات میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ یہ شادی خالصتاً لو میرج ہے۔"

"جی......"

"جی ہاں آئی سوئیر۔ آپ جانتے ہوں گے گوہر سر عبداللہ عسکری کی نواسی ہیں۔"

"جی ہاں۔ جانتا ہوں۔"

"اس خاندان سے برسوں پرانی دشمنی اس مبارک رشتے نے دوستی میں بدل دی ہے۔" وہ سہولت سے ہر بات کہے جا رہی تھی۔

"آپ لو میرج کا ذکر کر رہی تھیں؟"

"ارے میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ سال ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے۔ گوری جی اپنے ننھیالی گاؤں میں آئی ہوئی تھیں۔ بارانی موسم میں صبح ہی صبح سیر کرنے نکل پڑیں۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج نے انہیں بے ہوش کر دیا۔ بھیا شہر سے آ رہے تھے۔ اگر وہ جیپ کی ہیڈ لائٹس میں انہیں دیکھ نہ پاتے تو سڑک پر پڑی یہ کچلی جاتیں۔ بھیا نے برستی بارش میں گاڑی روک کر انہیں اٹھایا اور جیپ میں لٹا دیا۔ گھر لے آئے۔ دوپہر تک یہ ہمارے ہاں ہی رہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان پر کسی حور یا پری کا گمان رہا ہی تھا۔ بھیا بھی ان کے حسن سے مرعوب ہو گئے۔ جتنی دیر یہ ہمارے ہاں رہیں .... اتنی دیر ڈاکٹر ہارون احمد واسطی کے ہوش و خرد پہ ڈاکہ ڈالنے کے لیے کافی رہیں بلکہ انہوں نے ہم سب کو دل میں گھر کر لیا۔ اور پھر...... پھر کیا ہونا تھا۔ بس یہی کہ نوبت یہاں تک آ پہنچی۔ ہمارے عابد زاہد بھائی نے اپنی جبین ناز اس بت طناز کے آگے جھکا دی۔ بھیا کسی کورس کے سلسلے میں فارن نہ گئے ہوتے تو یہ شادی چھ ماہ قبل ہی ہو چکی ہوتی۔"

شبیر میں کھڑے رہنے کا حوصلہ ہی باقی نہ رہا تھا۔

"ارے میں آپ سے اوٹ پٹانگ باتیں مار رہی ہوں۔ گھر والوں کو بتایا ہی نہیں۔ آپ کسی اور سے بات کرنا چاہیں تو ... کیونکہ گوہر تو ماں جی، پاپا جان، اور مامون بھائی کے ساتھ لاہور میں ہیں۔ شاید کل تک واپسی ہو جائے...... ہم ایک ایک چیز میں ان کی پسند کا لحاظ رکھ رہے ہیں۔ جب پہننا اوڑھنا انہوں نے ہے تو پسند بھی ان کی ہونی

چاہیے۔ کیوں سچ کہا ہے نا میں نے۔"

"یہ لیجیے ارم آ رہی ہیں۔ ارم ان کی خاص الخاص کزن ہیں۔ آپ بات کر لیں ان سے۔ ارم...... گوہر کے کوئی کلاس فیلو ہیں ان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ آپ بات کر لیں۔"

شاید ارم نے ریسیور اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ شبیر نے انگلی کریڈل پر رکھ دی۔ رابطہ کٹ گیا۔

یہ رابطہ...... ٹیلی فون کا نہیں، شبیر کے دل کا کٹا تھا۔ گوہر کے دل سے جڑا رابطہ۔ اب اس میں دو قدم چلنے کی ہمت بھی باقی نہ رہی۔ وہ وہیں نیچے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ چکراتے سر کو ہاتھوں سے تھاما۔ آنسو نکلے چلے آئے۔ دل... جو ٹوٹ کر ٹکڑوں میں شکستہ و ریختہ نہ ہوا تھا گوہر کی بے وفائی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بآواز بلند...... اس نے سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وحشت کے ساتھ ...... وہ بار بار دل کو دونوں ہاتھوں سے تھامے جا رہا تھا۔

"گوہر! او بے وفا گوہر......! او ہرجائی گوہر......! تم نے میرے دل کو کھلونا سمجھ کر کھیل کھیلا اور چلی گئیں۔ مجھے چھوڑ گئیں۔

"تو یہ تھی تمہارے نہ آنے کی وجہ...... تمہاری بے پروائی کا سبب تمہیں...... ایک ہرجائی لڑکی کو شبیر کے دکھوں سے واسطہ بھی کیسے ہو...... تم اپنی نئی محبت میں گم ہو گئیں۔ مڑ کر دیکھنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔"

وہ تو اب باقاعدہ دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ وہ زندگی میں کبھی بھی اتنا بے حوصلہ نہ ہوا تھا۔ اس نے بڑی بڑی باتیں آسانی سے سہہ لی تھیں۔ لیکن یہ حادثہ بہت بڑا تھا۔ اس کے حوصلوں اور برداشت سے بڑا۔

کوریڈور میں کسی کے قدموں کی آواز آئی۔

"کون ہے؟ کون رو رہا ہے؟"

ڈاکٹر ہنری کی مہربان آواز اس کے کانوں میں آئی۔ انہوں نے مرکری بلب آن کر دیا۔

"ارے شبیر...... اتم...... تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ کیوں رو رہے ہو؟ کیا ہوا؟" وہ اس پر جھک گئے۔ شبیر اور بھی زیادہ جذباتی ہو گیا۔

"میرے بیٹے! میری جان ......! کیا ہوا؟ کیا پاگل پن ہے؟"

انہوں نے اس کے دونوں بازو تھام کر اسے اوپر اٹھایا۔

"آؤ...... اندر آؤ، میرے کمرے میں۔ سب لوگ کیا کہیں گے۔ بہادر شبیر بزدل ہو گیا ہے۔ اور یہ تم ابھی تک سوئے کیوں نہیں۔ یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ چلو آؤ۔"

وہ اسے گھسیٹتے ہوئے اس کمرے تک لے آئے جو آج کل ان کا تھا۔ اسے اپنے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"شبیر... ! مرد بھی رویا کرتے ہیں بھلا...... اور بیٹے اب تو میرا خیال ہے پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں رہی۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب اچھا ہو جائے گا۔"

انہوں نے ٹشو پیپر سے اس کی آنکھیں صاف کیں اور خود ساتھ بیٹھ گئے۔

"سب ٹھیک ہو بھی جائے تو بھی کیا ہے۔ اب کچھ بھی ہوتا رہے.... کچھ بھی ہو جائے...... شبیر کو زندگی کی آرزو نہیں رہی۔"

"کیا ہوا؟ بتاتے کیوں نہیں؟"

"نانا! زندگی سے، ناتوں سے ایمان اٹھ گیا ہے۔ اور جب ایسا ہو جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔ زندگی خوب

صورت ہی اس لیے ہوتی ہے کہ ناتوں کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے۔"

"سو بار کہا ہے بھول جاؤ ان سب کو...... بے وفائی تمہارے باپ کی گھٹی میں تھی اور وہ سب اس کا ہی خون تھے جنہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ شبیر کیا اس بوڑھے کی محبت تمہارے لیے کافی نہیں؟ جمال احمد ان کی بیگم ہوں، عذرا، اسد اور افتخار یہ سب تمہارے اپنے نہیں؟ تم کن محبتوں کی تلاش میں ہو پیارے بیٹے۔ کن محبتوں کی تلاش میں؟"

"نہیں نانا......! ایسی بات نہیں...... ایک شخص کو میرا من میت ہونے کا دعویٰ تھا...... وہ کسی اور کا ہو گیا ہے۔ یہ بات رونے کی مایوس ہونے کی نہیں۔ وہ میری زندگی تھی نانا۔"

"کون کسی کا من میت ہوا ہے۔ یہ سب فریب ہے۔ جھوٹ ہے۔ عورتیں دولت کی شان و شوکت کی میت ہوتی ہیں۔"

"نہیں نانا......! میرا اور اس کا بندھن عام سا نہیں تھا۔"

"ہر انسان کو یہ وہم ہوتا ہے......" انہوں نے تلخی سے کہا۔ "لیکن سارے بندھن عام ہی ہوتے ہیں۔ بغیر کسی وجہ کے بھی ٹوٹ جانے والے۔"

"وہ میری تلاش کا حاصل تھی نانو......" شبیر نے انہیں قائل کرنا چاہا۔

"شبی......! میری طرف دیکھو...... مجھ سے پوچھو۔ کسی ہستی کو تلاش کا حاصل بنا لو گے تو میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ میرے جیسے رہ جاؤ گے۔ میں تم سے نہیں پوچھوں گا کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ میں سوال نہیں کروں گا کہ تمہاری کہانی کیسی ہے؟ میں جانتا ہوں وہ ایک لڑکی ہی ہوگی۔ اپنے حسن پر غرور کرنے والی۔ بے وفائی اس کا پیشہ ہوگا۔ چند خوب صورت باتیں چند ملاقاتیں تمہاری کہانی ہوں گی۔ وہ تمہیں چھوڑ کر کسی اور کی ہو گئی ہو گی اور تم اس کے بچھڑ جانے پر ماتم کناں ہو۔ دل میں عہد کر رہے ہو زندگی بھر کسی اور کو نہ دیکھنے کا۔ اسے دل کے سارے گوشوں میں سجائے رکھنے کا اور میرے خیال میں تم بھی ایک احمق ترین انسان ہو۔"

ڈاکٹر ہنری تو شاید بھرے بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں میں حقائق بول رہے تھے۔ اس کی کہانی اس کے سوا اور تھی بھی کیا لیکن نانا کی آخری بات غلط تھی۔ گوہر اس کے دل کے کونوں گوشوں میں محبت کی امین بن کر نہیں خائن بن کر موجود تھی۔ پل ہی پل میں اس کے سارے اعتماد جذبے شدید نفرت میں بدل گئے تھے۔

"نہیں نانا......! میں احمق تھا...... اب احمق نہیں ہوں۔ محبت کے جذبے اتنے ارزاں نہیں ہیں کہ انہیں کسی ہرجائی بے وفا کے لیے وقف کر دیا جائے...... مجھے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔ شدید ترین نفرت...... یہ میں رو رہا ہوں۔ اپنی محبت کے مر جانے۔ خوابوں کے ٹوٹ جانے اور اعتماد کے لٹ جانے کا غم منا رہا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں اس سب کی۔ اب تم روئے نا تو میں تم سے خفا ہو جاؤں گا۔ رونا دھونا بزدلوں کا کام ہے۔ مرد کو بہادر ہونا چاہیے۔ وہ جیسی بھی تھی جو بھی تھی۔ ملکِ خدا تنگ نہیں ہے۔ زندگی باقی ہے تو قدم قدم پر اس سے اچھی لڑکیاں تمہیں مل جائیں گی۔ ویسے بیٹے یہ عورتیں دل لگانے کی نہیں دل بہلانے کی چیز ہوتی ہیں۔ میری بات یاد رکھنا۔"

ڈاکٹر ہنری نے کتنی سنگین بات کہی تھی۔ شبیر آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتا رہا۔

"تم نے اپنے باپ کو دیکھا۔ کیا کیا اس نے تمہاری ماں کے ساتھ، صرف دل ہی بہلایا۔ تم نے روز کو دیکھا ہوتا تو حیران رہ جاتے۔"

"روز! کون روز......؟"

"وہ جسے محبت کا دعویٰ تھا۔ وہ میری کلاس فیلو بھی تھی۔ ایک حادثے میں اسے موت کے منہ میں جانے سے بچا کر میں نے اسے جیت لیا تھا۔ [illegible] مستقبل کے [illegible] ایک خوب صورت خواب کی طرح [illegible] اس نے ایک [illegible] کر لی [illegible] جو اس سے عمر میں کم از کم پچیس برس بڑا تھا۔ اور جس کا شمار دنیا کے چند امیر ترین انسانوں میں ہوتا تھا۔ میں نے یہ سانحہ اپنی جان کا روگ بنا لیا۔ اپنے دل سے روز کی محبت کبھی جدا نہ کر سکا۔ کسی لڑکی کو کسی طور پر بھی گھر میں بسانے کی بھی ہمت نہ کر سکا۔ جوانی کے ماہ و سال اس کی یاد میں روتے سسکتے گزر گئے۔ ایک تقریب میں وہ مہمان خصوصی کی اہلیہ کی حیثیت سے شریک تھی۔ میں بھاگا بھاگا اس کی طرف گیا۔ اس نے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین، زیادہ طرحدار اور شوخ و شنگ تھی۔ میں جوانی میں ہی بوڑھا ہونے لگا تھا۔ اس کی اس درجہ بے نیازی نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ لیکن وقت بیت چکا تھا۔ میری طرف بڑھنے والی لڑکیاں میری بیگانگی اور سرد رویے سے مایوس ہو کر دور جا چکی تھیں۔ میں خود سے کسی کی جانب ملتفت نہ ہو سکا اور عمر بیتتی چلی گئی۔ زندگی کو محدود نہ کر دینا چاہیے۔ دنیا میں لوگ ملتے ہیں، اچھے لگتے ہیں اور پھر بچھڑ جاتے ہیں۔ تم بھی سمجھنا...... تمہارے نانا نے عمر بھر خود کو مصروف رکھا۔ خدمتِ خلق میں مگن رہا۔ سب کے لیے مسیحا بنا رہا۔ چاروں طرف اپنی مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتا رہا۔ لیکن اندر ہی اندر کتنا تنہا رہا کتنا زخم خوردہ۔ کتنا اداس...... اس کی خبر اس کے سوا کسی کو نہیں۔ تم ایک بوڑھے انسان کے لیے قدرت کا دیا آخری عطیہ ہو۔ تم اسے دکھ نہ دینا۔ ہمت سے کام لو...... سب کچھ بھول جاؤ۔ میں نے جمال احمد سے بات کر لی ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ کسی اچھی لڑکی سے شادی کروں گا تمہاری۔ تمہارے بچوں سے میرا گھر آباد ہوگا اور میرے برسوں سے اداس دل میں مسرتوں کے پھول کھل جائیں گے۔ ہری اپ! اچھے لڑکوں کی طرح اپنے نانا کا کہا مانو اور مسکرا دو۔"

شبیر نے ان کی طرف دیکھا۔ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس نے اپنا سر نانا کے زانو پر رکھ دیا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔ ان انگلیوں میں جانے کیا تھا۔ شاید محبت تھی۔ محبت کی ٹھنڈک نے صرف جلتے دماغ کو ہی نہیں دل کو بھی ٹھنڈک بخش دی اور وہ سو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

عبدالرب چوہدری کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ قدم ڈگمگا گئے۔

"مس گوہر...... آپ ہی ہیں نا...... آئیے آئیے آپ کے انتظار میں تھا۔"

"آداب سر!"

"تشریف رکھیے...... ارشاد فرمائیے۔"

وہ بیٹھ گئی۔ وہ ہائی کورٹ کے قابل ترین وکیل تھے۔ مقدمہ کوئی بھی ہو ان کا نام کامیابی کی ضمانت بن جاتا تھا۔ قانونی نکتوں اور موشگافیوں سے انہیں بے حد آشنائی تھی۔

"سر! مجھے آپ سے قانونی مشورہ لینا تھا۔ آپ تو شاید کیس سے تو آگاہ ہوں گے۔"

وہ مسکرا دیے۔ بلکہ قہقہہ لگا کر بولے......

"کس کیس کی بات کرتی ہیں۔ آگاہی کیا یہ کیس ہے ہی میرا۔ میں آج بھی اسی کیس کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ بھاری فیس میرا پختہ اصول ہے لیکن میں اپنے کلائنٹ کے لیے جی جان سے کام کرنا بھی فرض خیال کرتا

ہوں۔

”آپ ...... میرا مطلب ہے سر! آپ شبیر کے لیے......“

”نو نو۔ شبیر کے لیے نہیں ...... بلکہ شبیر کے خلاف یہ مقدمہ لڑ رہا ہوں۔ ان طلبہ نے پڑھائی کی آڑ میں غنڈہ گردی کا جو بازار گرم کر رکھا ہے...... ایک دو کو عبرتناک سزا مل جائے تو سب درست ہو سکتے ہیں۔ ماں باپ بے چارے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں میں اچھے انسان بنانے کے لیے بھیجتے ہیں اور یہ بن جاتے ہیں بے رحم جلاد...... آپ نے پڑھا اور سنا ہو گا کوئی دن خالی نہیں جب ان طلباء نے کہیں نہ کہیں کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کیا ہو۔ میں شبیر کو عبرت ناک مثال بنانا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ برسوں کسی کو ایسا کرنے کی جرات نہ ہو۔ میں اپنی ساری مہارت اسی کیس پر صرف کر دوں گا۔“

گوہر عبدالرب چوہدری کے تیوروں اور ارادوں سے گھبرا گئی۔

”اگر وہ مجرم نہ ہو تو بھی آپ کی مہارت اسے پھانسی کے تختے تک پہنچا کر رہے گی۔“

”کیا مطلب؟“

”سر! مجھے خبر نہ تھی کہ آپ اس کیس کے وکیل ہیں۔ ہوٹل کے آپریٹر نے آپ کا نمبر ملا دیا۔ میں نے آپ سے وقت لے لیا۔ میں تو آپ سے شبیر کے بارے میں بات کرنے آئی تھی۔ جسے سزا دلوانے کے لیے آپ اس قدر جذباتی ہو رہے ہیں وہ ہرگز اس سزا کا حقدار نہیں ہے۔ یہ ایک سازش ہے، سر گہری سازش۔“

”کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ......؟“

”وہی جو سچ ہے...... جو حقیقت ہے۔“

”آپ...... میرا مطلب ہے آپ شبیر کی کیا لگتی ہیں؟“

”کوئی رشتہ نہ ہوتا پھر بھی حق کی خاطر آواز بلند کرنا میرا فرض ہوتا۔ وہ میرا ماموں زاد ہے۔ میرا منگیتر بھی تھا اور ...... اور...... وہ بھی جس پر ایک لڑکی فخر کر سکتی ہو۔“

”اوہ۔ آئی سی۔“ انہوں نے نظریں جھکائیں۔

”آپ کے اس کیس کا اہم گواہ ماموں واسطی ہے۔ اس نے پرانی دشمنی کا بدلہ چکانے اور مجھے چھین کرنے کے لیے شبیر کو اس کیس میں الجھا دیا۔“

”آپ مجھے پوری بات بتائیے۔ وکیل کو صرف قانون کی کتابوں کی ہی نہیں انسانوں کے دلوں میں بند رازوں سے آگاہی کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ جو سچ ہے آپ مجھے بتا دیں۔“

گوہر نے جو اتنے دنوں میں کسی سے کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی سب کچھ ان سے کہہ ڈالا۔ ایک ایک حرف جو وہ جانتی تھی۔

”چوہدری صاحب! یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ آپ اس ظلم میں شریک ہوئے تو روز قیامت آپ بھی اس سزا سے نہ بچ سکیں گے جو خدا نے ایسے لوگوں کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ میں بھی غلط فہمی کا شکار تھی۔ شبیر سے نفرت کرنے لگی تھی لیکن اس خط نے جو قتل سے ایک روز قبل لکھا گیا اور مجھے رات ملا ہے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ نوشابہ کا خط ہے جو مرنے سے ایک دن قبل اس نے مجھے لکھا...... یونیورسٹی کے ایڈریس پر...... اور جو پھرتا پھراتا میرے ماموں کے گھر جا پہنچا۔“

”یہ خط نہیں ایک بھرپور کہانی تھی۔ چوہدری صاحب نے ایک ایک حرف بغور پڑھا۔ آخر میں نوشابہ نے اپنا

ارادہ بھی ظاہر کیا تھا اور شبیر جیسے انسان کے عزم و ہمت کی تعریف بھی کی تھی۔ شبیر کی طرف سے شادی کی پیش کش کی وجہ پر بھی تبصرہ کیا تھا اور گوہر کو مبارک باد بھی دی تھی کہ اس کا منگیتر ایک مثالی انسان ہے۔

”چوہدری صاحب! ایک لڑکی کو جس نے اپنی زندگی اپنی کھوئی ہوئی عزت کے غم میں ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ شبیر نے نوشابہ سے شادی کا فیصلہ کر کے مجھے بھی آگاہ کیا تھا۔ میں صرف نیند سے آگاہ ہوئی تھی۔ اس کے سبب سے نہیں۔ اگر یہ سب کچھ مجھے اس وقت معلوم ہوتا تو میں نوشابہ کو مرنے نہ دیتی۔ اپنا محبوب اپنا منگیتر بخوشی اس کے دامن میں ڈال کر شبیر کے ایثار کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی۔ ایک انسانی جان بچا لینے کی خوشی جدائی کے غم پر بھاری رہتی...... ماموں ایک خود غرض اور بے رحم لڑکا ہے۔ اس نے شبیر کے خلاف میرے کان بھرے۔ اس سانحے کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جس حد تک ممکن ہوا حالات کی ستم کاریوں سے وہ جتنا فیض اٹھا سکتا تھا۔ اٹھا لیا۔ اس نے کل بھی مجھے دھمکی دی ہے۔ وہ شبیر کی جان کے درپے ہے۔“

”بیٹی!“ چوہدری صاحب خاصے متاثر ہوئے تھے۔

”میں اتنا کر سکتا ہوں کہ بنا فیس کے اپنی مرضی سے اس مقدمے سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ مگر میری جگہ جو بھی اس مقدمے کو نمٹائے گا ماموں کی گواہی تیر بہدف ثابت ہو گی۔ یہاں نہ مسئلہ قتل کا ہے نہ قاتل کی نشاندہی کا۔ نہ آلۂ قتل کی بازیابی نہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کا۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ واضح ہے۔ اس کیس میں موثر ترین حیثیت ان ہی گواہوں کی ہے اور فیصلہ اسی پر ہونا ہے۔ ایک شخص اتنی ڈھٹائی پر اتر آیا ہے کہ دیدہ و دانستہ یہ الزام شبیر کے سر تھوپنا چاہتا ہے تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ گواہیاں حلفاً خدا کو حاضر و ناظر جان کر دی جاتی ہیں۔ جس شخص کو اپنے جھوٹ پر خدا کا ڈر بھی نہیں ہے اسے اور کیا چیز ڈرا سکتی ہے۔ میں اس کیس کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں لیکن افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ویری سوری گوہر بیٹی...... میں شبیر کی بدنصیبی پر اظہار افسوس کے سوا کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔ لیکن اتنا وعدہ ضرور ہے کہ میں آج ہی اس کیس سے دستبردار ہو جاتا ہوں۔“

”شکریہ سر! آپ کے اس حد تک تعاون کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔“

وہ لوٹ آئی۔ کتنی ہمت دکھائی تھی اس نے اکیلی عدالت تک چلی آئی تھی۔ واپس ہوٹل پہنچی تو کوریڈور میں اس کا سامنا ماموں سے ہو گیا۔ وہ شاید اسی کے انتظار میں تھا۔

”کہاں گئی تھیں؟“

وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

”کہیں بھی جا سکتی ہوں۔“

”تم اب شبیر کی محبوبہ دلنواز نہیں، ڈاکٹر ہارون کی ہونے والی بیوی ہو اور ہمارے خاندان میں لڑکیوں کا یوں مارا مارا پھرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ بابا جان کو خبر ہوئی تو خفا ہوں گے۔“

”ماموں...... اتنے سنگدل نہ بنو۔“ وہ ایک دم رو دی۔

”کیسی سنگدلی۔ سنگدل ہوتا تو بھیا کے جذبوں کی قدر کرتا؟ تمہیں اپنانے کو اتنے پاپڑ بیلتا؟“ وہ مسکرایا۔

”نہیں ماموں! ایک بے گناہ کی جان لے کر تم اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے۔ یہ خون تمہارے سر ہو گا۔“

”تم عبدالرب چوہدری سے مل کر آ رہی ہو نا۔ اس شہر میں وکیلوں کی کمی نہیں۔ وہ کیا چیز ہے۔ اب تو انتہائی ضروری ہو گیا ہے شبیر کا مرنا واقعی، ہم سب کی زندگی ہے۔ جب تک وہ زندہ رہے گا ہم سب کے اعصاب پر سوار رہے گا اور تمہارے دل میں موجود رہے گا۔ میں اس کے خلاف گواہی ضرور دوں گا۔“

’’نہیں ماموں نہیں۔ فار گاڈ سیک ایسا نہ کرنا...... پلیز۔‘‘ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

’’اسے زندہ دیکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو بند کرو۔ یہ رونا دھونا...... ایک بار کہا ہے کہ میں اپنے قول سے پھرنے کا نہیں۔ بار بار اپنی بات دہرا کر تم مجھے مشتعل کرنے کے سوا کچھ نہیں کر رہیں۔‘‘ وہ انتہائی کمینگی پر اتر آیا تھا۔ پھر ایک دم مسکرانے لگا۔

’’یقیناً۔ لیکن تمہارا احترام [illegible] بھابی کی حیثیت سے محبت کرتا ہوں تم سے۔ [illegible] ہم سب [illegible] کی خوشی ہے۔‘‘

وہ آ کے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر کسی بے جان شے کی طرح بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی۔ الجھنوں، پریشانیوں اور دکھوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر بھر میں ہلچل سی مچی تھی۔ لڑکیاں دولہا کے ہاں مہندی کے لیے جانے کو تیار ہو رہی تھیں۔ اس کے قریب ہی چاندی کی منقش تھالیوں میں سجی سجائی مہندی موجود تھی۔ لڑکیوں نے بڑے تھال اور تھالیوں کو بڑی خوبصورتی سے سجایا تھا۔ رنگ برنگی افشاں سے اس کا اور ہارون کا نام لکھا تھا اور سب کچھ تیار کرنے کے بعد خود لباس تبدیل کرنے میں لگی تھیں۔ دلنواز بھی پچھلے دنوں سے یہیں تھے۔ آمنہ عاتکہ کو تیار کرنے کے بعد اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ مایوں کے زرد کپڑوں میں وہ بے تحاشا اداس لگ رہی تھی۔ مہندی سے سجے ہاتھوں کو اپنی آغوش میں رکھے وہ جانے کس سوچ میں گم تھی۔ آمنہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

’’گوہر......!‘‘ انہوں نے پکارا۔

’’گوہر......‘‘ ایک بار پھر صدا دی۔

’’ہوں...... ہاں۔‘‘ وہ اپنے خیالوں سے ہڑبڑا کے نکلی۔

’’کیا سوچ رہی ہو؟‘‘

’’کچھ بھی نہیں۔ سوچنے کو اب رہ بھی کیا گیا ہے مامی۔‘‘

’’گوری شبیر تمہیں یاد بھی نہیں آتا۔‘‘ آمنہ نے حسرت سے پوچھا۔ گوہر کی خشک آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

’’آپ ایسا سمجھتی ہیں مامی...... وہ برا بھی ہوتا تو میں اسے اپنے دل سے نہ نکال سکتی۔ اب تو ستم یہ ہے کہ وہ...... اس سے بھی بڑھ کر اچھا ہے۔ بہت ہی اچھا ہے۔ میرے تصورات سے بھی کہیں عظیم تر۔ میں جب تک جیوں گی ضمیر کے بھاری بوجھ تلے دبی رہوں گی۔ یہ دوریاں میری پیدا کردہ ہیں مامی۔ میں نے ہی سب دلوں میں نفرت کے بیج بوئے ہیں۔ میں نے ہی اسے سب سے دور کیا ہے اور آج میں کسی کو بھی اس کی بے گناہی کا یقین نہیں دلا سکتی۔ مامی...... امیں کتنی خود غرض تھی۔ کتنی خود غرض ہوں۔ اپنے ہاتھوں پہ کسی غیر کے نام کی مہندی سجا کے۔ اپنی ہتھیلیوں پہ کسی اور کا نام لکھے خوش بیٹھی ہوں۔ وہ جانے کہاں ہوگا۔ کیسا ہوگا۔ شاید اسے اس ستم کی خبر ہی نہ ہو۔ کیوں آیا تھا وہ میری دنیا میں...... کیا یہی ستم اٹھانے...... مامی...... مامی!‘‘

اس نے آمنہ کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

’’چپ ہو جاؤ گوہر...... تمہاری سسرال والے موجود ہیں۔ کسی کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ تم دیکھ چکی ہو...... ہارون کو خبر ہوئی تو اس کی محبت اور توجہ بھی کھو بیٹھو گی۔‘‘

’’ہارون کو پتا چل جائے کہ میں شبیر سے پیار کرتی ہوں۔ تو وہ کیا کریں گے۔‘‘

’’یقیناً تم سے نفرت...... کون چاہتا ہے کہ اس کی بیوی زندگی اس کے ساتھ بسر کرے۔ دل میں کسی اور کو سجائے رکھے۔‘‘ گوہر کی آنکھیں یک دم کھلیں۔ ایک چمک ان میں آئی اور معدوم ہو گئی۔

’’تم ایزی ہو جاؤ گوہر...... ہر بات بھلا دو۔ اسے اپنی تقدیر سمجھ لو۔ شبیر کو بھول جاؤ۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔ تمہیں غلط مشورہ نہیں دوں گی۔ میں جا رہی ہوں۔ تم تنہائی میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچو۔‘‘ وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

نیلما کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ لڑکیوں میں گھری چہک رہی تھی۔

’’ارے بھیا کا کیا پوچھتی ہیں آپ۔ ابھی تک مریضوں میں گھرے ہیں۔ مہندی کی رسم کے لیے گھسیٹ گھساٹ کر لانا پڑے گا۔ آدمی ڈاکٹر ہو پر ڈاکٹر ہارون جیسا ہرگز نہ ہو۔ سینے میں دل نہیں مہا دل رکھتے ہیں۔ ہمدردی اور ترس سے بھرا مہا دل۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت کوئی مریض آ دھمکا تو اعلیٰ حضرت نکاح مس کر دیں گے۔ مریض کو خالی نہیں لوٹا ئیں گے۔‘‘

اس نے کچھ سوچ کر الماری میں پڑا شادی کا کارڈ اٹھایا۔ جو واسطی فیملی کی طرف سے تھا۔ اس پر ڈاکٹر ہارون کے ٹیلی فون نمبرز بھی درج تھے۔ گوہر کے وجود میں اطمینان بھر گیا۔ اس نے سامنے رکھے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔ اور نمبر گھمانے لگی۔

’’ہیلو......‘‘

’’یس ہارون واسطی اسپیکنگ۔‘‘

اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ لہجہ کانپا۔

’’ہیلو!‘‘ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

’’یس...... کہیے...... کیا بات ہے؟ کون ہیں آپ؟‘‘

’’میں...... میں جی...... مجھے آپ سے ملنا ہے۔‘‘

’’بی بی! میں اس وقت خاصا مصروف ہوں۔ لیکن آپ کیوں ملنا چاہتی ہیں۔ اپنی پرابلم کیا کسی مریض کے سلسلے میں؟‘‘

’’یس ڈاکٹر ہارون ایک جاں بہ لب انسان کے سلسلے میں۔ میرا آپ سے ملنا بے حد ضروری ہے۔‘‘

’’اوہ سو سیڈ۔ آپ آ جائیں۔ میں میرے پاس بہت وقت ہے۔ زندگیاں تو او پر والا دیتا ہے۔ کوشش تو میرا فرض ہے نا۔ آپ آ جایئے ابھی اور اسی وقت۔ گو کہ گھر میں بھی میری اشد ضرورت ہے۔ لیکن میرا فرض مجھے زیادہ عزیز ہے۔‘‘

’’میں آ رہی ہوں...... آپ پلیز اپنے ہاسپٹل کا ایڈریس سمجھا دیں۔‘‘

’’او کے۔‘‘ انہوں نے پتا بتا دیا۔ گوہر نے خدا حافظ کہہ کے فون رکھ دیا۔

اس نے دروازہ کھول کر برآمدے اور پھر ساتھ والے کمرے میں جھانکا۔ آس پاس کوئی بھی نہ تھا۔ اس کمرے کا دوسرا دروازہ بیرونی برآمدے میں کھلتا تھا۔ اس نے الماری میں رکھی بڑی ساری سیاہ چادر میں اپنا آپ چھپایا۔ پرس اٹھایا اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسپٹل کے ساتھ ہی ڈاکٹر ہارون کی رہائش گاہ تھی جس کے طویل و عریض لان میں بے حد رونق تھی۔ مرکری بلبوں، ٹیوب لائٹوں اور رنگ برنگے برقی قمقموں نے عجیب سی بہار بکھیر رکھی تھی۔

کل شادی کا دن تھا۔ گیٹ پر انتہائی خوب صورت استقبالیہ الفاظ رنگ برنگے پھولوں سے لکھے گئے تھے۔ وہ ڈری ڈری سی ہاسپٹل کے گیٹ پر نصب بورڈ پڑھنے لگی اور پھر اپنا آپ چادر میں سمیٹتے ہوئے گیٹ کی راہ اندر چلی آئی۔

"ڈاکٹر ہارون کس طرف ہوں گے؟" طویل برآمدے میں آ کے اس نے ایک کمرے سے نکلتی نرس سے پوچھا تو اس نے حیران ہو کے گوہر کو دیکھا۔ شاید اس کا حلیہ اس کی حیثیت کا تعین کر رہا تھا۔ یا اسے یاد نہیں رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پیر مہندی سے سجے ہیں اور پیر عام سی چپل سے جھانک کر سارا راز فاش کر رہے تھے۔

"جی وہ اپنے آفس میں ہیں۔ وہ رہا ہارون کا آفس۔"

"تھینک یو۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

گوہر ان کے آفس کی طرف چلی۔ بڑے حوصلے سے گھر سے نکلی تھی۔ یہاں آ کر گھبرا گئی۔

یہ کیا کر دیا تھا اس نے۔ کل اس کی شادی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل اس کے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے گئے تھے۔ اور وہ تن تنہا اپنے ہونے والے شوہر سے ملنے چلی آئی تھی۔ وہ آفس کے دروازے کے قریب رک گئی۔

"گھر میں یقیناً میری غیر موجودگی کی خبر سب کو ہو چکی ہو گی۔ وہ لوگ کیا خیال کریں گے۔ ابا کو بھی پتا چل گیا ہو گا۔ اسری اور نبیل بھائی کو بھی۔ اماں تو مجھے نہ پا کر ہوش کھو بیٹھیں گی۔ یہ کیا کیا میں نے۔ کیوں چلی آئی یہاں۔"

اس کے قدم وہیں رک گئے۔ آگے بڑھے یا پیچھے...... فیصلے کی قوت ہی اس سے چھن گئی۔ برآمدے میں رکھے بنچ پر دو تین خواتین بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر ایک دوسرے سے اشاروں میں بات کر رہی تھیں۔ لیکن اپنی ہی فکروں میں گم گوہر ان سے بھی بے خبر تھی۔

"خیریت ہے بی بی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟" چپڑاسی ڈاکٹر ہارون کے کمرے سے باہر نکلا۔

"جی...... وہ...... مجھے ڈاکٹر ہارون سے ملنا تھا۔" اس نے کہہ ہی ڈالا۔ اس کی بات مکمل ہوئی تھی وہ عین اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

سفید براق شرٹ، سیاہ پینٹ آنکھوں پر سیاہ گاگلز...... کہیں باہر سے آ رہے تھے۔

"آئی ایم سوری محترمہ...... میں ......"

اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان کے الفاظ جوں کے توں ان کے اندر ہی رہ گئے۔

"گوہر...... آپ...... اس وقت یہاں میرے ہاسپٹل میں......" انہوں نے سر تا پا اسے دیکھا۔

"اللہ داد...... فی الحال میں کسی مریض کو اٹینڈ نہیں کروں گا۔ اندر کوئی نہ آئے۔ آپ چلیے اندر۔"

وہ سہمے سہمے قدموں سے دروازہ پار کر کے اندر آ گئی۔ ہارون اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئے۔

"آپ یہاں کیوں آئی ہیں آپ گوہر ہی ہیں نا گوہر عسکری؟" انہوں نے اپنا شک دور کرنا چاہا۔

"جی ہاں......" وہ رک گئی تھی اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ آنکھیں برس رہی تھیں۔ لب کانپ رہے تھے۔

"سب خیریت ہے نا! مگر لگتا ہے خیریت نہیں ہے۔ یہ آپ کا یوں آنا۔"

وہ اسے بیٹھنے کا کہہ سکے نہ خود بیٹھے۔

"کیا گھر والوں کو خبر ہے کہ......"

"گھر والوں کو تو کسی بات کی خبر نہیں ڈاکٹر ہارون واسطی نہ مجھ پر ہونے والے ظلم کی۔ نہ کسی کی بے گناہی کی۔ نہ آپ کی لاعلمی کی۔ نہ ماموں کی سفاکی کی...... نہ زمانے کی بے رحمی کی۔"

"جی کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہا۔ بخدا نہیں سمجھ پا رہا۔ ڈاکٹری کی مشکل ترین اصطلاحوں میں کھو کر۔ شاید باقی چیزوں سے انجان رہ گیا ہوں۔"

وہ سادگی سے کہہ رہے تھے۔

"آپ جو کہنا چاہتی ہیں مکمل کر کہیے۔"

"ڈاکٹر ہارون۔ کیا آپ وہ سب سن لیں گے جو میں کہنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ وہ فیصلہ کر سکیں گے جو ایک اچھے انسان کو کرنا چاہیے۔ اور کیا آپ میں سچ سننے اور سچ کا ساتھ دینے کی جرأت ہے؟"

"آف کورس...... امی نے زندگی کے ہر موڑ پر خود کو ایسا ہی پایا ہے اور آپ کا جو بھی مسئلہ ہے آپ کو جس قسم کا تعاون درکار ہے اس کے لیے آپ مجھے ایک انسان ہی پائیں گی۔ انسانیت سے آشنا انسان۔"

"سچ؟ سچ سچ......؟" اس نے ان کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"جی ہاں۔"

"میں نے بہت سوچ بچار کے بعد کوئی راہ نہ پا کر تقدیر کے ستم سہہ لینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اچانک آپ میرے خیال میں آئے۔ میں نے سوچا ایک بے یار و مددگار مصیبت زدہ لڑکی کو اٹھا کر اپنے گھر لے جانے والا اور پھر بحفاظت اسے واپس اپنے گھر چھوڑ آنے والا...... کوئی اچھا انسان ہی ہو سکتا ہے۔ سو میں چلی آئی۔ آپ سے اپنا دکھ کہہ کر آپ کا فیصلہ سننے۔ کیا آپ کے پاس مجھے دینے کے لیے وقت ہے؟ کیا آپ میری بات سن سکیں گے؟"

"ضرور...... ہر حال میں......"

ڈاکٹر ہارون کو غیر معمولی صورت حال کا احساس ہو گیا تھا۔ تبھی وہ از حد سنجیدہ بلکہ فکر مند ہو گئے۔

"مگر آپ بیٹھ تو جائیے۔"

انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ خود اس کے سامنے اپنی سیٹ پر جا بیٹھے۔

"اب کہیے۔"

گوہر کہنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈتی رہی اور وہ اس کا چہرہ تکتے رہے۔

"آپ چپ ہیں۔ میں پریشان ہوا جا رہا ہوں۔ کہیے نا۔ بولیے نا۔"

"ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے سامنے بیٹھی یہ لڑکی آپ کی دنیا میں آپ کی بیوی بن کر آتے ہوئے اپنے ساتھ آپ کے اور آپ کے ساتھ کے خاندان کے لیے سوائے نفرت کے اور کوئی جذبہ لے کر نہیں آ سکے گی تو آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟"

"نفرت...... مجھ سے میرے خاندان سے۔ نہیں نہیں گوہر...... محبتوں کا بدلہ محبتوں سے دیا جاتا ہے نفرت سے نہیں۔ میں...... میرے اہل خانہ آپ کو پسند کرتے ہیں۔ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کیسے ہم سب سے نفرت کر سکتی ہیں۔ نفرت تو بہت برا جذبہ ہے۔"

"مگر مجھے آپ لوگوں سے از حد نفرت ہے۔"

"وہ کیوں؟" ہارون سراپا سوال بنے ہوئے تھے۔

☆☆

"اس کے بہت سے اسباب ہیں؟"

"کیا آپ کو مجھ سے بھی نفرت ہے۔ کیا میں نفرت کے قابل ہوں۔ یہ کیا گوہر! ایسا کیوں؟ ہیلو... ہم... میرا مطلب ہے بس آپ سے۔ میں پسند کرتا ہوں آپ کو یہ میری ہی خواہش تھی۔" وہ مسکرائے۔

"آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ کس نے آپ کو حق دیا مجھے پسند کرنے کا۔"

ہارون شپٹا سے گئے۔ گوہر کا لہجہ ہی ایسا تھا کہ مسکراہٹ ان کے چہرے سے غائب ہوگئی۔

"کیا پسند کرنے کا' پانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے جو آپ نے اختیار کیا۔ اتنا ظلم نہیں اور بھی ہے جو آپ نے کیا۔ آپ میری زندگی سے اتنا سنگین مذاق کیوں کر رہے ہیں؟ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟ ڈاکٹر ہارون واسطی! میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ اٹل فیصلہ...... اس فیصلے سے مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی۔ شبیر بچ جائے یا تختہ دار ہی اس کا مقدر ہو میں آپ سے شادی کسی صورت نہیں کروں گی۔"

"شبیر...... کون شبیر...... یہ نام میں نے غالباً اخبار میں پڑھا ہے۔ ایک دو بار مامون کی زبان سے بھی سنا ہے۔ آپ مشہور مقدمہ قتل میں ملوث اپنے کزن کا ذکر تو نہیں کر رہیں گوہر؟"

"وہ صرف میرا کزن ہی نہیں' میرا منگیتر بھی ہے اور محبوب بھی۔"

گوہر نے بازی جیتنے کے لیے سارے پتے گویا داؤ پر لگا دیے۔ وہ ہارون کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ بڑی جرأت سے اپنے جرم کا اقرار کر رہی تھی۔

"وہ میری وجہ سے موت کی نذر ہو رہا ہے۔ اچھی خواہش ہے آپ کی۔ ایک انسان کی جان کی قیمت پر پوری کی جا رہی ہے آپ سب کے کہ وہ ارادے پورے ہو بھی جائیں تو یقین مانیے' ڈاکٹر ہارون آپ صرف ایک جسم خرید کے اپنے گھر میں کسی بت کی طرح سجا سکیں گے۔ آپ میری روح تو کیا میرے جسم و جان پر بھی عمر بھر اپنا استحقاق نہ جما سکیں گے۔ وہ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہو کے مر جائے اور میں آپ کے ارمانوں کی دنیا سجانے آجاؤں۔ یہ ناممکن ہے۔ دلہن بن کر آپ کے سنگ صرف اپنے ماں باپ کی عزت بچانے کی خاطر رخصت ہو آؤں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ میں نے آپ کو قبول کرلیا ہے۔ آپ میرے گھر کی دہلیز پر بزرگوں احباب کے ساتھ سہرا باندھ کر آتے ہوئے یہ بات ذہن میں ضرور رکھیے گا۔ ورنہ آپ کے لیے بہتر یہی ہے ڈاکٹر ہارون کہ آپ اس شادی سے انکار کر دیں۔"

ہارون نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی لہو لہو آنکھوں میں خوابوں کی شکستگی کے احساس کے ساتھ اپنے ارادے کی پختگی کا عزم بھی موجود تھا۔

ہارون واسطی اپنے والد اور بھائی کے برعکس نہایت سمجھ بوجھ والے ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک نوجوان تھے۔ بات کچھ سمجھ میں آچکی تھی۔ کچھ سننا اور سمجھنا چاہتے تھے۔ سو بولے۔

"بی ایزی گوہر...... پلیز آپ اپنے اور میرے درمیان موجود اس نئے باندھے جانے والے رشتے کو بھول جائیے۔ مجھے اپنا دوست سمجھیے اور بلا تکلف بھروسے کے ساتھ اپنے دل کی ہر بات مجھے بتا دیجیے اور یقین کیجیے! میں نے زندگی میں جو بھی فیصلہ کیا ہے اس میں انسانیت کے پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے۔ میرا فیصلہ آپ کے تکلیف کا باعث نہیں بنے گا۔ یہ وعدہ ہے۔"

"مگر...... کیا یہ جگہ...... میری وضاحت کے لیے مناسب ہے؟"

"آف کورس...... آپ اطمینان سے بات کر سکتی ہیں۔ کسی بھی پریشانی کے بغیر...... میں سن رہا ہوں۔ منتظر ہوں۔"

گوہر ایک پل انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"آپ کے گھر والوں نے اس صورت حال میں میرے اہل خانہ کو اپنی رضامندی کیسے دے دی۔ کیا وہ......؟"

"وہ تو آج تک حقائق سے بے خبر ہیں۔ ہم دونوں نا کردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں۔ حالانکہ جب میری منگنی شبیر سے ہوئی تھی تو میں راضی نہیں تھی۔ یہ صرف گھر والوں کی منشا تھی۔"

"اور اب؟"

"یہ تو ایک طویل داستان ہے ہارون واسطی۔"

"میں سننا پسند کروں گا خواہ جتنی بھی طویل ہو۔"

گوہر نے اطمینان کی سانس لی۔

☆☆☆☆☆☆☆

لمحے کتنے بیت گئے تھے۔ گوہر کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس نے تو وہ ساری باتیں جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ساری باتیں جو وہ کسی سے نہ کہہ سکی تھی ہارون احمد واسطی سے کہہ ڈالی تھیں۔ جو انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ سنی تھیں اور سننے کے بعد خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ جانے کیا فیصلہ سنانے والے تھے۔

"گوہر......!"

"جی......"

"میں نے آپ کی ایک ایک بات بڑی توجہ سے سنی ہے۔ میرے پاس جواب میں کہنے کے لیے کوئی بھی موزوں الفاظ نہیں ہیں۔ میں کیا کہوں' کیسے معذرت کروں' کیسے تلافی کروں۔ آپ کے زخمی دل پر کیونکر مرہم رکھوں۔ لیکن اتنا تو کر سکتا ہوں کہ شادی احسن طریقے سے روک دوں۔ آپ اطمینان رکھیے۔ میرا اعتبار کیجیے کہ کل بارات آپ کے گھر نہیں آئے گی۔ میں ان لمحوں کو اپنی زندگی میں سے نکال تو نہیں سکتا لیکن آپ سے معذرت ضرور کر سکتا ہوں۔ جب میں نے آپ کو اپنے خوابوں میں بسا کر آپ کے بارے میں سوچا۔ میں بے خبر تھا' انجان تھا۔ میں ہرگز قصوروار نہیں ہوں۔ آپ کی ہستی تھی ہی ایسی۔ آپ ہو بہو وہی تھیں جو میرا مطلوب تھا۔ میں کیا کرتا۔ آپ کو آپ کی محبت...... آپ کا ساتھی مبارک۔ آپ دیکھیں گی کہ حالات اب وہ نہیں رہیں گے۔ میں جانتا تھا کہ میرا بھائی نیک دل نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ وہ ایسا شیطان خصلت انسان ہے۔ وہ شبیر کے خلاف جھوٹی گواہی ہرگز نہیں دے گا خواہ مجھے اپنی جان پر کیوں نہ کھیلنا پڑے۔ میں یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ آپ شبیر کے ساتھ وہ زندگی گزاریں گی جس کے خواب آپ دونوں نے دیکھے۔ میری پرخلوص دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ خدا آپ کی مدد کرے۔ میں ذرہ بھر اداس نہیں ہوں۔ ہم سب ایک بھیانک زندگی سے بچ گئے ہیں۔ دلوں کا بوجھ ہم میں سے کسی کو چین نہ لینے دیتا۔ نہ مجھے خوشی مل سکتی نہ آپ کو۔ ایک بے گناہ کے خون کا بوجھ میں سدا اپنی گردن پر محسوس کرتا۔ آپ کے خوابوں کی شکست کو سراسر اپنا ظلم گردانتا۔ رسم و رواج شاید ہمیں جکڑ لیتے اور ہم سب جیتے جی موت سے دوچار ہو جاتے۔ یہ شادی یہیں رک جانی تھی۔ چند روز لوگ انجھے

رہیں گے۔ پریشان ہوں گے۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں خوش ہوں گوہر...... آپ...... آپ پر مجھے فخر ہے۔ شبیر کو میں نے دیکھا نہیں۔ میں اسے جانتا نہیں لیکن اس کی جو تصویر آپ نے مجھے دکھائی ہے وہ بہت خوب صورت اور دلکش ہے۔ میں اس نوجوان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں اور آپ کا قائل ہو گیا ہوں۔ آپ نے وفا کا پرچم بلند رکھا ہے' محبت کی لاج نبھائی ہے۔ میں نے وفا کے متعلق سنا تھا' دیکھا نہیں تھا۔ آج دیکھ لیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی کی ہمت' بہادری اور صاف گوئی پسند آئی ہے۔ حقیقت کا یہ کڑوا پن ہمارے لیے موت نہیں' حیات ہوگا۔ میں نے تو آپ کو صرف پسند کیا تھا۔ وہ آپ کو زندگی سمجھتا ہے۔ میں کسی کی زندگی چھین لینے کا بھیانک جرم کیوں کروں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو انسان کو کمزوریوں کی بنا پر اسے بلیک میل کرتے ہیں۔"

وہ اپنی کرسی چھوڑ کر اس کی طرف آئے۔ اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"گوہر! آپ کو پریشان نہیں رہنا چاہیے...... انشاء اللہ اس مسئلے کا بہترین حل نکل آئے گا۔ آپ بے فکر رہیے۔ کوئی سیاہ رات آپ کی زندگی میں نہیں آئے گی۔ میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گا۔ مسیحائی صرف دواؤں اور آلات حرب کے ساتھ ہی نہیں کی جاتی۔ انسانی زندگی کے کام آنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ مجھ پر اعتبار کیجیے...... میں...... مجھ میں اتنی قوت ہے کہ میں زمانے سے اپنا موقف منوا سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ میری "نہ" کسی کے کہنے پر "ہاں" میں نہیں بدل سکتی۔ اس کا فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔ آپ پسند کریں تو میں آپ کو چھوڑ آؤں۔ چلیے......"

گوہر کھڑی ہو گئی...... ہارون کے پیچھے چلتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ طویل برآمدے طے کر کے وہ پورچ میں آئے۔ گوہر نے پچھلی نشست پر اپنے آپ کو گرا دیا۔

ہارون واسطی مسکرا رہے تھے۔ لیکن یہ مسکراہٹ بڑی عجیب تھی جس کا کوئی سبب گوہر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہنس دیے۔ ہلکی سی ہنسی گاڑی کے مختصر احاطے میں پھیل گئی۔

"ایک بار آپ کو چھوڑنے گیا تھا۔ پھر ملنے کی امید کے ساتھ...... آج چھوڑنے جا رہا ہوں' ہمیشہ کے لیے۔ دیکھ سکنے کے یقین کے ساتھ۔ کتنا فرق ہے آج کے دن اور اس دن میں۔ بعض اہم واقعات آدمی کے لیے کتنے غیر اہم اور بے سبب ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی کا نام زندگی ہے۔ ویسے گوہر! کیا میں امید رکھوں کہ آپ خوشی کے ان لمحات میں ایک مخلص دوست کو یاد رکھیں گی۔ تاکہ میں آؤں اور شبیر کو مبارک باد دے سکوں کہ ایک بے مثال لڑکی اس کا نصیب ہے۔"

گوہر خاموش ہی رہی۔ اسے تو ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ جلد بازی کے تحت کیے فیصلے کے سبب گھر سے نکل کر اس نے سچ مچ اپنا آپ محفوظ کر لیا ہے اور ہارون احمد واسطی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ضرور کر دکھائیں گے۔

اس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھے ہارون کے نام کو گھورتی رہی۔

"ہر واقعہ جو ہماری زندگی میں رونما ہوتا ہے اس کی کوئی وجہ' کوئی سبب ہوتا ہے اور ہر واقعہ اپنا ایک اثر چھوڑتا ہے جانے اس واقعے کا کیا مقصد اور کیا نتیجہ ہے۔" وہ گویا خود سے مخاطب تھے۔

"ڈاکٹر ہارون!" گوہر نے انہیں پکارا تو وہ بیک ویو مرر میں اسے دیکھنے لگے۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی لگ رہی تھی کہنے لگی۔

"آپ کسی اچھی سی لڑکی سے جلد از جلد شادی کر لیجیے گا۔"

"اچھی لڑکی......" وہ ہنس دیے۔

"جی ہاں جو آپ جیسے عظیم انسان کے قابل ہو۔"

"ڈھونڈنے میں ایک زمانہ لگ جائے گا۔ کیا خبر ملے بھی کہ نہ ملے۔ جانے کب میں یہ فیصلہ کر پاؤں۔ کب ڈھونڈوں چھوڑیے ان باتوں کو...... آپ خوش رہیں۔ یہ بات مجھے خوشی دے گی۔ پھر اس کے بعد میں کچھ سوچوں گا۔"

گھر آ گیا...... وہ اپنا آپ چادر میں چھپا کر گاڑی سے اتر آئی۔ گھر سے نکلنے کو اس نے جس بغلی دروازے کا انتخاب کیا تھا وہ اب بھی ویسے ہی بند تھا جیسے گوہر چھوڑ آئی تھی۔ ہارون گاڑی نکال کر چلے گئے۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔ کوریڈور میں کھلنے والا دروازہ اسی طرح اندر سے بند تھا۔ اس نے چادر اتار کر الماری میں رکھی اور دھم سے پلنگ پر گر پڑی۔

"بہادر بننا گوہر...... جس راہ پر تم نے قدم رکھ دیے ہیں اس راہ پر حوصلہ کام آئے گا۔ رونا دھونا نہیں۔ تمہیں اب بہت کچھ دیکھنا' کہنا اور سننا ہے۔ بہادر ہو گی تو جی سکو گی...... بی بریو۔" اس نے خود کو سنبھالا دیا۔

دروازہ دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر بے اختیار دروازہ کھول دیا۔

"کیا بور بہت ہے یار...... کوئی ایسے بھی گھوڑے بیچ کر سوتا ہے۔ دو گھنٹے ہو گئے۔ کئی بار تاک کر چکی ہوں۔ ایسی بھی کیا نیند۔" ارم دروازے پر تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"پھپھو نے شور مچا رکھا ہے۔ رات سر پر ہے۔ مہندی کے تھال تک اندر تھے اور ہم سب کے کپڑے الماری میں تھے۔ ظہیر بھائی دروازے توڑنے والے تھے۔ کیسی غلط حرکت ہے۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر سو جاتیں۔ ہم سامان اٹھا لیتے۔"

گوہر جواب میں خاموش رہی۔ جوہر آپا۔ آمنہ مامی اور باقی لڑکیاں بھی وہیں آ گئیں۔

"افوہ گوہر! شکر ہے تمہاری آنکھ تو کھلی۔ بھئی یہ بھی سونے کا وقت تھا۔ بھلا ہم چلے جاتے تو کمرہ بند کر کے سوئی رہتیں۔ پریشان کر کے رکھ دیا۔ نیلی کے فون پر فون آ رہے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے انتظار میں ہیں۔ میں تو ڈر گئی۔ کہیں تم نے کچھ پھانک تو نہیں لیا۔ مامی تسلی نہ دیتیں تو میں ظہیر وغیرہ سے کہہ کے دروازہ تڑوا ہی دیتی۔"

جوہر کی جان میں جان آ گئی تھی اسے دیکھ کر۔ پھر بھی ناراضی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آمنہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ چہرے پر نیند سے بیداری کا شائبہ تک نہ تھا۔ اور تین گھنٹے قبل کی پژمردگی بھی غائب تھی۔ لڑکیاں اپنے اپنے لباس کی فکر میں لگ گئیں۔ جوہر مہندی کی سجی سجائی تھالیاں اٹھوا کر باہر رکھوانے لگیں۔ آمنہ اس کے پاس آ بیٹھیں۔ گوہر نظریں چرائے بیٹھی رہی۔

"کیا بات تھی گوہر۔ تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔ سو طرح کے وہم آ رہے تھے۔ پریشان ہو کے لڑکیاں عاصم بھائی اور آپا کی طرف جا رہی تھیں۔ میں نے روک دیا۔ وہ تو شکر ہے سب مرد اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ ورنہ بات پھیل جاتی۔ تم نے جان بوجھ کر دروازہ نہیں کھولا نا۔ سچ بتاؤ بات کیا ہے؟"

وہ آمنہ کا چہرہ بغور دیکھنے لگی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ سچ سچ بتا دے۔ لیکن پھر خاموش ہو گئی۔

"خود کو ماضی کی بھول بھلیوں سے نکال لو گوہر! یہ احتجاج کا طریقہ نہیں ہے۔ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع

کیوں دیتی ہو..... تماشا بن کر کیا ملے گا جو ہو چکا اسے قبول کرنے میں ہی عافیت ہے۔"

شاید اس کے دل کی کیفیت اس کے چہرے پر رقم ہو کر اسے پراسرار بنا رہی تھی۔ تبھی آمنہ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ وہ آمنہ کو بھی شریک راز نہیں بنانا چاہتی تھی۔ سو کوئی جواب نہ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"کیا کیا؟ پھوپھا جان نے جانے سے منع کر دیا ہے..... مگر کیوں؟"

"ہاں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ پھوپھا سخت غصے میں تھے۔" پھوپھو جان حیران ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ جانے کیا کیا کہے جا رہے تھے۔ تم یقین کرو میرا! خدا کی قسم مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے خود تم سے کہا ہے کہ لڑکیوں کو منع کر دو۔ مہندی کے لیے نہ جائیں۔"

"کیا ہوا؟ کیا بات ہوئی۔ کل شادی ہے مہندی کے لیے پھر کب جایا جائے گا..... نہیں نہیں شاذی تم بکواس کرتی ہو..... انہوں نے کوئی اور بات کہی ہوگی۔"

ارم تیزی سے عاصم حسنین کے کمرے کی طرف بڑھی۔ آوازوں نے اس کے قدم روک دیے۔

"زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ یہ رشتہ میں نے نہیں آپ نے قبول کیا تھا۔ خود ہی ان سے پوچھیے کہ مذاق انہوں نے کیوں کیا۔ انہیں ایک بار انکار ہے تو ہمیں سو بار انکار۔ بیٹی کوئی بوجھ نہیں ہے۔ وہ تو آپ کو ہی کوئی آفت آئی تھی۔ شبیر سے رشتہ توڑا تھا۔ تو ہارون سے کرنے کی جلدی کیا تھی۔ گھر بیٹھے کے وہ کھا تو نہ جاتی ہمیں۔ اب تو خوش ہیں نا جگ ہنسائی کرا کے۔ خود ہی جواب دیتے رہیے گا ہر ایک کو۔" صفیہ بیگم روہانسے لہجے میں کہے جا رہی تھیں۔

"مجھے کیا خبر تھی منو..... وہ ایسے نیچ نکلیں گے۔ اتنے کم ظرف ہوں گے۔ خود لڑکے نے مجھ سے فون پر بات کی ہے اور رشتہ ختم کرنے کو کہہ دیا ہے۔ میں نے لاکھ پوچھا کہ میاں اس کی کوئی وجہ۔ بس سوری کہہ کر فون بند کر دیا۔ پہلے میں نے سوچا شاید کسی نے دشمنی میں ایسا کہہ دیا ہو۔ کیونکہ میں نے اس سے پہلے ہارون کی آواز فون پر کبھی نہیں سنی۔ پھر میں نے خود ان کا نمبر ملایا۔ تب بھی اسی نے فون اٹھایا اور میرے پوچھنے پر ایک بار پھر اپنی بات دہرا دی۔ نہیں صفیہ نہیں۔ اس سے بہتر ہے میں زندہ زمین میں گڑ جاؤں۔ میں دنیا کو منہ نہیں دکھا سکتا سوچو تو سہی پوری برادری، دوست احباب سب میرے گھر پر جمع ہیں جو نہیں آئے وہ ابھی یا صبح آ جائیں گے نکاح کے لیے پورے شہر کو مدعو کر رکھا ہے میں نے۔ وہ سب..... نہیں نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ میں واسطی صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

انہوں نے فون کرنے کے لیے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملائے۔ گھنٹی بجتی رہی۔ فون کسی نے اٹھایا ہی نہیں۔

"میں ..... میں خود جا رہا ہوں۔"

"آپ بیٹی کے باپ ہیں۔ آپ وہاں۔"

"ہاں ہاں اپنی عزت کے بت کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے۔ بیٹی کا باپ ہوں نا..... مجھے یہ کرنا ہی ہوگا۔ وہ لوگ میری عزت سے یوں نہیں کھیل سکتے۔ انہیں یہ حق نہیں ہے۔ یہ کیسا انتقام ہے کوئی انداز نہیں ہے۔" ان کی آنکھیں نم تھیں۔

"میں جاؤں گا بات کروں گا۔ فی الحال مہندی کے لیے تم لوگوں میں سے کوئی وہاں نہ جائے۔ رسم ہے پوری رات پڑی ہے۔ میں بات تو کر لوں۔"

"آپ کو ان کے آگے التجا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے شاہنواز بھائی اور دلنواز سے بات کیجیے۔ کاظم کو بتائیے۔ نبیل سے ذکر کیجیے اور اس کے بعد جو بھی ہو ٹھیک ہوگا۔"

چند لمحوں میں سب لوگ وہیں جمع تھے۔ فیصلہ ہوا کہ سب مل کر ہی لڑکے والوں کی طرف جائیں گے۔

جہاں گھر بھر سہم کر رہ گیا تھا وہاں چچی جان کے چہرے پر پل میں اطمینان آ بسا۔

"پڑ گئی نا بن ماں کے بچے کی آہ ..... اور ظلم کریں۔ مجھے یقین تھا یہ شادی نہیں ہوگی۔ یہ کہیں لکھا ہی نہیں ہے کہ لوری میرے شبیر کے سوا کسی کی دلہن بنے۔ خدا نے میری سن لی۔ وہ بڑا رحیم ہے۔" وہ شکر بجا لا رہی تھیں۔

"او چچی جان..... عاصم بھائی نے سن لیا تو..... آپ خاموش ہی رہیے۔" آمنہ نے انہیں ٹوکا۔

"اے اب تک چپ رہی ہوں۔ اب نہیں رہوں گی۔ خدا سب کی سننے والا ہے۔ وہ حق اور ناحق کو دیکھ رہا ہے کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ غضب خدا کا لڑکے کو جان کے لالے پڑے ہیں اور انہیں سوجھی ہے شادیوں کی۔ بہت ہی اچھا ہوا۔ اب تو مزا یہ ہے کہ ان سب کو دھکے دے کر گھر سے نکالیں وہ لوگ تب انہیں عقل آئے گی۔"

چچی اپنی کہے گئیں۔ صفیہ بیگم آنسو بہا رہی تھیں۔ آمنہ گنگ بیٹھی تھیں۔ سعیدہ بیگم دوڑی ہوئی آئیں۔

"کیا یہ سب سچ ہے جو میں نے سنا۔"

"اور نہیں تو کیا؟"

"اوہو..... بہت برا ہوا۔ کیا خبر تھی۔ وہ دل میں پرانی دشمنی کا غبار لیے ہوئے یہاں آئے تھے۔ انہوں نے تو کسی طور یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ کتنی چاہ دکھا رہے تھے۔ اے سنا ہے لڑکے نے خود انکار کر دیا ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ اسے معلوم ہو گیا تھا..."

"کیا معلوم ہو گیا تھا.....؟" آمنہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"ارے یہی گوہر اور شبیر والا قصہ۔ خیر دفع کرو ان کو۔ عاصم بھائی کہاں ہیں۔ میں ان سے بات کرنے آئی ہوں۔ لعنت بھیجیں ان سب پر..... میرا اپنا ان کا بیٹا ہے۔ گھر کی بات ہے۔ ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ کل ہی مقررہ وقت پر شبیر سے شادی کرنے پر تیار ہوں میں۔ آپس داری کا یہی تو لطف ہے۔ رشتے دار ایک دوسرے کے عیب ثواب سے مکمل طور پر آگاہ ہوتے ہیں۔ گوہر اور شبیر میں صرف منگنی کا بندھن ہی تو تھا۔ خدانخواستہ کوئی اور بات تو نہ تھی۔ پھر یہ تو میری برسوں پرانی خواہش ہے۔ کہاں ہیں سب لوگ۔ ابھی ابھی بات ہو جائے۔ آپا..... آپ....."

"بھابھی بیگم.....! ہوش میں رہ کر بات کیجیے۔ گوہر کا رشتہ ہارون سے طے کرانے میں آپ کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ بڑی تعریفیں کی تھیں عاصم کے سامنے آپ نے واسطی خاندان کی۔ گوہر میری بیٹی ہے۔ نیلام گھر میں رکھی کوئی بے جان شے نہیں کہ جو چاہے اس کی بولی لگا دے۔ بھاڑ میں جائیں سب..... نہیں کروں گی میں اپنی بیٹی کی شادی۔ جو قیامت آئی ہے آنے دیجیے۔ جو باتیں بنتی ہیں بنتی رہیں۔ مجھے بیٹی بھاری نہیں۔ یہ ظلم تھا جو میں کھلی آنکھوں کر رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے میں اس زیادتی سے بچ گئی۔ چند دن کا دکھ عمر بھر کے دکھ سے بہتر ہے۔ بھلے ساری عمر ہی بیٹھی رہے میری دہلیز پر..... اب کوئی ظلم نہیں کروں گی اس پر۔"

صفیہ بیگم میں جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی۔

سعیدہ بیگم کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا۔

"مذاق کی کوئی حد ہوتی ہے سعیدہ! شبیر کا رشتہ طے کرانے والے لوگوں میں تم بھی تو شامل تھیں اور اس وقت تم

شبیر کی بات بھی کر سکتی تھیں۔ یہ رشتہ جو میری نگاہ میں ٹوٹا ہی نہیں پھر سے بھی جڑ سکتا ہے۔ تمہیں شبیر کا ذکر کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ صرف جیل ہی گیا ہے۔ نصیب دشمناں دنیا تو نہیں چھوڑ گیا کہ اس کا نام تک سب نے مٹا دیا ہے۔" چچی کہنے سے باز نہ رہیں۔

سعیدہ کا جوش و ولولہ تمام ہو گیا۔

"چچی! میں تو اپنی نند کی اشک شوئی کر رہی تھی۔ شبیر کا نام کیسے لیتی...... ظہیر ہی میرے سامنے تھا۔ میں نے برا تو نہیں کیا۔ اور پھر سب کو خبر ہے۔ شبیر کی زندگی کا کیا بھروسا۔ کیا خبر عدالت کا فیصلہ کیا ہو۔ صفیہ آپا اتنی نادان تو نہیں ہیں۔ اپنی بچی کے ارمان انہیں عزیز ہیں۔ میں کوئی بھی بات کر کے ان کا دل نہیں دکھانا چاہتی۔ میں اپنی یہ تجویز بھی واپس لیتی ہوں۔ آپا کا جو دل چاہے وہ کریں۔ گوہر ان کی ہی نہیں ہماری بیٹی ہے۔"

ابھی کسی نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ سارے مرد ایک ایک کر کے ہال کمرے میں داخل ہوئے۔ عاصم ان میں نہیں تھے۔

"گوہر کہاں ہے......" دلنواز نے پریشانی کے ساتھ صفیہ سے پوچھا۔

"کیوں؟ خیر تو ہے نا۔"

"عاصم بھائی میرا خیال ہے اس کے کمرے کی طرف گئے ہیں۔"

"کیوں؟ کس لیے؟"

"آپا...... یہ تو وہاں جا کر خبر ہوئی بات تو کچھ اور ہے۔"

"کیا؟"

"گوہر ہارون کے پاس گئی تھی۔"

"گوہر...... ہارون کے پاس۔ کب؟ کیسے؟ کیوں؟" سب نے باری باری پوچھا۔

"یہ تو مجھے خبر نہیں۔ عاصم بھائی کو بتا رہا تھا سون۔ ابھی کچھ دیر قبل ہارون ہی گوہر کو چھوڑ کر گیا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اپنے کمرے میں ہے۔ کس کے ساتھ گئی؟ نہیں نہیں۔ وہ کہیں جاتی تو ہم سب کو خبر ہوتی۔"

"آپا! ایسا ہو چکا ہے۔ اس نے خود ہارون سے کہا ہے کہ وہ شادی سے انکار کر دے۔ کیونکہ وہ خود کو آج بھی شبیر کی امانت سمجھتی ہے۔ عاصم بھائی آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔"

"چلو دلنواز...... اس کے کمرے کی طرف۔" چچی جان نے کہا۔ سب لوگ بھاگے بھاگے اس کے کمرے میں پہنچے۔

گوہر سر جھکائے کھڑی تھی۔ عاصم اس پر برس رہے تھے۔

"یہ صلہ ہے ہماری محبتوں کا...... اپنے باپ کی عزت نیلام کر کے کیا ملا تمہیں گوہر! اس سے اچھا تھا تم کہیں ڈوب مرتیں۔ پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتیں۔ یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔"

"میں نے کچھ بھی خلاف شرع نہیں کیا۔ بابا جان...... میری مرضی نہیں تھی۔ میں نے بہت دن یہ کوشش کی کہ آپ سب کی رضا کو اپنی رضا بنا لوں...... مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ میں منافقت نہ کر سکی اس لیے میں نے ہارون کو صاف صاف بتا دیا۔ تو اس میں جرم کی بات کون سی ہے۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ جواب دیا۔

"جرم سے بھی زیادہ ہے۔ ہم دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ کس کس کا منہ بند کریں گے۔ کس کس کو جواب دیں گے...... یہ تم نے کیا کیا گوہر......" جوہرآپا رونے لگیں۔ صفیہ گوہر کی طرف بڑھیں۔ عاصم پھر گرجے۔

"یہ سب تمہاری تربیت کا نتیجہ ہے۔ ایسی ناخلف اولاد سے واسطہ پڑا ہے اس حرامزادے کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"آپ اسے الزام مت دیجیے۔ اس کی بربادی کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ نہ میں ہوتی نہ وہ یہ دن دیکھتا۔" گوہر نے تڑپ کر کہا۔

"زبان کاٹ دوں گا اگر اس کا نام بھی لیا۔ چاہے میری عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہے۔ میں تمہیں اس کے حوالے نہیں کروں گا۔ خواب میں بھی یہ نہ سوچنا کہ اس کی راہیں صاف کر دی ہیں۔ تمہارے اس تکلیف دہ عمل نے۔" عاصم حسنین نے غصے سے کانپتی آواز میں کہا۔

"میں نے کوئی خواب نہیں دیکھے۔ نہ کسی آس میں انکار کیا ہے۔ میں بھی ضمیر کی چبھن سے نجات پانا چاہتی تھی۔ احساس جرم مجھے مار ڈالتا۔ میں نے خود بھی اپنے سارے جرائم کی سزا انتہائی ہی تجویز کی ہے۔"

"چپ...... اب تو بچ گئی ہو عذاب سے۔ چبھن سے نجات۔ یہ سوچنا تو ہمارا کام ہے کہ دنیا کے منہ کس طرح بند کیے جائیں اپنی سنائی کس طرح دی جائے۔ تم مزے سے رہو...... باپ کی عزت کا جنازہ نکالنے سے بہتر تھا اس کے سینے میں خنجر اتار دیتیں۔ اور اس نامراد کے پاس چلی جاتیں۔ یہ تمہاری دبی ہوئی آزادی ہے صفیہ۔ جس نے یہ دن دکھایا۔ کیا کیا دلنواز نے؟ آمنہ نے؟ میں نے تو گوہر کو ان کے پاس انہیں اپنا ہمدرد سمجھ کے بھیجا تھا۔ اس بدبخت نے ہماری بیٹی کو اپنے شیشے میں اتار لیا اور انہیں خبر ہی نہ ہوئی۔ میں بھی اپنے نام کا ایک ہوں۔ مر جاؤں گا مگر گوہر کی شادی اس رذیل سے نہیں کروں گا۔"

"عاصم بھائی! آپ ہم پر یوں الزام تو نہ لگائیں۔" آمنہ کو بے حد برا لگا۔ عاصم حسنین کا انداز۔ "کس نے کہا ہے کہ آپ گوہر کو اس کے سنگ رخصت کر دیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو عاصم! کچھ خبر بھی ہے۔ دلنواز اور آمنہ کے بارے میں ایسا خیال۔ وہ کوئی دشمن تھے تمہارے اور اس بچے بے چارے نے کیا کیا ہے۔ وہ بے چارہ تو ناکردہ جرموں کی سزا بھگت رہا ہے۔"

"اسے تو اس سانحے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ اس کا نام خواہ مخواہ بیچ میں مت لاؤ۔ خدا کا خوف کھاؤ۔ جو کچھ بھی کیا ہے گوہر نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی کسی بات کی خبر نہیں ہے۔" چچی نے کانپ رہی تھیں۔ شازیہ سے چپ نہ رہا گیا۔

"گوہر باجی...... سب لوگ انہیں مطعون کر رہے ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ آپ بتاتی کیوں نہیں کہ ماموں اور شبیر کی آپس میں دشمنی کا سبب آپ ہیں۔ آپ نے شبیر بھائی سے دھوکا کیا ہے۔ آپ نے ان کو ڈاج دیا ہے۔ آپ ڈاکٹر ہارون کی وجاہت اور دولت سے مرعوب ہو گئی تھیں۔ جب ان کے گھر گئی تھیں سکندر پور آپ نے واپس آتے ہی اپنا فیصلہ بدل دیا۔ شبیر بھائی سے جان چھڑانے کی خاطر ان پر الزام لگا دیا کہ وہ کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور یہاں تک کہ ماموں سے کہہ کر آپ نے انہیں قتل جیسے جرم میں پھنسا دیا۔ آپ نے شادی سے انکار کیا ہے۔ اس کی وجہ کوئی اور ہو گی ہوتی رہے مگر چھوٹے چچا جان! آپ اس معاملے میں شبیر بھائی کا نام نہیں لے سکتے۔ وہ میرے سوتیلے بھائی سہی لیکن انسانیت میں سارے رشتے سگے ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان سے زیادتی ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ یہ ناانصافی ہے ظلم ہے۔ جس کا سب کچھ چھین گیا ہو الزام بھی

اسی کو دیا جائے۔"

شازیہ بولی تو سب خاموش ہو گئے۔ گوہر نے چونک کے اسے دیکھا۔

"تم چپ رہو۔ بڑوں میں بولنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے۔" سعیدہ بیگم نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"عقل و دانش صرف بڑوں کی میراث نہیں ہے ممی...... سوچ ہم چھوٹوں میں بھی ہوتی ہے اور آج کی نسل تو ویسے بھی ڈپلومیسی سے نفرت کرتی ہے جو آپ بڑوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ہمیں نفرت کو اغراض کے پردوں میں لپیٹ کر محبت کا رنگ دینے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ اور مجھے تو ڈھکوسلوں سے ویسے بھی چڑ ہے، نفرت ہے۔ اپنے دشمن کے سامنے اظہار نفرت اور دوست سے ہزاروں کے مجمع میں اظہار محبت میں پورے حوصلے کے ساتھ کر سکتی ہوں۔ دوسروں کی شکست پر خواہ مخواہ خوشی محسوس کرنا جب کہ اس شکست میں میرا کوئی حصہ نہ ہو، عمل و عقل زہر لگتا ہے مجھے۔ جیسے آپ شبیر بھائی کے جیل جانے پر بے مقصد خوش ہیں۔"

"شازیہ......" سعیدہ بیگم دہاڑیں۔

"بند کرو اپنی بکواس۔ تم سے کس نے کہا ہے ٹانگ اڑانے کو۔ بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تم نے۔ یہاں ذکر شبیر کا نہیں بلکہ بدنامی کے اس طوفان کا ہے جو بے چارے عاصم بھائی کا نصیب بننے والا ہے۔"

"یہ تو ہونا تھا، یہ ہونا چاہیے تھا۔ دوسروں کی خوشیاں خاک میں ملانے والے خود بھی خوش نہیں رہ سکتے۔ بچی نے جو کچھ کہا ہے سچ ہی ہے۔ اسے زندگی کے مسائل سے فرصت ہی نہیں جو بھی ہو وہ اس در پر دوبارہ محبتوں اور ناتوں کی بھیک مانگنے نہیں آئے گا۔"

چچی اماں نے بھی شازیہ کی حمایت کی۔ شبیر کے نام پر وہ پل میں جذباتی ہو جاتی تھیں۔ عاصم حسنین ان کے آگے کچھ بول نہ سکے۔

"بابا جان! آپ میرے اس انکار کو حقائق کی روشنی میں دیکھیے۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔ شبیر کی زندگی کی شام میرے اقرار و انکار سے بندھی تھی۔ میری وجہ سے ہی شبیر کو قتل کے جھوٹے مقدمے میں ملوث کر دیا گیا۔ میری وجہ سے اس پر اتنے ظلم ہوئے۔ اس پر حیات کی راہیں تنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ میں کیسے اس تعلق کو چپ چاپ قبول کر لیتی جس کی بنیاد ہی نفرت پر تھی۔ میں نے خود کو آپ کے فیصلے کا پابند بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ اپنے آپ کو تیار کیا۔ لیکن میرے حوصلے جواب دے گئے۔ زندگی دو چار دن کے کسی فسانے کا نام نہیں۔ دل مطمئن نہ ہو تو پل بھی صدیوں جتنا بھاری ہو جاتا ہے۔ میں گھٹ گھٹ کے دم توڑ دیتی یا منافقت کو شعار بنا لیتی؟ یہ مجھ سے نہ ہو سکتا۔ مجھے دکھایئے کوئی ایسا مذہبی اور اخلاقی ضابطہ جس میں کسی کو اس کی مرضی کے بغیر کہیں باندھ دینے کا حکم ہو۔ یہ چند لمحوں، چند دنوں کی تکلیف ساری عمر کے غم اور خلش سے بہتر ہے۔ آپ میرے سامنے اس کا نام کبھی آتا نہ دیکھیں گے۔ میں بھی آپ سے کوئی التجا نہیں کروں گی۔ لیکن کم از کم مجھے بوجھ سے آزاد زندگی تو گزارنے دیجیے۔ یہ تو میرا حق ہے۔ ابھی تو مجھے تعلیم حاصل کرنا تھی۔ ابھی تو مجھے معاشرے میں اپنا مقام متعین کرنا تھا۔ ابھی تو کچھ اور ذمہ داریاں بھی مجھ پر تھیں۔ میں اپنے ان ہی ادھورے عزائم کی تکمیل کروں گی۔ مجھے شادی وادی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اسی میں میری بلکہ ہم سب کی بھلائی تھی۔"

اس نے انتہائی ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ عاصم حسنین حیران سے اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"آپ کو کیا خبر عاصم بھائی! کہ حقیقت کیا ہے۔ بے معنی و بے مقصد نفرت کا شکار ہونے والا شبیر بالکل بے گناہ ہے۔ اگر گوہر جلد بازی سے کام نہ لیتی تو شاید حالات یہ نہ ہوتے۔ گوہر اسے سمجھ ہی نہ سکی بلکہ ہم سب ہی اسے

سمجھنے سے قاصر رہے۔ ہم سب نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ہم سب ہی اس کی اس تباہی کے ذمہ دار ہیں۔ گو میں گوہر کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔ یہ ایک ناوقت فیصلہ ہے لیکن ہے برحق...... آپ ہی کو سوچ سمجھ کے اگلا قدم اٹھانا چاہیے تھا۔ زندگی گوہر کی تھی۔ فیصلہ اس کی مرضی پر ہونا چاہیے تھا۔ ہمیں اس کو مطعون کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہم میں کسی نے اس کی نہ سنی تو اس نے ڈاکٹر ہارون سے بات کر لی۔ ہم سے اچھے تو وہ ہیں جنہوں نے اس کی بات سنی، اس کے موقف کو تسلیم کیا اور شادی سے انکار کر دیا۔"

"ہم دنیا کو کیا جواب دیں گے ماما! کس کس کا منہ بند کریں گے۔ لوگ ہمارا جینا دوبھر کر دیں گے۔" اسریٰ نے باپ کی طرف داری کی۔

"دنیا نے تو اس وقت بھی باتیں بنائی تھیں جب آپ لوگوں نے شبیر سے رشتہ توڑا تھا۔ برے وقت میں اس سے دور ہٹ گئے تھے۔ اس وقت تو کسی کو خیال نہیں آیا تھا۔ اصل میں ہم لوگ دنیا والوں کا بہانہ بنا کر اپنے ارادوں کی شکستگی سے ڈرتے ہیں۔ اپنی آرزوؤں کو بچانا چاہتے ہیں۔ جب دل کی ضد ہو تو ہم بڑے سے بڑا قدم بھی آنکھ بند کر کے اٹھا لیتے ہیں۔ جب اپنی مصلحتیں پیش نظر ہوں تو دوسروں کو دنیا سے ڈرا کر خاموش کرا دیتے ہیں۔ دنیا کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ وہ صرف اسی ایک سانحے کے بارے میں سوچتی رہے اور ہم لوگ جو آپ کے اپنے ہیں ہم اس واقعے سے ہی نہیں بلکہ اس کے اسباب سے بھی اچھی طرح آگاہ ہیں۔ آپ کو اجازت نہیں دیں گے کہ آپ بچی کی دل آزاری کریں۔"

آمنہ بیگم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ چچا جان نے بھی ان کی تائید کی۔

عاصم حسنین خاموش ہو گئے اسریٰ جنہوں نے لب کھولے ہی تھے انہیں بھی خاموش ہو جانا پڑا۔ نبیل باری باری سب کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔

"گو ہمارے معاشرے میں اس جرأت کو بغاوت اور بے باکی تصور کیا جاتا ہے لیکن میں گوہر بی بی کے اس اقدام کی حمایت کرتا ہوں۔ اس نے اچھا کیا۔ اپنا وہ حق استعمال کیا جو خدا اور رسولؐ نے عورت کو دیا ہے۔ جتنے گھر کی بنیادوں میں محبت، اعتماد اور اپنا پن نہ ہو تو زندگی کے لمحے واقعی بوجھل ہو جاتے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ زمانے کی باتوں کا مناسب جواب ڈھونڈیں۔ منہ نہ چھپاتے پھریں۔"

سب کی رائے گو اپنی اپنی تھی لیکن ہر رائے کی تان اسی پر ٹوٹتی تھی کہ جو ہوا درست ہوا۔ شادی کے ہنگامے چند لمحوں میں گمبھیر اداسی اور خاموشی میں بدل گئے۔ اسریٰ ٹیلی فون پر لوگوں کو اس نئی صورت حال کی خبر دے کر معذرت کر رہی تھی۔ گھر میں موجود احباب میں سے کچھ نے واپسی کا سامان باندھ لیا تھا۔ کچھ گھر والوں کی دلجوئی میں لگے تھے۔ عاصم گوہر کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر قبل تک شبیر کا نام لینا اس گھر میں جرم تھا۔ لیکن اب ہر زبان پر اسی کا نام تھا۔ اندرونی کہانیاں جن کی خبر عام لوگوں کو نہ تھی ہر زبان زد عام تھیں۔ اکثریت کی رائے میں یہ سارا ظلم تھا۔ کچھ کے خیال میں گوہر کی یہ جرأت ناجائز تھی۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کا عقیدہ تھا کہ یہ بے حیائی اور خودسری کا حصہ ہے۔ غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔ الگ الگ ٹولیاں تھیں، جدا جدا آرا تھیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے سب کے سامنے گوہر کے اس اقدام کو سراہا تھا۔ لیکن تنہائی میں اسے برا کہہ رہے تھے۔ پورے شہر میں یہ بات پھیل گئی تھی اور ٹیلیفونوں پر گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

"ہیلو سنا ہے شادی رک گئی۔"

"ہیلو! سنا ہے لڑکے نے انکار کر دیا ہے۔"

"ہیلو! سنا ہے لڑکی لڑکے کے پاس گئی تھی۔"
"ہیلو! سنا ہے وہ کہیں اور شادی کرنے کی خواہاں تھی۔"
"ہیلو! سنا ہے لڑکا کہیں اور انٹرسٹڈ تھا۔"

ایسی ٹیلی فون کالز سے تنگ آ کر نسرین نے تار ہی کاٹ کر رکھ دیا۔ ان میں لوگوں کے ایسے تبصرے سننے اور انہیں جواب دینے کا حوصلہ نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نیلما واسطی اپنے کمرے میں بند تھی۔ بابا جان کے کمرے میں طوفان برپا تھا۔ مامون واسطی اور ہارون واسطی کے درمیان بحث و تکرار کا طوفان امین واسطی اور بیگم واسطی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس بیٹے کا ساتھ دیں اور کس کو جھٹلائیں۔

باہر ملازموں نے گھر میں چند روز سے مقیم رشتہ داروں نے آنے والے مہمانوں کو سنبھال رکھا تھا۔ شادی ملتوی ہو جانے کی حیرت انگیز خبر انہیں پہنچا رہے تھے۔ ان کی خاطر مدارات حسب دل خواہ کر رہے تھے اور انہیں مناسب انداز میں مطمئن کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔

"آپ میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو آپ اس حق سے یوں دستبردار نہ ہوتے۔ نہ بن آتی تو ایک راستہ اور بھی تھا کچھ عرصہ بعد طلاق دے دیتے...... آپ نے ہمیں معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

"کیا کہہ رہے ہو مامون! کیا کہہ رہے ہو۔ تم شادی اور طلاق کو کھیل سمجھتے ہو۔ کتنی آسانی سے تم نے یہ کہہ دیا۔ یعنی میں اپنی نام نہاد عزت کے بت کو قائم رکھنے کے لیے ایک لڑکی کی زندگی کو تماشا بنا دیتا۔ نوا مپاسیبل، یہ مجھ سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس نے بہت اچھا کیا آ کے سب کچھ مجھے بتا دیا۔ یہ ظلم لاعلمی میں ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کرتا۔ دوسرے کے گلشن میں کھلے پھولوں سے اپنا دامن بھر لینے کا ڈھنگ شاید مجھے کبھی نہیں آئے گا۔ وہ جس کی امانت تھی اسی کی رہے گی اور میں تمہیں وارن کر رہا ہوں تم شبیر کے خلاف گواہی نہیں دو گے..... اس ضد کا انجام بہت برا ہوگا۔"

"میں جو کچھ بھی کروں گا اپنے دل کی مرضی سے کروں گا۔ اس واقعے کے بعد تو یوں بھی میری اور آپ کی راہیں جدا ہیں۔ میں آپ کا کسی طور پر پابند نہیں ہوں۔ ہاں گوہر میری بات مان لیتی تو اس سے میرا عہد تھا۔ تب میں اپنا عہد ضرور نبھاتا۔ کیا چاہتے ہیں آپ۔ شبیر بری ہو جائے۔ گوہر کے ساتھ شادی کر لے اور عمر بھر میری غیرت کو للکارتا رہے؟"

"کیسی غیرت! گوہر تمہاری ماں، بیٹی یا بہن نہیں ہے۔" امین واسطی نے گرج کر کہا۔

"وہ میرے بھائی کی ہونے والی بیوی تو تھی۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔ یہ ایک زبردستی کا رشتہ تھا۔ وہ آج بھی شبیر کی منگ ہے۔ رشتے ناتے محبتیں جوڑتی ہیں ہیکڑی والا نہیں۔" انہوں نے پھر اسے ٹوکا۔

"بابا جان۔ آپ سوچیے۔ خود ہی سوچیے۔ ایک لڑکی مومسیاتی اثر کے تحت لاچار ہو کر سڑک کے کنارے پڑی مل جاتی ہے۔ میں اسے انسانی ہمدردی کے تحت اٹھا کر اپنے گھر لے آتا ہوں۔ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے اس کی طبی امداد کرتا ہوں اور انسان ہونے کی حیثیت سے اسے بحفاظت اس کی منزل تک چھوڑ آتا ہوں۔ فطری تقاضوں کے عین مطابق جنس مخالف میں کشش محسوس کرتے ہوئے اس سے متاثر ہو جاتا ہوں۔ اس احساس کو نیا ما

اور مامون بھانپ لیتے ہیں۔ میں زبان سے اظہار نہیں کرتا لیکن وہ جان جاتے ہیں کہ میں اسے پسند کرتا ہوں سو اس تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں تک ساری بات عین انسانوں کے تقاضوں جیسی اور درست ہے۔ لیکن اس کے بعد جب مامون کو خبر ہوتی ہے کہ وہ کسی کی منگیتر، کسی کی چاہت ہے تو بجائے اس کے وہ مجھے حقیقت سے آگاہ کرے۔ شبیر کو اپنا دشمن پا کر خواہ مخواہ کی ضد اور دشمنی میں گوہر کے حصول کو جان کا روگ اور زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے۔ یہ انسانیت کا تقاضا نہیں ہے۔ اس دنیا کے چلتے کارخانے میں سینکڑوں لڑکیاں مجھے یا مجھ جیسے نوجوانوں کو ایک نظر میں پسند آ جاتی ہیں۔ ہر اچھی چیز کو پسند کرنا اور سراہنا انسانی سرشت میں داخل ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے کہ اگر مامون کو ان ساری معمولی وارداتوں کی خبر ہو جائے تو وہ میری خاطر ہر لڑکی کے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جائے گا۔ صرف ایک جڑنے والا رشتہ ہی تو نہیں جڑ سکا۔ اور تو کچھ نہیں ہوا۔ نہ میرا دل ٹوٹا، نہ میرے خواب نہ کوئی وعدے وعید۔ وہ سارے حقوق جو اپنی زندگی میں داخل ہونے والی کسی بھی لڑکی کے لیے میں نے رکھے ہوئے ہیں وہ آج بھی محفوظ ہیں۔ اس لڑکی کی امانت ہیں جو میری بیوی بنے گی۔ میں خوش ہوں، راضی ہوں۔ مامون کس بات پر برافروختہ ہے۔ اسے میرا نہیں اپنی انا کی ہار کا دکھ ہے۔ اسے اپنی برتری کے زائل ہو جانے کا دکھ ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے انسانوں جیسا ہے۔ شبیر سے دشمنی کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اسے اس کی ذات سے چڑ ہے۔ ہر برائی کو اچھائی سے چڑ ہوتی ہے۔ اس نے دھاندلی، دھونس اور طاقت سے دلوں میں اپنا خوف پیدا کیا۔ اس نے ہمدردی، انکساری، محبت اور دردمندی سے دوسروں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ اسے غنڈہ گردی پر شہرت ملی۔ اسے شرافت اور خلوص کے سبب چاہا گیا۔ اس نے محبت سے جگہ بنائی اس نے طیش سے ہتھیا لی۔ اس نے یونیورسٹی الیکشن میں اس سے ہار کر اسے اپنے بدترین انتقام کا نشانہ بنایا اور زندگی کی خوشیوں بلکہ زندگی سے ہی جھوٹ کے بل بوتے پر ناک آؤٹ کرنے کا سوچا...... اسے گوہر میری خوشی کے طور پر نہیں اپنی فتح کے سمبل کے طور پر مطلوب تھی۔ اگر اس کے ذہن میں یہ بات نہ ہوتی کہ گوہر میری پسند ہے تو یہ خود اس کا طلب گار ہوتا بلکہ اسے غلط طور پر حاصل کرنے سے بھی باز نہ آتا۔ اس سے کہہ دیجیے بابا جان اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا بہت مشکل ہے لیکن اگر یہ شبیر کے معاملے میں خاموش ہو جائے تو کم از کم یہ اپنے ضمیر کی دی سزا سے تو بچ جائے گا۔ وہ پھانسی چڑھ گیا تو اس کے اندر کا انسان ساری عمر اسے سولی پر لٹکائے رکھے گا۔ اسے اپنے کیے کی ہر پل سزا ملے گی۔"

"بیٹے! ہمارے سمجھانے پر بھی اگر بات اس کی سمجھ میں نہ آئے تو ہم کیا کریں۔ اس کی اپنی زندگی ہے۔ اپنی سزا و جزا اپنا سوال و جواب، کرنے دو، یہ جو کچھ بھی کرتا ہے تم نے یہ فیصلہ کر کے میرا سر ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے۔ تم واقعی مسیحا ہو ڈاکٹر ہارون۔ میرے بیٹے...... میں ہر ایک کو فخر سے بتا سکتا ہوں کہ میرے بیٹے نے ایک معصوم و مظلوم ہستی کو نئی زندگی دے دی ہے اسے بچایا ہے۔ یہ سب کچھ عین اسلامی و اخلاقی تقاضوں کے مطابق ہے جو تم نے کیا۔"

"ایک ماں کو اپنے حق پرست بیٹے سے اسی فیصلے کی توقع تھی۔ اس دنیا میں اچھی لڑکیوں کی ہرگز کمی نہ ہوگی۔ میں دعا کروں گی میرے بیٹے کی زندگی میں ایسی لڑکی آئے جو اسے سمجھ سکے۔ جان سکے، اس پر نثار ہو سکے۔ اس کی قدر کر سکے۔ ایسی لڑکی کے لیے اگر مجھے چند برس انتظار بھی کرنا پڑ جائے تو برا کیا ہے۔"

مامون بیٹھے بیٹھے ایک دم غائب ہو گیا۔ امین واسطی نے ادھر ادھر دیکھا اور ڈاکٹر ہارون سے مخاطب ہوئے۔
"ہارون بیٹے۔ کچھ بھی ہو مامون تمہارا بھائی ہے۔ اسے پیار سے سمجھا بجھا کر اس راستے پر چلنے سے روکو، بے

معنی دشمنیاں بے مقصد انا ہمیں کچھ بھی نہیں دیتی۔ سوائے بربادی کے۔ تم جیسا بیٹا تمہاری ماں کی فتح ہے۔ مجھ اور مامون...... میرے ماضی کی خوفناک تصویر کی طرح میرے سامنے ہے۔ میں ماضی سے خوف زدہ ہوں۔ میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں کاش میں نے اس وقت شرافت، سادگی اور سچائی کو مانا ہوتا۔ ہارون اگر شبیر کو سزا ہو گئی میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ فار گاڈ سیک بیٹے تم اس کا خیال رکھو۔"

"اس کی ایک ہی ترکیب ہے بابا جان۔ اور وہی آزمانا پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟ کیسی ترکیب؟"

"ہم اسے عدالت تک جانے ہی نہ دیں۔ کچھ دن کے لیے اس ماحول سے دور کہیں لے جائیں۔"

"ایسا کیوں نہ کریں کہ ہم سب ہی تھوڑے عرصے کے لیے اس ملک سے باہر چلے جائیں۔ آب و ہوا تبدیل ہوگی دلوں کے غبار اور ملال دھل جائیں گے اور سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔"

"وائے ناٹ میں کل ہی ٹرائی کرتا ہوں۔ ماں جی آپ اپنا، بابا اور ثیلما کا پاسپورٹ میرے حوالے کر دیں جہاں بھی جانا چاہیں میں دنوں میں انتظام کیے دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

مامون کمرے کے باہر کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دل میں اپنی شکست کا لاوا اب تک پک رہا تھا اس نے دانت پیسے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

برادر عزیز!

قبل از یں کہ آپ مجھے میرے ارادوں سے جدا کر کے دور کہیں لے جائیں۔ میں یہ گھر چھوڑتا ہوں۔ میں سکون دل کی آخری کوشش کو ہرگز بے کار نہ جانے دوں گا۔ میرا انتظار نہ کیجیے گا۔ میرا قرار اسی میں ہے۔ شاید یہی وہ موڑ ہے جہاں سے مجھے ہمیشہ کے لیے آپ سب سے جدا ہونا ہے۔ اس گھر کو میری ضرورت کسی کو نہیں رہی میں نے آپ کی الماری سے کچھ رقم اٹھائی ہے اسے آخری خطا سمجھیے گا۔

خدا حافظ

دوسری صبح چائے کی پیالی کے ساتھ ملازم یہ رقعہ بھی لے آیا تو ڈاکٹر ہارون پریشان ہو گئے۔ جلدی سے ... کے کمرے کی طرف بڑھے۔ بابا کو مطلع کیا۔ سب ہی خاموش ہو کر رہ گئے۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

"قدرت کو جانے کیا منظور ہے جو بھی ہو بہتر ہی ہو۔ کتنا نادان ہے ہمارا بیٹا مجھے ہمارا اختیار نہیں۔ جس کی ... میں اپنے غلط فیصلے درست نہیں جوا تنا ضدی اور اکھڑ ہے۔" امین واسطی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

بیگم واسطی رونے لگیں۔

"وہ اور کہاں جانے گا ہارون! یہیں کہیں رہے گا' اسے تلاش کرو۔ اسے سمجھاؤ۔"

"بہتر ماں جی!"

ہارون پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔

مطلوبہ جگہوں پر تلاش بسیار کے باوجود بھی اس کا نشان تک نہ مل سکا۔ تو امین واسطی نے آخری ترکیب ...

اس تاریخ سماعت پر عدالت کے احاطے میں اسے قابو کیا جائے۔

سو وہ ڈاکٹر ہارون کے ساتھ لاہور چل دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"نانا! آپ میرے ساتھ نہ ہوتے۔ مجھے زندگی گزارنے کا یہ نیا ڈھنگ نہ سکھاتے' یہ حوصلہ نہ دیتے تو جانے میرا کیا ہوتا۔ اب جو بھی ہو سب کچھ ہمت کے ساتھ فیس کروں گا۔ بہادر بن کے ہی رہوں گا۔ زندگی تو وہی ہے جو حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گزاری جائے۔ لمحے جتنے بھی ملیں ان سے فیض نہ اٹھانا بھی کفران نعمت ہے۔ میں نے آپ کی بات کو بدل و جان تسلیم کر لیا ہے۔ میں نے اس غم کو غم سمجھا ہی نہیں۔ ایک معمولی سی بات سمجھ کر یکسر فراموش کر دیا ہے۔ میں نے اسے بھی اپنی محبت کے جہان سے نکال دیا ہے۔ اب وہ بھی میرے ان ہی بدخواہوں میں سے ایک ہے جنہیں میں کلی طور پر چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے بھول کر بھی نہیں سوچا کہ وہ کیسی ہوگی۔ کہاں ہوگی۔ میں نے خود کو باور کرا دیا ہے کہ لاحاصل چیزوں کے بارے میں سوچنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ اس کی شادی کی شام میں نے خود کو دنیا کے رنگا رنگ میلے کی رونقوں میں مدغم کر دیا۔ عدی اور عذرا کے ساتھ پورا دن تفریح میں گزارا۔ شام کے دو لمحات ایک زبردست ایکشن مووی میں گم رہا اور رات کو مزے کی نیند سویا۔ نانا! آپ کہتے ہیں کہ دل کی حکمرانی آدمی کو خراب کرتی ہے۔ دماغ کو دل پر حاوی رکھنے میں ہی عافیت ہے۔ میں نے اس پر پورا پورا عمل کیا۔ پھر میرا دل عام لوگوں کے دلوں جیسا نہیں۔ میرا دل دماغ سے ہٹ کر کچھ سوچتا ہی نہیں محسوس ہی نہیں کرتا۔ میرے دماغ کی "نہیں" میرے دل کا اصول بن جاتی ہے۔ اب دیکھیے میرے دل کا کمال اس نے ایک بار بھی اسے صدا نہیں دی' اسے نہیں پکارا۔ یادتو وفا میں رہتی جاتی ہیں۔ جفا بھی کوئی یاد رکھنے کی چیز ہے وہ زندگی کو اس کی پوری حرارتوں کے ساتھ محسوس کرے۔ خوشیوں سے اپنا حصہ وصول کرے اور میں اس کی یاد میں آہیں بھرتا رہوں' ناممکن ہے۔ اس نے تو جفا جوئی کی حد کر دی۔ مجھ سے فریب وفا کرتے ہوئے ڈاکٹر ہارون کو اپنا ساتھی چن لیا۔ یہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا صرف اسی کی وجہ سے تو ہوا۔ کیا خبر...... کیا خبر......اس میں اس کی مرضی ہو' اس کی رضا ہو۔"

کورٹ کے سبزہ زار پر ٹہلتے ہوئے شبیر جانے کیا کیا سوچے جا رہا تھا۔ آج وہ بڑے اعتماد اور سکون کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اندر ہی اندر جانے کیسا اطمینان سا اترا تھا' جس نے اس کے سارے دکھ اور پریشانیاں یکسر بھلا دی تھیں شاید یہ حوصلہ ڈاکٹر ہنری کی باتوں نے بخشا تھا۔ بے شک وہ ایک پیشہ ور ڈاکٹر تھے مگر ان کی باتوں میں بھی زندگی تھی وہ مریض کا آدھا علاج اپنی ان ہی حیات پرور باتوں سے ہی کرتے تھے۔ پھر شبیر کا دکھ تو تھا ہی روحانی اور روح کے گھاؤ محبت بھر سکتی ہے' کوئی دوا نہیں۔ انہوں نے آٹھ دس روز میں اسے ذہنی طور پر ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کر لیا تھا۔ اس میں اتنی ہمت پیدا کر دی تھی کہ وہ تختہ دار تک بھی بہادری اور حوصلے کے ساتھ جانے کو تیار تھا۔ احاطہ عدالت میں اس کے ساتھ جمال احمد بھی تھے اور عدی بھی جو اس سے قدرے فاصلے پر ڈاکٹر ہنری کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔

چاروں طرف خاصا رش تھا۔ بھاگ دوڑ کرتے انسان تھے۔ ان میں سے ہر ایک ملزم یا مدعی ہی تھا یا ان ... ونوں کے لواحقین۔ دور دور کا ... کے آفس تھے۔ ابھی ابھی اس نے اپنے مخالف وکیل کو یہاں سے گزرتے دیکھا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے سارے ساتھی اس تک آ پہنچے۔ وہ باری باری سب سے ملا۔ وہ سب بھی اس کے ہشاش بشاش چہرے کو دیکھ کر حیران تھے اور خوش بھی۔ شبیر انہیں ڈاکٹر ہنری کے پاس لے آیا۔ انہیں سلام دعا کا

سلسلہ ہی ختم نہ ہوا تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"شبیر عسکری آپ کا نام ہے۔"
سب نے مڑ کر دیکھا۔ اپنی وردی اور بیجز سے وہ پولیس کا کوئی عہدیدار ہی معلوم ہوتا تھا۔
"جی میں ہوں شبیر عسکری۔ فرمائیے۔"
"آپ کو سروسز ہاسپٹل چلنا ہوگا۔"
"جی مجھے...... ہاسپٹل...... مگر وہ کس سلسلے میں؟"
"آپ کون ہیں اور مجھے وہاں کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟"
"میں انسپکٹر راحت ہوں۔ آپ کا وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔"
"مگر جناب! میں تو یہاں اپنے خلاف چلنے والے ایک مقدمے کے سلسلے میں کورٹ میں حاضر ہونے کا پابند ہوں یہاں سے ہرگز نہیں جا سکتا۔"
"جہاں آپ کو جانا ہے وہ بھی اسی مقدمے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ شخص بار بار آپ کا نام لے رہا ہے۔ جلد از جلد آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"
شبیر نے ڈاکٹر ہنری کو سمجھایا۔ جمال احمد کی طرف دیکھا۔ وہ انسپکٹر راحت کی طرف بڑھے۔
"کیا بات ہے انسپکٹر آپ مجھے بتائیے۔"
انسپکٹر راحت نے چونک کے انہیں دیکھا۔ جلدی سے سلام کیا۔
"میں حسب معمول اپنی ڈیوٹی پر تھا کہ ہاسپٹل کے ایمرجنسی وارڈ کے ڈاکٹر نے فون کیا۔ اور جلد از جلد ہاسپٹل پہنچنے کا کہا۔ ایک زخمی نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں وہاں گیا تو پتا چلا کہ ٹریفک حادثے میں وہ شخص بری طرح زخمی ہوا ہے۔ مجھے اس سے ملنے نہیں دیا گیا۔ بلکہ مجھ سے پہلے وہاں موجود ڈی ایس پی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو یعنی شبیر عسکری کو لے آؤں۔ زخمی کا تو شاید کیس سے گہرا تعلق ہے اور وہ اپنی بات آپ کی موجودگی میں کہنا چاہتا ہے۔"
سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔
"زخمی...... تو شاید کیس...... پولیس...... یہ سوالات سارے ذہنوں میں تھے۔ پل کی پل میں جمال احمد نے فیصلہ کر لیا۔
"شبیر! تم عدی کے ساتھ چلے جاؤ۔ میں اور ڈاکٹر صاحب یہیں پر ہیں۔ یہ نوجوان بھی موجود ہیں۔ تمہیں وہاں کوئی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ کیا خبر تمہارا وہاں جانا واقعی بہت ضروری ہو۔"
"او۔ کے ڈیڈی۔ میں شبیر کے ساتھ جا رہا ہوں۔ آپ یہاں رہیے۔" عدی نے کہا اور دونوں انسپکٹر کے ساتھ چل دیے۔
تینوں بیس منٹ میں ہاسپٹل کی حدود میں تھے۔ تیز قدموں سے چلتے وہ انسپکٹر کی معیت میں آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک سپاہی نے انہیں روکا۔
"ڈی۔ ایس پی صاحب یہاں ہیں قادر؟" انسپکٹر نے جلدی سے پوچھا۔
"سر آئی ایم سوری، وہ کہانی ہی ختم ہو گئی جس کے لیے شبیر عسکری کی ضرورت تھی۔"
"کیا مطلب؟"

"وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ اس کی شناخت بھی ہو گئی سر تباہ شدہ گاڑی کی نمبر پلیٹ سے اور گاڑی میں موجود کاغذات سے۔"
"کون تھا وہ؟"
انسپکٹر کے ساتھ ساتھ عدی اور شبیر نے بھی پوچھا۔ تب ہی ان دونوں کو اپنی بات کا جواب مل گیا۔

☆......☆☆......☆

"یہ ہے اس کا شناختی کارڈ۔ ڈرائیونگ لائسنس۔"
سپاہی نے کارڈ انسپکٹر کے آگے کھولا ہوا تھا۔ عدی اور شبیر نے ایک ساتھ دیکھا۔
"یہ...... یہ...... یہ تو......"
اب وہ دونوں گڑبڑا کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہروں کا رنگ اڑ گیا تھا۔ دونوں کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے ایک ہی سوال تھا۔
"مامون احمد واسطی ولد امین واسطی۔"
انسپکٹر راحت نے شناختی کارڈ پر لکھا نام پڑھا۔ شاید وہ بھی مامون کو جانتا تھا۔ "او مائی گاڈ...... وہ زخمی مامون واسطی تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون" اس نے اتنا کہہ کے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ تکلیف کے شدید احساس کے تحت۔
"نہیں...... نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔" شبیر نے بے اختیار کہا۔
"ایسا ہو چکا ہے نوجوان۔ تم تو نہ پہنچ سکے لیکن میں نے اس کا بیان ریکارڈ کر لیا ہے۔"
ڈی۔ ایس۔ پی نے شبیر کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ماحول بہت زیادہ افسردہ تھا۔ موت بہت بڑا حادثہ ہوتی ہے۔ پھر زندگی اور موت میں فقط ایک قدم کا فاصلہ ہی تو تھا جو پلک جھپکتے ہی طے ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حالات کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔
زندگی کی کہانیاں پل میں رخ بدل لیتی ہیں، اس کا احساس پہلی بار شبیر کو شدت کے ساتھ ہوا۔
کافی دن گزر گئے۔ کیسے دن تھے یہ دن، جب اس کے پاس اپنی خوشی کو محسوس کرنے کا وقت ہی نہ تھا۔ جذبے ہی نہ تھے۔
عدالت نے مامون واسطی کے حالت نزع میں دیے بیان کی روشنی میں اسے باعزت بری کر دیا تھا۔ مامون کے دوسرے ساتھی کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے خلاف سنگین مقدمہ درج ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی طلبا نے بری ہونے پر اس کا شایان شان استقبال کیا تھا۔ اس کے اعزاز میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں زبردست عشائیہ دیا تھا۔ اس کی سچائی عظمت اور بہادری کو سراہا تھا۔ منوں پھولوں کی پتیاں اس پر سے نچھاور کی تھیں۔ الفاظ کی صورت خراج تحسین پیش کیا تھا۔ اخبارات نے دھڑا دھڑ انٹرویو لیے اور چھاپے تھے۔ مگر وہ خوش نہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں بھی شامل رہا تھا جنہوں نے امین واسطی کی اشک شوئی کی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی موجود رہا تھا جنہوں نے جوان جہان مامون واسطی کے جنازے کو کندھا دیا تھا اور اس کا شمار ان لوگوں میں بھی تھا جنہوں نے اسے اپنے ہاتھوں لحد میں اتارا تھا پھر اس کو منوں مٹی تلے دفن کرنے کے بعد قبرستان کے ایک کونے میں سب سے چھپ کر ڈھیروں ڈھیر آنسو بھی بہائے تھے۔

وہ زندگی میں پہلی بار سکندر پور آیا تھا اس کے دل میں غمزدہ باپ کے لیے ڈھیروں محبت بھرے احساسات تھے۔ تیسری شام جب امین واسطی نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ ان ہی لمحوں میں شبیر نے پہلی بار ڈاکٹر ہارون کو دیکھا جنہیں امین واسطی بتا رہے تھے۔

"بیٹا! یہ شبیر ہے شبیر۔" آنکھوں میں غم کے ساتھ حیرت بھرے ہارون واسطی اسے دیکھتے رہ گئے۔ اس کی عظمت کا احساس انہیں زیر بار کر گیا۔ وہ اس نوجوان کو ہر قدم پر اپنے ساتھ ساتھ پاتے رہے تھے اور خیال کرتے رہے تھے کہ یہ مامون کا کوئی بہت ہی گہرا دوست ہے۔ اب وہ حیران تھے ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس نوجوان سے یہ ضرور کہتے کہ تم پر ایک لڑکی مر مٹی۔ اس نے روایات توڑ ڈالیں۔ حالات کا حوصلے سے مقابلہ کیا' خود کو تمہاری خاطر محفوظ رکھا۔ جذبوں کو زندگی دی۔ تو اس میں اس کا کوئی کمال نہ تھا۔ تم تھے ہی اس قابل۔ مامون تمہارا بدترین دشمن تھا۔ تم نے اس کے لیے یہ سب کچھ کیا۔ گوہر تو تمہاری دوست ہے۔ اس کے لیے۔

"شبیر! تم میرے بیٹے کو دل سے معاف کر دینا بیٹا! اسے اپنی نادانیوں کی سزا مل چکی ہے۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں بیٹا! اس حادثے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

سوچوں میں گم ہارون کے ساتھ شبیر بھی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو بغور ڈاکٹر ہارون کو دیکھ رہا تھا۔ کسی اور حوالے کے ساتھ۔ اور سوچ رہا تھا بلکہ اقرار کر رہا تھا کہ وہ ایک خوبرو نرم دل اور نرم خو انسان تھے۔ وہ تصور میں ان سے کہہ رہا تھا۔

"خدا کرے آپ گوہر کو سدا خوش و خرم رکھ سکیں۔ ڈاکٹر ہارون! شاید یہ حادثہ صرف اس لیے پیش آیا تھا کہ گوہر آپ کی ہو جائے۔ اس نے مجھے چھوڑ کر آپ کو پانے کی سعی کی۔ آپ واقعی اس کے قابل ہیں۔ بہت اچھے ہیں' مامون واسطی سے بالکل مختلف۔"

"میں نے اسے معاف کر دیا واسطی صاحب! واقعی بدل و جان۔" اس نے صدق دل سے کہا۔ کچھ دیر بعد وہ اجازت طلب کر رہا تھا۔

"شبیر! آپ کچھ دن ہمارے ساتھ رہ لیتے۔ بابا جان آپ کی معیت میں خود کو بہتر محسوس کرتے۔ آپ میرے لیے بھائی جیسے ہی ہیں۔"

"نہیں' ڈاکٹر ہارون! آئی ایم سوری۔ مجھے تو اب اس ملک ہی میں نہیں رہنا۔ نانا میرے انتظار میں ہوں گے۔ میں دو چار دن میں یہاں سے جانے والا ہوں۔"

اس نے معذرت کر لی۔ ایک وجہ یہ بھی اور دوسری وجہ اس سے بھی بڑی اور اہم تھی۔ وہ اس گھر میں رہ کر گوہر کو یا اپنے کسی رشتہ دار سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ان سب سے ہمیشہ کے لیے اپنا ناتا توڑ لیا تھا۔ وہ انہیں سوچنا چاہتا تھا نہ دیکھنا۔ وہ خود پر ضبط کے جتنے بھی پہرے لگا دیتا اپنے ماضی کو لاکھ دل سے نکال دیتا یہ احساس تو پھر بھی تکلیف دہ تھا کہ ان فضاؤں میں ایک بے وفا لڑکی اس سے دامن چھڑا کے کسی اور کی خلوتیں آباد کر کے سانس لے رہی ہے۔

"اس کا مطلب ہے اب آپ سے دوبارہ ملاقات ناممکن ہی ہے' میرا مطلب ہے کچھ عرصے کے لیے۔"

"شاید میں کبھی پاکستان نہ آ سکوں۔ اس ملک میں میرے لیے اب ہے ہی کیا؟ میں نے یہاں رہ کر وفا کے

بدلے جفا' سچ کے بدلے جھوٹ' ایمان داری کے بدلے بے ایمانی۔ خلوص کے بدلے دھوکا اور فریب ہی پایا ہے۔ میں کچھ دن اور یہاں رہا تو میرا دم گھٹ جائے گا۔" اس نے دکھ سے سوچا۔ پھر کہنے لگا۔

"جی ہاں...... پھر پاکستان آنا ہوا تو...... شاید ممکن ہو جائے آپ سے ملنا۔"

"ہارون!" امین واسطی نے ڈاکٹر ہارون کو پکارا۔

"بیٹے تمہاری والدہ شبیر بیٹے سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ انہیں دکھ ہو گا اگر شبیر چلا گیا ملے بغیر...... اور وہ پہلے ہی غم سے نڈھال ہیں۔ کاش اس غم کا مداوا ہوتا میرے پاس۔ خدا ہی انہیں صبر دے۔" شبیر کا انسان دوست دل تڑپ اٹھا۔ ایک ماں کے غم کا اندازہ کر کے۔

"میں اندر جا کے ماں جی کو بتاتا ہوں۔ بہت سی خواتین اندر ہیں نا۔ میں انہیں آپ ہی کے کمرے میں لے آتا ہوں۔ ٹھیک ہے نا بابا جان!"

"ہاں ہاں' لے آؤ......"

شبیر کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی تھیں۔ پانچ چھ منٹ بعد ہارون واسطی ایک غم زدہ' اجڑی اجڑی' اداس آنکھوں والی خاتون کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تو شبیر اٹھ کھڑا ہوا۔ دو چار قدم آگے بڑھ کے وہ رک گیا۔ اس کا سر جھکا تھا اور کہنے کو ایک لفظ بھی اس کے پاس نہ تھا۔

"ماں جی...... یہ شبیر ہیں۔"

وہ اپنی ویران آنکھیں شبیر پر جمائے اپنی جگہ پر ساکت کھڑی تھیں' شبیر نے ان کی طرف دیکھا۔ اس ناگہانی موت کی ساری داستان ان کی آنکھوں میں رقم تھی۔

"ہمیں معاف کر دینا بیٹا!" ان کے لہجے میں کتنی زخمی التجائیں' کتنی شکستہ آرزوئیں چیخ رہی تھیں۔ شبیر کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ سارے جھگڑے تو زندگی تک ہی ہوتے ہیں۔ وہ بات تو ختم ہو گئی ماں جی! مجھے افسوس ہے نہ میں ہوتا نہ وہ منحوس جھگڑا کھڑا ہوتا۔" وہ رو پڑا۔

انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کے اسے اپنے ناتواں بازوؤں کی پناہ میں چھپا لیا۔

بعض تعلق' بعض رشتے کیسے بے نام سے ہوتے ہیں۔ ایک خوشبو سی اٹھی اور شبیر کے من میں سما گئی۔ ممتا کی خوشبو! ایک تڑپ نے اسے ہلا دیا۔ شاید محبت کی تڑپ نے۔

"میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں؟ تم ہمارا غم بانٹنے یہاں چلے آئے۔ تم کیسے انسان ہو۔ تمہیں تو اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہیں۔ تم انسان نہیں فرشتے ہو۔ بھول کر اس دنیا میں آ جانے والے' کتنی بدنصیب عورت ہوں میں' تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ یہ کہنا تمہارے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے۔ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔"

"ماں جی...... ! آپ ایک معمولی بات کو بہت زیادہ اہمیت دے رہی ہیں' میں نے کہا ہے نا میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ مامون کی موت سب سے بڑا نقصان ہے۔ بڑے نقصان کے غم میں چھوٹی موٹی باتیں یاد ہی نہیں رہ جاتیں۔ مجھے افسوس اور پچھتاوا ہے تو صرف اس بات کا کہ کاش وہ مجھے سمجھ سکتا' مجھے پہچان سکتا۔" وہ از خود رفتہ سی اسے تک رہی تھیں۔

"تمہیں اس سے' ہم سے' کسی سے بھی نفرت نہیں؟"

"میں واقعی کسی سے نفرت نہیں کر سکتا ماں جی! میں بس اتنا کرتا ہوں۔ جس سے مجھے کوئی دکھ ملنے میں اسے اپنے ذہن و دل کی دنیا سے نکال کر یکسر فراموش کر دیتا ہوں اسے بھول جاتا ہوں۔ میں خود کو اس بات کا یقین دلا دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے ہے ہی نہیں۔ دشمنی رکھنا۔ نفرت کرنا' انتقام لینا۔ یہ انسانوں کی نہیں' حیوانوں کی جبلت ہوتی ہے۔ انسانوں کی نادانی اور کم عقلی پر ان پر ترس تو کھایا جا سکتا ہے نفرت نہیں کی جا سکتی۔ اور پھر دنیا چھوڑ کے جانے والوں سے تو کوئی جھگڑا باقی نہیں رہ جاتا۔ میں جب یہاں آیا تھا تو اختلاف کے سارے داغ دھو کے ہی آیا تھا اسے اپنا بھائی جان کر...... آپ میری ماں جیسی ہیں۔ میں ایک ماں کے دکھ کی گہرائی کا اندازہ کر سکتا ہوں۔ الفاظ تو میرے پاس نہیں جن سے آپ کا دکھ بانٹ سکوں' آپ کا بوجھ کم کر سکوں' میں خدا کے حضور صرف التجا ہی کر سکتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ وہ آپ کو پہاڑ جتنا حوصلہ عطا کر دے اور آپ ماموں سے جدائی کے غم کو برداشت کر لیں۔"

بیگم واسطی نے اپنے ہاتھوں میں تھما اس کا چہرہ نیچے جھکا کر اس کی پیشانی پر اپنے پرلرزتے لب رکھ دیے۔ آنسوؤں کی ایک قطار سی ان کا گریبان بھگوتی چلی گئی۔

"کتنی اچھی باتیں کرتے ہو تم۔ کتنے پیارے بچے ہو۔ ہارون بتا رہا تھا تم جا رہے ہو۔ پھر کب آؤ گے۔ مجھ سے ملنے آجایا کرنے بیٹے! تم سے مل کر شاید میں اپنا غم بھول جاؤں۔" شبیر کے لبوں پر رنجیدہ مسکراہٹ آ گئی۔

"جب بھی واپس آیا آپ سے ملنے ضرور آؤں گا جی! میں تو اب لندن جا رہا ہوں۔ یہاں نہ آنا ہوتا تو شاید اب تک میں وہیں ہوتا۔"

"جاؤ بیٹا خدا کی امان ہو تم پر۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔"

"دشمی...... شبیر۔ کس جہان میں گم ہو۔ کچھ ہوش بھی ہے۔ یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہو۔ کھانے پر سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" عذرا نے اپنے ہاتھ اس کے آگے ہلائے۔ تو وہ چونک گیا۔

"آں...... ہاں...... ہاں۔ میں آرہا ہوں تم چلو۔ نانا جان کہاں ہیں؟؟"

"ظاہر ہے وہ بھی ڈائننگ روم میں ہی تشریف فرما ہیں اور منتظر ہیں تمہارے۔"

"چلو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے میرے بچے؟ تمہیں تو کھانے پینے کے اوقات ہی یاد نہیں رہتے۔" ڈاکٹر ہنری نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "اس بحرانی کیفیت سے نکل آؤ شبیر۔ فکر اور اندیشے عمر کے ماہ و سال ہی کم نہیں کرتے۔ صحت مندی اور توانائی بھی چھین لیتے ہیں۔ جو ہوا ہو چکا اب اسے بھول جاؤ۔ میں ایک خوش و خرم ہنس مکھ دوست کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں جو میری عمر بھر کی بھی واماں ہستی کا بہترین سہارا ہو سرمایہ ہو۔ جسے محسوس کر کے میں ساری محرومیاں بھول جاؤں۔"

شبیر سر جھکا کر ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مدت ہوئی وہ شبیر میں نے دیکھا ہی نہیں۔ ہنستا مسکراتا۔ عذرا کو تنگ کرتا۔ عدی سے محبتیں کرتا۔ شوخی میں' شرارت میں' یگانگت و الفت میں' چھیڑ چھاڑ میں زندگی چھپی ہوتی ہے بچو۔ ہم سب کو اس تلخ ترین حادثے کو بھول جانا چاہیے۔ یہ سب ہونا تھا سو ہو گیا۔ شبیر میری ایک بات یاد

رکھنا۔ حادثات و مشکلات...... انسان کو مٹانے کے لیے نہیں اسے ہمت' جرات' قوت اور بلند حوصلگی عطا کرنے کو آیا کرتی ہیں۔ طوفانوں کے ساتھ ذرے بہہ جاتے ہیں چٹانیں اپنی جگہ ایستادہ رہتی ہیں۔ انسان کو حوصلے کے لحاظ سے چٹان ہونا چاہیے۔ خدا نے تمہیں ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔ چند رشتے جدا ہو گئے ہیں جو درد سے خالی تھے۔ جن کی محبت دیمک زدہ ہو گئی تھی۔ خدا نے تمہیں تمہارے نانا کی شکل میں ایک اعلا ترین انعام دے دیا ہے۔ تم جاؤ بیٹا...... ان کے ساتھ سدھارو۔ اعلا تعلیم حاصل کرو۔ زندگی کے حسین لمحات کا بہتر استعمال کرو۔ ہم تم سے ملتے رہیں گے۔ آتے رہیں گے تمہارے پاس۔ دعا کرتے رہیں گے تمہارے لیے۔"

"میں رنجیدہ تو نہیں ہوں ڈیڈی! میں تو خود ایک پل یہاں رکنے کو تیار نہیں۔ اس سرزمین نے میرا بہت کچھ چھین لیا ہے۔ ایک ایک جگہ سے میری زندگی کی تلخیاں وابستہ ہیں۔ یونیورسٹی میں تو ایک پل بھی میرا جی نہیں لگتا۔ میں یہاں رہ کر شاید ایک حرف بھی نہ پڑھ سکوں۔ میں آپ سب کی خاطر۔ آپ کی خوشی کے لیے خود کو بھرپور طریقے سے زندہ بھی رکھنا چاہتا ہوں۔ ترقی بھی کرنا چاہتا ہوں۔ سو آپ لوگوں سے دوری اچھی امیدوں کے ساتھ برداشت کر لوں گا۔ وہاں سدرہ آپا ہیں' افتخار بھائی ہیں۔ ننھی منی ماورا ہے اور نانا جان تو ایک ہستی نہیں ایک جہان ہیں۔ ان کی ہمراہی میں انسان سارے دکھ بھول جاتا ہے۔ ان کی باتوں میں حیات پرور پیغام ہوتا ہے۔ کیوں نانا جان۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا!"

وہ مسکرا دیے۔ اتنے عرصے میں وہ اردو سمجھنے کے قابل ہو گئے تھے لیکن جواب انگریزی میں ہی دیا کرتے تھے۔ عدی اور عذرا کی کوششیں اس حد تک کامیاب ہو گئی تھیں کہ جب وہ سب لوگ آپس میں بات کر رہے ہوتے تو ڈاکٹر ہنری ان کی باتوں کے مفہوم سے مکمل آگاہ ہوتے تھے۔

"یہ ہنر آپ بھی سیکھتے جا رہے ہیں برخوردار! مگر صرف زندگیاں سنوارنے میں ہی عافیت نہیں اپنی زندگی کا خیال رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔" شبیر نے جمال احمد کی نصیحت پر مسکرا کر سر جھکا لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

لمحوں کے سفر سے زندگی کی کہانیاں بنتی ہیں۔ لمحوں کا گزر جانا ہی زندگی کہلاتا ہے۔
لمحوں کی رنگینی اور سفاکی سے مل کر ہی زندگیوں کی اونچ نیچ کا تصور واضح ہوتا ہے۔
چند لمحے مل جانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور چند لمحے بچھڑ جانے کے لیے کافی رہتے ہیں۔
لمحوں کے اس کھیل میں کبھی کبھار سب کچھ مل جاتا ہے اور کبھی کبھار سب کچھ لٹ جاتا ہے۔
چند لمحے ہی تو تھے بہار کے۔ اس کی زندگی میں آئے' خوشبوئیں بکھیر کر بے دردی سے گزر گئے۔

ابھی تو وہ سنبھل ہی نہ پائی تھی۔ بہار کو اپنے دامن میں سمیٹ بھی نہ سکی تھی کہ دامن خوشیوں سے رنگوں سے یکسر خالی ہو گیا اور پھر وہ خون دل میں اپنی انگلیاں ڈبو کر بھی ان بہار لمحوں کو اپنی گرفت میں نہ لے سکی۔ ناقدر شناسی کے ایک پل نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔

پندرہ بیس دن تو ایک عجیب سی قنوطیت' خوف ناک سکوت اور اداسی کی نذر ہو گئے۔ ماموں واسطی کی حادثاتی موت اور اس کے عالم نزع میں دیے بیان نے ساری کہانی ہر ایک پر واضح کر دی تھی۔ مقدمے کا فیصلہ اسی روز ہو گیا تھا۔ گھر میں جہاں ہر ایک دوسرے سے منہ چھپائے پھر رہا تھا اس خبر نے حالات کا رخ ہی بدل دیا۔ ابھی سب لوگ یہیں موجود تھے۔ وہ لوگ اپنی ڈیوٹی کے سبب چلے گئے تھے اور گرمی کی چھٹیاں بھی ختم ہو گئیں

تھیں۔ لیکن اسی شام دلنواز نے بڑے پرجوش انداز میں فون پر فرداً فرداً سب سے بات کی تھی۔ کاظم نے بھی عاصم حسنین کو اس نئی خبر سے آگاہ کیا تھا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے تھے۔

جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکے تھے۔ چچی اماں کو جانے کس نے یہ خبر دی۔ اسی وقت وہ سجدہ شکر بجالائیں۔ پوری پچاس رکعت نوافل ادا کیں۔ اسری کو بازار دوڑایا۔ دن کے سارے اخبار منگوائے اور لڑکیوں کو آ پکڑا۔ حرف بہ حرف پوری خبر غور سے سنی۔ پھر عینک لگائے بغور خود پڑھتی رہیں۔

کتنا سکون اور اطمینان ان کے چہرے پر اتر آیا تھا۔ لگ رہا تھا کوئی بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ کسی بوجھ سے آزاد ہوئی ہیں۔ بڑھ بڑھ کر مسکرائے جارہی تھیں۔

"اے خدائے قدوس۔ اے پاک پروردگار تیرا لاکھ لاکھ احسان ہے تو نے مجھے اپنے ضمیر کے سامنے بھی اور دنیا والوں کے سامنے بھی سرخرو کر دیا۔ میرا شبیر بے گناہ تھا اس کی بے گناہی ثابت ہوگئی۔" اب وہ خوشی کے مارے رونے لگی تھیں۔ روتی آنکھیں، مسکراتے ہونٹ۔ گوہر کا حال بھی ان سے کچھ کم نہ تھا۔

چچی ماں نے اسے گلے لگا کر ڈھیر دل پیار کیا۔

"میری بیٹی۔ میری بچی۔ میں نہ کہتی تھی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ضرور ہوگا۔ مجھے تو اس بدنصیب لڑکے کی موت کا بڑا دکھ ہے۔ اس نے خواہ مخواہ میں ہی میرے شبیر سے زیادتی کی۔ یقین کرو اس کی موت کی خبر ساتھ نہ ہوتی تو میری خوشی کا کچھ اور ہی عالم ہوتا۔ پر خوف خدا مجھے اپنی خوشی کے اظہار سے بھی روک رہا ہے، اس گھر کا کیا عالم ہوگا۔ جہاں اس کی جوان جہان لاش گئی ہوگی۔ اس ماں کا کیا حال ہوگا۔ جسے اچانک اپنے بیٹے کی دردناک موت کی خبر ملی ہوگی۔ یہ بھی قدرت کے کھیل ہیں نرالے کھیل۔ کسی کی موت کسی کی زندگی بن جاتی ہے۔ شاید ہم سب اپنے اپنے اعمال کے صلے میں اچھی بری زندگی پاتے ہیں اور کبھی کبھی بلکہ اکثر اعمال کا صلہ اس دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ ایک ذرہ اچھائی یا ایک ذرہ برائی چھپی نہیں رہ سکتی۔ کسی نہ کسی طرح سامنے آجاتی ہے۔ میری تو کوئی مانتا ہی نہیں تھا پر خدا کے ہاں تو انصاف ہے نا اس نے مجھ بڑھیا دکھیا کی سن لی۔ گوری میری بچی۔ وہ کہاں ہوگا۔ اسے کوئی تو ہوتا جو مجھے وہاں لے جاتا۔ اسے دیکھنے کو یہ آنکھیں ترس گئی ہیں۔ اسے کیسا سنگدل ہو گیا ہے، وہ مجھ سے ...... ملنے کو ہی چلا آتا۔ پر نہیں وہ سنگدل نہیں ہے۔ سنگدل تو یہ سب تھا جنہوں نے آڑے وقت میں اس کو تنہا چھوڑ دیا۔ وہ ان پتھر دلوں کے پاس کیا کرنے آتا۔"

"چچی اماں!" گوہر رو رہی تھی۔

"چچی اماں۔ زیادتی تو میں نے بھی کی تھی۔ اسے سمجھا ہی نہ تھا، جانا ہی نہ تھا۔ اسی کی سزا مجھے ملی ہے۔"

"تو فکر نہ کر میری بچی۔ ایک بار وہ مجھے مل جائے، اس کے دل کا سارا غبار دھل جائے گا۔ قصور تیرا نہیں حالات کا ہے۔ تیری جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی۔ پھر بھی میرے دل کو یقین ہے۔ تیرا اور شبیر کا ساتھ آسمانوں پر لکھا ہے، اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ یاد رکھنا میری بات۔ اسے آنا ہوگا تجھ تک۔ اپنانا ہوگا تجھے۔ زندہ رہی تو میری آنکھیں دیکھیں گی، مرگئی تو روح خوش ہوگی۔"

گوہر چچی اماں کا پرامید چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عاصم حسنین کی آواز پر چونک کے رک گئی۔

"مامی جان!" وہ نظریں جھکائے کھڑے تھے۔

"آؤ آؤ بیٹا' بیٹھو۔"

چچی اماں نے تخت پر ان کے لیے جگہ بنائی۔ گوہر انہیں دیکھ کر اور بھی روہانسی ہوگئی۔ اور بھی دل برداشتہ۔

۔۔۔ ان دونوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جس دن سے شادی رکی تھی عاصم حسنین میں اور گوہر میں بات ہوئی تھی نہ آمنا سامنا۔ عاصم اپنی جگہ غصے میں تھے اور گوہر اپنی جگہ رنجیدہ۔ عاصم نے ساری عمر گوہر سے تحت لہجے میں بات نہ کی تھی۔ بلکہ وہ تو صفیہ سے اکثر اسی بات پر خفا ہو جاتے تھے۔ مگر اس دن تو انہوں نے حد کر دی تھی۔ سب لوگوں کے سامنے اسے برا بھلا کہا تھا۔ بھرپور غصہ اس پر نکالا تھا۔ اس کے بے موقع انکار نے انہیں از حد دکھ دیا تھا۔ ان جذباتی لمحوں میں وہ ایسی بہت سی باتیں بھی کہہ گئے تھے جو انہیں بالکل نہیں کہنا چاہیے تھیں۔

"مامی جان آپ کو پتا ہے۔" ان کا لہجہ ٹوٹا سا تھا۔

"ہاں ہاں، مجھے سب پتا ہے یہ اس خدا کا کرم ہے جو دکھوں کو سکھوں میں بدلتے دیر نہیں کرتا۔"

"مامی جان! گوہر بیٹی تو اب تک مجھ سے خفا ہے۔"

"نہیں نہیں بیٹے! وہ کیوں خفا ہونے لگی تم سے۔"

"میں یہ جرأت کر سکتی ہوں ابا جان؟ زیادتی تو میں نے کی تھی۔ دکھ تو میں نے دیا تھا آپ کو۔ جو کچھ آپ نے کیا وہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ ماں باپ کو اتنا تو حق ہوتا ہے۔"

"مامی جان! یہ مجھے شرمندہ کر رہی ہے۔ میں اپنی نظروں میں خود کو مجرم لگنے لگا ہوں۔ بغیر کسی تحقیق کے میں نے پرانے ناتے توڑ کر نئے رشتے جوڑ لیے۔"

"چھوڑو عاصم! یہ تقدیر میں ہی تھا۔ یہ ہونا ہی تھا۔"

"لوگوں کی زبانوں پر آج بھی یہی قصہ ہے اتنے دن گزر جانے پر بھی۔ یہ میری نادانی کا نتیجہ ہے۔ جس کا الزام میں اپنی بے گناہ بچی پر لگاتا رہا۔ میں کتنا بے سمجھ اور نااہل انسان ثابت ہوا ہوں مامی جان میری بے وقوفی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی۔ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع میں نے خود ہی فراہم کیا ہے۔ کاش میں اس جلد بازی سے کام نہ لیتا۔ یہ رسوائی تو ہم سب کا نصیب نہ ہوتی میں تو مامی جان۔ میں تو گوہر سے نظریں چار کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتا خود میں۔ مجھے معاف کر دو بیٹی۔"

"ابا جان! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ معافی تو مجھے مانگنا چاہیے تھی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کے حکم پر اپنا سر جھکا ہی رہنے دوں۔ لیکن جب ہزار کوشش کے بعد بھی مجھے یہی نظر آیا کہ میں نئی زندگی کو قبول نہ کر پاؤں گی تو میں نے وہ قدم اٹھایا۔ سچ کہیے ابا جان، میری ناخوشگوار زندگی آپ کو دکھ نہ دیتی؟ میں نے یہی سوچا کہ عمر بھر میں جلتی رہوں میرا دکھ آپ کو دکھی رکھے اس سے چند دنوں کی تکلیف بہتر ہے۔"

"جس سوچ کے تحت میں نے وہ قدم اٹھایا تھا وہ اپنی جگہ درست تھی جس سوچ کے تحت تم نے رد عمل ظاہر کیا وہ بھی درست تھی۔ یہ سب ہونا تھا۔ ہر حال میں ہی ہونا تھا۔ جو ہوا سب صحیح ہے۔ میں آج مطمئن ہوں، تمہارا انکار ایک مثبت فیصلہ تھا مجھے آج اس کا احساس ہے۔ لیکن افسوس کہ میں اپنے رویوں سے زخمی ہونے والے تمہارے احساسات پر صرف اپنے الفاظ کا مرہم رکھ سکتا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

گوہر سر جھکائے اپنی انگلیاں ایک دوسرے سے مسلتی رہی۔

"کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟ بہت کچھ کر سکتے ہو۔ تلافی تو اب بھی ممکن ہے۔ تم سب نے میرے بچوں کا دل دکھایا ہے۔ خطا تو ہر ایک سے ہو جاتی ہے خواہ بڑا ہو خواہ چھوٹا۔ چھوٹے غلطی کریں تو معافی کے بنا گزارا نہیں ہوتا۔ بڑے زیادتی کر بیٹھیں تو تلافی صرف محبت اور مہربانی سے بھی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھو نا گوہر تم سے ذرہ بھر خفا نہیں ہے۔ تمہارے چند الفاظ نے اس کے سارے دکھ اور شکوے دور کر دیے ہیں۔ تمہارا دست شفقت

کافی ہے۔ اس کے لیے تم جاؤ عاصم۔ شبیر کے پاس۔ تم سب جاؤ۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری بے اعتنائیاں بھول کر دوبارہ چلا جائے گا وہ ایسا نہیں ہے۔ کھلے دل اور ذہن کا ہے لوگوں کی زیادتیاں معاف کر دینے کا حوصلہ ہے اس کے پاس......"

"نہیں چچی اماں۔ وہاں کوئی نہیں جائے گا۔ کوئی بھی نہیں۔ دکھ کے لمحوں میں ساتھ نہ دے سکنے والوں کا حق نہیں ہے خوشی کے لمحات میں جھوٹی خوشی کے اظہار کا۔ ہماری اور شبیر کی زندگی میں بہت سا فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ جسے طے کرنا اب ممکن نہیں رہا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ زندگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے واپسی کی راہیں تو کبھی بھی مسدود نہیں ہوتیں ماسوا موت کی راہ کے۔ خطائیں بڑے بڑوں سے ہو جاتی ہیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ ہم سب اس کے بزرگ ہیں۔ اس کے اپنے ہیں حق رکھتے ہیں اس پر......"

"یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے۔ مجھے تو رائے دینے کا بھی حق نہیں ہے۔ جو جی میں آئے کرتے رہیے۔ مجھے تو بس اتنی اجازت دیجیے کہ میں لاہور جا کر منقطع سلسلہ تعلیم پھر سے جوڑ کر اپنی زندگی کے شب و روز کو بے کاری میں بٹنے سے بچا لوں۔"

"تمہیں روکا کس نے ہے بیٹی؟ جب جی چاہے چلی جاؤ...... یہاں فارغ رہ کر کیا کرو گی۔"

عاصم حسنین نے آمادگی ظاہر کی۔

"تم نے بھی کمال کر دکھایا عاصم۔ بچوں سے بھی گئی گزری سوچ نکلی تمہاری۔ اچھی بھلی پڑھتی بچی کو نکال لے آئے۔ پڑھائی کا حرج کرایا اور پکڑ کے یہ مصیبت بھی ڈال دی۔"

"مامی! اب ہر بات بھول جائیں۔ گوری میری نہیں آپ کی بیٹی ہے لے جائیں آپ اسے۔ جو جی میں آئے کرتی رہیں۔ میں کبھی کچھ کہوں تو پھر شکوہ کیجیے گا۔"

تیسرے روز وہ سب لوگ لاہور چلے آئے۔ دس گھنٹے کے ٹرین کے سفر میں گوہر مسلسل اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی رہی۔

آمنہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر تھیں۔ عامر، ساغر اور عاتکہ سامنے کی سیٹ پر تھے۔ چچی اماں آمنہ کے قریب لیٹی ہوئی تھیں۔

"گوہر! کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں مامی۔"

"پھر بھی۔ کتنی دیر سے میں تمہیں گم صم بیٹھا دیکھ رہی ہوں۔"

اس نے آمنہ کی طرف دیکھا آنکھوں میں فکر اور پچھتاوے کے ساتھ ساتھ آنسو بھی موجود تھے۔

"تم پھر رو رہی ہو، کتنی بار منع کیا ہے۔"

"مامی! مجھ جیسا کم نصیب کوئی اور بھی ہوگا۔"

"کوئی کم نصیبی کی بات نہیں۔ دنیا میں اس سے بھی بڑے حادثے ہو جاتے ہیں۔"

"یوں مل کے بچھڑ جانا بہت بڑا سانحہ ہے مامی۔ وہ میرا کچھ نہیں رہا۔ یہ سوچ ہی میرے دل کو کھا جاتی ہے۔"

"وہ تمہارا کچھ کیوں نہیں رہا تم وہی گوہر ہو اور وہ وہی شبیر۔ کل ہی تم یونیورسٹی جاؤ گی۔ اس سے ملاقات ہو، دلوں کا غبار آپس کی بات چیت دھو دے گی اور تم پھر سے ایک دوسرے کے لیے اسی طرح اہم و ناگزیر ہو جا

گے۔"

"نہیں مامی! ٹوٹے دھاگے جڑ بھی جائیں تو یہ احساس باقی رہ جاتا ہے کہ یہ ٹوٹ کر جڑے ہیں۔ دل میں آئی گرہ تو...... دھاگوں کی گرہ سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ بہت ہی بدصورت اور بدصورتی ہر جگہ ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ خصوصاً جذبوں میں احساسات میں مامی! میں تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتی خود میں۔"

"گوری! کیسی بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو۔ کیا قصور کیا ہے تم نے۔ مجرم تو وہ بھی ہے۔ قصور تو اس کا بھی ہے کیا ضرورت تھی اسے خود کو کسی کے معاملے میں اتنا انوالو کرنے کی۔ اس نے تو اپنی ایثار پسندی کی سزا پائی ہے۔ حق پرستی کے بدلے عذاب جھیلا ہے۔ تم نے تو اس کی خاطر قربانی دی ہے۔ یہ تو آج حالات کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں آج سے چند دن قبل جب اس کے زندہ بچ رہنے کی ہلکی سی امید بھی نہ تھی۔ تم نے بھری برادری میں شادی سے انکار کس کی خاطر کیا تھا۔"

گوہر بھی غور کرنے لگی۔

"مامی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ قصور ہے تو پھر ہم دونوں کا ہی ہے۔ یہ قربانی کم تو نہ تھی جو میں نے دی، والدین کی عزت [illegible] قربانی۔ شبیر سے کیے گئے عہد محبت کی خاطر ہی تو تھی۔"

"مامی! کیا ٹوٹے ناتے پھر سے جڑ سکتے ہیں؟"

"ناتے ٹوٹے ہی کب ہیں وہ تو ابھی [illegible] تم ان قسم کی فکر [illegible]۔ میں شبیر کو خوب سمجھتی ہوں اس سے کسی زیادتی کی امید ہی نہیں رکھتی۔ ایک [illegible] تم تو اس کی زندگی کی ساتھی ہو۔ وہ تمہیں ہرگز نہیں بھول سکتا۔ تمہیں اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتا۔"

گوہر بھی پرامید ہو کر حسین خواب دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

لیکن خواب خواب ہی رہا۔ دنیا کے میلے میں بچھڑ کے وہ پھر نہ مل سکے۔

شبیر یونیورسٹی تو کیا ملک کے کسی کونے، کسی گوشے میں بھی نہ پایا جا سکا۔

کسی نے اس کے بارے میں کوئی خبر اسے نہ دی۔

وہ جیل سے رہا ہو کے کس طرف گیا۔ کوئی اسے نہ بتا سکا۔

جنوں تلاش نے اسے بے چین رکھا۔

دن ہفتوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے چلے گئے گوہر نے خود کو ہر موڑ پر مایوسی سے بچائے رکھا...... ایم اے کیا لاہور سے واپس اپنے شہر آ گئی۔ اس کا پتا کہیں نہ ملا۔

شاداب اور شہریار اپنے اپنے کورسز مکمل کر کے وطن واپس آ گئے ان کی شادیاں ہو گئیں۔ دونوں سعیدہ بیگم نے اپنے بیٹے ظہیر کی خاطر اس کی آس لگائے رکھی۔ بالآخر ظہیر غیر ملک کو سدھار گئے۔ عاصم حسنین نے بیٹوں کے زندگی کو قبول کرتے ہوئے اپنا پرانا گھر چھوڑ دیا۔ شہر کے خوبصورت رہائشی علاقے میں بخت اور شہری کے بنائے ہوئے گھر میں بخوشی اٹھ آئے۔ پھر اسرار کی شادی بھی ہو گئی۔

برپا ہونے والی تقریب میں کسی نہ کسی نے گوہر کو ضرور اپنے بیٹے یا بھائی کے لیے پسند کیا رشتے دے کے بھی چلے آئے۔ لیکن گوہر کی ایک نہیں نے ساری بازیاں پل میں پلٹ دیں۔ اس کی زندگی میں شبیر کے بعد تھا تو بس کتابیں۔ شعر و شاعری کی ادب کی، تاریخ کی مذہب کی چند تصویریں، چند خطوط۔ کھوئی ہوئی

دنیا کی یادیں اور معاشرتی بہبود و فلاح کے کچھ کام اور بس۔

ادبی دنیا میں وہ گزشتہ چار پانچ سال سے شبیر عسکری کے نام سے شامل تھی۔ مضامین افسانے خاکے کہانیاں کسی اخبار میں کوئی فکر انگیز کالم انسانی حقوق سے متعلق کسی بحث میں شمولیت۔ ان سب میں نام شبیر کا اور قلم گوہر کا چلتا تھا۔ ایسا کر کے وہ کس جذبے کی تسکین چاہتی تھی۔ یہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔ اسے تو بس ایک آس تھی۔

نامعلوم سی، بے وجود سی۔ موہوم سی۔

اس سے پھر مل لینے کی آس۔

اس کو پھر دیکھ لینے کی آس۔

اس کو پھر پا لینے کی آس۔

اس نے جوانی کے بے حساب دن اور رات شبیر کے تصور میں گزار دیے تھے۔

خود احتسابی کے مرحلے سے گزرتے گزرتے وہ بہت سی سزائیں بھگت چکی تھی۔

بہت سے بے درد لمحے گزار چکی تھی۔

دوسروں کی خوشیوں اور غموں میں مگن رہ کر اپنی ذات کو یکسر بھلا کر حیات کی راہوں پر چلتے رہنا کوئی اتنا آسان مرحلہ بھی نہیں تھا۔

ایک ایسے شخص کے نام زندگی لگا دینا جس کے جینے یا مر جانے کی خبر ہی نہ ہو......

جس کا دور دور تک کہیں ذکر ہی نہ ہو......

خاصا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن وہ اپنے ارادوں میں کتنی ثابت قدم تھی۔ کوئی حادثہ حالات کی کوئی آنچ اسے اس راہ سے ہٹا نہ سکی تھی۔

تپسیا کے اتنے ماہ و سال گزارنے کے بعد...... جوانی کے تپتے جھلستے صحراؤں میں آبلہ پا کانٹوں پر چل چل کے پور پور زخم بنانے کے بعد اس کا سراغ ملا بھی تو کس طرح؟

وہ سامنے آیا بھی تو کس طرح؟

کہ وہ جیسے سرتاپا اپنی بجھتی تھی۔ وہ اسے یکسر فراموش کر کے اپنے بہت ہی پرانے خوابوں کو حقیقت کا رنگ دے کے ان میں کسی اور کو آباد کر چکا تھا۔

کیا دیا اس کنارہ کشی نے؟

کیا دیا اس تپسیا نے؟

کیا دیا ایک موہوم آس نے؟

کیا دیا اس قربانی نے؟

اس نے تو اپنے دکھوں میں کسی کو حصہ دار نہیں بننے دیا تھا۔ رونے کے لیے دل کا بوجھ ہلکا کرنے [illegible] نے کسی کا کندھا نہیں چنا تھا۔ تنہا اس کی ذات تھی اور زندگی کا سفر اس نے راتوں کی تنہائی [illegible] تنہائیوں میں اپنے دل کی ساری باتیں شبیر کی تصویر بلکہ اس کے تصور سے ہی کی تھیں۔ پھر لوگ ایسا ہی [illegible] ہے...... اپنا بوجھ آپ اٹھانے والے سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اسے بھی بہت زیادہ با حوصلہ پا [illegible] کی پرواہ چھوڑ دی تھی بلکہ وہ خود گوہر کے سہارے کے محتاج تھے۔ شہری بخت اور امری کے بچوں [illegible]

اس کا کتنا ہاتھ تھا۔ جو ہر آپا کی ترستی ممتا کی تسکین اس کے الفاظ ہی تھے۔ ابا جان کو گوہر سے بات کیے بنا چین نہیں تھا۔ مسائل خواہ خاندانی ہوں خواہ گھریلو خواہ سیاسی ہوں خواہ اقتصادی۔ گوہر کے الفاظ کو وہ حرف آخر سمجھتے تھے۔

گوہر دوسروں کے خیال میں خود اذیت پسند تھی لیکن وہ جانتی تھی۔

شبیر کی جدائی سے بڑی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں اور بڑا دکھ سدا بہار ہو جائے تو چھوٹی موٹی تکلیفیں یوں ہی عام سی لگنے لگتی ہیں۔ بالکل معمولی اور غیر اہم۔

دل میں ایک مدت بعد بڑے زور کا درد اٹھا تھا۔ درد جدائی تو جو تھا سو تھا اسے پھر بھی مل جانے کی آس نے سنبھالا دے رکھا تھا۔ یہ عمر بھر کے لیے کسی کو کھو بیٹھنے کا احساس صرف احساس نہیں دو دھاری تلوار تھا۔

جس نے اس کے جسم و جاں کو تیزی سے کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا وہ اب بھی کالج کے عقبی لان میں اسی بنچ پر براجمان تھی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آنکھیں رگڑ ڈالیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا سر چکرا تا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ پھر بیٹھ گئی۔ بہ ہزار دقت اس نے اپنے حواس پر قابو پایا اور چلنے کے لیے قدم آگے بڑھا دیے آفس میں آئی تو وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بلکہ کالج ہی خالی ہو چکا تھا۔ جامن کے پیڑ تلے چوکیدار شاید تھک ہار کے سستا رہا تھا۔ وہ اپنی چادر اور بیگ لے کر گیٹ کی طرف آ گئی۔

"گوہر بی بی آپ۔ آپ کدھر تھانی بی؟ کالج تو خالی ہو گیا۔"

"بس مصروف تھی ذرا۔ بابا باہر دیکھیں کوئی رکشہ وغیرہ مل جائے گا۔"

"ابھی آیا بی بی!" وہ اٹھ کر باہر چلا۔

گوہر میں ایک پل مزید یہاں رک جانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ گیٹ پار کر کے باہر آ گئی۔ کسی سہارے کے بنا کھڑے رہنا اس کے لیے محال ہو رہا تھا۔ اس نے سڑک کے کنارے ایک درخت کے موٹے تنے کا سہارا لے لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مزید پندرہ منٹ سفر میں کٹ گئے۔ اس نے گھر کا گیٹ عبور کیا تو بے فکری سے قہقہے لگاتے گھر والوں نے حیران ہو کے اسے دیکھا۔

"ہیلو گوہر! بھئی آج بہت دیر لگا دی تم نے۔"

چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے امری نے دور سے ہی اسے پکارا۔ وہ شکستہ قدموں سے چلتے چلتے ان سب کے قریب آ گئی...... حنیفہ بیگم بھی وہاں موجود تھیں۔

"گوہر بیٹے کیا ہوا تمہیں؟ اتنی زرد کیوں ہو رہی ہو؟"

وہ جواب دیے بنا کرسی پر بیٹھ گئی بیگ اس کی گود میں تھا اور چادر اس کے وجود کے ارد گرد۔ اس نے بے بسی اور نقاہت کے عجیب سے احساس کے ساتھ سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

لیکن سر ٹکا نہ رہ سکا۔ گردن ایک طرف کو لڑھک گئی۔

"گوہر......" حنیفہ بیگم نے گھبرا کے اسے پکارا۔

سب نے ایک ساتھ چائے کی پیالیاں میز پر پٹخیں اور اس کی طرف بڑھے۔

"گوہر.... گوری۔ کیا ہوا؟"

"اف میرے خدا میری بچی کو کیا ہوا۔" صفیہ بیگم بدحواس ہو گئیں۔

"گوہر.... گوہر....!" امری اسے پکار رہے تھے۔

ان کا ہاتھ گوہر کی کلائی پر تھا۔ وہ پریشانی میں اس کی نبض ٹٹول رہے تھے۔

"شہریار! وہ تو بیہوش ہو گئی ہے۔" شہری پریشان ہو کر اسے سنبھالنے لگے۔

"ہائے کوئی میری بچی کو اندر تو لے چلو۔ کیا ہو گیا بھلی چنگی تو کالج گئی تھی۔"

شہری نے اسے بازوؤں میں اٹھایا بخت نے سہارا دیا۔ امری نے نیچے گرا بیگ سنبھال لیا۔ بھابیاں اور بچے پریشان ہو کر ان کے ساتھ چل پڑے۔ صفیہ بیگم کے کہنے پر اسے ان کے کمرے میں لٹا دیا گیا۔

"امری! میری بچی کو کیا ہو گیا؟ اسے اسپتال لے چلو۔"

"اماں! آپ فکر نہ کریں۔ ابھی سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

انہوں نے بیوی کو میڈیسن باکس لانے کو کہا۔

کورامین کے انجکشن نے گوہر کی آنکھیں کھول دیں۔ کتنی دیر وہ ارد گرد موجود لوگوں کو دیکھتی رہی پھر آنکھیں موند لیں اس نے۔

"کیا ہوا گوہر؟ کیا ہوا میری جان؟" صفیہ بیگم نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔

بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے نکلے اور صفیہ بیگم کے لباس میں جذب ہوتے چلے گئے۔

"تم بتا کیوں نہیں رہیں؟"

"کچھ نہیں اماں! ایسے ہی چکر سا آ گیا تھا۔"

"فون کر دیا ہوتا کوئی لینے آ جاتا۔ اتنی ظالم نہ بنا کر بچی! ہر تکلیف اپنے آپ ہی اٹھانا تیری عادت سی بن گئی ہے۔ تو لاوارث نہیں ہے، خیر سے تین جان نثار کرنے والے بھائی ہیں اور ابھی تو باپ زندہ ہے۔ ماں ہے، بہن ہے۔"

"نہیں اماں! ایسی تو کوئی بات نہیں تھی اور اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں امری بھائی؟"

وہ زبردستی مسکرائی تو وہ ہنس دیے۔

"تم بھی اپنے نام کی ایک ہو، ہم سب کے چھکے چھڑا دیے اور اب کہہ رہی ہو کہ بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اور نہیں تو کیا۔ بس آرام کی ضرورت ہے آج کلاسز میں بہت دیر کھڑا رہنا پڑا۔ بس یہی وجہ تھی۔"

"چلو تھوڑا بہت کھا پی کے سو جاؤ۔"

"نہیں بھوک نہیں بس سونا چاہتی ہوں۔"

"یہیں میرے کمرے میں ہی لیٹی رہو۔ ہم سب جا رہے ہیں۔" صفیہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

اور اسے کمبل اوڑھا کر وہ سب کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام رات میں بدل گئی۔ وہ ابھی تک اماں کے بستر پر ہی تھی۔ سوئی کہاں تھی۔ بس اپنی نامراد زندگی کے بارے میں فیصلے کر کے انہیں مسترد کرتی رہی تھی اور بہ ہزار وقت ایک نتیجے تک پہنچ گئی تھی۔

تبھی اس نے جوہرا آپا سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سو اس نے چپکے سے ان کا نمبر ملایا اور اپنے سارے حوصلے جمع کر کے بات کہنے کو مناسب الفاظ ڈھونڈے۔

"جوہرا آپا۔ یہ میں ہوں آپ کی گوہر۔"

اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔ جوہر کو حیرانی ہوئی۔

"ہو گوری کہو۔ کیا بات ہے؟"

"آپا! وہ عیلام حسن۔" وہ رک گئی۔

"کیا ہوا عیلام حسن کو؟"

"کچھ نہیں آپ عیلام حسن کے گھر والوں کو اماں ابا کے پاس بھیج دیجیے گا۔" اس کی سانس سینے میں بار بار اٹکی مگر اس نے کہہ ہی دیا۔

"گوری.... یہ تم کہہ رہی ہو؟"

"ہاں آپا یہ میں ہی ہوں گوہر عسکری۔ ہوش و حواس کے ساتھ عیلام حسن کی زندگی میں شامل ہونے کی خواہاں ہوں۔"

"تم ٹھیک ہو نا گوری؟"

"ہاں ہاں آپا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اپنی مرضی اور خوشی سے یہ سب کہہ رہی ہوں۔ مجھے احساس ہونے لگا ہے اپنی زیادتی کا' میں اماں اور ابا کو مزید دکھ نہیں دے سکتی۔ میں جانتی ہوں' وہ میرے سبب پریشان ہیں۔"

"گوری! مجھے ایسا لگ رہا ہے' تم میرے ساتھ کوئی حسین مذاق کر رہی ہو۔ ابھی ابھی میں نے فون پر اس بے چارے کو صاف صاف انکار کیا ہے۔"

"آپ کہہ دیجیے گا آپ نے مذاق کیا تھا۔"

"یہ سب کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں سوائے ایک فیصلے کے بلکہ ایک درست فیصلے کے آپا۔ مجھے تو۔ مجھے تو۔ مجھے چاہیے تو یہ تھا کہ ڈاکٹر ہارون سے شادی کر کے امن و چین کی زندگی گزار رہی ہوتی۔"

"گوری!" جوہر نے احتجاج کیا۔

"ہاں آپا۔ لڑکی کے خوابوں میں ساون کی رم جھم پھواروں میں بھیگا' پیار کی خوشبو میں بسا ایک ستاروں بھرا آنگن ہی تو ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ تو ہر اس جگہ مل جاتا ہے جہاں پیار ہو۔ پھر لڑکی کا ٹھکانہ گھر نہیں دل ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں عیلام حسن کے پاس ایک پیار بھرا دل موجود ہے اور میں تمام عمر سکون کے ساتھ وہاں رہ سکتی ہوں۔"

"پلیز گوہر! مجھے پاگل مت کرو۔ میرے ہوش نہ چھینو مجھے لگ رہا ہے' یہ تم نہیں کوئی اور بول رہا ہے۔"

"یہ میں ہی ہوں آپا میں۔ دیوانی سودائی گوہر۔ قیمتی لمحوں کو بے مقصد اور بے معنی انتظار میں گزارنے والی بے وقوف گوہر.... محبت کے نام پر ہزار زخم دل پہ کھا لینے والی گوہر۔ مگر آج میری زندگی میں کوئی بے معنی انتظار باقی نہیں رہا اور نہ میرے خیال کو کسی آہٹ کی آس ہے۔ آج میں تنہا ہوں آپا۔ مجھے سہارا چاہیے۔ مجھے پیار چاہیے' مجھے توجہ چاہیے۔ مہربانی چاہیے۔ میں زخم زخم ہوں' تپتے صحراؤں میں ننگے سر ننگے پاؤں چلتے چلتے چکرا کر گر گئی ہوں۔ میرے وجود کو آسرا اور میرے زخموں کو مرہم چاہیے آپا۔ تم ابا سے کہہ دو۔ اماں کو بتا دو۔ رحم

درواج کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر وہ کل ہی میرا ہاتھ عیلام حسن کے ہاتھ میں دے دیں اب میں تنہا نہیں جیوں گی۔ بے سہارا نہیں رہوں گی۔ بے امان اور اداس زندگی نہیں گزاروں گی۔ میں ان حسین خوابوں کے حصار سے نکل آئی ہوں میں نے حقیقت کو مان لیا ہے۔ پلیز آپا کائنڈلی ہیلپ می پلیز......"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور پلکوں میں اٹکے آنسو بے دردی سے پونچھ ڈالے۔

☆☆

گاڑی ایک سو بیس کلو میٹرفی گھنٹہ کی رفتار سے کولتار کی سیاہ چمک دار سڑک پر اڑی جا رہی تھی اور دماغ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ماضی اور حال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

گزرے ماہ و سال کی لمحوں کی اذیت ناکی کو ابھی وہ بھول ہی نہ پایا تھا کہ کچھ نئے درد پھر اس کا مقدر ہو گئے۔ اس نے فیصلہ دے دیا کہ اس کی قسمت میں کسی بھرے پرے گھر کا تصور ہے ہی نہیں۔ اس کے سہرے کے پھول کھل ہی نہیں سکتے۔

وہ شاد کام ہو ہی نہیں سکتا۔

نہ دلداری اس کے کام آئی۔

نہ دنیاداری اسے راس آئی۔

ایک بار دل کی دنیا بڑی آرزوؤں کے ساتھ بسائی تھی۔ زمانے نے اسے اجاڑنے میں دیر نہ کی۔ اب کی بار وہ کتنی مشکلوں سے آمادہ ہوا تھا' خود کو تیار کر سکا تھا۔

ایک لڑکی کو اپنی شریکِ حیات قبول کرنے میں اسے کتنی دیر لگی تھی۔ دراصل وہ منصف مزاج تھا۔ ہر ایک سے انصاف کرنا چاہتا تھا۔ اپنے تہی داماں رہ جانے کی سزا کسی اور کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو خلوص اور سچائی کے ساتھ یہ احساس دلایا تھا کہ اسے ایک اور لڑکی کو جو ہر گز ہر گز اس کے دل میں آباد ہو جانے والی لڑکی گوہر نہیں' ایک مقام دینا ہے۔ وہ اس کی زندگی میں بہت سی امیدیں لے کر آئے گی۔ محبت کی امید' ناز برداری کی امید' خلوص کی امید' اپنائیت کی امید اور اسے یہ ساری امیدیں پوری کرنا ہیں۔

وہ بیتے سالوں میں کبھی دل سے ہنس نہ سکا تھا۔

کسی خوشی کو بھرپور جذبوں کے ساتھ محسوس نہ کر سکا تھا۔ لیکن اب......

اس نے خود کو باور کرایا تھا۔

کہ خوش رہنا اس کا حق ہے۔ خواہ دوسروں کی خاطر سہی۔

دنیا کے رنگارنگ میلے میں امن و چین سے حصہ لینا اس کی فطری ضرورت ہے' کیونکہ وہ دنیا سے کٹ نہیں سکتا۔

اور بے مقصد احساسات کے لیے زندگی کی مسرتیں قربان کر دینا دانشمندی نہیں۔

بے نام راستوں پر چلتے چلتے جان دے دینا حماقت ہے۔ کہ زندگی اتنی بے کار شے نہیں ہے۔

ڈاکٹر ہنری کی باتیں اسے اب بھی یاد تھیں۔ اس کی کلاس فیلو نیریسا کو وہ بہت پسند کرتے تھے۔ جو اکثر ان سے ملنے کی خاطر ٹھہر آ جھمکتی تھی۔ اس سے اپنی محبت کا اظہار بے باک انداز میں کرتی تھی۔ نیریسا کی آنکھیں اسے سامنے پا کر عجیب انداز میں چمک اٹھتی تھیں۔

"نیریسا اچھی لڑکی ہے شمی! بڑا خیال رکھتی ہے تمہارا۔ بے شک اس کا تعلق کسی پشتینی امیر خاندان سے نہیں

ہے لیکن وہ فطرتاً بہت عمدہ مزاج اور خیالات کی مالک ہے۔ اس کے والد کا علم و ادب کی دنیا میں بڑا نام ہے۔ ادیب لوگ دنیا کی حساس ترین مخلوق ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کی زندگی کی اچھائیاں اور برائیاں ہی کہانیوں کی صورت نہیں لکھتے خود کو اچھائیوں کے قالب میں ڈھال کر برائیوں سے محفوظ کر لینا بھی جانتے ہیں نیریسا میں ایک مثالی شریکِ حیات ہونے کی تمام خوبیاں ہیں۔ تم مناسب سمجھو تو میں اس کے والد سے بات کروں۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ تمہاری مزاج آشنا ہے' تمہیں سمجھتی ہے اور یہی باتیں انڈراسٹینڈنگ پیدا کرتی ہیں۔"

وہ چپ رہا...... مسکرا کر انہیں دیکھے گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔ نیریسا واقعی ایک بہت اچھی لڑکی ہے لیکن نانا! میں...... ہر گز اچھا ثابت نہیں ہوں گا اس کے لیے لڑکیاں اس قدر قربانی نہیں دے سکتیں اور نہ ہی انہیں دینا چاہیے۔ جتنی قربانی میری زندگی میں آ کر کسی بھی لڑکی کو دینا پڑے گی۔ ابھی تو میں یہ سوچ لینے کے قابل بھی نہیں ہوں کہ مجھے شادی کرنا ہے۔ میں جسمانی رابطوں اور بندھنوں کو بندھن نہیں مان سکتا نانا! رسمیں نہیں نبھا سکتا۔ ابھی تو میں دل کو یہ یقین نہیں دلا سکا کہ ایک لڑکی نے مجھ سے صریح بے وفائی کرتے ہوئے کسی اور کا دامن تھام لیا ہے۔ میں یہ تسلیم کرنے میں کوئی حجت نہیں کروں گا کہ میں اب تک اس کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوں۔ میں اپنے آس پاس آج بھی اسی کی خوشبو پاتا ہوں۔ میں کسی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ نیریسا کو مجھ سے کہیں اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔ میں اس کی خوشیوں کی راہ کی دیوار نہیں بننا چاہتا۔" نانا سے اپنے دل کی ہر بات وہ آسانی سے کہہ سکتا تھا۔ سو اس نے کہہ دیا۔

"کسی کو بھلا دینا بے شک آسان نہ ہو۔ لیکن بھول جانے میں عافیت ہوتی ہے۔ میرے پیارے بچے...... اور بے وفائی تو یاد رکھنے کی چیز ہے بھی نہیں۔"

"پھر یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہوگی نانا...... میں تو اکثر اپنی وفا کے بدلے ملنے والی بے وفائی کو سوچا کرتا ہوں اور اب تو یہ سوچنا بھی مجھے دلچسپ مرحلہ لگا کرتا ہے جب میں کسی نکتے تک نہیں پہنچ پاتا۔ الجھنوں کے سمندر میں غوطہ زن میری سوچ جھنجلا جاتی ہے۔ تو یہ اعتراف کہ میں اب بھی اس سے نفرت نہیں کرتا' مجھے باور کراتا ہے کہ میں کسی سے نفرت کر ہی نہیں سکتا۔ نانا! میں واقعی کسی سے نفرت نہیں کر سکا۔ نہ اپنے پاپا سے' نہ سعیدہ بیگم سے نہ ماموں واسطی سے اور گوہر...... دیکھیے نا' نانا......"

"ہاں' میں جانتا ہوں تم کہو گے۔ میں تو ان سے نفرت نہیں کر سکا جنہوں نے مجھ سے بہت کچھ چھینا' گوہر سے کیسے نفرت کروں...... کہ بقول تمہارے' اس کی محبت اور چاہت نے تمہیں بھرپور اعتماد بخشا۔ تمہاری شخصیت اور کردار کو نکھارا...... لیکن بیٹے ایک بات یاد رکھنا...... تمہاری یہ تصوراتی دنیا اور اس کے اصول تمہیں اور بھی تہی کر دیں گے۔ پھر تم پچھتاؤ گے سب کچھ کھو دینے کا احساس تمہاری روح پر افسردگی کی چادر تان دے گا۔ لبوں سے مسکراہٹ اور روح سے مسرت کا احساس چھن جائے تو شب و روز بہت طویل ہو جاتے ہیں اور دکھوں کا بوجھ انسان کی برداشت سے بھاری ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی ہے شمی۔ بہت سی پرانی باتوں کو بھلا کر بہت سی نئی باتوں کو اپنانا ہی سفر ہے۔ نکل آؤ اس فریب سے' مت کرو سنگدل لوگوں سے محبتیں۔ مان لو میری بات۔ میں اس گھر کو آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے وجود سے' تمہاری بیوی کی مسکراہٹوں سے' تمہارے بچوں

کی معصوم ہنسی سے بے ضرر شرارتوں سے۔"

"آپ کے یہ خواب بہت حسین ہیں نانا! میں وعدہ کرتا ہوں' یہ خواب پورے کرنے کا' مگر پلیز نانا مجھے کچھ وقت دیں۔ کچھ خواب جو میں نے سجے تھے ان خوابوں کا جال بہت مضبوط ہے۔ میں اس جال میں قید ہوں۔ میرے پاس نفرتوں کے تیز دھار تیشے ہوتے تو میں کب کا آزاد ہو گیا ہوتا۔ محبتیں تو کند ہتھیار بھی نہیں ہوتیں پھر بھی میں کوشش کروں گا اس جال سے نکلنے کی مگر ابھی مجھے صرف پڑھنا ہے۔ یہ کتابیں ہی میری ایسی ساتھی ہیں جن میں کھو کر میں کچھ دیر کو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

"او کے۔" نانا نے جلد ہتھیار ڈال دیے۔

پھر جلد ہی نیریسا کو احساس ہو گیا کہ وہ بے نام راستوں کی مسافر ہے۔ اس نے یہ سفر چھوڑ دیا۔ "شاید ساری لڑکیاں آسان راستوں پر چلنے کے لیے ہی پیدا ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کی صنف کو "نازک" کا نام دیا گیا ہے۔" شبیر نے فیصلہ دے دیا۔

ایک نیریسا ہی کیا بے شمار لڑکیاں اسے اداس زندگی کے مختلف لمحوں میں ملتی رہیں' اس کی طرف لپکیں۔ اپنے حسن و ادا کے تیروں سے اسے نشانہ بنایا' لیکن اپنے سارے نشانے خطا ہو جانے پر اس سے دور بھی ہوتی رہیں۔

دراصل شبیر کی پیدائش جس ملک میں ہوئی تھی بلکہ جہاں وہ پیدا ہوا تھا' وہاں کے ماحول کے تقاضوں میں بہت سی جو باتیں شامل تھیں ان میں سے ایک بات بھی یہاں نہ تھی۔ یہاں رفاقت کا مفہوم کچھ اور تھا اور وہ کسی اور بات کا متلاشی تھا۔ شاید ایسا ہوتا کہ اگر وہ پاکستان میں ہی رہ جاتا اور گوہر جیسی کوئی لڑکی اس کے درد کا درماں بننا چاہتی۔ اس کے زخم کا مرہم بننے کی آرزومند ہوتی...... تو شاید وہ سہارے کی طلب میں اسے تسلیم کر بھی لیتا۔ لیکن یہاں تو زندگیاں کاروباری انداز میں نفع و نقصان کے کھاتوں میں درج تھیں۔ اور بات نفع و نقصان کی ہی ہو تو نفع ہی چاہنا انسانی جبلت میں شامل ہے۔ مرد خواہ کسی بھی علاقے' کسی بھی خطے کا ہو' اسے دینے سے زیادہ لینے کی طلب ہوتی ہے' اس لین میں خواہ محبت' خلوص' ایثار' سچائی ہی شامل ہو اور پھر وہ اپنا دل۔ اپنی متاع جاں' اپنی کمائی صرف اسے ہی دینا پسند کرتا ہے جو اس کی ساری روحانی مانگیں پوری کرے اور شبیر کی روحانی ضرورتیں تو بس گوہر جان سکی تھی۔

شبیر تو ایک خالص مشرقی مرد تھا۔ آزاد ماحول کی رنگین تتلیوں سے دل بہلانا اس کا مقصود ہی نہ تھا۔ تبھی تو عمر کے کتنے قیمتی سال اپنی تنہائیوں میں گم گزارے چلا گیا۔

یہاں تک کہ ڈاکٹر ہنری' اپنی بہت سی آرزوؤں کی تشنگی سمیت اس دنیا سے رخصت ہو گئے' وہ ان کا وارث ہونے کی حیثیت سے ان کی جائیداد کا مالک بن گیا اور افتخار بھائی کے مشورے پر' جمال احمد کی خواہش پر... ممی کی بے تابیوں سے بے تاب ہو کر پاکستان آ گیا۔

اب وہ بے ٹھکانہ بے مایہ شبیر نہ تھا۔ ایک ناکام تمنا نوجوان نہ تھا۔ اس کے پاس ڈاکٹر ہنری کی چھوڑی ہوئی بے شمار دولت تھی۔ دنیا کی اعلیٰ ترین درسگاہ کی عطا کردہ تعلیمی و قانونی ڈگریاں تھیں۔

اپنی بھرپور اونچی پوری ظاہری شخصیت تھی۔

وہ پاکستان آیا تو شروع کے دن اس نے سب کے بے حد اصرار کے باوجود ایک ہوٹل کے کمرے میں گزار دیے۔

آپا نے ٹوکا تو اس نے کہا۔

"میرا کیا ہے آپا! تنہا بندہ ہوں۔ اتنا کما ہی لوں گا کہ عمر بھر کسی اچھے ہوٹل کے شاندار کمرے میں آرام دہ زندگی گزار سکوں اور دو وقت کی روٹی اچھی کھا سکوں۔"

"حیثیتوں کی بات مت کرو شبی...... مجھے علم ہے تم اپنا وقت بہت اچھی طرح گزار سکتے ہو' بابا جیسا بہرِ بلا نے بغیر بھی۔ بات صرف رہنے کی ہو تو ڈیڈی کا وسیع و عریض گھر بھی کم نہیں۔ میرے غریب خانے میں بھی تمہارے لیے بہت جگہ ہے۔ لیکن شبی...... (وہ روہانسی ہو گئیں) میں تو تمہیں ایک بھرپور زندگی گزارتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اپنے گھر کا آرام ہی کچھ اور ہے۔ افتخار بتا رہے تھے' سامنے کا خالی پلاٹ برائے فروخت ہے' تم وہیں گھر بنا لو۔"

"آپا! گھر بھی نصیب والوں کے ہوتے ہیں' اکیلے آدمی کو گھر کی احتیاج کہاں۔"

"شبی! تم اکیلے نہیں ہو' خود کو اتنا غیر اہم سمجھنا چھوڑ دو' ہم سب کی اہم ترین خوشیوں میں سے ایک اہم خوشی تم بھی ہو۔ میں...... میں عدی سے زیادہ تمہارا مان کرتی ہوں شبی۔ کیا بہن کا مان توڑ دو گے۔"

اب تو وہ باقاعدہ رونے لگیں۔ شبیر آنسوؤں سے ڈرتا تھا۔ جھٹ اقرار کرتے ہی بن پڑی۔ اس نے آپا کے آنسو پونچھ دیے۔

"آپ جو بھی کرتی رہیے' آپ کو اختیار ہے۔ بس رویئے مت۔" وہ مسکرا دیں۔

آنسو اور تبسم میں شبیر کی اک ناں اور ہاں کا فاصلہ تھا۔ دنوں میں پلاٹ خرید لیا گیا۔ نقشہ بننے لگا۔ افتخار بھائی نے ایک روز ایک کارڈ اسے تھما دیا۔

"شبی! رضوان احمد بہت اچھے آرکیٹیکٹ ہیں۔ میں نے ان سے رابطہ کیا ہے' کل وہ آئے تھے پلاٹ دیکھنے' اچھا نقشہ بنائیں گے' لیکن تم چلے جانا...... گھر تمہارا ہے۔ تم سے بہتر رائے کون دے سکے گا۔"

شام وہ رضوان احمد کے ہاں جا رہا تھا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سالوں پہلے کی ایک خوشگوار شام کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔ جب عاتکہ کے لائے ہوئے خر کو دیکھ کر اس نے اور گوہر نے گھنٹوں کی بحث و تکرار کے بعد اپنے گھر کا ایک متفقہ نقشہ پاس کیا تھا۔ وہ آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اور جب رضوان احمد نے اپنی تجاویز اس کے سامنے رکھیں تو اس میں ساری ردوبدل اس نے گوہر کے خوابوں کو مدنظر رکھ کر ہی کی۔

"ہشت شبیر شاہنواز عسکری! تمہارا یہ زعم کتنا بودا نکلا کہ تم اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل چکے ہو۔ تم تو ابھی تک وہیں کے وہیں ہو' جہاں گوہر نے تمہیں چھوڑا تھا۔ تم اب تک ان ہی کانٹوں بھری راہوں پر بھٹک رہے ہو' جہاں سے اس نے رخ بدل لیا تھا۔ کانٹوں سے دامن چھڑا کر پھولوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔"

اقبال بانو کی آواز نے اسے اور تڑپا دیا۔

داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے

اس نے کھٹ سے اسٹاپ کا بٹن دبا دیا۔ اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل سے ٹکراتے ہوئے اس نے یہ بات تسلیم کر لی کہ وہ جو گوہر سے نفرت کا دعویدار تھا اب تک اس کی محبت سے ہی دستبردار نہ ہو سکا تھا۔

گھر بن گیا' لان تیار ہو گیا۔ در و دیوار کے روغن اور لان کے پودے...... ان دونوں کے انتخاب کے وقت قدم قدم پر صدائیں اس کی رہنمائی کرنے لگیں۔

گھر اور لان کی آرائش و زیبائش مکمل ہوئی تو گویا وہ سارے خواب پورے ہو گئے۔ دوسری شام اس نے آپا

کے حکم پر اپنے سارے دوستوں کو مدعو کر لیا۔ ہر ایک کی زبان پر تعریفی کلمات تھے۔

''اس گھر میں بس ایک ہی کمی ہے۔'' ایک نے با آواز بلند کہا۔

''ہاں صرف ایک کمی......'' دوسرے نے تائید کی۔

''تب پوری کر رہے ہو وہ کمی؟'' تیسرے نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے بے اختیار افتخار بھائی کی طرف دیکھا مدد کی خاطر۔

''اب تو صرف یہی مسئلہ باقی رہ جائے گا اور آپ لوگ جلد ہی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے برپا کی جانے والی تقریب میں مدعو کیے جائیں گے۔'' افتخار بھائی نے اسے سہارا دیا۔

''بہت خوب۔ ہم منتظر رہیں گے۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس کا جی چاہتا وہ ڈاکٹر ہارون کے نمبر پر رنگ کر کے ایک بار گوہر کی آواز سن لے۔ ڈاکٹر ہارون کا نام اس شہر کا معتبر نام تھا پانچ سات سالوں میں ان کے ہاسپٹل نے نمایاں ترقی کی تھی۔ وہ تو ویسے بھی خوش نصیب تھے۔ ان کے پاس گوہر تھی۔ شبیر کی متاع جاں۔ ان کے ممتاز ہونے کے لیے تو یہ بات ہی کافی تھی۔ وہ چاہتا تھا ایک بار اس سے بات کرے۔ صرف ایک بار۔ اس نے کئی بار ان کی رہائش گاہ کا نمبر ملایا...... گھنٹی بجتی رہی؛ کسی نے فون اٹھایا ہی نہیں۔

''لگتا ہے۔ تم بہت مصروف ہو گوہر! اپنی زندگی کی خوشیوں میں مگن۔'' اس کا دل دکھ گیا۔

پھر جمال احمد کے حکم پر اس نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا تو شب و روز بے حد مصروف ہو گئے۔ ممی آئیں تو گھر میں الیکشن کے ہنگاموں کے ساتھ ساتھ ان کی خواہشوں کے ہنگامے بھی جاگ اٹھے۔ لڑکی بھی منتخب کر لی گئی۔

شبیر نے زندگی سے سمجھوتا کرنے کی خاطر اپنے پیاروں کو خوش کرنے کے لیے بڑی ایمانداری کے ساتھ فسطینہ سے شادی کی ہامی بھر لی۔

فسطینہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ علم و ادب سے آراستہ۔ خوش مزاج اور شریف طبع۔ جب شادی کرنا طے ہی تھا تو انکار کے لیے جواز ہی کیا تھا۔ وہ دو سالوں میں کئی بار فسطینہ سے ملا تھا۔ تنہائی میں بھی اور محفلوں میں بھی۔ پچھلے کئی ماہ سے وہ اسے روزانہ کالج چھوڑ آیا کرتا تھا۔ ان کے درمیان کبھی ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی۔ ماسوا عام دنیاوی باتوں کے اور جب سے یہ نیا رشتہ جوڑنے کی بات ہوئی تھی؛ تب سے وہ حد سے زیادہ مصروف تھا۔ وہ ایک بار اس سے مل کر اس پہ چند باتیں واضح کر دینا چاہتا تھا۔ ایسی ساری باتیں جن کا بے وقت انکشاف اس کی آئندہ زندگی پہ اثر انداز ہو۔ وہ اپنے ماضی کا اعتراف کرنا چاہتا تھا۔ اور مستقبل کی گارنٹی دینا چاہتا تھا۔

اسے ہر معاملے میں صاف گوئی ہی پسند تھی۔

اسی غرض سے ایک روز کالج سے چھٹی کے وقت کالج کی طرف چل دیا۔ اس کا خیال تھا چند منٹوں کے سفر کو لمبا راستہ اختیار کر کے تھوڑا سا طویل کرے۔ وہ فسطینہ سے ساری باتیں کہہ دے گا۔ لیکن جب وہ گیٹ پر پہنچا تو اس نے فسطینہ کو ایک طویل چمچماتی سیاہ گاڑی میں بیٹھتے دیکھا وہ مسکراتی ہوئی اگلی نشست پر بیٹھ رہی تھی شبیر کی آنکھیں سیاہ گاڑی پہ ٹکی رہ گئیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ جانے کون تھا اس نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔ و

کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت کو پسند نہیں کرتا تھا۔
لیکن......
فسطینہ اس کی ہونے والی بیوی تھی۔
وہ لڑکی جسے اپنے دل میں بھرپور جگہ دینے کے لیے اسے بڑی کٹھن راہوں پر چلنا پڑا تھا۔ خود احتسابی کی تلوار نے اس کی روح پر کئی گھاؤ لگائے تھے۔
میرون گاڑی چلی تو وہ اس کے پیچھے ہولیا۔ یہ دیکھ کر اسے اور بھی حیرت ہوئی کہ گاڑی فسطینہ کے گھر کا رخ کرنے کے بجائے مضافات کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پیچھے پیچھے چلتا ہی رہا۔ باغ فاطمہ کے گیٹ پر پارکنگ میں گاڑی رکی تو شبیر بھی رک گیا۔
اس کے اعصاب کو زبردست جھٹکا لگا جب اس نے گاڑی میں سے ڈاکٹر ہارون کو برآمد ہوتے دیکھا۔
فسطینہ بھی باہر نکلی۔ ڈاکٹر ہارون نے گاڑی لاک کی اور وہ دونوں مسکراتے ہوئے اندر بڑھ گئے۔ گیٹ شبیر کی نظروں کے سامنے تھا جہاں سے ایک لمبی روش دور تک بڑھتی چلی گئی تھی۔ وہ ایک ساتھ قدم اٹھاتے چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے فسطینہ کا پاؤں رپٹ گیا تھا شاید۔ ڈاکٹر ہارون نے اسے تھام لیا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے چلے جا رہے تھے۔
یہ مظاہرہ کئی باتیں سمجھا دینے کے لیے کافی تھا لیکن یہ کھیل بہت عجیب تھا۔
ڈاکٹر ہارون ایک بیوی کے شوہر اور یقیناً کچھ بچوں کے باپ تھے۔ یہ کھیل انہیں زیب نہیں دیتا تھا۔
وہ حیران تھا ڈاکٹر ہارون کا یہ روپ دیکھ کر۔
وہ حیران تھا فسطینہ کی زندگی کا یہ رخ دیکھ کر......
بظاہر بے ضرر اور لاپروا نظر آنے والی لڑکی اصل میں یہ تھی۔ دوسروں کے حقوق پر ڈاکا ڈالنے والی۔
اور ڈاکٹر ہارون!
وہ تو نقب زنی کے عادی تھے۔ وہ نام کے مسیحا تھے دوسروں کی خوشیاں لوٹ لینا ان کا اصل پیشہ تھا۔ اپنے گھر میں ایک لڑکی کو بیوی بنا کر آباد کرنے کے بعد بھی وہ دوسروں کو دھوکا دیتے پھر رہے تھے۔
اور یہ بات تو کمال کی تھی کہ وہ دوسری بار بھی اس کی ہی خوشیاں لوٹنے میں کوشاں تھے۔
کیا وہ بھی ایک ٹارگٹ تھا؟ وہ ہی ایک نشانہ تھا؟ مشق ستم کے لیے......
اسے از حد دکھ ہوا۔
اسے ڈاکٹر ہارون اور ان کے اہل خانہ سے ملاقات کا دن یاد آیا۔ وہ ان سے متاثر ہوا تھا۔ لیکن آج اس احساس کو تازیانہ لگا۔ لوگ کتنے پردوں کے پیچھے رہتے ہیں۔
دبیز پردوں کے پیچھے ان کا اصل کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتا۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنے گھناؤنے کردار کے مالک ہوں گے۔
بڑی دیر سڑک پر گاڑی روکے وہ ان دونوں کو آگے بڑھتے دیکھتا رہا۔ پھر گاڑی ریورس کر کے واپس چلا آیا۔ مارے دکھ کے اس کے اعصاب جھنجھنا اٹھے۔ اسے فسطینہ پر غصہ نہیں آیا۔ لیکن ڈاکٹر ہارون کا تصور آتے ہی اس کا خون کھول اٹھا۔
وہ گھر میں داخل ہوا تو حسب معمول سب وہیں موجود تھے۔

ممی لاؤنج میں تھیں۔ فون پر کسی سے محو گفتگو تھیں' سدرہ آپا جو صوفے پر نیم دراز تھیں۔ اس کے قدموں کی آہٹ پا کر اٹھ بیٹھیں۔
''آؤ شمی! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی' بھئی کچھ دن یہ کورٹ کی مصروفیات تو ترک کر دو' تھوڑا وقت گھر میں بھی دیا کرو۔''
اس نے اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔
''جی آپا! آ گیا ہوں۔ فرمایئے۔ مگر یہ ممی کسے ڈانٹ ڈپٹ کر رہی ہیں۔'' اس نے سب کچھ بھلانے کی سعی میں بمشکل بات کی۔
''اپنی بچی کو اور کسے۔ شادی سر پر ہے اور وہ وہیں جمی بیٹھی ہے' ایسی بھی کیا شوہر پرستی کہ میکہ بھلا دیا جائے۔ اس کی کمی سب کو محسوس ہو رہی ہے۔''
شبیر مسکرا بھی نہ سکا۔
''لو۔ شمی آ گیا ہے خود ہی بات کر لو۔''
ممی نے شاید عذرا سے کہا تھا۔ وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہ تھا لیکن اسے فون کی طرف جانا پڑا۔
''ہیلو شمی! کیسے ہو؟ بڑے بے مروت بھائی ہو...... بھئی مان لیا کہ شادی طے ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی سے بہنوں کو بھلا دینا کہاں کا انصاف ہے۔ تم لینے آؤ گے تو میں آؤں گی ورنہ ہرگز نہیں۔ شمی سسرال میں اسی لڑکی کی عزت ہوتی ہے جسے ماں باپ' بہن' بھائی اہمیت دیں۔ یوسف ہر وقت طعنے دیتے ہیں۔ شوہر جتنا بھی اچھا ہو جتنا بھی مہربان ہو۔ بیوی کے رشتہ داروں کی ناانصافیوں کا ذکر کرنا اسے نہیں بھولتا۔ اتنی بھی کیا مصروفیت۔ پشاور تک ہو آئے۔ میرا شہر راستے میں ہی تھا اور میجر یوسف بخاری کا گھر ڈھونڈ نکالنا بھی مشکل نہ تھا۔''
''آئی ایم سوری عذرا! میجر صاحب سے معذرت کر لینا میں جلد آؤں گا۔ بچوں کو میری طرف سے پیار کرنا۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ ان نے فون ممی کے ہاتھ میں تھما دیا۔
''شمی! بہت تھکے تھکے لگ رہے ہو' کھانا لگاؤں؟''
''نہیں آپا!''
''کیا بات ہے لگتا ہے' کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے۔''
''کچھ بھی نہیں۔ بس ذرا اپنے کمرے میں جا رہا ہوں' کھانا دیر میں کھاؤں گا۔ آپ سب کھا لیجیے۔'' سدرہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔
وہ خواب گاہ میں آ گیا۔ سر ہاتھوں میں تھامے بیڈ پر آ بیٹھا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹیلی فون کا چونگا اٹھایا۔
ڈاکٹر ہارون کا نمبر ملایا۔
''ہیلو...... ہیلو۔'' غالباً کسی ملازم کی آواز تھی۔
وہ گوہر کا نام کیسے لیتا' اس سے اپنے ناتے کو کیا نام دیتا' وہ اس سے کیا کہتا' فوراً رابطہ کاٹ دیا۔ لباس تبدیل کیے بغیر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا' سوچتا رہا۔
آنکھیں بند کیے خیالوں کے بھنور میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا' دو ٹوک بات کرنے کا۔ آنکھیں کھول کر کلاک کی طرف دیکھا۔
شام کے چھ بج چکے تھے۔ وہ بیڈ سے اٹھا۔ لباس کی شکنیں درست کیں' بالوں میں انگلیاں پھیریں اور باہر

نکلا۔ کوریڈور میں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ باہر آ گیا۔ ابھی اس نے بیرونی گیٹ کا رخ کیا ہی تھا کہ روش پر فسطینہ نظر آ گئی وہ ایک دم وہیں رک گیا۔

"آپ!" فسطینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی میں...... مجھے آپ سے کچھ کام تھا آپ ہی کی طرف آ رہا تھا میں۔"

"ارے واہ...... میں خود بھی آپ سے ملنے آئی ہوں۔ کیا آپ کے پاس میرے لیے کچھ وقت ہے شبیر عسکری۔" وہ بے حد شوخ ہو رہی تھی۔

شبیر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"فرمائیے۔"

"وہ اصل میں وہ بات سرراہ کرنے کی نہیں ہے۔"

"یہ راہ گزر نہیں' میرا گھر ہے مس فسطینہ...... آپ ہر بات سہولت سے کر سکتی ہیں۔" وہ خاصا تلخ ہو رہا تھا۔

فسطینہ نے لحہ بھر حیرانی سے اسے دیکھا پھر بولی۔

"مجھے آپ سے کہنا تھا۔" اس نے تمہید باندھی۔

"ہاں ہاں' آپ کو مجھ سے کہنا تھا کہ...... آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں...... کہ آپ مجھ سے بہتر ایک انسان کے ساتھ زندگی بتانے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ آپ کو مکمل حق ہے مس فسطینہ مکمل حق۔ لیکن آپ کو کسی کی زندگی اجاڑ کر اپنا گلشن آباد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ اتنی اچھی ہے' اتنی اچھی کہ آپ کا تصور بھی اس اچھائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ اسے راضی نہیں رکھ سکی تو آپ کیا چیز ہیں۔ آخر کیا؟ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آپ ایسی عاقبت نا اندیش ہوں گی۔ مجھے اس کا غم نہیں کہ آپ مجھے ٹھکرا رہی ہیں۔ مجھے اس کا دکھ ہے کہ آپ کا انتخاب بے حد غلط ہے۔"

"شبیر!" فسطینہ کا چہرہ تپ گیا۔

"آپ کو کسی کے بارے میں ایسی رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔"

"اوہ آئی ایم سوری' میں واقعی حق نہیں رکھتا کیونکہ مجھ میں اور آپ میں کوئی ناتا نہیں۔ کوئی تعلق نہیں۔ آپ شوق سے گوہر کی زندگی سے کھیلیے' اس کا شوہر اس سے چھین لیجیے۔"

"گوہر...... گوہر...... واٹ ڈو یو مین؟"

"جو بھی مطلب ہے' وہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا' جس بات سے آپ انکاری ہیں' مجھے اس سے انکار ہے۔ شبیر کے مقدر میں سکون لکھا ہی نہ ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور۔ آپ جو پہلے ہی آزاد تھیں' میری طرف سے مکمل آزاد ہیں۔ میرا انکار سب تک پہنچا دیجیے گا۔" وہ ایک دم پورچ کی طرف مڑا۔

گاڑی کا لاک کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی یہ جا وہ جا...... وہ شاہراہ کی طرف آ نکلا۔

گھر سے نکل تو آیا تھا۔ واپس جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ بس آگے ہی بڑھتے چلا جا رہا تھا۔ لیکن جانا کہاں تھا یہ خبر ہی نہ تھی۔

بڑی دیر بعد گاڑی کی رفتار آہستہ کرنے کے بعد وہ منزل کا تعین کرنے لگا۔

ذہن کے افق پہ یادوں کے ڈھیروں جگنو چمک کر راہ دکھانے لگے۔

یہ راستہ عبداللہ پور کی طرف بھی تو جاتا تھا۔

عبداللہ پور کے نام کے ساتھ ہی کئی نام اور چہرے ذہن میں آ گئے۔

کئی کھوئی ہوئی محبتیں حوصلہ بڑھانے لگیں۔

غفور بابا۔ مسرور۔ رانو۔ یہ سارے اس کے اپنے تھے۔

ہاں...... ہاں...... محبتیں دینے والے اپنے ہی تو ہوتے ہیں۔ سنگ دل تو وہ خود تھا۔ واپس آ کر بھی ان غریبوں سے رابطہ نہ کیا تھا۔ ایک بے مہر نے اس کی دنیا درہم برہم کر دی تھی' ناآسودہ جسم و جاں' ادھ کھلے داغ پر بے نام ابر بہاراں بن کر برسے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا عبداللہ پور جانے والی سڑک پیچھے رہ گئی تھی' وہ گاڑی موڑ کر اسی طرف چل پڑا۔

ایک گھنٹے سے بھی پہلے وہ عبداللہ پور پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کے بھی عجیب الجھن کا شکار تھا۔ وہ گاؤں اس کے سامنے تھا ہی نہیں۔ پختہ سڑکیں' صاف ستھری گلیاں' روشنیوں کی جگمگاہٹ۔ اردگرد ہیکلو کا شور پر رونق بازار۔ ایک جگہ گاڑی روک کر اس نے ہارن دیا۔ ہوٹل کے باہر بیٹھے بے فکرے نوجوانوں میں سے ایک اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"یہ عبداللہ پور ہے نا؟"

"جی ہاں۔ مم...... مگر آپ......"

"ہاں میں یہاں سات برس بعد آیا ہوں۔"

"جناب! سات برس ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"غفور بابا سے۔"

"کون غفور بابا۔ وہی جو شہر میں......"

"ہاں ہاں' مسرور ان کا پوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مگر آپ تو ان کے گھر کو پہچان ہی نہیں پائیں گے۔ آپ چاہیں تو میں آپ کے ساتھ چلا جاؤں۔" شبیر نے بائیں طرف کا دروازہ کھولا اور وہ دوسری طرف سے گاڑی میں آ بیٹھا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ بغور شبیر کو دیکھ رہا تھا۔

"مگر مسرور مجھے پہچان لے گا۔" شبیر کے مزاج کی برہمی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔

"میں مسرور کا بہنوئی ہوں' اس کی چھوٹی بہن کا شوہر۔"

"ارے...... تم...... صغریٰ کے میاں ہو۔"

"جی ہاں......" وہ شرما گیا۔

"چند دن پہلے ہماری شادی ہوئی۔ صغریٰ میری پھوپھی زاد ہے۔"

"کیا کرتی ہے صغریٰ؟"

"عبداللہ پور کے اسکول میں استانی ہے۔"

"ارے واہ اوہ اتنی سی صغریٰ اور تم...... کیا نام ہے تمہارا؟"

"سلطان علی جی' مگر آپ کون ہیں جو ان سب کو جانتے ہیں۔"

"سلطان علی! تم...... تم کیا کرتے ہو؟"

"میں...... میں بھی ٹیچر ہوں جی' ادھر عبداللہ پور میں ہی۔ آپ نے بتایا ہی نہیں آپ کون ہیں؟"

"سلطان علی! میں تو تمہیں دیکھ کر، تم سے مل کے حیران ہوں۔ کس طرف مڑنا ہے؟"

"دائیں۔ آگے جا کر دوسرے موڑ پر بائیں اور پھر پہلے موڑ پر بائیں۔" اس نے راستہ سمجھایا مگر وہ اب بھی شبیر کو ایک ٹک دیکھ رہا تھا۔

شبیر نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو تصویرِ حیرت بنا ہوا تھا۔

"علم کی روشنی نے عبداللہ پور کو منور کر ہی دیا ہے۔ یہ میرا خواب تھا۔ بہت سے خوابوں میں سے ایک۔ یہ...... یہ بڑی سی عمارت۔"

"جی ہاں یہ سر عبداللہ انٹر کالج کی عمارت ہے۔ اسے اس سال ڈگری کالج بنا دیا جائے گا۔"

"ارے۔" شبیر اس خوبصورت عمارت کو دیکھ کر واقعی حیران تھا۔ جو چھوٹی سی باؤنڈری وال کے اندر ہرے بھرے لان کے درمیان سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس عمارت کے نزدیک ہی تو وہ گھر تھا جو شاہنواز عسکری نے صرف شبیر کی خاطر تعمیر کرا دیا تھا۔

وہ گھر بھی اپنے بدلے نقشے کے ساتھ موجود تھا۔

"وہ گھر کس کا ہے؟" اس نے ازراہِ احتیاط پوچھا۔ شاید وہ غلط سوچ رہا ہو۔

"اس علاقے کے سب سے بڑے جاگیردار کا' بڑا احسان ہے جی اس خاندان کا اس علاقے پر۔ یہ سر عبداللہ کالج اس گھر کے مالک کے والد صاحب کے نام پر ہے۔ شاہنواز نام ہے ان کا۔ پہلے تو خیر ملک میں رہے پھر وطن واپس لوٹ آئے اب تو اکثر یہیں ہوتے ہیں۔ علاقے کی ترقی ان کی مرہونِ منت ہے۔ وہ نہ ہوتے تو عبداللہ پور آج اتنی ترقی نہیں کرتا۔ آج جو عبداللہ پور کی یہ حالت ہے ان ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کا بیٹا شبیر تو بہت ہی اچھا انسان ہے رانو بھابی کا تو وہ بھائی بنا ہوا تھا۔ وہ تو رانو کو شہر میں ان کا گھر پتا نہیں۔ ورنہ تو وہ اب تک پہنچ چکی ہوتی شہر۔ آپ خود سوچیے جی۔ بڑے لوگوں کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں کب یاد رہتی ہیں۔ میں رانو بھابی کو چھیڑتا ہوں کہ شبیر صاحب کی تو کسی پر تعینات پیرے دار تمہیں اپنی بہن ہی نہیں مانے گا کجا شبیر صاحب کی۔"

شبیر نے جھٹ سلطان علی کی طرف دیکھا۔

"تم نے غلط کہا سلطان علی! خلوص کے رشتے قائم رہنے کے لیے ہوتے ہیں' چھوٹے بڑے کا فرق نہیں دیکھا جاتا۔"

شبیر کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"بس اس دروازے پر رک جائیے۔ ہاں صاحب یہیں۔" شبیر نے گاڑی روک دی۔ سلطان علی نیچے اترتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اندر جا کر کیا کہوں' آپ کون ہیں؟"

"کہنا رانو کا بھائی شبیر آیا ہے۔"

سلطان علی پورے کا پورا اس کی طرف مڑ گیا۔

"شش شبیر۔ یعنی شبیر شاہنواز عسکری!" وہ حیرت سے وا آنکھیں لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں...... وہی جو بیس سال قبل رانو کو اپنی بہن کہتا تھا۔"

وہ رک نہ سکا' بھاگتا ہوا گھر کا دروازہ پار کر گیا۔ ابھی شبیر ارد گرد کا جائزہ لینے کی غرض سے سامنے دیکھنے لگا

تھا کہ ایک شور سا اٹھا۔ او [illegible] بہت سے [illegible] ہاتھ [illegible] ہوئے اس کی گاڑی کی سمت لپکے۔ شبیر نے سیٹ چھوڑ دی۔ وہ وہیں کھڑا [illegible] جن کی پہچان تھی ان سے بھی' اور جن کی پہچان نہ تھی ان سے بھی۔

☆☆☆

"آپ کہاں تھے؟"

"آپ کیسے تھے؟"

"آپ کب آئے؟"

"آپ کہاں رہتے ہیں؟"

کئی قسم کے سینکڑوں سوالوں [illegible] معصوم انداز سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

بوڑھے غفور بابا کی آنکھیں [illegible] اس پار اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

محبتیں ڈس بھی لیں [illegible] دوڑتا ہے۔

اب بھی وہ بجھا بجھا بیٹھا تھا۔ محبت [illegible] محبتیں واقعی ابرِ کرم بن کر اسے بھگو رہی تھیں۔ رم جھم برستی محبت کی پھوار [illegible]

"شبیر میاں!" غفور بابا نے اپنی [illegible]

"آپ نے میاں کو بہت دکھ دیا ہے۔ انہیں آپ [illegible] آنے ہیں ہمارے سر آنکھوں پر۔ مگر آپ کو ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

"ہاں بھیا! بابا سچ کہتے ہیں۔" رانو نم آنکھوں [illegible]

"انہیں آپ کی ضرورت ہے۔ شاید [illegible] وہ ہر وقت یہاں ہوتے ہیں۔" مسرور نے کہا۔

"شبیر میاں! خون کے رشتوں میں [illegible] باپ ہے' انہیں آپ کی کامیابیوں کی بڑی فکر رہتی ہے۔ میں اب [illegible] ان کے لبوں پر آپ کا نام ہوتا ہے دعاؤں کے ساتھ۔"

"آپ نے گلیوں اور [illegible] دیکھے بھائی صاحب۔" زرق برق کپڑوں میں شرماتی لجاتی صغریٰ نے زبان [illegible]

"یہ میاں صاحب نے ہی [illegible]

"اچھا۔" شبیر حیرت سمیت [illegible]

"ہم آپ کے پاس آنے والے [illegible] چکے ہیں۔"

"اب تو میں آ گیا ہوں خود ہی۔ [illegible] جذبے کھینچ لائے ہیں مجھے۔" اس نے خوشی کے ساتھ کہا۔

"نہیں میاں صاحب کی دعائیں۔" [illegible]

"وہ کیسے ہیں؟" شبیر [illegible] پوچھ ہی لیا......

"آپ کے بغیر بے حد اداس اور رنجیدہ۔" مسرور نے زور دے کر کہا۔
"مگر غفور بابا! وہ مجھ سے ہر ناتا توڑنے کا اعلان کر چکے ہیں۔" اس کی آواز بوجھل ہوگئی۔
"انہیں آپ کی پہچان ہی نہیں ہوئی تھی بیٹا! کسی شے کو کھو دینے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان سب نے ہی آپ کو غلط سمجھا تھا۔" غفور بابا کی آواز میں کھنک آ گئی تھی۔
سب باتیں کرتے رہے۔ سب کا موضوع ایک ہی تھا یعنی باپ اور بیٹے کے ملاپ کی آرزو اور کوشش۔ رات خاصی بیت گئی تھی۔ سب نے اجازت لے کر کمرہ خالی کر دیا۔ سامنے میز پر چنے کھانے نے برسوں پہلے کی یادیں تازہ کر دیں۔
"سردیوں کی رات میں تندور گرم کرنا خاصا مسئلہ تھا لیکن بھرجائی آپ کی پسند بھولی نہیں بھائی صاحب۔" صغریٰ مسکرا رہی تھی' میز پر گرم روٹیوں کی چنگیر رکھتے ہوئے۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ گھر سے چائے کی ایک پیالی عجلت کے ساتھ پیتے ہوئے نکل آیا تھا۔ سو اس نے جی بھر کے کھانا کھایا۔ کھانا بے حد مزے دار تھا' پہلے سے بھی زیادہ۔
"رانو بی بی! صرف زمانے اور ماحول نے ہی نہیں تمہارے سلیقے نے بھی ترقی کی ہے۔"
شبیر کے لہجے میں خوشگوار تبدیلی آئی تھی۔ جس پر وہ خود حیران تھا اور ان لمحوں میں اس صورت حال کو بھول گیا تھا جو چند گھنٹے پہلے اس کے اعصاب کو چٹخا رہی تھی۔
"ایک بات پوچھوں آپ سے؟" رانو کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ یہ کہنے کے بعد تھوڑی سی گھبرائی ہوئی تھی۔ شبیر تولیے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے جواباً بولا۔
"رانو بی بی! جب تک تم اپنے دل کو یہ نہ سمجھا لو گی کہ میں وہی شبیر ہوں' دس سال پہلے والا..... میں کوئی نہیں بتاؤں گا۔ مجھے اجنبیت کی دیواروں کے اس پار مت دھکیلو۔"
وہ حیران اور پھر خوش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ تو وہ مسکرا دیا۔
"شبیر بھیا! قدرت نے آپ کو جو اتنی عزت بخشی ہے' وہ اسی سادہ دلی کا صلہ ہے' اسی مہربانی کا انعام۔"
"ہاں رانو بی بی! ہزار شکستیں بھی مقدر ہو جائیں' محبتوں کی آرزو ختم نہیں ہے۔ ہزار لوگ بھی دھوکا دے جائیں دل پھر بھی پرامید رہتا ہے۔ آپ سب تو میرے بے ضرر اور مخلص سے دوست تھے' آپ کی محبت نے مجھے سدا اسی دم سنبھالا دیا ہے جب میں ساری دنیا سے مایوس ہوا ہوں' انسان ایسی محبت کا احسان اتارنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس احسان کے بوجھ تلے دبا آدمی بھی راحت محسوس کرتا رہتا ہے۔ ہاں رانو بی بی! ایک بات پوچھ رہی تھیں مجھ سے' پوچھو نا۔" اس نے یاد دلایا۔
"ہاں بھیا! وہ بات پوچھنے کے لیے تو میں آپ کی طرف آ رہی تھی شبیر۔ ان سب نے مجھے روک دیا' ڈرا دیا تھا مجھے کہ شبیر بھیا بہت بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ تمہیں پہچانیں گے بھی نہیں۔ دھتکار دیں گے۔"
"لاحول ولا۔ کمال کرتے ہیں کہنے والے بھی! شبیر اتنا طوطا چشم اور بے وفا نہیں کہ اپنوں کو [illegible] جائے۔"
"آپ شادی کب کر رہے ہیں؟ آپ کی شادی کا ارمان ایک مدت سے ہم سب کے دل میں۔

نے کہہ ہی دیا۔
پل بھر کو شبیر کا چہرہ تاریک سا ہو گیا۔ اس ذکر کو بھلانے کے لیے اس ذکر سے فرار حاصل کرنے وہ عبداللہ پور آیا تھا۔ رانو نے یہ سوال کر کے اسے پھر مضطرب کر دیا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ مبادا رانو اس کے احساسات جان لے۔
"آپ چپ کیوں ہو گئے؟ بی بی کے ذمے ابھی کچھ اور سزا بھگتنا باقی ہے کیا؟"
"کس کے ذمے؟ کون سزا بھگت رہا ہے؟"
"ارے آپ بھی کیسے بھولے ہیں۔ مجھے پتا ہے آپ جان بوجھ کر ستا رہے ہیں' حالانکہ سب پتا ہے آپ کو' سب جانتے ہیں آپ......"
"رانو بی بی! میں ہرگز نہیں سمجھا تمہاری بات۔"
"بھیا! چھ سات برس کا انتظار کچھ کم نہیں ہوتا۔ ایک تنہا لڑکی کا سارے زمانے سے لڑ کے اپنا آپ کسی کی خاطر وقف رکھنا' پیار کی شمعیں جلائے رکھنا' بہت بڑا کارنامہ ہے بھیا!" شبیر اب بھی نہ سمجھ سکا تھا۔
"بخدا میں نہیں سمجھ پایا' آخر تم کس کا ذکر کر رہی ہو رانو بی بی!" وہ اب بھی انجان تھا۔
"شبیر بھیا! شاید سارے لوگ سچ ہی کہتے ہیں۔ آپ نے جب انہیں بھلا دیا تو ہم کیا چیز ہیں' واہ بھیا! واہ اچھا صلہ دے رہے ہیں آپ ان کو۔"
"کس کو؟ کیسا صلہ؟ یہ سب کیا ہے؟"
وہ لمحہ بھر شبیر کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' وہ سچ مچ رونے لگی۔
"آپ کو یاد ہے وہ رات' جب میں اپنے حالات سے گھبرا کر خودکشی کرنے چلی تھی۔"
"ہاں ہاں مجھے اپنی زندگی کی ہر بات یاد ہے۔"
"آپ کو یاد ہے' آپ نے میرے بابا کو ایک خطیر رقم دے کر مجھے بچا لیا تھا۔"
"مگر ان باتوں کا اس وقت کیا ذکر۔"
"آپ کو دوسروں کے جذبے کا اس قدر خیال تھا' لیکن اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"ایک لڑکی کو حالات کی گردش میں تنہا چھوڑ کر آپ ملک ہی چھوڑ گئے۔" کچھ دیر وہ خاموش رہا۔
"میں نے کسی کو حالات کی گردش میں تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ تنہا تو میں ہو گیا تھا اور اب تک ہوں۔ میں جان گیا ہوں تم گوہر کا ذکر کر رہی ہو' جانتی ہو' اس نے کیا کیا ہے۔ وفا کے نام پر کتنا بڑا داغ لگایا۔"
"جی ہاں' بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ انہوں نے کیا کیا؟" رانو کے لہجے میں طنز تھا۔
"پھر شکوہ بھی مجھ سے۔"
"بات ہے بھی تو شکوہ کرنے والی۔ انہیں کس بات کی سزا دی آپ نے؟ خود سے محبت کرنے کی' بھری دنیا میں اس کا اقرار کرنے کی' شادی سے انکار کرنے کی' آپ سے وفا نبھانے کی۔"
"کک کیا مطلب؟ کیسا اقرار کیسا انکار؟ تمہیں کیا خبر رانو بی بی وہ تو ڈاکٹر ہارون کے ساتھ شادی کر کے چین کی زندگی گزار رہی ہے۔ کئی بچوں کی ماں ہو گی۔ کاش میں اتنا خوش ہوتا کہ کوئی میری خاطر یہ سب کچھ کرتا جو تم کہہ رہی ہو۔ بعض لوگوں کے مقدر میں ایسی کوئی بات لکھی ہی نہیں ہوتی۔ وہ اتنے خوش قسمت ہوتے ہی

نہیں۔"

"اف میرے خدا۔ آپ تو شاید ہر بات سے انجان ہیں؟ آپ کو کوئی خبر ہی نہیں۔"

"کس بات سے؟ کیسی خبر نہیں ہے مجھے۔"

"آپ بیٹھیے تو سہی۔ آرام سے میری بات تو سنیے۔"

"منتظر ہوں گا۔ پہلے تم مجھے ایک بات بتاؤ' امین واسطی کی حویلی میں اب کون کون رہتا ہے۔ اگر بیگم امین واسطی وہاں رہتی ہیں تو مجھے ان سے ملنا ہے۔"

"بھیا آپ۔۔ آپ۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ ڈاکٹر ہارون صاحب اور گوہر بی بی کی شادی ہو گئی تھی۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میاں صاحب نے خود بخود بابا کو بتایا ہے۔ بلکہ یہ بات تو پوری دنیا جانتی ہے۔ گوہر بی بی نے شادی سے ایک دن پہلے خود ڈاکٹر ہارون کے اسپتال جا کر شادی سے انکار کر دیا تھا' سب کچھ بتا دیا تھا انہیں۔"

"کیا؟" شبیر کڑے کا کترا رہ گیا۔

"ہاں ہاں ....ڈاکٹر ہارون نے فوراً شادی رکوا دی' اسی بات پر دونوں بھائیوں میں رنجش ہو گئی۔ ماموں گھر چھوڑ گیا اور گاڑی کے حادثے میں مر گیا۔"

"اوہ۔ نہیں۔ نہیں رانو بی بی۔"

"ہاں بھیا! ہاں۔ ایک ان پڑھ جاہل دیہاتی لڑکی ایک عام سے انسان مسرور کی خاطر جان دے سکتی ہے' ایک پڑھی لکھی' سمجھ بوجھ والی لڑکی آپ جیسے عظیم مرد کی خاطر شادی سے انکار نہیں کر سکتی بھیا۔ دلوں میں بس رہنے کی آرزو بڑی ظالم ہوتی ہے' یہ بہت کچھ کرا سکتی ہے۔ پھر آپ کی خاطر تو جو نہ کیا گیا وہ کم ہے۔" وہ فلسفی نظر آنے لگی تھی۔

"رانو! تم سچ کہہ رہی ہو۔ واقعی اس نے شادی سے انکار کر دیا تھا' تمہیں خبر ہے وہ اب کہاں ہے اور وہ ڈاکٹر ہارون۔ کیا وہ اتنے اچھے ہیں کہ......"

"آپ مان کیوں نہیں رہے امین واسطی کی حویلی یہاں سے اتنی بھی دور نہیں' آپ جا کر ان سے تصدیق کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں' بیگم صاحبہ نے آپ کے بھائی کے لیے بڑی کوشش کی اور بھی کئی رشتے آئے۔ لیکن گوہر بی بی نے تو آج تک اپنی نان کو ہاں میں نہیں بدلا۔ میاں صاحب بتا رہے تھے۔ شہر کے کالج میں پڑھاتی ہیں۔ بڑی قابل ہیں' صغریٰ کہہ رہی تھیں دو دو ایم اے کر رکھے ہیں' کوئی آسان بات نہیں آپ کو کھو کر وہ اور کر بھی کیا۔"

شبیر تو کچھ سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ماضی گھوم رہا تھا۔ ایک ایک لمحے کی تفصیل کے ساتھ اور اذیت کے سارے لمحے ناکامی کے سارے کانٹے سامنے تھے جو دل میں آج تک اتر رہے تھے۔ اور اب لگ رہا تھا کسی کے نرم و مہربان ہاتھوں نے وہ کانٹے بڑی سہولت سے کھینچ نکالے ہیں۔ سارے سدا بہار زخم ایک پل میں اچھے ہو گئے۔

"آپ نفرت کرنے والوں کو جدائی کی سزا دیتے' پیار کرنے والوں کو تو نہیں۔ خوشیوں سے منہ موڑ کر' جانے والوں کا انتظار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے بھیا!"

"ہم۔ میں...... ابھی ان کے ہاں جا رہا ہوں ابھی۔ راستہ تو وہی ہو گا نا۔"

"ہاں ہاں۔ مگر...... اب تو رات خاصی ہو چکی ہے۔"

"کوئی بات نہیں رانو بی بی! بے خبری میں تو صدیاں بیت جاتی ہیں' باخبر ہو کر ایک پل صدی جتنا ہو جاتا ہے۔ مجھے ان سے بہت سی باتیں پوچھنا ہیں' بہت سی باتیں۔"

"آپ کیسے جائیں گے۔ آپ کو ان گلیوں سے نکلنے کا راستہ ہی نہیں سمجھ آئے گا۔"

"پھر کون جائے گا میرے ساتھ؟ کیا مسرور جاگ رہا ہو گا۔"

"کیوں نہیں۔ مسرور اور میں دونوں ہی چلے چلیں گے۔ آپ تیار ہوں' میں مسرور کو بتاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل گئی۔ دونوں اس کے ساتھ ڈاکٹر ہارون کے گھر کو جانے والی سیدھی سڑک تک آئے۔ اور پھر واپس چلے گئے۔ آدھ گھنٹے بعد وہ امین واسطی کی حویلی کے ڈرائنگ روم میں تھا' جہاں ڈاکٹر ہارون پہلے سے موجود تھے۔ اس کا سنتے ہی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر بھاگے چلے آئے تھے۔ اور اس سے مل کر بے تحاشا خوش تھے۔

"میں کچھ دیر پہلے یہاں پہنچا ہوں۔ شاید نہ بھی آتا۔ لگتا ہے اس لیے آیا ہوں کہ ایک نیک دل مہمان کا استقبال خود کر سکوں۔ ماں جی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی شبیر۔ مجھے یاد ہے آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا' پھر ملنے کا۔ دراصل بابا جی کی وفات نے انہیں بہت زیادہ افسردہ کر دیا ہے۔"

"کیا وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے؟"

"ہاں شبیر عسکری! اولاد چاہے بڑی بھی ہو ماں باپ کے لیے ابدی جدائی کا درد سہنا اذیت ناک امتحان ہوتا ہے۔ بابا جان شاید اس سے از حد پیار کرتے تھے' جبھی تو اسی راہ کے مسافر ہو گئے۔"

"او مائی گاڈ۔ کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟ اس وقت ان کے آرام میں خلل تو نہیں آئے گا۔"

"کیوں نہیں' وہ اپنے کمرے میں ہی ہیں' دراصل میں بھی ان سے ایک بہت ہی اہم بات کہنے آیا تھا۔ ایک مشورہ لینے آیا تھا۔ اس مشورے کا تعلق آپ کی ذات سے بہت زیادہ بنتا ہے۔"

"میری ذات سے تعلق؟" شبیر کی نگاہوں میں دوپہر کا منظر آ گیا۔

"ہاں شبیر عسکری! بعض حالات بھی' بعض واقعات بھی بھنور کی صورت ہوتے ہیں۔ ہم سب زندگی کا سفر طے کرتے تو رہے ہیں لیکن الجھنوں کے بھنور میں الجھ کر ہی باہر نکل کر نہیں۔"

اب شبیر کو بات کافی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی۔

"کیا نسطینہ آپ سے نہیں ملی۔ اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔"

"ملی تھیں' وہ مجھ سے کہنا چاہتی تھیں کچھ لیکن میں سن ہی نہ سکا۔"

"یہ مشورہ میں نے اسے دیا تھا۔ بہت سال پہلے کے ایک تجربے کی روشنی میں' حالات کے الجھے دھاگوں کو اسی طرح ہی سلجھایا جا سکتا ہے۔ یہ کیسا عجیب اتفاق ہے شبیر عسکری کہ ہمارے علم میں ہی نہیں ہوتا اور ہم دونوں میں ایک تنازعہ سا کھڑا ہو جاتا ہے۔ انجانے میں ہی ہم دونوں ایک لڑکی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ لاعلمی میں تو بہت کچھ ہو جاتا ہے' سب جان کر کچھ بھی نہیں۔"

"آپ نے اب تک شادی نہیں کی؟ میرا مطلب ہے گوہر کے علاوہ کسی لڑکی سے۔" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"وہ حادثہ اتنا تلخ تھا کہ مدتوں میں اس بارے میں سوچ ہی نہ سکا۔ گوہر ایک اچھی بلکہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اچھی چیزیں ہر انسان کو متاثر کرتی ہیں۔ اس سنجیدگی کے حوالے سے ہم سب نے یک طرفہ فیصلہ کر لیا۔ جب مجھے صورت حال کی خبر ہوئی تو میں نے ساری دنیا داری اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر شادی سے انکار کر

دیا۔ کیونکہ میں ہر معاملے میں سچائی اور ایمانداری کا قائل ہوں۔ دنوں ضمیر کی ملامت کی زد میں رہا۔ بلکہ سالوں اس سانحے کا دکھ مجھے گھیرے رہا۔ پھر مامون کی موت نے بھی ہم سب سے سارے اچھے احساس چھین لیے تھے۔ آج سے تین سال قبل فسطینہ بخاری سے میری ملاقات ہوئی۔ ایک بار کی ملاقات نے بار بار ملنے پر اکسایا۔ گوہر کو صرف پسند کیا تھا' میں نے مگر فسطینہ سے مجھے قلبی لگاؤ ہے' جذبے دونوں طرف ایک جیسے ہیں' ایک سال قبل ہی یہ شادی ہو چکی ہوتی۔ اگر بابا جان کی وفات کا سانحہ پیش نہ آتا۔ ماں جی کی طبیعت اب کچھ سنبھلی ہے۔ میں چاہتا تھا کسی مناسب وقت ان سے ذکر کر کے انہیں فسطینہ کے ہاں لے جاؤں۔ کہ بیچ میں آپ کی بات آ گئی۔ میں اس بار بھی آپ کی راہ سے ہٹ جاؤں یا حقیقت آپ تک پہنچا دوں' یہی پوچھنے ماں جی کے پاس آیا تھا۔

فسطینہ کا فیصلہ یہی ہے کہ آپ کو ہر بات بتا دی جائے۔ شاید ساری لڑکیاں اتنی ہی صاف گو ہوتی ہوں گی یا یہی دو لڑکیاں جو کسی نہ کسی طور ہم دونوں سے متعلق ہیں ایسی سچی اور کھری ہیں۔ میں شاید آپ کی راہ سے ہٹ جانے کا فیصلہ کر بھی چکا ہوتا' اپنے خاندان کی گردن پر لدے زیادتیوں کے بوجھ اتارنے کی خاطر' اگر میں نے آج گوہر کو نہ دیکھا ہوتا۔ وہ فسطینہ کی کولیگ ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کہاں ہیں میں نے تو فرض کر لیا تھا کہ روایتی کہانیوں کی طرح آپ کی کہانی بھی ملاپ کے نقطے پر پہنچ چکی ہوگی۔ لیکن فسطینہ نے بتایا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے' جب اس نے آپ کے بارے میں مجھے بتایا تو میں حیران رہ گیا۔ شبیر عسکری! میں اس لڑکی کی عظمتوں کے آگے جھک گیا ہوں۔ وہ بہت عظیم ہے مگر آپ بتایئے' آپ نے اسے کس جرم کی سزا دی؟ اور اسے چھوڑ کر دوسری لڑکی کو کیوں منتخب کر لیا۔ بخدا یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ فسطینہ میری ذات سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر ہارون کو زندگی میں کسی کو کچھ دے کے لطف آتا ہے' چھین کے نہیں۔ آپ اب بھی چاہیں تو میں اپنی زندگی کی اس آخری خوشی سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ میں نے اب تک فسطینہ کو بھی یہ نہیں بتایا کہ آپ میں اور گوہر میں کیا رشتہ ہے۔ مگر...... شبیر عسکری کسی کے انتظار کو اتنا لاحاصل نہیں ہونا چاہیے۔ کاش آپ میرے تصور میں در آنے کی طاقت رکھتے ہوتے۔ میری آنکھوں میں محفوظ وہ منظر دیکھ سکتے جب وہ میرے سامنے آپ کی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی ہزاروں خوبیوں کا ذکر کر رہی تھی۔ آپ نے اسے کیوں بھلا دیا شبیر آخر کیوں؟ اگر آپ اس تنفر کی ٹھوس وجہ مجھے سمجھا سکیں تو میں اس بات کے لیے بخوشی تیار ہو جاؤں گا کہ آپ اسے چھوڑ کر فسطینہ سے اپنا گھر آباد کر لیں۔"

"بس کریں ڈاکٹر ہارون' بس کریں' مت احساس دلائیں مجھے۔ میرے ارد گرد اتنے قد آور لوگ ہیں کہ میں بونا لگنے لگا ہوں خود کو ہی۔ لیکن مائی ڈیئر گریٹ ڈاکٹر ہارون! اس میں قصور میرا نہیں۔ حالات کے اسی بھنور کا ہے۔ ہم سب اپنے حالات کے گرداب میں پھنسے رہے۔ وقت تو اب بھی ہم سے کھیل کھیلنا چاہ رہا تھا۔ ہم سب تڑپتے رہتے اور وقت تماش بین بنا رہتا۔ میں آج عبداللہ پورہ نہ آتا تو کل آپ کے ہاسپٹل آپ ۔۔ جھگڑا کرنے آپ کو جھنجھوڑنے ضرور آتا۔ کل تک میں گوہر کو آپ کی بیوی سمجھتا رہا' مجھے تو سخت غصہ اور دکھ تھا کہ گھر میں بیوی کے ہوتے ہوئے آپ فسطینہ کو بے وقوف بنا رہے تھے۔"

"لاحول ولا۔" ڈاکٹر ہارون ایک دم ہنسے۔

"کل ہی مسز نبیل یزدانی کا فون آیا تھا۔ آپ جانتے ہی ہیں انہیں' وہ گوہر کی بڑی بہن ہیں۔ سخت پریشان تھیں۔ گوہر کی طرف سے کہ اچانک ہی وہ شادی کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ جبکہ انہیں یقین تھا کہ وہ آپ

علاوہ کسی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی۔"

"کس کے ساتھ شادی کے لیے؟" شبیر نے بے اختیار پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ چونکہ فسطینہ اور وہ ایک ہی کالج میں ہیں۔ پچھلے دنوں فسطینہ نے اپنی برتھ ڈے پارٹی میں سب کو بلایا تھا...... وہاں آپ کے گھر والے بھی تھے۔ یقیناً انہوں نے آپ کی فسطینہ سے مجوزہ شادی کا ذکر کیا ہوگا اور گوہر مارے رنج اور صدمے کے انتقاماً اس بات کے لیے تیار ہو گئی ہوں گی۔"

"آف کورس! یہ ساری بات یقیناً اسی طرح ہی ہوگی لیکن اب کیا ہوگا۔ کہیں پھر کوئی شادی تو طے نہیں ہو گی......"

"کیا خبر؟ کل کی بات تو ہے۔ بات اتنی جلدی تو نہیں طے ہو سکتی۔"

"ڈاکٹر ہارون! اگر میں آپ سے نہ مل پاتا تو جانے کن کن باتوں سے لاعلم رہتا۔ ایک دن آپ نے مجھے مامون کی جگہ دی تھی' آج میں آپ کو بڑا بھائی کہہ رہا ہوں' ہم نفرتوں کی کہانیوں کو دفن کر کے محبتوں کی دنیا آباد کریں گے' ڈاکٹر ہارون! رشتوں کی مالا ٹوٹ جائے تو انسان بکھر جاتے ہیں۔ شبیر ابھی چند دن کا تھا کہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا۔ رشتوں سے بچھڑ کے بندہ بے اعتبار سا ہو جاتا ہے۔ بہت سی محبتیں مل کے بھی مجھے نہ سنبھال سکیں۔ شاید یہ ساری زیادتی میری ہے' شاید میں ہی ناسمجھ ہوں۔ ہم سب لوگ جو سادہ دل بھی ہوتے ہیں اور انسان دوست بھی شاید اس لیے ناکام ہو جاتے ہیں کہ ہمیں زندگی سے نباہ کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ ہم اپنے آپ کو صحیح طور ظاہر نہیں کر پاتے۔ آپ کبھی میرے پاپا سے ملے ہیں۔"

"اکثر ملتا ہوں بلکہ اب بھی آتے ہوئے مل کر آیا ہوں۔ آپ کو خبر نہیں کتنی نفرتوں کے داغ محبتوں نے دھو دیے ہیں۔ بابا جان کے مرنے پر ہماری دلجوئی کے لیے آپ کے پاپا سب سے آگے آگے تھے۔ وہ میرے مہربان اور شفیق بزرگ ہیں۔"

"واقعی؟"

"ہاں شبیر! یہاں قربانیوں کا صلہ ہے جو آپ نے دیں' اچھائی کا پھل ملتا ہے مگر دیر بعد۔ یہ علاقہ آپ کو ترقی یافتہ لگا ہے۔ یہ آپ کے پاپا کی محنت ہے۔ میں نے ان سے تعاون کیا ہے۔ اب یہاں کے لوگوں کو تعلیم' بیماری اور دوسری ابتدائی ضرورتوں کے لیے شہر نہیں جانا پڑتا۔ صنعتی ترقی نے لوگوں کو روزگار فراہم کر دیا ہے۔ یہ ٹیکسٹائل ملز درانی اور عسکری فیملی کے اتحاد و محبت کا نشان ہے۔ آپ کے پاپا ایک ایک بات میں آپ کا ذکر کرتے ہیں' انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ ابھی آپ انٹر میں تھے جب مزدوروں کے حقوق کے لیے پاپا سے الجھ گئے تھے' ہم نے اپنی بزنس پالیسی بناتے ہوئے آپ کی خواہشوں کو مدنظر رکھا کل آپ مل میں داخل ہوں گے تو جان جائیں گے کہ آجر و اجیر دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر ہارون شوخ لہجے میں بولے۔

"ڈاکٹر صاحب۔"

"دیکھو شبیر! بہت ہو گیا تکلف۔ تم خود تو میرے لیے مامون جیسے ہو اور پھر بھی مجھے ڈاکٹر ہارون' ڈاکٹر صاحب کہتے ہو اور مجھے دیکھو تمہیں چھوٹا بھائی سمجھ کر بھی آپ جناب کیے جا رہا ہوں بے وقوف کہیں کا۔"

دونوں ایک ساتھ ہنس دیے اور بے اختیار ایک دوسرے سے لپٹ گئے' دھڑکنوں نے دھڑکنوں کو بہت کچھ سمجھا

دیا۔

"کیا خیال ہے اب ماں جی سے مشورہ لینے کی ضرورت ہے۔" ہارون احمد نے پوچھا۔

"نہیں صرف انہیں یہ بتانے کی کہ انہیں شہر چلنا ہے۔ دو بیٹوں کی خوشی سیلبریٹ کرنے کے لیے اور یہ بات صبح بھی کہی جا سکتی ہے۔"

"ونڈرفل۔" وہ پھر ہنسے۔

وہ کتنی دیر ایک دوسرے سے حالِ دل کہتے اور سنتے رہے۔

"ہارون بھائی! یہ جو ایک گھنٹے سے آپ مجھ سے انسانی فلاح و بہبود پر باتیں کیے جا رہے ہیں۔ یہ میرے لیے بے مقصد ہیں۔ اس وقت آپ کو صرف ایک انسان کی فلاح کی بات کرنی چاہیے جس کا نام شبیر عسکری ہے اور جو بے چارا اتنے طویل سالوں سے اپنی ذات کی بھول بھلیوں میں گم حقیقی خوشیوں سے بہت دور ہے۔"

"ظاہر ہے تمہاری بات ہوگی تو ہمارا ذکر بھی چلے گا جو گیہوں کے گھن کی طرح خوامخواہ ہی ساتھ ساتھ پس رہے ہیں۔" شبیر پھر ہنس دیا۔ وہ دونوں سوئے ہی نہیں۔ کتنے گھنٹے ماضی حال اور مستقبل میں تانک جھانک کرتے رہے۔

"ہارون بھائی! ہر بات اپنی جگہ۔ گوہر کا غصہ کیسے دور ہوگا۔ کیا وہ راضی ہو جائے گی؟"

"مزہ اسی میں ہے کہ وہ خفا ہی رہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے احمقانہ طریقے سے کہا۔

"بلکہ بے خبر ہی رہے۔"

"یعنی؟" اب وہ خاصا...... بونگا لگ رہا تھا۔

"جی ہاں اس بات سے کہ اس کی شادی تم سے ہو رہی ہے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ میں جانتا ہوں۔" وہ تفاخر سے مسکرائے۔

"لیکن......"

"لیکن ویکن کیا۔ اس کے علاوہ ہر شخص کو اس کی خبر ہوگی۔ ہم سیکریسی کا خیال رکھیں گے۔ مرکل کو مضبوط رکھیں گے۔ خبر اس تک پہنچ ہی نہ پائے گی۔ یار! کچھ تو ایڈونچر ہونا چاہیے' کچھ تو لطف ہونا چاہیے اور ابھی تمہارے ذمے بہت سے کام ہیں۔ تو تم اپنی الیکشن کمپین میں ہی مصروف رہو تو بہتر ہے۔ یہ بڑا بھائی کس لیے ہے' سب طے کرے گا۔ تم صرف اتنا کرو صبح مجھے جمال احمد صاحب اور ممی سے ملا دو۔ عدی اور افتخار صاحب سے متعارف کرا دو' خدا نے ہم سب کو رشتوں کے عجیب و غریب بندھن میں باندھ دیا ہے تاکہ یہ سارے لوگ جو ایک دوسرے سے ناآشنا اور دور ہیں ایک ہو جائیں۔"

"جانتا ہوں آپ ان سب سے ملیں گے تاکہ۔"

"تاکہ اپنی شادی کی بات طے کر لوں۔ ہرگز نہیں یار۔ ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ ہم انکل شاہنواز اور جمال احمد صاحب کو ایک کریں۔ میں جانتا ہوں یہ دونوں تمہارے لیے ناگزیر ہیں' یہ دو اکائیاں ہیں' یہ پہلے ہی ایک ہو جاتیں تو تم اس منزل پر نہ ہوتے۔ ان کا جدا رہنا اتنی آزمائشیں لے آیا۔ میرا خیال ہے' رات آدھی سے زیادہ بیت گئی ہے۔ اب سو جاتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی انکل کی طرف چلیں گے۔"

وہ اسے شب بخیر کہہ کر اپنے بیڈروم کی طرف چلے گئے۔

اندھیرے تو خوفناک ہوتے ہی ہیں' کبھی کبھار روشنیاں بھی کچھ کم جان لیوا نہیں ہوا کرتیں۔ ہارون احمد چلے گئے لیکن وہ کب سو سکا۔ رحمتیں تو شاید آج ہی جوش میں آئی تھیں۔ وہ پورے کا پورا بھیگا ہوا تھا محبتوں کی چھاجوں برستی بارش میں' سرشار تھا اس نشے میں۔

وہ چاہا گیا تھا۔ چاہت کی آخری حدوں تک' کسی کے لیے اہم ترین احتیاج تھا' کسی کی زندگی کی بنیاد تھا' کتنا معتبر تھا' کتنا اہم...... کسی کے دل میں جدائی کے ایام میں بھی آباد رہا تھا۔ یہ باتیں کوئی معمولی تو نہ تھیں۔

اب وہ اڑ کر پہنچنا چاہ رہا تھا۔ اپنی کائنات اپنی گوہر کے پاس۔ لیکن مجبوری تھی۔ یہ مجبوری بھی حسین تھی۔ ہارون احمد نے بڑی پیاری سی پابندی لگا دی تھی۔ نہ دیکھنے اور نہ ملنے کی۔ وہ اور کیا کرتا۔ سو اس کے باوضو ہو کر خدا کے حضور سر بسجدہ ہو گیا۔ اشکوں کے دریا بہانے لگا۔

"اے خدا۔ اے خدا۔ تو اتنا مہربان بھی ہے اتنا رحیم بھی ہے۔ یہ کیا کیا دے دیا ہے تو نے۔ میرا تنگ دامن جسے سمیٹنے سے قاصر ہے۔ میں تو یہ یقین کر لینے سے بھی قاصر ہوں کہ چند روز بعد میرے لیے خواب پارینہ بن جانے والی گوہر میرے ہمراہ ہوگی' اے خدا! مجھے یہی یقین دے دے۔ اپنے معتبر ہونے کا احساس ہی پختہ کر دے۔

⁂......☆☆......⁂

اس بے خوابی کا...... اس سجدہ ریزی کا...... اس اشکباری کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ کتنا تازہ دم تھا وہ...... کہ رت جگے کا احساس تک پاس نہ تھا۔ کیسے آنسو تھے یہ۔ گویا حیات پرور موتی جو بیش قیمت بلکہ نایاب ہوتے ہیں۔ آنکھوں میں چبھن تھی نہ جلن۔ کیسا طویل سجدہ تھا یہ۔

اب دل میں درد نہیں بس شکر گزاری کے حسین احساس بسے تھے۔ تازہ دم کیسے نہ ہوتا۔

منزل پا لینے پر سفر کی صعوبتیں یوں بھول جاتی ہیں گویا کوئی تکلیف اٹھائی ہی نہیں۔ پرخار راہوں پر چل کے پاؤں فگار ہوئے ہی نہیں۔ خونِ دل آنسوؤں میں بہا ہی نہیں اور اب تو ویسے بھی اسے یوں لگ رہا تھا کہ حدِ نگاہ تک نظر آنے والی دھول جو اس کی زندگی کو بے رونق کیے ہوئے تھی۔ ان آنسوؤں سے دھل رہی تھی۔ محبت کے شجر کی جو جڑ اس کے بعد سے برگ و ثمر سے بار آور ہونے چلا تھا۔ آبیاری ہو رہی تھی۔

جاگتے' سوچتے' بیٹھے بیٹھے رات بیت گئی۔ صبح کا اجالا ہوا۔ ملازم شبیر کے لیے بیڈ ٹی لے آیا۔

"صاحب کہاں ہیں؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"سو رہے ہیں جناب۔ آپ کہیں تو......"

"نہیں نہیں انہیں مت جگانا جب بیدار ہوں تو بتا دینا۔ میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔"

چائے پی کر وہ باہر نکل آیا۔ طلوع ہوتے نئے سورج اور چمکدار کرنوں نے خوشدلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ پائیں باغ میں آ کر اس نے گہری گہری سانسوں میں ماحول کی ساری خوشگوار باس اپنے اندر اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے اس جہان کو ایک نئی نگاہ سے دیکھا۔

یہ دنیا تو واقعی بے حد خوبصورت جگہ کا نام تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ سوچوں کے افق پر سفر کرتا وہ مسلسل ٹہلتا ہی رہا۔ اسے کیا کرنا ہے؟ کہاں سے شروع کرنا ہے؟ کیسے کرنا ہے؟ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ جانا چاہتا تھا اپنے

پاپا کے پاس لیکن اس کی ہمت کے قدم سست پڑ رہے تھے۔

ایک مدت ہوئی۔ اس نے ان سب کو بھلانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ بھول گیا تھا ان سب کو۔ اپنے دل کو یہ یقین دلا دیا تھا اس نے کہ وہ سب اس کے کوئی نہیں ہیں۔ لیکن رات ہارون احمد کے لبوں سے ان کا نام سن کر وہ کس قدر بے تاب ہو گیا تھا۔ کتنی خوشی ہوئی تھی اسے۔ شاہنواز عسکری نے نہ صرف اسے بلکہ اس کے نظریات کو بھی تسلیم کر لیا تھا۔

باپ بیٹے میں موجود اس نظریاتی اختلاف نے ہی تو دوری کے اسباب پیدا کیے تھے۔ مگر خون کے رشتے اتنے کچے اور بودے ہرگز نہ تھے۔ جتنا ایک بار شبیر نے انہیں محسوس کیا تھا۔ ہارون احمد اسے عبداللہ پور لے جائیں گے۔ یہ مرحلہ شبیر کے لیے خاصا مشکل تھا۔ وہ ان سے کیونکر ملے گا؟ کیا کہہ سکے گا؟ تلافی کیسے ہو گی؟

یہ سوچتے ہوئے اس کے دل میں خاصی دھکڑ پکڑ سی ہونے لگی۔ پاپا کہیں گے۔

''شبیر...... تم نے ہم سے جدا رہ کر ہم پر بڑا ظلم کیا۔''

تو میں کیا جواب دوں گا۔ شاید میں کوئی جواب نہ دے سکوں گا۔ معصوم بچوں کی طرح رونے لگوں گا۔ پاپا مجھے گلے لگا لیں گے۔ میرے گال تھپتھپائیں گے۔ میری پیشانی چومیں گے۔ میں ان کے سینے سے لگ کر عمر بھر کی ساری محرومیوں' دکھوں اور ناانصافیوں کو بھول جاؤں گا۔

''صاحب جی......'' صبح والے ملازم نے اسے چونکا دیا۔

''ہوں ...... ہاں...... کیا بات ہے؟'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ مڑ کے اسے دیکھا۔

''وہ جی...... میاں صاحب آئے ہیں۔ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔''

''کون میاں صاحب؟ بھئی وہ میرا نہیں' ہارون احمد کا پوچھ رہے ہوں گے۔''

''نہیں صاحب جی۔ وہ آپ ہی کو بلا رہے ہیں۔ میں نے انہیں دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے جی۔''

شبیر حیران رہ گیا۔ کون آ گیا اس سے ملنے؟ یہاں تو کسی کو اس کے بارے میں خبر ہی نہیں تھی کہ وہ آیا ہے۔

''ٹھیک ہے۔ آ رہا ہوں میں۔''

وہ ملازم کے ساتھ چل دیا۔ ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا۔

چھوٹی چھوٹی خشخشی داڑھی' ڈنگ کوٹ' سر پر کیپ اور آنکھوں پر لگے نظر کے چشمے کے ساتھ وہ کوئی ادھیڑ عمر سے کچھ زیادہ کا مرد تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔ ایک اجنبی سے وہ کیا کہتا' کس طرح ملتا۔ وہ اجنبی بھی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بڑے غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم...... تم شبیر ہو نا؟ میرے بچے۔ میرے اپنے شبیر۔'' شیشوں کے پیچھے سے بھی مسکراتی آنکھوں کی چمک صاف نظر آ رہی تھی شبیر کو۔

''ج...... جی ہاں...... مگر آپ...... آپ......''

وہ غور کر رہا تھا۔ اچانک اس کی ساری حسیات پہلے سمٹ کر اس کی آنکھوں میں اور پھر دل میں آ گئیں۔

''پاپا۔'' اس نے بے اختیار کہا۔

''ہاں بیٹے...... یہ میں تمہارا بدنصیب باپ۔ ......''

وہ اس کے قریب آ گئے۔ کھلی بانہیں لیے۔ ترستی آنکھیں لیے۔ اپنے وجود میں صدیوں کا پیار سمیٹے۔

''تم نے اپنے پاپا کو اب تک معاف نہیں کیا شمی؟'' وہ ایک ٹک انہیں دیکھ رہا تھا۔

''میں...... اور آپ کو معاف کرتا...... میں بیٹا ہوں پاپا' آپ باپ ہیں' مجھے گناہ گار تو نہ کریں۔''

''تم دور تھے تو دور تھے...... اس ملک میں آ کر' اس شہر میں آ کر بھی ہم سے دور رہے تو میں نے سمجھ لیا کہ میرے جرم بہت زیادہ ہیں۔ تم معاف نہیں کر سکتے۔ ورنہ میرے پاس ضرور آتے۔''

''نہیں پاپا۔ میں نے تو یہی سمجھا کہ آپ نے جس لاتعلقی کا اظہار کیا تھا' وہ لاتعلقی آج بھی آپ کی طرف سے قائم ہے۔ میں تو بس آپ کی حکم عدولی کا تصور نہ کر سکا اور نہیں آیا۔'' وہ حیرت سے وا آنکھوں میں جانے کون کون سے احساسات چھپائے انہیں دیکھ رہا تھا۔ کسی مقناطیسی کشش کے تحت کھنچا چلا آیا۔ ان بانہوں میں سما گیا۔ جن کا تصور ہی اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ ان بانہوں نے اپنی بھرپور طاقت سے اسے جکڑ لیا۔ سمیٹ لیا۔ ایک شکل دے دی۔

بیٹے کی شکل۔ وہ اس کے گالوں سے اپنے گال رگڑ رہے تھے۔ کبھی اس کا [illegible] ہاتھوں سے تھام لیتے تھے۔ کبھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتے تھے۔

''یہ تو ہی ہے نا شبیر۔ میرا اپنا بیٹا۔ کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ کیسا خوبصورت [illegible] قد میں مجھ سے بھی اونچا۔ جسامت میں مجھ سے بھی بڑھ کر...... تو تو میرا خزانہ تھا [illegible] کی چابی مجھ سے کھو گئی۔ میرے پیارے شمی' اب تو مجھ سے کبھی جدا نہ ہونا [illegible] نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''ہارون بھائی نے...... کہاں ہیں وہ؟'' شبیر حیران [illegible]

''صبح صبح ہی میرے پاس آیا تھا۔ بتی تو مجھی [illegible]''

ہارون احمد اچانک نمودار ہوئے۔

''جناب ہم یہاں ہیں۔'' وہ کی [illegible] پاپا اس شرارت پر۔

''آپ تو جناب سوئے [illegible] ہنس کر بولے۔

''ہا...... ہا...... کہاں [illegible] چین ہی نہیں آ رہا تھا۔ سوچتے رہے کب اندھیرا چھٹے اور ہم انکل کے پاس [illegible] ہم تو صرف بتانے گئے تھے۔ انہیں تیار کرنے گئے تھے۔ انہیں [illegible] میں گے اس خوشی کے سواگت کے لیے۔''

''آپ مجھے اپنے ساتھ [illegible]''

''دیکھو بھی شبیر...... میں [illegible] لے آتا ہوں یا فون کر کے بلوا لیتا ہوں مگر یہ [illegible] نے ہی نہیں۔''

''ہاں بیٹے...... ہم [illegible] سدا دیر کرتے رہے ہیں۔ اب پہل نہ کر کے ہم وقت ضائع نہیں کر [illegible]''

''وقت تو میرا ضائع [illegible] تحفظ کے احساس کے بغیر گزریں' بے کار ہی تو جاتے [illegible] آپ نے میرے [illegible] منہ موڑا' وہ سب پل بھر میں اجنبی ہو گئے۔ پاپا آپ نے اپنے بیٹے کو جاننے کی [illegible] میں اس کا' اور فریبی زمانے کی سازشوں کا شکار ہو گیا اور آپ نے بس اخبار [illegible] اپنے آپ کو مطمئن کر لیا۔ میرا کیا تھا۔ میں نے تو ایک عمر

کسی ٹھنڈی چھاؤں کے بغیر حوادث کی جلتی دھوپ میں گزار دی تھی۔ سو اس وار کو بھی سہہ گیا۔ مگر پاپا......"

"میں بھٹکا دیا گیا تھا شبی۔ بہکا دیا گیا تھا۔ میرے بیٹے! دراصل میں ایک بزدل انسان تھا۔ میں نے زندگی میں کوئی فیصلہ اپنی ذات کے سہارے نہیں کیا۔ سوائے تمہاری ماں کے ساتھ شادی کے فیصلے کے۔ بس جو بابا حضور نے کہا، جو والدہ صاحبہ نے کہا۔ جو دنیا والوں نے تجویز کیا۔ وہ سب میں مانتا رہا۔ جہاں تھوڑا سا فیصلہ خود سے کیا، تھوڑے عرصے میں اسے منسوخ کر دیا۔ تمہیں خبر نہیں، میں نے تم سے بچھڑ کر کتنے دکھ پائے، کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ گھر میرے لیے قید خانہ بن کر رہ گیا ہے۔ وہاں جاتا ہوں تو گھبرا کے لوٹ آتا ہوں۔ وہاں ایک خطرناک عورت مجھے کسی بے رحم جلاد جیسی نظر آتی ہے۔ میری خوشیوں کی قاتل...... یہ سب کیا دھرا اسی کا تھا۔ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، اپنی ماں کی طرح مجھے ایک مشین سمجھنے لگے ہیں۔ پیسہ بنانے کی مشین۔ ان کا اور میرا تعلق اسی بنیاد پر ہے۔ میں یہاں ہوں، پندرہ دنوں میں دو چار دن کے لیے دفاتر میں کام کاج کے سلسلے میں شہر جاتا ہوں تو وہاں رہ لیتا ہوں۔ مگر یوں جیسے کسی غیر کے گھر میں کوئی غیر قیام پذیر ہوتا ہے۔ وہاں رشتے نہیں رسمیں نبھ رہی ہیں۔ سعیدہ نے ساری عمر فیصلے خود کیے ہیں۔ وہ اب بھی ایسا ہی کر رہی ہے۔ شہیر کی ضد تھی تو بہ سے بیاہ کرنے کی، وہ پوری نہ ہوئی تو وہ ملک چھوڑ گیا۔ سنا ہے اس نے کسی جرمن لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ منیب نے تعلیم بھی مکمل نہیں کی۔ دن رات سڑکوں پر گاڑی بھگاتے پھرنا، آوارہ دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کالج میں دہشت گرد گروپ کی لیڈری کرنا اور نت نئی لڑکیوں کے ہمراہ عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنا اس کے مشغلے ہیں۔ بیٹیاں خود مختار ہیں۔

ارم نے ایک لڑکے کو پسند کر لیا۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد ہمیں مطلع کر دیا۔ شہزاد ہاشمی اس لڑکے کا نام ہے۔ پتا چلا ہے کہ ناجائز ذرائع سے آئی ہوئی دولت نے ان لوگوں کا انداز زندگی بدل دیا ہے۔ گو وہ شہر کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس لڑکے کا کردار انتہائی خراب ہے۔ شاید وہ ہیروئن کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ حکومت کو کئی کیسوں میں مطلوب ہے۔ اسی سبب ملک سے باہر رہتا ہے۔ بس ایک شازیہ ہے۔ برسوں پہلے تعلیم کے سلسلے میں گھر جو چھوڑا تو اب تک باہر ہی ہے۔ ایئر فورس میں ایروناٹیکل انجینئر ہے۔ آج کل سرگودھا میں ہے۔ گھر میں ماں اور بیٹی اور ایک آوارہ منش رہتے ہیں۔ اور ان تینوں کی بھی آپس میں نہیں بنتی۔ میں یہاں ہوں۔ ان غریب لوگوں کے رحم و کرم پر جنہیں میں نے بھی کبھی اتنا اہم نہیں جانا تھا۔ میرے کھانے پینے کا، آرام کا، میرے لباس کا، میرے [illegible] وہی سب خیال رکھتے ہیں۔ رانو اور صغریٰ میرے لیے بیٹیوں سے بڑھ کر ہیں۔ میں دن کے سارے [illegible] میں گزار دیتا ہوں۔ شام کو آ کر حویلی کے سناٹوں کا ساتھی بن جاتا ہوں۔ ٹی وی پروگراموں میں، نمازوں [illegible] میں وقت کٹ جاتا ہے۔ صبح ہوتی ہے، شام ہو جاتی ہے اور دن سوکھے پتوں کی طرح زندگی کے شجر سے چلے جاتے ہیں۔"

"اب آپ تنہا نہیں رہیں گے پاپا، اب میرے ساتھ رہیں گے، میرے گھر میں۔" شبیر کا دل کٹ رہا تھا اپنے پاپا کے دکھوں پر۔

"یہ گھر بھی تو تمہارا ہے بیٹے۔ یاد ہے تمہیں؟"

"جی ہاں، یاد ہے مجھے...... یہ گھر آپ نے میری ضد پر میری ضرورت کی خاطر بنوایا تھا۔ مجھے سب یاد ہے پاپا، محبت کے وہ سارے پل جو آپ نے مجھے دیے۔ آپ تو وہ بھی نہ دیتے تب بھی میں اپنے [illegible]

غافل نہ رہ سکتا تھا۔ "[illegible] آپ میرے باپ تو ہیں نا...... میرے اپنے......"

شاہنواز نے ایک بار پھر اپنے بیٹے سے [illegible] چھپانے کی سعی کی۔

"بیٹے...... ہارون بیٹے نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ عاصم حسنین کے آگے جھولی پھیلا کر گوہر کو مانگنے کے لیے میں خود جاؤں گا۔ جمال احمد میرے ساتھ ہوں گے۔ اس خاندان کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو میرا بھولا بھالا جیسا بیٹا دنیا کی ستم کاریوں کا شکار ہو جاتا۔ مجھے ابھی ان کے پاس لے چلو۔ ہارون بیٹے! تم اپنی والدہ سے کہو تیاری کریں۔ ایک اور نیک کام بھی سر انجام دینا ہے ہمیں۔ جمال احمد سے ملاقات ایک پنتھ دو کاج والے سلسلے جیسی ہوگی۔ لوگ احسانوں کے بدلے میں کچھ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان سے اور بھی کچھ مانگ لیں گے۔" وہ معصومیت کے ساتھ ہنس دیے۔

دو تین گاڑیاں ایک ساتھ شبیر کے گھر کے پورچ میں کھڑی تھیں اور وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں خوشی اور مسرت کے قافلے بیگم واسطی، شاہنواز عسکری اور ہارون احمد کی آمد کے ساتھ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ وہاں زبردست محفل جمی تھی۔ ممی، ڈیڈی، فسطینہ کی والدہ سدرہ آپا، افتخار بھائی سب ایک ساتھ براجمان تھے۔ برسوں میں جو کہنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سب ایک دوسرے سے کہا جا رہا تھا۔ کچن میں ایک ہنگامہ سا کھڑا ہو رہا تھا۔ ممی ابھی ابھی زبردست لنچ کا کہہ کے گئی تھیں۔ ماورا اور فسطینہ نے خانساماں کے سر پر کھڑے ہو کر کھانا بنوانے کی ٹھان کر اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ اب بھی وہیں موجود تھیں۔

شبیر نے جو صبح چائے کی ایک پیالی ہی پی رکھا تھا۔ تھوڑے بہت ناشتے کی غرض سے کچن کا رخ کیا۔ دروازے میں فسطینہ کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر شبیر کو اپنی کل والی گفتگو یاد آ گئی۔ وہ مسکرا دیا۔

"ہیلو...... آپ کو کل مجھ سے کچھ کہنا تھا۔ آئی ایم سوری فسطینہ میں......" وہ تھوڑا تھوڑا نادم بھی تھا اپنی بدتمیزی پر، بات مکمل نہ کر سکا۔

"نیور مائینڈ، شبیر عسکری...... میں...... میں جو کہنا چاہتی تھی وہ آپ نے میرے بغیر کہے جان لیا۔ مبارک ہو آپ کو اپنا اور اپنے پاپا کا ملن۔"

"اور آپ کو ڈاکٹر ہارون کی اس گھر میں آمد...... فسطینہ بخدا میں......"

"میں نے کہا نا شبیر...... کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے جو کیا آپ اس میں حق بجانب تھے۔ ویسے آپ نے زیادتی کی۔ ان دو سالوں میں، میں اور [illegible] عسکری ساتھ ساتھ رہے۔ مجھے خبر ہوتی تو یہ سلسلے دو سال قبل ہی آ جاتے۔"

"آپ اس کی کولیگ [illegible] دوست تھیں۔ کیا وہ آپ کو اپنے دل کی اتنی سی بات بھی نہ بتا سکی۔" اس نے فسطینہ کو چڑایا۔

"نہیں شبیر، وہ بہت گہری لڑکی ہے۔ انتہا [illegible] اور ریزرو [illegible]۔ جب دوسری ساتھی لیکچررز نے ماورا وغیرہ سے سن لیا کہ میں، میرا مطلب ہے میری آپ سے شادی ہونے والی ہے تو انہوں نے آفس میں بھی ذکر چھیڑ دیا۔ مجال ہے جو گوہر کے چہرے پر کوئی رنگ آیا ہو۔ کسی سے بھی کچھ ظاہر ہوا ہو۔ دوسرے دن خان بابا نے جو ہمارے کالج کا چوکیدار ہے، مجھے بتایا کہ مس گوہر چھٹی کے بعد بھی کافی دیر تک کالج میں رہی تھیں۔ اسے یقیناً اس خبر نے صدمہ پہنچایا تھا۔ آئی ایم سوری شبیر، میں نے کبھی آپ کو بتایا ہی نہیں۔ میں نے اس گھر کی تصویریں اگر آپ کے خاندان کے سارے لوگوں کو دکھائی تھیں۔ ہم آپ کا سامان سیٹ کر رہے تھے۔ تو نوٹ بک دیکھی

کر ماسی نے سرسری طور پر مجھے بتایا کہ یہ سب آپ کے رشتے دار ہیں اور ان سب نے آپ کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ مجھے جانے کیا سوجھی کہ میں نے ان سب کو تصویریں بذریعہ ڈاک بھجوادیں۔ مجھے آپ کی تنہائی نے بے حد دکھ دیا تھا شبیر...... پھر ماسی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ کی کوئی پھوپھی زاد تھی۔ جس سے آپ محبت کرتے تھے یہ تصویریں کسی نہ کسی طور وہ دیکھ لے پھر کسی دن اس سڑک سے گزرتے ہوئے اس گھر کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک جائے' اندر آئے اور یہ دیکھ کر کہ یہ آپ کا گھر ہے' آپ کے خوابوں کا مسکن ہے۔ اس کے دل پر چھریاں چل جائیں۔ میں نے تصویریں آپ کے پاپا کے نام بھی پوسٹ کی تھیں۔ مجھے ان پر بھی غصہ تھا اور وہ آپ کے چچا' دلنواز عسکری' ان کے نام بھی میں نے ہی روانہ کی تھیں تصویریں مگر میرا سارا مشن ناکام رہا۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے آپ کا نام اور ایڈریس نہیں لکھا۔ ورنہ وہ سب ضرور یہاں آموجود ہوتے۔ مجھے ہر زیادتی سے جو کسی انسان سے کی جائے' سخت نفرت ہے۔ وہ یہاں آتے تو میں ان سے حساب لیتی۔ ان ساری زیادتیوں کا۔ مگر وہ کیسے آتے؟ کل آپ نے گوہر کا نام لیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں کسی کا شوہر چھین رہی ہوں۔ میں نے فوراً ہارون سے رابطہ کیا۔ اسی دن یعنی کل کالج کے گیٹ پر گوہر کو دیکھ کر وہ بھی چونک اٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے مجھے سب کچھ بتادیا کہ ساری کہانی کیا تھی۔ میں سمجھ گئی۔ دوریوں اور غلط فہمیوں نے دو ساتھیوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا تھا۔ شبیر عسکری! اچھے انسان سدا میری کمزوری رہے ہیں۔ لیکن اگر میں ہارون سے وابستہ نہ بھی ہوتی تب بھی آپ سے کبھی شادی نہ کرتی۔ مجھے مصنوعی زندگیوں اور خوشیوں سے نفرت ہے۔ عورت کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ صرف گھر میں نہیں دل میں بھی آباد ہونا چاہتی ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں دل کوئی کرائے پر اٹھایا جانے والا مکان نہیں ہوتا کہ اس کے دروازے جانے والوں اور آنے والوں کے لیے کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ ہر آنے والے کو خوش دلی سے ویلکم کیا جائے۔ میں اتنے دنوں سے خاموش صرف اس لیے تھی کہ ہارون عالمی صحت کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ آئے تو میں نے ساری بات انہیں بتادی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ سارا معاملہ درست ہوگیا۔ میں تو بس اس کام سے فارغ ہوتے ہی جارہی ہوں۔ معذرت کرنے۔ خوشخبری سنانے' سب کچھ کہنے۔"

"کس سے؟ کس کو؟"

"بھئی آپ کی گوہر سے اور کس سے؟"

"آپ اس سے ملیں گی؟ اسے یہ بتائیں گی؟ میرا مطلب ہے یہ سب کچھ۔" اس نے گھبرا کر سوال کیا۔

"آف کورس۔"

"نہ نہ...... فسطینہ پلیز! آپ یہ ظلم نہیں کیجیے گا۔"

"کمال ہے...... یہ ظلم کیسے ہوا؟ ظلم تو وہ ہے جو اس پر اب تک روا رکھا گیا ہے۔"

"بھئی! اس بات کے لیے آپ اپنے ڈاکٹر صاحب سے ہی رجوع کیجیے۔ ان کا فیصلہ ہے کہ گوہر کو کچھ بھی نہ بتایا جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا مطلب ہے اس بات کا' اس کی خبر انہیں ہی ہوگی ورنہ بخدا آپ سب سے زیادہ بے تاب تو میں ہوں اسے ہر بات بتانے کے لیے۔" وہ آنکھیں بند کرکے مسکرادی۔

"میں ابھی ان سے بات کرتی ہوں۔ یہ کیا چکر ہے؟" فسطینہ جانے لگی۔ "اس چکر میں بڑے بڑے لوگ

آگئے ہیں' میرا مطلب ہے میرے پاپا اور ڈیڈی بھی' ممی اور سدرہ آپا بھی۔ آپ بات کیجیے ان سے' وہ آپ کو آمادہ کرلیں گے۔ ماورا چندا! اپنے شبیر بھائی کو کچھ کھانے کو دو۔ بے چارہ صبح سے بھوکا ہے۔"

وہ کچن میں داخل ہوا۔ فسطینہ جانے کس طرف جانکلی۔

کھانا کھانے کے بعد بھی کوئی آرام کی غرض سے بیڈروم کی طرف نہیں گیا۔ سٹنگ روم میں ینگ جنریشن کا اجلاس ہو رہا تھا تو ڈرائنگ روم میں بزرگوں کی میٹنگ تھی۔ دونوں اطراف سارے معاملے طے پاگئے۔ فیصلہ ہوا کہ ساری سازشوں کا مرکز اسی گھر کو بنایا جائے گا۔ شاہنواز عسکری نے اسی وقت دلنواز اور ہاشم کو فون پر ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ پھر عاصم حسنین اور نبیل یزدانی کی طرف چل دیے۔ جمال احمد نے خوشی کی یہ خبر عذرا اور عدی دونوں کو دی۔ ڈاکٹر ہارون نے اپنی پیاری بہن نیلما اور اس کے شوہر کو جلد از جلد آنے کا حکم دیا۔

ڈھلتی شام کی دلفریبی میں اس وقت اضافہ ہوگیا۔ جب لان میں بکھری کرسیوں پر بیٹھے یہ سارے لوگ گھل مل کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ گھر میں ایک ہجوم سا ہوگیا تھا۔ نبیل معہ اپنی اہلیہ کے آئے تھے۔ بخت یار' شہریار' اسریٰ اور ان کی بیویاں' بچے' عاصم حسنین' صفیہ بیگم شام کی فلائٹ سے عدی معہ اپنی بیگم کے آگیا۔ یوسف بخاری خود نہ آسکے عذرا اور بچوں کو بھیج دیا۔

رونقیں اس وقت تمام ہوگئیں جب دوسری شام دلنواز معہ اپنی فیملی کے آدھمکے۔ عامر' ساغر اور عاتکہ جو اب بچے نہیں تھے' شبیر سے مل کر بے تحاشا خوش تھے۔ آتے ہی عاتکہ اور ماورا میں دوستی ہوگئی۔ اور چچی اماں...... ان کی خوشی کا تو ٹھکانا نہیں تھا۔ شبیر کو گلے سے لگائے' وہ اس کی پشت سہلاتی رہیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں مسرتوں کے ننھے دیپ جلنے لگے تھے۔

"میرا بچہ...... میرا چاند...... میرا جگر......" وہ بار بار اس کا منہ چوم رہی تھیں۔ صفیہ بیگم' آمنہ بیگم بھی ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ شبیر نے پھوپھی کی گود میں سر رکھ دیا۔ ان کی اشک بار آنکھیں شبیر پر جمی تھیں۔

"یہ تم ہو نا چندا...... میرے اپنے...... میرے بھائی کے لخت جگر۔" وہ بار بار کہہ رہی تھیں۔

آمنہ خاموش تھیں۔ شاید اس ساری صورت حال پر غور کر رہی تھیں۔ پھر ممی بھی وہیں آگئیں۔ سب کے ساتھ خوشدلی سے گفتگو کرتی۔ ممی پر شبیر کو ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس کا دل ان کی عظمت کو سدا سجدے کرتا تھا۔ آج تو حد ہوگئی۔ ویسے بھی آج تو ہر بات ہی حد سے گزر گئی تھی۔ اس کے اردگرد دور دور تک پھول ہی پھول کھلے تھے۔ محبتوں نے اس کا چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا تھا۔ یہاں صرف ایک ہی کمی تھی۔ ایک ہی کمی۔ اس ذات کی جس کے اس کی زندگی پر سب سے زیادہ حقوق تھے۔ جس کے بنا زندگی کی بڑی سے بڑی خوشی پاکر بھی وہ اداس رہا تھا۔

رات کو ہارون اپنی والدہ کے ساتھ آئے۔ سب سے ملاقات ہوئی اور کچھ دیر بعد جمال احمد نے سب کی موجودگی میں ہارون احمد اور فسطینہ کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ ہارون احمد کی طرف سے لائی گئی مٹھائی سب میں تقسیم کرا دی۔ اب مسئلہ رہ گیا تھا شبیر کا۔

"عاصم بھائی......" شاہنواز نے کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈتے ہوئے عاصم حسنین کو مخاطب کیا۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے' باتیں کر رہے تھے۔

"جی...... آپ نے مجھ سے کچھ کہا شاہنواز......"

"میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں' صرف کچھ نہیں۔" وہ ہنس دیے۔
"بلکہ اب کے آپ سے یہ درخواست میں نہیں' جمال بھائی کریں گے۔"
"کیوں نہیں' کیوں نہیں بلکہ عاصم صاحب نہیں تو آپ سے بھیک بھی مانگنے کو تیار ہوں۔ گڑگڑا کر۔" وہ ہنس کر بولے۔
"اگر انکل اسے بھی کم خیال کریں تو ہم سب کورس میں یہ التجا کرنے کو تیار ہیں کہ وہ ہمارے بھائی کو اپنی فرزندی میں قبول فرمالیں۔" عدی نے شوخی بھرے لہجے میں کہا۔ پاس بیٹھے ہارون احمد مسکرا دیے۔
"وائے ناٹ۔" عاصم حسنین مسکراتے رہے پھر بولے۔
"میرا غریب خانہ اتنی بھی بری جگہ نہیں ہے کہ آپ سب حضرات وہاں قدم رنجہ نہ فرمائیں۔ ویسے شاہنواز میاں۔ رسموں کے تقاضوں کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش...... میں اتنا بھی ظالم نہیں ہوں کہ بار بار اپنے بچوں کی خوشیوں کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہوتا رہوں۔ یہ بات میں نے مدت ہوئی تسلیم کرلی تھی کہ یہ رشتہ اٹوٹ ہے۔ میں تو آپ کے استحقاق کو ایک مدت سے مان چکا ہوں۔ لیکن تجدید تعلق کے لیے' آپ کا میرے گھر آنا لازمی ہے۔ ہارون میاں کی شادی مقرر ہو چکی ہے۔ گوہر آپ کی امانت ہے جمال صاحب' آپ جب بھی چاہیں آسکتے ہیں' اپنی امانت واپس لینے کا تقاضا کرسکتے ہیں' تاریخ لے سکتے ہیں۔"
"لیکن ایک پرابلم ہے انکل......" عدی نے پھر دخل دیا۔
"کیسا پرابلم؟ میرا گھر اسی شہر کے ایک حصے میں ہے بیٹا۔ کوئی مشکل نہیں ہوگی آنے میں۔" وہ ہنسے۔
"نہیں نہیں' یہ بات نہیں...... آپ کے گھر میں وہ بھی تو ہوں گی۔"
"کون؟"
"وہی...... یعنی میری ہونے والی بھابی۔"
"ہاں ہاں لازمی سی بات ہے' اس کا گھر جو ہوا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مگر...... مگر......"
"کیا اگر مگر لگا رکھی ہے' صاف صاف بات کرو۔" جمال احمد نے پیار...... بھرے سخت لہجے میں کہا۔
"ڈیڈی...... یہ میری نہیں' ہارون بھائی کی تجویز ہے۔"
"کیسی تجویز ہارون میاں؟" عاصم حسنین نے پوچھا۔
"میں بتاتا ہوں......" شاہنواز خوشدلی سے گویا ہوئے تو سب نے ان کی طرف دیکھا۔
"بچے چاہتے ہیں' گوہر بیٹی کو پتا نہ چلنے پائے۔"
"کیا مطلب بھائی جان' شادی ہو اور گوہر کو خبر نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" دلنواز نے پوچھا۔
"بھئی وہ چاہتے ہیں گوہر کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ شادی شبیر کے ساتھ ہو رہی ہے۔"
"او آئی سی......" کئی ایک نے ایک ساتھ کہا۔
نبیل یزدانی نے جھٹ اپنے سسر کے ساتھ سر جوڑا۔
"گھر میں میجر عیلا م والی بات چل رہی تھی نا...... ہم کہہ سکتے ہیں کہ......"
"نہیں بھئی نہیں۔ میری بیٹی کسی شرارت کی متحمل نہیں ہوسکے گی۔" عاصم حسنین نے گھبرا کر کہا۔ یہاں تو...... سبھی شرارت پر آمادہ تھے۔

"فیکٹ اٹ ایز کی بابا جان' زندگی میں خوشگوار ہنگامے خوشیاں ہی لاتے ہیں۔" یحییٰ' شہری' اسری تینوں نے عدی اور ہارون کی تائید کی۔
"گویا تم سب لوگ میری بیٹی کے خلاف محاذ بنا رہے ہو۔"
"جی ہاں...... مضبوط منصوبہ بندی کے تحت۔" عدی مسکرایا۔
"مگر ان لڑکوں کی گھر میں آمد......"
"بابا جان...... شادیوں میں بڑے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ گوہر کو کیا خبر ہوگی۔ ویسے بھی ہمارے ہاں کے رواج کے مطابق تو دلہن میرا خیال ہے ایک کمرے تک ہی محدود ہوتی ہے اور عدی لوگوں کے علاوہ سب کو ویسے بھی اس کی شادی میں شریک ہونا ہی ہے۔ چاہے وہ کسی سے بھی ہو اور رہے دولہا صاحب تو ظاہر ہے وہ سہرے کی آڑ میں ہوں گے۔"
"میں انہیں سمجھا دوں گا۔ آپ کی تجویز پاس کی جاتی ہے ہارون احمد صاحب۔" نبیل نے داماد ہونے کا فائدہ اٹھایا۔ عاصم چپ رہ گئے۔ وہ واپس جانے لگے تاکہ شام کو اپنے مہمانوں کا حسب دل خواہ استقبال کرسکیں۔ دلنواز اور شاہنواز وہیں رہ گئے۔
اچانک ہی لوگ جوق در جوق گھر میں جمع ہونے لگے تو گوہر چونک اٹھی۔ ہر شخص کے چہرے پر مسرتوں کے پھول کھلے نظر آرہے تھے۔ اس دن گوہر نے جوہر سے بات کرنے کے بعد کسی قسم کا استفسار نہ کیا تھا لیکن غیر معمولی انتظامات اور چہل پہل نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا۔ وہ بڑی حیران ہوئی۔ جب اس نے فسطینہ اور جوہر کو ایک ساتھ آتے دیکھا۔ فسطینہ کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدلا لیکن پھر اس نے خود پر قابو پالیا اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ اس نے تو زندگی میں اس سے بھی بڑے حادثوں کا سامنا کیا تھا' صبر و ضبط کے ساتھ۔
"ہیلو گوہر......" فسطینہ نے ہاتھ ملانے کے بجائے اسے گلے لگا لیا تو وہ پھر حیران ہوئی۔ ان میں ایسے تعلقات تو کبھی نہ رہے تھے۔
"بیٹھیے۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ فسطینہ بیٹھ گئی۔ جوہر آپا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ درست کررہی تھیں۔ وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔
"آپا...... یہ سب تیاری آخر کس سلسلے میں؟" اس نے قریب جاکر سرگوشی کی۔
"خود ہی آفر کی اور اب پوچھتی ہو کہ کس سلسلے میں۔ بھئی وہ لوگ پیام لے کر آئے تھے' بات پکی کر گئے۔ آج شادی کی تاریخ مقرر کرنے آ[illegible]ب ہیں تمہاری[illegible] ال[illegible]بل۔"
گوہر چپ سی رہ گئی۔ جوہر نے تو [illegible] سب [illegible] کہہ دیا تھا۔
"اور یہ فسطینہ؟"
"میں نے بلایا ہے اسے۔"
"کیوں...... میرے خیال میں تو [illegible]"
"لو یہ بھی کوئی بات ہے بھئی' [illegible] [illegible]ت ہے۔ یہ خوشی کا موقع ہے' تم نے جوگیانہ چولا اتار پھینکا ہے۔ انسان بنی ہو۔ شادی پر [illegible] تو میں نے فسطینہ کو بلا لیا ہے۔ ابھی دولہا صاحب کی بہنیں آرہی ہیں گوہر۔ جب تم نے فیصلہ [illegible] ہے پر خوشی بھی سجالو۔ ورنہ وہ لوگ سوچیں گے کہ تم سے

زبردستی ہو رہی ہے اور جاؤ فسطینہ آئی ہے اس سے باتیں کرو۔ میں تو مہمانوں کو ویلکم کرنے گیٹ پر جا رہی ہوں۔"

وہ حیران سی جوہر کو تک رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"آپ کو..... آپ کی خوشی کو..... اس جلد بازی کو۔"

"غلط..... یہ تمہارا حکم تھا۔ میں نے تو صرف تعمیل کی ہے۔ دولہا صاحب تک تمہارا پیام پہنچایا ہے۔ بس حقیقت سے آگاہ ہو کر وہ بے چارا کھنچا چلا آیا ہے۔ اس کی خدا نے سن لی ہے۔" وہ باہر نکل گئیں گوہر فسطینہ کے پاس آ گئی۔

"بڑی گھنی ہیں..... آپ مس گوہر' کالج میں اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔ ایک ہم ہیں' ہماری شادی کی الٹی سیدھی افواہ بھی اڑ جائے تو دل شکنی کے ڈر سے تردید نہیں کرتے کہ چلو دوستوں کا جی اس میں خوش ہو رہا ہے تو ہونے دیں۔"

گوہر نے بڑی گہری نظر اس پر ڈالی اور شکستگی کے احساس سمیت پاس بیٹھ گئی۔

"یہ اچانک آپ کی شادی نکل آئی۔ ویسے بائی داوے' کون ہیں یہ صاحب؟" گوہر کا سر جھک گیا۔

"آپ آپا سے پوچھ لیجیے گا۔"

"سنا ہے بہت پرانی محبت کا کوئی معاملہ ہے' آپ کی بھابی کسی کو بتا رہی تھیں۔" گوہر نے تڑپ کر نگاہ اٹھائی۔

"میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ عرصہ پہلے عین شادی کے دن آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اسی محبت کی خاطر' آپ نے ایک بہت اچھے انسان کو ٹھکرا دیا تھا۔ میں بھی جانتی ہوں ڈاکٹر ہارون کو۔ بہت قابل ڈاکٹر ہیں۔ میرا کیس ان ہی کے پاس ہے ہارٹ کا۔" فسطینہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہارٹ کا کیس..... خدانخواستہ آپ کے دل کو کیا ہے فسطینہ؟" گوہر گھبرا گئی۔

"کچھ نہیں..... بس خوشی کی کوئی بھی خبر پا کر ہاتھوں سے نکلنے لگتا ہے۔ یقین مانیے ابھی اپنی شادی کی خبر ہی لے لیجیے۔ جیسے ہی جوہر آپا نے فون کیا' میں بے حال ہو گئی مارے خوشی کے۔ ارے میں تو پوچھ رہی تھی' آپ نے شادی سے انکار کر دیا تھا' کیوں؟ دیکھیے' برا مت مانیے گا۔ شادی کے دن میں ان ذات شریف کو دیکھ تو لوں گی۔ لیکن آپ کی زبانی سن کر لطف آئے گا۔"

"جو آپ سمجھ رہی ہوں مس فسطینہ یہ وہ بات نہیں ہے اور جو بات ہے وہ میری زندگی کی فاش غلطی تھی۔ یہ دنیا اور اس کے باسی ان ایثاروں کے قابل نہیں ہیں۔ یہاں ہر شخص اپنی خوشی کی خاطر جیتا ہے۔ آپ پلیز اس ذکر کو ختم کر دیجیے۔ میجر عیلام حسن نام ہے ان کا' یہ رشتہ آپا نے اور نبیل بھائی نے تجویز کیا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر ہاں کر دی اور بس....."

فسطینہ مسکرا دی۔

"بالکل میری طرح..... ماما اور ڈیڈی نے تجویز دی اور میں نے ہاں کر دی۔ شبیر عسکری کے لیے۔"

گوہر کے چہرے کے رنگ بدلتے چلے گئے۔ وہ ایک بات تو یاد نہ رکھنا چاہتی تھی اور وہی بات سامنے آ گئی تھی۔ فسطینہ کی صورت۔ فسطینہ نے کچھ بھی بات کہہ کے لطف اٹھایا اور پھر خود ہی بات بدل دی۔

"سنا ہے وہ کوئی کزن تھے آپ کے..... جن سے آپ کی نسبت طے رہی۔ پھر خاندانی اختلاف کے سبب بات ختم ہو گئی۔ گوہر' وہ ڈاکٹر ہارون خاصے بھلے بندے ہیں۔ شادی' نا میں تھی تو ان سے کیوں نہیں کی؟"

فسطینہ تاک تاک کے نشانے لگا رہی تھی۔

"شاید عمر کا وہ دور جذبات کا دور تھا' شعور کا دور اب آیا ہے۔"

"اور میجر عیلام کے بھاگ جاگ گئے ہیں۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں' میں بڑی نڈر لڑکی ہوں۔ کہاں ہوتا ہے وہ مکار شخص۔ خود خوشیوں میں گھرا ہوگا اور آپ..... آپ مجھے بتا دیں تو میں اسے....."

گوہر پھر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں نے تمہیں بتا دیا نا فسطینہ کہ وہ کون ہے تو تمہارے چہرے پر اتری یہ بہار' خزاں میں بدل جائے گی۔ میرے حوصلے کو اتنا مت آزماؤ۔ اس ذکر کو رہنے دو۔ تم میری دوست ہو' میں خدا سے دعا کروں گی کہ اس بے وفا شخص سے تم خوشیاں پا سکو۔ وہ تمہیں وہ سب دے سکے جو تمہارا حق بن جائے گا۔"

گوہر نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ ڈھیر سارے قدموں کی آہٹ پر دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ لڑکیاں جوق در جوق ان کی طرف چلی آ رہی تھیں۔ جن کی رہنمائی ماورا کر رہی تھی۔ یہ ساری اس کی سہیلیاں تھیں' فسطینہ نے حیران ہو کے ماورا کو دیکھا۔

"تم کیسے آئیں؟" وہ گھبرا گئی۔

"جیسے آپ آئی ہیں۔ ظاہر ہے کسی گاڑی میں بیٹھ کر..... کسی گاڑی میں بھی کیوں' اپنے شبیر بھائی کے ساتھ۔"

"کہاں ہیں وہ؟" فسطینہ نے بے اختیار پوچھا۔

"آپ فکر نہ کریں' وہ چلے گئے ہیں۔ کام تھا انہیں۔ میں نے منت کی تھی کہ مجھے اور میری سہیلیوں کو چھوڑ دیں' ادھر تاکہ میں اپنی....."

فسطینہ نے گوہر کی طرف دیکھا' وہ سر جھکائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس نے ماورا کو گھورا اور نظروں سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ اور بھی اکڑ گئی۔ اٹھلانے لگی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا.....؟ کیا مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ غلط فہمی میں نہ رہیں۔ وہ خوشی ہی کیا جس میں ماورا نہ ہو۔ انہوں نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں۔" فسطینہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ اٹھی اور اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی کمرے سے باہر لے گئی۔

"کیا مصیبت ہے ماورا؟"

"آپ میرا بازو تو چھوڑیے..... قسم سے شبیر بھائی نے خود کہا ہے کہ میں گوہر مائی کو دیکھ آؤں اور انہیں ایک بات بتاؤں۔"

"کیسی بات؟"

"یہی کہ وہ کالی ہیں یا گوری' دبلی ہیں یا موٹی۔ خوش ہیں یا ناخوش؟"

"مجھے خبر ہے تم سب کچھ بک دو گی اور اسے خبر ہو جائے گی۔"

"بیلیو می فسطینہ باجی' مجھے ہارون بھائی نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ میں جانتی ہوں' کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ آپ اطمینان رکھیے۔"

"ہاں ہاں! تبھی وہاں شبیر شبیر کی رٹ لگا رکھی تھی۔ چلو جاؤ یہاں سے۔" سامنے سے عاتکہ آ رہی تھی۔

"لو آ گئی تمہاری سہیلی۔ تپتی دوا سے اور اس کمرے کی جان چھوڑو۔"

عاتکہ اور ماورا میں دوستانہ مراسم قائم ہو چکے تھے۔ ماورا بھی اسے دیکھ کر اس کی طرف لپکی اور فسطینہ نے سکھ کی سانس لیتے ہوئے اندر کا رخ کیا۔

شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ جو الیکشن کے آٹھویں روز کی تھی تاکہ شبیر اپنے بیرونی معاملات سے بالکل فارغ ہو جائے۔ ہار اور جیت (جو بھی مقدر میں تھی) کا فیصلہ ہو جائے اور بعد میں اس مبارک تقریب کو برپا کیا جائے۔

دن بھر کی بھاگ دوڑ اب شبیر کو تھکاتی نہیں تھی۔ شام ڈھلے لوٹ کر گھر آتا تو خواتین سٹنگ روم میں جمع ہوتیں۔ لڑکیاں بالیاں ڈھولک بجانے میں کوشاں ہوتیں۔ دلہن کے جوڑوں پر گرم گرم بحث جاری ہوتی۔ ہر ایک کی اپنی تجویز ہوتی اور تو تو میں میں کے اس عالم میں چچی اماں نے بہت سے کام اپنے ذمے لیے ہوئے تھے۔ نظر کی عینک کے سہارے کرن لپکا انہماک سے ٹانکا کرتیں۔ لڑکیوں کو اچھے اچھے مشورے دیتیں۔ زندگی جو بڑی بے ڈھنگی چال چل رہی تھی۔ اب گھر سے باہر بھی اور گھر کے اندر بھی سرپٹ دوڑنے لگی تھی۔ لمحے تیز رفتار ہو گئے تھے۔ پتا ہی نہ چلتا دن چڑھتا اور پھر رات ہو جاتی۔

شادی میں صرف بارہ روز باقی رہ گئے تھے اور الیکشن میں چار روز..... شاہنواز نے جو پہلے ہی بڑی ذمہ داریاں خود سنبھال رہے تھے عبداللہ پور میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ عامر ساغر جو اب نوعمر لڑکوں کے بجائے نوجوانوں کا روپ دھار چکے تھے۔ ایک انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا اور دوسرا لاء کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کو تھا۔ یعنی لاء کا امتحان دے چکا تھا۔ وہ بھی شاہنواز کے ساتھ تھے کوچہ کوچہ گلی گلی پھرنے کا بھی اپنا مزا تھا۔ دلنواز نے بھی کافی کام اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ انیکسی نے ایک آفس کا روپ دھار رکھا تھا۔ باہر کے لوگ شہر کے معززین سب ملنے چلے آ رہے تھے اپنی حمایت کا یقین دلانے۔ شبیر کے کیریئر میں اس کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی شامل ہو گیا تھا۔ آخر وہ سر عبداللہ کا پوتا تھا۔ جو سدا کسی نہ کسی طور حکومت کے شریک رہے تھے۔ علاقے کی اونچی پوری شخصیت تھے۔ گو ان کے بعد ان کے خاندان کے کسی فرد نے ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن لوگوں کو ان کی خدمات ابھی تک یاد تھیں۔

ایک شام شبیر عبداللہ پور سے لوٹ کر آتے ہوئے رانو کو ساتھ لیتا آیا۔ مسرور سے چھوٹے منظور کی دلہن زینو بھی اس کے ساتھ تھی۔ جنرل اسکول میں پڑھاتی تھی۔ لہٰذا وہ اتنی جلدی نہ آ سکتی تھی۔ گھر میں عدی کے سوا رانو کی کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ شبیر نے سب سے ان دونوں کا تعارف کرایا۔

"اجی..... ایک تم ہو میری نالائق سی بہن سارا دن اپنے بچوں میں گم رہتی ہو۔ بھائی کو چائے کی ایک پیالی نہیں پوچھ سکتیں۔ ایک یہ ہے میری بہن عدی جانتا ہے کہ رانو کو مجھ سے کتنا پیار ہے۔" رانو نے جھٹ کہا۔

"شبیر بھیا..... جو خود پیار کے قابل ہو اس سے سارا زمانہ محبت کرتا ہے۔ آپ تو سر سے پیر تک اچھے ہی اچھے ہیں۔"

"سنا..... تم نے؟" شبیر نے عدی کا کندھا ہلایا۔

"جی یہ لن ترانیاں مدت سے سن رہے ہیں اور جان جلا رہے ہیں اجی..... نہ ہوا کوئی ہمیں اچھا کہنے والا کہ ہم بھی فخر کر سکتے اپنے آپ پر اور محبتوں پر۔"

عذرا نے مسکرا [illegible]

"رانو بی [illegible] ..... ممی نے بہت ہی کام کر لیا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ وہ آرام [illegible]"

"آپ فکر نہ کریں [illegible] اچھا اور پیارا موقع پھر کب آئے گا۔ عذرا بی بی آپ ایک بار [illegible] کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہو گی۔"

عذرا مسکرانے لگی۔ "[illegible] رانو بی بی تو حق سے میزبان بن جاتا۔"

"پیاری اتنی [illegible] بنی ہے نا عدی؟" شبیر نے پیار سے عذرا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مٹے بھی [illegible] آپ [illegible] ہیں۔ اس سے اچھی تو میں اپنے گھر میں ہوتی ہوں۔ یوسف کہتے ہیں [illegible]"

"ہا..... ہا..... [illegible] میں رہنا ہوتا ہے۔ فوقیت ہی کیا ہے تو انسان ہی۔ روٹی بھی کمانی ہوتی [illegible] تو خرور تیں..... " عدی نے تمسخر سے کہا۔ شبیر بھی ہنس دیا۔

"ہاں [illegible] عذرا بیگم! اسے تمغۂ جرات میں بھی دوں گا۔"

"کیوں؟"

"تم سے نباہ کرنے [illegible] ان شریف آدمیوں کو سکھایا ہی کیا جاتا ہے۔ سوائے سختیاں برداشت کرنے کے [illegible] پر قابو پانے کا ڈھنگ سیکھ جاتے ہیں۔" عدی نے چھیڑا۔ "تم بھی تو ایک [illegible]"

"ابھی کہتی ہوں [illegible] اپنے اداؤں [illegible] ان کا اچھا سیکھ ہے یہ..... فاریور کا کنڈ [illegible] ماں پراور [illegible] تصور لے کر میکے آتی ہیں۔"

"سکھ تو انہیں [illegible] جان چھوٹ جاتی۔ یہ دونوں کے لیے مزے کی نیند سوتے اور چین کی بنسی بجاتے ہوں گے ان دنوں۔"

"شمی..... " وہ ذرا [illegible] لگی۔

"اس میں خود غرضی [illegible] شمی [illegible] انداز سے بات کر رہا ہے۔ مجھ سے تو یوسف کئی بار کہہ چکے ہیں کہ عدی تمہاری [illegible] اپنی بے چاروں کی عزت کے خیال سے نباہ کیے جا رہا ہوں ورنہ تمہاری بہن کسی [illegible] نہیں۔"

"کیا؟"

"ہاں ہاں..... کہہ رہے تھے شکل [illegible] بے شک اپسراؤں جیسی ہے لیکن رویے بالکل ویسے ہیں۔ ڈرتا ہوں اگر زمانے میں کسی شے سے تو وہ تمہاری بہن ہیں۔"

"معاف کرنا عدی! تم بھول رہے ہو۔ یوسف نے سمجھا ور کہا ہو گا یہ جو تم بتا رہے ہو یہ تمہارے اپنے محسوسات ہیں اپنے تجربات تم زندگی میں کسی سے ڈرتے ہو تو وہ تمہاری اپنی جہانی بیگم ہی ہیں۔ اور شمی..... تم..... تم تو

بھی دیکھ لوں گی میں' چند دنوں کی بات ہے۔ پھر آٹے اور دال کا بھاؤ پوچھوں گی تم سے۔ زیادہ ہی اچھل رہے ہو بچو۔"

دونوں ہنس دیے' عدی لاجواب ہو کر اور شمی آنے والے دنوں کا تصور لے کر۔

"فکر نہ کرو ڈیر سسٹر...... ہم عدی نہیں ہیں' جھک جانے والے۔ ہم تو جھکانے والوں میں سے ہیں۔ ہم کیا بھاگیں گے۔ ہم تو خود بھاگتوں کو قید کرنے والے ہیں عمر بھر کے لیے...... اور لطف یہ ہے کہ ڈریکولا بھی نہیں ہیں نہ شکلاً نہ عملاً...... ہماری قید میں رہنے والے بھی ہم سے خوش رہتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو ابھی فون کر کے پوچھ لیجیے' ان سے جو ہماری قید سے رہا ہو جانے کے غم میں آج کل آدھے ہو رہے ہیں۔" شبیر نے بات کی تان وہیں توڑی' اسی ذکر پر جو شاید اس کا پسندیدہ ترین موضوع تھا۔

"نصیب نصیب کی بات ہے' جب خدا ہی کسی نااہل کو سب کچھ عنایت کر دے تو پھر جلنے کڑھنے سے دوسروں کو کیا مل سکتا ہے۔ آپ جناب شبیر عسکری صاحب' کیسے کیسے آپ سب کہہ سکتے ہیں۔ قدرت آپ پر مہربان جو ہے۔ چھپر پھاڑ کے دے رہی ہے آج کل۔"

"نو ڈاؤٹ...... نو ڈاؤٹ۔" شبیر نے ادب سے سر جھکا دیا۔

"چلو بچو...... تم لوگ اپنے بیڈ روم میں محفل جماؤ۔ ہمیں یہاں بیٹھ کر کچھ کام کرنا ہے۔ پھر کھانا بھی تیار ہونے والا ہے۔ عدی' جاؤ دیکھو' انیکسی میں تمہارے ڈیڈی کے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔ میں کھانا بھجوا... ب تو اپنا کام کروں۔"

"آپ کا کام ختم امی...... آپ بس مہمانوں کو ویلکم کیجیے۔ ان سے گپ شپ کیجیے۔ اور بس۔" شبیر نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"زندگی ہے تو کام ختم نہیں ہو سکتا۔ مر جائیں گے تو کسی کے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔ یہ خوب صورت ذمہ داری چھوڑنے کے لائق ہے بھلا۔ مائیں اسی دن کے انتظار میں تو بوڑھی نہیں ہوتیں اور تم مجھے منع کر رہے ہو۔ نہیں بھئی' نہیں۔ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ یہ مشورہ تم کسی اور کو دینا۔ مجھ پر مہربانی کرو۔ کرنے دو مجھے اپنے کام۔"

وہ خفا نظر آنے کی کوشش میں مسکراہٹ روکنے لگیں۔ شبیر نے ہاتھ جوڑ دیے۔ پھر رانو اور زینو کا تعارف کرایا ان سے اور خود عدی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلطان اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ صغریٰ تیار تھی۔ چادر ہاتھ میں لیے دروازے میں کھڑی تھی۔

"صغریٰ...... یہ دادا کو کیا پڑی ہے شہر جانے کی۔ کل الیکشن کا دن ہے۔ آج ہر کوئی اپنے اپنے گھر پہنچنے کی فکر میں ہو گا۔ بسوں اور ویگنوں میں رش ہی رش ہو گا۔ میں نے کہا تو جھٹ خفا ہو گئے کہ میاں تم مجھے بس اسٹینڈ تک چھوڑنے سے گھبراتے ہو۔ نہ چلو میرے ساتھ' خود ہی چلا جاؤں گا۔ آخر دادا کو جانا کہاں ہے؟ کون سے کام رکے ہوئے ہیں؟ شبیر میاں کی شادی میں تو ابھی کافی دن پڑے ہیں۔"

"میں نے بھی پوچھا تھا بتاتے نہیں ہیں۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔ تم انہیں چھوڑ آؤ۔ میں نے ناشتا بنا دیا ہے ان کا' کھا چکے ہوں گے۔"

سلطان علی نے صحن میں کھڑی موٹر سائیکل کو کپڑا مار کر چمکایا اور غفور بابا کو آواز دی۔

غفور بابا اپنی لاٹھی اور عینک سنبھالتے باہر آ گئے۔

"چلو میاں...... بس نکل ہی نہ جائے۔ میں چاہتا ہوں میاں صاحب کے شہر جانے سے قبل ہی میں پہنچ جاؤں۔"

"دادا...... ایسی کون سی خفیہ میٹنگ ہے آپ کی؟ جس کی خبر میاں صاحب کو بھی نہیں ہونے دے رہے۔"

"ہے ایک ایسی بات...... برسوں اس خاندان کا نمک کھایا ہے۔ حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے تو چین نہیں پڑ رہا کسی کل۔ جلدی کرو۔ باہر نکالو اپنی موٹر سائیکل' میں نکل رہا ہوں باہر۔" وہ جوانوں کی طرح تیز قدم اٹھاتے گئے۔ سلطان علی مسکراتا ہوا موٹر سائیکل گھسیٹنے لگا۔

اس نے انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ بس اسٹینڈ تک پہنچایا اور بس میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا کر ڈرائیور کو انہیں ان کی مطلوبہ جگہ اتارنے کا کہہ کر خود بس سے اتر کر اپنے اسکول کی طرف جانے کے لیے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ گزرے سالوں نے سڑکوں کی صورت حال ہی بدل دی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف آبادی ہی آبادی نظر آ رہی تھی۔ کہیں ملیں' کہیں کالونیاں' کہیں بازار' کہیں سرکاری دفاتر...... بس ایک گھنٹے میں شہر پہنچ سکی۔

"بابا...... تمہاری خاطر میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ اتر جاؤ' شاہنواز صاحب کا گھر یہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر ہے۔" ڈرائیور نے سگریٹ کا طویل کش لیتے ہوئے غفور بابا کو مطلع کیا۔

"مہربانی بیٹا' میں تو دھکے کھاتا پھرتا۔ مجھے راستہ بھی بتا دو۔ میں تو جانے کتنے برسوں سے شہر نہیں آیا اور شہر کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔"

ڈرائیور نے سمجھا دیا اور کنڈکٹر کو ہدایت کی کہ وہ بوڑھے غفور بابا کو احتیاط کے ساتھ اتار دے۔

فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر غفور بابا نے ایک گہری سانس لی۔ ادھر ادھر دیکھا اور چل پڑے۔

سورج کی چمکدار روشنی نے ہر شے کو اپنے ہالے میں لے رکھا تھا۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ سامنے چوراہے پر انہیں سڑک پار کرنا تھی۔ بائیں طرف اگلے موڑ پر پھر مڑنا تھا انہیں۔ بڑی دیر سے وہ منتظر کھڑے تھے۔ کب رش کم ہو اور وہ سڑک پار کر سکیں۔ لیکن ایسا کب ممکن تھا۔ ٹریفک اپنے معمول کے مطابق چل رہی تھی اور اس رش کے عادی کسی نہ کسی طور سڑک پار کر کے اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے کہ ایک گاڑی غفور بابا کے پاس آ کر رکی۔ کسی نے جھٹ سے دروازہ کھولا۔

"ارے غفور بابا آپ...... اُف۔ ملی کتنی دیر سے دیکھتی چلی آ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ...... یہ واقعی آپ ہیں یا آپ کا روپ دھارے کوئی اور۔"

شوخ آواز پر غفور بابا نے غور سے دیکھا' انہیں پہچان نہ پائے۔

"مجھے پہچانا نہیں آپ نے؟ میں ارم ہوں' غفور بابا۔ ارم شاہنواز۔"

"ارے بیٹا...... آپ؟"

"آپ کہاں پھر رہے ہیں؟ کیسے آئے؟"

"آپ ہی کے پاس آیا ہوں...... بیگم صاحبہ کے پاس۔ کب سے یہاں کھڑا ہوں سڑک پار کرنے کے لیے۔"

"آیئے...... آیئے بیٹھیے گاڑی میں۔ یہاں تو شام تک یونہی کھڑے رہتے۔ بابا کہاں ہیں؟ کیا آپ ان

کے ساتھ نہیں آئے؟"

"نہیں۔ بلکہ ان سے چھپ کر آیا ہوں۔"

"کیوں...... کیا وہ منع کرتے؟"

"نہیں...... مگر میں نہیں چاہتا کہ انہیں میرے آنے کی خبر ہو۔" غفور بابا ارم کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"انہیں خبر ہوگی بھی نہیں...... وہ آج کل اپنی نئی دنیا میں گم ہیں۔"

"نئی دنیا؟ میں سمجھا نہیں بیٹی۔"

"مدتوں سے بچھڑا بیٹا جو مل گیا ہے انہیں۔ وہ تو گھر میں آتے ہی نہیں ہیں۔ انہی کے ہاں رہتے ہیں' شہرآ کر' اور آج تو بہت زیادہ مصروف ہوں گے۔ کل ووٹ پڑیں گے نا۔"

"یہ خوشی کی بات ہے بیٹا۔ وہ صرف ان کا بیٹا ہی نہیں' آپ کا بھائی بھی ہے۔"

"آپ کہہ رہے ہیں نا' پاپا ایسا نہیں سمجھتے۔"

"کیسے نہیں سمجھتے؟"

"اگر ایسا سمجھتے تو...... تو......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"چھوڑیے بابا...... یہ بتایئے' آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کے کرم سے ٹھیک ہوں مگر بڑھاپا ہے نا...... ظاہر ہے وہ طاقت نہیں رہی۔ بس چل پھر لیتا ہوں' کھا پی لیتا ہوں اور بچوں کی خوشیوں میں خوش رہتا ہوں اور آپ بیٹا؟"

"ہمارا کیا ہے غفور بابا...... بس جی رہے ہیں کہ جینا ہی ہے۔ ورنہ گھر کسی قبرستان سے کم نہیں۔ کبھی کبھی تو گمان ہوتا ہے جیسے ہم سب مر گئے ہیں۔ ہماری خواہشیں ہمارا مدفن ہیں اور جسم لاشے۔"

"خدا نہ کرے بیٹا۔"

"اور کیسی ہوتی ہیں لاشیں غفور بابا...... منیر بھیا کی بربادی اور ظہیر بھائی کی دوری نے میری ماں کو نیم پاگل کر دیا ہے۔ سوچوں میں گم...... آنکھوں میں ویرانی لیے وہ دن بھر اپنے کمرے میں بند رہتی ہیں۔ میں اس ماحول سے گھبرا کر کبھی کسی سہیلی کے ہاں چلی جاتی ہوں اور دوسروں کی خوشیوں میں گم ہو کر وقتی طور پر ہنس بول کر دل پر چھائی اداسی دور کرنے کی ناکام کوشش کے بعد لوٹ آتی ہوں اور پھر سے گھر کی ویرانیوں کا حصہ بن جاتی ہوں۔ ویرانیاں تو اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ جب سے کار چوری اور قتل کے سنگین الزام کے تحت منیر بھیا کے دوستوں کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے ہیں۔ اب تو وہ گھر کا رخ بھی نہیں کر سکتے کہ ہمارے گھر کے اردگرد پولیس موجود رہتی ہے کہ بھیا گھر کی طرف آئیں اور وہ انہیں لے جائیں۔ پاپا کی وجہ سے بھیا کا نام اخباروں میں...... نہیں آیا۔ اور یہ بات لوگوں کے نوٹس میں نہیں۔ شاید یہ انہوں نے صرف شبیر کی خاطر کیا ہے۔ کچھ بھی ہو وہ اور منیر دونوں ان کے بیٹے ہیں اور ایک بھائی کے کردار کا اثر دوسرے پر بھی پڑ سکتا ہے۔ ورنہ پولیس سے تو انہوں نے کہہ دیا ہے کہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔ منیر جب بھی ان کے ہاتھ لگا' وہ خود اسے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ویسے غفور بابا' آپ یقین کریں' منیر بھیا آزاد منش ہیں' بے پروا ہیں۔ چور یا قاتل نہیں ہو سکتے۔ بائی گاڈ اس کا مجھے یقین ہے ان سے دھوکا ہوا ہے۔"

"میں بھی یہی کہوں گا بیٹا...... سر عبداللہ کا خون ایسا بر نہیں ہو سکتا۔"

"بھیا بری صحبت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا جن لوگوں میں تھا' وہ خود بھی نہیں جانتے تھے کہ

وہ ایسے لوگ ہیں جرم کیا کسی نے اور کھاتے میں کسی کے ڈال دیا گیا۔ وہ لڑکے بھیا سے ان کی گاڑی مانگ کے لے گئے تھے اور اس گاڑی میں بیٹھ کر وہ قتل اور ڈاکے کی واردات کرنے چلے گئے۔" ارم رونے لگی۔

"بیٹا...... میاں صاحب نے مجھے بتایا ہے' سب کچھ ہی...... میں نے انہیں بصد منت سمجھایا ہے' منیر میاں کی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی ہے۔ پر وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ پرچہ کٹ چکا ہے۔ جس میں منیر میاں کی گاڑی کا نام شامل ہے' تو منیر میاں عدالت اور پولیس کو مطلوب تو ہوں گے ہی۔ اب منیر میاں کی بے گناہی عدالت میں ہی ثابت کی جا سکتی ہے۔ کسی اچھے وکیل کی مدد سے۔"

"آپ کے شبیر کا شمار بھی تو شہر کے اچھے وکیلوں میں ہوتا ہے۔ سنا ہے انہوں نے دو چار مقدمے جیت کر ہی اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔ مگر وہ تو شاید مقتولوں کا مقدمہ لڑ کے منیر بھیا کو اس میں الجھا کر پھانسی کے تختے تک پہنچانے میں قانون کا ساتھ دیں گے۔" ارم نے عجیب انداز میں کہا۔

"بیٹا...... آپ شبیر میاں کے بارے میں بہت غلط سوچتی ہیں اور پھر منیر میاں تو نہیں صرف ان کی گاڑی ہی......"

وہ بڑے درد کے ساتھ مسکرا دی۔

"اکثر بے گناہ ہی پکڑے جاتے ہیں' آپ دیکھ لیجیے گا' ایسا ہی ہوگا۔ وہ...... وہ......"

"نہیں نہیں ارم بیٹا...... ایسا ممکن نہیں۔ ویسے آپ نے کبھی شبیر میاں کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایسے ہر گز نہیں۔"

گھر کا گیٹ آ گیا تھا۔ ارم نے گاڑی پورچ میں لا روکی۔ اب وہ خاموش تھی۔

"آیئے بابا......" غفور بابا دروازہ کھول کر باہر آئے۔ سعیدہ بیگم لان میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

"مما ادھر بیٹھی ہیں' آپ چلیے۔ میں آ رہی ہوں۔"

دھیرے دھیرے چلتے وہ سعیدہ بیگم کے قریب آئے۔

"سلام بیگم صاحب۔"

"غفور بابا تم......"

سعیدہ بیگم نے گردن اوپر اٹھائی اور غفور بابا کو دیکھتی رہ گئیں۔

"ہاں بیگم صاحب میں۔"

"تو کیسے آنا ہوا۔ تمہارے میاں صاحب تو یہاں نہیں ہیں۔ تمہیں ان سے ہی کوئی کام ہوگا۔ وہ تو آج کل اپنے چہیتے بیٹے کے پاس ہوتے ہیں' وہیں گئے ہوتے تم۔" سعیدہ بیگم نے نہ بیٹھنے کو کہا نہ حال پوچھا۔

"میں آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ سے ملنے جی۔"

"مجھ سے......" انہوں نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

"جی ہاں...... بات بڑی ہے' منہ چھوٹا ہے' لیکن کچھ بھی بیگم صاحب۔ میں نے تو اس گھر کو سدا اپنا سمجھا ہے۔ اس گھر کے سکھ دکھ سدا مجھے اپنے ہی محسوس ہوئے ہیں۔"

"ارے آپ ابھی تک کھڑے ہیں۔ بیٹھیے تو سہی۔"

ارم بھی وہیں آ چکی تھی' وہ ساتھ پڑی کرسی پر ٹک گئے۔

"تم کیا کر سکتے ہو غفور بابا۔ کچھ بھی نہیں۔ تم تو تم...... میں تو میں بھی اس لائق نہیں رہی کہ تمہارے کام آ سکوں۔"

"آپ نے خود کو ایسا بنا لیا ہے ورنہ۔"

"نہیں غفور بابا! جو ماں اپنی اولاد کے لیے کچھ نہ کر سکے وہ۔ وہ اور کیا کر سکتی ہے کسی کے لیے۔"

"بیگم صاحب! میں...... نہ لینے آیا ہوں نہ کچھ دے سکتا ہوں نہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ نہ عقل و دانش میں آپ لوگوں جیسا' لیکن پھر بھی میں کچھ کہنے آیا تھا آپ سے جی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو عرض کردوں۔"

سعیدہ بیگم خفیف ہو گئیں۔

"غفور بابا! آپ کو کچھ کہنا ہے تو پاپا سے کہیں۔ جنہیں اپنے فرائض بھول گئے ہیں۔ ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" ارم نے تلخی سے کہا۔

"بیٹا...... دھیرج...... دھیرج...... آپ تسلی سے میری بات تو سنیں' میں بوڑھا ہوں۔ عمر میں آپ کے والد سے کہیں بڑا' میں نے میاں کو بھی اپنے ہاتھوں اٹھا کر کھلایا ہے۔ پالا ہے اور وہ صرف اسی بات پر میری عزت کرتے ہیں۔ میرا حق سمجھتے ہیں۔ اپنی ذات پر۔"

"تبھی تو آپ اپنے حق کا استعمال بڑے اچھے طریقے سے کر رہے ہیں۔ آپ ہی نے تو انہیں اس گھر سے بدظن کر کے پہلے عبداللہ پور کا اسیر بنایا اور اب شبیر کے گھر کی راہ دکھا دی۔" سعیدہ بیگم نے دل کا غبار نکالا۔

"بیگم صاحب! صرف انہیں ہی کیا' میں تو آپ کو بھی وہی راہ دکھانا چاہتا ہوں' ان کا آپ سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے' وہ آپ کے بیٹے ہیں' بٹیا کے بڑے بھائی ہیں۔ وہ کل بھی اچھے انسان تھے اور آج بھی ہیں۔"

"مجھے اس سے کیا لینا دینا۔"

"نہیں بیگم صاحب! تلوار کی دھار کتنی بھی تیز کیوں نہ ہو' رشتوں کی زنجیر نہیں کاٹ سکتی۔ ان کا آپ سے اٹوٹ رشتہ ہے۔ بیگم صاحب بچھڑے ہوؤں کے ایک ہونے کا اس سے اچھا وقت اور کوئی نہیں آئے گا۔"

"غفور بابا۔ شاہنواز نے حالات کے اس موڑ پر ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ ہمیں تنہا ہی رہنے دیں آپ۔"

"نہیں بیگم صاحب نہیں۔ میں جانتا ہوں' وہ اس بات پر کتنے پریشان رہتے ہیں۔ وہ یہ بات نہ شبیر میاں سے کہہ سکتے ہیں نہ آپ سے' لیکن خاندان کا یہ بکھرا ہوا شیرازہ انہیں چین نہیں بخش سکتا۔ جو بات وہ کہنا چاہتے ہیں اور نہیں کہہ سکتے وہ میں آپ سے کہنے آیا ہوں۔ اپنی حدوں سے بہت سا آگے بڑھ کر۔ کیونکہ مجھے اس گھر کی خوشیوں سے پیار ہے۔"

غفور بابا کی آنکھیں نم ہو گئیں' انہوں نے اپنے بڑے سارے رومال کے پلو سے آنکھیں پونچھیں' سعیدہ بیگم الجھ سی گئیں۔ ایک طویل ٹھنڈی آہ ان کے لبوں پر آ گئی۔

"میں نے شبیر میاں سے بھی بات کی تھی۔"

سعیدہ بیگم کے چہرے پر کئی رنگ آ کے گزر گئے۔

"کیسی بات؟"

"آپ کو خبر نہیں کیا؟ ان کی شادی مقرر ہو چکی ہے نا۔"

"کس کے ساتھ؟"

"اپنی گوہر بٹیا کے ساتھ۔"

"اچھا...... کب؟"

"کچھ دن ہوئے' شادی اگلے ہفتے ہو گی۔"

"ہوں۔"

ارم نے دکھ کے ساتھ سوچا۔

"اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ گوہر نے اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔ اسے ضرورت بھی کیا تھی مجھے بتانے کی۔"

"بیگم صاحب! کیا آپ پرانی باتوں کو بھلا کر یہ نہیں چاہیں گی کہ یہ شادی اس گھر میں برپا ہو۔ دلہن کی ڈولی اس گھر میں اترے۔ بیگم صاحب' وہ اس گھر کے بڑے بیٹے ہیں۔ اور یہاں ایک مدت سے کوئی خوشی دیکھنے میں نہیں آئی۔"

"غفور بابا! میرا بیٹا کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔"

"شبیر بھی آپ کے بیٹے ہیں اور خوشی اور غم کی شراکت تو بہت پرانی ہے۔ بیگم صاحب۔ آپ نے تو دیکھا تھا آپ کو تو یاد ہو گا۔ شبیر میاں جیل میں تھے اور پورا خاندان شادی کی خوشیوں میں گم تھا۔"

غفور بابا نے طنز کو بیچ میں نہیں آنے دیا۔ وہ طنز کرنا بھی نہیں چاہ رہے تھے صرف موازنہ کر رہے تھے۔

"اسے جیل سے چھڑا لانے والے بہت سے تھے' میرا بیٹا تو اکیلا ہے اور قتل کے واقعہ میں اس کی گاڑی کا پایا جانا...... خطرناک بات ہے۔"

"مصیبتوں سے نجات دینے والی ذات صرف خدا کی ہے۔ وہی منیر میاں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ جب اس کی رحمت جوش میں آتی ہے تو انسان کی بے گناہی خود اپنا ثبوت بن جاتی ہے۔ میاں صاحب نے شبیر میاں کو کچھ نہیں بتایا لیکن میں ابھی جا کے انہیں بتاؤں گا' وہ آپ کو پریشانی میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔"

"نہیں نہیں' نہیں غفور بابا کسی سے بھیک مانگنے کی مجھے ضرورت نہیں۔"

"آپ بھی حد کرتی ہیں بیگم صاحب! وہ غیر نہیں منیر میاں کے بڑے بھائی ہیں۔ اس دکھ اور پریشانی کو محسوس کر سکتے ہیں اور بھائی کی مدد کرنا وہ اپنا پہلا فرض سمجھیں گے۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ مجھے یقین ہے' مجھے اعتبار ہے ان پر' وہ حل نکال لیں گے۔" وہ رونے لگیں۔

"غفور بابا آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہم میں اور شبیر میں سوتیلے پن کی ایک دیوار ہے' جو ہمیشہ نفرتوں سے تعمیر ہوتی ہے اور بڑی مضبوط ہوتی ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہو گا۔ شبیر میاں ایسا نہیں سوچتے آپ نے انہیں سمجھا ہی نہیں۔ آپ نے ان خوب صورت جذبوں کو جانا ہی نہیں بیگم صاحب! جو نفرتوں کی مضبوط ترین دیواروں کو پل میں توڑ دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں بیٹا جان کر اپنے دل میں جگہ دے کر تو دیکھا ہوتا۔ دوری اور بیگانگی تو سگے رشتوں میں بھی فاصلے پیدا کر دیتی ہے۔"

انہوں نے سر جھکا لیا۔

"میں بہت پریشان ہوں غفور بابا۔"

"معاف کیجیے گا بیگم صاحب۔ یہ پریشانی صرف پچھتاوے کی ہے اور کسی بات کی نہیں' لیکن آپ کے پاس راہ بدلنے کو ابھی کافی وقت ہے۔ لوٹ جایئے اسی راہ پر۔ جو بچھڑے ہوؤں کو ملا دے' فاصلے مٹا دے' خوشیاں

بکھیر دے سارے مسئلے حل کر دے۔"

"غفور بابا...... میں کیا کروں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں غفور بابا۔ میری مما شبیر بھائی کے آگے جھکیں' ان سے معافی مانگیں۔ یہ نہیں ہوگا جب پاپا کو ہم لوگوں کی ضرورت نہیں تو ہمیں بھی نہیں' وہ لوگ خوشیوں میں مگن رہیں' ہم اپنے گھر کی اداسیوں میں ہی ٹھیک ہیں اور زیادتی کی تھی تو پاپا نے' مما نے نہیں۔"

"بیٹا غصہ نہیں کریں آپ' مائیں بیٹوں سے معافی نہیں مانگا کرتیں۔ بیٹے آیا کرتے ہیں چل کے۔ میں آپ کا خادم ہی سہی۔ ادنیٰ نوکر ہی سہی پر شبیر میاں میرا بڑا مان رکھتے ہیں۔ میں انہیں لے آؤں گا۔ وہ چل کے آئیں گے اپنی ماں کے پاس۔"

"یہ آپ کی خام خیالی ہے غفور بابا۔ یہ نہیں ہوگا آپ دیکھ لیجیے گا۔ آپ کو بات کہہ کے اپنا بھرم نہیں کھونا چاہیے۔ آپ یہ دیکھیے کہ پاپا نے منہ موڑا ہے تو سب ہی چھوڑ گئے ہیں۔ پھوپھو بھی اور چچا بھی۔ کسی نے اس شادی کی ہوا ہی نہیں لگنے دی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا! آپ مجھ غریب پر بھروسہ کریں۔ میں ابھی جاتا ہوں شبیر میاں کو لے کر ہی لوٹوں گا۔ انشاء اللہ۔"

"جو آپ کی مرضی غفور بابا۔ ارم! بابا سے چائے ناشتہ وغیرہ بھی نہیں پوچھا تم نے۔"

"کوئی بات نہیں بیگم صاحب۔ ناشتہ میں گھر سے کر کے آیا تھا۔ کھانا میاں صاحب اور شبیر میاں کو لانے کے بعد کھاؤں گا۔ مگر بیٹا بوڑھا آدمی ہوں دال دلیے کے سوا کچھ نہیں کھاتا۔ اتنا خیال رہے۔" وہ مسکرائے تو ارم بھی مسکرا دی۔

"بابا! چلیے' میں آپ کو چھوڑ دوں گی' جہاں آپ کہیں گے۔" غفور بابا نے شبیر کا کارڈ جیب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ارے...... یہ...... یہ ایڈریس شبیر بھائی کے گھر کا ہے۔ واہ۔ چھپے۔ چلیے چھوڑ آتی ہوں آپ کو۔ مگر اندر نہیں جاؤں گی۔" اسے اس گھر کی خبر پہلے سے ہی تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا...... آپ یہیں رہ کر ان لوگوں کی آمد کا انتظار کرتی رہیے گا۔" غفور مسکرا دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ان دنوں میں اس کی ذات کتنی غیر اہم ہو کر رہ گئی تھی۔ بھرے پرے گھر میں کسی کو ایک پل اس کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔

کبھی کبھار تو اسے ایسا لگتا جیسے سب اس سے جان بوجھ کر کنی کترا رہے ہوں۔ اس کے کمرے میں کوئی کسی کام سے آتا وہ پکارتی تو یوں چونکتا جیسے کوئی بہت ہی غلط بات ہو گئی ہو اور تو اور وہ جو ہر آپا جو پچھلے کئی دنوں سے میکے میں قیام پذیر تھیں وہ بھی پاس نہیں پھٹکتی تھیں۔

بس کبھی اندر داخل ہوتے ہی اس سے نظریں چرائے چرائے حکم صادر کرتیں۔

"گوری! اپنی تازہ ترین سلی ہوئی قمیص دینا۔ کوئی کمی بیشی مقصود ہو تو لکھ کر دے دینا۔ دولہا والوں نے ناپ منگوایا ہے۔ بہتر ہوگا کہ شلوار بھی ساتھ ہو۔"

کبھی کمرے میں داخل ہوتے ہی فرماتیں۔

"ایک جوڑی سینڈل اور کورٹ شوز دے دو۔ ابھی فون آیا ہے تمہارے لیے شاپنگ کرنے جا رہے ہیں دولہا والے۔"

کبھی دروازے میں کھڑی ہو کے پکارتیں۔

"انگوٹھیاں اور چوڑیاں آتی رہتی ہیں' پہن کے دیکھ لینا کوئی فرق نہ رہ گیا ہو' کچھ دن باقی ہیں ابھی ٹھیک ہو سکتے ہیں' پھر شادی کے دن مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔"

"آپا۔ آپ کو بس یہی کام رہ گئے ہیں' میرے پاس تو بیٹھیے۔"

"اپنی ایمرجنسی میں شادی کا حکم دے کے فرمائش ہو کہ تمہارے پاس بیٹھوں۔ اتنا کام ہے کہ سانس بھی لینے کی مہلت نہیں۔ تم تو بس اپنے دولہا میاں سے ہی دل کی باتیں کہنا سننا۔" وہ بے پروائی سے کہہ کے چلی جاتیں۔

بھابھیاں اسے یوں دیکھتیں گویا وہ کوئی اچھوت ہو' آمنہ مائی' پچھی دن بھر جانے کہاں غائب رہتیں اور تو اور وہ سفا سے اس سے چپکی رہنے والی عاتکہ بھی نظر نہ آتی۔ کبھی کبھار رات کو تھوڑی دیر کے لیے عامر ساغر آ جاتے تو بھی ایسے جیسے کسی ضابطے کے پابند ہیں کھل کر بات کرنے کی اجازت ہی نہیں۔ اس کے اور گھر والوں کے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے تھے۔

"آپ لوگ تو ابھی سے اجنبی بننے لگے ہیں آپا۔ اگر ایسی بات تھی تو۔ مجھے بتا دیتیں میں۔ میں آپ سے یہ کہتی ہی ناں۔ یہ فاصلے تکلیف دہ ہیں۔"

"کیا حماقت ہے گوری! تمہیں خبر ہے ہم سب تمہارے لیے ہی مصروف ہیں۔" وہ تختی سے بولیں۔

"نہیں آپا! میں محسوس کر رہی ہوں' جیسے یہ شادی نہیں میرے خلاف ایک سازش ہے۔ جس کی اجازت بدقسمتی سے میں نے خود آپ کو دی ہے' میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔ میں پہلے بھی پریشان ہوں آپا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ کیا ہے۔"

"میرے پاس تمہاری لایعنی باتیں سننے کی فرصت نہیں' فیصلہ غلط ہے یا درست اب اسے بدلنے کی گنجائش نہیں۔ دنیا پہلے بھی ہم پر بہت ہنس چکی ہے۔ خدارا اب عین شادی کے دن کوئی نیا گل نہ کھلا دینا۔"

جوہر نے سخت لہجے میں کہا۔ گوہر ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

"آپا!" وہ بمشکل کہہ سکی۔

"ہاں ہاں' میں نے غلط تو نہیں کہا۔ منگنی کی انگوٹھی چپ چاپ ہاتھوں میں سجا کر شادی کے دن انکار تم نے ہی کیا تھا۔ ڈر تو لگے گا تم سے۔"

"آپ کو خبر ہے ساری بات کی پھر بھی۔"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تو تم سے ڈر لگتا ہے ہر لمحہ کہ اب بھی وہ شبیر کا بچہ' وہ فراڈی اور مکار کہیں سے آ کر کہہ دے کہ اسے آج بھی تم سے محبت ہے تو تم آج بھی ہمارے ساتھ ویسا سلوک کرنے سے نہیں چوکو گی۔"

"آپا' آپ کو خبر ہے نا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی شادی ہو رہی ہے' وہ مجھے بھول چکا ہے' میں بہت تنہا ہو گئی ہوں آپا۔ مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ مجھ پر شک نہیں کریں آپا۔ محبت اور قربانی میں کسی نے کچھ نہیں پایا بھی۔"

"لیکن پانے کی خواہش میں حماقتیں سب کرتے رہتے ہیں۔"

"میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا ہے' میں آپ کو کوئی سزا نہیں دوں گی اب۔ آپ کو خبر ہے' یہ فیصلہ میں نے آپ سب کے لیے کیا ہے۔ آپ سب کے لیے۔" وہ رو نے لگی۔

"خبردار جو ایک بھی آنسو بہایا۔ خوش رہو۔ جب وہ اپنی دنیا میں مگن ہے تو تم کیوں آنسو بہاؤ' صحت خراب ہو گئی نا تو لوگ باتیں بنائیں گے۔ چہرے پر صحت کی سرخی نہ ہو تو میک اپ اور مصنوعی پن روپ نہیں لا سکتے۔ بڑا ارمان ہے گوری میرے دل میں۔ تمہیں دلہن بنا دیکھنے کا اور وہ بھی خوبصورت ترین دلہن۔ فسطینہ تیری سہیلی ہے نا۔ اس کے ذریعے شبیر تک تیری تصویریں پہنچ ہی جائیں گی۔ دیکھ کر جلے گا تو سہی اور اگر تو اداس نظر آئی تو خوانخواہ اترائے گا کہ میری خاطر اب بھی پریشان ہے۔ بے چاری۔" جوہر نے بڑی ادا سے کہا۔

گوہر کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

یہ سچ تو تھا۔ سچ ہی تو تھا۔ وہ دل سے نکلا ہی کب تھا۔ جدا ہوا ہی کب تھا۔ اپنی اس بے وفائی کے باوجود۔

"ٹھیک ہے آپا۔ میں کوشش کروں گی۔ بلکہ میں مسکراؤں گی خوش رہوں گی' ہنسوں گی۔ یہ وعدہ ہے۔"

اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔

☆☆☆☆☆☆☆

الیکشن کی صبح طلوع ہوئی۔ سارے ہنگامے شبیر کے گھر سے شاہنواز عسکری کے گھر کی طرف منتقل ہو چکے تھے' یہاں تک کہ جمال فیملی بھی۔

بعض لوگ کتنے سیدھے سادے' صاف ستھرے اور مخلص ہوتے ہیں' دلوں میں بغض و عداوت کے روگ پالنا ان کے بس میں ہی نہیں ہوتا۔ وہ دشمنوں سے دشمنی نباہنے کے لائق نہیں ہوتے۔ انسان دوست ہوتے ہیں انسانیت کی پرورش کرنے والے نیک جذبوں کو پروان چڑھانے والے' محبت و خلوص پر جان دینے والے' دشمنوں کو بھی دوست سمجھنے والے' وہ ہر ایک سے نیک امیدیں رکھتے ہیں' شاید ان کے دل کے آئینے میں بدی کا رنگ نظر ہی نہیں آ سکتا۔ ایسا ہی حال جمال فیملی کا بھی تھا۔ شبیر ان کا پیارا تھا اور اپنے پیارے کی خاطر وہ کانٹوں سے بھی نباہ کرنے کو تیار تھے۔ سعیدہ بیگم تو ایک انسان تھیں' جھوٹی انا کی قیدی' ذات کی خوش فہمیوں کی اسیر۔ سب نے انہیں کم فہم جانا دشمن نہیں۔ شبیر تو غفور بابا کی بات سنتے ہی جمال احمد کے پاس چلا آیا' ممی سے مشورہ کیا۔

"سچ پوچھو تو ممی اس خوشی میں یہ کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی' بڑوں کے آگے جھک کر چھوٹے عزت پاتے ہیں۔ بہر حال وہ تمہاری ماں ہیں' دکھوں میں گھری ہیں۔ انہیں تنہا چھوڑ دینا مناسب نہیں۔"

"میں بہت دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ شاہنواز بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں تم سے لیکن کہہ نہیں سکتے۔ شاید ان کا یہی مدعا تھا۔ جس کے اظہار کی جرات نہ تھی ان میں۔"

"ڈیڈی! فاصلے نفرتوں سے بڑھتے ہیں۔"

"ہاں بیٹے۔ محبتیں صدیوں کی مسافت منٹوں میں طے کر لیتی ہیں' بڑی تیز رفتار اور زود اثر ہوتی ہیں محبتیں' روح کے زخموں کی بہترین معالج ہوتی ہیں۔ سارے دکھ دور کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ مگر ایک بات ہے محبتیں جھک جانے کا درس بھی دیتی ہیں۔"

"تو آپ کے خیال میں جھک جانے میں کیا عار محسوس ہو سکتا ہے۔ بچے اپنے ماں باپ کے آگے جھک کر خدا کی خوشنودی ہی حاصل کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہیں یہ نہیں لکھا کہ جن پر احسان کیا جائے' وہ ماں باپ اس قسم

کے ہوں اور اس قسم کے نہیں۔ بس یہ لکھا ہے کہ وبالوالدین احسانا ہ"

"شاباش بیٹے۔ شاباش۔ مجھے فخر ہو رہا ہے' میرے دست محبت و شفقت سے مستفید ہونے والا بیٹا ایک اچھا انسان ہے۔ دوستوں سے محبت کرنے والا اور بدخواہوں کو معاف کرنے والا۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی ذات دشمنیاں کم کرنے والی ہو۔"

"ہم سب تمہارے ساتھ ہیں' وہ گھر بھی تمہارا ہے' ہم بھی تمہارے ساتھ وہاں جا سکتے ہیں' بہتر ہو گا کہ کل رات تمہاری کامیابی کی نوید ہمیں اسی گھر میں ہوتے ہوئے ملے۔"

نہ کسی نے کچھ کہا نہ کسی نے سنا' بعض باتیں دل کرتے ہیں' دل سنتے ہیں' آنکھیں پیغام رسانی کرتی ہیں۔ سعیدہ بیگم نے بانہیں پھیلائیں' ندامت کے ساتھ شبیر ان بانہوں میں سما گیا۔ فخر کے ساتھ اور بات ختم ہو گئی۔ طویل و عریض گھر کے سارے کمرے شام تک آباد ہو چکے تھے۔ جگمگا رہے تھے' اوپر کی منزل بھی اجالوں میں گھری تھی' خواتین گھر پر تھیں' مرد الیکشن کے نتائج کے لیے بے تاب تھے' کچھ گھر پر اور کچھ پولنگ اسٹیشنوں کے ارد گرد۔

ایک ہونے کا احساس برتر ہو جائے تو زندگی کتنی آسان ہو جاتی ہے اس گھر میں اکثر ایسے وجود تھے جو آج سے قبل ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔

لیکن اب ایک دکھائی دے رہے تھے' ان کو یکجا کر کے ایک دوسرے سے باندھ دینے والی ذات شبیر کی تھی۔ ان لمحوں میں ہر دل میں اہم مقام پر متمکن تھا شبیر۔ اس دن کے لیے ساری قربانیاں اسی کی ذات نے دی تھیں۔ یہ سہانا دن اسی کے ایثار بھرے جذبوں کا مرہون منت تھا۔ اور ان لمحوں میں وہ خود ہر شے سے بے نیاز اپنی تقدیر کا وہ فیصلہ سننے کا منتظر بھی۔ جو عوام نے اس کے حق میں یا اس کے خلاف دینا تھا۔

اس وقت وہ بار ایسوسی ایشن کے دفتر میں اپنے ساتھی وکلاء کے گھیرے میں قید تھا۔

"بڑے مطمئن ہو یار عسکری۔ لگتا ہے کامیابی کی پوری امید ہے۔" ظفر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں یار! اطمینان کے لیے یہ بات ضروری نہیں' جو بھی ہونا ہے ہو کر ہی رہے گا آج کا دن بھی جانچ کا دن تھا' آدمی زندگی بھر امتحان دیتا رہتا ہے' اخلاقیات کے شعبے میں کردار کے قلم سے سوال حل کرتا ہے' جانچ کرنے والے ممتحن عوام ہوتے ہیں' نمبر لگا دیتے ہیں' میں تو بس اسی بات پر مطمئن ہوں عوام اچھے ممتحن ہوتے ہیں' نمبر دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ ایک پلڑے میں میری ذات ہے اور دوسرے میں ان کی رائے' فیصلہ ہو ہی جائے گا' ہار اور جیت کا۔"

سب ہنس دیے' دوسرے نے جھٹ کہا۔

"ویسے یار! ہم نے تمہیں اس لیے یہاں بٹھا رکھا ہے کہ......"

"کہ جیت کی خوشی ہو یا ہار کا غم دونوں کو نارمل بنا سکو' ہے نا۔ میں دونوں کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں۔"

شبیر نے اس کی بات مکمل کر دی۔

"ہم ہارے بھائی۔ تم انسان نہیں کوئی دوسری شے ہو۔ کم از کم ہماری سمجھ سے باہر۔" ظفر نے پھر کہا بلکہ ہاتھ جوڑ کر کہا' شبیر نے قہقہہ لگایا۔

فون کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی' سب گھر والے سو گئے تھے' بس وہ ہی جاگ رہی تھی' جانے کیوں نیند آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔ اسے انتظار تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی خواہ کچھ بھی تھا۔ بے شک وہ اس سے دور تھی

بے گانہ تھا' غیر بن چکا تھا۔ لیکن ایسے کسی دن کا خواب تو دونوں نے مل کر دیکھا تھا۔ کئی بار وہ متعلقہ الیکشن آفس میں فون کر چکی تھی' لیکن کچھ پتا نہ چل سکا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کسی آفیسر نے بڑے رسان سے اسے سمجھایا تھا۔

"بی بی! حلقہ انتخاب میں دیہی علاقہ زیادہ ہے' شہر کی نسبت اور آپ جانتے نتائج آنے میں کچھ تو دیر لگے گی ہی' ویسے اب تک کے رزلٹ کے مطابق شبیر عسکری لیڈ کر رہے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی لمحہ آخر آنے تک صورت حال بدل بھی جاتی ہے۔"

اس کے دل میں دھکڑ پکڑ ہونے لگی تھی اور اب فون کی بجتی گھنٹی پر اس نے اس لیے فون نہیں اٹھایا تھا کہ وہ جلد از جلد خود فون کرنا چاہتی تھی۔ جونہی گھنٹی رکی اس نے ریسیور اٹھالیا۔

مگر...... یہ کیا؟ اسے پتا ہی نہ چل سکا تھا' فون کی گھنٹی رکنے کا سبب تھا' فون ابا جان نے اٹھالیا تھا۔

"پھوپھا جان آپ کو مبارک ہو۔ میں یہ سیٹ جیت چکا ہوں۔ آپ سب کی دعاؤں کے سبب۔"

یہ...... یہ آواز۔ یہ آواز تو۔

"سچ بیٹا! میں بھی اسی انتظار میں جاگ رہا تھا' تمہیں بھی مبارک ہو' خوشی کی یہ انمول گھڑیاں۔ میں ابھی آرہا ہوں۔ کہاں ہو تم۔ کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں تو اپنے آفس میں ہوں' ابھی گھر جاؤں گا' لیکن آپ میرے گھر نہیں' پاپا کے گھر آیئے گا۔"

"پاپا کے گھر یعنی شاہ' شاہنواز کے ہاں کیا مطلب؟"

"کیوں پھوپھا جان! کیا وہ میرا گھر نہیں؟"

"ہاں بیٹا! وہ بھی تمہارا گھر ہے مگر۔"

"پھوپھا جان وہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ آپ سے کہہ ہی نہ سکا۔ مگر میں جانتا ہوں' آپ اسے ایک اچھا قدم قرار دیں گے' آپ آیئے' میں بھی نکل رہا ہوں' خدا حافظ۔" اس نے فون رکھ دیا۔

ایک طویل مدت بعد اس نے یہ آواز سنی تھی' چکرا کر رہ گئی فون رکھا' اس کی آواز نے دل کے تاروں میں ارتعاش برپا کیا تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہ پا رہی تھی۔ اس کی جیت نے خوشی دی تھی' وہ مسکرا رہی تھی' اس کی ذات سب نے تسلیم کر لی تھا۔ اسے اطمینان ملا تھا مگر وہ اور شبیر سدا کے لیے بچھڑ گئے تھے' وہ کسی اور کا ہو گیا تھا گوہر کسی اور کے آنگن میں آباد ہونے جا رہی تھی۔

یہ بات ان سب باتوں پر بھاری تھی' جس نے ٹپ ٹپ آنسوؤں کی قطار اس کے دامن میں اتار دی تھی۔

"کوئی محبتوں کے جواب میں بے نیازی اور بے پروائی بھی دیتا ہے شبیر۔ یہ بے گانگی اور دوری بس میرے لیے ہی تھی صرف میرے لیے' سب کچھ سنور گیا۔ بس میرا نصیب ہی بگڑا رہ گیا۔ میں۔ میں...... کیا میں اتنی ہی کم نصیب تھی؟ کہ اپنی بے مثال قربانی کے بعد بھی تمہیں نہ پا سکی۔"

"گوہر...... گوہر بیٹے۔" عاصم حسنین نائٹ کوٹ پہنے مفلر گلے میں ڈالے جانے کو تیار کھڑے تھے' خوش و خرم۔ اس کے کمرے میں روشنی دیکھ کر ادھر آ گئے تھے۔

"بیٹے! گیٹ بند کر دو شاید میں واپس نہ آؤں' شبیر کا فون آیا تھا نا' ابھی وہ جیت گیا ہے' ارے یہ تم رو رہی ہو۔"

وہ ایک دم چونک کر اسے بغور دیکھنے لگے' ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک دم ان سے لپٹ گئی۔ زار و قطار رونے لگی۔

"کیا ہوا بیٹے خیر تو ہے۔"

"وہ فون میں نے بھی ریسیو کیا تھا بابا۔"

"بڑی عقل والی ہو' خوشی کی بات پر دھواں دھار رو رہی ہو۔"

"بات خوشی کی ہے بابا لیکن۔" اس کی بات سسکی میں ڈوب گئی۔

"لیکن کیا؟"

"یہ وہ خوشیاں ہیں جو میں کھو چکی ہوں' جو مجھ سے چھین چکی ہیں۔ جن پر میرا کوئی حق نہیں رہا۔ یہ خوشیاں مجھے صرف رلا سکتی ہیں' ہنسی نہیں بخش سکتیں' یہ پرائی خوشیاں ہیں بابا۔"

"غلط۔ غلط۔ ایک دم غلط۔ یہ آنسو پونچھ لو۔"

عاصم حسنین بچوں کی طرح چہکے' گوہر نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ وہ اس کے آنسوؤں پر مسکرا رہے تھے وہ حیران تھی۔

"ایک وعدہ کرو۔" وہ گویا ہوئے۔

"جی کیسا وعدہ۔" اس نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

"تم کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"کیا مطلب بابا؟"

"اگر کسی کو خبر ہوئی کہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے تو مجھ پر خیانت کا الزام آ جائے گا اور بیٹی کیا تم یہ گوارا کرو گی کہ اس عمر میں تمہارے باپ پر خائن ہونے کا الزام آ جائے۔"

"ایسی کیا بات ہے بابا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کسی کو کچھ خبر نہ ہوگی۔" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

عاصم حسنین نے اپنے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔ ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگے' وہ گھبرا گئی۔

"ان سب کو میری بیٹی پر ترس نہیں آیا۔ مگر باپ کے دل میں ان سارے لمحوں کا پورا پورا حساب موجود ہے۔ جو تم نے دکھوں اور آزمائشوں میں گھر کر گزار دیے۔ میں تمہیں اس خوشی سے محروم نہیں کر سکتا۔ جو تمہارا حق ہے۔ یہ خوشی جو میرے قدم زمین پر نہیں ٹکنے دے رہی۔ یہ خوشی سب سے زیادہ تمہاری خوشی ہے' میری جان گوہر۔"

"جی۔ جی۔ آپ۔ کیا...... کیا کہہ رہے بابا میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔" وہ ان کا منہ تک رہی تھی۔

عاصم حسنین نے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کیے اور اس کی پیشانی چوم لی۔

"میری پیاری بیٹی۔ سب نے شرارتاً یہ پلان بنایا تھا کہ تمہیں خبر نہ ہو۔"

"کس بات کی خبر بابا؟"

وہ بھی تجسس کا شکار ہو کے سب کچھ بھول گئی۔

"اس بات کی کہ تمہاری شادی میجر عیلام سے نہیں شبیر سے ہو رہی ہے۔"

عاصم حسنین نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی اور اسے حیران و پریشان چھوڑ کر آگے بڑھ گئے' کتنی دیر اس کے قدم زمین پر جمے رہے اور وہ عاصم حسنین کے الفاظ پر غور کرتی رہی جو اس کی سمجھ میں آ کر بھی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

کوریڈور میں ان کے قدموں کی آواز مسلسل دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سوچنے کے قابل ہوئی تو ان کے

تعاقب میں دوڑ پڑی۔

"بابا..... بابا..... بابا۔"

وہ ہانپ رہی تھی۔ کانپ رہی تھی' پھر اسے لگا کہ اس کی ساری طاقتیں زائل ہوگئی ہیں' سارے حوصلے جواب دے گئے ہیں' سماعتیں جیسے کہ بہرہ ہوگئی ہیں' بصارتیں بے نور ہوگئی ہیں' گویائی سلب ہوگئی ہو خوشی ہو یا غم دونوں کا یوں اچانک حملہ آور ہونا ایسے ہی ساری طاقتیں چھین لیتا ہے۔ ان کے پیچھے دوڑتی وہ پورچ تک آگئی تھی وہ رک گئے۔

"بابا۔" وہ بچوں کی طرح ان سے چمٹ گئی۔ اس کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

"یہ خوشیاں تمہیں مبارک ہوں' بیٹی خدا کرے شبیر اور اس کی کامیابیاں سدا تمہاری رہیں۔ ان لمحوں میں ایک باپ کے دل کی دعا اس کے سوا کیا ہوگی؟"

وہ کتنی دیر اسے اپنے ساتھ لگائے' اپنے آپ میں چھپائے کھڑے رہے' پھر آہستگی سے اسے خود سے جدا کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"شبیر تمہارا ہے۔"

یہ دلکش گیت گاتی ہواؤں کی ٹھنڈک ایک دم حرارت بخش حیات میں بدل گئی۔ ہوائیں' فضائیں' زمین و آسمان' چاند اور ستارے لان میں بکھرے خوش رنگ پھول' پھولوں کی مدھر خوشبو۔ سب اس سے کہہ رہے تھے۔ سرگوشیوں میں......

"شبیر اور اس کی کامیابیاں تمہیں مبارک ہوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ساری صدائیں سن رہی تھی' کبھی مسکراتی' کبھی اپنے آنسو پونچھتی۔ کبھی اپنی آہوں کو دباتی۔ کبھی ہنسی کو روکتی۔

"یہ کیا ہے اے رب لم یزل۔ اے رحمٰن' اے رحیم' یہ سب کیا ہے۔ کیا ایک حقیر بندی پر رحمتوں کی بارش۔ یہ پل میں کیسے دنیا بدل گئی ہے میری۔" وہ بھاگ کے اندر آئی اس کی وارڈ روب کے اوپر کے خانے میں قرآن پاک کا نسخہ سجا تھا۔ وہ وارڈ روب کا پٹ کھول کر قرآن پاک والے خانے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر رونے لگی۔

"یہ کیا دے دیا ہے اے خالق دو جہاں۔ یہ کیسی کایا پلٹ دی۔ میرا دامن تو بہت تنگ ہے یہ انعام مجھ سے سمٹ ہی نہیں پا رہے ہیں۔ بکھرے جا رہے ہیں میرے ارد گرد" بڑی دیر وہ روتی رہی۔ دل کا سارا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اب..... لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ اور آنکھوں میں پا لینے کا اطمینان پورے اعتماد سے بس چکا تھا۔

"اچھا تو میرے سارے اپنے مجھے تنہا چھوڑ چکے تھے صرف اس راز کی پاسداری میں۔" اس نے بڑے غصے کے ساتھ سوچا۔ "جو بابا نے مجھے بتا دیا ہے' یہ محاذ آرائی میرے خلاف تھی' ٹھیک ہے سب ٹھیک ہے' جیو بابا ہزاروں سال جیو۔ آپ نے مجھے زندگی دے دی۔ ان سب کو مزا تو میں چکھاؤں گی۔ اس شبیر کے بچے کو بھی کوئی اور نہیں تو وہ ہی ترس کھا لیتا مجھ پر۔"

اس نے دانت کچکچائے' رات جو تھوڑی سی باقی تھی کٹ گئی' نئی صبح کے اجالوں نے زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل ڈالا تھا۔ اس نے وقت گزرنے کا انتظار بڑی بےتابی سے کیا تھا۔ نو بجے' وہ فون کی طرف بڑھی۔

☆☆

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ رات بھر کی جگار کے باعث نماز فجر کے بعد سب سو گئے تھے۔ ایک شخص ایسا تھا' جو نہ سکا تھا اور تازگی کے احساس کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ خوشیوں کی اچانک بارش اور مسرتوں کی یلغار بھی تو نیندیں چھین لیتی ہے' کبھی کبھی۔

اس کے ساتھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ کتنی بار دل نے اکسایا تھا گوہر کو فون کرنے پر' بلکہ دل نے تو سارا حال کہہ دینے کی ضد بھی کی تھی۔

مگر وہ ہارون احمد واسطی کو دیے عہد کی زنجیروں میں جکڑا اس سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور تکیے پر سر رکھے سوچ سوچ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

کیا چاہتے ہیں یہ لوگ' وہ اب بھی..... سزا بھگتتی رہے۔ یہ ناانصافی ہے شبیر۔ اسے فون کرو اور بتا دو سب کچھ سب ہی کچھ' کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم دونوں مل کر ان سب کو بے وقوف بنا ڈالو۔ اچھو دیر نہ کرو۔ بہت دکھ سہہ لیے تم دونوں نے' دوریوں کا عذاب بھگت لیا بہت دن۔ یہ خوشی اس سے شیئر کر کے ہی خوشیوں کا اصل رنگ دیکھ سکو گے۔ کیسا ادھورا! ادھورا لگتا ہے یہ سب کچھ اس کے بنا۔

وہ سوچ گیا گھنٹی پھر بج رہی تھی۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیلو۔ شبیر عسکری۔"

"گوہر بول رہی ہوں۔" وہ ایک دم اچھل کر سیدھا ہو بیٹھا۔ کتنی غیر متوقع صورت حال اسے درپیش تھی۔

"تم..... تم..... تم کیا ہم آج بھی ایک سا سوچتے ہیں ایک ہی وقت میں سوچتے ہیں۔ میری اپنی گوری۔" وہ یہ کہہ نہ سکا اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے مگر اس نے خود پر قابو پایا۔

"جی فرمایئے۔ کس سے بات کرنا ہے؟"

اس نے اجنبی بن جانے کی پوری سعی کی۔

"آپ ہی سے شبیر شاہنواز عسکری بار ایٹ لاء سے..... جو اس وقت غیر سرکاری نتائج کے مطابق ممبر بھی ہیں اس ملک کی نیشنل اسمبلی کے۔"

ادھر بھی لہجہ کچھ کم اجنبی نہ تھا۔ اس نے زور سے مکا مارا تکیے پر۔ وہ تو جھوٹ موٹ اجنبی بن رہا تھا اور گوہر سچ مچ کی بیگانہ اور پرائی لگ رہی تھی۔

"جی..... جی فرمایئے۔" اب کے اس کا لہجہ آپ ہی آپ بدل گیا۔

"کسی اجنبی کے ساتھ سفر کے دو پل مل کر کاٹ لیے جائیں تو وہ بھی ذہن کی تختی پر موجود رہتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ہم نے زندگی کا بہت سا سفر ایک ساتھ کاٹا ہے۔ اخلاق کے کچھ ضابطوں نے مجبور کیا کہ..... کہ..... اس رفاقت کے پاس میں دو حرف مبارک باد کے ہی کہہ دوں۔ مبارک ہو شبیر شاہنواز عسکری یہ کامیابی۔"

"تھینک یو..... اور کچھ.....؟" اب وہ پھر سے اجنبی لگ رہا تھا۔ اور بڑے عجیب لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"جی نہیں اور کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" گوہر کے لہجے میں واقعی کچھ نہیں تھا۔ یا شبیر کو اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

"اس یاد آوری کا شکریہ۔" اس نے لہجے میں طنز بھرا۔

"خدا حافظ۔" رابطہ کٹ چکا تھا۔ جھنجلا کر شبیر نے فوراً ہارون واسطی کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" خمار بھری آواز یقیناً ڈاکٹر ہارون کی ہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف گئے

تھے۔ شبیر نے چھوٹتے ہی انہیں سخت لہجے میں پکارا۔

''ہارون بھائی!''

''او شبیر! نیئی پرابلم۔ کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا..... اور یہ غصہ؟''

''پرابلم ہی پرابلم! بس بہت ہوگئی۔ اب ڈراپ سین کر دیں۔''

''کیا مطلب یار؟ میں سمجھا نہیں۔''

''ابھی ابھی اس نے فون کیا تھا۔''

''کس نے؟''

''ہونے والی نے۔''

''ارے گوہر نے مگر کیوں؟''

''کیوں کیا۔ یہ مجھے خبر نہیں۔ مگر ہارون بھائی اس کا اجنبی لہجہ اور بے گانہ پن میرا دل چیر گیا۔ آج بہت بڑی خوشی کا دن ہے اور میں آپ سب میں گھر کر بھی خود کو تنہا لگ رہا ہوں۔ میں فون کر کے اسے سب بتانے لگا ہوں۔''

''ڈونٹ بی سلی یار! کیا احمقانہ سوچ ہے۔ کچھ دن صبر کر لو۔''

''آپ سب دشمن ہیں اس کے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے ایک دم خوشی پا کے شادیٔ مرگ بھی۔ کیا چاہتے ہیں آپ میں اسے پا کے بھی کھو دوں۔''

''ایسا ویسا کچھ نہیں ہوگا یار۔ تم بے صبرے ہو رہے ہو اور بس..... اب تو یہ بات بڑوں کے کانوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔ کیا سوچیں گے وہ کہ ہم چھوٹوں میں اتنا سا حوصلہ بھی نہیں ہے۔ اک ذرا سا ایڈونچر ہی تو ہے۔''

''او۔ کے۔ آپ کی جو مرضی۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ بے دلی کے ساتھ۔

شہر کا شہر گھر میں امڈ آیا تھا۔ پھولوں کے گلدستوں سے پورا گھر بھر گیا تھا۔ شہر میں جگہ جگہ شبیر کی کامیابی کی خوشی منائی جا رہی تھی۔ جمال احمد، شاہنواز، عاصم حسنین، دلنواز، کاظم حسنین سب کے سب مردانے میں آنے والوں کے ہجوم..... میں گھرے تھے، خوشی بھرے پیغام وصول کر رہے تھے۔ زبانی بھی اور فون کالز کے ذریعے بھی۔ یہ خبر شبیر کے غیر ملکی دوستوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ تہنیتی تاروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جو اندرون ملک اور بیرون ملک دونوں سے ہی آئے تھے۔ آج کے روزناموں میں شبیر عسکری کا ذکر بڑے نمایاں الفاظ میں تھا۔ مقامی اخباروں کے علاوہ صوبائی دارالحکومت سے شائع ہونے والے پرچوں میں اس کا تفصیلی تعارف شائع ہوا تھا۔ اس کا فیملی اور سوشل بیک گراؤنڈ اس کا تعلیمی دور یہاں تک کہ اس مشہور مقدمہ قتل کی داستان بھی جو اس پر محض ایک الزام تھی اور وہ مختصر سا عرصہ صدارت جس میں اس نے اپنی جامعہ اور طلبا کے لیے بہت سے اہم کام سر انجام دیے تھے۔ اس عرصہ صدارت کا نمایاں انداز میں ذکر تھا۔

تیسری شام ملک کے کثیر الاشاعت اخبار کا نمائندہ خصوصی اس سے انٹرویو کرنے آ گیا۔ جمال احمد اور شاہنواز بھی انٹرویو کے دوران اس کے ساتھ رہے۔ انٹرویو خاصا غیر سیاسی بھی تھا اور کہیں کہیں سیاسی بھی ذاتی نوعیت کے کافی سوال تھے۔ گھریلو زندگی کا حال بھی سوالوں کا حصہ تھا۔ تصویریں بھی لازمی امر تھیں۔ شبیر اخباری نمائندے اور فوٹو گرافر سے معذرت کر کے اندر آ گیا اور سعیدہ بیگم کو بلا لایا۔

ایک طرف شاہنواز ..... ری طرف شبیر اور درمیان میں سعیدہ بیگم۔ ایک تصویر ممی اور جمال احمد کے ساتھ۔ ایک تصویر دلنواز عسکری ..... جو چند دن ہوئے اہم سرکاری عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے اور بیورو کریسی کی خاصی اہم شخصیت کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

ہفتہ واری تمثیل کے ..... رنگین صفحہ اس کے انٹرویو سے پر تھا۔ نیوی بلیو تھری پیس سوٹ میں اس کی خوبصورت ترین تصویر نے اخبار کا ایک چوتھائی حصہ گھیر رکھا تھا۔ چہرے پر صحت کی سرخی۔ خوشی کی رونق اور آنکھوں میں سدا ..... چمک جو اس کی شخصیت کی خاص بات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس نے الیکشن کا دھندا ختم ہوتے ہی پہلی فرصت میں منیر عسکری والے کیس پر توجہ دی۔ متعلقہ پولیس اسٹیشن کے انچارج سے رابطہ کیا۔ ایف۔ آئی۔ آر کی کاپی نکلوائی۔ رپورٹ دیکھی۔ غور سے اس کو پڑھا۔

رپورٹ کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ شام ڈھلے پانچ چھ لڑکے شاہراہ پر جانے والی ایک نئے ماڈل کی ٹیوٹا کرولا کے تعاقب میں نکلے جس کار میں وہ سوار تھے اس کا نمبر بھی رپورٹ میں درج تھا۔ مقتول جو کار کا مالک بھی تھا کار میں اکیلا تھا۔ کافی دور جا کر جب آبادی کے آثار نہ رہے اور دور دور تک ٹریفک بھی نہ پائی گئی۔ ملزمان نے ٹیوٹا کو اوور ٹیک کرنے کی کوشش کی۔ جونہی ان کی گاڑی ٹیوٹا کے برابر پہنچی ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ملزم نے مقتول پر ریوالور تان لیا اور اسے گاڑی روک کر نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ مقتول نے اپنی جان بچانے کی خاطر اور یہ سوچ کر کہ ملزمان زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ اس سے نقدی ہتھیا لیں گے گاڑی روک دی اور نیچے اتر آیا۔ پھر چھ ملزمان نے جو گاڑی میں موجود تھے اتر کر اسے قابو کر لیا۔ اس سے نقدی، رسٹ واچ، انگوٹھی اور گاڑی کی چابی چھین لی۔ اور اسے زدوکوب کرتے ہوئے دھکا دے کر دور پھینک دیا۔

چار ملزمان مقتول کی گاڑی میں جا بیٹھے۔ دو سڑک پر کھڑے رہے۔ گاڑی میں بیٹھے ملزمان میں سے ایک نے پکار کر کہا کہ مقتول کا کام تمام کر دو تا کہ کوئی گواہ اور کوئی ثبوت ہی باقی نہ رہے۔ سڑک پر کھڑے ملزمان میں سے ایک نے مقتول پر گولی چلا دی۔ ابھی وہ سڑک پر کھڑے تھے ان کی اپنی گاڑی ان سے کچھ فاصلے پر تھی کہ اچانک ٹریفک پولیس کے انسپکٹر کی جیپ وہاں آ موجود ہوئی۔ ملزمان بوکھلا کر ٹیوٹا کی طرف لپکے۔ لیکن ان کے پہنچنے سے قبل دوسرے ملزمان گاڑی بھگا لے گئے۔ ٹریفک پولیس کے انسپکٹر نے ہر دو ملزمان اور ان کی گاڑی کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اسی وقت متعلقہ پولیس اسٹیشن کے انچارج کے حوالے کر دیا۔ مقتول اس وقت حیات تھا اس نے انسپکٹر کو بیان لکھوایا مقتول کو لڑکوں کی تعداد یاد تھی لیکن سب کی شکل و صورت نہیں۔

مقتول قریبی بڑے شہر کا متمول تاجر تھا۔ اور کاروبار کے سلسلے میں دوسرے شہر جا رہا تھا۔ ملزمان شاید اس سے باخبر تھے اور بڑی دیر سے اس کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے اسی وقت شاہراہ کی ناکہ بندی کا حکم دے دیا۔ مطلوبہ ٹیوٹا کرولا شاہراہ پر کھڑی مل گئی لیکن چار ملزمان کا پتا نہ چل سکا۔ وہ گاڑی سے اتر کر فرار ہو گئے۔ وہ گاڑی جس میں ملزمان سوار تھے منیر کے ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے کاغذات سمیت پولیس کے قبضے میں آ گئی۔ پکڑے جانے والے ملزمان نے بتایا کہ منیر عسکری بھی ان کے ساتھ تھا اور مسروقہ گاڑی وہی ڈرائیو کر کے لے گیا تھا۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ منیر ان دنوں اپنی ممی کی ڈانٹ ڈپٹ اور پاپا کے غصے اور ناراضگی کے ڈر سے اپنی روز مرہ بے جا مصروفیات ترک کر چکا تھا اور وقوعے کی شام وہ گھر پر ہی تھا۔ ایس۔ ایچ۔ او نے ان کے گھر فون کیا

تو وہ کھانے کی میز پر ماں اور بہن کے ساتھ موجود تھا۔ یہ سنتے ہی کہ اس کی گاڑی قتل اور ڈاکے کی واردات میں موقعہ واردات پر پولیس کے قبضے میں آ گئی ہے اس کے چھکے چھوٹ گئے۔

سعیدہ بیگم کو خبر ہی نہ تھی کہ گاڑی اس کے دوستوں کے پاس ہے۔ انہوں نے بوکھلا کر ایس ایچ او سے کہا کہ منیر ابھی گھر پر تھا اب باہر گیا ہے اور جس وقت آئے گا انہیں اطلاع کر دی جائے گی۔

منیر نے بتایا کہ اس کے دوست کسی دوست سے ملنے کے بہانے اس سے گاڑی مانگ کر لے گئے تھے۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ گاڑی اتنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔

حواس باختہ سعیدہ بیگم نے اسی وقت منیر سے گھر چھوڑ کر جانے کی التجا کی اور اسے گھر سے دور بھیج دیا۔ منیر کی روپوشی نے پولیس کے شک کو ملزمان کے بیان کی روشنی میں یقین میں بدل دیا۔ شاہنواز عسکری کو خبر ہوئی تو وہ خود پولیس اسٹیشن گئے اور کہہ دیا کہ پولیس اپنی چھان بین اور تفتیش کے بعد ان کے بیٹے کو مجرم پائے تو اس کو حسب جرم سزا دلوانے کے لیے ضرور عدالت کے روبرو پیش کرے اور اس کی بازیابی کے لیے وہ ہر ممکن تعاون کے لیے تیار رہیں گے۔ منیر کا نام ایف۔ آئی۔ آر میں درج نہیں تھا۔ لیکن وہ اس دن کا گیا لوٹ کر گھر نہیں آیا تھا۔ جبکہ پولیس سادہ کپڑوں میں ہمہ وقت اس کے گھر کے ارد گرد موجود رہتی تھی۔

شبیر نے ان سارے واقعات کی روشنی میں کوئی زود اثر اور مناسب حل ڈھونڈنے میں اپنی ساری قابلیت صرف کر دی اور منیر کو ہر ممکنہ جگہ تلاش کرنے کی ذمہ داری کئی لوگوں کے سر ڈال دی۔ جو دو ملزم پولیس کی کسٹڈی میں تھے اور جن میں سے ایک کو گولی چلاتے خود پولیس انسپکٹر نے دیکھا تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ منیر بھی ان کے ساتھ تھا۔ جبکہ پولیس جیپ کے ڈرائیور کا کہنا تھا کہ اس نے دور سے سب ملزمان کو دیکھا تھا اور وہ ہر چہ ملزمان کو سامنے آنے پر شناخت کر سکتا تھا۔ چار مفرور ملزم مل جاتے یا صرف منیر فیصلہ ان میں سے کسی ایک بات پر ہو سکتا تھا۔

اس شب جب شادی میں صرف دو تین کا وقفہ باقی تھا اور تیل اور مایوں کی رسم کے لیے خواتین دلہن کے ہاں جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ شبیر منیر کی تلاش میں خارزاروں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔

اسے ایک ماں کے اندر کے احساسات کی خبر تھی۔ وہ جانتا تھا سعیدہ بیگم کے لیے ان حالات میں خوش اور مطمئن رہنا ناممکن تھا۔ شازیہ پاپا کے فون کرنے پر چھٹی لے کر آ گئی تھی ارم بھی شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں خاصی مصروف تھی۔ دونوں نندیں اس سے ہنس بول لیتی تھیں۔ ہنسی مذاق کرتیں۔ سعیدہ بیگم مہمانوں کی آؤ بھگت میں مصروف رہتیں۔ شاہنواز کے ساتھ روز بازاروں کے چکر لگاتیں لیکن وہ جانتا تھا کہ بے شک ان کی آنکھیں نم نہیں۔ لب متبسم ہیں لیکن دل رو رہا ہے۔ اس دن جب شبیر نے انہیں ساری صورت حال بتائی تو خوشی کی کرن چہرے پر اترتے ہی معدوم ہو گئی۔

"بیٹے! اگر پولیس کی گاڑی کے ڈرائیور نے منیر کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی ان لڑکوں میں شامل تھا تو؟ بیٹے تم منیر کو چھپا ہی رہنے دو۔ مجھ پر اعتبار کر سکو تو سچ یہی ہے کہ اس شام وہ گھر میں ہی تھا۔ نہیں نہیں شبیر! اسے پولیس کے سامنے مت لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے گناہ ہی....."

سعیدہ بیگم کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ شبیر کو اپنے ماضی کے تلخ ایام یاد آ گئے۔ یاد تو سعیدہ بیگم کو بھی بہت کچھ آیا۔ اور اس سب کو یاد کر کے ان کا سر جھک گیا۔ انہوں نے سر اٹھایا تو شبیر انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا بیٹے! انسان سے بھول ہو جایا کرتی ہے۔ میں تمہیں سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ واقعی جان ہی نہ سکی

تھی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"مما! آپ فکر نہ کریں ماضی کو تو ویسے بھی بھلا دیں کہ اس میں ہم سب کے لیے بہت زیادہ اچھی یادیں نہیں ہیں اور یقین رکھیں۔ ایک دو دن میں ہی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ظہیر تو ہم سے دور ہے لیکن منیر ساری خوشیوں میں ہمارا شریک ضرور آن بنے گا۔"

انہوں نے شبیر کے مضبوط کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ شبیر نے انہیں اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔

"جس ماں کا تم جیسا بیٹا ہو اسے واقعی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

شبیر گھر سے دور تھا لیکن اس کے حوالے سے گھر میں در آنے والی خوشیوں کا افتتاح ہو چکا تھا۔ خواتین گاڑیوں میں بھر کے دلہن کی طرف جانے کو تیار تھیں جب شبیر کی گاڑی گھر کے باہر رکی۔ اور وہ اور منیر ایک ساتھ اترے سعیدہ بیگم گیٹ پر کھڑی تھیں۔ منیر بھاگ کر ان کی طرف گیا اور ان کے سینے میں سما گیا۔

"مما! میں آ گیا ہوں۔ شبیر بھائی نہ ہوتے تو....."

"سعیدہ..... سعیدہ بیگم۔"

منیر کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ شاہنواز کی بھاری بھرکم آواز سب کے کانوں میں آئی۔

"سعیدہ! خدا کا شکر ادا کرو۔ آئی۔ جی۔ صاحب کی خصوصی توجہ سے ملزم پکڑے گئے پولیس ڈرائیور نے انہیں شناخت بھی کر لیا۔ یہ سب شبیر کے دم سے ہوا۔ آئی۔ جی۔ صاحب شبیر کے پرانے محسن ہیں۔ شبیر نے پرسوں ہی ان سے بات کی تھی۔ ایس۔ ایچ۔ او نے مجھے بتایا ہے اب اس کیس میں منیر کی ضرورت صرف اس حد تک ہے کہ جب بھی عدالت اس کے بیان کی ضرورت محسوس کرے اسے یہ کہنا پڑے گا کہ..... گاڑی واقعی اس کی ہے اور ملزمان عاریتاً اس سے لے گئے تھے۔" وہ بڑے جوش سے کہتے خوش و خرم آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

"پاپا! شبیر بھائی منیر بھیا کو بھی لے آئے ہیں۔ وہ دیکھیے وہ دونوں مما کے ساتھ کھڑے ہیں۔"

شازیہ نے چلا کر کہا تو شاہنواز ان کی طرف دوڑے چلے گئے۔ جب منیر اپنی ماں کی اور شبیر پاپا کی باہوں میں تھا۔ مادرا نے ان جذباتی اور تاریخی لمحوں کو قید کر لیا۔ کیمرے کی فلم میں۔

"چلو بیٹا! تم لوگ اندر چلو۔ خواتین کو بڑی مدت بعد موقع ملا ہے ایک دوسرے پر رعب حسن جمانے کا انہیں جانے دو..... اندر جمال احمد نبیل ہارون افتخار عدی اور میجر یوسف بخاری تمہارے منتظر ہیں۔"

"تو یوسف بھائی بھی آ گئے ہیں۔" شبیر نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں۔ بتا رہے تھے آٹھ دن کی رخصت پر آئے ہیں۔ بڑی مشکل سے ملی ہے چھٹی۔"

"چلو۔ شکر ہے آ تو گئے۔" اسے یوسف بخاری سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا کہ از راہ اتفاق وہ اب تک ان سے نہ مل سکا تھا۔ ویسے عذرا کی شادی کی مووی اور تصویروں کے حوالے سے وہ انہیں پہچانتا ضرور تھا۔ کل شام تک اس گھر کی فضاؤں میں خوشیوں کی خوشگوار ٹھنڈک کبھی کبھی اندیشے کی گھٹن اور حبس میں بھی بدل جاتی تھی۔ لیکن اب جیسے سب لوگ ہلکے پھلکے ہو گئے۔ وہ اندر داخل ہوا تو دلنواز نے اسے پیار سے گلے لگا لیا۔

"مبارک ہو ینگ مین۔ تم میں واقعی چٹکی بجاتے مسئلے حل کرنے کی سوجھ بوجھ ہے۔ تم سچ مچ عوام کے ہر دلعزیز لیڈر بنو گے۔" شبیر ہنس دیا۔

"عوام کے متوقع ہر دلعزیز لیڈر سے پہلے ہمیں مشرف بہ ہم کلام ہوتے دیکھیے سر!" یوسف بخاری اس کی

طرف آئے تو شبیر نے ان سے گلے ملنے کے لیے بانہیں وا کر دیں۔

"شمی! یہ بندہ اس دنیا کا ایک خوش قسمت انسان ہے کہ ہم جیسی ہستیاں اس کے برادر زان لاء ہیں۔" عدی بھی قریب آ گئے۔

"بندے کو خود اس بات کا اقرار ہے۔" یوسف بخاری نے ادب سے سر جھکایا۔ پھر وہ چاروں سب کے ساتھ آ بیٹھے۔ موضوع گفتگو منیر کا مسئلہ ہی تھا۔ شاہنواز ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو شبیر نے جھٹ پوچھا۔

"منیر کہاں ہے بابا؟"

"اپنے کمرے کی طرف گیا ہے' تھکا ہوا تھا۔ لباس بھی خراب تھا اس کا۔ میں نے کہا تھوڑی دیر ریسٹ کر کے نہائے پھر ادھر آ کے سب سے ملے۔ بیٹا تم بھی کچھ دیر آرام کر لو۔"

ٹرن...... ٹرن...... ٹرن......

ابھی وہ بات کر رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی' ہر گھڑی ہر پل کسی مہمان کی آمد متوقع ہوتی تھی جو شبیر اور شاہنواز دونوں کے دوستوں پر مشتمل تھے۔

"ایک منٹ بیٹے! میں فون اٹینڈ کر لوں۔" شبیر وہیں رک گئے۔

"ہیلو شاہنواز اسپیکنگ۔"

"ہیلو...... تم...... یعنی ظہیر بیٹے۔" شبیر بھی چونک گیا۔

"کہاں ہو؟ ایئر پورٹ؟"

"اپنے شہر کے ایئر پورٹ پر۔ مذاق مت کرو۔ مائی سن۔ رئیلی تمہاری وائف بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اچھا انتظار کرو۔ ہم آ رہے ہیں تمہیں لینے۔ او کے بائے۔"

"کون ہے پاپا؟"

"بیٹے! ظہیر بھی آ گیا ہے۔ تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہوتے ہی میں نے اسے فون کیا تھا گھر آنے کو کہا تھا۔ اس وقت اس نے کوئی خاص جواب نہیں دیا تھا اچانک ہی آ گیا ہے اس کی بیوی اور ننھا سا بیٹا بھی اس کے ساتھ ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا اس نے وہیں شادی کر لی تھی۔" وہ بے حد خوش تھے۔

"میں۔ ڈرائیور کے ساتھ ایئر پورٹ جا رہا ہوں تم...... تم......"

"نہیں پاپا! آپ ڈرائیور کے ساتھ نہیں میرے ساتھ جائیں گے۔ آپ کو اپنی بہو اور مجھے اپنی بھابھی کو ویلکم کرنا ہے۔"

شاہنواز اس کا چہرہ تکنے لگے۔ دونوں کسی کو بتائے بغیر باہر آ گئے۔ تھکن کے باوجود شبیر اب بھی خود گاڑی چلا رہا تھا اور شاہنواز اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔

اس نے گاڑی رواں دواں سڑک پر ایک دکان کے آگے روکی۔ شاہنواز نہ سمجھ سکے۔ وہ گاڑی سے اتر کے دکان کی سمت بڑھا وہ پھولوں کی دکان تھی۔ جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں چنبیلی کے تازہ پھولوں سے بنے ڈھیر سارے ہار تھے اور ایک پیارا سا گلدستہ۔

اس نے دروازہ کھول کر پھول ان کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"یہ کیا ہے؟"

"پاپا! بہوئیں گھر میں آتی ہیں تو ان کو پیار کے ساتھ ویلکم کیا جاتا ہے اور پیار کے اظہار کے لیے پھولوں سے

بڑھ کے معاون اور کون ہوتا۔ یہ میں نے اپنی بھابھی اور بھتیجے کے لیے خریدے ہیں۔" اس نے گاڑی بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایئر پورٹ پر ظہیر بے تابی کے ساتھ ان کا منتظر تھا اس کی بانہوں میں ایک سرخ و سفید صحت مند ہنستا مسکراتا بچہ تھا اور پہلو میں اس کی بیوی کھڑی تھی۔ جس کا گلابی چہرہ آسمانی شلوار سوٹ اور دوپٹے میں بے حد معصوم اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ شبیر نے ظہیر یا بچے کی طرف توجہ دیے بغیر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنا تعارف آپ کرا دیا۔ ظہیر پاپا سے مل کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"شبیر بھائی!" وہ اس سے گلے ملا تو دھڑکنوں نے دھڑکنوں کو سارے پیام منتقل کر دیے۔

بچہ شاہنواز کے پاس تھا۔ ایک انجانی کشش نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ شاید وہ سدا سے چھوٹے بچوں سے محبت کرتا چلا آیا تھا یا یہ کہ یہ بچہ اس کے بھائی کا بچہ تھا اس کا خون تھا۔

"پاپا! یہ فضہ ہے میری بیوی۔"

"پاپا کو بہت پہلے سے اس کا پتا ہے۔ تم ہمیں اس گلاب کا نام بتاؤ۔ جس کی خوشبو بھی منفرد ہے اور روپ بھی۔"

شبیر نے اس کے گال چوم لیے۔ وہ گردن تھوڑی خم کر کے شبیر کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مسکرا بھی رہا تھا۔

"یہ ابھی صرف baby boy ہے ہم دونوں اس کا نام تجویز ہی نہیں کر سکے۔ کبھی کچھ کہہ کے پکارتے ہیں کبھی کچھ دراصل ہم دونوں کسی ایک نام پر متفق ہی نہیں ہو سکے اب تک۔" ظہیر مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"نو پرابلم۔ پاپا اور مما جو ہیں نا۔ ہم جو ہیں اور بچے کی دو عدد پھوپھیاں آخر اور کس کام آئیں گی۔ دیکھا گیا ہے کہ لڑکیاں نت نئے نام ناولوں اور کہانیوں میں سے چن چن کر اپنے دنوں کے لیے چھپا کے رکھا کرتی ہیں۔ کیوں پاپا۔"

"ہاں بیٹے! اگر ایسا ہے تو اچھا ہی ہوگا اب تو نئے ناموں کی ضرورت اکثر و بیشتر پڑتی ہی رہے گی۔ چلو بیٹی۔"

شبیر کو جواب دے کے شاہنواز نے فضہ کو مخاطب کیا۔ شبیر پاپا کی بات پر مسکرانے لگا۔ بہت سے شوخ و شریر لمحے اس کے تصور میں در آئے اور وہ اس ننھے سے پیارے سے بھتیجے کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

شاہنواز فضہ کے ساتھ پیچھے بیٹھے تھے۔ گاڑی میں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی۔ ظہیر نے پھولوں کا حسین گلدستہ اپنی آغوش میں بیٹھے بچے کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا اور فضہ کے گلے میں ڈھیر سارے ہار مسکرا رہے تھے۔

"شبیر بھائی!" ظہیر سر جھکائے پھولوں کی پتیوں کو ہولے ہولے چھو رہا تھا۔ شبیر نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"شبیر بھائی! کیا ان ساری زیادتیوں کی تلافی ممکن ہے جو۔ جو ہو گئیں۔ آپ کے ساتھ۔ کیا آپ ہمیں یعنی ہم سب کو معاف کر سکیں گے؟"

شبیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش آئی۔ لب کپکپائے لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ آپ دونوں ایک دوسرے میں اس قدر انوالو تھے۔ ورنہ میں کبھی یہ کہنے کی جرات نہ کرتا۔" وہ اپنا مدعا بیان کرنے میں ناکام رہا تھا لیکن شبیر کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی۔

"ظہیر! میرے ذہن میں موجود ساری خفگیاں' سارے گلے شکوے' تمہاری مسکراہٹ نے مٹا دیے' مجھے پرخلوص چہروں اور سچی مسکراہٹوں کی بڑی پہچان ہے۔ اور ایک بات غور سے سن لو۔ میں اس بات کو خود پر طاری کر کے باقی ساری باتیں بھلا چکا ہوں اور وہ بات جو مجھ پر طاری ہے مجھ پر حاوی ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سب ایک ہیں۔

آدمی جب اس بات کو مان لے تو باقی کس بات کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ میں ماضی کی بھول چکا ہوں۔ تم بھی بھلا دو تمہیں بھی خبر ہو گی۔ میرے بھی ذہن میں ہے۔ بڑا عرصہ گزرا' ہمارے پاپا بھی ایک لڑکی کو محبت کی ڈور میں باندھ کر غیر ملک سے اس ملک میں لے آئے تھے۔ نہ میں نے دیکھا انہیں نہ تم نے لیکن فضہ کو دیکھ کر ہم دونوں ان کو تصور میں لا سکتے ہیں۔ فضہ ہمارے گھر کی آبرو ہے' ہماری عزت ہے۔ وہ ہمارے گھر کی فرد بن کر آ رہی ہے۔ اسے ہم سب کی محبت کی ضرورت ہے کہ یہاں اس کا سب کچھ ہم ہی ہیں۔ رشتے گہری سوچ بچار کے بعد جوڑے جائیں اور پھر انہیں عمر بھر قائم رکھا جائے۔ ورنہ ایسے پھول سے بچے اپنے اصل سے جدا ہو جاتے ہیں اور ظہیر۔ شاید ہر بچہ شبیر سا نہیں ہوتا۔ یعنی شبیر جیسا خوش نصیب کہ ماں بچھڑ جائے تو ممی میسر ہوں پاپا چھوڑ دیں تو ڈیڈی کی شفقت مل جائے اور ہر بچے کے پاس ڈاکٹر ہنری جیسے نانا بھی نہیں ہوتے جو مصیبتوں سے چھڑا کر اپنے دامن کی پناہ بخش دیں۔ اس بچے کو عمر کے ہر پل تمہاری توجہ کی اور اس کی ماں کو ہر گھڑی تمہارے پیار اور محبت کی ضرورت ہو گی۔ تمہیں بس ہر دم یہی یاد رکھنا چاہیے۔"

شبیر کا لہجہ گمبھیر تھا اور آنکھیں تھوڑی تھوڑی نم۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے لڑکیوں نے اس کی گلوخلاصی کی تھی۔ زرد سوٹ میں کامدار کرن لگے دوپٹے کے ساتھ مناسب میک اپ میں وہ حد درجہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ گھنٹے مسلسل سر جھکا کر سب کے درمیان بیٹھے رہنا کوئی چھوٹا سا مسئلہ نہ تھا۔ پھر اندر کمرے میں آ کر بھی لڑکیوں نے اسے نہ بخشا تھا۔ ڈھولک بجا کر بے ہنگم گیت گا گا کر اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ بڑی دیر بعد کمرہ خالی ہوا تو اس نے دوپٹہ اتار کے ایک طرف رکھا۔ یہ پیلا ریشمی جوڑا جو اسے کچھ دیر پہلے پہنایا گیا تھا رواج کے مطابق اگلے دو تین روز اسے پہننے رکھنا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے اسے اس بات کا ہوش ہی کہاں تھا۔ ورنہ خبار بینی اس کی سب سے بڑی عادت تھی۔ ان دنوں وہ اس اخبار بینی سے ہی کیا اور بھی بہت سی باتوں سے بے نیاز تھی۔ اس کے قدم زمین پر تک ہی نہیں رہے تھے۔ وہ کسی آزاد پنچھی کی طرح فضاؤں میں پرواز کرنا چاہتی تھی۔ وہ اڑ کر شبیر تک پہنچنا چاہتی تھی۔ ایک پل میں' سے دیکھنا چاہتی تھی لیکن ابھی کچھ انتظار کچھ بے چینی کچھ اضطراب اس کا مقدر تھا۔

وہ باہر بیٹھے ہوئے اپنی ہنسی مسکراہٹ سب پر ضبط کیے رہی تھی۔ رازداری کی ایسی پابندی' ایسا نظم اس نے کہیں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے جھکے سر کے باوجود اس نے سب کی نظر بچا کر سب کو ہی دیکھ لیا تھا۔ اور اندازوں سے مسز جمال احمد کو بھی پہچان لیا تھا جو سعیدہ بیگم کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی مسز امین واسطی تھیں۔ دوسرے صوفے پر سدرہ آپا' عذرا' نیلما واسطی اور ان کے ساتھ ارم اور شازیہ تھیں۔ ان سب کے چہرے پھولوں کی طرح کھلے کھلے اور تروتازہ نظر آ رہے تھے۔ وہ سب آپس میں باتیں کر رہی تھیں کبھی

سرگوشیوں میں اور کبھی با آواز بلند۔ رسموں کی ادائیگی کے لیے ان میں سے کوئی اس لحاظ سے اس کے پاس نہیں پھٹکا کہ وہ اس کا سسرالی عزیز ہے۔ اس کے کالج کا اسٹاف' فسطینہ اور دور دور پرے کی رشتہ دار لڑکیاں' اس کی بھابھیاں' ماورا اور عاتکہ یا ان کی سہیلیاں اس کے اردگرد رہیں۔ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار اور سر پر کامدار دوپٹہ چچی اماں نے پہنایا۔ لڑکیوں نے اس کا ہاتھ پھولوں میں گندھے خوشبودار ابٹن سے بھر دیا' ورا ابھی وہ وہیں بیٹھی تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کو تنگ کرنے لگیں اور چچی اماں اس کے پاس بیٹھی رہ گئیں۔

اس کی نظریں برابر ان۔ سب کو دیکھتی رہیں جو اب بھی غیروں کی طرح صوفوں پر براجمان تھیں۔ جب اسے اندر لے جایا جانے لگا تو سعیدہ بیگم' مسز امین واسطی' اور مسز جمال اپنی اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس کے پاس آ گئیں۔ مسز جمال نے اس کی چمکتی پیشانی فرط جذبات سے مغلوب ہو کر چوم لی۔ سدرہ آپا نے اس کا چہرہ اونچا کر کے جی بھر کے اسے دیکھا۔

"چشم بددور۔"

"خدا بچی کو اپنی امان میں رکھے۔ دیکھیے سعیدہ بھابھی کیسا روپ چڑھا ہے۔ کتنی اچھی لگ رہی ہے۔"

"صفیہ آپا کی بیٹی ہے ہی اتنی پیاری اور اچھی۔" سعیدہ بیگم مسکرائیں۔

"اللہ جوڑی سلامت رکھے۔" مسز واسطی نے دعا دی۔

گوہر' مسز امین واسطی اور نیلما کو دیکھ کر بے حد حیران تھی۔ اور ان کے چہروں کی رونق نے' اندر سے پھوٹتی مسرتوں نے تو اسے پریشان کر دیا تھا۔

"مان لیا گوہر بیگم! کہ یہ شادی فی الواقع شبیر شاہنواز عسکری ولد شاہنواز عسکری سے ہو رہی ہے لیکن یہاں واسطی فیملی کا کیا کام۔"

اس کا ذہن الجھ سا گیا۔

جو ہرآپا کمرے میں آ گئیں۔

"توبہ ہے آپا! آپ تو یوں بدحواس ہو جاتی ہیں گویا ہر کام کی ذمہ داری آپ پر ہو۔ دو گھڑی میرے پاس نہیں بیٹھ سکتیں کیا؟"

"کیا کروں گوہر۔ واقعی ہر ذمہ داری مجھ پر ہی عاید ہے بھابھیوں کو تو ان کے بچے فارغ ہی نہیں ہونے دے رہے۔ پھر ان کے میکے کے لوگ بھی آج آ گئے ہیں۔ اماں نے کہہ دیا ہے' وہ اپنے اپنے میکے والوں کا خیال ہی رکھ لیں تو کافی ہے۔"

"آپ بھی پلیز صرف میرا خیال رکھ لیں تو بہت ہے' کام سنبھالنے والے' اور بھی بہتیرے ہیں۔ بیٹھیے تو سہی میرے پاس۔ کیا خبر پھر یہ وقت میسر ہو یا نہ ہو۔"

"کیوں؟ کیسے نہ میسر ہو گا وقت؟"

"بھئی صاف سی بات ہے' موصوف تو جی آدمی ہیں' اس شہر میں ٹک کر تو نہیں بیٹھ سکتے نا اور نہ مجھے یہاں چھوڑ کر خود دوسری جگہ چلے جائیں گے۔ آپا..... ایک بات تو بتاؤ۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"ہاں کیا بات؟"

"یہ ذات شریف کیا تن تنہا اس دنیا میں آئے تھے؟"

"کیا مطلب؟"

"بھئی! میں میجر صاحب کی بات کر رہی ہوں۔"

"کیا ہوا انہیں؟"

"تقریب ہوئی' سب لوگ آئے۔ لیکن۔ نہ ان کی والدہ نظر آئیں نہ کوئی بہن۔"

"وہ......وہ سب ملک سے باہر ہیں۔"

"کب سے؟"

"کافی دنوں سے۔ دولہا میاں نے تو بہت کہا لیکن یہ تمہاری ضد تھی کہ شادی جلد از جلد ہو۔ اس لیے وہ نہیں آسکیں۔"

"اور آپا......وہ مسز امین واسطی۔ وہ اور ان کی بیٹی۔"

جوہر کو کوئی جواب نہ سوجھا۔

"تم تو بال کی کھال نکالنے لگی ہو بھئی! تمہیں خبر نہیں ڈاکٹر ہارون اسی شہر میں ایک معروف اسپتال چلا رہے ہیں اور فیملی میں اور ان میں دوستی ہے۔ بلا لیا ہوگا انہوں نے۔"

"اور مسز جمال احمد اور ان کی بیٹیاں۔ وہ اس لیے تشریف لائیں کہ میں ان کی ہونے والی بہو کی سہیلی ہوں۔ واہ۔ واہ۔ بہت خوب۔ اچھے جواب ہیں۔"

جوہر نے گڑبڑا کر اسے دیکھا تو وہ جھٹ معصوم بن گئی۔ جوہر نے آنکھیں دکھائیں خود پر قابو پا کر۔

"اور کوئی پوچھ تاچھ کرنی ہو تو بندی حاضر ہے۔"

"ہاں پوچھنا تو ہے۔" اس نے بڑی ادا سے کہا۔

"پوچھو پوچھو' تامل کیسا۔"

"سنا ہے آپ کے ایک پرانے شناسا آپ کے کزن شبیر عسکری بھی یہیں ہوتے ہیں۔ وہ بھی خاصے مشہور معروف ہیں۔ اب تو ایم۔ این۔ اے بھی چنے گئے ہیں آپ کے عزت مآب شوہر نامدار یقیناً ان کے بھی دوست ہوں گے اور انہیں بھی بتایا ہوگا انہوں نے۔" اس نے بات چبا چبا کر کی اور جوہر کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے خاصا حظ اٹھایا۔

"اسے کیوں بلاتے؟ کیا تعلق باقی رہ گیا ہے اب؟"

"ایسے ہی کمی سی رہ گئی ہے آپا! ایک بات بتائیے۔ آپ میرے زخموں کے کھرنڈ اتار کر آخر کیا چاہتی ہیں۔ کیا یہی کہ ایک بار پھر عین شادی کے دن میں شادی سے انکار کر دوں۔ آپ نے ساری پرانی یادیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ میرے ارد گرد جمع کر دی ہیں۔" اس نے لہجے میں زمانے بھر کی محرومی' افسردگی اور ناکامی بھرنے کی کوشش کی۔

"گوہر! کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو' خدا نہ کرے جو تم کوئی ایسی غلط بات کہو۔ خدا تمہیں زمانے بھر کی خوشیاں نصیب کرے۔ بی ایزی مائی سسٹر' تم کہو تو میں ان سب کو منع کرا دوں گی۔ بے شک ہم لوگوں کو سب لوگ غیر مہذب اور بداخلاق ہی کیوں نہ گردانتے رہیں۔"

وہ چپ رہی۔ پوری بات سن کر بولی۔

"جو آپ کی مرضی' یہ بات پہلے سوچنے کی تھی۔ ویسے بھی اور کون سی بات ہے جو میری مرضی سے ہو رہی ہو۔ دنیا کا دستور بن چکا ہے۔ شادی کے لباس میں' جوتوں میں' جیولری میں دلہن کی پسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن

یہاں ہر بات بالا ہی بالا خود طے کر لی جاتی ہے۔ سامان آ جاتا ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں لڑکی نہیں کوئی قیدی ہوں اور کسی سنگین جرم کے تحت اس کمرے نما جیل میں بند ہوں۔ سب لوگ مجھے دیکھتے ہی اچھے بھلے باتیں کرتے کرتے......چپ ہو جاتے ہیں' بھاگ جاتے ہیں۔ اچھی خاصی جمی جمائی محفل برخاست کر دیتے ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے؟ ابھی فون کرتی ہوں کیا نمبر ہے میجر عیلام کا' پوچھتی ہوں ان سے' وہ شادی مجھ سے کر رہے ہیں یا......"

"نن......نہیں گوہر! بری بات ہے۔ تم انہیں فون نہ کرنا کچھ نہ کہنا۔ کیا سوچیں گے وہ۔" جوہر کے اوسان خطا ہو گئے۔

"کچھ نہیں کہتے وہ......آپ لوگ جو سینڈل اپنے ناپ کے لے آئے ہیں وہ مجھے صحیح بھی نہیں آ رہے اور ڈیزائن اور کلر بھی ناپسند ہیں مجھے' میں خود ہی ان کے ساتھ چلی جاؤں گی اور اپنی پسند سے......"

"گوہر......! گوہر......! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"تم ان کے ساتھ جاؤ گی۔"

"تو اس میں برائی کیا ہے۔"

"ہمارا خاندان ابھی اتنا فارورڈ نہیں ہوا۔"

"اس میں فارورڈنیس کی بات ہی کیا ہے۔ آج نہیں تو کل مجھے ان کے ساتھ ہر جگہ آنا جانا ہوگا۔"

"گوری' پلیز کچھ تو سوچو۔ گوری! ابھی دو تین دن قبل تمہیں یاد ہے کیا کہا تھا تم نے......کہ تمہیں کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں جو ہم سب چاہیں لیتے رہیں' کرتے رہیں اور آج۔"

گوہر نے اپنے سارے قہقہے اپنے اندر بمشکل روکے جوہر کی جان پر بنی ہوئی تھی اسے سمجھانا ان کے لیے دشوار ثابت ہو رہا تھا۔

"اس وقت میں پاگل تھی۔ فسطینہ نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے اپنی ساری عروسی خریداری اپنے دولہا کے ساتھ یعنی اس شبیر کے بچے کے ساتھ مل کر کی ہے۔ وہ میرے بجائے کسی اور لڑکی کو پہلو میں بٹھا کر عروسی خریداری کے لیے لے جا سکتا ہے تو میں کیوں نہیں جا سکتی۔ کس بات کی سزا پاؤں میں؟ میں بھی جاؤں گی۔ آپ پلیز نمبر ملائیے' میں بات کروں گی نا۔" اس نے جوش دکھایا' جوہر بنایا اور ہنسی بھی روکی۔

"گوہر......ہوش میں آؤ۔ شبیر کچھ بھی کرتا پھرے یہ اس کا فعل ہے۔ میں تمہیں ایسی بے شرمی کی اجازت نہ دوں گی۔ کیا سوچیں گے وہ کہ جو لڑکی بمشکل دو تین بار ان سے ملی ہے' وقت سے پہلے اتنی فرینک ہو رہی ہے۔"

"نہیں سوچیں گے وہ ایسا' بلکہ خوش ہوں گے۔"

"خود ہی کرتی رہو ایسا' میں تو جا رہی ہوں' بھیجتی ہوں اماں کو۔ وہی آ کر سمجھائیں گی تمہیں۔"

وہ غصے میں کم اور پریشان زیادہ تھیں۔ باہر نکلیں تو گوہر کی ہنسی بے قابو ہو کر لبوں تک آ گئی اس نے دروازہ بولٹ کیا اور اپنے بیڈ پر آ گری بمشکل ہنسی روکی ٹیبل پر رکھا اخبار اٹھایا۔ پہلے صفحے پر نگاہ کی اور اٹھ بیٹھی اس کی نظریں اخبار پر جمی کی جمی رہ گئیں۔

ایک طویل مدت کے بے معنی انتظار نے مایوسی کے بعد اسے کیا دیا تھا اس کا اندازہ ہو تو آج کل ٹپ ٹپ اسے ہو ہی رہا تھا۔ مگر اس کے سامنے جو تصویر چھپی تھی۔ اس تصویر نے اسے مسرتوں کی انتہائی بلندیوں پر لا کھڑا کیا۔

''شبیر...... میرے شبیر۔'' اس نے زیر لب کہا اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی روشنیاں بھر گئیں۔ زمانے بھر کا شوق اور وارفتگی۔ وہ دیکھے گئی۔ تکے گئی۔ کتنے پل بیتتے چلے گئے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش و نگار پر نظریں جمائے۔ پھر اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ شبیر کی تصویر دھندلا سی گئی اس کی نظروں میں۔

اس نے ایک ایک کر کے ساری تصویریں دیکھیں ایک میں جمال احمد اور ان کی بیگم اور دوسری میں سعیدہ بیگم اور شاہنواز اس کے ساتھ تھے۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ لیکن اس کے انٹرویو نے جوہر کی کافی مشکلات حل کر دیں۔ ساری کہانی سمجھا دی۔

کتنا خوبرو ہو گیا تھا ان بیتے سالوں میں اس کا شبیر کتنا پُر کشش۔ کتنا باوقار۔

آنسو پونچھ کر وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ ملاپ کتنا ہی دل خوش کن کیوں نہ ہو۔ جدائی کے ماہ و سال کی اذیت کوئی بھول جانے والی اذیت نہیں ہے۔

''تمہیں ہر لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ سارے غصب شدہ حقوق واپس کرنے ہوں گے۔ اپنی سنگدلی کی سزا ہر حال میں بھگتنا ہوگی تمہیں۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا۔

''ستم تو نہ بھولاں سارے لوگوں کا۔ بلکہ اس ستم کے روح رواں تو خود تم ہو۔ جس نے سوچ رکھا ہے بلکہ تہیہ کر رکھا ہے کہ مجھے خبر ہی نہ ہو۔ اور تف ہے مجھ پر جو اتنا پوچھ لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ تمہاری شادی فسطینہ سے ہوتے ہوتے مجھ سے کیسے ہونے لگی۔ بہرحال وقت اتنا بھی دور نہیں ہے۔ وقت تو وقت تم بھی خدا کے کرم سے میری دسترس میں آنے والے ہو۔ پوچھ لوں گی تم سے سارے ستم کا حساب لے لوں گی۔''

ٹیبل لیمپ آف کر کے وہ سونے کی تیاری کرنے لگی۔ آنکھیں بند کیں شبیر چھم سے آنکھوں میں اتر آیا۔ اپنی پوری خوبروئی اور وجاہت کے ساتھ۔

☆☆☆☆☆☆☆

''شبیر...... شبیر...... بات تو سنو بھئی۔''

''ارے آپا! آپ اس وقت۔ ابھی تو سب لوگ سوئے ہیں وہاں سب خیر تو ہے۔'' اپنے کمرے میں جاتے شبیر کے قدم چوتھی سیڑھی پر ہی رک گئے۔

''خیر کہاں؟'' جوہر بھاگ کر اس کے قریب آئیں۔

''جو بھی تھا آپ فون پر بات کر لیتیں۔''

''فون پر بات کرتی اور بھانڈا پھوڑنے کا الزام اپنے سر لے لیتی۔ اس نے تو میری جان عذاب میں کر دی تھی ابھی۔''

''کس نے؟ کیا ہوا؟''

''ابھی ابھی فون کرنے چلی تھی۔ میجر عیلام کو...... وہ تو شکر ہے کہ ان کی رہائش گاہ کا نمبر نہیں تھا اس کے پاس۔''

''کیوں؟ کس سبب؟''

''یہ مجھ سے نہیں اپنے باقی چہیتوں سے پوچھو۔ جو اس سے الٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں تو اس تفتیشی انداز سے گھبرا اٹھی۔ عیلام کے گھر والے کہاں ہیں؟ مسز جمال کیوں آئی ہیں؟ نیلما اور اس کی والدہ کس ناتے بلایا گیا ہے؟ تم سب لوگوں نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک لو گے۔ ا،

فسطینہ نے اس سے یہ کیوں کہا کہ تم اسے عروسی خریداری کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔''

''کہا ہے تو یہ سچ تو ہے۔ بھئی بہنیں بھائیوں کے ساتھ ان کی عروسی خریداری کے لیے کیوں نہیں جا سکتیں۔ کیا یہ آپ کو گوہر نے بتایا۔'' وہ مزے لے رہا تھا۔

''ہاں اور کس نے؟ کہہ رہی تھی۔ شبیر کسی اور کے ساتھ مل کر خریداریاں کر سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں؟''

''ہرا...... حالات بتاتے ہیں کہ اسے کسی بات کی خبر ہی نہیں۔ پیاری آپا' چند دن کی بات ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔''

''نہیں شبیر۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔''

''کس بات کا؟''

''مجھے لگتا ہے وہ تم سے از حد خفا ہے۔ اگر اچانک اسے خبر ہوئی کہ شادی تم سے ہو رہی ہے یا ہو چکی ہے تو وہ جذباتی لڑکی کچھ اور نہ کر بیٹھے۔''

''اوہ تو آپا...... آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ شبیر کی محبت بے حد طاقتور ہے۔ آپ سوچیے تو سہی' جس محبت کو وہ لاعلمی اور جدائی کے دنوں میں خود سے جدا نہیں کر سکی وہ اب کیا جدا ہو گی اس کے دل سے۔ اور ویسے آپ کو بتاؤں چاہت کے بندھن میں بندھے لوگ ایک دوسرے سے روٹھ سکتے ہیں خفا نہیں ہو سکتے۔ اسے مجھ پر غصہ نہیں آیا شکوہ ہوگا' مجھ سے بے وفائی کا شکوہ اور جب ثابت ہوگا کہ میں بے وفا نہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ شکوہ بھی تمام ہو جائے گا۔ آپ میرے اس خواب کو مت توڑیے آپا۔ یہ خواب میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اچانک اپنے سامنے پا کر اس کے چہرے کی جو کیفیت ہو گی اسے عمر بھر کے لیے اپنی بصارتوں میں قید کر لینا میری آنکھوں کا حق ہے۔ باقی آپ بے فکر رہیے گا۔ اسے منانا' راضی کرنا میرا کام ہوگا میں آپ لوگوں کو مدد کے لیے ہرگز نہیں پکاروں گا۔'' وہ بڑے جذب سے کہتا گیا۔

''ارم۔ شازی۔ عذرا۔ سدرہ آپا۔ بھئی آپ سب لوگ کہاں ہو' ہماری سالی آدھی گھر والی تشریف لائی ہیں۔ اور ابھی معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں ہم سے شکوہ ہوا تو انہیں ٹھیک کرنا مشکل ہو جائے گا۔ چلیے آپا میرا خیال ہے وہ سب میرے کمرے میں ہیں۔''

شبیر نے جوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اوپر لے آیا۔ اس کے کمرے میں واقعی وہ سب موجود تھیں۔

''ارے۔ آپا اس گھر کے نئے افراد کی تو آپ کو خبر ہی نہیں ہوگی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ظہیر آیا ہے نا۔'' فضہ سب میں گھیری بیٹھی تھی۔

''یہ میری بھابھی ہیں۔ فضہ۔''

جوہر کو کچھ خبر ہی نہ تھی اس لیے وہ حیران سی کھڑی تھیں۔ شبیر نے فضہ کو جوہر کے بارے میں بتایا تو وہ اٹھ کر ان کی طرف چلی آئی اور گلے ملی۔

''افوہ! بھئی خواتین آپ سب کمال کی چیز ہیں...... بھابھی کو چند گھنٹوں میں مشرقی آداب سکھا دیے۔'' شبیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آداب مشرق اور مغرب کے نہیں محبت کے مرہون منت ہوتے ہیں شمی۔''

عذرا نے زور دے کر کہا۔ سب ہنس دیے۔ ارم جوہر آپا کو ساری بات بتانے لگی۔ ظہیر بھی وہیں آ گیا جوہر سے ملا۔ محفل جو پہلے ہی جمی ہوئی تھی ان افراد کے آ جانے پر اور بھی رنگین ہو گئی۔ شبیر نے جوہر کی بتائی ہوئی صورت

حال سب کو سنائی۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔" ٹھنڈی آہ شبیر کے لبوں سے نکلی تو سب نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں جناب اللہ کی کرنی ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہماری تنہا زندگی میں کوئی رشتہ نام کے لیے بھی پاس نہیں رہا تھا۔ ایک یہ دن ہے جب ہم اپنی رشتہ داریاں اور قرابت داریاں چھپانے کی فکر میں ہیں۔"

"وہ کیسے؟ اور کس سے؟" ظہیر نے جھٹ پوچھا۔

"ارے ظہیر بھائی کو تو خبر ہی نہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ گئے نہیں ورنہ بھانڈا بیچ چوراہے پھوڑ کر آجاتے۔" ارم نے کہا۔

"ظہیر تو جب جاتے' جاتے...... بھانڈا پھوڑنے کے لیے آپ سب کیا کم تھیں۔ کیا ضرورت تھی اس کے سامنے جانے کی۔" شبیر نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"کیا بات ہے کس کے سامنے نہیں جانا تھا۔" ظہیر نے پھر پوچھا۔ ارم اسے بتانے لگی سارا کچھ۔

شبیر سدرہ آپا کے پاس بیٹھ گیا۔ "آپ کا اس کے سامنے جانا ضروری تھا کیا؟ لے کے مصیبت میں ڈال دیا ہے ان ڈاکٹر ہارون احمد واسطی نے۔ کریں انہیں فون اور پوچھیں کہ یہ درمیان کے دو دن کیسے گزارے جائیں۔" وہ فکرمند بھی تھا اور مطمئن بھی۔

"ہم نے کیا کیا ہے' ہمارا حوصلہ ہے' صبر ہے کہ ایک طرف بیٹھے رہے مہمانوں کی طرح۔ بس وہ ممی ہی برداشت نہ کرسکیں' پیار کرنے چلی گئیں۔ لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے شی! پوچھتی ہوں ہارون سے ان کا حکم ہو تو ہم مہندی اور شادی دونوں میں جائیں گے ہی نہیں۔"

"خدا نہ کرے مگر آپا! پلیز ظالم سماج سے بچ کر رہیے گا بات مشکوک تو کرتی ہے بندے کو اصل میں یہ جو دلی جذبوں کی داستان ہوتی ہے نا وہ چہرے پر رقم ہو جاتی ہے اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ میجر علام حسن کی شادی پر شبیر عسکری کی بہنیں پھوپی کیوں نہیں سمار ہیں اپنے جامے میں۔" شبیر نے مسکرا کر وضاحت کی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ مگر شبیر بھائی! اس وقت کیا ہوگا جب آپ بہ نفس نفیس وہاں موجود ہوں گے۔" شازیہ نے گہری سوچ سے نکل کے پوچھا۔

"اس کی فکر مت کرو خواہر من! ہمارا چہرہ سہرے میں چھپا ہوگا۔ زبان بند ہوگی۔ اور بس۔ کسی کو کیا خبر ہوگی کہ......"

"آپ کو شاید خبر نہیں' تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

"اس کا حل بھی ہے' ہم اندر آئیں گے ہی نہیں۔"

"واہ جناب وہ جو اتنی ساری رسمیں ہیں' وہ......"

"آپ کو خبر ہے شبیر بھائی۔ عدی ماموں کی شادی بھی ہم لوگوں کے بغیر ہوگئی تھی۔" نادرہ نے اٹھلا کر کہا۔ وہ اب بھی شبیر سے چپکی بیٹھی تھی۔

"کچھ بھی ہو...... ہم جائیں گے اور......"

"بس بچی! کہہ تو دیا کہ سہرا ہماری پناہ گاہ ہوگا اور زبان بندی ہمارا بچاؤ۔ صاف بچ نکلیں گے۔ ان موصوفہ کو خبر ہی نہ ہوگی۔ ویسے عظمیٰ تمہارے ہارون کی تجویز اب تک کامیاب ہی جارہی ہے اور تین دن بعد ورلڈ ریکارڈ میں لکھے جانے کے قابل ہوگی۔ ہائے ہائے...... بے چاری میری عروس۔ کس صفائی سے بے وقوف بنائی جارہی

ہے۔"

"او ہو بڑا ترس آرہا ہے بنا ہے بیوی نہ بنی عروس پر۔ اتنی ترس کھانا ہے تو مجھ پر کھاؤ۔ میرے حال پر۔ جس کا اس ڈرامے میں سب سے مشکل رول ہے۔" جوہرہ آپا نے بڑے پیارے انداز میں شبیر کی نقل اتاری۔

"ہوتا رہے۔ اتنا تو ان بزرگ سدرہ آپا پر بنتا ہے تین دن کی تو ساری بات ہے' بہت ہی گزر گئی تھوڑی باقی ہے' ہم بھی نبھا رہے ہیں آپ بھی نبھاتی رہیے۔" عذرا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"دیکھو شی! بات صاف ہے اس دنیا میں کوئی کام مٹھی گرم کیے بغیر نہیں کرایا جاسکتا۔"

"آپ کو۔ جوہرہ آپا آپ کو رشوت چاہیے۔" شبیر نے حیرانی کا تاثر دینے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

"آف کورس۔ پیٹ پہ پتھر تو رازداری رکھنے میں دل بھی لگے گا' ورنہ کوئی بات ایسی ویسی ہوگئی غلطی سے تو تم مجھے پر الزام نہیں دھرنا۔"

"میرا اور آپ کا بڑا اہم یہ کمپلیکیٹڈ رشتہ ہے ورنہ ابھی اینٹی کرپشن والوں کے حوالے کردیتا آپ کو۔"

"شکر ہے ڈر تو ہے تمہیں۔ بچہ اس بار ٹیٹنگ کے بنا تم گوری کو لا ہی نہیں سکتے۔ آنا سہرے باندھ کے...... دیکھ لوں گی تمہیں۔ احسان سمجھو ہمارا لڑکی تمہارے نام کررہے ہیں۔ وہ جس پر تم اتنے پیار کے ساتھ ترس کھا رہے ہو وہ تو چلی تھی میجر صاحب کے دامن کی پناہ لینے۔"

"اس پر بھی قصوروار ہم ہیں وہ نہیں۔ جوہرہ آپا آپ لاکھ کوشش کریں۔ آپ ہرگز ہرگز وہ جگہ نہیں لے سکتیں جو کسی اور کی ہے اس ناچیز کے دل میں۔" جوہرہ مسکرانے لگیں۔ باقی سب نے طوفان اٹھا دیا۔

"بہرحال' نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں آپ کا منہ بند رکھنے کے لیے قیمت چکانی ہوگی۔ بولیے کیا چاہیے آپ کو؟"

"کچھ زیادہ نہیں یہ لسٹ ہے۔ ساتھ چلے چلو۔ لے لیں گے۔" جوہرہ نے پرس سے ایک لمبی لسٹ نکالی۔

ابھی لسٹ ان کے ہاتھ میں تھی کہ صوفے پر بیٹھا شبیر نیچے قالین پر لڑھک گیا' ارم اور ظہیر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں بہن بھائیوں کی پناہ میں تھا۔

"بس اتنی ہی ہمت۔" جوہرہ نے چھیڑا۔

"لائیے' دکھایئے تو سہی کیا کیا لکھا ہے۔" عذرا نے لسٹ ان کے ہاتھ سے لی اور پڑھنے لگی۔ اور ایک تو اتر سے پڑھتی چلی گئی۔

"آپا! آپ شاید غلطی سے اپنے گھر میں موجود سامان کی لسٹ اٹھا لائی ہیں۔ دیکھیے دیکھیے اپنا پرس۔"

"نہیں بھئی۔ میں فلسفے کی پروفیسر نہیں ہوں حافظہ تیز ہے میرا۔"

"مم مگر یہ تو۔ اس میں تو نیل بھائی اور آپ کے گھر سے لے کر سب کے لیے نہ صرف لباس بلکہ رہائش و آرائش تک کا سارا سامان لکھا ہوا ہے' جوہرہ آپا۔"

"یہ لسٹ میں نے ہزار کانٹ چھانٹ کے بعد فائنل کی ہے۔"

"ارے۔ کانٹ چھانٹ کے بعد اس کی یہ صورت ہے' پلیز آپا۔ میرے بھائی پر ترس کھائیے' آپ کو پتا نہیں۔ بے چارہ ابھی ابھی الیکشن کے بکھیڑوں سے فارغ ہوا ہے اور شادی کے جھمیلے میں الجھا دیا گیا ہے' آپ سوچیے ابھی تو وہ گھر ہی سے اور ان ایام میں پاکستان کا کوئی شریف شہری یعنی جو تین دن پہلے ممبر قومی یا صوبائی اسمبلی بن کر فارغ ہوا ہے' کسی ایسی لسٹ کی خریداری کا متحمل ہوسکتا ہے' ہاں اگر آپ وعدہ فردا پر اعتبار کرلیں تو

ایک یہی کیا ایسی اور کئی لسٹیں ہرگز بوجھ نہیں لگیں، سرکاری خزانہ آخر عوام کی خدمت کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔" عذرا نے پرانا بدلہ چکانے کی سعی کی۔

شبیر نے ہوش میں آنے کی زبردست پرفارمنس دیتے ہوئے جھٹ جوابی حملہ کیا۔

"تمہیں وضاحت کا حق کس نے دیا ہے، وہ میری اکلوتی سالی ہیں، حق بنتا ہے ان کا۔ لائیے جو ہرآ پا، مجھے دیجیے۔"

"اچھا۔ بڑا حق ہے ان کا۔ اور ہم۔" عذرا نے اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال کے اسے جھنجھوڑا۔

"ہم کون ہیں، چور ہیں۔ غیر ہیں۔"

"ارم، تم چپ کیوں بیٹھی ہو احتجاج کیوں نہیں کرتیں۔ ابھی تو دلہن کا منہ نہیں دیکھا ابھی سے بدلا جا رہا ہے۔ ہمارا بھائی اس کے آنے کے بعد کیا ہوگا، یہ تو اس کا اور اس کے گھر والوں کا کلمہ پڑھا کرے گا، ہم بے چارے تو ماضی کا قصہ بن کر رہ جائیں گے، کبھی بھولے سے ملنے چلے گئے تو دروازہ کھول کر ہمیں دیکھ کر کہے گا، آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا یاد نہیں پڑ رہا۔ ویسے کس سے ملنا ہے آپ کو۔"

"توبہ ہے اجی۔ اتنا برا نقشہ تو نہ کھینچو۔" سدرہ نے ٹوکا۔

"کہنے دیں بے چاری کو۔ یہ اصل میں بخاری صاحب یعنی اپنے میجر صاحب کا تجربہ..... بیان کر رہی ہے۔ آئینے میں جھانکنے سے اپنی ہی صورت نظر آتی ہے، یہ دنیا کی بہت بڑی حقیقت ہے، اچھا تو میجر صاحب اپنے رشتہ داروں کا استقبال ان ہی الفاظ سے کرتے ہیں اور پیچھے سے تمہاری کڑک دار آواز سنتے ہی دم دبا کر تمہاری طرف آتے ہیں۔ چ۔ چ۔ چودہری سیڈ۔ مائی سسٹر میں میں ہوں۔ میجر صاحب نہیں، تم سب لوگ جاؤ، جو ہرآپا کے مقابلے میں اپنی اپنی فرمائشوں کی فہرست تیار کر کے لاؤ۔ بندہ حاضر ہے۔ بلکہ چشم ما روشن دل ما شاد۔ کیا یاد کرو گے تم سب لوگ، تم سب کے دلوں کی جو بھی حسرتیں ہوں بندہ انہیں تمام کرنے کو تیار ہے۔ چلو جلدی اب سب لوگ تیار ہو جاؤ چلتے ہیں شہر۔ جاؤ۔ جاؤ نا سب لوگ۔" سب نے بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"دیکھو پہلے بھی کافی دیر ہو چکی ہے اب مزید لیٹ ہوئیں تو مارکیٹیں بند ہو جائیں گی اور ہاں شبیر تم بھی ساتھ چلے چلو، ساری جنریشن ایک ہی گاڑی میں آنے سے تو رہی۔ نعنہ بھابھی کو بھی چلنا ہوگا۔"

لڑکیاں اپنے اپنے کمروں کی طرف بھاگیں، جھٹ پٹ تیار ہوئیں، شبیر پاپا کے کمرے میں گیا۔

وہ منیر کو ساتھ بٹھائے کچھ لکھوا رہے تھے۔

"آؤ آؤ بیٹا! میں کچھ مصروف تھا، تمہاری مما نے ہدایات جاری کی تھیں، کچھ دینے دلانے کی بات تھی۔ منیر سے لکھوا رہا ہوں کہ کہیں کچھ رہ نہ جائے، ہاں تمہیں کیا کام ہے۔"

"پاپا! وہ کچھ کیش چاہیے تھا۔ اس وقت میرے پاس نہیں ہیں پیسے، کل لا دوں گا بینک سے، یا چیک دے دوں گا۔"

"اتنی رات کو کیا ضرورت آن پڑی۔ کتنے چاہئیں؟"

"بہنوں کو بازار لے جا رہا ہوں۔ جتنے بھی دے سکیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تعداد میں اور آپ گن سکتے ہیں ان کی پاپا۔ لیکن ان کی فرمائشوں کا حساب لگانا مشکل ہی ہوگا۔ لیکن وہ جو خریدنا چاہیں گی۔ میں انہیں ضرور لے کے دوں گا۔" شاہنواز مسکرا دیے۔

"تب تو لگتا ہے میرے پاس موجود کیش بھی کم پڑ جائے گا۔ خیر لے جاؤ۔ اور ہاں میں چیک بک دے دیتا ہوں چیک سائن کر کے، ضرورت پڑے تو خود ہی فل کر کے دے آنا۔ یعنی جہاں جتنی رقم کا بل بنے۔"

"مگر پاپا!" اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا؟"

"میں یہ سب کچھ اپنی طرف سے دینا چاہتا ہوں۔"

"باپ کا پیسہ کیا اپنا نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے مگر وہ خوشی جو۔ خود سے انہیں سب کچھ دے کے ہوگی۔ وہ......"

"تو کوئی بات نہیں، لوٹا دینا ہمیں رقم، اس وقت تو لے جاؤ۔"

"پاپا۔ یہ شبیر بھائی کس لیے دے رہے ہیں انہیں سب کچھ۔" منیر نے جھٹ پوچھا۔

"بیٹے! شادی کے موقع پر بہنوں کو دیا ہی جاتا ہے، پرانا رواج ہے۔"

"اور بھائیوں کو؟ کیا ان بے چاروں کا حق نہیں ہوتا۔"

شاہنواز ہنس پڑے۔

"اصل میں لڑکیاں بڑی معصوم ہوتی ہیں، ان کی فرمائشیں بھی بہت چھوٹی موٹی ہوتی ہیں۔"

"کتنی چھوٹی موٹی؟"

"یہی ایک دو سوٹ۔ پرفیوم۔ میک اپ، رسٹ واچ، فیشن کے جوتے حد سے گزرے تو جیولری کا ایک آدھ سیٹ مگر لڑکے۔ خدا کی پناہ۔"

"لڑکے کے ذکر پر آپ اٹک گئے ہیں شبیر بھائی۔"

"ہاں بھئی لڑکوں کو ذرا سا آفر کر دو تو کم سے کم موٹر بائیک اور زیادہ سے زیادہ پجیرو کی فرمائش تو عام سی بات ہے، کسی اور ذکر کی طرف آتے ہی نہیں ہیں۔"

"صبح مما وغیرہ اور دادی اماں کے پاس بھی یہی ذکر تھا۔ یعنی بہنوں کے نیگ کا۔ دادی اماں بتا رہی تھیں، ان کے زمانے میں بہنیں بھائیوں کا پلو باندھتی تھیں اور پلو بندھائی لیتی تھیں، پلو بندھائی، دودھ پلائی، جوتا چھپائی، اٹھائی بٹھائی وغیرہ وغیرہ جانے کن کن رسموں کے نام پر لوٹا کرتی ہیں لڑکیاں اور ہم ہیں بے چارے کہ کہیں سے کوئی امید ہی نہیں ہے پاپا۔ میں شبیر بھائی کا پلو باندھ کے ساتھ جاؤں گا۔ پلو بندھائی وصول کروں گا اور نیگ بھی وصول کروں گا۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور شاہنواز اور شبیر دونوں ہنس رہے تھے۔

"تم بھی چلے جاؤ۔ جتنا کچھ وہ لیں تم بھی لے لینا، اپنے بھائی سے خفا کیوں ہوتے ہو یار۔"

"سچ پاپا۔"

"اور نہیں تو کیا۔"

"ہرا۔ جیو پاپا۔ چلیے شبیر بھائی۔" منیر نے کاغذ قلم وہیں چھوڑ دیا۔

شبیر چیک بک اور پیسے لے کر باہر آ گیا، گھر بھر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ لڑکیاں اُشتم پشتم تیار ہو رہی تھیں۔ بھاگ دوڑ کرتے آخر سب باہر نکل ہی آئے۔

منیر پیش پیش تھا۔

"منے! تم کدھر آ گئے۔ جاؤ اپنے کمرے میں' یہ خالص لڑکیوں کا معاملہ ہے' شبیر بھائی اسپانسر بلکہ فنانسر ہیں ورنہ وہ بھی نہ ہوتے' اور ظہیر بھائی صرف ڈرائیور کی حیثیت سے جا رہے ہیں۔" شازیہ نے منیر کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"ہشت خاموش' زمانے کے رسم و رواج بدل گئے ہیں' ٹیک کی وصولی میں اب لڑکے بھی شامل ہوا کریں گے۔ کیوں شبیر بھائی۔" منیر نے شبیر کا سہارا لیا۔

"بالکل ٹھیک کہا' میں تائید کرتا ہوں۔"

لڑکیاں گاڑیوں میں بھر گئیں' قافلہ چل پڑا۔ ایک شبیر میاں تھے اور فرمائشوں کا طوفان تھا۔ مگر پھر بھی خوشی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ رش کافی حد تک کم تھا۔ گاڑیاں پارک کرنے کے بجائے اندر ہی لے جائی گئیں۔ یہ شہر کی سپر مارکیٹ ہر قسم کی خریداری کے لیے موزوں' شبیر سب سے آگے آگے تھا' اس کے ساتھ ظہیر اور فضہ تھے اور کندھے سے کندھا جوڑے منیر۔

"شبیر بھائی' وہ جو سامنے دکان ہے نا وہاں ہر قسم کی ورائٹی ہے' میرا مطلب ہے گارمنٹس کی۔ ڈپارٹمنٹل اسٹور ہے نا ضرورت کی ساری چیزیں مل جاتی ہیں' کم از کم میری ضرورت کی' ایمان سے شبیر بھائی بڑی حسرت ہے دل میں اپنی مرضی کی شاپنگ کرنے کی' مما تو کبھی ایک سے زیادہ چیزیں خریدنے کے لیے پیسے دیتی ہی نہیں ہیں۔"

"سدھر جاؤ منیر۔ سدھر جاؤ۔ شبیر بھائی آپ اس کی وارڈ روب کھول کر دیکھیے گا۔ کیا نہیں ہے اس کے پاس۔" ارم نے مداخلت کی۔

"یہ ہم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے ارم اور ویسے بھی اس نے مجھ سے سدھر جانے کا وعدہ پہلے ہی کر رکھا ہے۔ منیر تم ان سب لڑکیوں کے ہمراہ گھسنے کے بجائے ادھر ہی چلے جاؤ۔ بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں' یہ لوگ سب کچھ اپنی مرضی سے خریدیں گی۔ ظہیر ان کے ساتھ ہوگا۔ یہ لو ظہیر۔" شبیر نے کچھ رقم اس کی طرف بڑھا دی۔

"میں منیر کو لے کر جا رہا ہوں ابھی آ جاؤں گا۔" وہ منیر کے ساتھ چلا آیا۔

"صرف منیر کے لیے ہی کیا اس نے سب کے لیے جی کھول کے رقم خرچ کی' عامر ساغر' شہری' بخت' اسری' ان کے سارے بچے' کاظم چچا کے بیٹے' عدی' افتخار بھائی' یوسف' ان کے بچے نبیل بھائی جو آپا کا منا سا گگو' سدرہ آپا کے چاروں چھوٹے چھوٹے بیٹے جن کے دم سے شبیر کی الیکشن کمپین کامیابی سے چلی تھی' ہارون احمد نیلما واسطی کے شوہر اور احسن کے بچے' شبیر اور ظہیر کا پیارا سا بیٹا۔ یہاں تک کہ غفور بابا' سرور اس کے بھائی' یہ سارے اس کی فہرست میں موجود تھے اس نے ہر تعلق دار کے لیے بہت کچھ خریدا۔ بل کی ادائیگی کی اور دوسری دکان پر آ گیا۔ یہ لیڈیز ملبوسات کی بہت بڑی دکان تھی۔

"یہاں سے کیا لینا ہے؟"

"دیکھ لو گے کہ کیا لے رہا ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف بڑھ آیا۔ سیلز مین نے عمدہ بنارسی اور کامدار ساڑھیاں سوٹ شرارے اس کے آگے پھیلا دیے' شبیر نے اپنی پسند کے چند رنگوں کا انتخاب کیا۔

"شبیر بھائی..... یہ..... یہ کس لیے۔ شام کو میں نے دیکھا تھا مما لوگوں نے ایک انبار سا اپنے سامنے رکھا ہوا تھا ایسے کپڑوں کا۔ یہ..... ان کی کیا ضرورت ہے۔ دلہن کے لیے تو پہلے بھی بہت کچھ ہے"

"پاگل لڑکے! یہ بھابی کے لیے ہیں۔"

"بھابی۔ یعنی۔" وہ حیران تھا۔

"جی ہاں آپ کی بھی اور میری بھی۔"

"آپ کی بھابی۔" منیر کے انداز پر شبیر کو ہنسی آ گئی۔ وہ اس کی وضاحت پر الجھ رہا تھا۔

"جی ہاں' یعنی فضہ بھابی۔"

"اوہ اچھا' اچھا۔" اب وہ بھی ہنس دیا۔

"وہ بھی اس گھر میں بہو کی حیثیت سے آئی ہے اور اس کا استقبال بھی ضروری ہے' پاپا اور مما جو مرضی دیں' یہ سب میری طرف سے ہوگا۔ میں بڑا بھائی' جیٹھ ہوں اس کا۔"

منیر حیران سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بارہ بجے کے قریب سب لوگ گھر واپس آئے' نیند تو نیند یہاں تو تھکن بھی کسی کے انداز سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی' سٹنگ روم میں سب نے سامان پھیلایا ہوا تھا۔ ایک دوسرے سے مقابلہ موازنہ ہو رہا تھا۔ چیزیں سنبھالی جا رہی تھیں۔

فضہ بھی ایک طرف بیٹھی اس ساری صورت حال کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ ظہیر اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ بار بار نظر بچا کر اس کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ یہ ساری کارروائی اسے خوش بھی کر رہی تھی۔ لیکن ایک احساس بار بار اسے ستا رہا تھا' فضہ پورا وقت ان سب کے ساتھ دکان دکان گھومتی رہی تھی' بے شک وہ صرف نئے ملک کے کلچر کو دیکھنے میں مگن تھی' لیکن تھی تو ایک انسان اور وہ بھی عورت جو جس خطے کی بھی ہو رکھ رکھاؤ' رسم و رواج اور محبتیں اور نفرتیں اس کا پہلا مسئلہ ہوتی ہیں۔ کسی نے ایک پل کو اس کی طرف توجہ کی تھی نہ اسے کچھ لینے کو کہا تھا۔ گو ظہیر نے اس کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ چاہتا تو اس کے لیے سب کچھ خرید سکتا تھا۔ لیکن اس کا مدعا کچھ اور تھا۔

وہ صرف غیر ہی نہیں' غیر ملکی بھی تھی اور گھر والوں نے اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور کوئی نہیں تو ارم اور شازیہ ہی پوچھ لیتیں' وہ بڑا دل گرفتہ سا وہاں بیٹھا تھا۔

اپنے اور گھر والوں کے درمیان ایک دیوار کو حائل محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس سے نظریں چرائے ہوئے تھا کہ فضہ کی نگاہوں میں چھپا شکوہ اسے نظر نہ آ جائے' وہ اس کے سامنے شرمسار نہ ہو جائے۔

فضہ خوش ہو ہو کر اس سے ہر ایک چیز کے بارے میں سوال کر رہی تھی' ارم کے خریدے ہوئے ایک کامدار سوٹ کو اس نے ہاتھوں میں لے کر بڑے اشتیاق سے دیکھا۔

"کیسا خوبصورت ہے' بہت اچھا لگ رہا ہے۔" اس کے گلابی گلابی ہاتھ اس سوٹ پر دھرے بے پناہ اچھے لگ رہے تھے۔

"تم پہنو گی؟" ظہیر نے جھٹ پوچھا وہ مسکرا دی اقرار اس کی آنکھوں میں تھا۔

"کل ہم چلیں گے' لے آئیں گے' بلکہ اس کے ساتھ گولڈن جیولری بھی' میں تمہیں مشرقی لباس میں دیکھ کر....." ظہیر کی بات ادھوری رہ گئی۔ سامان کے انبار کے ساتھ منیر اور شبیر دروازے کی راہ اندر آئے۔

"اُفوہ..... آج تو تھکا دیا اس خریداری نے۔"

"یہ کیا لائے ہیں آپ شبیر بھائی' ہم نے تو سب لے لیا تھا۔"

"پھیلو نہیں تم لوگ۔ یہ لڑکوں کے لیے ہے' ہر عمر کے لڑکوں کے لیے۔" منیر نے سینہ پھلایا۔

"اف میرے خدا۔"

"اچھا۔ اب خدا یاد آ رہا ہے' اور اپنی دفعہ۔"

منیر چڑنے لگا۔ شبیر صوفے پر گر سا گیا۔

"منیر! لڑنا بعد میں' پہلے باقی سامان تو اٹھا لاؤ۔"

"ابھی اور بھی سامان ہے؟" ارم نے آنکھیں پھاڑیں۔

"فکر نہ کرو وہ تمہاری جنس کا ہے' میرا مطلب ہے لیڈیز سے متعلق اور دیکھو غلط فہمی میں نہ پڑ جانا وہ تم میں سے کسی کے لیے بھی نہیں ہے ایک خاص ہستی کا ہے۔" وہ جاتے جاتے کہتا گیا۔

"آپ نے بڑی دیر لگا دی۔ مجھے دو پھیروں میں ان سب کو لانا پڑا۔" ظہیر نے کہا۔

"ہاں یار! میں نے سوچا روز روز کون بازار آتا پھرے جو لینا ہے ایک ہی بار لے لوں اور پھر لیڈیز کے لیے خریداری میرا پہلا تجربہ تھا اسی سبب زیادہ دیر ہو گئی۔"

منیر واپس آ چکا تھا ایک بڑے سامان کے ڈھیر کے ساتھ جو اس نے لا کے شبیر کے سامنے رکھ دیا۔

ظہیر نے اشتیاق سے ان شاپنگ بیگز کی طرف دیکھا۔ اسے رشک بھی آیا اور اپنی کوتاہی کا احساس بھی ہوا۔ یہ شادی کا موقع تھا اسے فضہ کے لیے...... کچھ لینا چاہیے تھا۔

"شبیر بھائی! مجھے بھی فضہ کے لیے کچھ لینا تھا۔ آپ ساتھ ہوتے تو میں بھی۔"

فضہ معصومیت کے ساتھ مسکرا رہی تھی' شبیر کی نگاہوں میں ایک ان دیکھا چہرہ سا گیا۔ اسے لگا اس کے سامنے ظہیر کی بیوی نہیں اس کی اپنی ماں بیٹھی ہے۔

وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھ گیا۔

"اس کے لیے کچھ لینے والے صرف تم ہی نہیں ہو' کچھ اور لوگ بھی ہیں اور یہ سب کچھ جو تمہارے سامنے پڑا ہے' میں فضہ بھابی کے لیے لایا ہوں۔ فضہ! چلو اٹھو اور اپنی چیزیں خود ہی کھول کر دیکھو۔"

ظہیر نے اور فضہ نے ایک ساتھ شبیر کی طرف دیکھا۔

"میرے لیے؟"

"فضہ کے لیے؟"

یہ سوال دونوں کی زبان پر ایک ساتھ آیا۔

"آف کورس۔ کیا بڑے بھائی کو حق نہیں دیتے کیا؟ کیا دینا اس کا فرض نہیں ہے۔" سب اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے' فضہ نے مشکور نظروں سے شبیر کی طرف دیکھا اور اس کی نرم و نازک انگلیاں ایک شاپنگ بیگ کی گرہ کھولنے لگیں۔

بناری اور کامدار سوٹ۔ کچھ بہترین برانڈ جوڑے' جیولری کے دو سیٹ' کانچ کی نفیس چوڑیاں۔

دو انتہائی دلکش رنگوں کی بھاری ساڑھیاں' اور نہ جانے کیا کچھ۔

"اللہ شبیر بھائی! آپ تو بڑے چھپے رستم ہیں...... آپ نے ہم سب کی لائی ہوئی چیزوں کی انفرادیت کو مات کر دیا۔" شازیہ نے پیار بھرا احتجاج کیا۔

"کیا سمجھ رکھا تھا تم نے ہمیں۔ ہماری پسند ہمیشہ سے اے ون رہی ہے۔"

لڑکیوں کے رواں تبصرے شروع ہو گئے' اور مفت مشورے بھی۔

"شادی میں دو دن باقی ہیں یہ سوٹ سلوانا بھی ہوں گے' ساڑھیوں کے ساتھ پیچی کوٹ اور بلاؤز وغیرہ۔" ارم نے فکر ظاہر کی۔

"معاف کرنا یہ کام میرا نہیں' ان کے شوہر نامدار کا ہے' میں نے بڑے شوہر دیکھے ہیں ایسے جو ٹیلرز کے سر پر بیٹھ کر سلواتے ہیں' اپنی ازدواج کے ملبوسات' ظہیر اور کرے گا بھی کیا چلا جائے گا کل سارے دن کے لیے کسی ٹیلر کے ہاں۔"

"ونڈرفل شبیر۔ تم میں جورو کا غلام بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔" عدی جانے کہاں سے آ ٹپکا۔

"مگر تم یہ سبق شوہروں کی ساری قوم کو نہ پڑھاؤ۔"

"محترم جو سبق آپ سے سیکھا ہے' اسے باقیوں تک نہ پہنچانا بے ایمانی ہو گی۔"

ایک فرمائشی قہقہے نے در و بام ہلا دیے۔

ظہیر ہنستے ہنستے ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ شبیر کا شاداں و فرحاں چہرہ دیکھنے لگا۔ ماضی پر غور کرنے لگا' اپنی اور اپنے اہل خانہ کی زیادتیوں اور شبیر کی محبتوں کا سارا حساب اس کے دل پر تحریر تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس ندامت کا اظہار بے وقت تھا۔ شاید غیر ضروری بھی تھا۔

اب تو یہ حساب صرف محبت اور یگانگت سے ہی برابر ہو سکتا تھا کہ اس کائنات میں پائے جانے والے سارے مسائل کا (خواہ وہ ذاتی ہوں یا اجتماعی) حل محبت ہی ہے' محرومیوں کا مداوا پیار ہی ہے۔

بعض لمحے بھی شریر بچوں کی مانند ہوتے ہیں' لاکھ بھاگ دوڑ کے بعد بھی ہاتھ نہیں آتے اور سمجھوتہ کر لیں۔ ترس کھانے لگیں۔ تو خود ہی ارمان کر آ لپٹتے ہیں سینے سے۔

لمحوں نے شبیر سے بھی بڑی مدت آنکھ مچولی کھیلی تھی۔ بلکہ لمحوں نے تو بسا اوقات شریر بچے سے سفاک انسان کا روپ بھی دھار لیا۔ لیکن کتنی بڑی بات تھی کہ لمحوں کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس کے صبر' حوصلے۔ اعلیٰ ظرفی اور انسانیت کے آگے سفاکی نے گھٹنے ٹیک دیے تھے' چاروں اور خوشیاں ہی خوشیاں تھیں' یہ وہ مسرتیں تھیں جو اس نے پل پل کی قربانیوں کے صلے میں حاصل کی تھیں' یہ وہ عنایتیں تھیں رب کی جو ڈھیر سارے امتحانوں اور آزمائشوں کے بعد اس کا نصیب ہوئی تھیں۔ کتنا عظیم تھا وہ' پھر بھی بانٹ رہا تھا' دے رہا تھا سب کو۔ دینا اور بانٹنا بے شک ایک اہم صفت ہے' لیکن خوش نصیب ہوتے ہیں وہ انسان جنہیں رب اپنی اس صفت سے روشناس کراتا ہے۔ اس صفت کا ایک ذرہ ان کے دل میں بھی بھر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

واہ واہ نخرہ گوری دا

شاوا بھئی نخرہ گوری دا

لڑکے لڑکیوں نے مل کر ایک طوفان اٹھا رکھا تھا۔ صبح سے اس کے کمرے میں گھسے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دینے میں کوشاں تھے' ناچ رہے تھے گا رہے تھے' ہنگامہ برپا کر رہے تھے' بلکہ اس کمرے میں اور بھی بہت کچھ ہو رہا تھا۔ کیونکہ۔ پورا گھر مہمانوں سے بھر چکا تھا' یوں کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں' لڑکیوں نے اپنے اپنے ملبوسات اور سامان آرائش و زیبائش یہاں لا رکھا تھا۔ لڑکے بار بار بال سیٹ کرنے کی غرض سے اسی ڈریسنگ روم کا رخ

کررہے تھے۔ گوہر کی الماری میں ہینگرز کا طوفان آیا ہوا تھا۔ لڑکوں نے ویسے کے دن پہننے کے سوٹ استری کے بغیر یہاں ٹانگ رکھے تھے۔ گھنٹوں کی محنت کے بعد انہیں محفوظ جگہ یہی نظر آئی تھی۔ خود گوہر کے بیڈ پر رنگوں کی ایک قطار اتری ہوئی تھی۔ ہر رنگ کے سوٹ اور بھاری دوپٹے پریس کیے ہوئے یہیں براجمان تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں ویتی باکسز کی قطار تھی۔ دوسری طرف سینڈلز اور کورٹ شوز سجے تھے۔ بیڈ کے نیچے جیولری باکسز محفوظ کیے ہوئے تھے۔ کبھی شیر خوار بچے قالین پر قطار اندر قطار استراحت فرمارہے ہیں۔ اور کبھی ان کی مائیں آرام کی غرض سے لیٹی ہوئی ہیں۔ چائے کے تھرمک جگ چھپانے کی جگہ یہی، بھنی ہوئی کلیجی محفوظ کرنے کی جگہ یہی۔ کمرہ کیا تھا امرت دھارا تھا۔ ہر پریشانی کا علاج ہر درد کی دوا اور تو اور بابا جان نے نکاح کے وقت تقسیم کیے جانے والے میوہ جات کی پیک کی ہوئی تھیلیاں بھی اسی کے کمرے میں رکھوائی تھیں۔ کیونکہ ایک ہی رات میں لڑکے لڑکیوں نے پچاس تھیلیاں پار کرلی تھیں اور تو اور وہ چچی اماں، انہیں بھی اماں یہیں نظر آئی تھی۔ ان کا پاندان بھی گوہر کے پہلو میں دھرا تھا

”میں تو منگوا منگوا کر عاجز آگئی ہوں بیٹی، لڑکیاں بالیاں آنکھ بچاتے ہی اڑا لے جاتی ہیں، سب بچے اور لڑکے بمشکل سامان لانے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، وہ تو کھیل تماشا کرتے ہیں، میرے لیے پان کے بغیر وقت کاٹنا محال ہوجاتا ہے۔“ انہوں نے نقرئی پاندان جو چچا ابا کی نشانی تھا۔ ایک چادر میں چھپا کے رکھ دیا۔

ان دنوں میں جب وہ سارے گھر کے لیے سب سے زیادہ اہم ہستی تھی اور یہ سارے ہنگامے صرف اسی کی خاطر برپا کیے گئے تھے، اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس سارے ساز و سامان میں رکھا ایک پیس ہے اور بس۔ گو خوشی نے اس سے بھوک پیاس چھین رکھی تھی، لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ اسے کھانا دینا سب کو بھول جاتا۔ کئی بار صفیہ بیگم کو اس کے لیے علیحدہ سے کھانا بنانا پڑا۔

”اے میں صدقے میں قربان، اپنی بچی کے لیے میں خود لایا کروں گی کھانا۔ بلکہ صفیہ بیگم تم میرا کھانا بھی اسی کے ساتھ دیا کرو۔“ چچی اماں کو بے حد پیار آجاتا اس پر۔

اب وہی باقاعدگی سے ہر چیز اس کے لیے لا رہی تھیں۔

بابا نے سب سے چھپا کر فروٹ اس کے لیے لا رکھے تھے۔

”پھر تم تو مہمان بن کر ہی آیا کرو گی بیٹی، اس گھر کے فرد کی حیثیت سے یہ اختتامی دن ہیں تمہارے یہاں۔“

اس کی جدائی کی اذیت اس کی زندگی کی خوشیوں کے احساس تلے دب کر بھی خاصی تکلیف دہ تھی اور اس کا کوئی ازالہ نہیں تھا۔ ان دنوں لڑکے لڑکیوں کے ہر طرح بڑے مزے تھے، اس رات بخت ڈرائی فروٹ کے تھیلے لیے اس کے پاس آئے تو سب ٹڈی دل کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور گھنٹہ بعد ان تھیلیوں میں چھلکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

آج مہندی کی رسم ہونا تھی۔ سو لڑکوں نے مقابلے کی ریہرسل کرتے کرتے میکے والوں سے سسرالیوں کا روپ دھار کر اس کو نشانہ بنا لیا۔ اور اب ”نخرہ گوری دا“ کی گردان نے اس کے کان کھا لیے تھے، وہ کانوں میں انگلیاں دے کر بیٹھی تھی۔ جب شور اٹھا کہ لڑکے والے تشریف لاچکے ہیں، پل کی پل میں اس کا کمرہ خالی ہوگیا سارا شور لان میں منتقل ہوچکا تھا۔ جہاں رنگوں اور روشنیوں نے چکا چوند پیدا کر رکھی تھی۔ اس نے دریچے سے جھانک کے دیکھا۔ سارا عسکری خاندان ایک جگہ جمع تھا، بھرپور مسکراہٹ اس کے خوب صورت لبوں پر پھیل گئی۔

جدائیوں کے زخم جب بھرتے ہیں تو پھول بن جاتے ہیں، شاید خوش رنگ پھول، یہ دنیا واقعی محبتوں کے لیے ہی ہے۔ یہ دنیا محبتوں سے ہی حسین نظر آتی ہے۔ اس گھر میں خوشی کے بے شمار مواقع آئے تھے۔ تینوں بھائیوں کی شادیاں ان کے بچوں کی پیدائش۔

خود اس کی شادی کا وہ حادثہ جو برسوں پہلے پیش آیا تھا ہر شخص سہا ہوا اور اداس نظر آتا تھا۔ زبردستی مسکراتا تھا۔ خوشی کو اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور دلوں کے ساتھ جو بھی تھا اسے تو ہر خوشی نے اداس اور رنجیدہ ہی کیا تھا ان لمحوں میں، جب فضائیں ہنسی کی گھنٹیاں بج رہی ہوتی تھیں، وہ ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی شبیر کو سوچا کرتی تھی، اپنی تقدیر پر غور کیا کرتی تھی۔

خوشی کوئی مادی شے تو نہیں تھی کہ وہ اسے اپنی مٹھی میں بند کرلیتی خوشی تو ایک احساس تھا اور احساس کسی کے مانگنے پر نہیں ملا کرتے، احساس من کے اندر پھوٹنے والے چشمے کی مانند ہوتے ہیں اور سرچشمہ روح ہوتی ہے، دل کے اداس موسموں نے اسے کبھی پنپنے کی مہلت ہی نہ دی تھی۔

مگر آج۔

صبر و ضبط اور مستقل مزاجی کا جو صلہ رب نے اسے دیا تھا، وہ بہت دلفریب تھا۔ بہت حسین تھا۔ بہت دلکش تھا۔ اور مزے کی بات تو ایک اور تھی۔

اگلی خاندان مل کر اسے بے وقوف بنا رہے تھے، بقول بابا بزعم خود ان کے مگر وہ انہیں بے وقوف بنا رہی تھی۔ سب کی ترس کھاتی نظروں پر خود اسے ترس آتا تھا۔

”آہ بے چارے نادان لوگ۔“ وہ انہیں دیکھ کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سوچتی۔

اور سب اس کی لاعلمی پر اسے بے چاری سمجھتے کبھی کبھی جو ہر کو بے حد حیرانی ہوتی۔

”یہ وہی لڑکی ہے، جس نے اپنی عمر کے خوبصورت ترین سال ایک موہوم سی آس میں چراغ دل کی روشنی میں راستوں کو منور کیے رکھا، آج وہ کس چین سے آمادہ ہوگئی ہے۔“

کبھی کبھی انہیں ڈر لگتا۔

محبتوں کے روگ ایک بار لگ جائیں تو عمر بھر کے لیے جدا نہیں ہوسکتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عین وقت پر کوئی ہنگامہ کھڑا کردے۔

کبھی وہ سوچتیں۔

بہت سی باتوں سے لاعلم رہ کر وہ کوئی بھیانک فیصلہ نہ کر بیٹھے لیکن وہ بدعہدی نہ کرسکیں سب سے، اب تو ایک مضبوط رشتہ نے ویسے بھی ان کو منہ بند رکھنے کا پابند بنا دیا تھا، انہوں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا کہ جو اس کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات ڈھلی، دن میں بدل گئی، یہ دن بڑی مشکل سے اس کی زندگی میں آیا تھا۔ یہ دن اس کے لیے خواب بنا تھا کبھی بچھڑنا کام حسرت میں بدل گیا تھا۔

بہت سارے دن بھاگ دوڑ میں کام کاج میں گزر گئے تھے، وہ پاپا سے کہہ کر اپنے گھر چلا آیا تھا۔ ریسٹ کرنا چاہتا تھا یا بے صبرا ہو رہا تھا۔

سکون کے ساتھ گوہر کو سوچنا چاہتا تھا۔

سب کا متفقہ فیصلہ تھا، سب نے بخوشی اس پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ دلہن کو شبیر کے گھر میں لایا جائے۔ شب

زفاف گزارنے کے لیے اس کی اپنی خوابگاہ ہی سجائی جائے‘ دوسرے دن بے شک صبح ہی صبح وہ ادھر آ جائیں۔

عروسی کمرے کی تزئین و آرائش عدی اور اس کی بیگم نے اپنے ذمے لے لی‘ شبیر دوپہر تک دوسرے کمرے میں سوتا رہا‘ جاگا تو اس کی خوابگاہ کی شکل ہی بدل چکی تھی‘ پھولوں کی آرائش شکل و خوشبو نے عروسی شب کی تصویر اس کی نظروں میں بسا دی تھی‘ وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔

”فون پر فون آ رہے ہیں یار...... ادھر دولہا صاحب کے گھر والوں کو ان بن چین نہیں آ رہا...... کام مکمل ہو چکا ہے اور تم بھی آرام کر چکے ہو‘ میرا خیال ہے اب چلتے ہیں‘ کھانے پر جناب کا انتظار ہو رہا ہے۔“

”بھائی صاحب! یہ آرام جو آپ نے کیا۔ بائی دا وے پچھلی تھکن اتارنے کے بہانے‘ اگلی شب بے داری کا سدباب تو نہیں تھا۔“ وہ اب آگاہ ہو رہا تھا‘ عدی کی بیگم سے‘ خاصی دلکش شخصیت تھی اس کی بھی۔ بس تھوڑی سی مغرور اور بے نیاز تھی۔

وہ صرف سر جھکا کر رہ گیا‘ جواب نہ دے سکا۔

”یہ سچ کہہ رہی ہیں‘ خواتین کو کمال حاصل ہے۔“ عدی نے مسکراہٹ لبوں میں دبا کر شریر انداز میں۔

”کس بات کا؟“ شبیر نے پوچھا۔

”بے چارے شوہروں کو جگائے رکھنے کا۔ نیندیں اڑا دینے کا‘ برق میں اور ان میں فرق ہی کیا ہوتا ہے‘ دونوں ہی ہوش ربا اور خاکستر کر دینے والی چیزیں ہیں۔ آپ نے سچ کہا مادام نیند تو بس وہی تھی جو آج کر لی تھی۔ اب چین سے سونا تو خواب ہوا۔“ عدی نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی‘ شبیر فون کی طرف بڑھا۔ عدی نے جان لیا کہ بلاوا کہاں سے ہے اور تینوں چل پڑے۔

”توبہ ہے شمی۔ آدمی اگر غلطی سے اہم بن ہی جائے تو اتنے نخرے نہیں دکھانے چاہئیں اسے۔“

عذرا گیٹ پر ہی مل گئی‘ لان میں چاروں طرف شوخ رنگ بکھرے تھے‘ لڑکیاں چہچہا رہی تھیں‘ سب نے کھانا برائے نام ہی کھایا اور جانے کی تیاریوں میں لگ گئے ساری بہنوں نے مل کر دولہا کی ایک ایک چیز مطلوبہ مقام تک پہنچا دی۔ بزرگ خواتین بھی اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ وہ شلوار قمیص پہن کر فارغ ہوا ہی تھا کہ سب نے ایک ساتھ دھاوا بول دیا۔ سب نے مل کر اسے ننھا منا بچہ بنا دیا۔ قمیص کے بٹنوں سے لے کر بال سنوارنے تک کلون لگانے سے موزے پہنانے تک سارا کام باری باری سب بہنوں نے کیا۔ سدرہ آپا‘ ارم شازیہ‘ عذرا‘ چاروں بار بار اس کی پیشانی پر اپنے پیار کی مہریں ثبت کر رہی تھیں‘ مما اور ممی دونوں وہیں تھیں‘ وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔ آپ ہی آپ اس کا سر جھک گیا تھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر وہ چہروں پہ چھائی بہار کا نظارہ کر لیتا اور اس کا دل جھوم اٹھتا۔ تھوڑی دیر میں مرد حضرات معہ شریر لڑکوں کے کمرے میں داخل ہوئے۔

شاہنواز اور جمال احمد ایک ساتھ کھڑے تھے۔ جمال احمد نے سب چہروں کو بنظر غور دیکھا۔

”اے رب کامل! یہ سفر جب شروع ہوا تھا تو شبیر ایک بچہ تھا۔ تنہا اداس اور بے سہارا۔ میری محبت نے اسے سہارا دیا۔ ایک کمزور پودے سے تناور درخت بننے کا سارا عمل تیرے بعد میری نگرانی میں تھا۔ میں نے کسی لالچ کے بغیر اس کی دیکھ بھال کی زمانے کی سردی گرمی سے بچانے کی سعی کی‘ یہ میری حسرت تھی کہ اسے اس کے اپنوں کے درمیان ہنستا مسکراتا دیکھوں۔ تو بڑا رحیم ہے اے رب! تو نے یہ دن مجھے دکھا دیا‘ یہ دن گو دیر بعد آیا۔ لیکن اس کا دیر سے آنا بھی اس کی خوبصورتی ہے اور آج بے حساب سجدات شکر مجھ پر واجب ہیں۔ الٰہی اب اس کی زندگی

کے موسم میں خزاں کبھی نہ آئے۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے سبب یہ لڑکا مجھے واقعی بے حد عزیز ہے‘ شاید اپنی اولاد...... جتنا ہی۔“ جمال احمد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”بھائی صاحب! بیٹے کے سر پر سہرا سجائیے۔“ شاہنواز عسکری کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

”نہیں صاحب! یہ خوبصورت فرض آپ کا ہے۔“ جمال احمد نے جھٹ کہا۔

”آپ ان انمول گھڑیوں میں غیریت کا احساس پیدا نہ کیجیے جمال احمد۔ آپ ہم سب کے بڑے بھائی ہیں۔“ شاہنواز نے آگے بڑھتے ہوئے سہرا ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ سارے ہاتھ ایک ساتھ دعا کے لیے بلند ہوئے تھے‘ خود شبیر کے ہاتھ بھی‘ لیکن اس نے بڑی مختصر سی دعا مانگی تھی۔

”الٰہی اس ساری کائنات کو محبت کے جذبوں سے حسین و آباد رکھ۔“

عدی‘ ہارون‘ ظہیر‘ منیر‘ یوسف‘ افتخار‘ عامر‘ ساغر سب شبیر کے ساتھ ساتھ تھے‘ گاڑیوں کی قطاریں جانے کو تیار تھیں۔

”یار اگر تم نے بھائی کا پلو باندھنے کا ارادہ ترک نہ کیا ہو تو اب کر لو۔ کیونکہ پلو بندھائی‘ نیگ‘ جوتا چھپائی‘ دودھ پلائی وغیرہ کے نام پر تم سب کچھ لے چکے ہو۔“

ظہیر نے منیر کے کان میں کہا۔ ”سخت احمق لگو گے پھر اس حرکت پر خواہ مخواہ لوگ ہنسیں گے۔ اور ایسا تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جو کچھ دینے میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں۔ شبیر بھائی نے تو ہم سب کو بہت کچھ دے دیا ہے۔ بہت کچھ۔“ اس بہت کچھ سے ظہیر کی مراد... جذبے تھے‘ حسین و بے مول جذبے اور اس بات کو منیر بھی سمجھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے دس بجے بارات واپس جانے کے لیے تیار کھڑی تھی‘ لڑکیوں کے منہ پھولے ہوئے تھے‘ لڑکے ایک طرف خاموش کھڑے تھے‘ عدی اور ہارون ان کے پاس تھے۔

”یار عدی ان لڑکیوں کی موٹی عقل میں یہ بات سما ہی نہیں رہی‘ یہاں تک تو ان کی موجودگی بے جواز نہیں تھی وہاں ان سب کو پا کر اسے پتا نہیں چل جائے گا۔ نکاح کے وقت قاضی صاحب اندر گئے تھے جب میں نے رازداری کا کتنا خیال رکھا۔ یہاں تک کہ قاضی صاحب سے بھی التجا کی شبیر کا نام نہ لینے کی صرف کاغذات پر دستخط کرا لینے کی‘ ورنہ کیا فرق پڑے گا‘ ان کے نہ جانے سے‘ اور ان کو زرہ معترزوں کو دیکھو یہ الگ منہ بنائے کھڑے ہیں‘ ہم سب کی تمنا رو خاک میں ملانا چاہتے ہیں۔“

”آپ اطمینان رکھیے ہارون بھائی‘ ان میں سے کوئی بھی دولہا دلہن کے ساتھ نہیں جائے گا۔“

عدی کی بات پر سب نے گھور کر اسے دیکھا جیسے اس نے کوئی بہت ہی غلط بات کہہ دی ہو۔

اس نے سب کو یکجا کر کے رسان کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی اور انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

ماورا تو غصے میں کھول رہی تھی۔

”پتا نہیں کیا چارم نظر آتا ہے آپ کے ہارون صاحب کو۔ ان کے ساتھ ایسے کیا جاتا تو انہیں خبر ہوتی‘ بے چاری اتنی اچھی کو بر بھابی کے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے۔ میں ابھی جا کے کہہ آتی ہوں سب کچھ ان سے۔“

”ارے رے۔ رے ایسا غضب نہ کرنا۔ پلیز ماورا۔ پلیز۔ گھر چلو۔ صرف چند گھنٹوں کی بات ہے۔ بیٹھی بنا سر جوڑ کے اپنی بھابی کے ساتھ۔“ قسطیہ نے اسے پکڑ لیا۔

صرف نبیل اور جوہر۔ گوہر کے ساتھ تھے۔ باقی لوگوں کی گاڑیوں کا رخ دوسرے گھر کی طرف تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے گوہر کو بے اختیار مشتاق احمد یوسفی کی "زرگزشت" کا ایک پیرا یاد آنے لگا۔ جس میں موصوف نے ایک رخصتی کا ذکر کیا تھا' جس میں ہر چیز نم تھی' سوائے دلہن کی آنکھ کے' چونکہ ان لمحوں میں دولہا صاحب دلہن کو اپنی ملکیت مان چکے تھے' لہٰذا اس کے ہر عمل کا ذمہ دار بھی خود کو سمجھ رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے دلہن کو ٹہوکا دیتے ہوئے التجا کی کہ روؤ کہ رونا بھی رسومات میں شامل ہے' لیکن دلہن کے ساتھ بھی شاید گوہر جیسی صورت حال تھی' گوہر کو بھی باوجود کوشش کے رونا نہیں آیا تھا اور شبیر کی مجبوری تھی کہ فی الوقت وہ گوہر تو کیا اس کے سائے سے بھی گھبرا رہا تھا..... مشتاق یوسفی کی بیان کردہ دلہن تو دولہا کے سہرا اٹھائے جاتے پر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی' لیکن یہاں یہ صورت حال مختلف تھی۔ آٹھ آٹھ آنسو گوہر کو نہیں کسی اور کو بہانا تھے اور اس تصور سے گوہر کے لیے ہنسی ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔ گاڑی میں صرف چار افراد تھے' نبیل' جوہر اور دولہا دلہن اور دولہا کا یہ حال تھا کہ

دور بیٹھا غبار میر اس سے

کی عملی تصویر بنا ہوا تھا۔

پندرہ منٹ میں اس نے ہاں ہوں بھی نہیں کی کسی بات کے جواب میں۔ کتنے بھونڈے پن سے وہ سارے ایک راز کی حفاظت کر رہے تھے' جو کسی طور پر راز نہیں تھا۔

راز تو وہ تھا جو گوہر کے دل میں تھا اور وہ سارے ہتھیاروں سے لیس جوابی کارروائی کے لیے تیار ہو کر جا رہی تھی۔

سارے چوہے جانے کس بل میں جا گھسے تھے' جنہوں نے کئی دنوں سے اس کی جان کھائی ہوئی تھی۔ سسرال کا گھر آ گیا۔ جوہر آپا نے اسے گاڑی سے باہر آنے میں مدد دی' شبیر جانے کہاں تھا۔ جوہر اسے خواب گاہ میں لے آئیں۔

"آپا!" اس نے آہستگی سے جوہر کو پکارا۔

"یہ دولہا صاحب کیا ہوئے؟ بھئی دیکھا اور سنا تو یہی ہے کہ اس موقعے پر دولہا صاحب بے چاری دلہن کے ہم قدم ہوتے ہیں' بلکہ اسے سہارا دے کر چلتے ہیں' خیر اب میں ایسی بھی ناتواں نہیں ہوں' لیکن کم از کم..... آپا! یہ جس فارم پر میں نے سائن کیے تھے' وہ نکاح نامہ ہی تھا یا کچھ اور' لگتا ہے ان موصوف کو ملکیت کا پرمٹ نہیں وارننگ ملی ہے' مجال ہے جو گاڑی میں ان کے لباس کا کوئی حصہ بھی مجھ سے مس ہوا ہو' مجھے لگا آپ دونوں ہم دونوں کے لیے خدائی فوجدار تھے' یا پھر کوئی دفعہ لاگو ہو جانے کا خطرہ تھا۔" وہ شوخ ہوئی جا رہی تھی۔

"خاموش رہو۔ دلہن بھی یوں بولتی ہے بھئی۔"

جوہر اس کی شوخی سے گھبرا رہی تھیں۔

"او۔ کے باس۔" اس نے سر جھکا دیا۔ اس خواب گاہ کی خوبصورتی اور نفاست نے جواب یقیناً اس کا ٹھکانہ تھی' پل بھر کو خاموش کر دیا اسے۔

جوہر نے اسے پھولوں سے سجے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"میں اب جا رہی ہوں' گگو کو اکیلا چھوڑ آئی ہوں' صبح جلد آ جاؤں گی۔"

"آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ میں کافی ہوں اکیلی ہی۔"

"گوہر۔" اس کی مد... (partly illegible) ...نے اسے گھورا۔

"اوہ میرا مطلب تھا آپ با... " گوہر نے سنجیدہ انداز میں کہا۔ اسے کچھ چیزوں کے بارے میں بتا کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں' کچھ دیر بعد اسے تھوڑا اطمینان سا ہوا تھا اس نے بیڈ کے پشت سے سر ٹکا دیا۔ غیر ضروری میک اپ اور زیورات ذرا بھی اس کے شایان شان نہیں لگ رہے تھے' اس پر پھر بھی دلہن کا روپ تھکا دینے والا ہی تھا۔ اس نے سکون کی سانس لیتے ہی پرس کھولا۔ تین دن کی محنت کے بعد مکمل ہونے والے الفاظ کا زبردست مجموعہ اس نے بڑے پیار سے تکیے پر رکھ دیا اور خود بیڈ سے ہٹ کر کمرے کے وسط میں آ گئی۔ بلکہ چلی پھر کے حدود اربعے کا جائزہ لینے لگی۔ دائیں دیوار میں موجود دروازہ دوسرے کمرے میں کھلتا تھا' وہ کمرا یقیناً شبیر کا اسٹڈی روم تھا۔ شمالی دیوار سے ایک دروازہ ڈریسنگ روم کی طرف جاتا تھا۔ اسے کس وقت کہاں جانا تھا اس نے سب سوچ لیا۔

ایک گھنٹے سے بھی زیادہ وقت گزر گیا۔ انتظار انتظار تو اس کی عادت بن گیا تھا' لیکن یہ لمحے بڑے عجیب سے تھے' کہ دل بھی کان بن کر رہ گیا تھا۔ ہر ایک آہٹ پر اس کے آنے کا گمان ہوتا تھا۔ پھر ایک آہٹ بہت قریب آتی محسوس ہوئی تو اس نے جھٹ اسٹڈی کا رخ کیا۔ وہ ایسی جگہ پر تھی کہ شبیر کا نظارہ با آسانی کر سکتی تھی لیکن وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

شبیر اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا' حسین لمحوں کا تصور اس کا ہمراہی تھا۔ وہ اگلے چند ڈرامائی لمحات کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ اس کے بیڈ پر بیٹھی گوہر اسے سامنے پا کر حیران ہو جائے گی' اسے دیکھتی رہ جائے گی اور وہ اس کی ساری حیرانی اپنی بے تاب محبت سے دور کر دے گا' اس کی آنکھیں اسے سب سمجھا دیں گی وہ اندر داخل ہوا۔ بیڈ پر کوئی نہ تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کمرا خالی تھا۔ اچانک اس کی نظر تکیے پر پڑے کھلے نیلے کاغذ پر پڑی۔ وہ اسی طرف لپکا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے کاغذ اٹھا لیا۔ شبیر عین اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کی نظریں تیزی سے الفاظ کے تعاقب میں دوڑتی جا رہی تھیں۔

میرے ہم سفر!

آپ مجھے عروسی شب کے ان لمحوں میں اس بستر پر نہ پا کر حیران ہوں گے' یقین جانیے میری عدم موجودگی آپ سے بے زاری یا نفرت کا اظہار ہرگز نہیں ہے' میں چاہتی تو یہ سب کچھ آپ سے زبانی بھی کہہ سکتی تھی۔ لیکن اپنی نئی زندگی کا آغاز ماضی کی تلخ یادوں کے ذکر سے نہیں کرنا چاہتی تھی' میں نے آپ کو صدق دل سے اپنا رفیق حیات تسلیم کیا ہے اور آپ کی طرف سے بھی سچائی اور محبت کی طالب ہوں۔

ہو سکتا ہے' اب تک آپ کو کسی نے میرے بارے میں بعض باتیں نہ بتائی ہوں لیکن ازدواجی زندگی کی بنیادوں میں لاعلمی اور خدشے بھرے ہوں تو عمارت گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے' اور میں کسی صورت یہ نہیں چاہتی کہ آپ کے دامن محبت سے وابستہ ہونے کے بعد آپ کو کھو بیٹھوں میں نے سوچا کہ وہ باتیں جو دوسرے آپ کو غلط انداز میں پہنچائیں' میں ہی کیوں نہ بتا دوں۔

شبیر عسکری کو آپ جانتے ہیں۔ کیسے نہ جانتے ہوں گے' ان دنوں تو وہ شہر کی اہم شخصیت بنا ہوا ہے' خدا کسی نااہل کے دامن میں ذمہ داریوں کے بوجھ ڈال دے تو ہمیں کڑھنے سے کیا ملے گا' میرے لیے تو اس کا نام ہی کافی تھا' وہ اہم ترین ہستی آپ ہیں' وہ کچھ بھی ہوتا رہے' ہمیں اس سے کیا غرض۔

مجھے بزرگوں نے اپنی مرضی کے تحت اس سے منسوب کر دیا تھا' ہماری منگنی ایک دو سال قائم رہی' اس کا کردار ان دنوں بھی قابل تحسین نہیں تھا' یونیورسٹی میں قتل کے ایک الزام سے بمشکل بچا' وہاں بھی کسی لڑکی کا چکر تھا۔ میں

نے تو منگنی بھی رو پیٹ کر کی تھی اُن حالات میں جب میرے بابا نے میری شادی ایک اور جگہ طے کر دی تو مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن چونکہ میرا اور آپ کا یہ حسین ملاپ آسمان پر تقدیر کی کتاب میں ازل سے رقم تھا۔ کسی بہانے وہ شادی ہونے سے رہ گئی۔

لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے عمر کے چھ سات برس اس بندے کی یاد میں گزارے ہیں یہ مجھ پر ایک الزام ہے درحقیقت اس زندگی میں مجھے ایک بھی شخص ایسا نظر نہ آیا جو میرے معیار کے مطابق ہوتا۔ آپ کو میں نے اپنے لائق پایا اور والدین کی تجویز پر ہاں کہہ دی آپ میرے اپنے ہیں آپ سے دل کی بات چھپا کر میں دوئی کا احساس پیدا نہیں کروں گی۔

وہ مکار شخص جو کچھ بھی تھا جیسا بھی تھا باتیں کرنے کا فن خوب جانتا تھا اسی خوبی کے سبب تو اس نے شہر کے پانچ لاکھ لوگوں کو بے وقوف بنا کر سیٹ جیت لی ہے آپ سوچیے آخر ایک دو سال ہم ایک دوسرے کے منگیتر رہے میں تو خیر جو کچھ بھی تھی وہ منگیتر جان کر صرف دل لگی کے طور پر یہی ادھر ادھر کی سنایا کرتا تھا۔ ایک بار شاید کسی حسین رت کی اترتی رات کے حسن سے مرعوب ہو کر وہ کہنے لگا۔

"ہم ایک پیارا سا گھر بنائیں گے اسے پھولوں اور کلیوں سے سجائیں گے یہ جو آسمان پر تارے سجے ہیں نا یہ اور کسی کے لیے نہیں ہمارے آنگن کی سجاوٹ کے لیے رب نے بنائے ہیں۔ رم جھم برستے ساون کے دن بڑے ہی دلفریب ہوں گے کہ ہم تم مل کر ان کا استقبال کیا کریں گے اور اپنے ڈرائنگ روم میں گرما گرم پکوڑے کھاتے ہوئے شیشے کی دیوار کے پار سے بوندوں کی رم جھم کا منظر دیکھا کریں گے۔"

اس نے تو خیر گپ...... ماری تھی یا شاید کسی فلم کے رٹے رٹائے مکالے مجھے سنا دیے تھے لیکن لڑکیاں ایسے لمحوں کے خواب ضرور دیکھتی ہیں میں نے آپ کو سچ بتا دیا ہے کہ بخدا آپ کے سوا کسی کی میرے دل میں گنجائش تھی نہ ہے کیا میں امید رکھوں کہ آپ کی محبت کی چھاؤں میں مندرجہ بالا سارے احساسات محض تصور نہیں رہیں گے ہمارا گھر میرے خوابوں کا حقیقی روپ ہوگا اور میں یہ سارا دلفریب جہان صرف اپنی بصارتوں سے نہیں آپ کی آنکھوں سے بھی دیکھوں گی۔

اگر ایسا ہے تو آپ مجھے آواز دیجیے پکاریے میں جہاں بھی ہوں دوڑی چلی آؤں گی اور آپ نے مجھے نہ پکارا تو میں سمجھ لوں گی کہ......"

اس سے آگے شبیر کچھ پڑھ ہی نہیں سکا۔ کچھ دیر وہیں رکا رہا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ڈریسنگ روم میں جھانکا۔

اور اس کی بدحواسی کو گوہر نے مزے لے لے کے دیکھا شاید اسے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تبھی وہ لپک کے...... سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا۔ فون کا چونگا اٹھایا۔ جلدی جلدی نمبر ملایا ایک نمبر پھر دوسرا نمبر پھر تیسرا نمبر۔

پھر اس کی جھنجلائی ہوئی آواز گوہر کے کانوں میں آئی۔ "ہارون بھائی ہیں۔"

"یار کہاں گم ہو گئے ہیں وہ جلدی سے بلاؤ انہیں۔" ایک دو پل کی تاخیر کے بعد وہ پھر بولا۔

"اُفوہ کہاں چھپ گئے ہیں۔ اب آیئے خود ہی سنبھالیے معاملہ۔"

"یہ کیسے کیا نہیں ہوا۔ وہ کمرے میں نہیں ہے جانے کہاں چلی گئی ہے میں نے آپ سے کہا تھا۔ آپ کا یہ راز انوکھا بلکہ بھونڈا مذاق میری جان پر بنا دے گا۔ میں ایک عمر کانٹوں پر چل کر اس تک پہنچا تھا ہارون بھائی۔ آپ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ اسے مجھ سے نفرت ہے وہ اس میجر کے بچے کو۔ اف میرے خدا۔ میں کہہ رہا ہوں

آپ خود آ جایئے میری شان میں جو قصیدے اس نے لکھے ہیں وہ پڑھ لیجیے۔ ان الفاظ کے بعد کس کافر کو یقین رہا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ یا کرتی ہے۔ نہیں نہیں ہارون بھائی ایک یہی بات تو ہے جس کا میں قائل نہیں رہا زبردستی کا۔ میں کسی ذی روح سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ لینے کا یا اسے کچھ دینے کا قائل ہرگز نہیں ہوں میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ میں تو کچھ سوچ لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔" وہ شاید رو دینے کو تھا جواب میں ہارون احمد نے جانے کیا کہا۔ "آئی سویئر ہارون بھائی۔ اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو میں اسے آزاد......"

اس نے مڑ کر دیکھا حنائی ہاتھوں نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کر لیا تھا وہ عین اس کے سامنے کھڑی محبت پاش نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

وہ دونوں ایک طویل مدت بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اس بات کا احساس گوہر کو تھا شبیر کو ہرگز نہیں۔

وہ اس سے بلکہ اس کے لبوں پر پھیلنے والی دلفریب مسکراہٹ سے یہاں تک کہ اس کی حسین آنکھوں میں انگڑائیاں لیتے نئے نویلے جذبوں سے بھی بے نیاز تھا۔

گوہر نے کریڈل پر انگلی رکھتے ہوئے رابطہ کاٹ دیا۔ شبیر نے اس کا ہاتھ آہستگی سے پرے ہٹایا اور منہ پھیر لیا۔

"آپ بھول رہی ہیں گوہر! میں غلام حسن نہیں شبیر ہوں۔"

"میں نے اس فارم پر کھلی آنکھوں کے ساتھ سائن کیے تھے جس نے مجھے اور آپ کو ایک ساتھ جیون ڈور میں باندھا ہے شبیر۔"

وہ ایک دم پلٹا۔

"تو یہ خط؟"

"یہ میں نے اپنے جیون ساتھی کے نام ہی لکھا ہے۔ آپ اسے ایک بار پھر پڑھیے۔"

"مگر اس کا ایک لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمہیں مجھ سے...... اوہ گوہر۔ نہیں نہیں۔ میں بے وقوف نہیں ہوں...... سب جانتا ہوں۔"

"بے وقوف تو میں بھی نہیں تھی۔ آپ سب مجھے ایسا خیال کر رہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب آپ اپنے آپ سے پوچھیے۔"

"یعنی یہ کہ تمہیں سب خبر تھی۔"

"آف کورس!"

"مگر کیسے؟ کب سے؟"

"خبر تو مجھے ہر حال میں ہو جاتی لیکن ایک مہربان دوست نے بڑے اہم لمحوں میں کئی نویدیں ایک ساتھ مجھے دے دیں۔"

"کیا مطلب؟ تم سب کچھ جانتی تھیں؟"

"یقیناً۔"

"کون تھا وہ غدار نا اہل۔ بے ایمان۔" شبیر نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"آپ کو میرے اس مہربان دوست کی شان میں ایسے الفاظ کہنے کا حق نہیں، وہ تو جو بھی تھا۔ لیکن آپ بتائیے آپ کیسے ہیں ان لمحوں میں، دل و جاں پر کیا گزری ہے یہ پڑھ کر۔ وہ تو میں ہی تھی نشانہ مشق بنا رہا ہے آپ کی بےوفائی اور بے نیازی کے قصے لیے چلا آ رہا ہے اور وہ فسطینہ کی بچی۔ اس نے تو کہانیاں سنائیں کہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی...... مجھے وہم ہوتا رہا، کہیں سچ مچ تو ایسا نہیں۔ مجھ پر ظلم کرتے ہوئے ذرہ بھر ترس نہ آیا؟ اگر میں آپ کی جفا کے غم میں جان دے دیتی تو۔"

"نہیں گوہر! ہمیں تو محبت کرنے کے لیے ہزاروں سال چاہئیں۔ صرف محبت کرنے کے لیے ہی نہیں، پیار بانٹنے کے لیے بھی...... زندگی تو آج سے شروع ہوگی، مستحکم زندگی پر اعتماد زندگی خوش باش زندگی، مگر پھر کہہ دو کہ یہ خط جو میں نے ابھی پڑھا ہے، محض ایک جھوٹ تھا۔"

"نہیں، یہ ایک سچا جھوٹ یا جھوٹا سچ ہو سکتا ہے، محض ایک جھوٹ نہیں۔ کیا آپ کی اتنی ڈھیر ساری خطاؤں، زیادتیوں کے بدلے یہ چھوٹی سی سزا زیادہ ہے۔" اس نے دلربائی کے ساتھ پوچھا۔

"چھوٹی سی۔ مگر جان لیوا۔" شبیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

"لیکن تم مجھے اس غدار کا نام ضرور بتا دو جانِ من! اس تکلیف کی اس اذیت کی سزا تو میں اسے دوں گا نہیں۔ کہ واقعی تم بہت سی سزائیں بے گناہ بھگت چکی ہو۔"

"آپ بار بار انہیں غدار مت کہیے۔ میں ان کی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔"

"یقیناً یہ جوہر آپا ہیں۔ غضب ہی غضب، رشوت لینے کے باوجود۔"

"ارے نہیں وہ نہیں۔" گوہر بے اختیار ہنس دی۔

"وہ نہیں ہیں تو پھر کون؟"

ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن

فون بج رہا تھا۔ شبیر نے ریسیور اٹھایا، دوسری طرف ہارون تھے، رابطہ کٹ جانے سے پریشان سے۔

"اب آپ کی تشریف آوری کی ضرورت نہیں رہی، اچھے میاں بیوی آپس کے الجھے مسئلے خود حل کر لیتے ہیں۔" اس کے قریب کھڑی گوہر مسکراتے ہوئے اسے تکے جا رہی تھی، صدیوں کی پیاسی اکھیاں ایک پل میں تو سیر نہیں ہو سکتی تھیں نا۔

اب وہ ہنس رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔

"آپ اس کی بات کرتے ہیں۔ بلکہ میں بھی اسی کی فکر میں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ایک دم مجھے سامنے پا کر مارے خوشی کے وہ...... مگر صاحب اس نے تو میری جان پر بنا دی، کہ بمشکل سانسیں بحال ہوئی ہیں اب اور جناب آپ فون رکھ ہی دیجیے۔ آپ سے باتیں کرنے کے علاوہ بھی کچھ ضروری کام ہیں مجھے، او۔ کے خدا حافظ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔

صبح آٹھ بجے وہ دونوں ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ طویل میز پر ناشتے کے لیے سب کے ساتھ موجود تھے۔ ابھی انہوں نے ایک لقمہ بھی نہ توڑا تھا کہ گوہر کے گھر والے بھی آ موجود ہوئے، سب اس سے ملے۔ عاصم حسین نے، تینوں بھائیوں نے گوہر کے چہرے پر دھنک رنگوں کا ہجوم پا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ ناشتے کی میز پر بزرگ اور بچوں کے سوا سب کی پلیٹوں کے ساتھ گوہر کے لکھے خط کی فوٹو کاپی موجود تھی، جسے پڑھا جا چکا تھا اور سہولت سے اس پر تبصرہ کیا جا رہا تھا۔ ایک ایک فقرے پر داد دی جا رہی تھی، بزرگوں کا لحاظ کیے بغیر۔

"گویا محترمی شبیر عسکری ایم این اے بے وقوف بنا دیے گئے۔" فسطینہ نے بڑی شوخی کے ساتھ مذاق اڑایا۔

"حاضرین! جب یہ حضرات بیوی کے حضور پہنچائے جاتے ہیں تو بنے بنائے ہوتے ہیں۔ بنانے نہیں جاتے میرا مطلب ہے بے وقوف۔" عذرا نے اسے ستانے والے لہجے میں کہا۔

"آج کے اخبار کی شہ سرخی یہی ہونی چاہیے تھی، پانچ لاکھ عوام کو اپنی لچھے دار تقریروں سے بے وقوف بنا کر سیٹ جیتنے والے ایم این اے کو ایک کمزور سی لڑکی نے چند منٹوں میں بے وقوف بنا دیا۔ موصوفہ کی خوبی بس یہی تھی کہ وہ آں جناب کی نصف بہتر تھیں۔"

"واہ یہ کب ممکن تھا غداری کے بعد ابھی تم سب لوگ ہنسو خوب ہنسو، تم میں سے جو بھی مجرم ہے اسے تلاش کرنا میرا کام ہے، اس سے تو میں ایسا سلوک کروں گا کہ اسے دن میں تارے نظر آئیں گے بلکہ چھٹی کا دودھ یاد آئے گا۔"

عاصم حسین جواب تک چپ بیٹھے تھے، مسکرانے لگے، بلکہ ہنس پڑے۔

"تمہیں حق ہے برخوردار۔ پورا حق جو چاہے کہو، جو جی میں آئے سزا دو۔ لڑکی کے باپ کی پوزیشن تو ویسے بھی بڑی آکورڈ سی ہو جاتی ہے بیٹی دے۔ دینے کے بعد، پھر میں تو تم سب کا راز فاش کر دینے کا مجرم بھی ہوں۔" وہ اپنی مسکراہٹ دبا رہے تھے۔

"اوہ پھوپھا جان آپ۔" اس نے بے بسی کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"آپ...... آپ۔" سب نے کورس میں کہا۔

"ہاں میں۔ بیٹی نے اتنے برس خزاں کے جان لیوا موسموں میں گھر کر گزار دیے تھے، باپ تھا نا میں اس کا مجرم بھی۔ اس کی خوشیوں کا قاتل بھی، صبر نہ ہو سکا مجھ سے۔ اس رات شبیر کی کامیابی کی نوید نے اس کے چہرے پر محرومیوں میں لپٹی جو خوشی کی لہر بکھیری اس نے مجھے جذباتی کر دیا۔ میں رہ نہ سکا۔ میں نے وہ بہاروں بھرا پیام سنا کر اس کے چہرے پہ اترتی بہار سے اپنا دل شاد کر لیا۔ اس خوب صورت جرم کی سزا مجھے قبول ہے۔" عاصم حسین کے انداز میں سنجیدگی آ گئی۔

ماحول خوشی بھری افسردگی میں ڈھلنے لگا تھا۔ جمال احمد جھٹ بول اٹھے۔

"صاحبان ایک مثل مشہور ہے، جو دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے۔" ان کے ہاتھوں میں گوہر کے خط کی فوٹو کاپی تھی، جانے کہاں سے ہاتھ لگی تھی۔

"ہماری بہورانی جو کہ آپ کی بیٹی ہے کے چہرے پر خوشیوں کے پھول کھل اٹھنے کا منظر بھی کم حسین نہ ہوگا جو آپ نے دیکھا عاصم بھائی۔ لیکن منظر وہ بھی کم حسین نہ ہوگا جب ہمارے برخوردار...... نور چشم مسمی شبیر عسکری کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوں گے، یہ خط پا کر۔ آپ وہ نہ کرتے تو یہ کیسے ہوتا۔ جس کے تصور نے اس محفل کو زعفران بنا رکھا ہے۔" سب ایک بار پھر ہنس دیے۔

شبیر نے سر جھکا لیا۔ مگر مسکراہٹ کسی سے چھپی نہ رہ سکی۔

دوسری شام وہ دونوں اپنے گھر کے خوبصورت لان میں پہلی حسین شام ایک ساتھ دیکھ رہے تھے۔ مغربی افق پہ روشن شام کا روشن ستارہ انہیں شوخی کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

☆ ☆